



مہرِ شہر

سوانح حیات

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب

آلہ اللہ صوفیہ



کتھے مہر علی کتھے تیری شناگستاخ اکتھے جاڑیاں



سوانح حیات
حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف

عبدالحق صاحب دہلی محمدی

غرض ادا کے نیاز است و نہ حاجت نیست کمال حشمت محمود را بعجب زیار

مولوی مفتی بخش
محمدی سیفی

16-6-1999

مہر پیر

سوانح حیات

قَاتِلُ فِي اللَّهِ بَاقِي بِاللَّهِ آيَاتُ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ

حضرت سید پیر علی شاہ صاحب نور اللہ صرکتہ

گولڑہ شریف - ضلع راولپنڈی



تألیف

مولانا فیض احمد صاحب فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف



باجازت

حضرت سید پر غلام محی الدین شاہ صاحب قس برہ

بالہتمام

جناب سید پر غلام معین الدین شاہ ضاویہ سید پیر شاہ عبدالحق شاہ ضاویہ علی

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں۔

بار _____ ہشتم
تعداد _____ چار ہزار (۴۰۰۰)
مقام اشاعت _____ گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد
تاریخ اشاعت _____ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق اگست ۱۹۹۷ء
ہدیہ _____

خطاطی : خوشی محمد ناصر قادری خوش رقم جالندھری (مرحوم)
بنک کالونی - سمن آباد - لاہور

مطبوعہ _____ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۱۸- جی ٹی روڈ - سمن زار سٹریٹ لاہور ۵۴۹۲۰
فون : ۶۸۶۵۰۱۰، ۶۸۶۴۱۶۴، ۶۸۱۴۳۳۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تعارف مؤلف

حضرت اُستاد العلماء مفتی فیض احمد خطیب جامع دربار عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد

آپ ۲۲ مارچ ۱۹۲۱ء کو اپنے آبائی قصبہ سستی بختاور ڈھانڈک تحصیل و ضلع جھکڑ میں ایک مشہور علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے مورث اعلیٰ حضرت میاں محمود اور اُن کے پوتے حضرت حافظ میاں عیسیٰ سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشہور صاحب علم و فہم بزرگ ہوئے ہیں جن کے حالات کتاب مناقب سلطان باب دہم میں مذکور ہیں۔ آپ کے والد حافظ غلام محمد صاحب اور چچا حافظ اللہ بخش صاحب نے اُستاد الاساتذہ علامہ محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور سے اکتساب علم کیا اور اُنہی کے ذریعہ اُن کے شیخ طریقت سند الحقیقین حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قادری حشّی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے مقامی مڈل سکول میں تعلیم کے علاوہ گھر پر بھی دینی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۷ء کی ابتدا میں حضرت گولڑوی کی بیعت سے مشرف ہوئے اور جنوبی پنجاب کے دینی و روحانی مراکز ملتان و تونسہ شریف میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت علامہ گھوٹوی کے شاگرد رشید اور حضرت گولڑوی قدس سرہ کے مخلص مرید اُستاد العلماء حافظ مہر محمد صدر مدرس جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور کی خدمت میں درس نظامی کی تکمیل کی اور سند حاصل کی۔ اُستاد صاحب کو آپ کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۳۶ء میں جامعہ میاں صاحب شرق پور شریف میں تدریس کے لیے بھیج دیا اور پہلے ہی سال آپ نے درس نظامی کی پوری پڑھائی پڑھائیں۔ اچھرہ کے قیام کے دوران تحریک پاکستان عروج پر تھی آپ نے اپنے مشائخ کی ہدایت پر ہم خیال دینی طلباء کے ساتھ مل کر تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔

آپ نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۰ء کی ابتدا تک جامعہ میاں صاحب شرق پوری، جامعہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ لغمانی ملتان اور جامعہ مسعودیہ پپلاں ضلع میانوالی میں سینکڑوں شاہقین علم کو مستفید کیا اور اپریل ۱۹۶۰ء میں حضرت السید پیر غلام محی الدین گیلانی قادری حشّی المعروف بابو جی علیہ الرحمۃ کے حکم سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں تدریس، فتویٰ نویسی اور خطابت کے فرائض سنبھالے اور اُنہی کے حسب ارشاد حضرت السید پیر مہر علی شاہ گیلانی قادری حشّی گولڑوی قدس سرہ کی مستند اور جامع مفضل سوانح حیات بہرِ نیر تالیف کی جو اندرون و بیرون ملک نہایت قبول ہے نیز حضرت پیر صاحب کی فارسی تصانیف و موقوفات کا اردو ترجمہ اور آپ کے فتاویٰ کو مرتب کر کے شائع کرانے میں اہم خدمت سرانجام دی۔ ۱۹۶۹ء میں جب کچھ لادینی اور سیکولر نظریات کا پرچار مملکت اسلامیہ ہندوستان میں شروع ہونے لگا تو آپ نے بغداد شریف کی تنظیم العلماء کے معروف ادارہ تربیت الاسلامیہ کے ایک مشہور عالم حضرت مولانا شیخ ساطع الحمیلی کے ساتھ پاکستان کے اکثر بڑے شہروں میں مختلف مکتب فکر کے علماء کو لادینی نظریات کے خلاف متحد ہونے کی ہمیت سے خبردار کیا اور شیخ مذکور مدظلہ کے خطبات کی ترجمانی کی جس پر انہوں نے آپ کو اپنے ادارہ کی طرف سے اعزازی سند دی۔ شیخ مذکور مدظلہ جامعہ ازہر مصر کے سند یافتہ ہیں اور آپ عراقی علماء کے مشورہ پر جنوبی امریکہ، قریب و اتر جنتائن میں اسلامی تبلیغی مرکز کے سربراہ ہیں اس سے قبل آپ کو پاکستان کی مشہور علمی شخصیت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی صدر جماعت اہل سنت و تنظیم المدارس نے اپنے جامعہ انوار العلوم ملتان کی اعزازی سند عطا فرمائی جو آپ کی دینی خدمات کے اعتراف کا مظہر ہے۔

حضرت بابو جی کے حسب ارشاد ۱۹۷۱ء میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کے زیر صدارت منعقدہ سنی کانفرنسوں میں آپ نے اسلامی نظام کے موضوع پر خطاب کیا۔ ۱۹۷۲ء کی تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۴ء کی تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے خطبات و فتاویٰ اور تقریروں میں جمہور اہل اسلام کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی۔ اور اس کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے عمل کی تکمیل کے لیے تقریر و تحریک و فتاویٰ کے ذریعہ کوشاں ہیں۔ گوڑہ شریف جیسے مرکزی مقام میں اس قدر طویل عرصہ تک خدا تعالیٰ کے فضل سے ان دینی خدمات کی وجہ سے آپ کو دینی علوم خصوصاً اسلامی فقہ پر کافی عبور حاصل ہے۔ اور آپ کے فتاویٰ اندرون و بیرون ملک مستند سمجھے جاتے ہیں۔ اور آپ کی تقریر جو کتاب و سنت و اقوال اکابر ملت کی روشنی میں نہایت جامع ہوتی ہے، عوام و خواص میں اثر انگیز ہوتی ہے متعدد بار حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور حضرت بابو جی کے ساتھ عراق و افغانستان کا دورہ بھی کیا اور وہاں کے زعماء و علماء سے اتحاد اسلامی پر تبادلہ خیال کیا جس کی اس وقت اُمتِ مسلمہ کو نہایت ضرورت ہے۔ اور یہی مسلک آپ کے شیخ طریقت حضرت مجددِ ملت گولڑوی قدس سرہ اور آپ کے اسلاف کرام کا رہا ہے جو سلسلہ عالیہ قادریہ کے صاحب کمال بزرگ ہوئے ہیں اس کی تفصیل مہرِ منیر کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔

محمد حیات خان

محمد فاضل خان

عرض مؤلف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور جناب رسالت مآب علی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ حضرت قبلہ عالم گولڑوی پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی کے متعلق ایک جامع تذکرہ کو کوشش بسیار کے باوجود ایک طویل مدت تک عالم وجود میں نہ آنے کے کئی وجوہات تھے۔

اول تو یہ کہ اللہ جل شانہ نے علم و فہم میں حضرت قبلہ عالم کو جو مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا، اُس کا صحیح ادراک و بیان ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔ کیفیات قلبی اور مشاہدات باطنی کا استفہام اور پھر اُن کا الفاظ میں اظہار صرف دُشوار ہی نہیں بلکہ قریباً محال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس تاذ العلماء مولانا محمد غازی جیسے متبحر عالم نے بھی جن کے علم کے متعلق خود حضرت قبلہ عالم کامل اعتماد کا اظہار فرمایا کرتے تھے، تقریباً پچاس سال کی طویل صحبت و استفادہ کے باوجود بالآخر متافانہ انداز میں یہی کہا کہ افسوس ہم حضرت کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ آفتاب آمد دلیل آفتاب پر اکتفا کرتے ہوئے اس میدان میں قدم بڑھانے کی جرأت کسی کو نہ ہوتی تھی۔

دوم یہ کہ اپنی حیات ہی میں بعض فحاصین کی جانب سے قلبندی حالات کی استمداد حضرت قبلہ عالم نے منع فرمادیا تھا کہ میرے متعلق کوئی کچھ نہ لکھے۔ لہذا ایک تو اس کام کا فی ذاتہ مشکل ہونا، دوسرے آنجناب کا حکم امتناعی رب سے جسے حوصلے بھی پست ہونے کا باعث ہوا۔ اور تیسری ۱۹۳۷ء یعنی آپ کے وصال تک کسی کو اس طرف توجہ کرنے کی جسارت نہ ہوئی۔

سوم یہ کہ آنجناب کے بعد آپ کے خلیفہ الصدق پیر سید غلام محی الدین شاہ المعروف حضرت قبلہ بابو جی مظاہر العالی نے بھی ”من پسینم و پدرم چنناں“ کے دعوئے سے یکسر مبرا اور تواضع و انکسار کا مجسم پیکر ہونے کے باعث حضرت قبلہ عالم کے ارشاد کے خلاف کسی کی حوصلہ افزائی نہ فرمائی۔ اللہ حالات زمانہ ضرورت وقتی، جذبہ اخلاص و نیاز اور استفادہ خلق کے پیش نظر بعض حضرات نے از خود خفیہ طور پر کچھ نہ کچھ یادداشتیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔

سب سے پہلے حضرت کے نیازمند اور جامعہ عباسیہ، بہاول پور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد نے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا اور حضرت قبلہ عالم سے خود سے ہوئے یا دیگر معتبر ذرائع سے معلوم کردہ واقعات کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ مگر وقت معین آجانے کے باعث اس سعی جمیل کو تشنہ تجمیل ہی چھوڑ کر ۱۳۶۷ھ یعنی ۱۹۴۸ء میں راہی ملک بقا ہو گئے۔

ایک اور نیازمند ملک سلطان محمود ڈوانہ نے، جو حضرت قبلہ عالم کے زمانہ میں اور کافی عرصہ بعد بھی استاذ عالیہ

کے شعبہ خط و کتابت پر مامور رہے تھے، اس ضمن میں کوشش شروع کی۔ انہوں نے مولینا محبوب عالم سے، جو کافی عرصہ تک حضرت قبلہ عالم کے سفر و حضر میں مصاحب رہے تھے، حضرت کے متعلق ان کے حتم دیدار دیگر ذرائع سے معلوم شدہ حالات کو فراہم کرنا شروع کیا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں حضرات بھی جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ یعنی مولینا محبوب عالم کا ۱۹۵۲ء میں اور ملک سلطان محمود کا ۱۹۵۶ء میں انتقال ہو گیا اور مسودہ پھر نامکمل رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ کے ایک عقیدت مند آرزو دانی رام پوری نے اس ضمن میں بہت اصرار کے بعد قبلہ بابو جی سے مشروط اجازت حاصل کی۔ قبلہ بابو جی نے فرمایا: لکھیے، مگر خیال رہے کہ آپ کے قلم سے میں اپنا ذکر نہیں چاہتا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ بات سے بات نکال کر میرا ذکر چھیڑ دیں اور آپ کی عقیدت کتاب کو افسانہ ہی بنا دے۔ گویا حضرت بابو جی مدظلہ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت قبلہ عالم کا منع فرمانے سے مطلب یہ تھا کہ لوگ بعد از حقیقت باتیں لکھ کر پیراں نمی پرند مریاں بھی پرانند کا مصداق بنتے ہیں۔ آرزو صاحب کے مسودہ کے تاخذ زیادہ تر مولینا شیخ الجامعہ اور نواب زادہ واجد علی اشک رام پوری کی تحریریں دروایات تھیں۔ اشک رام پوری والیان رام پور کے خاندان میں سے تھے۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دینیات سے واقفیت اور شاعری سے شغف تھا۔ خوب شعر کہتے تھے۔ عمر کا آخری حصہ درویشانہ رنگ میں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر بسر کیا۔ انہیں حضرت کے اکثر دیرینہ ارادت مندوں سے ملنے کے مواقع میسر آئے۔ ۱۹۵۸ء میں یہیں فوت ہو کر گولڑہ شریف میں ہی مدفون ہوئے۔

متذکرہ بالا تینوں مسودات جو زیادہ تر حضرت قبلہ عالم کے متفرق حالات پر مشتمل تھے۔ مگر آپ کی تعلیمات کا ان میں بہت کم ذکر تھا، ۱۹۵۸ء تک جوں کے توں دھرے رہے اور ان کی تکمیل و اشاعت کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم بعض عقیدت مند اور دیگر اہل قلم حضرات وقتاً فوقتاً اپنے طور پر حضرت قبلہ عالم کے متعلق اپنے مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع کراتے رہے۔ جن میں بعض حالات صحیح اور بعض خلاف حقائق بھی ہوتے تھے۔ چند قادیانی اور غیر مقلد مقلین نے بھی حضرت سے اختلاف کے باعث واقعات کو توڑ موڑ کر شائع کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت قبلہ عالم کے صحیح اور مستند حالات مع تعلیمات منظر عام پر لائے جائیں تاکہ وہ مشن جو آپ نے اپنی حیات طیبہ میں جاری فرمایا تھا، بطریق احسن جاری رہے۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں جب کہ راقم الحروف آستانہ عالیہ پر اقامت کی سعادت سے مشرف ہوا تو حضرت کے ارادت مندوں میں یہ احساس شدت اختیار کر چکا تھا۔

اتفاقاً ان ہی ایام میں جناب سید غلام مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی بمقام راولپنڈی نے قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں افکار راولپنڈی کے نام سے ایک کتاب شائع کر رہا ہوں، جس میں مشاہیر حضرات کا بھی ذکر ہو گا، اس لیے حضرت قبلہ عالم کے حالات قلم بند کرنے کی اجازت بخشی جاوے۔ شاہ صاحب کے اصرار پر قبلہ بابو جی نے راقم الحروف کو مستذکرہ بالا مسودات میں سے کچھ مختصر واقعات تحریر کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ جو شاہ صاحب نے لے کر بعینہ کتاب مذکور میں شائع کرادیے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ جناب بابو جی کی اجازت سے حضرت قبلہ عالم کے کچھ حالات باضابطہ طور پر کتابی صورت میں ظہور پذیر ہوئے۔

بالآخر قبلہ بابو جی نے متوسلین کی گزارشات پیہم اور ضرورت وقت کے خیال سے مجھے ارشاد فرمایا کہ گو حضرت قبلہ عالم کا ارشاد گرامی اب بھی میرے پیش نظر ہے، مگر بعض لوگوں کی افراط و تفریط کے مد نظر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت کی سوانح حیات تحریر کی جائے، لیکن کوشش اس امر کی ہو کہ حالات مستند ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آپ کے مسلک اور تعلیمات کے بیان، آپ کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور فتاویٰ وغیرہ پر مبنی ہو۔ غیر ضروری حالات و کرامات کے ذکر سے حتیٰ الوسع اجتناب کیا جائے، کیونکہ حضرت کی شان محتاج بیان نہیں اور نہ اظہار کمال میرے مشائخ کرام کا مسلک ہے۔

پہلے تو اس عظیم ذمہ داری کی برداشت سے خود کو عاجز و پکار مجھے خیال پیدا ہوا کہ معذرت کر دوں، مگر پھر اللہ تعالیٰ کی تائید اور حضرات مشائخ کرام علیہم الرضوان کی نظر کرم پر تکیہ کرتے ہوئے، خدا کا نام لے کر سلسلہ تالیفات شروع کر دیا۔ بحال یہ ذرہ نوازی حضرت قبلہ عالم کی محض اس نگہ کرم کا صدقہ ہے، جو اس سچپان کو انتخاب کے وصال سے فقط تین چار روز قبل حاضری کے وقت نصیب ہوئی۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ کہاں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی سوانح مبارکہ کی ترتیب تدوین اور کہاں یہ علوم و جہول بے بضاعت۔ ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

اس کتاب کی تالیفات میں مذکورہ بالا مسودات کے علاوہ حضرت قبلہ عالم کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور بعض قلمی تحریروں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی انتخاب کے صحبت یافتہ اور دیرینہ متوسلین سے بالمشافہ اور بذریعہ خط و کتابت بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ حضرت کے مشائخ کرام و آباء و اجداد کے حالات اور بعض ضمنی مباحث کے سلسلہ میں متعدد معتبر کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے، جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر کر دیا گیا ہے۔

اکثر امور میں حضرت قبلہ بالوجہ مظلہ سے رہنمائی حاصل کر کے حضرت قبلہ عالم کی تعلیمات اور مسلک کی تشریح کی گئی ہے۔ اس لیے ان مقامات پر جناب بالوجہ کا ذکر بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔

حضرت قبلہ عالم کی کرامات، اولاد و امجاد، متوسلین و معاصرین کا ذکر فقط اس حد تک کیا گیا ہے، جو اس سوانح کی تکمیل کے لیے ضروری تھا ورنہ تفصیل یاد دفتر سے دیگر باید۔ بعض اہم مسائل میں علمائے ہم مسلک کے ساتھ بھی تبادلہ خیالات کر لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کئی برسوں کی پیچیدہ اور عاجزانہ مساعی کا ثمرہ کتاب "مہر منیر" کی صورت میں پیش خدمت ہے۔ ع۔ کہ قبول افتد زہے عز و شرف۔

یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے :-

باب اول میں خاندان و آبائے کرام کا ذکر ہے۔

باب دوم میں زمانہ طفولیت اور کسب علم کے حالات ہیں۔

باب سوم زمانہ درس و تدریس سے تعلق رکھتا ہے۔

باب چہارم جذب و سیاحت کے حالات پر مبنی ہے۔

باب پنجم میں مسند ارشاد کے کوائف ہیں۔

باب ششم حضرت کے وصال، اولاد و متوسلین کے اذکار پر مشتمل ہے۔

باب ہفتم حضرت کے معاصرین کے ذکر میں ہے۔

باب ہشتم میں انتخاب کے بعض مناظرات و مذاکرات ہیں۔

باب نهم میں آپ کے ارشادات یعنی ملفوظات و مکتوبات و کلام منظوم مندرج ہیں۔

باب ہفتم تصانیف اور بعض فتاویٰ سے متعلق ہے۔
باب یازدہم بعض کرامات کے ذکر میں ہے۔

مضامین کی فہرست کتاب کے آغاز میں دے دی گئی ہے۔

خاتمہ کلام پر میں جناب ملک محمد خدا بخش ٹوانہ، ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس، اپنے برادر عزیز مولوی مشتاق احمد فاضل مجاہد غوثیہ گولڑہ شریف وایم۔ اے جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور خان محمد اقبال خان مرحوم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس تالیف و تدوین میں بے حد محنت و انہماک سے میرا ہاتھ بٹایا۔ افسوس کہ مؤخر الذکر اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور آستانہ عالیہ میں مدفون ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے دونوں بھائیوں محمد حیات خان اور محمد فاضل خان نے اُسی جذبہ اور اخلاص سے کتاب کی طباعت و تکمیل میں نمایاں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن مفت بول بندوں کے طفیل جن کے ذکر خیر پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس بندہ پر تقصیر اور اس کا رنج میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی مسامحہ قبول فرما کر فوز و فلاح داریں اور جملہ قارئین کرام کے لیے سعادت داریں کا موجب بنائیں آمین ثم آمین آمین
نیا زمند بارگاہ مہر فیض احمد فیض عفی عنہ
آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی

۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ { تاریخ تالیف
مطابق ۱۹۶۹ء

قطعہ تاریخ طبعت "مہر منیر"

مطبوع گشت تذکرہ عارف الہ
عالی جناب مہر علی شاہ پادشاہ
درس طبعت آمدہ از غیب ایس بندا
"مہر منیر" آمدہ اندر ظہور واہ
فیض ۱۹۷۳ ع

پیش لفظ طبع سوم

"مہر منیر" کی طباعت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آستانہ عالیہ کے ملنے والوں کو بالخصوص اور اہالیان پاکستان و ممالک اسلام کو بالعموم ایک سانحہ عظیم سے دوچار ہونا پڑا سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کے فرزند جلیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف بہ بابو جی قریباً چھ ماہ علیل رہنے کے بعد ۲ جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۷۲ء بوقت النجی شب اپنے لاکھوں ملنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے اور اس طرح ہماری آنکھیں سلسلہ کا ملین و صاحبین کے اس نہایت ہی درخشندہ ستارے کی زیارت سے محروم ہو گئیں حضرت بابو جی کے اوصاف حمیدہ یا اُن کے حالات زندگی کو یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں صرف آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام اور وصال کے مختصر حالات اس کتاب کے آخر میں دیئے جا رہے ہیں آپ کی مفارقت ہمارے لوں پر ایک کبھی نشٹنے والداع چھوڑ گئی ہے آپ کے تشریف لے جانے سے آپ کے ملنے والوں کی حالت قلبی کو مولانا نعمت اللہ صاحب الہ آبادی کا ایک مصرعہ جو انہوں نے حضرت اعلیٰ کے وصال پر کہا تھا خوب بیان کرتا ہے
وہ تو زندہ ہی ہے نعمت مگر ہم گئے اللہ تعالیٰ اُن کی ٹٹھی اور دلنشین یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے اور ہمیں اُن کے اوصاف حسنہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔
۲۹ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۷۳ء
فیض احمد فیض عفی عنہ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹	فضائل اہل بیتؑ پر بعض اکابرین کے ارشادات		باب اول
۲۲	حدیث حشم غدیر		خاندان و آبائے کرام
۲۳	مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ علیؑ		پہلی فصل
۲۴	نسبت اویسیؑ		خاندان
۲۴	مہر ہے ساری علیؑ دی	۳	شجرہ نسب
	تیسری فصل		حسینؑ پاک اور اُن کی ذریت فرزندان
	آبائے کرام	۴	رسولؐ ہیں
۲۶	مولائے کائنات جناب علیؑ		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تحریر اپنے نسب
۲۷	حسینؑ کریمین	۵	کے متعلق مع سند بغداد شریف
۲۷	حسینؑ کریمین کی اولاد امجاد	۸	نسب بحیثیت عمومی کا شرف
۲۷	غوث الثقلینؑ	۱۰	آل نبیؐ کے نسب طاہر کا شرف
۲۸	پیدائش کے وقت عالم اسلام کی حالت		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے نسب کے متعلق
۳۱	غوث الاعظمؑ کی تشریف آوری بغداد	۱۳	کراماتی ثبوت
۳۱	آپؑ کے روحانی تصرفات	۱۳	یہ بنو فاطمہؑ کی ٹوپی ہے
۳۲	تأاریوں کا قبول اسلام	۱۴	تائید و تصدیق غوثیہؑ
۳۳	پاساں مل گئے کعبہ کو صغم خانے سے	۱۵	کرامت جاریہ
۳۵	غوث الاعظمؑ کے کوالت زندگی	۱۵	وادی حمر کار وایتے صادقہ
۳۷	عشق فارغ کرد آرزو دنیا و ماہما را	۱۶	ایک جن کی شہادت
۳۸	مُحی الدینؑ		دوسری فصل
۳۹	آپؑ کی مجالس و عطا		فضائل اہل بیتؑ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۰	موازنہ عقل و عشق	۱۷	فضائل اہل بیتؑ پر اکابرین اُمت کی کتب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب دوم زمانہ طفولیت و کسبِ علم	۴۰	اقلیم ولایت کی شہنشاہی کا فرمان
۴۱	ولادت	۴۱	خواجہ غریب نواز چشتی کا سر جھکانا
۴۱	شانِ مجددیت کی غمازِ نغمائے ولادت و وصال	۴۱	شیخ صنعان کا انکار و توبہ
۴۳	چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا ہم عدد	۴۱	اس فرمان کا مفہوم
۴۴	آمد آمد کی نوید	۴۲	تصرفات بعد از وصال
۴۴	اسے معلوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے	۴۳	حضرت غوث الاعظم و اکابرین اُمت
۴۴	بچپن میں عشقِ الہی کی سرگرمیاں	۴۵	رسالہ انوارِ قادریہ پر حضرت قبلہ عالم
	سات برس کی عمر میں بحالتِ خواب ابلیس سے		قدس سترہ کی تفسیرِ ربط
۴۵	قوتِ آزمائی		چوتھی فصل
۴۵	ابتداءِ تعلیم	۴۹	حضرت قبلہ عالم کے دیگر اجدادِ کرام
۴۵	قرآنِ ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا	۴۹	سید تاج الدین عبدالرزاق و سید جمال اللہ حیات المیر
۴۵	مادر زاد ولایت پر کرم خوردہ کتاب کی شہادت	۴۹	سید ابوالصلح طاہر نصر و سید علی بغدادی
۴۶	موضع بھوئی کے درس میں داخلہ	۵۰	سید تاج الدین محمود و سیدانی الیحات
۴۶	بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ	۵۰	حضرت میراں شاہ قادرِ مقصود
۴۶	عید گاہ ماغریبیاں کوئے تو	۵۱	حضرت شاہ محمد فاضل قلندر
۴۸	درسِ انگہ میں شمولیت		حضرت پیر سید روشن دین شاہ و
۴۸	ہم درس کا احساسِ کمتری	۵۱	پیر سید رسول شاہ
۴۸	موروثی جود و ایثار کا مظاہرہ	۵۲	گولڑہ
۴۸	تم قصیدہ پڑھو میں قصیدہ والے کو بلاتا ہوں	۵۲	سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ پانی پتی
۴۹	ایک آسیب زدہ مسجد کو دارالوظائف قرار دینا		حضرت پیر سید میراں شاہ و حضرت پیر
۴۹	جرات و رحم دلی کا مظاہرہ	۵۳	سید فضل دین شاہ
۴۹	خلوت میں جلوت		حضرت پیر سید نذر دین عرف حضرت
۵۰	ایک عابدہ مانی کی پیشین گوئی	۵۴	اجی صاحب
۵۰	تعلیم و تعلم میں انہماک	۵۵	زندہ جلانے کی کوششِ ناکام
۵۰	بلانے والے کو سلیقہ ہو تو اہلِ برنخ جواب دیتے ہیں	۵۶	ایک مجذوب کی کارکردگی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	حدیث قَوْلُوا لِلّٰی سَيِّدٍ كَهْدٍ بِحَث	۷۱	ایک قادری فقیر کے محبت بھرے جملہ کا اثر
۸۳	آئین بالجہر پر مناظرہ	۷۱	استاد محترم کی معیت میں سیال شریف
۸۳	ایک مجذوبہ کی والہانہ صدا	۷۱	کی حاضری
۸۴	اثنا سے درس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غایات	۷۱	بہ ہند وستان داد خواہم لگام
۸۴	سیدلے تاشوں سے نفرت	۷۲	مولانا احمد حسن محدث کا پٹوری سے ملاقات
۸۴	تحصیل علوم کے بعد مراجعت وطن	۷۳	ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز
	باب سوم	۷۳	استاد الکمل مولانا طیف اللہ علیگر طریقی
	زمانہ درس و تدریس	۷۵	علی گڑھ کے درس میں تحصیل علم
	مراجعت وطن، اجرائے درس و تدریس	۷۵	یورپی امتحان کا اعتراف کمال
۸۷	خانہ آبادی	۷۶	ایک مجذوب کا اظہار حیرت
۸۷	تدریس و تعلیم میں خصوصی شان		طالب علمی میں جوہر و کرم اور ریاضت و مجاہدہ
۸۸	مسجد ضرار کے مسئلہ پر حضرت کا موقف	۷۶	کی شان
	معقول کی مشہور کتاب قاضی مبارک کی تدریس		مولانا عبد اللہ ٹوٹکی سے ایک طالب علمانہ
۸۹	پر علماء کا اظہار حیرت	۷۶	بحث
۸۹	ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ	۷۷	طالب علمی میں رشک انگیز تدریس
۹۱	دوران مناظرہ اپنے جد امجد کی روحانی توجہ	۷۸	ذہنی اور روحانی قوتی کے ساتھ جانی طاقت
۹۱	ریاست سوات کا سفر	۷۸	مولانا طیف اللہ کی ملاقات کیلئے دوبارہ سفر ہند
۹۲	خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اور حضرت کی تلقین	۷۹	مولانا طیف اللہ کی طرف سے عطیہ سندات
۹۳	اعلیٰ حضرت سیالوی سے بیعت	۷۹	۱۔ اجازت نامہ کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ
	شیخ کے حضور میں مسالک وحدت الوجود و شہود	۸۰	۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف
۹۳	پختہ دیر	۸۰	۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید ترجمہ و تفسیر
۹۳	اپنے شیخ کی توجہ کے متعلق آپ کے تاثرات	۸۰	۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین
	سیال شریف میں وحدت الوجود پر ایک عالم	۸۱	۵۔ حدیث شریف مسلسل بالاولیہ
۹۴	سے گفتگو	۸۱	۶۔ سند رسالہ حدیث مولانا محمد سعید سنبل
۹۵	خلافت ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک	۸۱	۷۔ سند حدیث مصافحہ
۹۶	حضرت ثانی سیالوی کی خاص غایات	۸۱	شہریت درس حدیث بمقام سہارنپور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۸	استاذ العلماء مولیٰ محمد غازی کی حضرت سے پہلی ملاقات	۹۷	حضرت اعلیٰ سیالوی کے فیوض و برکات بعض مشہور خلفاء کا ذکر خیر
۱۱۹	مولیٰ حاجی رحمت اللہ سے ملاقات	۹۷	اقتباس از کتاب "النوار شمسہ"
۱۱۹	دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ		باب چہارم
۱۲۰	مولیٰ رحمت اللہ کے حضرت کے متعلق تاثرات		زمانہ جذب و سیاحت
۱۲۰	قاری عبد اللہ مکی کی حضرت سے ارادت	۱۰۱	حضرت کی اپنے شیخ سے عقیدت
۱۲۱	قاری عبد اللہ کا مکتوب	۱۰۱	طلب مزید کیلئے بیابانوں میں خلوت کا راز
۱۲۳	قاری احمد کا مکتوب	۱۰۲	وصال شیخ کے بعد آپ کی حالت
۱۲۵	قاری احمد کے حق میں حضرت کی سند علوم	۱۰۳	مجاہدات کنار راوی
	قاری عبد الرحمن الہ آبادی و قاری عبد الرحمن جونپوری	۱۰۴	خان بہادر مولوی شیر محمد اسٹنٹ پولیس کلکٹ
۱۲۶	کی حضرت سے ارادت و عقیدت	۱۰۵	فتوحات مکیہ کا بالاستیعاب مطالعہ
	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے درس	۱۰۵	انجمن نعمانیہ میں تدریس کی پیش کش
	میں حضرت کی تقریر و حاجی صاحب کا	۱۰۶	شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں قیام
۱۲۸	عطائے سلسلہ صابریہ	۱۰۷	آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی
	حضرت حاجی صاحب کی ان عنایات پر ان	۱۰۸	ایک اور عاشق دیوانہ
۱۲۹	کے بعض متوسلین کا رد عمل	۱۰۹	سفر مالیر کوٹلہ
۱۲۹	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور آپ کا مسک	۱۰۹	سفر نٹان
۱۳۰	فتوحات مکیہ کے حصول میں تائید غیبی	۱۱۰	سفید مرغ نے مدونہ دولت کی نشاندہی کی
	حضرت کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلق ایک	۱۱۲	حضرت موسیٰ پاک شید کے مزار پاک کی کشش
۱۳۰	بزرگ کا کشفی مشاہدہ	۱۱۲	ڈیرہ غازیخان کا ایک ناگافقیر
	وادی حمر کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم	۱۱۴	فقیر صاحب نوٹن کے دعویٰ کا جواب
۱۳۱	کی قلمی تحریر	۱۱۵	مجاہدات مظفر گڑھ
۱۳۳	اس کٹھن سفر میں شان استغنی و اثبات و کرم	۱۱۶	حضرت خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر اشارہ غیبی
۱۳۴	عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار	۱۱۶	مجاہدات حسن ابدال
۱۳۴	ریاست بھوپال کا سفر	۱۱۶	سفر حجاز
		۱۱۷	درد مستغاث پر گفتگو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب پنجم		باب پنجم
	مسند ارشاد		پہلی فصل
	مجدد اہل شواہد		
۱۴۶	بعض سابقین الاولون	۱۴۹	مسند اکابرین
	بعض مشہور خطیب اور ادیب پر شہرہ اخلاص		تردید مزائیت
۱۴۷	میں مسلک	۱۵۰	انسدادِ چکر الویت
۱۴۷	حضرت کی ابتدائی نشست گاہ		ردِ بختیت
۱۴۸	مراقبہ ذکر و فکر کی کیفیت	۱۴۰	انگریزی تعلیم پر حضرت کا مسلک اور دینی مدارس
۱۴۸	شانِ تربیت		میں دیکھی
۱۴۹	فقیر محمد امیر کوٹ اٹل	۱۴۰	مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبد القیوم کے
۱۵۰	بابا غلام فرید بٹالوی		ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی
۱۵۱	فقرت کی بے نفسی و بے غرضی	۱۴۱	بریلوی اور دیوبندی
۱۵۲	اگر خدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ	۱۴۲	وَمَا أَهْلَ بَيْتِهِ لَعَنَ اللَّهُ کی صحیح تفسیر
۱۵۲	چالیس روز کی بجائے دو یوم ہی میں تکمیل کار		غیر متقدمین
۱۵۳	سفر حج کے مکاشفات	۱۴۲	علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک
۱۵۳	شیخ کی غیرت		وحدت الوجود اور وحدت الشہود
۱۵۴	حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت	۱۴۳	مسئلہ خلافت و فضیلت
۱۵۴	قاضی فیض عالم		لعن زبید
	تیسری فصل	۱۴۳	تہذیب میں رفع سبابہ کی سنت کا احیاء
	سماع اور غنا پر حضرت کا مسلک اور		اوقات سنو نہ نماز کی پابندی اور وظائف کی
	آپ کی زندگی کے چہرہ واقعات		تصحیح و ترتیب
۱۵۵	سماع اور غنا کا مطلب اور بابِ حال کا مسلک	۱۴۳	تحرکِ خلافت
۱۵۵	حضراتِ چشتیہ کا مسلک		شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار
۱۵۶	حضرت کا مسلک	۱۴۴	سیاست سے پرہیز
۱۵۶	انیگلوانڈین ریلوے گارڈ پر سماع کا اثر		قبول عام کی خلعت
۱۵۷	اجمیر شریف کے قوال کا واقعہ	۱۴۵	
۱۵۷	ہندو جوگی کا قبولِ اسلام		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۸	روحِ انسانی	۱۵۷	آپ کی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات
۱۸۸	قیامت	۱۶۰	جناب غیاث الدین اجمیری کا واقعہ
۱۸۸	جہاد بالسیف	۱۶۱	علمائے حد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ
۱۸۹	معراجِ جسمانی	۱۶۱	کفر و ایمان کی بحث
۱۸۹	احترامِ انبیاء	۱۶۲	علماء کا سکوت اور دیوانِ صفا کی رقت اور بیت
۱۹۱	آلِ نبی کا احترام		چوتھی فصل
	نبی کریمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے متعلق قادیانیوں	۱۶۳	قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ
۱۹۳	کی زبان درازی	۱۶۵	باقی قادیانیت اور ان کی ابتدائی زندگی
۱۹۳	تمام اُمتِ محمدیہ پر کفر کا فتوے	۱۶۶	مرزا صاحب کے ابتدائی عقائد
۱۹۴	قادیانیت کے پس پردہ کار فرما قوتیں	۱۶۷	اس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت
۱۹۵	برطانیہ کی اطاعتِ نصف الاسلام	۱۶۷	مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ
۱۹۵	قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقعات	۱۶۸	مثیل مسیح سے مسیح موعود
۱۹۷	مرزا صاحب کے عادی کا اُمتِ مسلمہ پر ردِ عمل	۱۶۹	مشابہتِ مسیح کے دلائل
۱۹۸	قادیانی اور لاہوری پارٹی	۱۶۹	احادیثِ نزولِ مسیح کی تاویل
۲۰۰	اعتبار	۱۷۱	مسیح موعود سے نبوت تک
	پانچویں فصل	۱۷۲	ختمِ نبوت کے خلاف انوکھے استدلال
	حضرت قبلہ عالم قدسؒ کا قادیانیت کے	۱۷۳	ظلی نبی
	خلافِ معرکہ	۱۷۳	ظلی نبی سے مستقل اور صاحبِ شریعت نبی
۲۰۳	باطنی ارشادات	۱۷۶	مرزا صاحب کی وحی
۲۰۳	ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر	۱۷۷	مرزا صاحب کے الہامات
	مولوی محمد حسین بٹالوی اور خواجہ غلام فرید چاچرٹاں	۱۷۸	مرزا صاحب کے الہامات اور عرفان الہی کے نمونے
۲۰۴	کی ابتدائی خوش فہمیاں	۱۸۰	مرزا صاحب کی مشین گوئیاں
۲۰۵	شیخ الجامعہ کا بیان	۱۸۲	الہامات کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا فرمان
۲۰۵	مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا	۱۸۵	مرزا صاحب اور قرآن و حدیث
	قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلہ عالم قدسؒ سے	۱۸۶	مسلمانوں سے اسلام کے ہر اصول پر اختلاف
۲۰۷	کاجواب	۱۸۶	نزولِ ملائکہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۲	قادیانی جماعت میں انتشار	۲۰۶	مشائخ طریقت کو چیلنج
۲۳۳	کرنامات اور معجزات میں مقابلہ کی پیش کش	۲۰۶	"شمس الہدایت" کا طلوع
۲۳۳	لاہور میں قادیانی داعیوں کے حیلے بہانے	۲۰۷	قادیان میں تہمکہ
۲۳۴	تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سے	۲۰۷	مولوی عبد الجبار غزنوی کا خط
۲۳۴	کی ایک مشہور عام بات	۲۰۸	حکیم نور الدین صاحب کے بارہ سوالات
۲۳۴	قادیانی چیلنج کے جواب میں فقیر غفور کا رجز	۲۰۸	حضرت کے جوابات
۲۳۵	شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ	۲۰۸	حکیم نور الدین پر صرف ایک سوال جو تشہیر جواب
۲۳۷	قیعہ یا فیصلہ جلسہ ہذا	۲۰۹	ہی رہا
۲۳۸	علماء و مشائخ ناصرین کی فہرست	۲۱۰	مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ
۲۴۱	حضرت قبلہ عالم قدس سے لاہور سے واپسی	۲۱۵	کی دعوت
۲۴۲	پر مرزا صاحب کا اشتہار	۲۱۵	نقل ضمیمہ اشتہار دعوت
۲۴۲	مرزا صاحب کے عذرات	۲۱۸	چھپاسی علماء کے اسما کی فہرست
۲۴۲	ان عذرات کا جواب	۲۱۹	نقل اشتہار جواب دعوت
۲۴۳	مسلمان دانشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے	۲۲۲	نقل ضمیمہ اشتہار جواب دعوت
۲۴۳	اشتہارات اور دلائل کار و عمل اور ان کے	۲۲۸	جماعت علماء کی طرف سے جواب دعوت کا اشتہار
۲۴۳	عواقب	۲۲۸	حضرت کی طرف سے تقریری بحث
۲۴۳	گھڑی ٹیٹے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت	۲۲۸	کی دعوت کار و عمل
۲۴۵	حضرت کی ذات گرامی پر اس نئی مبارز طلبی	۲۲۸	فریقین کی توقعات کا جائزہ
۲۴۵	کار و عمل	۲۲۹	قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی
۲۴۵	"سیب چشتیانی"	۲۳۰	نامنظوری کے خط پر اس شرط کی واپسی
۲۴۶	"اعجاز المیسج"	۲۳۰	مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع
۲۴۹	"شمس بارزہ"	۲۳۰	مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم
۲۵۱	حضرت قبلہ عالم قدس سے لاہور کی اس ضمن میں	۲۳۱	قدس سے کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا
۲۵۱	ایک پیش گوئی	۲۳۱	لاہور میں حضرت قبلہ عالم قدس سے لاہور کی تشریف آوری
۲۵۲	"سیب چشتیانی" پر بہتان سرور کی حقیقت	۲۳۲	مرزا صاحب کی آمد کا انتظار
۲۵۲	مرزا صاحب نے سرفہرست مضامین کا الزام واپس لے لیا	۲۳۲	قادیانیوں کی دور دہی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۴	ساتویں فصل حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور تحریک خلافت	۲۵۴	گورداسپور کے تقدسات میں حضرت کو بطور گواہ طلب کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے متواتر کوشش نامام
۲۵۵	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور ملکی سیاست	۲۵۵	مولوی محمد حسن فیضی
۲۵۸	تحریک خلافت کے اسباب	۲۵۶	مخالفین کا حضرت کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کا رجحان
۲۵۸	اسلامی خلافت کے متعلق علمائے اربعین کا مسلک	۲۵۷	الجبیتہ بالجبیتہ
۲۵۸	اپنے مسلک کے باوجود حضرت نے مخلصین کو تحریک خلافت میں حصہ لینے سے منع نہیں فرمایا۔	۲۵۷	معرکہ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا ایک اہم بیان
۲۶۰	تحریک خلافت میں ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کا مسئلہ		چھٹی فصل تحریک بابیت کا مقابلہ
۲۶۰	ہندوؤں کے ساتھ تعاون	۲۵۹	حدیث شدر حال
۲۶۲	مولینا محمد علی مونگیری اور مسٹر گاندھی کا مکالمہ	۲۶۰	زیارت روضہ رسول کی تاکیدی احادیث
۲۶۵	انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش	۲۶۱	زیارت قبور
۲۶۶	کانگریس کے تعاون سے مولینا عبد الباقی کا رجوع	۲۶۱	غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات
۲۶۶	مولوی محمد اسحق مانسہروی کا چیلنج	۲۶۲	علمائے مکہ کی طرف ابن عبد الوہاب نجدی کا رسالہ دعوت
۲۶۷	مولوی ظفر علی خان کی حاضری	۲۶۳	محمد بن عبد الوہاب نجدی کی عہدگی عقائد کے متعلق
۲۶۷	اسلامیان ہند کی آزادی کے لیے دُعا	۲۶۳	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ
۲۶۷	علی بیدرتہ انا و ہمیں اتبعہ میں بصیرت کے معرکہ اور نگرہ ہونے کا سوال	۲۶۳	بعض اہل طریقت رجعت کی زد میں
۲۶۸	ظفر علی خان کے خلاف شہادت سے انکار	۲۶۴	حضرت کے فتویٰ کے خلاف مخالفین کا اشتہار
۲۶۸	مولوی ظفر علی خان کا مسٹر گاندھی سے بگاڑ	۲۶۴	"الفتوحات الصمدیہ"
۲۶۹	تحریک ہجرت میں رائے عامہ کا طوفان	۲۶۵	عجالہ برد رسالہ
۲۶۹	حکیم شمس الدین وزیر آبادی حضرت کے ایک سرگرم خلافتی مرید	۲۶۵	حضرت شیخ اکبر کی تائید میں انعامی دعوت مناظرہ اور علمائے اہل حدیث کا سکوت
۲۸۰	حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت	۲۶۶	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تصنیف "اعلاء کلمۃ اللہ"

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۷	نواب سر عمر حیات خان و سر خضر حیات خان نواز	۲۸۲	حکیم صاحب کے اشک نہامت
۲۹۸	نواب میاں محمد حیات قریشی	۲۸۲	پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد
۲۹۸	سرکنڈ حیات خان نمان بہادر میاں شتاق احمد خان		آٹھویں فصل
۲۹۸	گورمانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ		حضرت قبلہ عالم قدس فرماؤ اور حکومتِ برطانیہ
	حاجی میاں کریم بخش، میاں عبدالرحیم	۲۸۳	انگریز شہنشاہ کے دربار میں شہریت سے انکار
	و میاں عبدالکریم سیٹھی پشاور و میاں	۲۸۴	اس انکار پر حکومتِ برطانیہ کا رد عمل
۲۹۸	امام بخش سوداگر ملتان	۲۸۴	ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی رو بکار کا جواب
۲۹۹	بعض نو عمر امیر زادے	۲۸۶	حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عالی میں استغاثہ
	گیارھویں فصل	۲۸۶	انگریز شہنشاہ پولیس سے مفروضوں کے متعلق گفتگو
	آزمائش کی چپند گھڑیاں	۲۸۷	ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت
۳۰۱	حضرت کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے		دوبیس فصل
۳۰۱	تلوار برہنہ		حضرت دیوان صاحب پاکستان شریف کی عقیدت
۳۰۱	سالن میں زہر	۲۹۱	پہلی ملاقات پر دیوان صاحب کا تاثر
۳۰۲	جادو کا وار		لباس اور سواری کے متعلق ایک انگریز کا اعتراض
۳۰۲	چاہ کن راجاہ درپیش	۲۹۱	اور اس کا جواب
۳۰۲	قربت داروں سے حضرت کا سلوک	۲۹۲	حضرت دیوان صاحب کے لیے زینہ اولاد کی کُشا
۳۰۳	بعض معاصرانہ چشمکیں	۲۹۲	جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی
	شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر گبوی کا اعتراض		بطاہر مطالعہ و شغل تبیح اور باطن حضرت باواصنا
۳۰۴	اور رجوع	۲۹۳	سے گفتگو
	جناب مولوی عبداللہ صاحب گڑھی افغاناں کا		دسویں فصل
۳۰۴	اعتراض و اصرار		والیان ناک اور قسائے عظام کا آپ سے توسل
۳۰۴	حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ملاقات کے لیے سفر	۲۹۵	امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان
۳۰۵	ملاقات	۲۹۶	نواب صاحب بہادر لیپور
	بارہویں فصل	۲۹۶	نواب ولی اللہ وحید آباد دکن
	حضرت کے بعض ہنگامی اور مقصد سفر	۲۹۶	نواب صاحب انب در بند
۳۰۷	پاک پن شریف کے سفر میں مقامات قیام	۲۹۷	سر ولد محمد علی خان گھیبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۸	ایک مخلص کے دلی خطرہ کا از خود جواب	۳۰۸	سفر سیال شریف کے دوران مقامات قیام
۳۱۸	حضوری نام گھوڑے کا اظہارِ ادب	۳۰۸	میاں ہندی مجذوب کا آپ کے نام خط
۳۱۸	پاک پتن شریف میں ایک گھوڑے کی سرکشی		حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ایک صاحب
۳۱۹	ڈھیری شاہاں کی بارات کا واقعہ	۳۰۸	مزار کی خط و کتابت
۳۱۹	معنوی جمالیات کے علاوہ محوری محاسن پر نظر	۳۰۹	بعض ہنگامی سفر
	باب ششم	۳۰۹	اسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اشارہ
	وصال، اولاد و اسناد اور متوسلین		پشاور میں حضرت اخوند درازندہ صاحب کے
	پہلی فصل	۳۰۹	مزار پر
	بیماری اور ضعف		تیسرے حصے کی فصل
۳۲۳	خواب و خور سے بے نیازی		تنظیم اوقات اور شمائل و خصائل
۳۲۳	ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس	۳۱۱	شیخ انجم صاحب کی قلمی یادداشت سے اقتباس
۳۲۳	منظرِ رحمتِ عالم	۳۱۱	اشغال
۳۲۴	انزونی مشاہدہ	۳۱۱	ارشاد و تلقین
۳۲۴	بشارات	۳۱۲	رمضان شریف کے اوقات
۳۲۴	ایک شکوہ آمیز گزارش	۳۱۳	متعلقین سے وفاداری کا معاملہ
۳۲۵	بطنی مشوروں پر پوراخوری کا التزام	۳۱۴	معاندین سے حسن سلوک
۳۲۵	کار کا حادثہ	۳۱۴	دنیا سے بے توجہی
۳۲۵	لسگر غوثیہ کا بذل و سخا	۳۱۴	دوستی اور دشمنی کے متعلق نظریہ
۳۲۶	تصفیہ مابین سنی و شیعہ کی تالیف	۳۱۵	حضرت مائی صاحبہؒ کی برکات کے خصوصی اثرات
۳۲۶	علامہ اقبال کا عرفیہ	۳۱۵	حضرت کی خوراک
	دوسری فصل	۳۱۶	استاد زادوں کا احترام
	عالمِ استغراق	۳۱۶	حضرت کا حلیہ مبارک
۳۲۸	دریائے ناپید اکنار توحید	۳۱۶	حضرت کا لباس
۳۲۸	استغراق میں عذر نماز کا استغناء	۳۱۷	آواز و گفتار
	وَأَنْتُمْ سَكَارَىٰ أَوْ رَهْمٌ فِي صَلَواتِهِمْ	۳۱۷	چال اور رفتار
۳۲۹	دائیموں کا باطنی مدلول	۳۱۷	حضرت کی اسب سواری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۰	۴۔ روزنامہ "وحدت" دہلی ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء	۳۲۹	عرض و معروض کی کیفیات
۳۲۱	۵۔ روزنامہ "وحدت" دہلی ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء	۳۳۰	مجاذیب اور اہل سکوت کی کثرت حاضری
۳۲۱	۶۔ ترجمان سرحد پشاور ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء	۳۳۰	گمشدگی سایہ کی اطلاع
۳۲۱	۷۔ روزنامہ سیاست لاہور ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء		تیسری فصل
۳۲۱	۸۔ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور		کوائف وصال
	پانچویں فصل	۳۳۱	عالم استغراق میں ایک دُعا کی تلقین
	شعر اودبار کا اظہار عقیدت	۳۳۲	سورہ یوسف کی تلاوت میں چار وقت انگیز مقامات
	مرثیہ اور قطعہ نائے تاریخ وصال	۳۳۲	آئندہ عرس پر صحو کی طرف رجوع کا وعدہ
۳۲۳	۱۔ مرثیہ عربیہ از حضرت شیخ محمد علی مدنی	۳۳۲	ہمارے جیسے جیویں بھلاں تھیں حق تیوں سنسار کنوں
	۲۔ از قلم ابوالفضل مولانا مولوی کرم الدین صاحب مرحوم دہلی	۳۳۳	ہماریں جیت ہے
۳۲۴	سکنہ بھین ضلع جہلم	۳۳۳	آچھا یا راہیں وعدہ کرناں
۳۲۵	۳۔ از جناب مائل صدیقی پشوری	۳۳۴	صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟
	۴۔ نتیجہ نیکو جناب شمس الدین صاحب علوی شیخ پوری	۳۳۴	تجدیدِ بعیت و ارشاد
۳۲۶	معلم مشن سکول پشاور	۳۳۴	ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی
۳۲۷	۵۔ از سید ضیاء جعفری قادری صدر دائرہ ادریس پشاور	۳۳۵	کیفیت وصال کا واقعہ
۳۲۸	۶۔ از نیاز مند درگاہ مہر فیض احمد عفی عنہ (مؤلف)	۳۳۵	آہ یومِ بے شنبہ ۲۹ صفر
۳۲۸	۷۔ از جناب شیخ ڈاکٹر اللہ صاحب نقشبندی گجراتی	۳۳۵	مسرتِ ہمیا، نیاز
۳۲۹	۸۔ از مولانا مولوی سلام اللہ خان صدائے حق چکمر	۳۳۶	اسم ذات کی برق انگیز طویل اور عقیق گونج
۳۵۰	تاریخ نائے وفات اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ		مستورات کے دواویا پر جہین مہسارک پر
	چھٹی فصل	۳۳۷	انتہا مض
	بعض کوائف بعد از وصال	۳۳۷	آخری زیارت، جنازہ اور تدفین
۳۵۲	مجاذیب برزخ کی کیفیت		چوتھی فصل
۳۵۲	ایک مہجور ارادت مند کا خواب	۳۳۹	ملکی اخبارات و رسائل کے تاثرات
۳۵۳	مولوی عبدالرحیم صاحب (تھٹی) کا غش	۳۴۰	۱۔ اخبار "مبین" اجمیر شریف ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء
۳۵۳	حضرت بابو جی کی داستانِ غم	۳۴۰	۲۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء
		۳۴۰	۳۔ پیغامِ حشر پری پور ہزارہ ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۹	حضرت مدنی صاحب کی بیعت	۳۵۴	ساتویں فصل
۳۶۹	کیفیت ذمہ داری کا ایک اور واقعہ	۳۵۴	روضہ شریف کی تعمیر
۳۷۰	حضرت قبلہ بابو جی کی شادی	۳۵۴	تاہوت شریف کی برآمدگی
۳۷۱	تواضع اور انکسار	۳۵۴	بمذاکرہ شکم آید بدو چشم روشن خود
۳۷۱	اخلاق فاضلہ	۳۵۵	روضہ مبارک پر کئے آیات، احادیث اور اقوال
۳۷۲	جود و سخا	۳۵۹	لا اسراف فی الخیر
۳۷۳	حضرت مدنی صاحب کا مکتوب		آٹھویں فصل
۳۷۵	اخفائے حال		اولاد و احفاد
۳۷۵	محبت فی اللہ	۳۶۰	درتیم حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی
۳۷۶	عفو و درگزر	۳۶۱	بٹے کے خلیفہ اعظم ہونے کی روایات
۳۷۷	وفا اور آشنا پروری	۳۶۱	اللہ اللہ کرنے والی روح
۳۷۸	ہم میں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست	۳۶۱	تعلیم و تربیت
۳۷۸	دینی و ملی خدمات	۳۶۱	آپ کے امالیق
	نویں فصل	۳۶۲	فیضانِ نظر
	قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی اولاد امجاد	۳۶۲	آپ کی طرف حضرت اعلیٰ کے خطوط کے قدسات
۳۸۱	صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت	۳۶۴	نومری سے توجہ الی الحق
۳۸۱	شنوئی بر توحید، نمونہ کلام حضرت لدی مدظلہ العالی	۳۶۴	میری راہ اختیار کرنی ہے تو میں باتوں پر کار بند رہنا
۳۸۲	حضرت بابو جی کا مکتوب شریف	۳۶۴	حضرت اعلیٰ کی نظر میں حضرت بابو جی کا مقام
۳۸۴	نمونہ کلام صاحبزادہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب	۳۶۵	صاحبزادگی کی فضا کا تدارک
۳۸۵	شجرہ نہریہ قدس سرہ	۳۶۵	بے خون جگر چسپیدن نتواں
	دسویں فصل	۳۶۶	فکر و نظر کی بندی
	متوسلین	۳۶۶	پچپن میں دیو سے انجن سے شغف
۳۸۶	متوسلین کا خاص رنگ	۳۶۷	مُرشد راہ کے لیے انجن کی چار خصوصیات کا سبق
۳۸۶	حضرت کے بعض ممتاز مشرکین	۳۶۷	کس کا کتب ایک اہم مسئلہ کے حل کا باعث ہوا
۳۸۷	حضرت کے متوسلین کی امتیازی شان	۳۶۸	اجازت بیعت و ارشاد
۳۸۷	مدعیانِ مشیت	۳۶۸	ذمہ داری کی کیفیت کا طہور

باب ہفتم معاصرین کرام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰۶	حضرات پیر جماعت علی شاہ صاحب و حافظ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری	۳۹۱	حضرت دیوان غیاث الدین صاحب اجمیر شریف
۴۰۷	حضرت میاں شیر محمد صاحب شرکو پوری	۳۹۱	حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پتن شریف
۴۰۸	حضرت خواجہ عبد العزیز صاحب ڈفرہ	۳۹۱	حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی
۴۰۸	حضرت حافظ عبد الکریم صاحب پلینڈی	۳۹۱	حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تولسہ شریف
۴۰۹	حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی ملتان	۳۹۲	حضرت خواجہ محمود صاحب تولسہ شریف
۴۰۹	حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ملتان	۳۹۳	حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیال شریف
۴۰۹	حضرت سید غلام عباس شاہ صاحب سجاولہ کشین مکھڈ شریف	۳۹۵	حضرت خواجہ فضل الدین صاحب سیالوی
۴۱۱	حضرت پیر قطب شاہ صاحب سندیلوی	۳۹۵	حضرت خواجہ شجاع الدین صاحب سیالوی
۴۱۱	حضرت خواجہ عبد الرحیم صاحب باغ درہ	۳۹۶	حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب نوشہرہ سیال شریف
۴۱۲	حضرت خواجہ عبد الرحمن صاحب چھوہر شریف	۳۹۶	حضرت صاحبزادہ محمد عبد اللہ صاحب سیالوی
۴۱۴	حضرت مولانا وصی احمد صاحب شہر سیلی بھیت	۳۹۷	حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی
۴۱۴	حضرت سید لعل شاہ صاحب شاہ بلاول	۳۹۷	حضرت صاحبزادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی
۴۱۴	حضرت شاہ سلیمان صاحب پھولاروی	۳۹۷	حضرت پیر حیدر شاہ صاحب جلال پور شریف
۴۱۵	حضرت سید سید علی شاہ صاحب سہادہ	۳۹۷	خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف ، خواجہ معظم الدین صاحب مردلہ شریف و خواجہ فضل دین صاحب چاچڑاں شریف
۴۱۵	حضرت ولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی	۳۹۷	حضرت خواجہ عبد الخالق صاحب جہان خیلان
۴۱۹	مناظران کمال اور علی فضیلت	۳۹۷	حضرت خواجہ عبد القادر صاحب باجوہ خیلان
۴۲۰	اللہ تعالیٰ کا اور اس کے حبیب کا علم	۳۹۸	حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب ہاجر مکتی
۴۲۰	تصدیق الشیء لنفسہ	۴۰۰	حضرت باد افضل دین صاحب کلیامی
۴۲۰	دُعائے حق و بحرِ مہمت اولیاء اللہ	۴۰۴	حضرت خواجہ احمد صاحب میروی
۴۲۰	نص میں سید کی تعظیم کا ثبوت	۴۰۴	حضرت مولوی اکبر علی صاحب میا نوالی
۴۲۱	حیات البقی پر سوال	۴۰۵	حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی
۴۲۱	جمعہ فی القرنی پر سوال	۴۰۵	حضرت سلطان نور احمد صاحب دار تقیہ سلطان العاقین بانوہ

باب ہشتم بعض مذاکرات و مناظرات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۱	بیعت طریقت پر اعتراض کا جواب	۲۴۱	یا شیخ عبد القادر جیلانی شیعاً للہ پر اعتراض
۲۴۱	حضرت شمس تبریزیؒ کے ایک شعر کا حل	۲۴۱	کا جواب
۲۴۲	خلافا للذجاج کی ترکیب	۲۴۱	انسان کامل کے مقامات کی وسعت
۲۴۲	لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت	۲۴۲	ایک آیت کی غلط تائیل کا جواب
۲۴۲	میں کسب اور اکتساب کا فرق	۲۴۲	قصیدہ غوثیہ میں وافعل مانتشاً کا جواز
۲۴۳	قصہ خضر و موسیٰ میں الفاظ آیت کی تشریح	۲۴۳	حدیث مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر
۲۴۳	عُمرت فزع فوق العقدہ کی تشریح	۲۴۳	ایک اعتراض
۲۴۳	کلیر شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق	۲۴۳	تصور میں حضرات نقشبندیہؒ کی حدیث وجود و
۲۴۴	ایک مکتوب	۲۴۳	شہود پر گفتگو
۲۴۴	مولوی حسین علی صاحب الہجراں کے ساتھ مناظرہ	۲۴۴	جنابہ رضیہ کے مطالبہ فدک کی ایک
۲۴۰	تائیل قرآن پر اعتراض کا جواب	۲۴۴	حسین توجیہ
	باب	۲۴۴	خلفائے راشدین کی خلافت کی ترتیب کا
	ارشادات (ملفوظات و مکتوبات)	۲۴۴	لطیف استخراج
۲۴۴	ملفوظات مہرہ و مہر شپتہ	۲۴۵	خلفائے راشدین کی خلافت کا نص قرآنی
	پہلی فصل	۲۴۵	سے ثبوت
	مکتوبات عالیہ	۲۴۵	علمائے اہلسنت کو شنائے اہل بیت کرام
۲۴۵	ایک مخلص کی بیماری پر دعا نامہ	۲۴۵	کی تلقین
۲۴۵	ایک طالب وظائف کو تلقین	۲۴۵	امرکن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ
۲۴۶	طریقہ وقوف زمانی و عددی	۲۴۵	قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے
۲۴۶	ایک عارفانہ رباعی کی تشریح اور تفسیر	۲۴۶	ایک ہندو ساوہو سے مسئلہ توحید پر گفتگو
	تحریر خلافت اور بیعت امامت کے متعلق	۲۴۶	ایک بخومی برہمن سے مکالمہ
	مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کا خط اور	۲۴۸	علم الحروف کے خواص
۲۴۹	اس کا جواب	۲۴۹	اذا دخل السین فی السین ظہر
	حضرت کا مکتوب شریف بجواب سجادہ نشین	۲۴۹	قبر مہی الدین
۲۵۱	صاحب سیالوی	۲۴۹	بعض طنزیہ اشعار کی تعلیق
۲۵۳	دو اشعار کی عارفانہ تشریح	۲۵۰	ہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۷۱	شیخ اکبر کا کشف	۴۵۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کا اطلاق اور آپ کے حاضر ناظر ہونے کے متعلق استفسار کا جواب
۴۷۲	حضرت شیخ اکبر کا ایک مرید کو تجنی دائمی ہدی کا عطیہ	۴۵۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی فضیلت کے غلط اعتقاد کی تردید
۴۷۲	فصوص الحکم کا ایک سبق	۴۵۶	سجدہ تعظیمی کی ممانعت
۴۷۲	اعیان ثابۃ	۴۵۶	ایک آیت کو نیکے تعلق تفسیر صیر الرحمن کی تشریح
۴۷۳	فیض اقدس	۴۵۷	موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصال ثواب بنوتی
۴۷۳	فیض مقدس	۴۵۹	احترام سادات کے متعلق حضرت کی ایک قلمی تحریر
۴۷۳	آدم کے وجود میں معلوم الہیہ کا ظہور	۴۶۱	اعیان ثابۃ - اصطلاح صوفیاء میں دلی کی تعریف اور اسلام میں صوفیاء کی حیثیت پر سوالات کے جواب
۴۷۳	انسانی وجود میں عالم علوی و سفلی کے حقائق و نظم اثر	۴۶۲	آیہ تطہیر کے مصداق کون ہیں؟
۴۷۵	فصوص الحکم کا ایک اور سبق	۴۶۲	لعن یزید پر آپ کا مسلک
۴۷۵	ایک صاحب کشف فقیر جو بوجہ غرض گمراہ ہو گیا۔ عبادت سے ملائکہ کی تولید		دوسری فصل
۴۷۵	ترک اشتغال بمعنی عدم تحت نشینی		ملفوظات طببات
۴۷۵	مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے	۴۶۴	تقریر جلسۃ النجم سمانیہ لاہور
۴۷۶	ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا	۴۶۸	شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب
۴۷۶	سخن در فضیلت اہل بیت کرامؑ	۴۶۹	توحید و توحیدی کے متعلق انصاف الخواص کے عقیدہ کا بیان
۴۷۶	حسینؑ کے ابناء رسولؐ ہونے کا قرآنی ثبوت۔ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔	۴۷۰	ردیۃ الہی کے بارے میں حضرت شیخ اکبر کے مسلک کی تشریح
۴۷۷	حضرت مولا علیؑ کا انبیائے کرام سے تعلق	۴۷۱	ایک شبہ کا ازالہ
۴۷۷	ابدال اور تقیاء کی منازل اور کیفیات کا بیان۔ دیوان حافظؒ کے دو اشعار کی تشریح	۴۷۱	حضرات شیخ الشیوخ سہروردیؒ اور شیخ اکبرؒ
۴۷۸	درویشوں کی چار قسمیں	۴۷۱	شیخ اکبرؒ ایک مخالف کے جملے پر
۴۷۹	النواع ذکر		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۵	سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ	۲۷۹	صحابہ کرام کا حضورِ دوام
۲۸۷	سلسلہ شریف قادریہ امامیہ	۲۸۰	تصورِ شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ
	تیسری فصل	۲۸۰	مسائل معجزات و کرامات
	کلام منظوم	۲۸۰	باسمی اخلاص اور آتش پرستی
۲۸۹	کلام منظوم	۲۸۱	جلال کعبۃ اللہ
۲۹۰	فارسی غزل "مے توحید از مخزن غیب"	۲۸۱	پیران کلیر جلال کی کیفیت
۲۹۰	فارسی غزل "سینہ مالامال در دست مجید ہر دم"		ایک درویش کی سرکارِ بغداد کے ارشاد
۲۹۱	ملک سلطان محمود کے خط کا منظوم جواب	۲۸۱	ربیعیت
۲۹۱	فارسی غزل "آشتیہ ماہِ رُوسے پر ناز و تمکازم"	۲۸۱	آپ سے ایک کسان مرید کی گفتگو
۲۹۲	فارسی غزل "گو نامر سیاہ کردم از بسکہ گناہگارم"	۲۸۲	سورۃ یسین کے وظیفہ کی ترکیب
۲۹۲	حضرت بابو جی کی طوطی بکتابت میں عارفانہ اشعار	۲۸۲	ایک پیر زادہ کو نصیحت
۲۹۳	فارسی نعت "صبار طرۃ شبنم مہوش طنار"		سورۃ یسین و منزل اور چل کاف کے وظائف
۲۹۳	فارسی اشعار راوی از ہجرال شکایت می کند	۲۸۲	کی ترتیب
۲۹۴	"مثنوی بوڑا بزبان فارسی"		آورد اور دم برائے شفاے بحث از مرنہ
۲۹۵	اردو غزل و لاکس کی گن میں پھر تاجے حشی تو بن بن ہیں	۲۸۳	وجع مفاصل - کرم دماغ وغیرہ
۲۹۶	فارسی اشعار در مدح خواجہ شمس الدین حسنا یلوی	۲۸۳	تعویذ برائے جملہ حاجات
۲۹۷	پنجابی اشعار بطرزِ یوسف زلیخا	۲۸۳	وظیفہ برائے فراغتِ معاش
۲۹۷	ہندی خیال "جب سے لاگے تو رے سنگ نین پیا"	۲۸۳	دروستغاث شریف کا ورد
۲۹۸	مناجات پنجابی لے بھی آوہ پیاں و سداں	۲۸۴	وظیفہ برائے حفظ و امان
۲۹۸	نعت پنجابی "دل لکڑا بے پرواہاں نال"	۲۸۴	وردِ خاص
۵۰۰	نعت پنجابی "آج بسک ہتران دی دھیری اے"	۲۸۴	محبت الہی کے لیے وظیفہ
۵۰۱	مرثیہ پنجابی "ایہ ہندی فاطمہ سین دی اے"		کلام اللہ کے وظائف حصولِ ثواب اور رضائے
۵۰۲	ہندی کبت	۲۸۴	حق کی نیت سے پڑھنے چاہئیں
۵۰۳	مثنوی گوگو	۲۸۴	مرگی کی مرض کے لیے دم
		۲۸۵	مجموعہ وظائف و آورد
		۲۸۵	حضرت قبلہ عالم کے سلاسل فقر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳۶	تفسیر اور تاویل کی تحقیق		باب دہم
۵۳۶	اہلال کے معنی		تصانیف
۵۳۷	ذبح کے شرائط اور اقسام		پہلی فصل
۵۳۷	استغفار متعلق نذر و استداد ارواح اولیاء	۵۱۳	"تحقیق الحق فی کلمۃ الحق"
۵۳۸	نذر اولیاء اللہ کے متعلق فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	۵۱۵	حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف
۵۳۹	نذر و چیز کی تخصیص کا بیان	۵۱۶	مؤلف کلمۃ الحق کی توجہات
	چند سوالات دربارہ استعانت و امداد	۵۱۶	لفظ اللہ پر دقیق علمی بحث
۵۴۰	ارواح کا ملین	۵۱۹	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وجوہ بلاغت
۵۴۱	ان سوالات کے جوابات	۵۱۹	عالم برزخ کا بیان
	حضور سرور کائنات کے بعض خاصہ اشادات	۵۲۰	سجدہ تعظیم کی مانعت
۵۴۲	حسب المراتب ہوتے تھے		دوسری فصل
	حضرت سلطان الزاہدین گنج شکر کے		"شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح"
۵۴۲	سہارے اور توکل کا ایک واقعہ	۵۲۲	وجہ تالیف
	ہر شخص کی مہر دار فیاض سے ایک	۵۲۵	رفع و نزول و حیات مسیح پر دلائل
۵۴۲	خاص خصوصیت		تیسری فصل
۵۴۵	بدگارش بیاد ہرچہ میخواستی تمنائیں		"سیف چشتیانی"
۵۴۶	عقیدہ شفاعت	۵۲۹	وجہ تالیف
۵۴۷	سماع موتی	۵۳۰	اقتباسات از سیف چشتیانی
۵۴۸	قبور پر دعائے مغفرت	۵۳۲	معراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت
	پانچویں فصل	۵۳۳	تعارض عقل و نقل کا مسئلہ
	"الفتوحات الصمدیہ"	۵۳۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں
۵۴۹	وجہ تالیف	۵۳۴	طعام اہل ارض و اہل سما
۵۴۹	غیر مقلدین کے سوالات		چوتھی فصل
۵۵۰	سوالِ نهم		"اعلام کلمۃ اللہ فی بیان ما اهل بہ"
۵۵۱	سوالِ نهم کے جواب کا خلاصہ		لَعَنَ اللّٰهُ
۵۵۲	غیر مقلدین پر حضرت کے بارہ سوالات	۵۳۶	وجہ تالیف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷۳	شریعت کا غیر متزلزل ضابطہ		چھٹی فصل "تصفیہ مابین سنی و شیعہ"
۵۷۴	قضا و قدر کا انداز شاہکار مرد حق		تقریب تالیف
۵۷۵	جمال ظاہری کی کرامت اولین	۵۵۴	اثبات خلافت راشدہ بآیات قرآنیہ
۵۷۵	اس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے	۵۵۵	بعض مطاعن اور ان کا جواب مسئلہ قرطاس
۵۷۶	علوم لدنیہ کی کرامت عظیمہ	۵۵۹	حدیث خم غدیر
۵۷۷	شرف نسب کی سرمدی کرامت	۵۶۰	قصیدہ باغ فدک
۵۷۷	صلہ اُمت کی بشارت	۵۶۰	آیہ مباہلہ کی تشریح اور تفسیر
۵۷۸	قادیانیت کا مقابلہ	۵۶۱	آیت تطہیر
۵۷۸	گاندھی ازم کا سد باب	۵۶۲	آیت مؤت
۵۷۹	استقرار پاکستان میں حضرت کے فادات اور برکات کا حصہ	۵۶۳	حدیث ثقتین
۵۷۹	پاکستان کے لیے دُعا	۵۶۳	حدیث انا صِدِّیقُہُ الْعُلُو دَعَا عَلٰی بَابِہَا
۵۷۹	پاکستان کی پیش گوئی	۵۶۳	لفظ مولیٰ کی تشریح
۵۷۹	۱۹۶۵ء میں جنگ ہندوستان کے متعلق خواب	۵۶۴	ایک ضروری تنبیہ
۵۷۹	میں قبل از وقت فتح پاکستان کی بشارت	۵۶۵	ساتویں فصل "فتاویٰ مہیہ"
۵۸۰	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کئی سے خدمت		طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت کا ایک فتوے
۵۸۰	لے کر اُمت کی کار سازی فرماتے ہیں	۵۶۶	اُردو میں فتویٰ کا مختصر مطلب
۵۸۰	مہر عالم کے جلووں کا عکس	۵۶۸	فتویٰ متعلقہ نماز جمعہ
۵۸۰	اس ولایت کبریٰ کی وسعت	۵۶۹	بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ کے متعلق فتوے
۵۸۱	حضرت سید اعلیٰ شاہ صاحب کے مکاشفات		باب یازدہم گرامات
۵۸۱	حضرت سید عباس عیاش صاحب بخاری ساندہ خور کا خواب		کرامت کی تعریف
۵۸۲	انقلاب افغانستان میں شہر کابل کی نگہداشت		کرامت حبیب
۵۸۲	ملا صاحب ہڈہ کی غزائیں نظر آنا		کرامت معنویہ
۵۸۲	حل مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار	۵۷۳	
۵۸۲	ایران میں اُونگھتے ہوئے مُرد کو اشارہ کر کے لاری	۵۷۳	
۵۸۳	کے حادثہ سے بچا لیا	۵۷۳	
۵۸۳	مُرد کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے اُتر والیا	۵۷۳	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	لار عبد الکریم سیفی صاحب کو آپ کی خدمت میں	۵۸۳	نواب میں اشارہ فرما کر قتل ہونے سے بچایا
۵۹۱	جنتاں نظر آنے	۵۸۳	نواب میں اشارہ کر کے چوری برآمد کروادی
۵۹۱	کرڈ و انکوائی میٹھا ہو گیا	۵۸۴	سفر سے روک کر ریل کے حادثہ سے بچایا
۵۹۲	ایک مُردہ کو اٹھارہ بیس سال پہلے میں بیٹے کی بشارت	۵۸۴	اجابت دُعا اور موتِ تسلیم کی دستگیری
۵۹۲	ایک زبان بند لڑکے کی فوری گویائی	۵۸۴	ابتلا کے دور ہونے کی بشارت
۵۹۲	تالیفِ قلوب کا وظیفہ	۵۸۴	نابینا کو بصارت مل گئی
۵۹۲	ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑ دینا	۵۸۵	ایک دیرینہ اپانج کی فوری شفا یابی
۵۹۳	ایک زائر کی کھجما داپسی کی حکمت	۵۸۵	دُعا سے مغفرت کا اثر
۵۹۳	اپنا بچا جو اپانی پلا کر نمازی بنا دیا	۵۸۶	درد و دُعا کا عجیب دم
۵۹۴	نجیب الطوفین سیادت کا امتحان	۵۸۶	ایک ارادت مند کی تین گذارشات
۵۹۴	مائیوس اور جاں طلب مصلیوں کا احیار	۵۸۶	نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ
۵۹۴	خان بہادر مولوی شہر محمد صاحب کا واقعہ	۵۸۷	راقم الحروف کے والد کی دستگیری
	حافظ نور محمد صاحب قوال کو نئی زندگی ملنے	۵۸۷	نرینہ اولاد کے زندہ رہنے کی دُعا
۵۹۵	کا واقعہ	۵۸۷	ایک ارادت مند کی نرینہ اولاد کی پیش گوئی
۵۹۵	پشاور میں مریشہ کو گولڑہ شریف سے دم شفا		ایک بے اولاد ارادت مند کے سف زندہ کا پیش
۵۹۵	جاں طلب مریض کا شفا پانا	۵۸۷	نام بھی رکھوا دیا
۵۹۶	نزع کے عالم میں احیار کا ایک کتابی واقعہ	۵۸۸	ایک سادہ دل بچان کے اخلاص کی بُر مندی
	اس کتابی واقعہ کے مطالعہ سے درد گردہ کے	۵۸۸	ملک پند خان کی بے تکلفی
۵۹۷	ایک مریض کی فوری شفا یابی	۵۸۸	ایک مخلص کی ترقی و درجات کے لیے خاص تصرف
	اولیاء اللہ کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں	۵۸۹	ایک نیاز مند کو ترقی و درجات کی بشارت
۵۹۷	ہو تا بلکہ بڑھ جاتا ہے	۵۸۹	عملِ مشققات اور دفعِ بدیات
۵۹۷	موت کے وقت مُردوں کی دستگیری	۵۸۹	ایک مسموم مُردہ کو خواب میں فرمایا کہ فوراً لوٹے چلے آؤ
۵۹۷	حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی علالت اور شفا یابی	۵۸۹	ریل گاڑی کے سامنے سے اٹھا کر بچایا
۵۹۸	اطلاعِ برغیب اور اس قبیل کے بعض واقعات	۵۹۰	صاحبزادی صاحبہ کے کنوئیں میں گرنے کا واقعہ
۵۹۸	مقبولانِ خدا کے آثار کی تعظیم مگر اولاد سے اغافل	۵۹۰	شعاعت کے مسئلہ کا حل
	ارادت مند کے ضمیر پر مطلع ہو کر اس کی پسند کے	۵۹۱	مُخلصین کو حضرت غوثِ پاک کی زیارت کروادی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حضرت جس قدر غریب نواز تھے اُسی قدر	۵۹۹	سلسلہ طریقت میں بیعت فرمایا
۶۰۱	غیور بھی تھے	۵۹۹	قطب الوقت کے اوصاف کا بیان اور اس کا مشاہدہ
۶۰۲	تمتہ		راقم الحروف کی بیعت اور اُس کے متعلق ایک
۶۰۳	قصیدہ مہر نما	۶۰۰	مجدوب کی اطلاع بر غیب
۶۰۵	کوا القہ وصال حضرت بابو جی قدس سرہ		

فہرست تصاویر

- ۱ صفحہ ۲۴-۲۵۔ دوران مطالعہ حضرت کے قلمی نوٹ
- ۲ = ۵۲ آستانہ عالیہ گولڑا شریف کا فضائی منظر
- ۳ = ۵۳ مزار مبارک حضرت سید روشن دین صاحب و سید رسول شاہ صاحب
- ۴ = ۵۴ مزار مبارک حضرت سید پیر نذر الدین شاہ صاحب والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
- ۵ = ۵۵ مزار مبارک حضرت سید نذر الدین شاہ صاحب کا اندرونی منظر
- ۶ = ۵۶ مزار مبارک سید پیر فضل الدین شاہ صاحب کا اندرونی و بیرونی منظر
- ۷ = ۵۷ حضرت کی رہائش گاہ "عشق آباد" حضرت کا پلنگ بستر مبارک
- ۸ = ۶۱ حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب
- ۹ = ۸۱-۸۰ سند ہا عنایت کردہ مولانا لطف اللہ صاحب و مولانا احمد علی صاحب سہارن پور
- ۱۰ = ۱۳۰ وادی حمرا دالے خواب کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر
- ۱۱ = ۱۳۱ حضرت کی قلمی تحریر کردہ دو غزلیں
- ۱۲ = ۱۴۶ مسجد آستانہ عالیہ گولڑا شریف
- ۱۳ = ۱۴۷ مسجد عالیہ کے دو اندرونی مناظر: محراب و جائے نماز قیام
- ۱۴ = ۳۵۲ روضہ مبارک پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب مشرق
- ۱۵ = ۳۵۵ روضہ مبارک پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب شمال
- ۱۶ = ۳۵۶ روضہ اقدس و مرقہ مبارک سید پیر مہر علی شاہ صاحب و حضرت بابو جی
- ۱۷ = ۳۵۷ حضرت بابو جی کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر
- ۱۸ = ۳۶۰ حضرت بابو جی
- ۱۹ = ۳۶۶ فوٹو انجن گوالیار جو حضرت بابو جی کو پیش کیا گیا
- ۲۰ = ۳۶۷ حضرت بابو جی کی بیٹھک مبارک

باب اول

خاندان وآبائے کرام

خانان

شجرہ نسب

تیرٹی نسل پاک میں بنے پختہ پنچہ نور کا
 حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ جیلانی، رزاقی، قادری، چشتی، نظامی و صابری، صنفی قدس سرہ کے
 نسب پاک کا سلسلہ پنجیں واسطوں سے حضرت غوث الاعظم اور پچیس واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے جاتا ہے۔ اس کی تفصیل بحوالہ خاندان القرب سلفیہ عبدالحی بن میر سین الدین قادری خاندانی شجرہ جات قدیمہ ص ۷۷ ذیل ہے
 سید مہر علی شاہ ابن سید نذر دین شاہ ابن سید غلام شاہ ابن سید روشن شاہ ابن سید محمد الرحمن
 نورانی ابن سید عیاض الدین ابن سید غیاث علی ابن سید فتح اللہ ابن سید اسد اللہ ابن سید فخر الدین ابن سید
 احسان ابن سید درگاہی ابن سید جمال علی ابن سید محمد جمال ابن سید ابی محمد ابن سید میرزا محمد کلال ابن سید
 میرزا شاہ قادر فیض سادہ صوری ابن سید ابی العیاض ابن سید تاج الدین ابن سید بہاء الدین ابن سید جمال الدین
 ابن سید داؤد ابن سید علی ابن سید ابی صالح ابن سید تاج الدین ابو بکر عبد الرزاق ابن سیدنا غوث الاعظم
 میرزا محی الدین ابی محمد عبد الصمد درجیلانی ابن سید ابو صالح ابن سید عبد اللہ جمالی ابن سید یحییٰ زابد ابن سید
 شمس الدین زکریا ابن سید ابو بکر داؤد ابن سید موسیٰ ثانی ابن سید عبد اللہ صالح ابن سید موسیٰ الجوانی ابن سید عبد اللہ
 محسن ابن سید شمس ثانی ابن سیدنا امام حسن المہدی ابن سیدنا علی کریم اللہ وجہہ الکریم (رضی اللہ عنہما اجمعین)

حضرت قبلہ عالم کی والدہ ماجدہ بھی اسی خاندان پاک گیلانیہ رزاقیہ میں سے تھیں جن کا شجرہ شریف مندرجہ ذیل ہے۔
 حضرت مصطفیٰ موصوف بن سید بہادر شاہ ابن سید شیر شاہ ابن سید چراغ شاہ ابن سید امیر شاہ
 ابن سید عبد اللہ شاہ ابن سید مبارک شاہ ابن سید حسین شاہ ابن سید امیر شاہ ابن سید محمد تقیم شاہ
 ابن سید عبد المعالی ابن سید نور شاہ ابن حضرت سید عبد اللہ بہاء الدین المعروف بہاول شیر قادری سکندر خجہ شاہ تقیم ضلع
 ساہی والہ ابن سید محمود ابن سید علاؤ الدین ابن سید مسیح الدین ابن سید صدر الدین ابن سید ظہیر الدین ابن سید
 شمس العارفین قادری ابن سید مومن ابن سید مشتاق ابن سید علی ابن سید ابی صالح ابن سید تاج الدین ابو بکر
 عبد الرزاق ابن سیدنا غوث الاعظم محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجمعین۔

آنجناب کا رشتہ ازواج بھی اسی خاندان عالیہ میں یعنی آپ کی والدہ ماجدہ کے عم زاد بھائی سید پیر چراغ علی شاہ کی صاحبزادی
 سے ہوا۔ یہ خاندان خجہ شاہ تقیم سے نسل سکاکی کر کے حسن ابدال ضلع کیمبل پور میں آباد ہو چکا تھا۔

حسین پاک اور ان کی ذریت فرزندانِ رسول ہیں

آنحضرت سے قرب و قرابت کا جو شرف اہل بیت کرام میں سے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء، سرکارِ ولایت سیدنا علی اور حسین شریفین علیہم السلام کو ہے، اس میں کوئی بھی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے آیہ مبارکہ :-
 فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ (آل عمران، آیت ۶۰)
 اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں۔
 اور اس پر آپ حضور کا حسین پاک کو بطور اپنے بیٹوں کے ہمراہ لینے کا عمل ہی کافی ثبوت ہیں۔ چنانچہ علامہ سیماں حنفی نے "ینابیع المودۃ" میں علامہ زرقانی المالکی نے شرح مواہب اللدنیہ میں، علامہ سہودی الشافعی نے جواہر العقیدین میں اور شیخ عبدالحی محمد ثحفی دہلوی نے مدارج النبوة میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فرزندانِ رسول کھلانے کا شرف صرف حسین پاک اور ان کی ذریت کو حاصل ہے۔

علامہ زمان شیخ محمد ابن علی صبان مصری اپنی کتاب "اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و اہل بیۃ الطاہرین" میں فرماتے ہیں :-
 "اور اہل بیت کے فضائل میں سے ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضور کی اولاد و فرزندانِ کھلاتے ہیں اور آنجناب کے ساتھ صحیح نسبت سے منسوب ہیں۔ امام غزالیؒ نے آپ حضور کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت کو اُس کی اپنی پشت میں رکھا، مگر میری ذریت علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی۔ طبرانی وغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ہر ماں کی اولاد اپنے آبائی خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ ہجر۔ اولاد فاطمہؑ کے جن کا ولی اور عصبہ میں ہوں۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ہر عورت کی اولاد کا عصبہ ان کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماسوائے اولاد فاطمہؑ کے، کیونکہ ان کا باپ اور عصبہ میں ہوں۔ یہ خصوصیت صرف اولاد فاطمہؑ کے لیے ہے آپ حضور کی دوسری صاحبزادیوں کی اولاد اس میں شریک نہیں۔ ان کے لیے حضور کو باپ نہیں کہا جائے گا۔ البتہ آپ کی ذریت و نسل کہہ سکتے ہیں۔"

حضرت قبلہ عالم کی اپنے نسب کے متعلق اپنی ایک تحریر آپ کے قلمی شجرۂ نسب میں سے نقل کی جاتی ہے، کیونکہ بعض لوگ مشاہیر سادات کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سید ہونے کے متعلق خود دعویٰ کیوں نہیں فرمایا۔ اسی لیے جناب غوث الاعظمؒ نے قصیدہ غوثیہ میں فرمایا ہے :-

أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمَخْذُوعُ مَعْتَفِي وَأَقْدَامِي عَلَى عُنُقِ الرِّجَالِ

(میں سید حسنی ہوں اور میرا مقام عالم باطن میں "مخدع" ہے۔ اور میرا قدم مردانِ خدا کی گردنوں پر ہے) ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں :-

لَا مَخْذُوعٌ عَالِمٌ سِرٍّ أَوْ غَيْبٍ الْغَيْبِ فِيهِ بَلَدٌ بَدِيٌّ بَلَدٌ بَدِيٌّ وَأَكْمَلُ تَرْتِيبٍ أَوْلِيَاءُ كَرَامٍ كَوَسَائِي حَاصِلٌ تَوَقُّعِي
 ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبری کے باعث بہت سے اولیاء کرام اس مقام والی شخصیت کے متعلق دھوکا کھا گئے جیسے حضرت غوث الاعظم کے وقت میں ایک ہم عصر بزرگ شیخ عبد الرحمن طفسونجی کا واقعہ "نفحات الانس" میں تحریر ہے۔

وَمَنْ فِي رَجَالِ اللَّهِ نَالَ مَكَانَتِي وَجَدْتِي رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَصْلِ رِبَانِي
 (اور مردانِ خدا میں کون سے جس نے میرا مرتبہ پایا، کیونکہ میری تربیت میرے جدِ امجد رسول اللہ نے خود فرمائی ہے)
 وَالدِّيُّنُ الرَّهْطَاءُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ أَبُو هَارِثُ رَسُولُ الْخَلْقِ عَزَّ بِهِمْ شَانِي
 (اور میری والدہ جنابِ زہرا بنت محمد علیہ السلام میں جن کے والد تمام خلق کے رسول ہیں اور ان کی قوم سے میری شانِ نبیہ)

حضرت قبلہ عالم کی تحریر اپنے نسب کے متعلق مع سند بغداد شریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ فَيَقُولُ الْعَبْدُ الْمُعْتَصِمُ
 بِعَنْبَلِ اللَّهِ الْمَعْرُوفُ بِبَهْرٍ عَلَى شَاهِدٍ عَنِ رَبِّهِ إِنَّ مَا بِهِ يَنَالُ نَوْعُ الْإِنْسَانِ
 الشَّرَفَ وَالْعُلَى وَالْعُرْوَةَ الْوُثْقَى عِنْدَ رَبِّهِ الْأَعْلَى كَلِمَةُ التَّقْوَى بِشَهَادَةِ
 أَمَامِنُ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى
 وَبَدَلَاةٌ -

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ - وَإِنَّ الْمَنَاطَ لِهَذَا الْمَقْصِدِ الْأَعْلَى حُصُولُ
 الْإِنْتِسَابِ وَالْإِرْتِبَاطِ بِمَنْ قَامَ مَقَامَ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى - عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ
 الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنَ اللَّهِ الْأَعْلَى وَمَنْ سِوَاهُ -

إِمَّا عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ أَغْنَى حَسْبًا وَنَسَبًا أَوْ لَا أَغْنَى حَسْبًا فَقَطْ، بِمُقْتَضَى
 اسْمَائِي رِيدَ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا - وَيَفْخَرُوا
 يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ - وَيَسْتَوِي مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ
 وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِابْغَضِي أَبْغَضَهُمْ - وَبِمَدِّ لَوْلِ: أَهْلُ بَيْتِي كَسَفِينَةٍ تَوْجٍ مَنْ
 رَكِبَهَا نَجَى -

وَمَا زِلْتُ أَتَرَدُّ دُونِي سَيَادَةَ أَهْلِ هَذِهِ الدَّارِ أَغْنَى دَارِ الْهَيْدِ حَتَّى فِي
 شَأْنِي نَظَرًا إِلَى حَسْبِي وَإِنْ كَانَ الْكُتُبُ الْمُعْتَبَرَةُ فِي هَذِهِ الْفَنِّ فِي هَذِهِ النَّاحِيَةِ
 مَوْجُودَةٌ عِنْدَ جَدِّي وَمُرْسِدِي فِي الطَّرِيقَةِ الْقَادِرِيَّةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ پِير
 فَضْلِ دِينَ قَدْ سِرُّهُ وَقَدْ كَانَ يُقَرِّرُ بِشَفَقَتِهِ الْعَمِيمَةِ الْجَمِيلَةِ الْجَمِيلَةِ فِي هَذَا
 الْأَمْرِ حَتَّى اعْرِفَنِي عِنْدَ سُرَّةِ الظَّنِّ وَأَرَانِي مَنْصَةَ الْيَقِينِ بِرَوَايَتِهِ عَنْ سَيِّدِي
 وَشَيْخِي الْمُتَمَسِّكِ بِشَرِيعَةِ الْمُصْطَفَى حَضْرَتِ مُسْكِينِ شَاهِ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ عَمِّي
 شَيْخَ الْمَشَائِخِ حَضْرَتِ پِيرِ رُؤُوسِ دِينَ وَوَالِدِي سَيِّدِ السَّادَاتِ سَيِّدِ رَسُولِ
 قَدْ حَصَلَ لَهَا السَّهْدُ فِي بَغْدَادِ الْعَمِيفِ عَنْ صَاحِبِ السَّجَادَةِ السَّيِّدِ حَبِيبِ
 مُصْطَفَى ابْنِ السَّيِّدِ قَاسِمِ الْقَادِرِي فِي الْإِنْتِسَابِ إِلَى غَوْثِ الثَّقَلَيْنِ قَدْ سِرُّهُ -

ترجمہ :- سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور صلوة و سلام جناب خاتم النبیین پر اور آپ کی جملہ آل و اصحاب پر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو پکڑنے والا بندہ المعروف بہ مہر علی شاہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے، عرض گزار ہے کہ نوع انسانی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو چیز شرف کا باعث اور عروہ و ترقی ہو سکتی ہے وہ کلمۃ التقویٰ یعنی پرہیزگاری ہے۔ اس کی شہادت اللہ کاف مان اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ (یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی سے ڈرا اور اپنے نفس کو حرص و ہوا سے بچاتا رہا اُس کا ٹھکانا جنت ہے) دے رہا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (یعنی بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) دلالت کر رہا ہے۔

اور بلاشبہ اس مقصدِ عظیم کا دار و مدار اُس ذات کے ساتھ نسبت اور تعلق کا حصول ہے جو مقام قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنِیْ کا صاحب ہے۔ اُن پر اور اُن کی آل پاک پر اللہ تعالیٰ کا درود و سلام ہو۔

یہ نسبت اور تعلق خواہ کامل ہو یعنی حسب و نسب دونوں لحاظ سے ہو یا فقط حسب کے لحاظ سے آیہ تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِيُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ و لِيُطَهِّرَ کُمْ تَطْهِیْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳) اور فرمان الہی:

یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ (الاحزاب: ۳۲)

اور احادیث پاک:

مَنْ اَحَبَّهُمْ فِیْ حُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فِیْ بَغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ۔

جس نے اُن کے ساتھ یعنی میرے اہل بیت کے ساتھ محبت رکھی میری ہی محبت کے باعث رکھی اور جس نے اُن کے ساتھ بغض رکھا، میرے ہی ساتھ بغض کی وجہ سے رکھا۔

میرے اہل بیت کشتی نوح کی مانند ہیں جو اس میں سوار ہوا، نجات پا گیا۔

نہجی۔

اس کو ثابت کر رہے ہیں۔

میں اس ملک یعنی ہندوستان کے سادات کی سیادت کے معاملے میں ہمیشہ متردد رہتا تھا۔ حتیٰ کہ مجھے اپنے حسبِ یعنی کمالاتِ کسبیہ کے پیش نظر اپنے متعلق بھی ایسے ہی خیالات آتے رہتے تھے حالانکہ علم نسب کی وہ تمام کتب جو اس نواح میں معتبر شمار کی جاتی ہیں، میرے جذبزگوار اور مرشد طریقتہ قادریہ سید السادات پیر فضل دین قدس سرہ کے پاس بطور سند موجود تھیں۔ اور انتخاب اپنی شفقتِ عمیمہ، فطری، جیلانی کے باعث

مجھے اس ضمن میں مطمئن کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سیدی فیحی، پابند شریعت
مُصطفوی، حضرت مسکین شاہ سے یہ روایت بیان فرما کر مجھے ظن غالب اور حدیقین تک پہنچا دیا تھا
کہ آنجناب کے عم بزرگ شیخ الشیوخ حضرت پیر سید روشن دین اور آنجناب کے والد بزرگوار سید السادات حضرت
پیر سید رسول شاہ کو بغداد شریف میں حضرت سید حبیب طغی ابن سید قاسم قادری سجادہ نشین بارگاہ غوثیہ نے اس امر کی
سند عطا فرمائی تھی کہ ان کا نسب تعلق حضرت سیدنا غوث الاعظم قدس سترہ کی ذات گرامی سے صحیح اور درست ہے۔
اس قہید کے بعد حضرت قبلہ عالم نے اُس طویل سند کی نقل درج فرمائی ہے جو آپ کے اصل شجرہ نسب کے ساتھ دربار
گولہ شریف میں محفوظ ہے اس سند کا سن تحریر ۱۲۱۸ھ ہے اور اس میں جناب سجادہ نشین صاحب بغداد شریف تحریر فرماتے ہیں کہ:-
”یہ دونوں حضرات پیر سید روشن دین صاحب اور پیر سید رسول شاہ صاحب حسب و نسب کے لحاظ سے
حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں اور فیض و برکت میں آنجناب کے صحیح وارث ہیں اور
میرے لیے بمنزلہ اپنی اولاد کے ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ کے متوسلین کو چاہیے کہ ان کے ہاتھ کو میرا ہاتھ اور ان کی زبان کو میری
زبان سمجھیں۔“

حضرت قبلہ عالم کی مندرجہ بالا تحریر سے اُمور ذیل واضح ہوتے ہیں:-
اول یہ کہ انسان کے شرف، بزرگی اور عزت کا دار و مدار تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق پر ہے۔
دوم یہ کہ تقویٰ و تعلق باللہ کا حصول جناب سرور کائنات کی ذاتِ الاصفات کے ساتھ وابستگی اور آنجناب کی پیروی پر ہے۔
سوم یہ کہ جناب سرکار کو نبی کے ساتھ نسبت اور تعلق شرعی لحاظ سے صرف دو صورتوں میں معتبر شمار کیا جاتا ہے۔
پہلی صورت کامل ترین تعلق کی ہے، جو حسب و نسب ہر دو لحاظ سے ہو۔ حسب ذاتی کمالات کسبیہ اور نسب باپ کی
طرف سے جدی غوثی تعلق کو کہتے ہیں،

دوسری صورت فقط حسب یعنی کمالات کسبیہ کے لحاظ کی ہے۔

اس ضمن میں ایک تیسری صورت بھی ہے یعنی محض نسب کے لحاظ سے جو حسب یعنی دولت ایمان اور اعمال صالحہ سے،
حضرت نوح کے بیٹے کی طرح مُعَرَّبے شرعی طور پر اس تیسری قسم کے تعلق کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس لیے حضرت قبلہ عالم
قدس سرہ العزیز نے اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ ویسے یہ صورت جیسے کہ آئندہ اوراق میں واضح کیا جائے گا، آں حضور کی اولادِ کرام
میں متصور بھی نہیں اور خارج از بحث ہے۔

گویا تمام بزرگی و کمال کا انحصار محض تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری اُسی مدت زیادہ ہوگی، جتنا
آنحضور سے تعلق قوی ہوگا۔ اور آں حضور کا تعلق جیسے کہ اوپر ذکر آچکا ہے، جسی نبوی دونوں لحاظ سے اہل بیتِ کرام کو ہی حاصل ہے اور فقط جسی
لحاظ سے کامل طور پر حضرات صحابہ کرام کو حاصل ہے جس کے اعلیٰ ترین مظہر حضرات خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان ہیں۔

پہلی قسم کے اولین صدیق سیدنا علیؑ، حسین شریفینؑ اور جناب فاطمہؑ ہیں ان کی اولاد سے ہر دور میں اس قدر علماء و عرفاء
پیدا ہوتے رہے ہیں کہ ان کے اسماء گرامی کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال علم و فضل، تجوّد و سخا، شجاعت و جلالت، شریعت
طریقیت یعنی مجملہ فضائل و کمالات ہیں ان کی اولاد ہمیشہ سرآمد روزگار رہی اور بفضلِ تعالیٰ رہے گی۔ اور اسی شجرہ شریفینہ کی
آخری شاخ سید السادات حضرت امام مہدیؑ ہوں گے۔ اہل بیتِ کرام کے انساب پاک اور فضائل پر معالم البعۃ النبویہ

اور کتاب الانساب از علامہ سنمانی اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف موجود ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ
”اخبار الانبیاء“ میں فرماتے ہیں :-

ظاہر از اہل بیت نور بنی
چھو در ماہ نور خورشید است
از ازل تا ابد بود ظاہر
زانکہ ایں نور، نور جاوید است

یعنی اہل بیت کرام سے آن حضور کا نور یوں ظاہر ہو رہا ہے جیسے سورج کا نور چاند سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ نور
تا ابد اسی طرح ظاہر ہوتا رہے گا، کیونکہ یہ ابدی اور سرمدی ہے۔

دوسری قسم یعنی صحابہ کرام خصوصاً خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان کی اولاد کے متعلق کتب سیر، اسماء الرجال و انساب کے مطالعہ
سے اظہر من الشمس ہے کہ اہل بیت کرام کے بعد جس قدر اباب کمال ان کی اولاد سے ہوئے ہیں، دوسرے خاندانوں میں ان کا
عشر عشر بھی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً مثنیٰ نمونہ از خردار سے، حضرت صدیق اکبر کی اولاد سے تابعین میں حضرت قاسم اپنے وقت
کی ایک نہایت ہی ممتاز شخصیت تھے، جنہیں امام بخاری نے اپنے زمانے کے فاضل ترین حضرات میں شمار کیا ہے قرون وسطی
میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین شہروردی اور حضرت مولانا جلال الدین رومی اور متاخرین میں مجدد طریقت حضرت کلیم اللہ
جہان آبادی، حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی، حضرت شیخ عبد اللہ شطاری سلسلہ شطاریہ بہت بڑے بزرگان
میں سے ہوئے ہیں۔

حضرت فاروق اعظم کی اولاد سے قرون اولیٰ میں حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی متعبد و مہسلوں کے پیشوا تھے۔
اور قرون وسطیٰ میں اور متاخرین میں حضرت شیخ کبیر فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت صوفی حمید الدین ناگوری، حضرت شیخ نجم الدین گبرائی،
حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، قطب العالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی، امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد
الف ثانی، حضرت شیخ سلیم چشتی اور ہندوستان کا مشہور عالم خاندان ولی اللہی اور علمائے خیر آبادی ہوئے ہیں۔
حضرت عثمان غنی کی اولاد سے پانی پت میں مشہور زمانہ ولی حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء اور مشہور محقق جناب قاضی
شمار اللہ پانی پتی گزرے ہیں مزید تفصیل کے لیے نفاحات الانس مولانا جامی، اخبار الانبیاء شیخ عبدالحق محدث دہلوی، طبقات کبریٰ
از امام شعرانی اور تذکرہ علمائے ہند وغیرہ کتب دیکھی جاسکتی ہیں۔

نسب بحیثیت عمومی کا شرف

بعض لوگ فقط حسب یعنی ذاتی کمالات کو ہی شرف و کمال کا موجب سمجھتے ہیں اور نسب یعنی خاندانی شرافت کی غنفلت
کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ نسب کا شرف دیگر مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص قابل احترام ہے۔ نسب
سے ہی نکاح میں کھنکا اعتبار ہے۔ خلافت و امامت کے لیے اسلام میں قریشی ہونے کی تخصیص بھی شرف نسب کے باعث
ہے۔ اسلاف و آباء کی شرافت اولاد کے لیے دنیا و آخرت ہر دو میں مسئلہ طور پر عبرت کا باعث ہے اور اقوام عالم میں نسب
کا احترام ایک امر مسلم ہے۔ خود قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے مثلاً :-

۱۔ سورہ کہف کی ۸۲ ویں آیت میں دیتیم بچوں کی دیوار کا جس کے نیچے ان کا مال مدفون تھا، اللہ تعالیٰ کا حضرات
موسیٰ و خضر علیہما السلام کے ذریعے بلا اُہرت تعبیر کرانے کا ذکر ہے۔ اس کا رخیر میں اللہ تعالیٰ کی جو عنایت اور رحمت کا فرما

تھی، اُس کا باعث قرآن مجید نے وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا (اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا، بیان فرمایا ہے۔
علامہ آؤسی نے تفسیر روح المعانی میں اُس صالح شخص کو اُن بچوں کی ساتویں یا سوئں پشت کا ایک جدِ بزرگ تحریر فرمایا ہے
گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اسی شرافت نسب کے سبب سے اللہ تعالیٰ
نے بچوں کا لحاظ و احترام فرمایا۔

امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت نیشترؓ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے
کہ خوش خبری اور مبارک ہو مومن کی اولاد کے لیے کہ وہ اس کی برکت سے اُس کے بعد محفوظ و مامون رہیں گے۔ پھر حضرت
نیشترؓ نے اس کی تائید میں سورۃ کہف کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

اسی طرح روح المعانی میں امام عبد بن حمید اور ابن المنذر کے ذریعے حضرت وہبؓ سے نقل ہے
کہ حضرت امام حسنؓ نے ایک خارجی سے دریافت فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، سورۃ کہف کے تمیموں کا مال اللہ تعالیٰ نے
کیوں محفوظ رکھا؟ اُس نے کہا کہ باپ کی صالحیت اور نیکی کے باعث۔ آپ نے فرمایا: بخدا میرے باپؓ اور جدِ اکرمؓ
کی صالحیت اُن کے باپ کی صالحیت سے بدرجہا بہتر تھی۔

۲۔ سورۃ طور آیت ۲۱ میں تحریر ہے :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
بِإِيمَانٍ الْحَقَنَّا بِهِمُ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا
أَلَنَّهُمْ مِنْ غَمٍّ مِنْ شَيْءٍ۔
اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی
ایمان لائے میں اُن کی پیروی کی تو ہم راہِ آخرت میں اُن
کی اولاد کو اُن ہی کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے اپنے
اعمالِ صالحہ کے انعامات میں سے بھی کوئی کمی نہ کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر کے تحت بھی علامہ آؤسیؒ نے کئی محدثین اور مفسرین کے حوالوں سے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی
تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بہشت میں اُس کے ہمراہ اُسی درجہ و مقام میں رکھیں گے تاکہ اُس مومن کی
آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرف نسب ہی کا احترام اور لحاظ ہے۔

۳۔ اسی مضمون کی تائید میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ العزیز نے قرآن مجید کا جو الہامی پیش فرمایا تھا، عدیم المثال ہے بُلّاقان
کی ایک مجلس میں کسی نے آپؐ سے سوال کیا: کیا سید بنی فاطمہؑ کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت موجود ہے؟ تو آپؐ نے جواب
دیا کہ نسب کا شرف قرآن کریم سے ثابت ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ ذُلٌّ فَإِنَّا أَوْلَى
الْعِبَادِ إِنِّ - (سورۃ الزخرف آیہ ۸۱)
یا رسول اللہ! ان عبادِ یوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر
اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو تو سب سے پہلے میں اُس
کی عبادت کرتا۔

گویا اللہ تعالیٰ کے فرزند کی عبادت اُس کے نسب کی وجہ سے ہوتی۔

یہاں یہ عرض کرنا مناسب نہ ہو گا کہ جو لوگ نسب کے شرف کو تسلیم نہیں کرتے، وہ بالعموم اس آیت سے استدلال
کرتے ہیں :-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

صاحب روح المعانی اس آیت کی تفسیر میں علامہ منادیؒ و علامہ ابن حجرؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ نہ تو یہ آیت شرف نسب کے خلاف ہے اور نہ وہ احادیث ہی اس مضمون کے منافی ہیں، جن میں نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ البتہ بنود و ہیود کی طرح نسب کی وجہ سے لوگوں پر تکبر کرنا اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتے ہوئے ذلیل و حقیر خیال کرنا صحیح نہیں بطور تحدیث نعمت نسب ذاتی کے شرف کا اظہار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیلؑ سے کنانہ کو منتخب فرمایا۔ پھر قریش کو کنانہ سے اور بنی ہاشم کو قریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے چُن لیا۔ علامہ آلوسیؒ نے تمام مخالف اقوال کا جواب دے کر آخر میں فیصلہ فرمایا ہے: وَبِالْجُمْلَةِ شَرَفَ النَّسَبِ مِمَّا اعْتَبِرَ جَاهِلِيَّةً وَاسْلَامًا۔ یعنی خلاصہ بحث یہ ہے کہ نسب کا شرف جاہلیت اور اسلام دونوں میں معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔

آل نبی کے نسب طاہر کا شرف

اب تک تو مطلق نسب کا ذکر تھا۔ اب آنحضرت کے نسب پاک پر کتاب و سنت اور علمائے اُمت کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى۔

(سورۃ شوری: ۲۲-۲۳)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے۔ اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے یہاں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ بڑے فضل و بزرگی کی بات ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جنہوں نے ایمان لاکر نیک کام کیے۔ کہہ دیجئے، میں تم سے اس چیز کا کوئی اجر نہیں مانگتا، بجز اہل قرابت کی دوستی کے۔

علامہ منادیؒ نے حاشیہ جلالین میں تحریر فرمایا ہے کہ یہاں استثناء منقطع ہے یعنی میں تم سے تبلیغ کے صلے میں کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ہاں، اس قدر چاہتا ہوں کہ تم میرے اہل قرابت سے محبت رکھو۔ صاحب روح المعانی نے بھی ابن جبیر، ہرمی اور عمر بن شعیب جیسے اکابر تابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے اہل بیت رسولؐ کی محبت کا واجب ہونا مراد ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی ”در المنثور“ میں کئی محدثین کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کے وہ کون اہل قرابت ہیں جن کی محبت واجب کی گئی ہے؟ تو اُن حضورؐ نے ان چار حضرات یعنی حضرت علیؓ، سیدہ فاطمہ الزہراءؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا ذکر فرمایا اور چونکہ اُس وقت حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کے اولاد

نہیں تھی۔ اس لیے آل حضورؑ نے صرف ان چار ناموں کے ذکر پر ہی اکتفا فرمایا۔ ورنہ جیسے کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے
 آنجنابؑ کے اس ارشاد میں اُن کی اولاد بھی شامل ہے۔ تفسیر بالآکی تائید میں صاحب روح المعانی نے ائمہ اہل بیت
 کرامؑ سے کئی روایات نقل کی ہیں کہ اس آیت کی رو سے تمام اہل بیت کرامؑ کی محبت لازم کی گئی ہے۔ نیز مسلم
 ترمذی، نسائی، طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن حبشہ، وغیرہ محدثین سے کئی احادیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مضمون
 کی تائید میں اس قدر احادیث ہیں کہ اُن کا شمار مشکل ہے۔ پھر اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہ آیا اس آیت کا تعلق آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مومن قرابت والوں سے ہے یا عام اہل قرابت کے ساتھ۔ لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ آل حضرت
 کے اقربا کی محبت محض اس حیثیت سے واجب ہے کہ وہ آپ کے اقربا ہیں۔ اور یہ شعر بھی تحریر کیا ہے :-

دَارِئْتُ قَوْلًا فِي هَوَاكَ وَهَمْرًا عَدُوِّي وَلَا أَجِلُ عَيْنِ الْفُحْشِ تَكْرَهُ
 دُائِمے دوست! تیری محبت میں ایسی قوم کی بھی میں نے تواضع کی ہے جو دشمن تھے۔ کیوں نہ ہو، ایک آنکھ کی مہارت
 سے ہزار آنکھ کی عبرت کی جاتی ہے،

اس کے بعد مفسر موصوف لکھتے ہیں کہ جس قدر آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت زیادہ اور قوی ہوگی،
 وہ اُسی قدر زیادہ محبت کی متقاضی ہوگی۔ لہذا اگر آل جنابؑ کی قرابت سے مراد عام اولاد و عہد المطلب لی جائے تو بنو فاطمہؑ
 زیادہ قریبی ہونے کے باعث زیادہ محبت و احترام کے مستحق ہوں گے۔ عام لوگوں نے اس ضمن میں بہت بے توجہی
 سے کام لیا ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ دور میں جو شخص اہل بیت رسولؑ کے ساتھ محبت کا اظہار کرے، اُس پر رافضی یعنی شیعہ
 ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔

آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل قرابت کے مومن یا غیر مومن ہونے کی بحث جس کا حوالہ مفسر موصوف نے
 دیا ہے۔ جناب سیدۃ النساءؑ کی اولاد کرام سے تعلق نہیں رکھتی، کیونکہ اکثر علمائے محققین نے جیسے علامہ زرقانیؒ نے
 تشریح مواہب اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوة میں اکثر احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جناب سیدہؑ کی
 اولاد کفر سے مأمون و محفوظ ہے۔ کیونکہ آخرت میں کافر کی مغفرت شرعاً ناممکن ہے اور آیہ تطہیر الاخراب ۳۳ کی رو سے
 اولاد رسولؑ کو پاکیزگی اور مغفورا بخش ہونے کا مفاد پہنچتا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و عطا کی وجہ سے ہے۔ لیکن جو
 لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ بنو فاطمہؑ سے کفر کا صدور ہو سکتا ہے، وہ بھی قرابت رسولؑ کے باعث اُن کی محبت اور احترام
 کو لازم قرار دیتے ہیں۔

(۲) آیہ تطہیر کے متعلق حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی فتوحات مکیہ کے باب ۲۹ میں مندرجہ تشریح و تفسیر کو مدنظر
 رکھتے ہوئے حضرت قبلہ عالم قدس سترۃ العزیز نے اپنے ایک فتویٰ میں حسب ذیل نتائج اخذ فرماتے ہیں :-
 اول یہ کہ آل عبا یعنی حضرت سیدۃ النساءؑ اور حضرات علی و حسین علیہم السلام اور تمام بنو فاطمہؑ اس آیت کی
 بشارت میں شامل ہیں۔

دوم یہ کہ الفاظ اذباب، رحس اور تطہیر کے معنی مغفرت اور عفو کے ہیں نہ کہ احکام و ہدایات شرعیہ سے آزادی کے۔
 سوم یہ کہ اس تطہیر کا اثر جہنم کے روز ظاہر ہوگا جب کہ بنو فاطمہؑ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں، پاک اور مغفورا ٹھائے جائیں گے
 اور یہ محض آل حضرت کے شرف کے باعث اللہ تعالیٰ کا فضل اور عنایت ہے، کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں

کہ ان سے دنیا میں کوئی خطا سرزد نہ ہوگی یا یہ کہ کسی شرعی حد یعنی سزا کے مستثنیٰ ہوں گے۔ بلکہ دنیا میں احکام شرعیہ کے یہ بھی اُسی طرح پابند ہوں گے جیسے عام لوگ۔ چوری، زنا، شراب خوری وغیرہ میں باوجود ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء ہونے کے بھی حاکم سے اُسی طرح شرعی سزا کے حق دار ہوں گے جس طرح دوسرے لوگ، مگر ان کا شہر مغفرت پر ہوگا۔

(۳) النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ۔ (احزاب)

نبی کریم مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہیں
اور نبی کی ازواج ان کی مائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی
کتاب میں بعض قربت والے، بعض دُوروں سے اور دیگر
مومنین و مہاجرین سے ان کے نزدیک تر ہیں۔

(۴) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران ۱۵۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا، جو ان میں
انہیں میں سے رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات
تلاوت فرماتا ہے اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور انہیں
کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدِ وَهَابِ جُرُؤًا
وَجَاهِدُوا مَعَكُمْ فَذَلِكُم مِّنكُمْ
وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ
فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ (انفال ۷۵)

اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا سب سے زیادہ حصہ آل نبی کو عطا ہوا جو بلاشبہ شرف عظیم ہے۔
اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھر چھوڑے
اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے، سو وہ لوگ بھی تم ہی
میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں بعض قربت والے
بعض دُوروں سے نزدیک تر ہیں۔

(۶) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ۔ (النحل ۹۰)

اس کی رو سے اہل قربت کو آل حضرت کے زیادہ نزدیک ہونے کا شرف حاصل ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا اور قربتوں
کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔

یہ حکم آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی دیا ہی ہے جیسا عام افراد امت کے لیے۔ آل حضور نے اپنے
قربت داروں کو مالی میراث نہیں دی بلکہ ایٹاء ذی القربی کے حکم عامہ کی تعمیل میں امامت، ولایت اور امت کی ہدایت
اور امت کی طرف سے دائمی احترام کی باطنی میراث تفویض فرمائی ہے۔

(۷) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا قَرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ (الفرقان ۷۴)

اور وہ (فلاح یافتہ) لوگ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے
پروردگار ہمیں ہماری ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی
ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

یہ دو عاصب سے پہلے آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوئی اور ہمیشہ تلاوت قرآن پاک کے
دوران بعد میں بھی آپ پڑھتے رہے۔ آپ امام المتقین ہیں اور سادات بنی فاطمہؑ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔
(۸) حاکم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:-

وَعَدَنِي رَبِّي فِي أَهْلِ بَيْتِي مَنْ أَتَرَ
مِيرے پروردگار نے میرے اہل بیت کے معاملے

مِنْهُمْ بِالتَّوْحِيدِ وَلِيٍّ بِالْبَلَاغِ اَنْ
لَا يَعْزِلَ بِهِمْ۔
میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن میں سے جو کوئی اُس
کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرے گا، اُسے
عذاب نہیں فرمائے گا۔

(۹) طبرانی، حاکم اور ابویعلیٰ کی طرف سے روایت ہے کہ اُن حضرت نے سیدہ فاطمہؓ کا نام لے کر فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؓ عقیقہ ہے۔
فَحَرَّمَهَا اللّٰهُ وَذُرِّيَّتَهَا عَلٰی النَّارِ۔
اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد کو آگ پر حرام
کر دیا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے نسب کے متعلق کراماتی ثبوت

حضرت قبلہ عالم کی تحریر سے، جو ابتدائے باب میں درج ہو چکی ہے، واضح ہوتا ہے کہ آپؑ نے مکمل تحقیق کے بعد
اپنے آپ کو اس نسل پاک سے منسوب فرمایا ہے اور اپنے حسبِ یعنی کمالات کسبیتہ کا ذکر بہ اندازِ کسبِ نفسی فرمایا ہے۔
آئندہ صفحات کے مطالعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ اُن جناب کی ذات گرامی حقیقتاً صفاتِ بنی فاطمہؓ کی حامل تھی
اور اس شعر کا صحیح مصداق تھی۔

سید کسے بُود کہ ہویدا شود ازو خلقِ محمدی، کرمِ مرتضیٰ علیؑ

جب عنایتِ الہی سے حضرت قبلہ عالم کے دادا بزرگوار کے والدِ محترم حضرت پیر سید روشن دینؒ اور اُن
کے چھوٹے بھائی پیر سید رسول شاہؒ کو اس نواح کی باطنی ولایت عطا ہوئی اور وہ اپنے وطن ساہوہ شریف حالِ ضلع
انبالہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف میں آباد ہوئے تو اپنے ذاتی کمالات جذبِ دسلوک کے باعث خاص
عام میں مقبول ہو کر مرجعِ خلافت بن گئے اور ہر کس و نا کس حصولِ فیض کی خاطر کشاں کشاں آکر اپنا مقصد حاصل کرنے لگا۔
یہ صورتِ حال نواحی بستیوں کے سادات کو، جو اکثر و بیشتر شیعہ تھے، پسند نہ آئی اور اُنہوں نے اس نووارد خاندان
کی وقعت لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی خاطر ان کے نسب پر اعتراضات شروع کر دیئے اس دوران میں حسن ابدال
کے گیلانی سادات کو، جو حجرہ شاہِ قیوم ضلع ساہی وال سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ حضرات اُن
ہی کے خاندان سے ہیں۔ نیز چونکہ ہر مقام پر جنابِ غوث الاعظمؒ کے تشرّفِ باطنی نے بھی دستگیری فرمائی۔ اس لیے
حامدین کو سوائے شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ بنو فاطمہؓ کی ٹوپی ہے

ایک نواحی گاؤں جس کا نام ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں، کے سادات نے حضرت پیر سید روشن دینؒ کو
اُن کے ایک نیازمند گولڑہ رئیس کے ذریعے بہت اصرار سے اپنے ہاں کسی تقریب پر دعوت دی اور برسرِ مجلس نامناسب
انذار میں آپؑ کے شجرہ نسب کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ آپؑ نے فرمایا، اس موقع پر ایسا تذکرہ آدابِ مہمان نوازی کے خلاف
ہے البتہ کسی روز میرے یہاں تشریف لا کر آپ صاحبانِ شجرے اور سادات دیکھ کر اطمینان کر سکتے ہیں مگر وہ لوگ چونکہ
آپؑ کے خلاف ناموافق فضا پیدا کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس لیے نہ مانے اور کہنے لگے کہ یہاں کسی نووارد کو اُس وقت

تک سید کھلانے کا حق نہیں پہنچتا جب تک وہ مصدقہ شجروں کے ذریعے مقامی سادات میں اپنی سیادت تسلیم نہ کرالے۔ آپ نے اپنے ہمراہی گولڑہ رئیس کے ذریعے بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ خاموش نہ ہوئے بلکہ ان میں سے کسی زبان دراز نے یہاں تک کہہ دیا کہ کاٹھ دی کٹی نہیں تے سید سنی نہیں یعنی لکڑی کی جھڈیا نہیں ہو سکتی اور سید اہل سنت والجماعت نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک قدرے متغیر ہوا اور آپ نے ایک جلالی کیفیت میں اپنے سر مبارک سے ٹوپی اتار کر مجلس کے فرش پر رکھ دی اور تمام مدعیان سیادت کو جو نامناسب باتیں کر رہے تھے، مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیر کا شجرہ سیادت اس ٹوپی میں ہے، جس کسی کو بنجیب الطرفین سید ہونے کا دعویٰ ہو، وہ اس ٹوپی کو اٹھا کر اوپر سن کر دکھائے۔ یہ الفاظ سن کر دوسرے فریق کا ایک سرکردہ بزرگ بڑے طمطراق سے اٹھا اور ٹوپی کو اٹھانے کی کوشش کی، مگر لاکھ جتن کے باوجود اُسے ہلا تک نہ سکا۔ حضرت نے باوازی بلند فرمایا: یہ بنی فاطمہ کی ٹوپی ہے اور چودہ طبق پر بھاری ہے۔ آپ کے الفاظ اور فریق مخالف کی عاجزی دیکھ کر حاضرین مجلس سناٹے میں آگئے اور دوسرے فریق کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ بالآخر ان لوگوں نے عاجزی اور معذرت کی تو آپ نے فرمایا اچھا، اٹھا لو۔ اس پر ان حضرت نے بصد احترام کلاہ مبارک کو اٹھایا اور بوسہ دے کر آپ کے پیش کیا۔ بھری محفل میں یہ کرامت دیکھ کر لوگ ادھر سے منقطع ہو کر اس طرف پلٹ پڑے۔ آج کل ان صاحبان کا پیری مریدی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور فقط کاشت کاری اور ملازمت پر دار و مدار ہے۔ ان کے خاندان کی ایک شاخ حضرت قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہے۔

تائید و تصدیق غوثیہ رضی

دوسرا واقعہ حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار حضرت پیر سید نذر دین شاہ کو پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ موضع سالگراں علاقہ کوٹہ ضلع راولپنڈی میں، جو ایک پہاڑی علاقہ ہے، اپنے ایک ارادت مند چودھری فتح محمد گوجر کے یہاں رونق افروز تھے کہ اس گاؤں کے رہنے والے ایک اور عقیدت مند نے بہت سے حاضرین کی موجودگی میں عرض کی کہ فلاں شخص ہم سے بحث کرتا رہا ہے کہ تمہارے پیر سید نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا کہتا ہے، میں سید نہیں ہوں اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پھر سامنے دیکھ کر فرمایا: سُنو، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ وہ سامنے حضرت غوث الاعظم اپنے تخت پر جلوہ فگن فرما رہے ہیں کہ وہ دو، میرے سید ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے ارادت مند چودھری فتح محمد کو جو اس وقت تک صاحب اولاد نہیں ہے، اسی سال اللہ تعالیٰ ایک فرزند عطا فرمائیں گے، جو شکم مادر سے شش ماہ کا پیدا ہوگا، چنانچہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا، اُسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ چودھری فتح محمد گوجر کی عمر اُس وقت پچاس سال کے لگ بھگ تھی اور وہ اولاد سے قریباً مایوس ہو چکا تھا۔ اُس کا یہ فرزند چودھری محمد بخش حضرت پیر سید نذر دین شاہ کی زندہ کرامت کے طور پر غیر طبعی کو پہنچا اور حضرت قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ اُس کا فرزند چودھری غلام حسن گوجر حضرت قبلہ عالم کے خلیفہ الصدق اور سجادہ نشین سیدنا غلام محی الدین المعروف جناب بابو جی مدظلہ کا ارادت مند ہے اور اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے۔

کرامتِ جاریہ

حضرت قبلۂ عالم کی سیادتِ نبی کی تصدیق دلائل میں مندرجہ بالا دونوں واقعات کرامتِ فقر کی قسم سے ہیں ایک تیسرے واقعے کا تعلق کرامتِ علم سے ہے۔ اور چونکہ اس نے ایک کتابی مسکے اور دائمی علمی معیار کی صورت اختیار کر لی ہے اس لیے اسے ایک کرامتِ جاریہ کہا جاسکتا ہے۔

جن لوگوں نے حضرت قبلۂ عالم کی تصانیف اور فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بعض مشتدہ نظریات پر تنقید کی گئی ہے۔ اس سے اہل حدیث کے ایک گروہ نے ناراض ہو کر مناظرہ مباحث کی ہست آڈلی اور ۱۳۲۵ھ یعنی ۱۹۰۸ء میں راولپنڈی کے ایک مولوی عبد الاحد خانپوری کو سامنے لا کر حضرت قبلۂ عالم پر دس علمی سوالات شائع کیے اور اعلان کیا کہ جوابات کی صورت میں حضرت قبلۂ عالم کو بھی ان کی جماعت پر سوالات کرنے کا حق ہوگا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی تصنیف الفتوحات الصمدیہ میں ان دس سوالوں کے جواب باصواب دے کر اپنی طرف سے ان پر بارہ سوالات شائع کر کے پیش گوئی بھی فرمادی کہ وہ لوگ ان کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آج نصف صدی ہونے کو آئی، مگر اُس جماعت کی طرف سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا جاسکا۔

اس واقعہ سے حضرت کے سیادتِ نسب کا پہلو اس طرح نکلتا ہے کہ آپ نے ان بارہ سوالات کے وقت اپنے احباب حضرت مولانا محمد غازی اور مفتی غلام مرتضیٰ وغیرہ سے فرمایا تھا کہ ان سوالات کا تعلق بنی فاطمہ کے صدری علوم سے ہے اور ان کے جواب دینے کے لیے جواب دینے والے کا علوم رسمیت پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ سید بنی فاطمہ ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ ان سوالات کی تفصیل اس کتاب کے باب تصانیف میں دی گئی ہے۔ بعد میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کے اپنے ملفوظات میں ان سوالات کے بعض دقیق نکات کی کہیں کہیں عقدہ کشائی ہوتی رہی ہے۔

وادیِ حمر کا رؤیائے صادقہ

سفرِ مدینہ شریف کے دوران ایک مرتبہ آپ کا قافلہ وادیِ حمر میں شبِ باش ہوا۔ بدوؤں کے حملے اور قافلے والوں کے خوف و ہراس اور اضطراب کے باعث حضرت قبلۂ عالم نمازِ عشاء کی اہستہ آہستہ سنتیں ادا نہ کر سکے تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی حضور نے ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں آپ کے آلِ رسول ہونے کی تصدیق فرمائی اور جس خواب میں آن جناب کی زیارت ہو، وہ حسب فرمانِ نبوی مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ بِالْكَفِّ اور صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد میں ایک موقع پر جب حضرت سید ابراہیم گیلانی بغداد شریف سے راولپنڈی تشریف لائے تو کسی مخلص نے حضرت قبلۂ عالم سے اپنے شجراتِ نسب ان سے تصدیق کرا لینے کے لیے عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ شجر سے وغیرہ تو پہلے ہی تصدیق شدہ موجود ہیں، مگر ان شجروں کے علاوہ میرے پاس ایک ایسی قوی دلیل ہے جس کے بعد اطمینان کے لیے کسی مزید ثبوت کی حاجت نہیں اور اس سے آپ کا اشارہ مندرجہ بالا رؤیائے صادقہ کی طرف تھا۔ اس ضمن میں آپ کی مفصل تحریر باب چہارم میں درج کی گئی ہے۔

ایک جن کی شہادت

حَسْبُ آيَاتِ قُرْآنِيَةٍ۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلْمُزِيَا تِكُمْ

رُسُلٌ مِّنْكُمْ (سُورَةُ الْاِنْفَامِ ۱۳۱)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادٍ ذُنْ

(سُورَةُ الذِّرْيَةِ ۵۶)

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس

تم میں ہی سے رسول نہیں آئے تھے؟

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو بنایا ہے تو صرف

اپنی بندگی کے لیے۔

جنات و انسان کا علیحدہ علیحدہ مخلوق ہونا ثابت ہے۔ جنات کی عمریں بھی طویل ہوتی ہیں۔ جناب بالوچی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ضلع کیمبل پور کے مولوی شاہ ولی کی اہلیہ کو آسیب کی شکایت تھی جب کسی اور جگہ علاج وغیرہ سے افادہ نہ ہوا تو اُسے حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں گولڑہ شریف لے آئے۔ آپ مریضہ کی طرف متوجہ ہوئے تو جن حاضر ہو کر بولنے لگا اور کہا کہ وہ دربار غوثیہ بغداد شریف کا خادم ہے اور ایک مرتبہ جناب غوث الاعظم کی معیت میں گولڑہ شریف بھی آچکا ہے۔ حضرت قبلہ عالم نے اس کا ثبوت مانگا تو کہنے لگا کہ ایک دفعہ آپ بعارضہ پیش پیش بیمار تھے اور علاج سے افادہ نہیں ہو رہا تھا۔ خدام پریشان تھے اور آپ کی چارپائی حضرت اچھی صاحب کے مزار شریف کے قریب درخت سرس کے نیچے تھی۔ محمد خان خادم آپ کے پاؤں دبا رہا تھا کہ جناب غوث پاک تشریف لائے اور چارپائی کے سر ہانے کھڑے ہو کر فرمایا کہ علاج کراؤ، انشاء اللہ صحت ہوگی۔ میں اُس وقت حاضر تھا۔ جناب غوث پاک نے مجھے فرمایا ہوا ہے کہ یہاں میری اولاد رہتی ہے اور جب کبھی ادھر سے گزروں تو یہاں سے جو جایا کروں۔ حضرت قبلہ عالم نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

لہٰذا جی پٹواری زبان میں باپ کو کہتے ہیں حضرت قبلہ عالم کے والد ماجد مراد ہیں۔

دوسری فصل

فضائل اہل بیت کرام نبی ﷺ

فضائل اہل بیت پر اکابرین امت کی کتب

حضرات اہل بیت کرام کی شان میں اکابرین امت محمدیہ نے ضخیم کتب تحریر کی ہیں اور اس قسم کی تحریرات کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعریف و تحقیقت آں جناب ہی کی منقبت تعریف ہے اور آں حضرت کے ذکر خیر کو اللہ تعالیٰ نے حسب ارشاد قرآنی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ط وہ رفعت عطا فرمائی ہے جس کا احاطہ علم انسانی اور زور قلم انسانی سے باہر ہے۔ لہذا یہ سلسلہ توصیف و تعریف کبھی ختم ہونے کا نہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور بالخصوص اس لیے بھی کہ تمام قرآن پاک آں جناب کی تعریف و توصیف سے بھرپڑا ہے اور بمصدق :-

إِنَّ اللَّهَ وَصَلَّىٰكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلُّوا
تَسْلِيمًا۔ (الاحزاب ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُس پر درود اور سلام بھیجو۔

اللہ تعالیٰ خود اور اُس کے فرشتے بھی کریم پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی آنحضرت پر درود سلام بھیجنے کا تاکید فرماتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ امرتسری نے اپنی کتاب ادرج المطالب کے آغاز میں اُن مشہور علمائے امت کی ایک طویل فہرست دی ہے، جنہوں نے اہل بیت نبی کے فضائل پر مستقل کتب تحریر کی ہیں۔ اُن میں سے بعض مشاہیر کے اسماء گرامی مع اُن کی تصانیف کے درج ذیل کیے جاتے ہیں :-

کُتب

مصنفین

المناقب

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

الخصائص

حضرت امام نسائیؒ

منقبۃ المطہرین

حضرت حافظ الحدیث ابو نعیم اصفہانیؒ

جواہر المعتمدین

حضرت امام ابی الحسن علی بن عبد اللہ سہروردیؒ

ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربی

علامہ محب طبریؒ

الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمة

علامہ نور الدین ابن صباغ مالکیؒ

مودۃ العترة

عالم ربانی سید علی ہمدانیؒ

علامہ سیمان حنفی بلخیؒ

علامہ محمد بن علی صبان مصریؒ

علامہ یوسف سبط ابن جوزیؒ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

امام حاکم صاحب مستدرکؒ

امام ابی اسحق اسفرائینیؒ

امام جلال الدین سیوطیؒ

حضرت مولانا عبد الرحمن جامیؒ

علامہ رشید الدین خان دہلویؒ

ملا محمد مبین سہالویؒ

علامہ مؤمن مصریؒ

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

حافظ الحدیث محمد ابن احمد ذہبیؒ

سید عبد الرحمن اجوری شافعیؒ

علامہ عبد الرؤف مناویؒ

علامہ ابن انصرؒ

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

ینایع المودۃ

اسعاد الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و اہل بیتہ الطاہرینؑ

تذکرۃ خواص الامۃ فی احوال الامۃؑ

مناقب امۃ اثنا عشرؑ

فضائل فاطمۃ الزہر علیہا السلام

نور العین فی مشہد الحسینؑ

احیاء المیت بغضل اہل بیتؑ

شواہد النبوت

الفتح المبین فی فضائل اہل بیتؑ سید المرسلینؑ

وسیلۃ النجات فی فضائل الحضرتؑ

نور الابصار فی مناقب النبی و آلہ المختار علیہم السلام

سر الشہادین

فتح المطالب

رسالہ فضائل اہل بیتؑ

کتاب الصفوة بمناقب اہل بیت النبوةؑ

معالم العشرة النبویہ

صواعق محسرة

ان علی خزانہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیتؑ رسولؐ کس شان کے مالک ہیں۔ نیز تاریخ اسلام اور بزرگان دین کے احوال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کمالات محمدیہؐ کا جو خصوصی طور آپؐ کی پاک و طیب اولاد کے بعض کاہلین سے ہوا ہے، اُس کی مثال دیگر اکابرین امت میں کہیں نظر نہیں آتی، کیونکہ ان حضرات کو کمالات کسبیتہ کے علاوہ جو فضائل بطور ورثہ وہی طور پر عطا ہوئے ہیں، اُن میں یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اور یہ فضائل درحقیقت وہی فضائل و کمالات محمدیہؐ ہیں، جو اس پاک خاندان میں نسلی طور پر اور بطریق وراثت جلوہ گر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ پہلے عرض ہو چکا ہے، انبیاء علیہم السلام کی وراثت یہی جو بہر فضل و کمال ہے نہ کہ مال و منال دنیوی۔

اسی وجہ سے حضرت قبلہ عالم نے اپنے ملفوظات و تحریرات میں وضاحت فرمائی ہے کہ چونکہ فضائل اہل بیتؑ کرامؑ موجود ہیں، اس لیے کوئی شخص ریاضات و مجاہدات سے، غون نبویؐ کی تاثیر و فیوض و برکات کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ جو کچھ بھی حضرات اہل بیتؑ کرام کو اس طور پر عطا ہوا وہ ان کی کوشش کا نہیں بلکہ محض عنایت الہی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ آیہ تطہیر سے ثابت ہے۔ اور طالب حب تک اس مقام پر نہ پہنچے، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے ذوق و شوق سے رُوشناس نہیں ہو سکتا۔ ان حضرات کی رفعتِ شان کے متعلق کچھ ارباب بصیرت و کشف و شہود اور قلندر ان اویسیہ ہی بتلا سکتے ہیں۔

فضائل اہل بیت پر بعض اکابرین کے ارشادات

”بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے۔ اُرْقُبُوا مُحَمَّدًا فِيْ اَهْلِ بَيْتِهِ (اے مسلمانو! نبی کریم کے اہل بیت کے معاملے میں آل حضرت کا لحاظ و احترام ملحوظ رکھو) نیز فرمایا کہ مجھے اپنی قرابت سے آل حضرت کی قرابت زیادہ عزیز ہے۔“

”شفاء“ مصنفہ قاضی عیاضؒ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت حسینؓ کو محبت و احترام سے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔

”ابن عساکر“ میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب رسالت مآب کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے۔ جب وظائف مقرر کرنا چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے بھی کہ نہ بحثت امیر المؤمنین آپؐ مقدم رکھتے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم اور اُن میں سے حضرت عثمانؓ و حضرت عباسؓ کو مفت دم رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں۔ اور اگرچہ بنی علیہما السلام اُن میں سے نہ تھے مگر آل حضرت کی ذریت کے تعلق سے اُن کی تنخواہیں بھی بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں۔ آل حضرت کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اُسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو ذی قدر صحابی تھے، زیادہ مقرر کی۔ ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا تو فرمایا کہ حسینؓ شریفینؓ کی والدہ ماجدہ جیسی والدہ، اُن کے باپ جیسا باپ اور اُن کے نانا جیسا نانا لالہ اور پھر ہماری کادھوی کرو۔ حضرت اُسامہؓ کے معاملے میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہؓ کو تجھ سے اور اُسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

”تور الا بصار“ میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے پوتے حضرت عبداللہؓ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ لکھ بھیجا کیجئے۔ مجھے خدا و رسولؐ سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

”مدارج“ میں تحریر ہے کہ حضرت امام مالکؓ بن انسؓ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا: لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روزِ حشر میری وجہ سے آنحضرتؐ کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد مستوجبِ باز پرس ہو۔“

”تاریخ الخلفاء“ اور ”سیرۃ النعمان“ میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو خلیفہ منصور عباسی نے بدیں وجہ قید میں ڈال کر زہر دلویا تھا کہ انہوں نے حضرت سید محمد انصافؒ زکیۃ حسنیؒ کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ اور چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کے عریفہ تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابلِ واپسی نہ ہوتیں، تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود بامید شہادت خود جہاد میں شریک ہوتا۔ اُس وقت آپؒ کی عمر تقریباً اسی برس کی تھی۔

سید سلیمان ندوی نے حیات مالکؓ میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؓ نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا تھا۔

حضرت امام شافعیؒ کی نسبت اہل بیتؓ کے واقعات ضربُ المثل بن چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مخالفین نے

آپ پر رخص یعنی شیعہ ہونے تک کی تہمت لگائی۔ "روح المعانی" اور تحفہ اشعار عشریہ وغیرہ کتب میں آپ کے یہ اشعار تحریر ہیں:-

يَا زَاكِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مَنِي
وَاهْتِفْ بِسَاكِنِ خَيْفَهَا وَالتَّاهِضِ
سَحَرًا إِذَا قَاضَ الْحَجِيجُ إِلَى مَنِي
فَيَضَاكُمُ تَطْهِيرَ الْفَرَاتِ الْفَاضِ
إِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ إِبْلِ مُحَمَّدٍ
فَلَيْسَ هَذَا الثَّقَلَانِ إِيَّايَ رَافِضِ
ترجمہ:- اے شہر سوار! محصب میں کہ حد و دہنی میں سے ہے، اٹھ جا اور اُس وادی میں بسنے والوں اور وہاں سے اُٹھ کر جانے والوں سے پکار کر کہہ دے اور اُن حاجیوں سے بھی کہہ دے جو علی الصبح دریائے فرات کی طرح موج در موج مہنی میں وارد ہوتے ہیں کہ اگر آل محمد کی محبت کا نام رخص ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں یقیناً رافضی ہوں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی جو کچھ اہل سنت والجماعت کا اصحاب کرام کے متعلق مسک ہے میں اُس سے تجاوز کو بھی دین نہیں سمجھتا اور اُن کے احترام کو بھی حسب ارشاد نبوی ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر لوگ صحابہ اہل بیت کرام کے معاملے میں افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں، مگر حق ہر دو کے بین بین ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے المناقب میں اہل بیتؑ کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ "تاریخ الخلفاء" میں اُن کا یہ قول تحریر ہے کہ جس قدر احادیث حضرت علیؑ کی شان میں ہیں، کسی اور صحابی کی شان میں نہیں۔ "صواعق مخرقة" میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کسی سید زاوے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہؑ اور حضرت سلمان فارسیؑ کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیتؑ میں شمار کیے گئے ہیں، سب بعضی حکم مغفرت اس آیت میں داخل ہیں۔ وہ طاہر و مطہر ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اُس عنایت خصوصی کا نتیجہ ہے جو اُن حضرات کے حال پر ہے کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ اُن حضرات کی مذمت کرے جن کی پاکیزگی کی اور بُرائی سے تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے فیصل و کرم اُن کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل کرتا ہے۔

امام عبد الوہابؒ شرعی لطائف المنن میں حضرت شیخ اکبرؒ کے مندرجہ بالا ارشاد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ نے فضائل اہل بیت کرام میں یہ دو اشعار خوب کہے ہیں:-

فَلَا تَعْدِلْ بِأَهْلِ الْبَيْتِ خَلْقًا
فَأَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ أَهْلُ السِّيَادَةِ
فَبُغْضُهُمْ مِنَ الْإِنْسَانِ خُسْرٌ
حَقِيقِي وَحُبُّهُمْ عِبَادَةٌ ۱۵

ترجمہ:- اہل بیت نبیؑ کے برابر کسی کو مت سمجھو، کیونکہ وہ اہل سیادت ہیں۔ اُن کا بغض انسان کے لیے حقیقی خسارہ ہے اور اُن کی محبت عبادت ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولادِ رسولؐ کی تعظیم و تکریم کو لازم سمجھتا ہوں۔ خواہ اُن کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ بُرے اعمال کی وجہ سے شرف نسب میں کمی نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ شرف الدینؒ بوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بوہ سیدہ کی نکایت پر انہوں نے

مندرجہ ذیل رُباعی سلطان علاؤ الدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی :-

سادات افضل اندو بود وصفت شاں جلی
بر فعل شاں نظر محکُن اے حسرتِ جاہلی
اولادِ مرثضے و جگر گوشہ نبی
الصلحاءونَ لِلّٰہِ وَالطَّالِحُونَ رَحْمٰی
امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیتِ نبی کو درود و سلام، طہارت و پاکیزگی، عزت و صدقہ اور وجوبِ محبت میں آں جناب کے ساتھ شامل فرمایا ہے اور یہ صرف اُن ہی کی خصوصیت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”بجب خاتمِ نبوتؐ کی خلافت حضرت علیؑ کی ذاتِ گرامی تک پہنچی، تو اس شجرِ علم و ولایت سے درختِ طوبیٰ کی مانند بے شمار شاخیں چھوٹیں جن کے کمالات ہر جانب سایہ نگیں ہوئے اور ساری دنیا حضرت علیؑ کے نورِ جمال ولایت سے روشن ہو گئی۔ بالخصوص رسول اللہؐ کی اولادِ عالیٰ نژاد نے بحکمِ وراثتِ حقیقی اور مناسبتِ ذاتی ولایت کا پورا پورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمتِ ذاتی کی بنا پر ولایتِ معنوی کا علم بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت و سرور کے لیے چھوڑ دی۔ خاندانِ نبوت سے نورِ ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہوگا اور آسمان ولایت نے بغیر ان اقطاب کے کبھی قرار نہیں کچھا۔ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا، قطبِ الاقطاب عالم، غوثِ بنی آدم اور مرجعِ جن و انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہور و معروف کر دیا اور حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کو دینِ اسلام کا دوبارہ زندہ کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمالِ محمدیؐ تمام آل میں تابان و درخشاں ہے مگر محمدی الدین سید عبد القادر جیلانیؒ میں اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے جو حقیقتاً جمالِ احمدیؐ اور کمالِ محمدیؐ کا مظہر اتم ہے۔“

حضرت محمدؐ و الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۲۳ میں تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حاصل ہونے کے ورستے ہیں۔ پہلا رستہ قُربِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اصل الاصل ہے اور اس راستے کے واسطیان انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کے اصحاب اور تمام امتوں میں سے جن کو بھی اللہ اس ذریعہ دولت سے نوازنا چاہیں اُن میں شامل ہیں۔ دوسرا رستہ قُربِ ولایت کا ہے جس کے ذریعے اقطاب، اوتاد، ابدال، تجوید و عام اولیاء و اصل باللہ ہوتے ہیں۔ راہِ سلوک اسی کو کہتے ہیں۔ اس راستے کے واسطیوں کے پیشوا اور اُن کے فیض کا منبع حضرت علی المرتضیٰؑ ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہؑ و حضراتِ حسین رضی اللہ عنہم اس ممت میں اُن کے ساتھ شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سرکارِ علیؑ قبل از ظہور و وجودِ عنصری بھی اس مقام پر فائز تھے اور اس راہ کے واسطیوں آپ ہی کی روحانیت کے توسل و واسطے سے منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے۔ آپ کے بعد یہ منصب عالی علی الترتیب حسینؑ کو تفویض ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ائمہ اہل بیتِ کرام اس مقام پر فائز ہوئے ان سے اسواجن کو بھی مذکورہ مقامات عطا ہوئے ان ہی حضرات علیہم السلام کے واسطے سے ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت غوثِ الاعظمؒ کا دور آنے پر یہ منصب عظیم یعنی تعلیتِ کبریٰ آپ کی ذات سے منحصر کر دیا گیا۔ اب جس کسی کو بھی اس راستے سے فیض و برکات حاصل ہوتی ہیں، انتخابِ آپ کے توسط سے ہی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت نجمہ و العت ثانی نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ مجھے بھی حضرت غوثِ اعظمؒ کی نیابت کے طور پر

یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

علامہ آؤسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں آیہ تطہیر کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اسی تطہیر الہی کا نتیجہ ہے

کہ اخلاق، اعمال اور فضائل کے لحاظ سے اہل بیت کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اُس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے اعمال مقبول ہیں اور ان پر آثارِ جمیلہ کا مترتب ہونا یقینی امر ہے۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے ارباب کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اسی خاندان سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی لمعات المقاتلہ الوضیہ وغیرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مقام جذب و ولایت کے فاتح اول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور سیدۃ النساء حضرت حنین کریمیں اس مقام میں آپ کے ساتھ شامل ہیں بقیۃ امۃ اہل بیت بھی اسی نسبت کے اقطاب ہیں اور سیدنا غوث الاعظمؒ کی اس مقام میں ایک خصوصی شان ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جناب سیدۃ النساءؑ کی شان میں کیا خوب کہا ہے :-

مریم از یک نسبت صلیٰ عزیز با سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمتہ للعالمین آلِ امامِ اولین و آخنین
بانوئے آلِ تاجدارِ ہلالِ آفتی مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا

مادرِ آں وقت فلہ سالارِ عشق

مادرِ آں مرکز پر کارِ عشق

حدیثِ ختمِ غدیر

مستزکرۃ بالا اقوال کی تائید حدیثِ ختمِ غدیر میں کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیُّ مَوْلَاہُ۔ اَللّٰهُمَّ وَاَلِیُّہُ وَاَعَادِیُّہُ مَوْلَاہُ۔ (جس کا میں محبوب ہوں، یہ علیؑ بھی اُس کا محبوب ہے۔ الٰہی! جو اُس کے ساتھ محبت رکھے، تو بھی اُس کے ساتھ محبت رکھ اور جو اُس کے ساتھ عداوت رکھے، تو بھی اُس کے ساتھ عداوت رکھ) اور حدیث شریفہ اَنَا صِدِّیقُ الْعِلْمِ وَعَلِیُّ بَابُہَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے) سے ہوتی ہے۔ ان احادیث میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو کائنات کا مولا اور اپنے علومِ مقدسہ کے شہر کا دروازہ قرار دیا ہے۔ علامہ سنائیؒ شرح جامع صغیر میں لفظ مولا کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولا اُسے کہتے ہیں جو لازمِ ولایت اور اُس پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ نسائیؒ اور مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کا ولی ہے۔ تمام سلاسلِ صوفیائے کرام اور محققینِ علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ یہاں ولایت سے مراد ولایتِ باطنیہ ہے جس کا بلا فصل یعنی مسلسل ہونا لازمی امر ہے۔ بعض حضرات ان احادیث کو ضعیف شمار کرتے ہیں، مگر وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ ثقہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح وہ صاحبان بھی غلطی پر ہیں جو ان کو خلافت ظاہرہ کے تسلسل اور بلا فصل ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل ازالۃ الخفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور رسالہ فخر الحسن مصنفہ حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامیؒ کی شرح القول المستحسن میں موجود ہے۔ یہ شرح مولانا احسن الزمان محدث حیدر آبادی خلیفہ حضرت خواجہ محمد علی چشتی سلیمانی خیر آبادیؒ نے تحریر کی ہے۔ اور اس میں سلسلہ چشتیہ کے سرگروہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے حضرت سیدنا علیؑ سے براہِ راست نسبت و استفاضہ کو قوی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے جس سے خلافتِ باطنیہ جناب رسول کریمؐ کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے بعد ان کے توطے دیگر حضرات تک اکثر سلاسل میں ثابت ہے

اس سال کے اقباسات حاشیہ نبراس بحث خلافت میں بھی موجود ہیں۔

مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ علیؑ

مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہے کہ جس طرح مقام نبوت کے مرکز اعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اسی طرح مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ سیدنا علیؑ ہیں۔ آیہ کریمہ :-

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِيَيْنِ لَمَّا آتَيْنَاكَ كُوفً
مِّنْ كَثِيرٍ وَحَمَلَ بِهِ تَوَجَّاهُ كُوفً رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَكُمْ لَوْ أَنَّهُمْ إِتَّقَوْا لَئِن مَّ تَصَرُّوْهُ (ال عمران - ۸۱)

اور جب اللہ نے بنیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں
کتاب اور علم سے دوں پھر تمہارے پاس یہ پیغمبر آئے جو
اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہے
تو اُس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔

اور حدیث شریف :-

كُنْتُ نَبِيًّا وَأَدْمُومَيْنِ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ -
میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ ابھی رُوح اور
جسم کے درمیان تھے۔

کی تشریح میں امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں اور حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکینہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حقیقت کلیہ و
تجلی اول میں قبول فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقت محمدیہ ہے اور اُس کے
بعد سیدنا علیؑ کی حقیقت ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ نے
فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں رُوح پھونکی، تو انہیں عرش معلیٰ کی دائیں جانب پانچ انوار رکوع و سجود
میں مصروف نظر آئے۔ آپ کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے، تو
میں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، آسمان، زمین، فرشتے، انسان، جن وغیرہ کو پیدا نہ کرتا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش
آئے، تو ان کے وسیلے سے سوال کرنا۔ (اربع المطالب جلد ۴، صفحہ ۴۶۱)

اس حدیث کو امام ابوالقاسم رافعیؒ وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحب اربع المطالب نے امام احمد بن حنبلؒ اور
ان کے فرزند عبد اللہؒ اور علامہ ابن عساکرؒ اور محبت طبریؒ وغیرہ علمائے کرام کی کتب کے حوالے سے اس مضمون کی اور
بھی کئی احادیث کو نقل کیا ہے، جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں "آدم علیؑ" ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے بھی اپنی تفسیر عزیزیؒ میں ان کلمات کی تفسیر لکھتے ہوئے، جن کے توکل سے
حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ مذکورہ بالا احادیث کے ہم معنی روایات نقل فرماتی ہیں۔ لیکن یہ خیال ہے کہ جیسے "شرح
الاعتقاد" نبراس میں تحریر ہے حضرت علیؑ کے یہ فضائل مسند فضیلت شیخینؒ کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیخینؒ کی
فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

نسبتِ اویسیؑ

مُدرجہ بالا حقائق سے حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ العزیز کے سابقہ محفوظ گرامی کی تصدیق ہوتی ہے اور اویسی قلندروں سے اہل بیتؑ کی شان دریافت کرنے کے متعلق جو آپؑ نے فرمایا ہے، اُس میں الفاظ "اویسی قلندروں میں اپنے متعلق بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اصطلاح صوفیہ میں اویسی اُن حضرات کو کہتے ہیں جو باطنی طور پر اُن حضرات یا دیگر ارواح کا طین سے براہ راست تربیت پائیں۔ اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم کو علاوہ اُس فیض کے جو ظاہری طور پر مشائخ طریقت کی توجہات عالیہ سے حاصل ہوا، براہ راست امام الاولیاء سرکار علیؑ اور سیدنا غوث الاعظمؑ کی توجہات گرامی سے بھی کمالات خصوصی عطا ہوئے جن کا اظہار آپؑ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ اسی ضمن میں ایک فارسی غزل میں آپؑ کا یہ شعر قابلِ ملاحظہ ہے۔

تایافتہ ام خبرے از بابِ علومِ دل ولدادہ یہ سر آں شہِ حیدرِ کرام

مہر ہے ساری علیؑ دی

ایک اور پنجابی نعت میں ارشاد فرمایا ہے :-

مہر ہے ساری علیؑ دی، شک نہ رہا اک ذرہ

تاہیں ادہ پتیاں دس دیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

دوسرے مصرعے کی تشریح آپؑ نے ایک مقام پر نفس الرحمنؑ اور حضرات الاسماءؑ کے ساتھ فرمائی ہے۔ اسی نعت میں حضرت سیدنا غوث الاعظمؑ کے فیوض و برکات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے :-

ہے جو تنزیہ عین تشبیہ جمع حق مشہود ہے

کرم کیستا غوث اعظمؑ اپنے سردیاں الیاں

فی الحقیقت تربیت اور استفادہ کے معاملے میں حضرت قبلہ عالم کی ذات گرامی میں تمام تر وہی نقشہ نظر آتا ہے جو آپؑ کے جدِ امجد سرکار بغدادؑ کے متعلق کتب سیر میں مرقوم ہے حضرت غوث الاعظمؑ نے بھی اپنے ارشاد :-

وَجَدْنِي رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَصْلِ رَبَّانِي

کے مطابق باوجود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست مستفیض ہونے کے حسب قاعدہ طریقت، اپنے وقت کے متعدد اہل باطن حضرات سے فرقہ خلافت حاصل فرمایا تھا۔ لہذا حضرت قبلہ عالم کا بصدائق التوکل سیر لایبہ اپنے جدِ بزرگوار کے نقش قدم پر جونا ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ سماعتؒ میں ضمنِ نسبتِ اویسیہؑ فرماتے ہیں :-

"مزید برآں ملتِ مصطفویہ میں بالعموم اور اس زمانے میں بالخصوص ان دو بزرگان یعنی سیدنا علیؑ و سیدنا

عبد القادر جیلانیؒ سے بڑھ کر اور کوئی بزرگ جرق عادات و کمالات کے ضمن میں مشہور نہیں ہے اور یہ امر اس بات

کا تقضی ہے کہ سالک جب عالم غیب کی طرف توجہ کرے تو اُسے ان ہر دو بزرگان میں سے کسی نہ کسی صورت

میں متشکل دیکھے۔"

اب اس مبارک موضوع کو اپنے مندرجہ ذیل اشعار پر بدیں اُمید ختم کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان پاک ہستیوں کے ذکر خیر کی برکت سے میرا بھی اہل نیت کرام کے ثنا خوانوں میں حشر کرے :-

رضائے حق ہے رضائے نبی و آل نبی	دلائے حق ہے دلائے نبی و آل نبی
دَعَا رَحْمَت کو پڑھ کر یہ راز فاش ہوا	لغائے حق ہے لغائے نبی و آل نبی
نہیں ناز وہ منظور بارگاہِ حسد	کہ جس میں ہونہ شنائے نبی و آل نبی
انہیں کے گھر میں ہی نازل ہوا کلام اللہ	انہیں کے گھر سے ہدایت ملی جسے بھی ملی
نجات انہیں سے ہے ابستہ بحر ظلمت میں	بغیر ان کے نہ کشتی کوئی بھی پار ہوئی
صداقت اور عدالت انہیں پہ ہے نازاں	ابامت اور ولایت کے ہیں مدار یہی
گواہ ان کی طہارت یہ آئیہ تطہیر	نشان ان کی شہادت سے کر بلا کی گلی
سیادت ان کی مسلم ہے دونوں عالم میں	غلام ان کے ہیں شاہ و گدا، فقیر و غنی
شجاعت ان کی ہے ضرب المثل زمانے میں	لقب انہیں کا ہے شیر خدائے لم یزلی
سخاوت ان کی، خدا کی قسم، کہ کیا کمنا	نہیں تو ان کی زباں سے نہیں کسی نے سنی
ہیں علم ظاہر و باطن کے بحر بے پایاں	خدائے ان کو سچائے ہیں از یائے خفی

نہیں جو ان سے تعلق تو حیض کچھ بھی نہیں
کہ دین ان کے ہوا ہے تمام بولہبی

تیسری فصل

آبائے کرام^{رض}مولائے کائنات جناب علی^{رض}

اس خاندانِ ذی شان کے اسلافِ کرام نے ہر دور میں باطل کے خلاف نبردِ آزارہ کر اسلام کی سر بلندی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات کا تاریخی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تقریباً تمام غزوات میں شریک رہ کر ایسے کارنامے نمایاں انجام دیئے جو تاریخِ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ سنہری حروف میں لکھے جاتے ہیں گے۔ صرف غزوہ تبوک میں آنحضرت نے آپ کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا تو آپ مغموم ہوئے۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا: اَهَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ صِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰی (کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہو جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھی؟)

جنگِ بدر میں کفار کے ستر مقتولین میں سے اکیس (۲۱)، صرف آپ کی تلوار کا شکار ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر شریف صرف سترہ برس کی تھی۔ جنگِ احد کے بائیس (۲۹) مقتولوں میں سے سات (۷) آپ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جنگِ احزاب میں، جب عمرو ابن عبدود، جو عرب میں ایک ہزار پہلوانوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا، آپ کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہنچا تو آنحضرت نے فرمایا: علیؑ کی یہ ضرب اُس کے تمام دوسرے اعمال پر سبقت لے گئی ہے۔ اُس زمانے کے دستور کے خلاف آپ مقتول کے اسلحہ و پارچات پر تصرف نہیں فرماتے تھے۔ اس پر عمرو کی بہن نے ایک مرثیہ میں کہا کہ بھائی! میں تیری لاش پر ابر بہار کی طرح روتی، مگر یہ دیکھ کر میرے آنسو خشک ہو گئے کہ تو ایک مردِ شجاع کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

میدانِ جنگ میں جو شخص بھی اس شیر خدا کے مقابل ہوا، قتل ہوا۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ۷

نشد فُصلے بروز کارزارش ز عِزِ رَیْسِ دُوالفقاہ

صرف دو مقابل بچ نکلے تھے۔ ایک اپنی پشت برہنہ کر کے بھاگا تھا اور آپ نے مسکرا کر منہ پھیر لیا اور دوسرے نے آپ کے چہرہ مبارک پر ہتھوک دیا جس سے آپ نے تلوارِ نیام میں کر لی کہ باءِ اعلیٰ فی سبیل اللہ میں اس ذاتی رنج و غصہ کی وجہ سے غل آجائے۔ جہادِ بالسیف کے علاوہ اشاعتِ علومِ نبویہ تبلیغِ دین اور ہدایتِ خلق کے معاملہ میں مساعی کا جو ظہور آں جناب کی ذاتِ گرامی سے ہوا، اُس پر خود صحابہ کرام، ائمہ تابعین اور تمام سلاسل کے اولیائے عظام کے اقوال شاہد ہیں "مسندِ امام احمد" میں ہے کہ حضرت عمرؓ با اس جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی شکل سے پناہ دیں جس کے حل کے لیے

ابو الحسن یعنی حضرت علیؑ نہ ہوں۔

حسین کریمین

مولائے مشکل کشا کے بعد آپ کے دونوں فرزند ان ارحمہد حسین کریمین کی دینی خدمات اور اشاعتِ طریقہ نبویہ پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ سیدنا امام حسنؑ کا ظاہری خلافت سے دستبردار ہو کر حسبِ پیشگوئی آن حضرت اُمتِ مسلمہ کو خانہ جنگی سے بچالینا ایک عظیم کارنامہ ہے اور جناب امام حسینؑ کا یزید شقی کے خلاف آوازِ حق بلند کر کے حدودِ شریعت کے تحفظ کے لیے سب کچھ قربان کر دینا اپنی مثال آپ ہے۔

غریبِ سادہ و رنگیں بے استانِ حرم نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمعیلؑ (اقبال)

حسین کریمین کی اولادِ امجاد

حسین کریمین کی اولادِ گرامی بھی اشاعتِ حق اور ازالہِ باطل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ سیدنا امام حسینؑ کے پوتے جناب زید شہیدؑ نے بھی مروانیوں کی غیر شرعی حکومت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے میدانِ کربلا کا نقشہ از سر نو پیش کیا۔ حضرت امام حسنؑ کے فرزند جناب حسنؑ مثنیٰ جو میدانِ کربلا میں زخمی ہوئے تھے اور جنہیں اسما بنت حکیم منہ از منیٰ نے سفارش کر کے ابن زیاد ملعون سے چھڑایا تھا، کے پوتے سید محمد نفس الزکیہؑ، سید ابراہیمؑ اور سید یحییٰ زاہدؑ نے منصور عباسی وغیرہ کے دورِ حکومت میں آوازِ حق بلند کی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ علوئی شان کی یاد تازہ ہو گئی۔

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ جہاں پیدا ہوا شیر خد معلوم ہوتا ہے

یہ مسئلہ اُمر ہے کہ عالمِ اسلام کی دینی، دنیوی، اخلاقی، معاشرتی، ذہنی اور روحانی استدار اپنے قیام و بقا میں اسی گھرانے کی مرئوسِ منت ہیں۔ اہل سنت و الجماعت کے چاروں فقہی ائمہ، اہل بیتِ کرام کے شاگرد اور خوش چین ہیں۔ امام ابو حنیفہؑ اور امام مالکؑ حضرت امام جعفر صادقؑ کے اور امام شافعیؑ امام موسیٰ کاظمؑ کے تربیت یافتہ ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؑ نے امام شافعیؑ کا شاگرد ہو کر بالواسطہ اسی خاندانِ پاک کا شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، تعبیر، ہندسہ، بلاغت و طب وغیرہ علوم کے اکابر علماء اسی گھرانے کے ارادت مند اور فیض یافتہ تھے جیسا کہ معتبرہ بھی پنج البلاغہ کے ثبوت پر اصحابِ علیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ الغرض روحانیت کے سارے سلسلے اور طریقے اسی دریا کی نمر ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے واسطے سے اُن کے جدِ مادری حضرت صدیق اکبرؑ سے منسلک ہے اور دیگر سلاسلِ قادریہ، چشتیہ، شہروردیہ، اویسیہ، رفاعیہ، مولویہ، شاذلیہ، شطاریہ اور بندگیہ وغیرہ سب کے سب براہِ راست امیر المؤمنین سیدنا علیؑ ابن ابی طالب سے متعلق ہیں۔

غوث الثقلینؑ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے جناب غوثِ پاک، پیرانِ پیر، دستگیر سیدنا محی الدین ابی محمد عبد العت اور

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احیائے دین کے سلسلے میں وہ بطل جلیل اور رہبر عظیم ہیں، جن کے دستِ برکت نے دینِ اسلام کو ایک مثالی شکل میں مریضِ پاکر حیات نو بخشی اور چار دانگ عالم میں محی الدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علماء، محدثین اور اکابرِ سلف کی ایک کثیر تعداد نے آپ کے فضائل اور مناقب میں ضخیم کتب تحریر کی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل یہاں عربی زبان میں دستیاب ہو سکتی ہیں اور بعض کے اردو اور فارسی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں:-

۱۔ نور الناظر فی اخبار شیخ عبد القادر، از علامہ ابوبکر عبد اللہ تمیمی عراقی

۲۔ ہیئت الاسرار، از علامہ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شطنوفی

۳۔ راس المفاخر فی مناقب الشیخ عبد الفتاویٰ، از امام عبد اللہ ابن السعد الیثی الشافعی

۴۔ درر الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر، از علامہ سراج الدین ابوحفص عمر ابن علیؒ

۵۔ روضۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبد الفتاویٰ، از علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف "قاموس اللغات"

۶۔ الروض الزاہر فی مناقب الشیخ عبد الفتاویٰ، از علامہ ابوالعباس احمد قسطلانی۔

۷۔ نزہۃ النظار الفاتر فی مناقب الشیخ عبد القادر، از علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی صاحب "مرقاہ شرح مشکوٰۃ"

حضرت غوث الاعظم دُنیا کے تمام اولیاء اللہ کے سرِ دار اور نبوت کے بعد ولایت کے اُس مقامِ اقصیٰ پر فائز ہیں، جہاں اور کسی کو رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ آں جناب کی ولادت ۷۸۷ھ میں ہوئی۔ اکانوے برس کی عمر پائی اور ۸۵۶ھ میں وصال ہوا۔ ولادت کی تاریخ لفظ "عاشق" سے اور عمر شریف لفظ "کمال" سے نکلتی ہے۔ اسی طرح بن وصال کے الفاظ بحساب "ابجد معشوق الہی" ہیں۔ لہذا کیا خوب کہا ہے:-

سینش "کابل" و عاشق "تولد" و عاشق "داں ز معشوق الہی"

پیدائش کے وقت عالمِ اسلام کی حالت

تاریخ کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب غوث الاعظم کی پیدائش سے قبل دُنیا بے اسلام پر زوال و انحطاط عمومی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ بظاہر اسلامی سلطنتوں کے اقتدار کا سلسلہ اُنڈس سے لے کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندرونی طور پر حالات نہایت خراب و ناگفتہ بہ تھے۔ دُنیا بے اسلام کی مرکزی طاقت یعنی خلافت بغداد بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اور باقی ہر طرف طوائف الملوک کا دورِ دورہ تھا۔ سیاسی و معاشرتی لحاظ سے ہر جگہ انتشار تھا۔ علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی نے اپنی تاریخی کتابوں اور علامہ ابن جوزی نے "المنظم" میں اُس وقت کے اسلامی ممالک کے جو حالات تحریر کیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاری، فسق و فجور، سیاسی ابتری اور اخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

اُنڈس میں امیر عبد الرحمن اموی کی قائم کردہ حکومت کی مرکزی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں موقع کی تاک میں تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کریں۔

مصر میں سلطنتِ باطنیہ عبیدیہ جسے علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں دولتِ نبیہ کے نام سے پکارا ہے اُحداد اور بے دینی کے نظریات پھیلا رہی تھی۔ اُس کے آرباب اختیار نے جس قدر اسلامی اقدار کو نقصان پہنچایا، اُس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہ لوگ عراق و حجاز پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گویا مسیحی دنیا کی متحدہ قوت اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی تھی۔

مشرق وسطیٰ میں دولت عباسیہ کا وجود برائے نام ہوتا جا رہا تھا اور سلجوقی و دیگر ماتحت سلاطین خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے جس سلطان کی طاقت بڑھ جاتی، بغداد میں اُسی کا خطبہ شروع ہو جاتا۔

افغانستان و ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں کا زوال شروع ہو چکا تھا اور ہندو راجے مہاراجے اپنی سابقہ سلطنتوں اور ذلتوں کا انتقام لینے کے لیے صلاح مشورے کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت بھی گر چکی تھی طبقہ اُمراء عیش و عشرت میں مبتلا تھا۔ مشرق وسطیٰ کے ایک اُسٹوڈر جے کے رئیس ابن مروان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اُس کی حرم سرا کے میں صرف گانے بجانے والی لونڈیوں کی تعداد پانچ صد کے قریب تھی اور بقول امام یافعی قریطہ کے ایک امیر محمد نامی کے ہاں ایسی آٹھ صد عورتیں تھیں ہسپانیہ کے نقاب پوش سلاطین کے دور میں اسلامی پردہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ مردوں نے نقاب پہننا شروع کر دیا تھا اور عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں۔ بدکاری و شراب نوشی عام تھی عوام کا تو ذکر ہی کیا، اُمراء، سلاطین اور علماء تک وجاہت پرستی اور دُنیوی عیش کا شکار تھے۔

مذہبی اور روحانی صورت حال اس سے بھی بدتر تھی۔ قرامطہ اور باطنیہ نیز اہل رفض و اعتزال و علمائے سور کے فتنوں اور لاتعداد پیسہ مانگنے والے دیگر فرقوں نے اسلام کے مرکزی شہر بغداد تک میں اُدھم مچا رکھا تھا۔ ہر روز بے شمار مشائخ، علماء، اُمراء اور دیگر سرکردہ مسلمان فرقہ باطنیہ کی سازشوں اور خبیثہ رخنوں آشام کا شکار ہو رہے تھے۔ مشہور زمانہ سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی اور اُس کے بعد ۸۵۸ھ میں سلجوق فرماں روا ملک شاہ بھی ان خدانا ترس قاتلین کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ یونانی فلسفہ الگ اسلامی عقائد و نظریات کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا اور علمائے اسلام اس سے متاثر ہو کر دین سے بتدریج دُور ہوتے جا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین و دیگر یورپین مؤرخوں نے اس زمانے کو دُنیا کے اسلام کا ایک تاریک دور شمار کیا ہے۔

امام غزالیؒ "احیاء العلوم" میں اس زمانے کے علماء کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ہر وقت شبیر، سُستی، ہنسی اور اشہری مناظرات میں مصروف رہتے تھے۔ گالی گلوچ اور کشت و خون تک نوبت پہنچا ایک معمولی بات تھی۔ اور کچھ نہ ہو تو صد نشینی پر ہی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔ معاشرے کا یہی وہ سیاسی اور روحانی ادبار تھا، جسے آں حضرتؒ نے مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ خطرناک قرار دیا تھا۔ صحاح "بشہ میں بالفاظ مختلفہ یہ حدیث شریف تحریر ہے: "خدا کی قسم، غربت و افلاس کا تہاڑے متعلق مجھے کوئی خوف نہیں، بلکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دُنیا کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور پھر جیسے تم سے پہلی اُمتوں میں مُتقابے کا بازار گرم ہوا، اُسی حالت میں تم بھی مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی اس حالت میں انخیار نہیں بلکہ خود مسلمان ہی مسلمانوں کو ختم کرنے کے ذریعے ہو جائیں گے۔"

اسی روحانی ادبار کے متعلق فیض الباریؒ تعلیقات بخاری میں بھی علامہ النور شاہ کشمیری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آں حضرتؒ نے فرمایا: "پانچویں صدی کے قریب میری اُمت پر آفت کی ایک چٹائی پڑے گی۔ اگر اس سے یہ بچ نکلی تو پھر کچھ مدت کے لیے آتے استقامت حاصل ہو جائیں گے۔"

چنانچہ ان حالات میں ایک ایسی ہی روحانی قوت کی ضرورت تھی، جو تمام طاغوتی طاقتوں کو مغلوب کر کے اپنے

عالم گیر اثر کے باعث بنی نوع انسان کو از سر نو دین اسلام پر قائم کرے اور دین کی تقویت و غلبہ کا موجب ہو۔ جس کی نظر میں تمام کائنات رانی کے ایک دانے کے برابر ہو جس کا علم علوم الہیہ کا اور جس کی طاقت قادرِ حقیقی کی قدرت کا مظہر ہو جو سلطان الوقت اور بموجب تصریحات اکابرین دین متصرف علی الاطلاق ہو، جو نوع انسانی کو مادیت کی ذلتوں، نفس پرستیوں اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر روحانی بلندیوں اور اخلاقی استواریوں سے روشناس کرائے۔ ان کمالات و تصرفات روحانی کا حامل اُمت مرحومہ کا ہی بطل جلیل اور مردِ عظیم تھا، جسے قیامت تک دنیا پیران پیر، غوث الاعظمؒ اور محی الدین کے مبارک ناموں سے پکارتی رہے گی۔

بے شک کلیدِ قفسِ درِ مدح ہو تمؐ

اولادِ حق صبیحِ رسولِ محمّدؐ ہو تمؐ

یہ اسی مبارک و کریم النفس انسانِ کامل کی برکت تھی کہ نہ صرف دین اسلام سنبھل گیا اور مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی حالات اصلاح پذیر ہونا شروع ہو گئے بلکہ اُن میں اُس فتنہ عظیم سے تبرّک آزا ہو کر ایمان سلامت لے نکلنے کی صلاحیت و حوصلہ بھی پیدا ہو گیا جو کہ آں جناب کے وصال کے تقریباً نصف صدی بعد تا تازی طوفان و غارت گری کی صورت میں قیامتِ صغریٰ بن کر نمودار ہوا اور دُنیا سے اسلام پر ٹوٹا۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنے ان خداداد کمالات کا بطورِ تحدیثِ نعمت قصیدہ غوثیہ میں ذکر فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ بھی ہمعات میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

”اصل نسبتِ حضرت غوث الاعظمؒ نسبتِ اولیّیہ است بامرِ جے از برکاتِ نسبتِ سبکینہ بایں معنی کہ ایں کس مرادِ محبوبِ نقطہ کہ با ذارِ ذاتِ الہیہ است در شخصِ اکبر، در ضمنِ حُبِ نفوسِ فلکیہ ملازمِ اعلیٰ و اروحِ کمل گردد۔ و از راہِ ایں حُبِ سیلانِ کُند بروئے تجلی از تجلیاتِ الہیہ کہ جامع است میانِ ابداع و خلق و تدبیر و تدلی۔ و ظاہر شود اُنے و برکتے کہ انتہا ندارد۔ دریں صورتِ قصدِ ایں کمال و توجہِ بدارِ کردہ باشد یا نہ۔ گویا امرے منظم بغیر ارادہ و سے ظہور می کند۔ ازینجاست کہ حضرت غوث الاعظمؒ بہ تفاعلِ کلماتِ کبریا یہ متکلم شدہ اند و تسخیرِ عالم از ایشان ظاہر می شد۔“ (مجموعہ ۱۶)

ترجمہ: حضرت غوث الاعظمؒ کی اصل نسبتِ اولیّیہ ہے جس میں نسبتِ سبکینہ کی برکات بایں معنی شامل ہیں کہ یہ شخص ذاتِ الہیہ کی ذال کے نقطے کی طرح شخصِ اکبر میں اروحِ کاملہ و ملازمِ اعلیٰ کے نفوسِ فلکیہ کی محبت میں محبوب و مراد بن جاتا ہے اور اس مقامِ محبوبیت کے ذریعے اُس کے ارادہ و توجہ کے بغیر تجلیاتِ الہی میں سے وہ تجلی جو ابداع، خلق، تدبیر و تدلی کی جامع ہے، اُس پر ظہور کرتی ہے جس کے باعث ایسے اُنس و برکات کا ظہور ہوتا ہے جن کی انتہا نہیں۔ گویا انتظامی امور کائنات خود بخود ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اسی وجہ سے حضرت غوث الاعظمؒ نے کلماتِ فخریہ فرمائے ہیں اور اُن سے تسخیرِ عالم کا ظہور ہوا ہے۔“

اس کی تائید بخاری شریف کی حدیثِ قدسی سے ہوتی ہے جو مشکوٰۃ شریف باب ذکر اللہ و التقرب الیہ میں مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے بلاشبہ میں اُس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ اور میرے تقرب کے لیے فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز بندہ کے لیے نہیں۔ اور ہمیشہ میرا بندہ فرائض کے علاوہ

نوافل عبادات سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اُس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور میں اُس کی بصر ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اُس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو ضرور دیتا ہوں، اگر میری پناہ چاہے تو ضرور اُسے پناہ دیتا ہوں۔

غوث الاعظم کی تشریف آوری بغداد

حضرت غوث الاعظم ^{۸۹ھ} ہجری میں بغداد تشریف لائے اور آپ کے درود بغداد کے ساتھ ہی روحانیت کا کچھ ایسا معنوی دور چلا کہ عراق میں بڑے بڑے وجاہت پسند علماء اور اُمراء میں روحانی انقلاب نمودار ہونا شروع ہو گیا۔ لوگ دین کی طرف زیادہ راغب ہو گئے۔ علماء جو وجاہت ذاتی کے لیے باہم دست و گریبان رہتے تھے، عبادات و ریاضات میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ امام غزالی جن کا ظاہری طور پر تو حضرت غوث الاعظم سے استفادہ ثابت نہیں آپ کی تشریف آوری بغداد سے کچھ عرصہ پہلے صدارت نظامیہ پر متمکن تھے اور علمی شان و شوکت کے ساتھ قیمتی چُغے اور عجائباتِ زیب تن کر کے نظامیہ بغداد کی صدارت پر جلوہ گر ہو کر تے تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی محض تشریف آوری کے روحانی اثر سے ظاہری وجاہت ترک کر کے طریقت و سلوک کی طرف متوجہ ہو گئے اور بقیہ عمر وجہ دہریت کے خلاف جہاد میں بسر کی۔

شیعہ، سُنی اور جنسلی، اشعری تنازعات ختم ہو گئے۔ سُلجوقیوں کی خانہ جنگی بھی، جس میں مسلمانوں کا بے شمار اُتلافِ جان ہو رہا تھا، بتدریج بند ہو گئی۔

حضرت غوث الاعظم کے مسند ارشاد پر تشریف فرما ہوتے ہی آپ کے خلفاء و شاگرد مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ اور آپ کی تعلیم کے مطابق تبلیغ و احیائے دین کے مبارک مشن کو اس خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ ہر ملک میں عوام و خواص اللہ کے رنگ میں رنگے جانے لگے اور آپ کی ذات گرامی کا پیران پیر اور غوث الاعظم کے القاب گرامی سے چار دانگ عالم میں شہرہ ہو گیا۔

آپ کے روحانی تصرفات

آپ کے مبارک دور میں عراق و عرب کی مُتذکرہ بالا اصلاحی صورت میں آپ کے ساتھ آپ کے خلیفہ حضرت عبدالقادر اور ان کے بعد ان کے بھتیجے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سُہروردی اور ان کے خلیفہ حضرت شیخ سعدی شیرازی کی مساعی جمیلہ کو بھی دخل تھا۔

اندلس میں حضرت عمار بن یاسر اندلسی جو حضرت عبدالقادر متذکرہ صدر کے خلیفہ تھے اور حضرت ابو الذین مغربی و حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے ارشاد و تبلیغ اور کشف و کرامات کے باعث موحّدین کی سلطنت معرض وجود میں آئی، جس کی وجہ سے اُس نواح میں آئندہ کئی صدیوں کے لیے اسلام کو استحکام نصیب ہو گیا۔ حضرت عمار بن یاسر کے خلیفہ حضرت نجم الدین گبرلی تھے، جن کے سلسلہ ارادت سے حضرت شمس الدین تبریزی، شیخ بہاؤ الدین (والد حضرت مولینا روم) اور مولینا فخر الدین رازی جیسے سرآمد روزگار ظاہر ہوئے۔

(حضرت قبلہ عالم کو رومی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ ہائے طریقت میں سے ایک قادری سلسلہ تو حضرت شیخ عبدالقادر کے

واسطے اور دوسرا قادریہ جزیہ سلسلہ آپ کے جد امجد حضرت میراں شاہ قادریؒ کی وجہ غوث پاکؒ کے منجھلے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاقؒ کے واسطے سے جو حضرت قبلہ عالم کے جد اعلیٰ بھی ہیں، حضرت غوث الاعظمؒ سے جا ملتا ہے۔ گویا حضرت قبلہ عالم جismanی و روحانی ہر دو طور پر حضرت سرکار بغدادیؒ کی اولاد ہیں۔

مصر کی حکومت باطنیہ بھی آپ ہی کے وقت میں زوال پذیر ہو کر بالآخر ۱۸۵۶ء میں، یعنی آپ کے وصال کے بعد پانچ سال کے اندر اندر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی اور اُس کی جگہ سلطان نور الدین زنگیؒ اور پھر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی حکومت پر نمودار ہوئے، جنہوں نے مرکزی خلافت سے تعلق جوڑ کر اپنی سلطنتوں کو وحدت اسلامی میں منسلک کرتے ہوئے عباسی خلیفہ کا نام خطبے میں پڑھوانا شروع کیا اور پھر اپنے اپنے وقت میں یورپ کی متحدہ صلیبی طاقت کو کئی لڑائیوں میں کمر توڑ شکستیں دے کر بیت المقدس کو آزاد کرایا۔ امام یافعیؒ اور ابن اثیرؒ نے اپنی کتب تاریخ میں ان دیندار حکمرانوں کی تعریف میں نہایت شرح و بسط سے تحریر کیا ہے۔

ان ہی ایام میں غزنویوں کی تباہ شدہ سلطنت کی جگہ غوری خاندان نے ہندوستان میں ایک نئی اور وسیع تر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس میں حضرت غوث الاعظمؒ کے قریبی عزیز و فیض یافتہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیریؒ کا بھی ہاتھ تھا۔ بعد میں آپ کے خلفاء و شاگردوں اور مشائخ چشت اہل بہشت اور مشائخ شہروردیہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا، شاہ صدر الدین عارف، ابوالفتح شاہ رکن عالم ملتان، سید جلال الدین بخاری اُچی، مخدوم ہساریناں جہاں گشت اُچی و جناب لعل شہباز قلندر سندھی وغیرہ بزرگان نے اس برصغیر میں دور و نزدیک اپنی ان تھک مساعی سے لوگوں کو دولت اسلام سے سرفراز فرمایا۔

گویا حضرت غوث الاعظمؒ اور آپ کے بلا واسطہ و بالواسطہ فیض یافتگان کی کوششوں سے نہ صرف دین اسلام میں نئی زندگی نمودار ہوئی بلکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اُس کی روحانی قوت و دفاع اس حد تک بیدار و استوار ہو گئی کہ جب ساتویں صدی کے آغاز میں یعنی ۱۱۵۰ء میں تاتاریوں کی قیامت خیز یلغار سے نصف صدی یعنی ۱۲۵۶ء تک اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی تو ظاہری حالات کے تقاضوں اور عام توقعات کے برعکس، اسلام کا چراغ گل ہونے کی بجائے نہ صرف روشن رہا، بلکہ صرف پچیس سال کے اندر اندر یعنی ۱۲۸۰ء تک خود ان غارت گروں کو اپنا حلقہ بگوش بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ سچ ہے ے

چراغے را کہ ایزد برفروزد
کے کو تفت زندریش بسوزد

اور یہ معرکہ کسی شاہی لشکر یا دنیوی طاقت سے سر نہیں ہوا، بلکہ اُسی سلطان الوجود، قطب الوقت، خلیفۃ اللہ فی الارض و ارض کتاب و نائب رسول، المتصرف فی الوجود علی التحقيق، مظہر اسمائے الہی، غوث الاعظم و شکیں کے روحانی تصرف کا اعجاز تھا کہ دشمنان اسلام نے اسلام قبول کر کے اس کی وہ خدمات انجام دیں کہ باید و شاید۔

تاتاریوں کا قبول اسلام

تاتاریوں کے قبول اسلام کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ تاتاریوں کے غلبے کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک غراسانی بزرگ اشارۂ غیبی کے تحت بلا کو خان کے بیٹے ٹگودار خان کے پاس پہنچے۔

وہ شکار سے واپس آ رہا تھا اور اپنے محل کے دروازے پر اس درویش کو دیکھ کر بانداز مسخر و تحارت کہنے لگا کہ اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے گتے کی دم؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ میں بھی اپنے مالک کا گتا ہوں۔ اگر میں اپنی جاں نثاری و وفاداری سے اُسے خوش کر پاؤں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے گتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمان برداری کرتا ہے اور آپ کے لیے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان پر اس انداز گفتگو کا بہت اثر ہوا اور اُس نے آپ کو اپنا مہمان رکھ کر آپ کی تعلیم و تبلیغ کے زیر اثر درپردہ اسلام قبول کر لیا، مگر اُسے اس خیال سے ظاہر نہ کیا کہ ناسازگار بی حالات کے پیش نظر کہیں اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے بعد ازاں اُن کو یکہ کر رخصت کر دیا کہ کچھ عرصہ بعد تشریف لائیے گا تاکہ میں اس دوران اپنی قوم کو ذمہ داری پر یہ نیا مذہب قبول کرنے کے لیے تیار کر سکوں۔ وہ درویش واپس وطن تشریف لے گئے، مگر چونکہ وقت پورا ہو گیا تھا اس لیے بعض اہل داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ بعد ازاں ہرچہ پور تو انست، پسرمت مگندہ کچھ عرصے بعد اُن کے صاحب زادے باپ کی جگہ حسب وصیت تگودار خان کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا کہ باقی سرداران قوم تو قریباً بائبل ہو گئے ہیں، مگر ایک سردار جس کے پیچھے کافی جمعیت ہے، آمادہ نہیں ہو رہا ہے۔ حضرت نے تگودار خان کے مشورے سے اُسے بلوایا اور تبلیغ فرمائی، مگر اُس نے کہا، میں ایک سپاہی ہوں جس کی ساری عمر جنگ میں گزری ہے۔ میں صرف طاقت میں ایمان رکھتا ہوں، اگر آپ میرے پہلوان کو کشتی میں پھینکا دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ بات سن کر آپ نے تگودار خان کے منع کرنے کے باوجود اُس سردار کا چیلنج منظور کر لیا اور مقابلے کے لیے تاریخ و وقت کا تعین کر کے اجتماع ناظرین کے خیال سے اعلان عام کر دیا۔ تگودار خان نے بہتیرا کہا کہ ایک تاتاری نوجوان پہلوان سے ایک بن رسیدہ و کمزور جسم درویش کا مقابلہ نا انصافی اور قتل عمد کے مترادف ہے، مگر مخالف سردار نے کہا کہ یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔ اول تو اس لیے کہ اس درویش کے قتل سے اس قوم کے دوسرے دخل و مقولات کرنے والوں کو عبرت ہوگی اور دوم اس لیے کہ خان اعظم یعنی تگودار خان آئندہ اس قسم کے چلتے پھرتے لوگوں کی باتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا کریں گے۔

پاساں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

چنانچہ مقررہ دن ہزار با مخلوق کی موجودگی میں مقابلہ ہوا۔ حضرت نے جاتے ہی ایک طمانچہ اس زور کا اُس تاتاری پہلوان کے منہ پر رسید کیا کہ اُس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور لوگوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے! انہیں کیا معلوم کہ یہ منہ قلم کا درویش کس کا پہلوان تھا۔

تری خاک میں ہے اگر شر تو خیال فقر و غنم نہ کر

کہ جہاں میں نان شیر پر ہے مدار ثوبت حیدریؒ

چنانچہ اُس کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف اُس سردار نے حسب وعدہ میدان میں نکل کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا، بلکہ اکثر حاضرین بھی اسلام لے آئے اور تگودار خان نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ تاریخ میں اُس کا یہی نام (۱۲۸۱ء تا ۱۲۸۵ء) تحریر ہے۔ اپنے دور اقتدار میں اس نے سلاطین مصر سے بھی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی لیکن تاتاری جرنیلوں نے بالعموم اُس کے اسلام لانے کو پسند نہ کیا اور بغاوت کی احمد

باوجود مقابلہ کے کامیاب نہ ہو سکا اور شہید ہوا۔ مورخین نے اس واقعہ کو قدرت کی ایک عجیب و غریب ظریفی قرار دیا ہے کہ باپ یعنی ہلاکو خان تو اسلام اور عرب تہذیب کو تباہ کرے اور بیٹا یعنی احمد (تگودار خان) اُسی تہذیب اور اسلام کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کر دے۔

اگرچہ اس واقعہ سے تاتاریوں میں اشاعت اسلام کی رفتار قدرے سست پڑ گئی، مگر چونکہ دوسری طرف ہلاکو خان کا ایک چچا زاد بھائی "برک" (۱۲۵۶ء تا ۱۲۶۶ء) بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کر چکا تھا اور پھر احمد یعنی تگودار خان کے بھتیجے کے بیٹے غزن محمد (۱۲۹۵ء تا ۱۳۰۴ء) نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے وسط ایشیا کی تاتاری حکومت، تاتاری اسلامی حکومت میں بدل گئی۔ اس غزن محمد کے خلاف بھی اُس کے جرنیلوں نے تبدیل مذہب کے باعث بغاوت کی، مگر وہ سب کو شکست دے کر غالب آنے میں کامیاب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تمام تاتاری قبائل اسلام لے آئے۔

ہر بنائے کمنہ کا باداں گنہند
اول آل بنیاد را ویراں گنہند

ایک وہ وقت تھا کہ تاتاری کفار کے ابتدائی حملے کے وقت سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے بقول مشہور یہ کہہ کر اپنا گھوڑا لوٹا لیا تھا کہ اُسے ملائکہ اور اولیاء اللہ کی ارواح چنگیزی لشکر کے سروں پر سایہ فگن یہ کہتی نظر آتی ہیں: **أَيُّهَا الْكَافِرَةُ أَقْتُلُوا الْفَجْرَةَ** (اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کرو) جس کے نتیجے میں لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کا خون بہا۔ اور ایک وقت یہ آیا کہ ایک تنہا درویش نے اپنی قوتِ یلّٰہی کا مظاہرہ کر کے لاتعداد تاتاریوں کو حلقہ گروش اسلام کیا۔ گویا ہر دو صورتوں میں بیشیتِ ایزدی، حسبِ تقاضائے وقت و احوال اُسی تجسّی کی شانِ تدبیر کا فرما تھی۔ سچ ہے ع: ازماست کہ برماست، آیات ذیل:-

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا
جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَقِيَ مَرَحَشَى يُغَيِّرُوا
مَا بَأَنفُسِهِمْ (رعد: ۱۱)

اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو زبردستی
ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیک ہوں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ
وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ (ہود: ۱۱۴)

کیا ان لوگوں پر جو زمین کے وارث ہوئے ہیں،
وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد یہ ظاہر
نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں، تو انہیں اُن کے گناہوں
کے سبب سے پکڑ لیں۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ
بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَحْنَاهُمْ
بَنَ نُّوْبِهِمْ۔ (الاعراف: ۱۰۰)

اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب
وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اُس کی پکڑ سخت
تکلیف دہ ہے۔

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى
وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ
شَدِيدٌ (ہود: ۱۰۲)

اسی کو ثابت کرتی ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی بد اعمالیوں کے باعث صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے
ہلاک کر کے اُس کی جگہ کوئی دوسری قوم دین کی خدمت کے لیے لاکھڑا کرتے ہیں۔

جب احیائے دین کے ظہور کامل کا وقت آتا ہے تو غلاموں سے سلاطین تک پاکیزہ زندگی کے نمونے بن جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین ایبک ارکان دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ غریب پروری و مسکین نوازی کے سبب کچھ دانا مشہور ہوتا ہے۔ سلطان شمس الدین التمش جناب قطب الدین بختیار کاکی کے حسب وصیت ان کی نماز جنازہ پڑھا کر عصر کی گنتوں اور تہجد کے نوافل کا ہمیشہ ادا کرنے والا اور جنسی پاکیزگی کا مرقع ثابت ہوتا ہے اور سلطان ناصر الدین محمود سرکاری خزانے کو پسبک کی امانت سمجھتے ہوئے کتابت قرآن کو اپنا اور اپنے اہل خانہ کا ذریعہ معاش بناتا ہے۔ اُمراء و سلاطین تبلیغ اسلام میں خواجہ بہاء الدین نقشبند، خواجہ غریب نواز، حضرت گنج شکر اور غوث بہاؤ الحق کے احکام کی خدام خانہ زاد کی طرح تعمیل کرتے ہیں اور ان خدمات کے صلے میں ہندو چین جیسے کفرستانوں کے تحت و تاج سات سات اور آٹھ آٹھ سو سال کے لیے اپنے خاندانوں کے لیے وقف کر لیتے ہیں۔

غوث الاعظم کے کوائف زندگی

صاحب ہجرت الاسرار حضرت غوث الاعظم کی ولادت باسعادت رمضان ۷۱۳ھ کی چاند رات مقام قصبہ خیال علاقہ جیل ہونا تحریر کرتے ہیں جیل طبرستان سے کچھ آگے بحیرہ انخر کے قریب کے علاقے کا نام ہے۔ آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی یعنی نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید ابوصالح ولی کامل تھے۔ اور جنگ و جہاد سے بہت انس رکھنے کی وجہ سے جنگی دوست مشہور تھے۔ حضرت غوث الاعظم کے نانا بزرگوار سید عبد اللہ صومعی بھی جیلان کے مشہور مشائخ و رؤساء میں سے تھے۔

کہتے ہیں کہ غوث ان شباب میں سید ابوصالح بہ سلسلہ ریاضات ایک دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ اور کئی روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ دریا کے کنارے پر ایک سیب پڑا ہوا دیکھا تو بسم اللہ کہہ کر کھالیا۔ کھانے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ پتہ نہیں کس کا سیب تھا جو میں نے بلا اجازت کھالیا ہے۔ اس لیے پریشانی کے عالم میں دریا کے ساتھ ساتھ سیب کے مالک کی تلاش میں چل پڑے تاکہ اس سے اجازت حاصل کریں چند فلاں گ کی مسافت کے بعد دریا کے کنارے سیبوں کا ایک باغ نظر آیا جس کے درختوں سے پکے ہوئے سیب پانی پر لٹے ہوئے تھے۔ سید ابوصالح سمجھ گئے کہ وہ سیب ان ہی درختوں کا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ باغ سید عبد اللہ صومعی کا ہے۔ لہذا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بعد ادب بلا اجازت سیب کھالینے کے لیے معافی کے خواستگار ہوئے۔ سید عبد اللہ چونکہ خود خاصان خدا میں سے تھے، سمجھ گئے کہ نیک و ہونہار نوجوان ہے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لیے باغ کی رکھوالی کی شرط پیش کر کے کہا کہ اتنا عرصہ یہ خدمت انجام دو۔ اس کے بعد معافی کے متعلق غور کیا جائے گا۔ آپ نے رضائے الہی کی خاطر یہ خدمت منظور کر کے نہایت دیانتداری سے وقت معین تک اسے انجام دیا اور پھر حاضر خدمت ہو کر معافی کے طلب گار ہوئے۔ سید عبد اللہ نے فرمایا ایک شرط اور باقی ہے، وہ یہ کہ میری ایک لڑکی آنکھوں سے اندھی، کانوں سے بہری، ہاتھوں سے بُنی اور پاؤں سے لنگڑی ہے۔ اسے نکان میں قبول کرو تو بلا اجازت سیب کھانے کی معافی دے دی جائے گی۔ حضرت ابوصالح نے قبول کیا۔ اور بعد نکاح جب اپنی بیوی کو ان تمام ظاہری عیوب سے مُبرا ہونے کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی مُنتفع پایا تو خیال گزرا کہ یہ لڑکی اور لڑکی سب اور غلطی کے خیال سے بحال پریشان گھر سے باہر نکل آئے۔ حضرت عبد اللہ نے فراست باطنی سے

پریشانی خاطر کا سبب معلوم کر کے کہا کہ اُسے بیٹے! یہی تمہاری بیوی ہے اور میں نے اس کی جو صفات تم سے بیان کی تھیں وہ سب صحیح تھیں۔ یہ اندھی ہے کہ آج تک کسی غیر محرم پر اس کی نظر نہیں پڑی۔ یہ بہری ہے کہ کبھی خلاف حق بات نہیں سنی۔ نیز کبھی خلاف شرع کام نہ کرنے اور گھر سے باہر قدم نہ رکھنے کی وجہ سے نجی اور لنگڑی بھی ہے۔ حضرت ابوصالح بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حضرت غوث الاعظمؒ ان دو پاکباز ہستیوں کی اولاد تھے۔ آپؑ کی پیدائش کے وقت آپؑ کی والدہ ماجدہ اُم النجیر سیدہ فاطمہؑ کی عمر شریف ساٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ آپؑ مادر زاد ولی کامل تھے۔ آپؑ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے ولی ہونے کا علم اُس وقت سے ہو گیا تھا، جب کم سنی میں مکتب کو جاتے ہوئے اپنے آگے پیچھے فرشتوں کو دیکھتا تھا۔ جو میرے ساتھ چلتے، میری حفاظت کرتے اور مکتب پہنچنے پر لڑکوں کو کہتے کہ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لیے جگہ دو۔

آپؑ کے والد و نانا بزرگوار کا انتقال آپؑ کی کم سنی میں ہی ہو گیا تھا، اس لیے آپؑ کی سرپرستی اور تعلیم و تربیت کا اہتمام سربس آپؑ کی والدہ ماجدہ کے ذمے رہا۔ ایام طفولیت میں کبھی بچوں کے ساتھ کھیلنے کے خیال سے باہر نکلتے تو آواز آتی "إِلٰی یَا مُبَارَک" اُسے برکت والے! میری طرف آ۔ آپؑ سم کر والدہ محترمہ کی گود میں جانیٹھے اور کھیل کا خیال ترک کر دیتے۔

جوان ہوئے تو ایک مرتبہ بیل لے کر ہل چلانے کے ارادے سے اپنی زمین کی طرف جا رہے تھے کہ بیل نے مڑ کر دیکھا اور بزبان انسان کہا "فَالِهٰذَا اَخْلَقْتَ وَلَا يَهْدِي اُمِرْتُ" یعنی اے عبد القادر! آپ کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ آپؑ گھر اگر واپس آ گئے۔ مکان کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ بیت اللہ شریف کو جا رہا ہے۔ اتر کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو تحصیل علوم اور زیارت بزرگان سے فیضیاب ہونے کے لیے بغداد چلا جاؤں۔ آپؑ کی عمر اُس وقت اٹھارہ سال کے قریب تھی اور والدہ ماجدہ کی اٹھتر سال۔ وہ باچشم پریم اتنی دینار، جو جناب غوث الاعظمؒ کے والد بزرگوار نے ترکے میں چھوڑے تھے، نکال لائیں۔ چالیس دینار غوث الاعظمؒ کے پیراہن میں سی دیئے اور چالیس اُن کے چھوٹے بھائی کے لیے رکھ لیے۔ پھر اُن سے ہمیشہ سچ بولنے کا عہد لے کر انہیں خدا کے سپرد کیا اور کہا کہ اب قیامت کے روز ملاقات ہوگی۔

اثنائے راہ جب قافلہ مہمان سے آگے نکلا تو ڈاکوؤں کے گروہ نے اُسے ٹوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے حضرت غوث الاعظمؒ سے پوچھا کہ لڑکے بتیرے پاس بھی کچھ ہے؟ آپؑ نے فرمایا، ہاں، چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو کو یقین نہ آیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے ڈاکو نے بھی آکر یہی سوال کیا اور وہی جواب سن کر اپنے سردار سے سرسری طور پر اس کا ذکر کیا۔ سردار نے آپؑ کو بلوا کر پوچھا تو آپؑ نے اُسے بھی سچ سچ بتا دیا اور پیراہن چاک کرنے پر چالیس دینار برآمد ہو گئے۔ اس پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی سخت متعجب ہو کر بولا کہ لڑکے! تمہیں معلوم ہے، ہم رہزن ہیں جو مسافروں کا مال لوٹتے ہیں۔ پھر تم نے ہم پر ان دیناروں کا بھید کیوں ظاہر کر دیا جسے تم نہایت آسانی سے خفیہ رکھ سکتے تھے۔ غوث الاعظمؒ نے فرمایا، میں نے وقت رخصت اپنی ضعیف اللہ سے سچ بولنے کا اہتمام کیا تھا، اس لیے چالیس دیناروں کی خاطر خلاف عہد کیوں کرتا۔ سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ بہت رویا اور کہنے لگا اُسے بچے! تجھے اپنی ماں کے ساتھ عہد کا اتنا پاس ہے اور حیف ہے

مجھ پر جو اتنے سالوں سے اپنے خالق کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پس پشت ڈالے ہوئے ہوں؟ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اُس کے رخصت کرنے بھی اُس کی موافقت کی کہ رہنمائی میں تو ہمارا سرور تھا تو توبہ میں بھی تو ہی ہمارا مستند رہ۔ اور تمام ٹوٹا ہوا مال قاعدہ والوں کو واپس کر دیا۔ بہتہ الاسرا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تائب گروہ کو واسطیٰ بن اللہ میں سے کیا۔

بعد ازیں کوششیت ایزدی کے تحت فقر و فاقہ، مجاہدات و ریاضات شاقہ اور تحصیل علم میں جس قدر مشقت آپ نے برداشت کی، اُس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ چالیس اشرفیاں تو چند روز میں ہم دس عتبہ و مساکین کی ضروریات پر خرچ ہو گئی تھیں۔ عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ قوت لایوت کے لیے دجلہ کے کنارے نکل جاتے اور گرمی پڑی سبزی ترکاری اٹھا کر بشکم پڑی کرتے۔ ایک مرتبہ میں روز تک کچھ نہ مل سکا تو کسری کے خلات کے کھنڈروں کی طرف نکل گئے تاکہ کوئی مباح چیز مل سکے۔ وہاں دیکھا کہ ستر اولیاء اللہ اسی عتبہ میں پھرتے تھے۔ اُن کے لیے رکاوٹ بننے کے خیال سے واپس آگئے تو ایک آشنا جو آپ ہی کی تلاش میں تھا، ملا اور سونے کا ایک ٹکڑا دیا کہ والدہ محترمہ نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور اُس سے ایوان کسری کے کھنڈروں میں واپس جا کر اُن مردانِ خدا اور دیگر فقراء کی بھی خدمت کی اور شام تک سب کا سب راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔

بعد ازاں کے قریب ایک ویرانے میں پُرانا بُرج تھا۔ اس بُرج میں آپ نے گیارہ برس تک شب و روز عبادت و ریاضت کی جس کی وجہ سے اُس بُرج کا نام بُرجِ عجبی پڑ گیا۔ آپ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ میں نے اپنے پروردگار سے عہد کیا کہ میں اُس وقت تک کچھ نہ کھاؤں پیوں گا جب تک کوئی دوسرا مجھے میرے مُنہ میں نقد دے کر نہ کھلائے گا۔ متواتر چالیس روز بغیر کھائے پئے گزر گئے۔ چالیس دن کے بعد ایک شخص آیا اور کھانا میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے میرے نفس نے چاہا کہ کھانا کھالے، لیکن میں نے اُس کی طرف مُطلق توجہ نہ کی اور نفس "الْجُوع" یعنی ہائے بھوک! ہائے بھوک! پکارتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ ابو سعید خدریؒ اُدھر سے گزرے اور فرست باری سے اُس شور پر آگاہ ہو کر قریب تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا اے عبد اللہ! اور یہ شور کیسا ہے؟ میں نے کہا، یہ اضطرابِ نفس ہے، مگر دُوحِ یادِ الہی میں مطمئن ہے۔ انہوں نے فرمایا: میرے غریب خانے پر چلو۔ اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ میں نے دل میں کہا، جب تک یہاں سے کوئی خود نہ لے جائے گا، اُس وقت تک نہ جاؤں گا۔ ابھی اسی خیال میں تھا کہ خضر علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے حضرت ابو سعید کے مکان پر لے گئے۔ جہاں دروازے میں شیخ ابو سعید کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر منہ پایا۔ عبد اللہ! دریا کیا میرا کتنا کافی نہ تھا کہ خضر علیہ السلام کے کہنے کی ضرورت پڑی؟ یہ کہہ کر مجھے گھر میں لے گئے اور اپنے ہاتھ سے میرے مُنہ میں نعتی ڈال کر کھانا کھلایا۔

عشقِ فارغ کرد از دنیا و مافیہا مرا

اِس دورانِ دنیوی اور شیطانی طاقتیں بھی غافل نہیں رہی تھیں ایک ات تذکرہ بالا کھنڈروں میں دنیا اپنی مثالی

صورت میں آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی تمام تر دلکشیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آپ کے سامنے آئی اور یادِ الہی سے غافل کرنا چاہا، مگر آپ نے اپنے جدِ اعلیٰ مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سنت کی پیروی میں فرمایا، مجھ سے دُور رہ کہ میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ جب تائیدِ ایزدی سے وہ بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تو آپ نے بطورِ تحدیثِ نعمت فرمایا ہے

عشقِ فارغِ کرد از دنیا و مافیہا مرا کے تواند بُرد از رہِ عشوہ و نسیا مرا

ایک دفعہ اہلسنیس آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے مجھے اور میرے اتباع کو بہت تکلیف دی ہے اس لیے میں آیا ہوں کہ آپ کی خدمت اور تابعداری میں رہوں ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ ایک ہاتھ غیب سے نمودار ہوا اور اُسے زمین میں دھنسا دیا ہے

مدعی آنے لگا راز کی اس محفل میں غیب کے ہاتھ نے جھٹ سینے میں اس کے مارا
ایک دوسرے موقع پر وہ نیزہ آتشیں سے مسلح ہو کر آیا تو غیب سے ایک شمشیر برہنہ آپ کے ہاتھ میں آگئی، جسے دیکھتے ہی وہ بھاگ گیا۔

اسی طرح ایک رات جب کہ آپ عراق کے ایک بے آب و گیاہ صحرائیں مصروفِ عبادت تھے آپ کو ایک روشنی نظر آئی، جس نے تمام آسمان کو منور کر دیا اور اُس میں سے آواز آئی "اے عبدِ العتاد! میں تیرا پروردگار ہوں اور تیری عبادت سے راضی ہو کر تجھے اپنی عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں" حضرت غوثِ الاعظم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ظاہری و باطنی علوم میں نگاہ کی تو کہیں اس صورت کا جواز نظر نہ آیا اور میں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس علو مرتبت کے عمر بھر عبادت کے مکلف و پابند رہے۔ اُن کو عبادت کی تکلیف سے معافی نہ ملی تو اور کوئی کیونکر اس سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں نے لاسول پڑھا تو شیطان اصلی صورت میں سامنے آکر کہنے لگا، "میں نے اس مقام پر بہتیرے عبادت گزاروں کو گمراہ کیا، مگر اے عبدِ العتاد! آپ اپنے علم کے زور سے بچ نکلے" میں نے پھر لاسول پڑھا اور کہا، دُور ہو مرود! میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور فضل و کرم سے محفوظ رہا ہوں۔ اس پر وہ سرپٹنے لگا کہ آج میں آپ سے قطعاً مایوس ہوا۔ آئندہ آپ پر وقت ضائع کرنا بے سود ہے۔ میں نے کہا، میں تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا اور ہمیشہ تمہارے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہوں گا۔

مُحِی الدِّین

سیدنا غوثِ الاعظم رحمہ اللہ ۷۸۹ھ میں خلیفہِ مستظہر باللہ عباسی کے عہد میں بغداد تشریف لائے۔ اور تیس سال کی مدت میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی و مدنی زمانہ تبلیغ کا عرصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ظاہری و باطنی ہر طرح کی تکمیل فرما کر "مُحِی الدِّین" کے لقب سے ملقب فرما کر مسندِ ارشادِ عنایت فرمائی۔ یہجستہ الاشراق میں تحریر ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے مشہور خلائق لقب "مُحِی الدِّین" کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ اللہ جو میں ایک جمعہ کے روز میں سفر سے پا برہنہ بغداد کی طرف واپس آ رہا تھا

کہ ایک نہایت ہی لاعلم اور نحیف بیمار پر میرا گزر ہوا۔ اُس نے کہا "اسلام علیک یا عبد اللہ" اور اُس نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا "مجھے اٹھاؤ" میں نے اٹھا کر بٹلا دیا تو اچانک اُس کا چہرہ بارونق اور جسم موٹا تازہ ہو گیا۔ میں حیران ہوا تو کہنے لگا "تجربہ کی بات نہیں۔ میں آپ کے جد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہوں، جو مردہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔" پچنانچہ جب میں جامع مسجد کی حدود میں داخل ہوا تو ایک شخص نے اپنا جوتا اُتار کر مجھے پہننے کو دیا، اور "یا سیدی مٹی الدین" کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ نماز جمعہ تمام ہوئی تو لوگ دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور "یا مٹی الدین" یا "مٹی الدین" پکارتے ہوئے میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی کسی نے مجھے اس نام سے نہیں پکارا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں کہ "اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے، ایمان باطنی اعتقاد کا۔ اور "دین" ان ہر دو کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ گویا "دین" وہ جامع نظام ہے جو بنی نوع انسان کے عقائد و اعمال، ظاہر و باطن، صورت و معنی، رُوحانیت و جسمانیت پر مشتمل ہے۔ ایسے نظام کا احیاء نبی مُرسل یا اُس کے کابل ترین نائب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگرچہ آں حضرت نے ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیوں کی نشان دہی فرمائی ہے، جن سے تجدید دین کا فریضہ انجام پذیر ہوتا ہے، مگر تجدید اور احیاء میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مجددین کی فہرست میں ابتداء سے لے کر اس وقت تک بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی پائے جاتے ہیں، مگر مٹی الدین کا لقب کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ احیائے دین کا اہم ترین فریضہ حقیقتہً جناب غوث الاعظم کی ذات گرامی قدر ہی سے پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ عظیم الشان لقب صرف آپ ہی کے وجود مسعود پر صادق آتا ہے۔"

آپ کی مجالس و عطا

سیدنا غوث الاعظم ہفتے میں قریباً تین بار مجلس عطا منعقد فرماتے تھے۔ عطا کیا ہوتا تھا، علم و حکمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا اسمت در ہوتا تھا، لوگوں پر وجدانی کیفیات طاری ہو جاتی تھیں بعض اپنے گریبان چاک کر لیتے اور کپڑے پھاڑ لیتے تھے اور بعض بیہوش ہو جاتے تھے۔ کئی مرتبہ لوگ بحالت بے ہوشی داخل بحق ہو جاتے۔ آپ کی مجالس میں علاوہ رجال الغیب، جنات، ملائکہ اور ارواح طیبہ کے، عام سامعین کی تعداد ستر ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ اور آپ کی آواز دور و نزدیک بیٹھے ہوئے سب لوگ یکساں سُننے۔ اُس دور کے اکثر نامور شائخ بالالتزام ان مجالس میں حاضری دیتے تھے آپ سے بکثرت عوارق و کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ آپ کی مجالس کا انعقاد بغداد میں ہوتا، مگر آپ کے معاصر اولیاء اللہ یعنی حضرت شیخ عبد الرحمن طفیو نجی اور شیخ عدی بن مسافر وغیرہم اپنے اپنے شہروں میں اُسی وقت پر اپنے اپنے ارادت مندوں اور شاگردوں کے ہمراہ دائرے بنا کر بیٹھ جاتے اور نہ صرف حضرت غوث الاعظم کے مواظبت کرتے بلکہ انہیں قلب بند بھی کرتے۔ پھر جب کبھی بغداد آنے کا موقع ملتا، اور آپ کی مجلس میں قلب بند شدہ تحریات کے ساتھ موازنہ کرتے تو سر و فرق نہ پایا جاتا۔

ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ بحالت کیف آپ کی دستار مبارک کا ایک بیچ کھل گیا۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین مجلس نے بے پاس ادب اپنے سروں سے عمامے اتار کر آپ کے منبر کے نیچے پھینک دیئے۔ جب وعظ ختم ہونے پر آپ کے حکم سے سب لوگوں نے اپنی اپنی دستاریں اٹھالیں تو ایک زمانہ سر بند پڑا رہ گیا۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اصفہان میں ہماری ایک عارفہ بن رہتی ہیں، جنہوں نے جوش عقیدت میں اپنا سر بند اتار کر پھینک دیا ہے۔ آپ نے وہ سر بند اپنے دوش مبارک پر رکھا۔ جہاں سے وہ فوراً غائب ہو گیا۔

موازنہ عقل و عشق

آج راڈار اور ٹیلی ویژن کے زمانے میں ان حقائق سے کچھ وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو روحانیت سے سرسبز نا آشنا ہوں۔ دور حاضر کا سب سے بڑا سائنسدان آئن سٹائن کہہ گیا ہے کہ میں نے ریڈیو دوربین کے ذریعے ایک ایسا کمکشاں تو دیکھ لیا ہے جو زمین سے دو کروڑ نواری سال کے فاصلے پر ہے، یعنی روشنی جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل طے کر جاتی ہے، وہاں دو کروڑ سال میں پہنچے گی، لیکن جہاں تک کائنات کی سرحدیں معلوم کرنے کا تعلق ہے۔ اگر میری عمر ایک بلین یعنی دس لاکھ سال بھی ہو جائے، تو بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس اس نور ازل سے منور سراجِ منیر حضرت غوث الاعظمؒ اس کائنات کے متعلق قصیدہ غوثیہ میں فرماتے ہیں :-

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا كَحَزْدَلَةٍ عَلٰی حُكُوْرِ اِتِّصَالِ

(اللہ تعالیٰ کے تمام بلاد میری نظریں اس طرح ہیں جیسے پتیلی پر ایک رائی کا دانہ)

اس سے مادیت اور روحانیت کا اور عقل و عیش کا مکار کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں :-

حسابِ عمر صد عاشق بجز گزردیک دم حسابِ یک دم عاشق بصدِ محشر منی گنج

یعنی محشر کے دن سو سنس دانوں کی عمروں کا حساب طرۃ العین میں ختم ہو جائے گا، مگر عاشق کی زندگی کے ایک لمحے کا حساب سو محشر بھی بپا ہوں تو ختم نہیں ہو سکے گا۔

اقلیم ولایت کی شہنشاہی کا فرمان

حضرت غوث الاعظمؒ کی کرامات کی کثرت پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت جس کی بدولت آپ دُنیا سے ولایت کے شہنشاہ مانے گئے۔ یہ ہے کہ ایک مرتبہ محلہ حلبہ میں اپنے مہمان خانے میں وعظ فرماتے ہوئے آپ پر حالت کشفی طاری ہوئی اور آپ نے فرمایا :-

قَدْ جِئْتُ هٰذَا عَلَى رَقَبَةٍ كُلِّ دَلِيٍّ اَللّٰهُ

(میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔)

اس مجلس میں عراق کے سب اکابر مشائخ موجود تھے۔ سب نے یہ ارشاد گرامی سُن کر اپنی گردنیں خم

کر دیں۔ اور تمام کثرۃ ارض پر جہاں جہاں کوئی قطب، ابدال یا ولی تھا، ہر ایک نے آپ کے یہ الفاظ سن کر گردن جھکا دی اور عارف کامل شیخ علی بن ابونصر الہیتی نے جو مجلس میں حاضر تھے، اٹھ کر آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ بعد میں انہوں نے اپنے ارادت مندوں کے استفسار پر بتلایا کہ سید عبدالحق نے یہ بات از خود نہیں کہی بلکہ اسے کہنے کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔

خواجہ غریب نواز چشتی کا سر جھکانا

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اُن دنوں خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدات و ریاضات میں مشغول تھے۔ آپ نے بھی روحانی طور پر جناب غوث الاعظم کا مندرجہ بالا ارشاد گرامی سن کر اپنی گردن اس قدر خم کی کہ پیشانی زمین کو چھونے لگ گئی، اور عرض کی: "قَدْ مَاتَ عَلٰی رَاسِنِی وَعَیْنِنِی (آپ کے دونوں قدم میرے سر اور آنکھوں پر ہوں)" حضرت غوث الاعظم نے اس اظہار نیاز سے متاثر ہو کر مجلس میں فرمایا کہ سید غیاث الدین کے صاحبزادے نے گردن جھکانے میں سبقت کی ہے جس کے باعث عنقریب ولایت ہند سے سرفراز کیے جائیں گے۔

شیخ صنعان کا انکار و توبہ

اصفہان کے ایک دلی الشیخ صنعان جناب غوث الاعظم کے ہم عصر تھے۔ دریائے علم و عرفان کے زبردست شناور تھے اور کرامات و خوارق اُن سے بکثرت سرزد ہوتے تھے۔ غوث الاعظم کا مذکورہ بالا فرمان روحانی طور پر انہوں نے بھی سنا، مگر آں جناب کا مرتبہ کمال پہچاننے میں ٹھوکر کھا جانے کے باعث گردن خم کرنے میں متامل ہوئے، جس پر اُسی وقت اُن کی ولایت و بصیرت سلب ہو گئی اور تہی دامن ہو جانے کی وجہ سے ایمان بھی خطرے میں پڑ گیا، بالآخر اُن کے ایک ارادت مند کی عاجزی و خدمت گزاری کے باعث جناب غوث الاعظم نے متوجہ ہو کر انہیں کفر سے بچالیا۔ اور توبہ کرنے پر منصب بجالا ہوا۔ (اقتباس الانوار)

اس فرمان کا مفہوم

جناب غوث الاعظم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان الفاظ کے متعلق یہ تو سمجھ لیں کہ وہ بحکم الہی کے گئے تھے، مگر سمعت فرمان کے معاملہ میں موجودہ دور کے بعض حضرات نے اختلاف کیا ہے، اُن کا خیال ہے کہ آپ کا یہ فرمان صرف اولیائے وقت کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اولیائے متقدمین میں حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اولیائے مستأخرین میں حضرت امام مہدی بھی شامل ہیں لیکن اکثریت اور اکابرین کی رائے یہ ہے کہ اس قول کے تحت آپ کے زمانہ کے اولیائے حاضر و غائب کے علاوہ تمام اولیائے متقدمین و متأخرین بھی آتے ہیں۔ اور اولیاء سے مراد وہ ولی اللہ ہیں جو اصحاب و ائمہ اہل بیت وغیرہ کے منقص ناموں سے منسوب نہیں۔

تصرفات بعد از وصال

آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ آپ کے وصال کے بعد بھی بدستور جاری ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا جیسا کہ فضائل اہل بیت کرام کے ضمن میں پہلے ذکر ہو چکا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقام جذب و ولایت کا فاتح اول قرار دیتے ہوئے جناب سیدۃ النساء، حسین شریفین و بقیۃ ائمہ اہل بیت کرام کو اُسی نسبت کے اقطاب بیان فرما کر سیدنا غوث الاعظم کی اس مقام میں ایک خصوصی شان تحریر کی ہے۔ نیز اپنی کتاب ہمعات کے مہمہ ۱۱ میں لکھا ہے :-

”و در اولیائے اُمت و اصحاب طرق اوقاے، کیسکہ بعد تمام راہ جذب بالکد و جُوه، بہ اصل این نسبت (اویسیہ) میل کردہ است و در آن جا بوجہ اتم قدم زدہ است، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اندو لہذا گفتہ اند کہ ایشان در قبر خود مثل احیاء تصرف می کنند۔“

”اور اُمت کے اولیائے عظام میں سے راہ جذب کی تکمیل کے بعد جس شخص نے کامل و مکمل طور پر اس نسبت اویسیہ کی اصل کی طرف رجوع کر کے وہاں کامل استقامت سے قدم رکھا ہے وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ آں جناب اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔“

حضرت شاہ ولی اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ نے آں جناب کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ دُور و نزدیک ہر جگہ کیاں تصرف فرماتے ہیں آپ اپنے ہم عصر اور بعد میں آنے والے تمام اولیائے کرام کے لیے حصول ولایت اور وصول فیض کا وسیلہ کبریٰ اور واسطہ عظمیٰ ہیں۔

شیخ عبداللہ بلخی نے اپنی کتاب ”خوارق الاجاب فی معرفۃ الاقطاب“ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت غوث الاعظم نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو سال بعد بخارا میں ایک درویش بہاؤ الدین نامی پیدا ہوگا، جو ہم سے ایک خاص نعمت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند نے میدان سلوک میں قدم رکھا تو حضرت خضر کے اشارے پر حضرت غوث الاعظم کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر ”الغیاث، الغیاث، یا محبوب سبحانی“ پکارتے ہوئے سو گئے اور خواب میں آں جناب کے فیوض و برکات سے سرفراز ہوئے۔

اسی طرح فضائل اہل بیت کرام کے ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مکتوب کا حوالہ بھی آچکا ہے جس میں وہ ائمہ اہل بیت کرام کے بعد منصب قطبیت کبریٰ کا حضرت غوث الاعظم کی ذات گرامی سے محض ہونا بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”وصول فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجار بتوسط شریف اود مفہوم می شود، چہ

ایں مرکز غیر اُورائیسر شدہ۔ ازیں جاست کہ فرمودے

اَفَلَتَ شَمْسُ الْاَوَّلٰیْنَ وَ شَمْسُنَا اَبَدًا عَلٰی اَفْقِ الْعٰلٰی لَا تَعْرُبُ
”اس راہ میں برکات و فیوض کا حصول، اقطاب و نجار کو جو بھی ہوں، آپ ہی کے توسل سے

ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکزی حیثیت آپ کے بغیر کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے آپ نے اس شعر میں فرمایا ہے کہ

”انگوں کے آفتاب غروب ہو گئے، مگر ہمارا آفتاب بلندی کے اُفق پر ہمیشہ چمکتا رہے گا، اور کبھی غروب نہ ہو گا۔ یعنی مجھ سے پہلے حضرات کے لیے دائرۂ ولایت کا مرکز ہونے کا شرف وقت معین کے لیے تھا، مگر میرے لیے یہ مقام الہی و سرمدی ہے۔“

”روح المعانی“ میں حضرت مجددؑ سے نقل ہے کہ قطبیت کبریٰ کا مقام حضرت امام مہدیؑ تک جناب غوث الاعظمؑ کی ذات بابرکت کے ساتھ مختص ہے۔

حضرت شیخ محمد اکرم چشتی صابری، قدوسی، اقباس الانوار میں اس جنابؑ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-
”جس کسی کو ظاہری باطنی فیض حاصل ہوا، سیدنا غوث الاعظمؑ کی وساطت سے ہی ہوا۔ خواہ اُسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ کوئی ولی آپؑ کی مہر کے بغیر منظور اور معتبر نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے آپؑ کو وہ مقام عطا فرمایا ہے کہ تمام تصرفات کی باگ ڈور آپؑ کے ہاتھ میں دے دی ہے، جسے چاہیں، کسی منصب ولایت پر مقرر فرمادیں، جسے چاہیں، ایک آن میں محض دل فرمادیں۔“

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو متعدد ثقہ روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ پیشوائے سلسلہ چشتیہ حسب ارشاد نبویؐ، سیدنا غوث الاعظمؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرصہ فیض حاصل کرتے رہے اور آپؑ نے ”شغل سہ گوشہ“ اور ”حرز سیفی“ بھی اس جنابؑ سے حاصل کیا۔ ان ہر دو حضراتؑ کی ملاقات اور خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے غوث الاعظمؑ سے استفادہ کے ثبوت پر کتاب ”فوز المطالب“ مصنفہ مولیٰ سنا بُرہان الدین خان، بھی قابل دید ہے۔

حضرت غوث الاعظمؑ و اکابرین اُمت

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے حضرت غوث الاعظمؑ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کے ہیں: آپؑ حسب تصریح ”تحفۃ الابرار“ از مرزا آفتاب بیگ چشتی سیلانی جناب غوث الاعظمؑ کے رشتے میں خالہ زاد بھائی ہیں:-

یا غوثِ عظیم، نورِ حدی، مختارِ نبی، مختارِ خدا
سلطانِ دو عالم، قطبِ علی، حیرانِ بجلالتِ ارض و سما
در صدقِ حمد صدیق و شہی، در عدلِ عدالت چو عمریؒ
اُسے کانِ حیا عثمانؓ نَشی، مانندِ علیؓ با جود و سخا
در بزمِ نبیؐ، عالیِ شانِی، ستارِ عیوبِ مُردانی
در ملکِ ولایتِ سلطانی، اُسے منبعِ فضلِ جود و سخا

چوں پائے نبی شد تاج سرت تاج ہمہ عالم شد قدمت

اقطاب جہاں درپیش دُرت اُفتادہ چو پیش شاہ گدا

گرد امیخ بہ مُردہ رواں، دادی تُو بدین محمد جان

ہمہ عالم محی الدین گویاں، برحس و جمالت گشتہ فدا

حضرت قطب القطاب خواجہ قطب الدین بختیار خاوشی کا کی تمندرجہ ذیل میں حضرت غوث الاعظم کو مخاطب کرتے ہیں :-

قبلہ اہل صفنا، حضرت غوث الثقلینؒ

دستگیر ہمہ جا، حضرت غوث الثقلینؒ

خاکِ پائے تُو دُرودِ روشنی اہل نظر

دیدہ را بخش ضیاء حضرت غوث الثقلینؒ

بے نواختہ دلم، نیست کسے آنکہ دھند

حنتہ راجز تُو دوا، حضرت غوث الثقلینؒ

حضرت کعبہ حاجات ہمہ خلقان است

عاجتم ساز روا، حضرت غوث الثقلینؒ

مُردہ دل گشتہ ام و نام تُو محی الدین است

مُردہ را زنجِ ننا، حضرت غوث الثقلینؒ

اسی طرح کتب معتبرہ سے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت سید احمد رفاعیؒ، خواجہ

ابو یوسف ہمدانی نقشبندی اور کئی دیگر پیشوایان سلسلہ ہائے طریقت کا انتخاب سے استفاضہ ثابت ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ آپؒ کی شان میں فرماتے ہیں :-

”شیخ عبد القادر بادشاہ طریقی اور تمام عالم وجود میں صاحب تصرف تھے۔ کرامات و

خوارقِ عادت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک دوامی یدِ طولی عطا فرمایا تھا“ (ترجمہ)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

غوثِ اعظمؒ دلیلِ راہِ یقین

بہ یقین رہبہر اکابر دین

اوست در جملہ اولیاء ممتاز

چوں سمیہ در انبیاء ممتاز

نیز اخبار الانبیاء میں رقمطراز ہیں :-

”اللہ تعالیٰ نے غوثِ الاعظمؒ کو قطبیتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا۔ فرشتوں سے لے

کر زمینی مخلوق تک آپؒ کے کمال، جلال اور جمال کا شہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کے خزانوں کی انجیاں

اور جسمانی تصرفات کے لوازم و اسباب آپؒ کے اختیار و اقتدار میں دے دیئے تھے اور تمام اولیاء اللہ

کو آپؒ کا مطیع و فرمانبردار بنادیا تھا۔ غرضیکہ تمام اولیائے وقت، حاضر و غائب، قریب و بعید، ظاہر و باطن

سب کے سب آپؒ کے فرمانبردار و اطاعت گزار تھے اور آپؒ تمام اولیاء کے سردار و سالار تھے۔ کیونکہ

۱۲ علی القلی
 ۱۳ علی القلی
 ۱۴ علی القلی
 ۱۵ علی القلی
 ۱۶ علی القلی
 ۱۷ علی القلی
 ۱۸ علی القلی
 ۱۹ علی القلی
 ۲۰ علی القلی
 ۲۱ علی القلی
 ۲۲ علی القلی
 ۲۳ علی القلی
 ۲۴ علی القلی
 ۲۵ علی القلی
 ۲۶ علی القلی
 ۲۷ علی القلی
 ۲۸ علی القلی
 ۲۹ علی القلی
 ۳۰ علی القلی
 ۳۱ علی القلی
 ۳۲ علی القلی
 ۳۳ علی القلی
 ۳۴ علی القلی
 ۳۵ علی القلی
 ۳۶ علی القلی
 ۳۷ علی القلی
 ۳۸ علی القلی
 ۳۹ علی القلی
 ۴۰ علی القلی
 ۴۱ علی القلی
 ۴۲ علی القلی
 ۴۳ علی القلی
 ۴۴ علی القلی
 ۴۵ علی القلی
 ۴۶ علی القلی
 ۴۷ علی القلی
 ۴۸ علی القلی
 ۴۹ علی القلی
 ۵۰ علی القلی
 ۵۱ علی القلی
 ۵۲ علی القلی
 ۵۳ علی القلی
 ۵۴ علی القلی
 ۵۵ علی القلی
 ۵۶ علی القلی
 ۵۷ علی القلی
 ۵۸ علی القلی
 ۵۹ علی القلی
 ۶۰ علی القلی
 ۶۱ علی القلی
 ۶۲ علی القلی
 ۶۳ علی القلی
 ۶۴ علی القلی
 ۶۵ علی القلی
 ۶۶ علی القلی
 ۶۷ علی القلی
 ۶۸ علی القلی
 ۶۹ علی القلی
 ۷۰ علی القلی
 ۷۱ علی القلی
 ۷۲ علی القلی
 ۷۳ علی القلی
 ۷۴ علی القلی
 ۷۵ علی القلی
 ۷۶ علی القلی
 ۷۷ علی القلی
 ۷۸ علی القلی
 ۷۹ علی القلی
 ۸۰ علی القلی
 ۸۱ علی القلی
 ۸۲ علی القلی
 ۸۳ علی القلی
 ۸۴ علی القلی
 ۸۵ علی القلی
 ۸۶ علی القلی
 ۸۷ علی القلی
 ۸۸ علی القلی
 ۸۹ علی القلی
 ۹۰ علی القلی
 ۹۱ علی القلی
 ۹۲ علی القلی
 ۹۳ علی القلی
 ۹۴ علی القلی
 ۹۵ علی القلی
 ۹۶ علی القلی
 ۹۷ علی القلی
 ۹۸ علی القلی
 ۹۹ علی القلی
 ۱۰۰ علی القلی

آپ قطب الوقت، سلطان الوجود، امام الصدیقین، محبت العارفين، روح معرفت، قطب الحقیقت، خلیفۃ اللہ فی الارض و ارض کتاب اللہ نائب رسول اللہ، الوجود البحت، النور الصرف، سلطان الطرق اور تصرف فی الوجود علی تحقیق میں۔
حضرت امام عبد اللہ یافعی فرماتے ہیں کہ جناب غوث الاعظم کی کرامات درجہ تو اترو کہ پہنچی ہوئی ہیں۔
حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صاحب کلیری عرض گزار ہیں :-

من آدم به پیش تو سلطان عاشقان ذات تو هست قبلہ ایمان عاشقان
در ہر دو کون جز تو کے نیست دستگیر دستم بگمیر از کرم اے جان عاشقان
حضرت شاہ ابوالمعانی کا ارشاد ہے :-

گر کے واللہ لب عالم از می عرفانی است از طفیل شاہ عبد الفت در گیلانی است
حضرت مولانا الحاج محمد امداد اللہ مہاجر کی کا ارشاد ہے :-

حسنہ اندا! بحق شاہ جیلانی محی الدین و غوث قطب دہراں
بکن غالی مرا از ہر خیلے ولیکن آل کہ زو پیدا است حالے

رسالہ انوارِ قادریہ پر حضرت قبلہ عالم کی تقریظ

اسی ضمن میں حضرت قبلہ عالم گولڑوی نے کتاب انوارِ قادریہ کو پڑھ کر اپنے تاثرات قبلہ فرمائے ہیں، جو مکتوبات شریف موسومہ ”مہرِ حشمتیہ“ اور فتاویٰ مہریتہ سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اَوْلَا دَاخِرًا وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ مِنْهُ بِاطْنًا عَلَيْهِ وَ ظَاهِرًا وَ عَلَى اَهْلِ بَيْتِهِ وَ عِزَّتِهِ الظَّاهِرِينَ وَ اَصْحَابِهِ طُرَادًا الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلَى يَوْمِ الدِّينِ -

اقابعد رسالہ انوارِ قادریہ میرے ملاحظہ سے گزارا علاوہ حسن مضامین کے بوجہ ذکرِ سادات کرام علیہم الرضوان، طرزِ بیان و عبارت نام فہم کی رو سے بھی ناظرین اہل اسلام کے لیے عموماً و معتقدین و شائقین سلسلہ قادریہ کے لیے خصوصاً میری ناقص رائے میں مفید عام و موجب خیر و برکت ثابت ہوا ہے جزوی المصنّف رَبِّهِ عَنْ نَاجِيْهِهَا۔ چونکہ رسالہ ہذا بوجہ اشمال پر ذکرِ آلِ محمد و شہود ذات و مُنْبَغِصِ بَصَغَاتِ صِفَاتِ ، آلِ قائلِ قَدْ جِيْ هِيْذَہِ عَلَى رَقَبَةٍ كُلِّ وَلِيٍّ اللّٰہ۔ آلِ مبرا از انتفات باسوی اللہ آلِ غوثِ بالیان ارض و سما، آلِ وارثِ علومِ بدیہ فاؤ حنی اِلٰی عِبْدِہ مَا اُذْ حنی۔ آلِ مرکز و نقطہ حبیبہ دائرہ وجود، محبوبِ ربّانی، امامِ الثقلین، محی الدین سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس قابل نہیں کہ بعض دیگر مسائل اور مصنفات کی مانند صرف معمولی تقریظ پر اکتفا کیا جائے۔ لہذا تینا و تبرکاً فوائد و قلامد در غررِ ذیل سے محلی و موشح کرنا اس کا غیر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

فائدہ : آپ کا سچا اور پاک فرمانِ ذیل کہ ”یہ قدم میرا بروی کی گردن پر ہے“ از قبیل شطیحات نہیں جیسا کہ کم ظرف لوگ کم حوصلگی کی وجہ سے ایسے دعاوی کیا کرتے ہیں بلکہ بوجہ مقامِ استقامت و تکین میں

ما مورو ہونے کے ایسا فرمایا گیا ہے۔ بوجہ متعددہ۔

(د) اگر یہ فرمان امر خداوندی کی تعمیل نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ کم حوصلگی کے باعث صادر ہوتا، جیسا کہ بعض متصوفین موجودہ زمانہ کا خیال ہے تو پھر آل کا سرِ اصنام غیر و غیرت، آل ناصب خیامِ وحدت و احدیت، آل مرکزِ دائرہ پُرکار و وجود، آل مہبطِ تجلیات و انوارِ شہود، آل گوئے از مہرِ بردہ در حق پرستی، آل قطبِ الوحدت خواجہ خواجگانِ معین الحق والدینِ حقیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بروقت صدورِ فرمانِ عالی سب سے پہلے سر تسلیم خم نہ فرماتے۔

(ب) بوجہ کمالِ اتباعِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مثل قول علیہ السلام: اَنَا سَيِّدُ دُنْيَا آدَمَ وَبَيْدِى رِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وغیرہ یہ فرمان صادر ہوا۔

(ج) آپ ایسے اقوال کے صدور کا منشاءِ قول ذیل سے بیان کرتے ہیں: وَمَا قُلْتُ قَوْلِي هَذَا إِلَّا وَقَدْ قِيلَ لِي يَعْنِي مِّنْ اَزْوَاجِ اَيِّسَىٰ بَاتٍ نِّهَيْسَ كِتَابُ هُوَ، بلکہ منجانب اللہ ارشاد ہوتا ہے کہ ایسا کہو۔

(د) رئیسِ المکاشفین شیخ اکبر قدس سرہ فتوحات کے باب ۳ میں بعد ذکر اقسامِ اولیاء اللہ فرماتے ہیں:-
”وَمِنْهُمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَقَدْ تَكُونُ امْرَأَةٌ فِي كُلِّ زَمَانٍ اَيَّتُهُ
(وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ) لَهُ الْاِسْطِطَالَةُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ سِوَا اللَّهِ شَهْمٌ، شَجَاعٌ، مُّقْدَامٌ، كَثِيرٌ
الدُّعْوَى بِحَقِّ يَقُولُ حَقًّا وَيَحْكُمُ عَدْلًا كَانَ صَاحِبُ هَذَا الْمَقَامِ شَيْخَنَا عَبْدُ الْقَادِرِ
الْجِيلِي بَعْدًا اذْكَانَتْ لَهُ الصَّوْلَةُ وَالْاِسْطِطَالَةُ بِحَقِّ عَلَى الْخَلْقِ كَانَ كَبِيرًا الْمَشَارِ“

یعنی اولیاء میں سے ایک ولی ایسا ہوتا ہے کہ سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے ہر چیز پر غالب اور متصرف رہتا ہے اور پُر زور دعا دی کرتا ہے، مگر اُس کا دعویٰ اور بول بالا سچا ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی حکم اُس کا عدل انصاف سے ہوتا ہے۔ اس مقام کے صاحبِ بغداد میں عالی جناب ہمارے شیخ عبد القادر جیلی گویا آیت و ہُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ کے منظر تھے۔

اسی باب ۳ میں لکھتے ہیں کہ محمد اَوَّانِی المعروف بَابْنِ قَانِدِ افراد میں سے تھے۔ اولیائے افراد وہ ہوتے ہیں جو خضر علیہ السلام کی طرح دائرہ قطب سے خارج ہوں۔ علی بن ابی غوث پاک قدس سرہ محمد اَوَّانِی مذکور کے بابے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولیائے افراد سے ہے اور یہ محمد اَوَّانِی غوثِ پاک کے اصحابِ خدام میں سے تھے۔
حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح ہذا سے نتائج ذیل ثابت ہوئے:-

۱۔ عالی جناب نہ صرف مقامِ غوثیت کے مالک تھے، بلکہ اس سے بالاتر تھے۔

۲۔ آپ ہر شے پر سوائے خدائے عز و جل کے غالب و متصرف تھے۔

۳۔ ایسا شخص لاف زن و کم ظرف نہیں ہوتا بلکہ سچا اور صاحبِ تمکین ہوتا ہے۔

۴۔ ہر زمانے میں ایسا ولی ہونا چاہیے۔ وہ عبارت جس سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اسی باب میں ہے، مگر خوفِ طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئی ہے۔

۵۔ حضرت شیخ کے زمانے میں اس تصرف کا مالک حسبِ تصریح شیخ رضی اللہ عنہ ایک دلی تھا مگر اسی باب میں لکھتے ہیں کہ گویہ ولی مقام و ہُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ میں ہے، لیکن شیخ عبد القادر رضی اللہ

عنہ میں علاوہ مقام ہذا کے اور دُجُوہ فضیلت بھی موجود تھے۔

چنانچہ سیدنا عبد القادر گیلانیؒ سیدنا خواجہ نظام الدینؒ ہر دو مقام محبوبیت میں شریک ہیں مگر حسب تصریح حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور نگ آبادی، حضرت خواجہ نظام الدینؒ محبوب الہی و محبوبی سیدنا عبد القادرؒ سے مستفیض ہیں (ملاحظہ ہو نظام القلوب)۔ نیز محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی۔ رہا لفظ مُسَبِّحَانِ ذَا الرَّحْمٰنِ سو مقام جذب و محبوبیت سے جیسا تناسب کہ لفظ مُسَبِّحَانِ کو ہے لفظ اِلٰہ کو نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ - مُسَبِّحَانَ الَّذِیْ اَسْمٰی بِعَبْدٍ کَیْلًا۔ اور نہ لفظ اِلٰہ ذات بحت پر دال ہے بلکہ مُسَبِّحَانِ کہ رتبہ ذات کا نام ہے۔ (ملاحظہ ہوں فتوحات و شروح فصوص)

حضرت مجدد الف ثانیؒ دوسری جلد کے آخری مکتوب میں حضور غوث اعظمؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:-
”وصول فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجابت توسط شریف او مفہوم می شود، چہ این مرکز غیر اُورا میسر نہ شد الخ

اس موقع پر برائے فائدہ مندرجہ ذیل سوالات و جوابات بھی درج کیے جاتے ہیں:-

سوال۔ لفظ دلی اللہ اصحاب کرام پر بھی بدیل قولہ تعالیٰ اَللّٰہُ ذٰلِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا و سائر آیات قرآنیہ بولا جاسکتا ہے، تو حسب قول مذکور چاہیے کہ آپؐ کا قدم اصحاب کرام کی گردن پر بھی ہو۔ حالانکہ یہ امر مُسَلَّم ہے کہ کوئی دلی، خواہ کیسا ہی کامل ہو، صحابہؓ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب۔ متاخرین کے عرف و محاورے میں دلی اللہ ما سوائے صحابی پر بولا جاتا ہے۔

سوال۔ عبارت فتوحات ”مَسْطُوْرَہٌ بِالْاِیْمَنِ لَہُ الْاِسْتِطَالَہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَاللّٰہِ“ سے پایا جاتا ہے کہ اس دلی کا تصرف انبیاء علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے۔

جواب۔ عالیجناب رضی اللہ عنہ کا زمانہ انبیاء کا زمانہ نہ تھا۔

سوال۔ لفظ فی کُلِّ زَمَانٍ مندرجہ عبارت فتوحات ”مَسْطُوْرَہٌ بِالْاِیْمَنِ“ سے پایا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے دلی کا ہونا واقعی امر ہے اور نیز اسی باب میں قبل از عبارت مذکور حضرت شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرتؐ چار انبیاء بہ اجسام زندہ ہیں۔

جواب۔ مفضول کا تصرف فاضل پر مثل تصرف جبرائیلؑ برآں حضرت واقعی اور مُسَلَّم شدہ امر ہے۔ کیونکہ بوجہ تخالف فیما بین دُجُوہ فضیلت، استبعاد مندرجہ سوال بخوبی مندرج ہو سکتا ہے۔ دُجُوہ آخری مکتوب شریف ملاحظہ

ہو۔ چنانچہ عالیجناب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خُصُّنَا بَحْرًا لِّتَرْقِیْفَ عَلٰی سَاحِلِہِ الْاَنْبِیَاءِ۔ یعنی ہم ایسے دریا میں ڈوبے ہیں، جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام کو کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ بحر و دریا سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی ہم کو بوجہ کمال اتباع ظاہری و باطنی، شریعت و طریقت ذات پاک محمدیؐ میں کامل فاصل ہے۔ بخلاف سائر انبیاء علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فنا کمال سے ناری ہیں۔

سوال۔ عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حسب احادیث صحیحہ بعد النزول شرع محمدیؐ کے پابند

ہوں گے۔ لہذا کمال فنا کے مستحق ہوئے اور عالی جناب کے فرمان مذکور لَعَلَّ یَقِیْفَ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِیَاءُ سے سمجھا جاتا ہے کہ کسی پیغمبر کو ذات محمدی میں فنا ظاہری و باطنی نہ ہوگی۔

جواب۔ فرمان مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میرے قول ہذا سے پہلے کسی نبی کو بحر ذات محمدی میں فنا کمال و اتباع شرع محمدی حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ لَعَلَّ یَقِیْفَ میں کلمہ لَعَلَّ مضارع پر ماضی منفی کا معنی دیتا ہے بنا بریں اگر بعد اس فرمان کے قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو اتباع شرع محمدی میں اتباع کمال حاصل ہو تو مخالف قول مذکور نہ ہوگا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَدْوَاۤءُ اٰخِرًا وَّ الصَّلٰوةُ وَّ السَّلَامُ عَلَیْهِ ظَہِرًا وَّ اٰمِنَةً وَّ بَاطِنًا۔ العبد المہر و
محبت کا بندہ، علی کا نام لیوا، شاہ جیلان کا حلقہ بگوش از گولڑہ بقلم خود۔ ۱۸ صفر ۱۳۳۱ھ
القصة حضرت غوث بہاؤ الدین ملتانی نے جناب غوث الاعظم کی شان میں کیا غوث عرض کیا ہے :-
گویم ز کمال تو چہ غوث الثقت لینا
محبوب خدا، ابن حسن، آل حسینا
سردر قد مت مجلہ نہادند و بگفتند
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَشْرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا
ما عاجز و حیران باندیم بگرداب
لَا فُخْلَصَ اِلَّا بِكَ بِاللّٰهِ لَدُنَا
ما تَشْنَعُ چو ماہی ہمہ در دشت فدایم
اے ابر کرم بار تو بشتاب اِلینا

۱۔ ارباب علم و بصیرت سے مخفی نہیں کہ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے فضائل و کمالات، حسب نسب و تصرفات و کرامات مشہور و متواتر ہیں۔ آپ کا ارشاد گرامی میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ حضور کے معاصرین سے لے کر ہر زمانہ کے مشائخ عظام اور ان کے متبعین علمائے کرام و عوام اہل اسلام کے نزدیک ایک مسلم حقیقت ہے اور آج تک کسی سلسلہ کے بزرگان دین سے اس کا انکار ثابت نہیں۔ جیسا کہ خاتم المفسرین حضرت السید علامہ محمود آلوسی بغدادی مصنف روح المعانی نے اپنی کتاب الطراز المذہب میں اور حضرت السید علامہ محمد کی شیخ الجامعۃ الزیونہ (تیونس) نے اپنی کتاب السیف الزبانی میں اور حضرت السید مولانا ابو ظفر ظہیر الدین قادری بغدادی نے اپنی کتاب فتح البین میں تفصیل فرمائی ہے۔ آپ کی سیرت پر مستند کتاب ہجۃ الاسرار میں مستفصل کے ساتھ ان مشائخ کرام کے اقوال منقول ہیں جنہوں نے اس ارشاد گرامی سے پہلے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ آپ حکم الہی یہ ارشاد فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ مجلس میں حاضر مشائخ اور دیگر بہت سے معاصرین اولیائے کرام کے اقوال بھی درج ہیں جنہوں نے اپنے اپنے مقام پر کشف و الہام کے ذریعے اس ارشاد گرامی سے مطلع ہو کر گردنیں جھکا دیں۔ کتاب مذکور کے مصنف امام نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف (متوفی ۱۲۳۵ھ) جامعہ ازہر کے شیخ القراء تھے مشہور محدث اور نقاد مورخ امام ذہبی جو مصنف کے ہم عصر تھے۔ اور اسی طرح محدث مشہور امام جزری اور امام جلال الدین سیوطی، امام عبد اللہ دیاغی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی سب نے مصنف کے علمی فضل و کمال کی تعریف کی ہے۔ جیسا کہ الدولۃ المکیۃ مصنف مولانا احمد رضا خان بریلوی میں تفصیل مذکور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ ہر دور کے علماء و مشائخ کی بے شمار تصانیف میں حضور کے اس ارشاد گرامی کے متعلق تفصیل موجود ہے حضرت کی تصنیف فتاویٰ مہر میں بھی تفصیل درج ہے۔

چوتھی فصل

حضرت قبلہ عالم کے دیگر اجدادِ کرام

سید تاج الدین عبد الرزاق و سید جمال اللہ حیات المیر

حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ العزیز، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، جناب غوث الاعظم کے منجھلے بیٹے سید تاج الدین عبد الرزاق قدس سرہ العزیز کی اولادِ پاک میں سے ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت قادریہ، رزاقیہ شرق و غرب میں پھیلا ہوا ہے۔ سید عبد الرزاق اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے ہوتے ہیں۔ آپ مفتی عراق کے لقب سے مشہور تھے۔ منجھلے صاحبزادے ہونے کے باوجود آستانہ عالیہ غوثیہ بغداد شریف کی سجادگی و تولیت کا شرف زیادہ تر آپ ہی کی اولاد کو حاصل رہا ہے آپ کے ایک فرزند سید جمال اللہ المعروف پیر حیات المیر زندہ پیر کو اپنے جسدِ بزرگوار حضرت غوث الاعظم کی دعا سے حیاتِ جاوید حاصل ہوئی۔ وہ آنجناب یعنی غوث الاعظم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ جناب غوث الاعظم اپنے اس پوتے کے حال پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ کتب خزینۃ الانبیاء تحفۃ القادریہ اور اقتباس الانوار وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظم ان کو گود میں لے کر پیار فرماتے اور کہتے، بیٹا! جب امام آخر الزمان، حضرت مہدی سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔ اصل عبارت ذیل ہے :-

”از سید جمال اللہ مذت عرش پر سید ندا فرمود کہ جدم رضی اللہ عنہ غوث الاعظم وقتِ جوش شوق الہی مرا

در پر کردہ می فرمودے کہ برادر ہمدی و حضرت عیسیٰ علیہما السلام را از من سلام برسانی۔ او ہنوز زندہ است و در

نواحِ بسطام وغیرہ ممالک سیر می نماید“

کتاب تحفۃ الابرار میں انیس القادریہ وغیرہ کتب کے حوالہ سے تحریر ہے کہ سید جمال اللہ شکل و صورت میں حضرت غوث الاعظم سے بہت مشابہ تھے اور آپ کی دعا سے زندہ جاوید ہیں۔ سید تقیم شاہ سکندہ حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال اور سلطان بری لطیف، نور پور شاہاں ضلع راولپنڈی اور بہت سے دیگر اولیاء کرام کا آپ سے فیض حاصل کرنا بیان کیا جاتا ہے۔

سید ابوصالح طاہر نصر و سید علی بغدادی

سید ابوصالح حضرت سید عبد الرزاق کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ مفتی عراق کے منصبِ جلیل پر فائز تھے۔ حضرت قبلہ عالم آپ کے چچا جبرائیل سید علی بغدادی کی اولاد سے ہیں۔ تحفۃ الابرار میں تذکرۃ العابدین کے

حوالے سے تحریر ہے کہ آپ کی تصانیف میں سے "سر الرقعة"، "شرح فصوص الحکم"، "شرح قصیدہ خمریہ و فارضیہ" و "ادب فحیہ" برائے کشائش ظاہر و باطن اکسیر اعظم کا حکم رکھتی ہیں۔

سید تاج الدین محمود و سید ابی الحیات

حضرت سید علی قادریؒ کی چوتھی پشت میں حضرت سید تاج الدین محمودؒ دست ادری رزاقیؒ نویں صدی ہجری میں سب سے پہلے سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ کا انعام الہی لے کر بنگال پہنچے۔ اُن دنوں سلاطین بنگالہ کا پایہ تخت گوڑ تھا۔ سلطان وقت فیروز شاہ نے آپ کی خانقاہ کے لیے جاگیر مقرر کی اور آپ کا فی عرصہ تبلیغ فرمانے کے بعد اپنے صاحبزادہ سید ابی الحیاتؒ کو اپنی جگہ مسند ارشاد پر چھوڑ کر واپس بغداد شریف چلے گئے۔ اُن ایام میں سید شریفؒ مکی کو بنگال کے ایک حصے کی حکمرانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی پرہیزگاری اور خدمت دین کے باعث اس سلسلہ شریفؒ کی ترویج میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔

حضرت میراں شاہ قادر قمیصؒ

حضرت سید ابی الحیاتؒ، ہائیوں ابن بابر بادشاہ کے دور تک زندہ رہے۔ اُن کی وفات پر اُن کے صاحبزادہ میراں شاہ قادر قمیصؒ نے اُن کا جانشین ہو کر نہ صرف بنگال میں بلکہ تمام برصغیر ہند میں عظیم شہرت حاصل کی جب ہائیوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کی جنگوں کی وجہ سے ملک میں بد امنی پھیلی تو آپ ارض مقدس بغداد شریف لے گئے۔ اور کئی سال بعد امن بحال ہونے پر واپس گنگوہ پہنچے۔ اس وقت یہاں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور اُن کے خلفائے عظام کا کافی شہرہ تھا۔ لطائف قدوسیؒ میں لکھا ہے کہ قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ نے بایں جلالت شان و کولت عمری شہر سے باہر نکل کر حضرت مخدوم قمیصؒ کا استقبال کیا اور کچھ عرصہ اپنے پاس مہمان رکھ کر سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے اُردو و لطائف مرحمت فرمائے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ عظام میں سے تھے جو شہرت و عظمت اس سلسلہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی، وہ صاحب سلسلہ حضرت سید علاؤ الدین علی احمد صابرؒ کے علاوہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلفائے عظام میں شیخ جلال الدین تھانیسریؒ، شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ اور شیخ عبدالاحد سرہندیؒ (حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد بزرگوار) وغیرہ مشائخ کے اسمائے گرامی آتے ہیں آپ نے ہندوستان کے مختلف سیاسی انقلابات دیکھے اور خاندان لودھی سے مغلیہ دور تک رونق افروز عالم رہ کر ۹۴۵ھ میں ترانہ سے سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

حضرت مخدوم قادر قمیصؒ گنگوہ سے بنگال گئے۔ مگر وہاں حالات کو سازگار نہ پا کر موجودہ اضلاع انبالہ اور سہارنپور (بھارت) کے قصبہ شاہ ڈھور میں جو اب ساڈھور کے نام سے مشہور ہے، سکونت اختیار فرمائی۔ ۹۸۳ھ میں جب نعل بادشاہ اکبر نے بہار کو فتح کیا تو حضرت مخدوم کو بنگال کے سلطان بارید کے پاس سفیر بنا کے بھیجا۔ اُسی زمانے میں بہار کا ایک ہندو راجہ اور اُس کی رانی آپ کی رومانیت سے متاثر ہو کر حلقہ گوبش اسلام ہوئے۔ شاہان مغلیہ نے آپ کی خانقاہ کے لیے چھ گاون

نذر کیے ہوئے تھے جو انگریزی دور تک رہے۔

حضرت شیخ عبدالحی محمد ث دہلوی اخبار الاحیاء میں لکھتے ہیں:-

شاہ قادر قمیص ابن سید ابی الہیات، حضرت شاہ عبد الرزاق بن حضرت غوث الاعظم کی اولاد سے ہیں۔ آپ پہلے بنگال میں ارشاد و تبلیغ فرماتے رہے، جہاں سے فقر و تجرد کے ساتھ اگر قصبہ سالورہ خضر آباد میں مقیم ہوئے۔ وہاں سید نصر اللہ نے جو عالم دین باعمل، صاحب حال و متبع سنت بزرگان میں سے تھے، اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ جس وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس علاقے کے آس پاس کے اکثر و بیشتر لوگ اور درویشوں کی ایک جماعت آپ کے عقیدت مند و ارادت مند ہوئے ہیں۔ شیخ عبد الرزاق المعروف شیخ بہلول آپ ہی کے خلیفہ تھے جو علم شریعت و طریقت میں کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ شاہ قمیص نے بنگال میں وفات پائی۔ جہاں بادشاہ وقت نے ان کو کسی کام کے سلسلے میں روانہ کیا تھا۔ ۳۔ ذیقعدہ ۹۹۲ھ کو آپ کا جسد پاک بنگال سے لا کر سالورہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں ہر سال ۲ تا ۱۱ ربیع الثانی اجتماع خلافت ہوتا ہے۔

حضرت شاہ محمد فاضل قلندر

حضرت مخدوم قادر قمیص کے بعد آپ کے پوتے حضرت شاہ محمد فاضل قلندر بہت بڑی شہرت کے مالک اور سلسلہ عالیہ قادریہ قیصیہ کے فروغ کا باعث ہوئے۔ ۹۔ رمضان المبارک ۱۲۰۴ھ کو انتقال فرما کر قلعہ ساڈھورہ کے قریب دفن ہوئے۔ یہ جگہ پہلے ”شاہ محمد فاضل کی گھاٹی“ اور بعد میں ”فاضل پور“ کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت شاہ قادر قمیص کی اولاد میں سے ایک اور بزرگ سید صادق علی شاہ، حضرت مولانا فخر الدین غنی جہاں دہلوی چشتی نظامی کے خلیفہ مجاز ہو کر دہلی سے بہار اور بنگالہ کی سیاحت فرماتے ہوئے نکار سیلون، تشریف لے گئے اور تبلیغ دین فرماتے رہے۔ اسی جگہ انتقال فرمایا اور بمقام پولو بانگ مدفون ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت شاہ قیام الدین اصدق کا دفن موضع مجعہ اوان المعروف پیر گچھ ضلع پٹنہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ان چند حضرات کا ذکر خیر یہاں تبرکاً کر دیا گیا ہے۔ ورنہ سلسلہ عالیہ قادریہ قیصیہ کے مشائخ کا تذکرہ بہت طویل ہے زمانہ قریب میں حضرت شاہ قادر قمیص کی اولاد میں سے حضرت قبلہ عالم گولڑوی اور حضرت شاہ سلیمان چلواری (صوبہ بہار) ایسی مایہ ناز ہستیاں گزری ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ قیصیہ کے مشائخ کی تفصیل تذکرۃ الابرار مصنفہ تقی حیدر قلندر کا گولڑوی میں دی گئی جا سکتی ہے۔

حضرات پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ

مخدوم میراں شاہ قادر قمیص کی بارہویں پشت میں سے ایک صاحب حضرت سید عبد الرحمن نورانی جج کے لیے گئے۔ واپسی پر بمقام بصرہ بقضائے الہی انتقال فرما گئے۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے اوراد و وظائف کی کتابیں آپ کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ آپ کے صاحبزادگان پیر سید روشن دین و سید رسول شاہ کو جب ساڈھورہ میں اس کی اطلاع ہوئی تو وہ پیدل روانہ ہو کر بصرہ پہنچے اور چھ ماہ تک اپنے والد ماجد کے مزار شریف پر مقیم رہے۔

قلمی شجرہ نسب (مخازن النسب) میں لکھا ہے کہ ایک فرزند اوراد و وظائف کی کتاب میں خود بخود قریب شریف سے باہر آگئیں جنہیں لے کر یہ دونوں بھائی فریضہ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر بغداد شریف و بصرہ سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ جہاں امیر کابل نے ایک علمی مناظرے میں بڑے صاحبزادے پیر سید روشن دین شاہ کے کمال سے متاثر ہو کر منصب قضا پیش کیا، مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کابل سے وطن واپس ہوتے ہوئے سرزمین گولڑہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ غالباً بارہویں صدی ہجری کے آخر کی بات ہے، جب کہ تخت دہلی پر غل بادشاہ عالم ثانی متمکن تھا اور بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ پنجاب پر سکھ قابض ہو رہے تھے اور مرہٹے اور انگریز دہلی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجہ سے اُس نواح میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے ان ہردو حضرات نے پنجاب کے اس شمال مغربی گوشے کو جلتے امن اور اپنے مقاصد تبلیغ و ارشاد کے لیے موزوں خیال کرتے ہوئے ساڈھورہ سے اہل و عیال و خدام کو اسی جگہ بلوایا۔ حضرت پیر سید روشن دین، قبلہ عالم گولڑوی کے دادا حضرت پیر سید غلام شاہ کے والد بزرگوار تھے۔

گولڑہ

راولپنڈی سے گیارہ میل کے فاصلے پر کوہ مارگلا کے دامن میں ایک قصبے کا نام گولڑہ ہے، جو غالباً وہاں کے قدیمی باشندوں گولڑہ قوم کے باعث اس نام سے موسوم ہے۔ سلطنت خداداد پاکستان کا دارالخلافہ اسلام آباد اس قصبے کی شرقی حدود کے ساتھ واقع ہے۔ اُن دنوں یہ جگہ سکھوں کی عملداری میں سکھ قلعہ دار کا صدر مقام تھی۔ سکھوں کی تحصیل و قلعہ کے کھنڈرات و آثار اب تک موجود ہیں۔ آج کل یہاں ریلوے جنکشن، تھانہ پولیس، ہسپتال، ڈاک خانہ، مارگھر ٹیلیفون آفس وغیرہ بن چکے ہیں اور راولپنڈی و اسلام آباد سے پختہ سڑکوں کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ جن پر سرکاری موٹر بسیں، مسافروں اور زائرین کی آمد و رفت کا ذریعہ ہیں۔ یہ عروج اس قصبے کو اللہ تعالیٰ نے دربارِ عالیہ غوثیہ مہریہ کی وجہ سے بخشا ہے، جو منبع برکات ہونے کے باعث مرجع خلافت ہے۔

پہلے اس علاقہ پر افغانوں کا قبضہ تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں احمد شاہ ابدالی کے انتقال پر رنجیت سنگھ نے جو افغانوں کی طرف سے پنجاب کا صوبیدار تھا، خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور پنجاب کے ساتھ اس علاقہ کو بھی اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ حضرت پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ کے مزارات آستانہ عالیہ کے شمال کی طرف ایک چار دیواری میں زیارت گاہ خلق ہیں۔

سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ پانی پتی

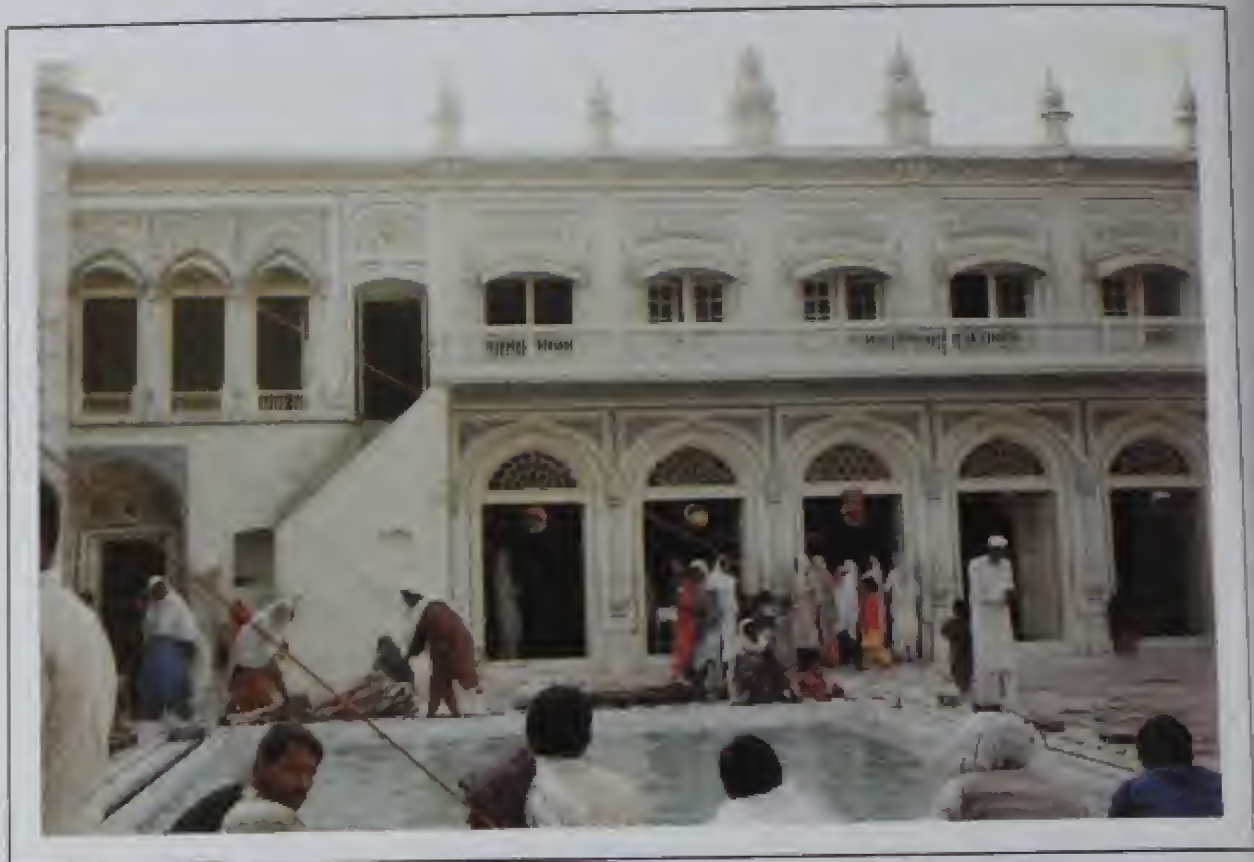
حضرت سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ، پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ کے خدام میں سے تھے، جو ہردو حضرات کے اہل و عیال کے ہمراہ ساڈھورہ سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف آئے اور اسی جگہ اُن کی خدمت میں عمر گزار دی۔ حضرت پیر سید رسول شاہ سے خلافت پانی اور اُن کے وصال کے بعد اُن کے کم سن فرزند و جانشین حضرت پیر فضل دین کی تربیت فرما کر اُن کے والد شریف کی روحانی امانت اُن کو پہنچائی۔ سائیں

آستانہ عالیہ گولہ شریف کائنات کی منظر۔





مزار مبارک حضرت سید روشن دین شاه صاحب دین و سید رسول شاه صاحب



مزار مبارک سید پیر نذیر دین شاہ صاحب (والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب) بیرونی منظر۔



مزار مبارک کا ایک اندر منظر (بمقابلہ عکس تالاب)



حضرت پیر نذر دین شاہ صاحب کا مزار مبارک (اندرونی منظر)



مزار مبارک سید پیر فضل دین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اندرون، بیرونی منظر۔





حضرت کی رہائش گاہ "عشق آباد"



حضرت کا پلنگ و بستر مبارک

مسکین شاہ کی دو کرامتیں زبانِ زودِ خاص و عام ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس قدر خوش الحان قاری تھے کہ ہل چلانے والوں کے ہل اور گزریوں کے جانور نمازِ فجر کے وقت اُن کی قرأت سن کر رُک جاتے تھے اور جب تک قرأت ختم نہ ہو جاتی ہانکنے پر بھی نہ چلتے تھے۔ چنانچہ جب وہ اس طرح کھڑے ہو جاتے تو لوگ انتہام قرأت تک اُن کو ہانکنے کی کوشش ہی نہ کرتے۔ دوسری یہ کہ سائیں صاحبہ کو حضرت غوث الاعظمؒ سے نیاز و نسبت میں اس قدر استغراق تھا کہ قیام کی حالت میں اُن کے پیچھے کھڑے ہونے والے شخص کو اکثر حضرت غوث الاعظمؒ کا روضہ پاک نظر آ جاتا۔

حضرت پیر سید میراں شاہ و حضرت پیر سید فضل دین شاہ

حضرت پیر سید روشن دین شاہ پہلے وصال فرما گئے تھے، حضرت پیر سید رسول شاہ کا بعد میں انتقال ہوا اور اُن کے دو خور و مال صاحبزادے پیر سید میراں شاہ اور پیر سید فضل دین شاہ رہ گئے، جن کی پرورش و تربیت جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ کے ذریعہ عمل میں آئی۔ سید میراں شاہ اگرچہ پابندِ شریعت تھے، مگر بوجہ غلبہ سکر و کیف قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ "ملفوظاتِ طیبات" حضرت قبلہ عالم میں بروایت آپ کے والد ماجد حضرت پیر سید نذر دین المعروف اجی صاحب تحریر ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں حضرت اجی صاحب پیر سید میراں شاہ صاحب کی اُننگلی پکڑے جا رہے تھے۔ جب اُس جگہ سے گزرے، جہاں اب حضرت قبلہ عالم کی حرم سرائے ہے اور اُس زمانے میں قوم سہام کے مکانات تھے تو ایک سہام نے، جسے اپنی قوم کے سکھوں کی عملداری میں صاحبِ قلم و قانون ہونے کا ناز تھا، اپنے مکان کی مُرتمت کے سلسلے میں پیر صاحب سے کوئی ناگوار سی بات کی تو جو ابا آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، اس جگہ پر ہم میں سے ہی کسی کے مکانات نہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ان کی ایک اور کرامت کے متعلق حضرت قبلہ عالم فرماتے تھے کہ ایک رات اُن کی گھوڑی رستی ٹڑا کر ایک زمیندار کے کھیت میں جا نکلی، جس نے اُسے پکڑ کر درخت کے ساتھ اس طرح باندھ دیا کہ اُس کا مُنہ اُوپر کو اُٹھا ہے اور وہ کچھ کھاپانی نہ سکے۔ اگلے روز تلاش کے دوران پیر سید میراں شاہ کے ایک خادم نے گھوڑی کو اس تکلیف دہ حالت میں پا کر اُس زمیندار سے کہا کہ اگر غلطی سے گھوڑی تمہارے کھیت میں جا نکلی تھی تو زیادہ سے زیادہ اُسے آواز قرار دے کر سرکاری چٹانک میں داخل کرا دیا ہوتا۔ ہم جرمانہ ادا کر کے چھڑوا لاتے۔ اس طرح اس بے زبان جانور کو تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں تھا، لیکن اُس نادان شخص نے لاپرواہی سے سُنی اُن سُنی کر دی۔ خادم نے واپس آ کر یہ ماجرا پیر صاحب سے بیان کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اُسے جا کر کہہ دو، تم نے ہماری گھوڑی کا مُنہ باندھا ہے ہم نے تمہاری گھوڑی کی بچہ دانی باندھ دی ہے۔ لہذا یہ شخص بے اولاد ہی فوت ہوا۔

پیر سید میراں شاہ کو حضرت قبلہ عالم سے کمال درجہ محبت تھی۔ اکثر اپنے پاس بٹھلائے رکھتے۔ "ملفوظاتِ مہر" میں حضرت قبلہ عالم کی زبانی تحریر ہے کہ جس شام پیر سید میراں شاہ کا وصال ہوا اُس روز صبح کے وقت مجھے فرمایا کہ اپنے چھوٹے ماٹوں صاحب (حضرت پیر فضل دین) سے جا کر کہہ دینا کہ آج ہم ایک لمبے سفر پر جانے والے ہیں میں کم مُر تھا، اس لیے پیغام دینا یاد نہ رہا۔ جب شام کو بغیر کسی ظاہر تکلیف کے فوت ہو گئے تب معلوم ہوا کہ "لمبے سفر" سے

مُراد سفر آخرت تھا حضرت پیر فضل دین صاحب حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار کے مانوں تھے اور آپ بھی انہیں مانوں کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سید فضل دینؒ ایک بلند مقام، صاحب کشف و کرامات اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ آپ کی دُعا، دم اور تعویذات تیر بہدت تھے۔ حل مشکلات اور افادۂ ظاہری و باطنی کے لیے دُور و نزدیک سے آنے والی خلقِ حُسن و کمال آپ کی خانقاہ میں ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ جس میں بلا امتیازِ مذہب و ملت ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ آپ کا شغل پاسبانِ انفس تھا اور زیادہ تر اسی وظیفے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور اپنے مسودات میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت قبلہ عالم کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت پیر فضل دینؒ کے دادا بزرگوار نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بیٹے سید رسول شاہؒ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا۔ چنانچہ جب پیر سید فضل دینؒ کچھ بڑے ہوئے تو اُس جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں اب اُن کا مزار ہے اور وہیں عمر گزار دی جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں عرض کی کہ مجھے دُہی کلمہ پڑھا دیجیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو پڑھایا تھا تو آپ نے فرمایا، کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۝

بقول شیخ الجامعہ حضرت قبلہ عالم یہ بھی فرماتے تھے کہ سائیں علی محمد عرف مسکین شاہؒ نے پیر سید فضل دینؒ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لنگر کے لیے سوا سو روپے یومیۃ مقرر فرماتے ہیں۔ اگر اس سے زیادہ ہو گیا تو تمہاری قسمت۔ اس سے کم نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نواح میں آپ کا لنگر مشہور تھا۔

ایک روز حضرت قبلہ عالم نے آپ کے تصرفات و صفاتی باطن کے ضمن میں فرمایا کہ میں جب سفر حج سے واپس آیا تو حضرت پیر سید فضل دینؒ نے میرے ایام سفر کی کئی ایک باتوں کا خود مجھ سے ذکر فرمایا اور کہا کہ ایک روز میں نے دیکھا تو تم جہاز میں قبلہ رُو بیٹھے فلاں وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

حضرت پیر سید فضل دینؒ نے مجرد و مُرتاض زندگی بسر فرمائی۔ آپ کا وصال ایک سو آٹھ برس کی عمر میں ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۲-۹۳ء میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف حضرت قبلہ عالم کی خانقاہ کے شمال مغرب میں مرکز زیارت و احترام ہے۔ سلسلہ طریقت قادریہ جدیہ میں حضرت قبلہ عالم کو آپ سے بیعت و خلافت حاصل ہے اور حضرت قبلہ عالم آپ کے وصال سے گیارہ برس قبل مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کی وجہ سے حضرت پیر فضل دین صاحب کو لوگ بڑے پیر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سید نذر دین عرف حضرت اجی صاحب

حضرت پیر سید روشن دین شاہؒ کے صاحبزادے پیر سید غلام شاہؒ کی شادی اپنے چچا پیر سید رسول شاہؒ کی صاحبزادی اور پیر سید فضل دین شاہؒ کی ہم شیرہ سے ہوئی تھی۔ اس رشتے سے پیر سید نذر دین شاہؒ تولد ہوئے جو حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار تھے۔ چونکہ پوٹھواری زبان میں والد کو "اجی" کہتے ہیں، اس لیے قبلہ عالم کے والد بزرگوار ہونے کی نسبت سے آپ حضرت اجی صاحب کے نام نامی سے مشہور خلائق ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۴-۳۵ھ یعنی ۱۸۱۵ء میں مقام گولڑہ شریف ہوئی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ اور آپ کے عین عالم شباب میں جب کہ ہنوز سکھوں کی عملداری تھی۔ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا، جس سے گیسلائی سادات کے اس گھرانے کو خاص

شہرت نصیب ہوئی۔

حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں حضرت اجی صاحب شب و روز عبادت الہی اور مطالعہ کتب کے سلسلے میں اپنی آبائی مسجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس مسجد کے قریب ہی سکھوں کا محلہ تھا، جہاں سکھ قلعہ دار کی ایک رشتہ دار لڑکی بد چلتی کے الزام میں حاملہ پائی گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مقامی مخالفت نے جو قلعہ دار کا مُتہد تھا اور اس نووارد شریف خاندان کی عظمت اور روز افزوں اثر و رسوخ کی وجہ سے حسد کرتا تھا حضرت اجی صاحب کو متہم کیا۔ جس پر قلعہ دار نے کسی اور ثبوت کے بغیر آپ کو گرفتار کر کے زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس الزام و سزا کے حکم کے خلاف قُرب و جوار کے مسلمانوں کے وفد، سکھ سردار کے پیش ہوئے تو اُس نے کہا کہ سجادہ نشین صاحب خود آکر یقین دلائیں کہ لڑکا بے گناہ ہے۔ سجادگی پر اُس وقت حضرت اجی صاحب کے مانوں حضرت پیر سید فضل دین رونق افروز تھے۔ آپ نے جانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اُسے کہہ دو، اسے جلا ڈالے۔ اگر یہ گنہگار ہے تو ہمارے لیے اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔

تاریخ سزا سے ایک دن پہلے مواضعات میرا باد یہ و میرا کو وغیرہ کے مسلمانوں نے اجتماع کر کے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر بڑے پیر صاحب نے اطراف و جوانب میں پیغام بھجو کر اطلاع کرادی کہ جو کوئی ایسا قدم اٹھائے گا، اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ لوگ رُک گئے۔

سزا والے دن علی الصبح ہی ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن قلعے کے باہر جمع ہو گئے۔ اس قلعے کے کھنڈرات شہر سے مغرب کی جانب کچھ دُور ندی کے کنارے اب تک موجود ہیں۔ عورتوں نے آہ و بکا کرتے ہوئے اپنے زیورات کا ڈھیر لگا دیا کہ ہمارے پیر زادے کو ان کے ساتھ تول کر جہانم وصول کر لو اور اُنہیں رہا کر دو، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اُس زمانے کے دستور کے مطابق عبرت عامہ کے لیے سزائے موت شارع عام پر دی جاتی تھی۔ اس لیے ایک کھلی جگہ لکڑیاں چُن کر چتائی کی گئی اور فوج نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔

زندہ جلائے کی کوشش ناکام

یہ بُدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا۔ اُس رات اجی صاحب کو حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی، جنہوں نے فرمایا کہ چتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے، گھر میں جو نیا لباس موجود ہے، پہن کر دو نفل منسا ز ادا کر لینا۔ چنانچہ سکھ سپاہیوں نے آخری خواہش کی تکمیل میں غسل کے لیے پانی بھی دیا اور گھر سے لباس بھی منگوادیا، جو آپ نے پہن کر نماز دو گنا ادا فرمائی اور چتا پر جا کر بیٹھ گئے۔ لکڑیوں پر تیل ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی، مگر لاکھ جتن کے باوجود آگ نہ لگی۔ یہ دیکھ کر الزام لگانے والے شخص نے کہا کہ سپاہی پیروں سے مل گئے ہیں۔ اس لیے وابستہ بیرا پھیری کر رہے ہیں۔ یہیں دیکھتا ہوں، آگ کیسے نہیں لگتی۔ یہ کہہ کر اُس نے حضرت کے کپڑوں اور لمبے لمبے گٹھن گھریا لے بالوں پر کافی تیل ڈالا اور ایک برتن میں ٹشک بولے ڈال کر جلانے اور جب شعلے بلند ہونے لگے، تو اُس برتن کو آپ کے تیل میں ترتر بالوں کے نیچے رکھ دیا۔ مگر شعلے پکیتے رہے اور اُن کی حرکت سے حضرت کے بال لہراتے رہے۔ لیکن اُنہوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ آخر اُس نے جلتے ہوئے بولوں کو آپ کے تیل میں شرابور کپڑوں پر

اُلٹ دیا۔ لیکن وہ بغیر کسی قسم کا اثر کیے ہوئے لکڑیوں پر جا گرے اور بچھ گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں میں آپ کی بے گناہی کا غوغا اٹھا اور قلعہ دار نے حکم دیا کہ مخبر کو گرفتار کر کے اسی چار چلا دیا جائے۔ اور خود گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ حضرت سے معافی کا خواستگار ہوا کہ آپ واقعی بے گناہ ہیں۔ میں نے اس بُرے آدمی کے کہنے میں آکر آپ پر ناحق ظلم کیا۔

قبلہ عالم فرماتے تھے کہ اُس روز حضرت پیر سید فضل دین صبح سے ہی اپنے حجرے میں بغداد شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے تھے اور بار بار آدمی بھیج کر اچھی صاحب کی خبر منگواتے تھے۔ جب آپ نے سنا کہ مخبر کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو آدمی دوڑا یا کہ نذر دین شاہ سے کہو، اس شخص کو معاف کرادے۔ لیکن اُس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت اچھی صاحب نے سیکھ سردار سے کہہ دیا تھا کہ میں اُس وقت تک چتا سے نہیں اُتروں گا جب تک اس شخص یعنی میرے خلاف الزام لگانے والے کو معافی نہ دے دی جائے گی۔

آناں کہ بجائے مادی ہا کر دند گردست رسد مجبذ نکونی نکم

حضرت اچھی صاحب کے اُن تیل سے بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ لوگوں نے غلاب کعبہ کا سسٹوک کیا اور عالم شوق و وارفتگی میں تبر کا اُن کے چھتیرے کر کے ہمراہ لے گئے۔ خدا کی شان کہ اس واقعہ کے جلد ہی بعد یعنی ۱۸۷۸ء میں سکھوں کی عملداری کا تختہ بھی اُلٹ گیا اور پنجاب پر انگریزوں کی حکومت ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام عمر حضرت اچھی صاحب کا بڈھ کی رات کو تہجد کے وقت غسل کا معمول رہا اور آپ اسی کو بطور وظیفہ حل مشکلات بتلایا کرتے تھے۔

ایک مجذوب کی کارکردگی

سائیں مجبزی نام ایک مجذوب، جو اس خاندان کے دامن گرفتہ تھے، اس واقعہ کے دوسرے روز پہاڑ سے اُتر کر حضرت پیر فضل دین کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے۔ "سب لوگ آپ کو مبارک باد دے رہے ہیں لیکن مجھے کوئی شاباش نہیں کہتا اور نہ میرے ہاتھوں کو مہندی لگاتا ہے، حالاں کہ یہ دیکھیے، صاحبزادے کی آگ بجھاتے بچھاتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔"

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ وہ شخص ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھا۔ موضع خان پور میں راجہ جہاں داد کے والد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی اور وہ اس مجذوب کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ سائیں مجبزی کنوئیں کے بہتے ہوئے پانی کو ہاتھوں سے اُچھال اُچھال کر کھیت میں ڈال رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا، سائیں کیا کر رہے ہو، تو جواب دیا، فلاں راجہ کے گھر پودا لگا رہا ہوں، اس کے کچھ عرصے بعد راجہ جہاں داد پیدا ہوا۔ بعد یہ راجہ صاحب کابل کے سفیر بن کر گئے تھے۔ اُن کی تقرری سے کچھ عرصہ پہلے سائیں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ دیکھو میرا گھوڑا کتنا تیز ہے، کابل کی دیواریں پھاند رہا ہے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا، تو ایک روز یہ سائیں، حضرت پیر سید فضل دین کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے "پیر جی! اب ٹوپ والے آگئے ہیں، ہم یہاں سے چلے۔" اس کے بعد وہ غائب ہو گئے اور انہیں پھر کسی نے نہ دیکھا۔

حضرت اچھی صاحب نے اپنے بلند اقبال اور قطب مدار نورِ نظر یعنی حضرت قبلہ عالم کے عروج کا زمانہ اپنی آنکھوں

سے دیکھا۔ آپؐ اندر انکسار اس آگ والے واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب تمہارے پر (یعنی قبلہ عالم) کی کرامت تھی، جو اُس وقت میری صُلب میں تھا۔ اُس کی وجہ سے مجھ میں عشقِ الہی کی ایک آگ بھڑکتی رہتی تھی، اتوں کو نوافل پڑھ پڑھ کر جب تھک جاتا تو کنوؤں سے پانی نکال کر قصبے کی تمام مساجد کے ستواؤں سے بھر آتا۔ مگر نیند پاس نہ پھٹکتی تھی اور نہ کسی کل قرار آتا تھا۔ جب تمہارے پیر کا نور اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہوا تو یہی کیفیت اُن کی والدہ کی ہو گئی۔ ساری ساری رات جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی رہتیں۔

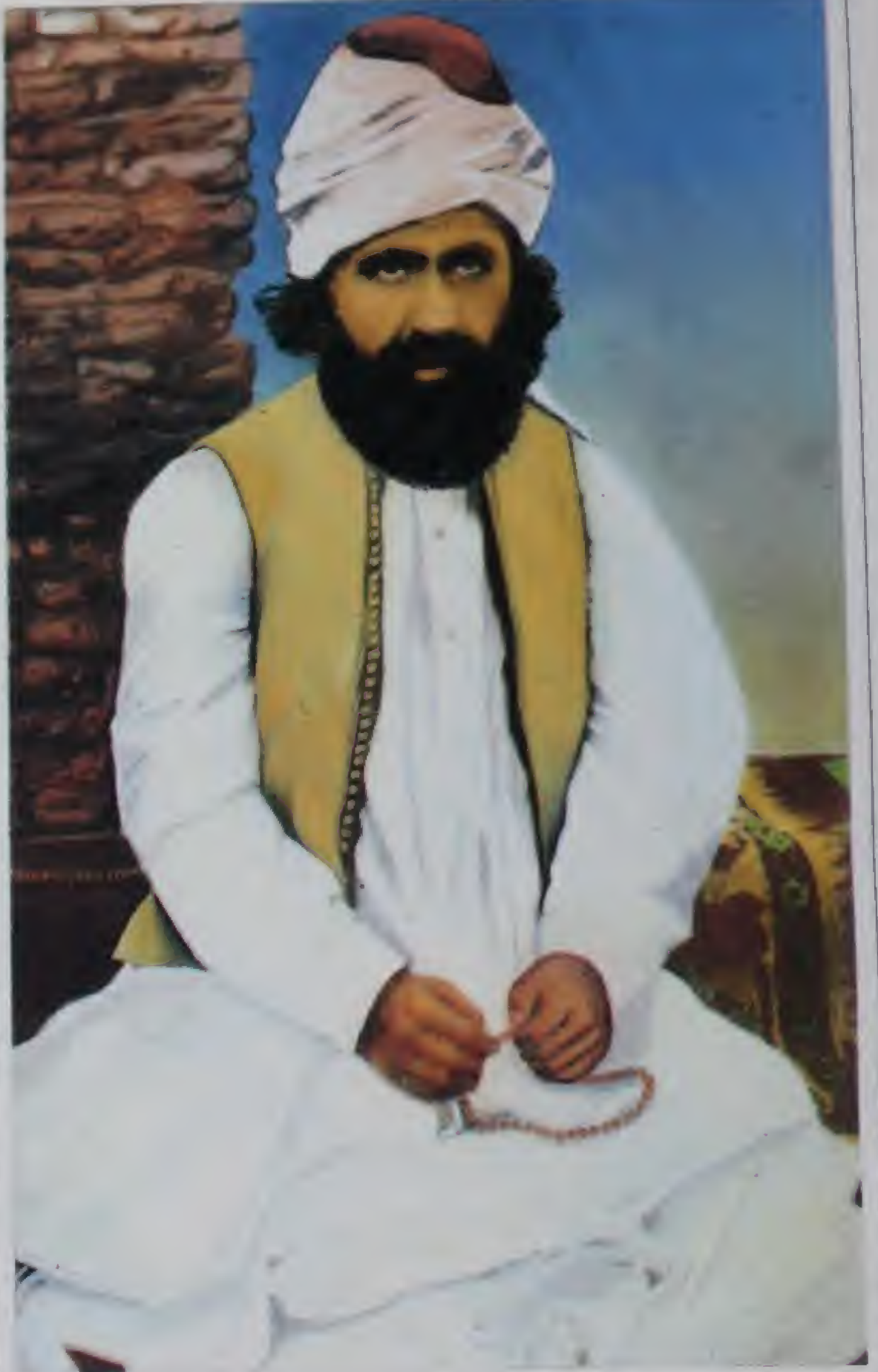
جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حضرت ابّی صاحبؑ کی شادی حسن ابدال کے گیلانی سادات کے خاندان میں ہوئی تھی جو حجرہ شاہِ نقیم ضلع ساہی وال کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤ الدین عرف بہاول شیر قندر گیلانی کی اولاد سے ہیں۔ حضرت بہاول شیر سیدنا غوث الاعظم کے صاحبزادے سید عبد الرزاقؒ کی اولاد میں سے ہیں اور نویں صدی ہجری کے قریب بغداد شریفین سے ہندوستان شریفین لائے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت قبلہ عالم والدہ اور والدہ دونوں طرف سے نجیب الطرفین گیلانی سید ہیں۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ پیر بہادر شاہ گیلانی کی دختر نیک اختر تھیں شجرہ ہائے نسب آغازِ باب میں دیئے جا چکے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابّی صاحبؑ سلسلہ طریقت قادریہ جدیہ میں اپنے مائوں حضرت پیر سید فضل دینؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے نورِ نظرِ فرزند (حضرت قبلہ عالمؒ) سے وصال حاصل کیے تھے۔ آپؐ کے اپنے ارادت مندوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ جن کی اولاد آج تک حصولِ قُربِ الہی و حلّ مشکلات کے لیے آپؐ کے مزار شریفین پر حاضری دیتی ہے۔ آپؐ کا مزار شریفین مسجد کے متصل مدرسے کی وسیع عمارت کے اندر واقع ہے۔ آپؐ کی وصیت تھی کہ میری قبر پر روضہ نہ بنانا اور مجھے مسجد کے قریب دفن کرنا کہ اذان کی آواز آتی رہے۔ حضرت قبلہ عالمؒ کا ارشاد ہے کہ اُن کو حضرت ابّی صاحبؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے اکھوتے فرزند حضرت سید غلام محی الدین المعروف بابو جی ادا م اللہ برکاتہ کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر دعوتِ ولیمہ وسیع پیمانے پر دینا۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالمؒ نے اس کی پوری طرح تعمیل کی۔ حضرت ابّی صاحبؑ نے نوے سال کی عمر میں ۲۴ رجب ۱۳۲۷ یعنی ۱۹۰۵ء میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت حضرت قبلہ عالمؒ کے علاوہ دو صاحبزادے پیر سید محمود شاہ اور پیر سید ولایت شاہ اور ایک صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت قبلہ عالمؒ کی عمر شریفین پچاس برس کے قریب تھی۔

حضرت ابّی صاحبؑ بلند اوصاف اور لطیف وارداتِ حال کے مالک تھے۔ آپؐ کی طبیعت میں غریب نوازی اور مظلوموں کی حمایت کا مادہ بوجہ اتم موجود تھا، کسی جابر شخص کی زیادتی کی شکایت پہنچتی تو فوراً اُس کے خلاف کمزور شخص کے حق میں صفِ آراء ہو جاتے۔ آخری عمر تک سخاوت، شجاعت اور سپہ گری کے اوصاف آپؐ کی ذات شریفین میں نمایاں رہے۔ آپؐ گھوڑے کی سواری کے بہت شائق تھے۔ اور ہمیشہ اچھے گھوڑے آپؐ کے زیرِ سواری رہے۔

باب دُوم

زمانہ طفولیت و کسبِ علم



حضرت سید پیر عمر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ



عبدالله بن محمد بن عبد الله
الشيخ الفقيه

زمانہ طفولیت و کسبِ علم

ولادت

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ قلم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان اپنی پہلی جنگ آزادی کے خونیں دور سے، جسے انگریز مورخین نے غدرِ دہلی کا نام دیا ہے، گذر کر مکمل طور پر انگریزوں کے پنجہ استبداد میں آچکا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ چکی تھی۔ اور دینِ اسلام کی ہدایت و علم کے روشن چراغ انقلابِ زمانہ کے پاتھوں یا تو گل ہو چکے تھے یا قید و بند کی صعوبتوں میں ایامِ حیات گزار رہے تھے، یا ترکِ وطن کر کے برصغیر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔

حسب فرمانِ قرآنی فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ (پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے) ہر ملک اور زمانہ میں ہماری شامتِ اعمال کے باعث تباہیوں اور بربادیوں کے تاریک دور کے بعد تجدید و احیاء دین کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی بستیاں پیدا فرمادیتے رہے ہیں جن کی خدماتِ قومی سے سلفِ صالحین کی یادیں تازہ ہو جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ جس وقت ایک غیر مسلم مغربی مادہ پرست قوم کے علم و اقتدار و نظریات کا عفریت مسلمانانِ ہند پر سوار ہو رہا تھا اور اس خطہ میں اسلامی شریعت و طریقت اور رُوحانیت کے لیے گونا گوں مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اسلامی اقدار کی سرشتی نظر آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ۚ وَاِنَّا لَآلِهَ الْغَافِقُونَ (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی یقیناً اس کی محافظت کرنے والے ہیں) کے مطابق ایسی پاک بستیوں کو عالم و جود میں لانا پسند فرمایا جن کی علمی اور رُوحانی قوت سے نہ صرف اسلام مادہ پرستی کے مسموم اثرات سے محفوظ رہا بلکہ مسلمانوں میں حیاتِ نو کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے جو بالآخر اس برصغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد حکومت کے منفیہ شہود پر آنے کا باعث ہوئے۔

شانِ مجددیت کی غمازِ تاریخیائے ولادت و وصال

حضرت قبلہ عالم کی تاریخِ ہائے ولادت و وصال علمِ الاعداد کی رُو سے مندرجہ ذیل الفاظ و جملوں سے اخذ ہوتی ہیں جو قطعات کی صورت میں درج ذیل ہیں:-

مجدد قرن الرابع عشر

۱۲۷۵ھ

مہر عالم چو گشت با رونق زو منور شدند مجلد طبق
چون تولد نمود ہاتھ گفت ہست این مظہر حبیب حق

۱۲۷۵

چون مہر علی آل غوث جلی شد پیدا آمد زود صدا
این مظہر اسد اللہ باشد این مظہر محی الدین بادا

۱۲۷۵

خواجہ مہر علی عالی جناب جامع علم و عمل شرع و کتاب
مولد او مخزن عشق حق است سن رحلت شمس فضل بالحجاب

۱۳۵۶

۱۲۷۵

امام حاکم بیہقی و ابوداؤد نے روایت کی ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی مرقات الصعود حاشیہ
ابوداؤد میں ذکر کیا ہے کہ اتفق الحفاظ علی تصحیحہ یعنی حفاظ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور وہ
حدیث یہ ہے :-

عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ
عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ
لَهَا دِينَهَا

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی
کے سرے پر ایسا شخص مبعوث فرمائیں گے جو اس کے
دین کی تجدید کرے گا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کرائس مائتہ سنۃ سے
مراد محدثین کے اتفاق سے صدی کا آخری حصہ ہے یعنی ایسی شخصیت کی ولادت صدی کے آخری حصہ میں ہونی چاہیے۔
اور اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ شخص علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و
تبلیغ سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے سنت کے زندہ کرنے میں اور بدعتوں کے ختم کرنے میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے
اختتام اور دوسری کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت اور اس سے لوگوں کو فائدہ معروف و مشہور ہو۔ لہذا اگر اس شخص
نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اور اس سے اس زمانہ میں احیائے شریعت نہیں ہوا تو اس کا نام مجددین کی فہرست
میں نہیں آئے گا۔

رأس مائتہ سنۃ (صدی کے سرے پر) کی تشریح کے لیے حضرت قبلہ عالم کے زمانہ کو امت مسلمہ کی ان دو
عظیم اور معروف ترین شخصیتوں کے سن پیدائش و وصال کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جن کے مجدد ہونے کو تمام عالم اسلام
تسلیم کرتا ہے۔

حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی — ولادت ۳۷۱ھ ، وصال ۵۶۲ھ

حضرت شیخ احمد مرہند می مجدد الف ثانی — ولادت ۹۷۱ھ ، وصال ۱۰۳۳ھ

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گوروی — ولادت ۱۲۷۵ھ ، وصال ۱۳۵۶ھ

اس سے لائیں مائتہ سَنَہ (صدی کے سرے پر) کی شرط کی وضاحت تو ہو جاتی ہے عِلْم و عرفان۔ تصنیف و تالیف۔ احیائے شریعت اور بدعت و الحاد کے خاتمہ کی تفصیل آئندہ صفحات سے واضح ہو جائے گی۔ صدی کے آغاز یعنی ۱۳۰۰ھ کے شروع میں آپ علوم ظاہرہ و باطنہ، شریعت، طریقت اور روحانیت کے اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جو اظہارِ شمس ہے۔ آپ کو اسی سال اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے خلافت عطا ہوئی۔ علمی شہرت کی یہ کیفیت تھی کہ اسلامی مدارس و مذاکرات میں کسی مقولہ کے ساتھ یہ کہہ دینا قال علامہ گولڑوی "یعنی علامہ گولڑوی نے فرمایا اُس کے مُستند ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ آئینہ کی ذات سے قادیانیت، خیریت، چکرا لوتیت اور متشدد وہابیت کے ساتھ ساتھ آلِ انڈیا کانگریس کی ہندوانہ اور کافرانہ سیاست کے خلاف اسلامیانِ ہند کی جو رہنمائی ہوئی وہ اب تاریخ کا جزو بن چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قادیانیت کے مقابلہ میں صرف آپ ہی کی ذات گرامی تھی جسے ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں نے بلا اختلاف اپنا قائد تسلیم کیا تھا۔ اس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے بھی کئی سال قبل از راہ کشف آپ کو مطلع فرمایا تھا کہ ہند و پنجاب کی سرزمین میں ایک زبردست فتنہ ظاہر ہو گا جس کا اسناد آپ کی ذات کے ساتھ مقدر ہے۔ اپنی کتاب "سیفِ چشتیانی" کے ابتدائی خطبہ میں حضرت قبلہ عالم نے ان الفاظ میں خود بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ قادیانیت کے خلاف تبلیغی جہاد ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ وہ الفاظ ذیل ہیں :-

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهُ الْعَالَمِينَ وَأَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَحَبِيبُهُ وَخَلِيلُهُ
خَاتَمُ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَاةِ
أَسْنَاهَا عَدَدَ عَلَيْهِ وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَرْكَهَا
مِلَّةَ حَلِيلِهِ وَعَلَى صَحْبِهِ الَّذِينَ أَوْوَدَّ نَصْرُهُ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ
سَيِّمًا مُحَمَّدٍ دَعَا دِينَهُ الْمَتِينِ الْهَارِ مِثْنِ
الْمُتَنَبِّئِ الْقَادِيَانِي فَأَلْقَا طُعِينًا عَنْ مَلَّتِهِ
الْوَتِينِ

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اور حضرت محمد اُس کے بندے اور رسول، حبیب، خلیل اور
خاتم النبیین ہیں۔ آپ اور آپ کی آل پر اللہ تعالیٰ کے علم کے
برابر ہندو ترین صلوٰۃ اور اُس کے علم کے برابر پاکیزہ ترین تسلیات
ہوں اور آپ کے اصحاب پر بھی جنہوں نے آپ کو جگہ دی
اور آپ کی نصرت کی نیز تاقیامت صلوات و تسلیات ہوں
اُن سب حضرات پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کی پیروی
کی بالخصوص آئینہ کی زمین متین کے مجددین پر جو متنبی قادیان
کو ہزیمت دینے والے اور اُس کے مذہب کی شرک کا ٹٹنے والے ہیں۔

چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا ہم عدد

ابجد کی روش سے سیدنا مہر علی شاہ کے اعداد ۸۶ نکلتے ہیں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعداد بھی ہیں۔ نیز
آئینہ کی تذکرہ بالا اسم گرامی سے اگر بطریق جفر حروف ی۔ الف اور ہ کو جو مکرر آتے ہیں حذف کر دیا جائے تو ۷۰ رست
سو (ستر) اعداد رہ جاتے ہیں۔ جو مجدد قرنِ رابع عشر (چودھویں صدی کا مجدد) کے حروف مکرر ہ۔ د۔ ر۔ ع حذف کرنے
کے بعد کے حروف کے اعداد ہیں۔

آمد آمد کی نوید

حضرت قبلہ عالم کی ولادت باسعادت کے متعلق آپ کے خاندان میں پہلے سے ہی بشارتیں چلی آتی تھیں۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ آپ کے والدین شریفین اور حضرت پیر سید فضل دین جو حضرت قبلہ عالم کے والد ماجد کے مانوں اور حضرت کے شیخ طریقت بھی تھے اور اُس وقت اس خاندان شریف قادریہ کی مسند ارشاد پر بھی جلوہ فگن تھے۔ اس امر پر مطلع تھے کہ اس گھر میں ایک نورانی چراغ روشن ہونے والا ہے۔ نیز آپ کی ولادت سے چند روز پیشتر ایک عمر رسیدہ مجذوب خانقاہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور عنقریب پیدا ہونے والے مقبول خدا کی زیارت کا ذکر کرتے تھے چنانچہ جب حضرت تولد ہوئے تو یہ مجذوب حرم سرائے کی ڈیوڑھی میں پہنچے اور آپ کو باہر مگوا کر ہاتھ پاؤں چومے اور رخصت ہو گئے۔ سچ ہے مقبولان خدا بنتے نہیں بنائے جاتے ہیں۔

اسے معلوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے

حضرت قبلہ عالم ابھی چار سال کی عمر کو نہ پہنچے تھے اور عربی کا پہلا قاعدہ پڑھتے تھے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر سید فضل دین نماز ظہر کی تیاری کے سلسلہ میں باہر تشریف لے گئے تو آپ کو خانقاہ سے باہر والی جھاڑیوں میں قاعدہ لیے سوتے پایا۔ جگہ سایہ دار نہ تھی اور زمین تمازت آفتاب سے تپ رہی تھی۔ بڑے پیر صاحب نے اُسی وقت اپنے چھاتہ سے ان پر سایہ کیا اور اٹھوا کر گھر بھجوانے کے لیے خادم کو بلا بھیجا۔ جب تک خادم نہ آیا آپ سایہ کیے کھڑے رہے اور منہ مایا یہ ابھی معلوم ہے اسے معلوم نہیں کہ ایک روز یہ کیا ہونے والا ہے۔

بچپن میں عشق الہی کی سرگرمیاں

حضرت قبلہ عالم فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں مجھے آبادی سے ایک نہ و حشت اور دیروں میں جی لگنے کا احساس ہوتا تھا میں ابھی اتنا چھوٹا تھا کہ گھر کے دروازوں کی اندروالی درمیانی زنجیر تک میرا ہاتھ نہ پہنچتا تھا اور میں بغیر کسی چیز پر کھڑے ہوتے اُسے کھول نہ سکتا تھا۔ اس لیے شام کے وقت ایک چٹو کو دھکیل کر دروازہ کے قریب رکھ دیتا اور رات کو جب الدین سو جاتے تو اُس چٹو پر چڑھ کر زنجیر کھول کر باہر نکل جاتا اور رات کا بیشتر حصہ سامنے والے پہاڑی نالہ کے کھڈوں اور جھاڑیوں میں گزارتا۔ کبھی ساتھ والے جنگل میں پھرتا رہتا۔ جب ذرا بڑا ہوا تو اس وحشت کے ساتھ ساتھ طبیعت میں گرمی اور جدت اس قدر زیادہ ہو جاتی کہ سخت سردی کے ایام میں بھی بعض اوقات نالے کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرتا اور نچ بستہ یعنی جھے ہوئے پانی کے ٹکڑوں کو جسم پر پلا کرتا۔ کبھی کافی رات گئے مطالعہ سے فارغ ہو کر کمرہ سے باہر نکلتا تو موسم سرما کی سرد پہاڑی ہوا کے جھونکوں سے ایسی تسکین ہوتی جیسے گرمیوں میں کسی تشنہ کام کو آبِ مخمک سے ہوتی ہے۔

سات برس کی عمر میں بحالت خواب ابلیس سے قوت آزمائی

سینچ ہشتیانی اور مخلوقات جنہاں میں مرج سے کہ سات برس کی عمر میں آپ کی خواب میں شیطان سے قوت آزمائی ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خواب میں شیطان نے مجھے کہا کہ تو میرے ساتھ کشتی لڑو جب میں اُسے گرانے کے قریب ہوتا تو دل میں غمشی پیدا ہوتی کہ میں خواب آ رہا ہوں مگر چاہے غم بدل جاتا اور جب وہ مجھے گرا لینے کے قریب ہوتا تو توبہ الہی سے میری زبان پر لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم جاری ہو جاتا اور وہ مغلوب ہونے لگتا۔ تین چار مرتبہ اسی طرح ہوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں اُسے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔

ابتدائے تعلیم

آپ کو شہر آن کریم پڑھنے کے لیے خاندان کے درس میں اور اردو فارسی کے لیے مدرس میں داخل کیا گیا۔ عمر اتنی کم تھی کہ خادم اٹھا کر آپ کو لے جاتا اور واپس لاتا۔ مدرسہ کے طبیار نے راولپنڈی جا کر امتحان دیا۔ آپ کو طبعہ چوکیدار اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گیا۔ فہمیں انگریز تھا۔ اُس نے سب سے پہلے آپ پر ہی سوال کیا کہ باید کا مصدر کیا ہے آپ نے صحیح جواب دیا۔ فہمیں نے ساری جماعت کو یہ کہہ کر پاس کر دیا کہ جب اس قدر کم سن بچہ ایسا صحیح جواب دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد کی تعلیم اچھی ہے اور پوری جماعت لائق ہے۔

قرآن ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا

حافظ کی یہ حالت تھی کہ قرآن مجید کا روزانہ سبق آپ زبانی یاد کر کے یعنی حفظ کر کے سُنا دیا کرتے تھے جب قرآن مجید ختم کیا تو اُس وقت سارا قرآن آپ کو بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔ عربی، فارسی اور صرف و نحو کی تعلیم کے لیے بڑے پیر صاحب نے علاقہ بکھلی (ہزارہ) کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر فرمایا تھا جنہوں نے آپ کو کافی تک تعلیم دی۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز استاد صاحب نے پوچھا کہ مطالعہ کر کے آتے ہو یا نہیں؟ مجھے اُس وقت تک لفظ مطالعہ کا صحیح مطلب معلوم نہیں تھا میں سمجھا مطالعہ زبانی یاد کرنے کو کہتے ہیں اس لیے اگلے روز تمام سبق زبانی سُنا دیا تو استاد صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔

مادر زاد ولایت پر کریم خوردہ کتاب کی شہادت

ایک مرتبہ مولوی غلام محی الدین صاحب نے زیر سبق کتاب قطر الندا کے ایک ایسے حصہ کی عبارت یاد کرنے کی ہدایت کی کہ کریم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جاسکتی تھی جب آپ نے مُذکر کیا کہ جو مضمون کتاب میں موجود ہی نہیں اسے کیسے یاد کیا جاسکتا ہے تو مولوی صاحب نے غالباً آپ کے مادر زاد ولی ہونے کی شہرت کی تصدیق کی غرض سے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اگر کل یہ عبارت یاد نہ ہوئی تو سزا ملے گی حضرت فرماتے تھے کہ میں آبادی سے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر

مطالعہ وغیرہ کیا کرتا تھا۔ میں نے وہاں بیٹھ کر کتاب کے کرم خوردہ حصہ کو سمجھنے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر سر اٹھا کر کہا: یا اللہ، تجھے تو معلوم ہے کہ یہ عبارت کیا ہے۔ اگر تو مجھے بتا دے تو میں استاد کی سزا سے بچ جاؤں گا۔ یہ کہنا تھا کہ اچانک درخت کے پتوں میں ایک سبزی بایل عبارت نوادر ہوئی جسے میں نے حفظ کر لیا۔ تو وہ غائب ہو گئی۔ میں نے اسی وقت جا کر وہ عبارت استاد صاحب کو سنا دی۔ انہوں نے کچھ شبہ کا اظہار کیا تو میں نے کچھ افشاکیے بغیر کہا کہ مجھے اس کے صحیح ہونے میں اس قدر یقین ہے کہ اگر اس کتاب کا مصنف بھی قبر سے نکل کر آجائے اور کہے کہ یہ غلط ہے تو میں مانوں گا۔ چنانچہ استاد صاحب اس کی صحت کے لیے اسی روز راولپنڈی گئے اور ایک مکمل نسخہ سے میری بتلائی ہوئی عبارت کو صحیح پاکر واپس آکر جلد حیرانی اس کی صحت کا اعتراف کیا۔

موضع بھوئی کے رس میں داخلہ

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی غلام محی الدین نے بڑے پیر صاحب اور حضرت اجمی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ کو ایسا ذہن رسا اور اعلیٰ دماغ عطا فرمایا ہے کہ ہر سبق حفظ سنا دینے کے علاوہ بعض اوقات ایسے دقیق سوالات کرتا ہے کہ ان کا جواب دینے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اب اس کی تعلیم کا صحیح حق ادا نہیں کر سکتا۔ اسے کسی بڑے فاضل استاد کے پاس ہونا چاہیے۔ ان ہر دو حضرات کا خیال تھا کہ آپ کو صاحبزادگی کے ماحول سے دور رہ کر تعلیم پانا چاہیے۔ خود آپ کو بھی باہر جا کر ایک عام طالب علم کی طرح حصول تعلیم کا شوق تھا۔ لہذا گولڑہ شریف میں نحو پڑھ کر اسی کم سنی کی حالت میں موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال جا کر فاضل اہل جناب مولانا محمد شفیع قریشی کے درس میں داخل ہو گئے۔ اس عمر میں بھی طبیعت کا رنگ یہ تھا کہ فرماتے ہیں اُس نواح میں تین مشہور درس جاری تھے۔ جب میں ان میں سے کسی ایک درس کو پسند کرنے کے خیال سے اُدھر جا رہا تھا تو راستہ میں ایک ٹیلہ کے پاس سے تینوں طرف راستے پھوٹتے تھے۔ میں نے اُس ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھا تو ہر سہ جانب عورتوں نے کپڑے دھو کر دھوپ میں ڈالے ہوئے تھے۔ دو جانب کے کپڑوں کے رنگ مختلف تھے مگر بھوئی کی سمت والے کپڑے تمام کے تمام سفید تھے۔ جس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ اُدھر اُجلا پن اور نورانیت زیادہ ہے۔ چنانچہ بھوئی کے درس میں آپ نے دو اڑھائی سال میں رسائل منطق قطبی تک اور نحو اور اصول کے درمیانہ اسباق کی تعلیم حاصل کی۔

بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ

بھوئی میں آپ کا ایک طالب علمانہ مناظرہ بہت مشہور ہے۔ جس کی وجہ سے اس کم عمری میں بھی آپ کو اُس نواح میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ بھوئی کے قریبی گاؤں بجاڑ میں ایک شخص فوت ہو گیا۔ اُس وقت کے دستور کے مطابق میں نے ارد گرد کے معززین، عوام اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کو ختم قرآن و ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں مدعو کیا۔ اس دوران میں بھوئی اور گڑھی افغاناں کے طالب علموں میں کسی علمی مسند پر بحث چھڑ گئی۔ لوگ حلقہ باندھ کر سوال و جواب سننے لگ گئے۔ حضرت باہر تھے جب وہاں پہنچے تو بوجہ کم سنی مجمع کے اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ ایک شخص سے کہا مجھے اٹھا کر لوگوں کے دائرہ کے اندر پہنچا دو۔ اُس نے کہا وہاں ڈاڑھیوں والے طلباء بحث کر رہے ہیں۔ تم بچے ہو کیا کر لو گے۔ آپ نے اصرار کیا

تو اُس نے اٹھا کر آپ کو مجمع کے اندر حلقہ مناسفہ میں کھڑا کر دیا۔ اُس وقت گڑھی افغاناں کے درس کے دو فارغ التحصیل طلبہ آج ہندوستان میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے گئے ہوئے تھے اور اُن دنوں تعطیلات پر آئے ہوئے تھے۔ بھوئی کے طلبہ اس سے سوال و جواب کر رہے تھے اور اپنی فضیلت کے باعث اُن پر چھائے ہوئے تھے۔ حضرت نے پہنچتے ہی شافیہ کی عبارت — قال الخلیل الاشیاء افعال و قال الفراء لفعاء — پڑھی اور سوال کیا کہ حسب قاعدہ قال کا مقولہ مجملہ ہوا کرتا ہے یہاں قال الفراء لفعاء میں قال کا مقولہ مفرد ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مگر اُن میں سے کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد آپ نے اُن سے منطق کا سوال کیا کہ تصدیق مرکب ہے یا بسیط؟ انہوں نے جواب دیا کہ امام رازی کہتے ہیں میں مرکب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بقول امام رازی تصدیق مرکب ہے تو مقولات قبائینہ سے ترکیب کا اشکال وارد ہوتا ہے جن سے مرکب چیز محض اعتباری ہوتی ہے واقعی نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ آپ نے کہا سند پیش کرو۔ انہوں نے قاضی مبارک کی عبارتیں نوک زبان پڑھا شروع کر دیں۔ جب وہ ایک عبارت ختم کرتے تو آپ کہتے اس سے رفع اشکال کیسے ہوا۔ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکتے اور کوئی دوسری عبارت پڑھ دیتے۔ آپ پھر وہی سوال دہراتے جب دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو اساتذہ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ جیت گئے اور لوگوں نے تائیاں بجانا شروع کر دیں۔ اس شکست پر گڑھی افغاناں کے لوگوں نے اپنے طالب علموں کو بہت شرمسار کیا جس پر وہ اس قدر طیش میں آئے کہ بھوئی میں انوا پھیل گئی کہ گڑھی افغاناں کے طلبہ نے اس بچے کو رات کے وقت اٹھا لے جانے کی سازش کی ہے۔ چنانچہ کئی روز تک بھوئی والے آپ کی حفاظت کے لیے راتوں کو پہرہ دیتے رہے۔

عید گاہ ماغریبِ سال کوئے تو

آپ بھوئی کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر گھر پہنچے تو عید الفطر کا موقعہ تھا۔ حضرت اچھی صاحب کو سواری کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر شاہ سواری سے موقعوں پر نیزہ بازی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے بعد جب لوگ اکٹھے ہونا شروع ہوئے تو آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ عید کی خوشیوں کا منظر دیکھنا چاہتے ہو یا دوست سے ملاقات کی تدبیر کا خیال ہے۔ دل نے جواب دیا۔ دوست سے ملنے کی خواہش ہے۔ لہذا موقع انگہ علاقہ نوشہرا ضلع شاہ پور کے مشہور و معروف درس میں دانفہ کے خیال سے گھر سے نکل پڑا۔ وہاں میرا ایک بھوئی کا ہم مکتب فقیر نادر دین پہلے ہی داخل ہو چکا تھا وہ رات میں نے میکی ڈھوک کی مسجد میں بس کی۔ صبح اُس مسجد کے امام مولوی محمد حسن اپنے صاحبزادے کو مسجد میں شرح جامی پڑھاتے رہے اور مجھے بھی شریک سبق ہونے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ میرا ارادہ انگہ جانے کا ہے۔ لہذا رخصت ہوا۔

یہ جواب یہ ہے کہ اولاً یہاں قال بمعنی قطع آیا ہے اور یہاں قال بمعنی لفظ آئے وہاں مقولہ مفرد ہوتا ہے (بحوالہ حاشی شرح جامی) ثانیاً یہاں جملہ الاشیاء مفرد ہے بقدریہ سابق۔ (مؤلف)

درس انگہ میں شمولیت

موضع انگہ علاقہ سون ضلع شاہ پور سرگودھا میں گولڑہ شریف سے تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ وہاں پہنچ کر فقیر نادر دین کے ذریعہ اُستاد صاحب مولوی سلطان محمود سے متعارف ہوئے۔ فقیر نادر دین حضرت سے عمر میں بڑا تھا۔ اور جب آپ ابتدائی کتب یعنی قطبی وغیرہ پڑھ چکے تھے تو فقیر نادر دین نے معقول کی تمام کتابیں ختم کر لی تھیں۔ مولوی سلطان محمود نے پوچھا کہ آپ کیا پڑھیں گے۔ تو فقیر نادر دین نے اُن کی کم عمری اور بھوئی کے ایام تعلیم کے خیال سے کہا کہ انہیں معقول کا کوئی چھوٹا سا رسالہ شروع کرا دیجئے۔ حضرت نے فقیر نادر دین سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ وہ اُس وقت صدرؔ یعنی شرح ہدایت الحکمت مصنفہ صدر الدین شیرازی پڑھ رہا تھا اس لیے تعجب یا شائد طنز کے انداز میں بولا کہ کیا میرے ساتھ ہم سبق ہونے کا خیال ہے، میں تو صدرؔ پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں بھی صدرؔ پڑھوں گا۔ حضرت اُستاد کو تعجب تو ہوا مگر اس سبق کی شرکت کے دوسرے تیسرے روز ہی اُن پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس کتاب کو پڑھنے کی استعداد آپ میں فقیر نادر دین سے کہیں زیادہ ہے۔

ہم درس کا احساس کمتری

فقیر نادر دین پر آپ کی ذہانت اور قابلیت کے کمال کا احساس کچھ اس شدت سے غالب ہوا کہ احساس کمتری کا شکار ہو کر ڈاڑھی منڈوالی اور انگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں اُس نے رام پور کے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا عبدالحق ابن مولانا فضل حق خیر آبادی سے معقول کی کتابوں کی تکمیل کی اور وہیں مدرسہ رام پور میں ملازمت اختیار کر لی۔ پھر مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن میں ملازم ہو کر اعلیٰ عہدہ پر پہنچا اور وہیں انتقال کیا اُس نے اپنی یادگار اُردو کا ایک رسالہ چھوڑا ہے جو اثبات ہیولی اور اثبات جبل بیط پر لکھا تھا۔ حضرت خیر آبادی کی جو تقریریں ان مشکل مباحث پر ہوتی رہی تھیں، یہ رسالہ اُن ہی مضامین کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔

موروثی جود و ایثار کا مظاہرہ

انگہ میں حضرت کو جو خرچ گھر سے ماہوار پہنچتا تھا آپ اُسے نادار طلباء میں تقسیم فرمادیتے اور خود عموماً روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ شدید اشتہا کی صورت میں طلباء کے جمع کردہ ٹکڑوں میں سے کچھ ترساول فرمالیتے۔ آپ کے اس جود و سخا و ایثار اور ریاضت مجاہدہ کو دیکھ کر وہاں کے لوگ اور طلباء آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ حضرت نے اس کم عمری کی حالت میں ہی ریاضات و مجاہدات کو اپنا معمول بنالیا تھا جس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔

تم قصیدہ پڑھو میں قصیدہ والے کو بلاتا ہوں

اس نواح میں قصیدہ غوثیہ شریف کے ایک عامل نے لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ اور وجاہت قائم کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ اسے دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور دست بوسی کرتے تھے ایک روز وہ شخص انگہ کی مسجد میں آیا۔ سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے مگر حضرت بیٹھے رہے۔ اُس نے چہیں چہیں ہو کر کہا۔ "اولڑ کے، کیا تو مجھے نہیں جانتا، پڑھوں قصیدہ؟ آپ

نے فرمایا تم قصیدہ پڑھاؤ اور میں قصیدہ والے کو بھاتا ہوں، ان الفاظ سے حامل صاحب پر ایک خاص کیفیت جاری ہو گئی۔
انہوں نے محذرت کہاں آپ کے پاؤں کو چھو کر۔

ایک سیب زدہ مسجد کو دارالوظائف قرار دینا

انگو کی آبادی سے کچھ فاصلہ پر ایک ایسی مسجد سیب زدہ اور جنات کے مسکن کے حور پر مشہور تھی۔ اور کوئی شخص بھی
شام کے بعد اُدھر کا رخ نہ کرتا تھا لیکن آپ ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد وہیں جا کر وظائف میں مصروف ہو جاتے یہاں تک کہ
واپس اگر طالعہ اسباق و کتب میں مہلک ہوتے۔ فرماتے تھے اُس مسجد میں جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں بعض وظائف
بآواز بلند پڑھا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ بے آرام نہ ہوں۔

جرات و رحم دلی کا مظاہرہ

ایک خدا آپ کے ساتھ عمر کے طعنے لگنے کے پاؤں میں درم آگیا۔ جس پر باندھنے کے لیے انڈے کے تلوں کی ضرورت تھی۔
آپ انگو سے کچھ فاصلہ پر پہاڑیوں میں سے انڈے کے پتے اکٹھے کر کے ایک ڈومال میں باندھ کر لا رہے تھے کہ راستہ میں دو
بھینٹوں نے ایک گدھی کو گھیر کر لیا۔ اُس کا بچہ بے حسنی سے بھائے جان بپا کر بھاگ جانے کے اپنی ماں کے ارادہ کر دیا گئے اور
چکر کاٹنے لگ گیا۔ آپ نے دیکھا تو بے اختیار دوڑ کر وہاں جا پہنچے اور ڈومال میں بندھے ہوئے پتے بھینٹوں کے منہ پر گدھی
کو چھڑانے کے لیے مارنے لگ گئے۔ چند کسان کچھ فاصلہ پر مل چلا رہے تھے۔ انہوں نے چاکر آپ کو روکنا چاہا اور جلد ہی
بھاگ کر وہاں پہنچ بھی گئے مگر اس شہر میں بھیرے گدھی کو معمولی زخمی کر کے بھاگ گئے تھے۔ کسانوں نے آپ کو کہا کہ جب
دندہ شکار پر ہو تو اُس کے اور اُس کے شکار میں مداخلت کرنے کی کبھی غلطی نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے انسان پر بھی حملہ کرنے
سے نہیں بچو گت اور پھر آپ تو ابھی بالکل بچے ہیں۔ آپ نے کہا مجھ سے گدھی کے بچے کی حالت نہیں دیکھی گئی جو ماں کی محبت
میں اپنی جان کی پروا نہ کئے بغیر بے قراری سے اُس کے ارد گرد ہی بھاگتا رہا۔ اس کے بعد آپ گدھی اور اُس کے بچے کو ہانک کر
بمخاطبت گاؤں میں لے آئے۔ اگلے روز جمعہ تھا اور مولانا سلطان محمود نے وعظ کے دوران اپنے کلمہ شاکرہ کی خدا ترسی پر
ایثار و جرات کا تذکرہ کیا جو کافی عرصہ زبان زد عام و خاص رہا۔

خلوت میں جلوت

حضرت کی طبع مبارک پر ابتداء سے ہی عشق الہی کا رنگ غالب تھا۔ جماع آگ پر تیل کا کام کرتا تھا۔ آپ خود بھی نہایت
خوش آواز تھے اور خوش آوازی سے شریذ پر بھی بے حد جوتے تھے۔ آپ کی مام گفتگو بھی اس قدر شیریں اور درد انگیز ہو ا کرتی تھی کہ
سننے والوں کے دلوں میں کیفیت کے طوفان اُٹھ اُٹھتے تھے۔ اُن ایام میں آپ اکثر جنگل اور دیوانوں کو نکل جاتے اور
بآواز بلند عشقیہ اور درد انگیز اشعار پڑھا کرتے آپ کے ہم درس طلباء اور گاؤں کے باقی لوگ بھی بالخصوص انگو کے مہر دار میاں
علی اکبر آپ کی لاطمی میں ایسے مواقع سے لطف اندوز ہونے کے ہمیشہ مشتاق و منتظر رہتے۔

ایک عابدہ مائی کی پیشین گوئی

ایک دفعہ جمعہ کی رات کو ایک کمرہ میں خفیہ طور پر قوالی کا اہتمام کیا گیا اور آپ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اگلے روز استاد صاحب کے پاس شکایت ہو گئی۔ جنہوں نے باقی طلباء کو تو ذرا سختی سے زبرد تو بیچ کی مگر حضرت کو نرم انداز میں سمجھایا۔ مسجد کے قریب ہی ایک عابدہ مائی رہتی تھیں جو حضرت سلطان باہو کی حضوری سے مشرف تھیں انہوں نے سُن کر کہا کہ آج تو حافظ سلطان اس سید زادے کو ٹوک رہے ہیں اگل جب ان کے مقام اور مرتبے سے آگاہ ہوں گے تو اس کے پاؤں چومیں گے یہ نہایت ہی صاحب کمال پتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اور ہر لمحہ اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں خدا کی شان اس پیش گوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ جب آپ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے مجاز ہوئے تو ایک مرتبہ عرس سیال شریف کے موقع پر مولینا سلطان محمود نے آپ کو انگوٹھ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ عرس کے بعد آپ گھوڑے پر سوار استاد صاحب کے ہمراہ انگر واندہ ہوئے۔ راستہ میں ایک محنت پر استاد صاحب اپنے گھوڑے سے اترے، اور پیادہ پا ہو کر حضرت کے گھوڑے کے آگے دوڑنے لگے اور آپ کو تاکید اسوار رہنے کا حکم دیا کہ اگر اس کے خلاف کیا تو جحش گردی کے خلاف تصور کروں گا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں سخت شرمندہ تھا مگر قدر درویش برجان درویش تعمیل حکم کی۔ آخر کچھ فاصلہ اسی طرح طے کرنے کے بعد حضرت کے استاد گھوڑے پر سوار ہو گئے اور فرمایا کہ ایک دفعہ اثنائے سفر سیال شریف اس مقام پر ہی مسافت آپ نے میرے گھوڑے کے آگے دوڑ کر طے کی تھی جس کا میرے دل پر سخت بوجھ تھا اور میں اسے بے ادبی محسوس کرتا رہا۔ الحمد للہ کہ آج اس کی تلافی ہو گئی۔

پھر انگوٹھ پہنچ کر استاد صاحب نے احادیث صحاح ستہ کی تمام کتب کے چیدہ چیدہ حصے سنا کر حضرت سے اجازت حدیث حاصل کی اور آپ کے حسب ارشاد تازیت حدیث شریف ہی پڑھاتے رہے اور منطق و معقول کی تدریس ترک کر دی۔

تعلیم و سلم میں انہماک

حضرت کو تعلیم و سلم میں اس قدر انہماک تھا کہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے درجہ کے طلباء کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ موسم سرما کی طویل راتیں عشا کی نماز کے بعد مطالعہ میں ہی گذرتیں حتیٰ کہ اُسی حالت میں صبح کی اذان ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلباء کی اتنی کثرت ہو گئی کہ آپ نے انکو کا قیام ترک کر کے شکر کوٹ میں رہائش اختیار فرمائی۔ دن کے وقت انگوٹھ میں اپنی تعلیم حاصل کرتے اور شام کو شکر کوٹ جا کر طلباء کو درس دیتے۔

بلانے والے کو سلیقہ ہو تو اہل برنخ جواب دیتے ہیں

حافظ غلام احمد سکسٹھ پانچ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چک نمبر ۷ ضلع سرگودھا میں رونق افروز تھے کہ سماء سماع موتی پر ذکر چھڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بلانے والے کو بلانے کا سلیقہ ہو تو اہل برنخ ضرور سنتے ہیں انگوٹھ کے ایام طالب علمی میں میں "یا شیخ عبد القادر جیلانی" پکارتا تھا تو تیسری پکار پر جواب آتا تھا کہ میں نے سُن لیا ہے تم اپنا کام شروع کرو۔ حضرت کی ایک تحریر سے اس لفظ سلیقہ کا مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ پکارنے والے کو اہل برنخ سے خصوصی

نسبت ہونا چاہیے۔

ایک قادی فقیہ کے محبت بھرے جملہ کا حضرت پر اثر

حضرت نے اپنی تصنیف لطیف اعلیٰ کلمۃ اللہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جن دنوں میں بطور طالب علم انگہ میں مقیم تھا۔ ایک عمر رسیدہ اور مسافر بزرگ شکر کوٹ میں رہا کرتے تھے۔ آپ کا نام بابا نور ماسی مشہور تھا۔ قادی سلسلہ میں حضرت شیخ محمود عسکری کے دست حق پرست پران کی بیعت تھی۔ ہر مہینہ کی گیارہویں کو ایک بکر ایا دُنہ خود پال کر جناب غوث الاعظم کے ختم شریف کے لیے ذبح کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی حلوہ و روٹیاں پکا کر فقراء میں تقسیم کرتے۔ اس نیاز مند خادم الاولیاء کو خاص اصرار اور اہتمام کے ساتھ شریک دعوت فرماتے اور میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بغیر میری استدعا کے مجھے شغل پاس انفاس کی اجازت فرمائی۔ ایک روز میں شکر کوٹ سے انگہ جا رہا تھا کہ راستہ میں دُور سے میں نے انہیں اُس دُنہ کو چراتے اور اُس کے ساتھ کھیلنے دیکھا جسے وہ گیارہویں شریف کے ختم کے لیے پال رہے تھے۔ باوجود سفید ریش بزرگ ہونے کے ازراہ محبت و فرط شوق کبھی اُسے کندھے پر اٹھاتے اور کبھی زمین پر کھڑا کر دیتے۔ میں نے قریب جا کر سنا تو کہہ رہے تھے، اویسے محبوب یا لیلیا۔ اس جملہ میں محبت و شوق کا ایک ایسا طوفان تھا کہ دل بے حد متاثر ہوا اور خیال آیا کہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کے مطالعہ میں وقت بسر کروں گا اور تدریس وغیرہ ذکر وں گا جب ذرا آگے ہو کر اُن سے ملنے کے لیے بڑھا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے، پیر صاحب، جو شخص علم پڑھ کر تعلیم نہیں دیتا وہ ایسا ہے جیسے درخت بے ثمر۔ یہ بات کر کے پھر اُس دُنہ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ اُن کو حضرت غوث الاعظم کے ساتھ قوی رابطہ تھا۔

استاد محترم کی معیت میں سیال شریف کی حاضری

حضرت کے استاد مولانا سلطان محمود انگوئی کی بیعت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی، نظامی، فخری، سلیمانی قدسہ سے تھی۔ وہ سال میں کئی بار سیال شریف ضلع سرگودھا، اپنے پیرو مشد کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ سیال شریف انگہ سے بائیس کوس کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے شرعی کنارے پر واقع ہے۔ راستہ میں کئی مقامات پر قیام کرتے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ حضرت قبلہ عالم ہمیشہ استاد صاحب کے ساتھ جاتے تھے اور حضرت اعلیٰ سیالوی بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آخر حضرت نے سلسلہ چشتیہ میں ان ہی سے بیعت کی جس کا مفصل ذکر اپنے موقع پر آئندہ ابواب میں آئے گا۔

بہند و ستال داد خواہم لگام

تقریباً اڑھائی سال انگہ میں تسلیم حاصل کرنے کے بعد جب آپ واپس لوٹے تو درس نظامی سے صرف سلسلہ معقول ارباضی اور فقہ کی آخری کتب اور حدیث شریف میں صحاح ستہ اور تفسیریں بیضاوی وغیرہ باقی رہ گئی تھیں۔ ان کتابوں کی تعلیم کے لیے اُن دنوں عام طور پر طلباء بہند و ستان کے مدارس کا رخ کرتے تھے۔ آپ نے آئندہ تسلیم کے سلسلہ میں ایک روز سکندر نامہ سے قال لی تو یہ شعر نکلا:

ہم ملک ایران مراشد متام بہ ہندوستان داد خواہم لگام
چنانچہ غالباً ۱۲۹۰ھ کے قریب یعنی فقط پندرہ سال کی عمر میں آپ ہندوستان روانہ ہو گئے۔

مولینا احمد حسن محدث کانپوری سے ملاقات

سب سے پہلے آپ کانپور میں مولینا احمد حسن محدث کے پاس پہنچے وہ مفرج کے لیے تیار بیٹھے تھے، فرمایا، میاں صاحب زاد
میں آج سے آٹھویں روز حج پر روانہ ہو رہا ہوں، اس عرصہ میں دو چار سبق اگر پڑھ بھی لو گے تو اس سے کیا ہوگا چنانچہ آپ
وہاں سے ٹوٹ کر علی گڑھ مولینا موصوف کے استاد حضرت مولینا لطیف اللہ کے درس میں داخل ہو گئے۔

کافی عرصہ بعد جب قبلہ عالم کے علمی و روحانی کمالات کی شہرت ہوئی تو مولینا احمد حسن بہت متاثر ہوئے کہ کاش آپ
کو ایک آدھ سبق ہی پڑھا دیا ہوتا۔ آپ کی تصانیف ملاحظہ کر کے، بالخصوص قادیانی معرکہ کے بعد جب حضرت کے علم و کمال کا
چار دانگ شہرہ ہوا تو مولینا نے اس حسرت کی تلانی اس طرح کی کہ پیرانہ سالی میں محض آپ کی زیارت کے لیے پاک پتن شریف
کا سفر اختیار کیا۔ حضرت کی خدمت میں رہنے والے دو علمائے کرام جناب مولینا محمد غازی و جناب قاری عبدالرحمن جو نپوری
حضرت مولینا احمد حسن کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ مولینا نے حضرت سے ملاقات کی تقریب
پیدا کی اور ایک سال جب آپ عرس حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز پر پاک پتن شریف میں تھے مولینا احمد
بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور جس وقت حضرت قبلہ عالم مزار شریف کی زیارت کے بعد خانقاہ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی میٹھیاں
چڑھ کر کھلی جگہ پہنچے تو مولینا حضرت کے سامنے آکر اچانک اُن کے قدموں کی طرف جھک پڑے۔ حضرت دیوان سید محمد صاحب
سجادہ نشین پاک پتن شریف اور علما و فقہاء کا ایک جم غفیر حضرت کی محبت میں تھا۔ علاوہ ازیں عوام کا ازدحام حضرت کے پیچھے
پیچھے تھا۔ کسی نے حضرت کے کان میں کہہ دیا کہ یہ مولینا احمد حسن کانپوری ہیں۔ آپ نے فوراً مولینا کو اٹھایا اور بغل گیر ہوئے۔ پھر
ساتھ لے جا کر اپنی جائے قیام موتی محل کے نزدیک اُن کی رہائش کا انتظام فرمایا۔ مولینا ہر روز صبح آپ کے پاس آتے اور
مذہبانہ دروازہ کے باہر ہی بیٹھ جاتے۔ حضرت فوراً اٹھ کر اُنہیں اندر لے آتے اور اپنے برابر مصلیٰ پر بٹھانا چاہتے۔ مگر مولینا
برپاس آداب معذرت کرتے تو آپ خود بھی مصلیٰ بٹھا کر اُن کے برابر بیٹھ جاتے۔ دیر تک علمی اور روحانی گفتگو کا سلسلہ رہتا۔
ایک روز مولینا نے کہا: قبلہ میری تصنع کی عادت نہیں، جہاں دل مانتا ہے، وہیں سر جھکاتا ہوں، میں تو آپ کی دید کو عبادت
سمجھ کر حاضر ہوا ہوں۔ مجھے حسرت ہے کہ کاش میں آپ کو ایک سبق ہی پڑھا دیتا۔ اس لیے نہیں کہ آپ کے اساتذہ میں شمار
ہوتا بلکہ اس لیے کہ آپ کی دعاؤں میں شمولیت سے مشرف ہو جاتا۔ لیکن افسوس مجھے کیا خبر تھی کہ آپ ایک روز کیا ہونے
والے ہیں؟

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نورانی اور جاذب نظر شکل و شباب کا نہیں
دیکھا جیسے حضرت مولینا احمد حسن کانپوری تھے۔ ثقافت گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجہ کی نفاقت پسندی
گفتگو کے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ اس شان علم پر اخلاص و انکسار سجدہ۔ آپ کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے جناب
بابو جی کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ مولینا نے مکہ معظمہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مزار پر
چھ ماہ قیام کیا اور ہر روز اپنی ریش مبارک سے مزار کو صاف کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! اپنے وقت کے اُستاد اکل کی

اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت، نیاز اور محبت، آج کل کے علماء و علماء کے لیے مقامِ عبرت و نصیحت ہے۔
 کیا پسند ان کی از مٹت گئے ہوسرزن بر آستان کا سے اقبال

ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز

حضرت قبلہ عالم جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے ان دنوں وہاں کھنڈو دیوبند، رام پور، کانپور، علی گڑھ، دہلی اور سہارن پور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے۔
 کھنڈو میں مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۵ھ مزبج خلافت تھے جن کی ذات عروج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی زیر سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلیفہ مولوی ملک علی صاحب مدرس علی تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرسہ رکھے تھے۔ مولوی ملک علی وضو، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی ذوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علمائے دیوبند کے اُستاد تھے۔
 رام پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولانا عبدالحی مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے۔ ان کے حواشی یعنی نوٹ، کتب ہائے معقول قاضی وغیرہ پر قابل دید ہیں۔

کانپور میں مولانا احمد حسن مسند آرائے مدرس تھے جو کہ اُستادِ اکمل مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ معقول کی مشہور کتاب حمد اللہ اور مثنوی مولانا دہم کے حواشی سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ تہاجر کی کے مرید خاص تھے۔ اور اگرچہ علمائے دیوبند کو بھی حضرت حاجی صاحب سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور اس لحاظ سے مولانا احمد حسن کے پیر جانی تھے لیکن بعض مسائل میں مولانا کو ان سے اختلاف رہا جس پر حاجی صاحب نے مکہ شریف سے ایک رسالہ ہفت مسئلہ بطور محاکمہ تحریر فرما کر بھیجا جو مسائل اختلافیہ میں قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اور علمائے کرام کے لیے نجات ہے۔ مسئلہ امکانِ نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا احمد حسن نے سائل لکھے ہیں جن میں مولوی اسماعیل صاحب ہوی کی پُر زور تردید کی ہے۔ علمائے خیر آبادیہ و اسماعیلیہ کے اس اختلاف پر حضرت قبلہ عالم کا بے غرض باب تصنیفات میں آئے گا۔

اُستادِ اکمل مولانا لطف اللہ علی گڑھی المتوفی ۱۳۳۲ھ

علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ کی ذات گرامی شہرہ آفاق تھی۔ آپ مفتی عنایت احمد کے شاگردِ رشید تھے جو مولانا بزرگ علی علی گڑھی متوفی ۱۲۶۲ھ اور مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کے مشہور شاگرد تھے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور جانشین تھے۔ مفتی صاحب کافی عرصہ علی گڑھ میں اپنے اُستاد مولانا بزرگ علی کے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ اور اُسی زمانہ میں مولانا لطف اللہ آپ کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے مفتی صاحب بعد میں حکومت کی طرف سے بعدہ منصف مقرر ہو گئے تھے۔ اور آپ نے مولانا لطف اللہ کو اپنا سررشتہ دار مقرر فرمایا۔ اس دوران میں تحریک آزادی ہند شروع ہوئی اور مفتی صاحب نے انگریز حکومت کے خلاف خان بہادر خان رد بیک خنڈی کا ساتھ دے کر جہاد میں حصہ لیا اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں ہندو کے

دیگر مجاہدین کے ساتھ آپ کو بھی بطور سزا جزائر اندیمان میں عمر قید کے لیے ملک بدر کر دیا۔ جہاں آپ نے بغیر مطالعہ و حوالہ جات کتب محض یادداشت سے چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو یہ تفصیل ذیل ہیں:-

(۱) علم الصیغہ - (۲) خطبہ کرمیہ - (۳) نخبہ بہار - (۴) احادیث الحبیب المتبرکہ - (۵) ترجمہ تقویم البلدان،
اور (۶) تواتر پنج حبیب اللہ۔ جن میں سے "ترجمہ تقویم البلدان" ایک انگریز افسر کو بہت پسند آیا اور یہی بات بظاہر آپ کی
رہائی کا سبب ہوئی۔ آپ کی ہندوستان میں مراجعت پر آپ کے شاگرد مولانا لطف اللہ نے یہ تاریخی رُباعی لکھ کر
پیش خدمت کی ہے

چوں بفضلِ حقایقِ ارض و سما اوستادم شد ز قیدِ عنم رہا
بہر تاریخِ خلاص آلِ جناب بر نوشتم اِنَّ اَمْتَادِیْ نَجَا

۱۲۷۷ھ

ہندوستان آکر آپ نے کانپور میں مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں بارادہ حج روانہ ہوئے۔ جدہ کے
قریب جہاز ایک پہاڑی سے ٹکرا کر غرق ہو گیا جس میں یہ علم کا آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ آپ ایک اعلیٰ پیمانہ کے مصنف و
مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مدبر اور مجاہد بھی تھے۔ حج پر روانہ ہونے کے وقت اپنے شاگرد مولانا لطف اللہ
کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے جنہوں نے ابتداء کانپور اور پھر علی گڑھ میں علوم دینیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں وہ کارہائے
نمایاں انجام دیے کہ ہندوستان کی علمی دنیا نے اُن کا اُستاد العلماء کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اُس دور کے
نامور علمائے دین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے اُستاد العلماء کے گلشنِ علم سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اُس وقت مولانا
کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے اعلیٰ اور بلند ترین سند شمار ہوتی تھی۔ مولوی عبدالحق دہلوی مصنف تفسیر حقائق، مولانا عبد الغنی
کانپوری، مولانا شاہ محمد علی رحمانی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت قبلہ عالم پیر سید نور علی شاہ گولڑوی جیسی برگزیدہ
ہستیاں آپ کے شاگردان میں سے ہیں۔ حیاتِ شیخ الہند مصنف سید اصغر حسین شاہ دیوبندی میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ
جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر علمائے دیوبند کے مشہور پیشوا مولانا محمود الحسن دیوبندی تقرر کر رہے تھے کہ
مولانا لطف اللہ علیگر ہی جلسہ میں تشریف لائے مولانا محمود الحسن نے آپ کو دیکھتے ہی ہمنامہ ادب و احترام تفریح کر دی۔
اسی طرح علمائے بریلوی کے مشہور پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی آپ کا بھلا احترام فرماتے تھے۔ مولانا سید محمود شاہ خاں
راولپنڈی جو مدت تک مولانا لطف اللہ کے مدرسہ علی گڑھ میں مدرس رہ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی فتویٰ کے
سلسلہ میں مولانا احمد رضا خاں اور مولانا لطف اللہ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی مگر بعد میں صلح و صفائی ہو گئی
اور دوستانہ مراسم قائم رہے مولانا لطف اللہ کے اکثر فارغ التحصیل شاگرد مولانا احمد رضا خاں کے کہنے پر اُن کے مدرسہ میں
بطور مدرس بھی ملازم ہوتے رہے جیسا کہ حیاتِ اعلیٰ حضرت بریلوی میں تحریر ہے۔

بہر حال ہندوستان کے مدارس علمیہ میں سے علی گڑھ کا انتخاب حضرت قبلہ عالم کے مسلکِ اعتدال کا مظہر ہے۔
حضرت مولانا لطف اللہ علمائے ربانین کا نمونہ اور زبدِ تقویٰ اور خدا پرستی کا مجسمہ تھے طبیعت بے حد منہاج و مرج
پائی تھی علمائے ہم عصر کے ساتھ بعض فردی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود اُن کے خلاف تعصب اور تشدد کا کبھی اظہار
نہ فرمایا آپ کی مقبولیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی ہر طبقہ کے علماء کے دل میں آپ کا بے حد

احترام تھا۔ آپ کی سادگی اور پرہیزگاری کا ایک واقعہ حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک موقع پر کسی شادی کی تقریب میں آپ مستورات کے ہمراہ پہلی میں سوار ہو کر سفر فرما رہے تھے کہ راستہ میں راہزنوں نے گھیر لیا۔ آپ نے پوچھا بھئی جان چاہیے یا مال؟ انہوں نے جواب دیا، مال۔ آپ نے کہا اچھا مستورات کے پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے الگ کھڑے رہو میں خود ہی سب زیورات اتروا کر تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب ڈاکو سب کچھ لے کر چل دیے تو ایک بچی نے ماں سے کہا، اماں، دیکھو میں نے یہ زیور بچا لیا ہے۔ جو نبی مولینا کے کان میں یہ آواز پہنچی، فرمایا، افسوس، تم نے مجھے اپنے وعدہ میں جھوٹا کر دیا۔ اور اُسی وقت وہ زیور لے کر ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑے اور پکارتے جاتے تھے کہ ٹھہرو، ٹھہرو، وہ ڈرے کہ سٹاپ انہیں کوئی مدد پہنچ گئی ہے اس لیے اور تیز تیز چلنے لگے لیکن مولینا کو ایسا دیکھ کر بالآخر ٹھہر گئے۔ مولینا نے پہنچ کر ہانپتے ہوئے لڑکی کا زیور پیش کر کے معذرت کی کہ بھئی میری لاعلمی میں یہ زیور رہ گیا تھا۔ اور اس طرح وعدہ خلافی ہو گئی ہے۔ ڈاکوؤں پر اس سادگی اور راست بازی کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ تمام لوٹا ہوا مال اُن کو واپس کر دیا۔

ان ہی پاک منش بزرگانِ دین کے انعامِ قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جب کہ حکومتِ برطانیہ اور اُس کے ہواخواہ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکے تھے، مدارسِ اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علومِ دین کے سرچشمے جاری رہے۔ حضرت مولینا اور آپ کے اساتذہ کرام کے حالات پر کتابِ اُستاد العلماء مولفہ نواب حبیب الرحمن خان شروانی اور تذکرہ مشاہیر کا کوری مولفہ مولوی محمد علی حیدر قابلِ دید ہیں۔

علی گڑھ کے درس میں تحصیلِ علم

علی گڑھ میں حضرت نے قریباً اڑھائی برس تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت، بلند اخلاقی اور مثالی کردار کے باعث مولینا لطف اللہ اور دیگر اساتذہ کرام دمِ محبتوں میں جو مقبولیت و توقیر آپ کو حاصل ہوئی اُس کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔

یورپی امتحان کا اعترافِ کمال

جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور نے اپنے مسودات میں تحریر کیا ہے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم کی زبانی سنا تھا کہ اُس زمانہ میں سرسید احمد خاں نے خیال کیا کہ مدارسِ عربیہ کی اصلاح کی جائے اور جس مدرسہ کی تعلیم ناقص ہو اسے بند کر کے اُس کا چنہ وا آمدنی علی گڑھ کالج کے مصروف میں لائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولینا لطف اللہ سے کہا کہ آپ اپنے مدرسہ کا سالانہ امتحان دلویا کریں۔ تاکہ ایک تو سال بھر کی تعلیم کا اندازہ ہو سکے، دوسرا امتحان کے خیال سے طلباء کو زیادہ محنت کرنے کی رغبت ہو۔ چونکہ اکثر طلباء پنجابی اور پٹھان تھے جو اچھی طرح لکھائی نہ جانتے تھے۔ اس لیے مولینا اس بارہ میں قدسے متائل ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم نے کہا آپ فکر نہ کریں ہم تقریری یا تحریری فرسٹم کے امتحان کے لیے تیار ہیں جسے خوش نویس تھے اور مشہور خوش نویس غلام احمد سکنہ کھسکی سے باقاعدہ مشق کی ہوئی تھی۔ غلام احمد تمام مروجہ خطوط سے واقف تھے اور ان پر عبور رکھتے تھے۔ یہ اپنی آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے۔ حضرت نے ان کی گذراوقات کے لیے وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا اور آخر وقت تک ان کی خبر لے رہے تھے۔ حضرت کے اس فرمانے پر مولینا لطف اللہ بہت خوش ہوئے اور طلباء کا امتحان دلوانا منظور فرمایا۔ سرسید نے اپنے طور پر ایک یورپ کے رہنے والے عالم و فاضل کو امتحان لینے

کے لیے بلوایا تھا۔ مولینا نے امتحان سے ایک روز قبل آزمائشی طور پر خود طلباء کا امتحان لیا اور حل کے لیے اقلیدس کا پرچہ دیا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اقلیدس کی شکل مسئلہ کا پہلے وہ جواب تحریر کیا جو اقلیدس میں دیا ہوا ہے۔ پھر اُس پر اپنی طرف سے اشکالات و اعتراضات کیے اور شکل مسئلہ پر اپنا حل تحریر کیا۔ مولینا نے میرے جوابات کو بے حد پسند فرمایا اور انہیں ایک لفظ میں بند کر کے ممتحن صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اگلی صبح تمام طلباء اُجلے کپڑے پہنے، کاغذ قلم و دوات لیے صفت بنا کر ممتحن صاحب کے انتظار میں بیٹھے رہے مگر وہ تشریف نہ لائے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو سرسید کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ممتحن صاحب رات کو بغیر بتائے چلے گئے ہیں اور پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ جو طلباء اقلیدس پر اعتراض کر سکتے ہیں، مجھ میں اُن کا امتحان لینے کی اہلیت نہیں بلکہ اپنی ہسکی کا اندیشہ ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ مولینا یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے بہت دعائیں دیں کہ تم نے ہمارے مدرسہ کو بچا لیا ورنہ سرسید اسے ختم کر دیتے۔

ایک مجذوب کا اظہارِ حیرت

حضرت فرماتے تھے کہ ایک روز میں اپنی باری پر ہدایہ تشریف کا سبق لینے مولینا کے کمرہ کی جانب جا رہا تھا چونکہ مطالعہ کا موقع نہ ملا تھا اس لیے جاتے ہوئے سر پر گچڑی بھی لپیٹا جاتا تھا اور کتاب کھول کر مطالعہ بھی کرتا جاتا تھا۔ مسجد میں عرض کے کنارے ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ اُس نے باوازِ بلند پکار کر کہا پیر جی، مرغینانی نے اس کتاب کو اٹھارہ سال میں لکھا ہے اور آپ چلتے چلتے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ (مرغینانی سے اُن کی مراد مصنف ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی تھا)

طالب علمی میں جو دو کرم اور ریاضت و مجاہدہ کی شان

علیگڑھ آنے پر بڑے پیر صاحب نے حضرت قبلہ عالم کے لیے ساٹھ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا تھا جو ماہ بسا وقت معینہ پر پہنچا رہتا۔ مگر حضرت اس رستم کو طلباء میں تقسیم فرما دیا کرتے اور خود اکثر روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ آپ کے ہم جماعتوں میں سے کئی طلباء شہر کی مساجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور جمعرات کو بہت سا کھانا لاکر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتے کہ لے کھالے۔ مگر ہفتہ بھر کا فاقہ زدہ کھانا تو کیا کھاتا۔ چنند نعتیں تناول فرما کر سب کچھ واپس کر دیتے۔

مولینا عبد اللہ ٹونکی سے ایک طالب علمانہ بحث

مولانا شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کے قیام علیگڑھ میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جو میں نے خود آپ کی زبانی سنا۔ حافظ عبد القدوسؒ سکنہ مکہ ضلع کیمبل پور، صرف و نحو کے بڑے ماہر تھے اور تمام درسی کتابیں اُن کو یاد تھیں۔ اہستہ الی تعلیم پنجاب میں اور باقی تمام علوم کی تحصیل مولینا لطف اللہ علیگڑھ سے کی تھی۔ وہ سال دو سال کے بعد ہمیشہ حضرت مولینا کی زیارت کو علی گڑھ آتے اور کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے۔ اتفاقاً حافظ صاحب کی موجودگی میں مولینا عبد اللہ ٹونکی بھی جو مولینا کے شاگرد تھے اور مدرسہ فیتوری دہلی کے اول مدرس تھے، حضرت مولینا کی زیارت کو آئے۔ مولینا عبد اللہ کے حافظ عبد القدوس سے بھی تعلقات تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت قبلہ عالم سے کہا پیر جی، یہ مولوی عبد اللہ اپنے علم پر بہت نازاں ہیں۔ ان سے کچھ

علی گشت گو جو جائے تو خوب رہے گی۔ چنانچہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ مولینا طیف اللہ سے جماعت کو سبق پڑھانے کے دوران جب کہ مولینا ٹوٹکی بھی حاضر تھے کسی بڑکے نے کوئی سوال پوچھا۔ مولینا عبد اللہ نے اپنے استاد محترم کی اجازت کے بغیر پیش دستی کر کے اسے جواب دیا۔ حضرت قبلہ عالم کو استاد عالی پر ان کی یہ سبقت ناگوار گذری۔ آپ نے استاد محترم کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے سے اشارہ پا کر، علم ٹوٹکی زیر سبق کتاب کا فیہ کی ابتدائی عبارت **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ** کے متعلق مولینا عبد اللہ ٹوٹکی سے سوال کیا کہ مفرد کو مجرور پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبد اللہ صاحب نے جواب دیا جائز ہے۔ حضرت نے اعتراض کیا کہ جس وقت کسی فعل کا تعلق کسی اسم موصوف سے ہو تو اوصاف بحالت تعلق کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں **يَعْنِي** کا تعلق **وَضَع** سے ہے اور بتقدیر خبر معنی موصوف ہوگا۔ پس لازم آئے گا کہ معنی کا افراد بحالت **وَضَع** ہو حالانکہ **وَضَع** افراد و ترکیب کا سبب ہے اور مستب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

مولینا عبد اللہ نے فرمایا کہ آپ نے اعتراض میں غلطی کی ہے، آپ کو کہنا چاہیے تھا کہ اوصاف تعلق سے قبل ہوتا ہے نہ کہ حالت تعلق میں۔ حضرت نے فرمایا کہ **جَاوَزَ فِي التَّجَلُّلِ** میں **رَكُوبٌ** مجھ سے پہلے نہیں ہوگا بلکہ مجھ اور رکوب کی معارفت ہے۔ مولینا عبد اللہ نے کہا کہ تشریح جامی میں تو قبل الوضع کا لفظ موجود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ عبدالغفور میں لکھا ہے کہ قبل الوضع کا لفظ سومن الناسخ ہے اور صحیح نسخہ میں مع الوضع ہے۔

یہاں مولوی عبد اللہ صاحب غیبت ہو گئے۔ یہ دیکھ کر جناب مولینا طیف اللہ نے کتاب بند کر کے سبق ختم کر دیا اور حضرت کی تقریر سے بہت خوش ہوئے۔ حافظ عبد القدوس نے اپنی خوشی کا اظہار عجیب عجیب طریقوں سے کیا جس کا علم ہونے پر مولوی عبد اللہ صاحب بہت طیش میں آئے اور اگلے روز مدرسہ میں آکر حضرت کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دینے لگے۔ مگر حافظ عبد القدوس کے سمجھانے سے مرعوب ہو کر لوٹ گئے۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ یہی مولینا عبد اللہ ٹوٹکی حضرت کی تصانیف پڑھ کر عرش عرش کرتے تھے۔ اور جب لاہور میں قادیانی معرکہ کے وقت حضرت نے علمائے اہل سنت و اہل حدیث کے سامنے قادیانی مسلک کی جانب سے ان پر امتحان سوالات کر کے ان کے جوابات بھی دیئے تو مولوی عبد الجبار غزنوی اور مولینا عبد اللہ ٹوٹکی نے بیک زبان دیگر علماء کے ہمراہ اعلان کیا کہ قادیانی مذہب کا آپ کے دلائل و جوابات سے بہتر جواب ممکن ہی نہیں۔ جناب بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی عبد اللہ ٹوٹکی نے انگریز حکومت میں بنکوں کے سود کے بعض حالات میں جائز ہونے پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جسے لاہور کے سفر کے دوران حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کر کے رائے تحریر فرمانے کی عرض کی تھی۔ حضرت نے انہیں تخلیہ میں سمجھایا کہ میری رائے اس موقف کے خلاف ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی رائے تبدیل کر کے رسالہ واپس لے لیا اور آئندہ حضرت کے موقف کے مطابق رہے۔

طالب علمی میں رشک انگیز تدریس

مدرسہ علی گڑھ میں حضرت کا بہت شہرہ ہو گیا تھا۔ استاد صاحبان اور طلبا سب ہی آپ کی ذہانت اور نکتہ رسی کے قائل اور معترف تھے۔ طلباء کا رجوع آپ کی طرف اس قدر ہوا کہ یہاں بھی آپ کو اپنا ایک علیحدہ درس قائم کرنا پڑا۔ ایک پٹھان طالب علم عمود نامی بھی اپنی قابلیت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور کچھ طالب علموں کو درس دیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت

کے کمال کے پیش نظر اکثر طلباء کے بعد دیگرے محمود صاحب کو چھوڑ کر آپ کے درس میں آنے لگے۔ حتیٰ کہ محمود صاحب کے پاس صرف ایک طالب علم رہ گیا جسے اُس نے کہا کہ اگر تم نے بھی مجھے چھوڑ کر پیر کے پاس سبق شروع کر دیا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

ایک روز یہ طالب علم حضرت کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں آپ کے پاس پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے درس میں آنے کی اجازت بھی دیں۔ اور محمود صاحب سے میری حفاظت بھی کریں۔ آپ نے فرمایا: بے شک آجاؤ، میں پڑھاؤں گا بھی اور انشاء اللہ تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ چنانچہ وہ آگیا۔ ایک رات محمود نے مسجد کے اندر سے گنڈی لگالی اور اُس طالب علم کے سینہ پر چڑھ کر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو طالب علم نے شور مچا کر حضرت کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے بڑی شکل سے گنڈی کھٹوائی اور اُس پٹھان کو نیچے پٹخ کر، اُس کے سینہ پر سوار ہو کر اُس سے عہد لیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

ذہنی اور روحانی قوتی کے ساتھ جسمانی طاقت

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ذہنی اور روحانی قوتوں کے ساتھ ساتھ حضرت کو جسمانی قوتوں سے بھی نوازا تھا۔ گو آپ کا بیشتر وقت تحصیل علم اور عبادت الہی میں بسر ہوتا تھا۔ اور شاید گھوڑے کی سواری کے علاوہ عمر بھر کسی دوسری ورزش کا اہتمام نہ ہو سکا لیکن آپ کی صحت اور اعصاب باقاعدہ ورزش کرنے والوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ حتیٰ کہ ساٹھ برس کی عمر تک آپ کے بازوؤں پر چٹکی نہیں لی جاسکتی تھی۔

جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک عقیدت مند پہلوان نے کشتی میں فتح و کامیابی کے لئے دعا کی استدعا کی تو فرمایا ذرا پاؤں تو دابو، دیکھیں تم میں کتنا زور ہے۔ اُس نے تھوڑی دیر تک پوری قوت سے آپ کے پاؤں دابے اور پھر اُس کا پسینہ پھوٹ نکلا مگر آپ خاموش بیٹھے رہے۔ آخر مسکرا کر فرمانے لگے۔ بس اسی بل بوتے پر پہلوانی کرتے ہو۔ حالانکہ وہ بہت مضبوط جسم اور طاقتور انسان تھا۔

علی گڑھ میں تقسیم سے فارغ ہو کر آپ نے کوئی سند وغیرہ حاصل نہ کی کیونکہ مدارس اسلامیہ میں عام طور پر صرف سندِ حدیث کو کافی سمجھا جاتا تھا جس کے حصول کے لئے آپ بالاحسن سہارن پور میں مولیٰ سنا احمد علی محدث کے درس میں جا کر داخل ہو گئے۔

مولیٰ الطف اللہ سے ملاقات کے لیے دوبارہ سفرِ ہند و حصولِ سند

حضرت کے مسند ارشاد پر متمکن ہونے کے کافی عرصہ بعد آنجناب کے فرزند ارجمند حضرت بابو جی مدظلہ العالی ہندوستان میں گئے اور اپنے والد ماجد کے استادِ محترم مولیٰ الطف اللہ کی زیارت کے لئے علی گڑھ بھی حاضر ہوئے۔ آپ کے ہمراہ لنگر عالیہ کے خادم میاں عبداللہ اور چاندی نامی خدمت گار بھی تھے۔ آپ نے انہیں منع فرمایا کہ گولڑہ کا ذکر نہ کرنا۔ چنانچہ مولیٰ الطف اللہ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور کچھ بدیہ پیش کر کے دعا کے لئے استدعا کی تو آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ جناب بابو جی نے عرض کی کہ راولپنڈی کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے وہاں سے حاضر ہوا ہوں۔ اس دوران میاں عبداللہ کے منہ سے غیر ارادی طور پر گولڑہ شریف کا نام نکل گیا۔ حضرت مولیٰ باوجود ضعیف العمری کے بھانپ گئے اور فرمایا، اچھا، وہاں

تو ہمارے ایک عزیز رہتے ہیں تم ان کے فرزند تو نہیں ہو، جواب میں جی ہاں عرض کرنے پر حبیہ شفقت سے پیش آئے اور فرمایا تم ہمارے عزیز کے عزیز ہو۔ اس کے بعد عیوب سے شکوہ آمیز اُداس لہجہ میں فرمایا کہ انہوں نے تو ہمیں بھلا ہی دیا۔ جناب بابو جی فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا میری طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ اور واپس آتے ہی حضرت کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے بھی بہت محسوس فرمایا۔ اور کچھ عرصہ بعد بہت سے تحائف لے کر علیگڑھ استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت مولینا طیف اللہ اُس وقت ہندوستان میں استاد اکل تھے اور آپ کے شاگردوں کا سلسلہ ملک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت قبلہ عالم کے درو علیگڑھ کا شن کر بے شمار علمائے کرام جمع ہو گئے۔ اور کئی روز تک علوم و معارف کی مجالس گرم رہیں افسوس ان شاندار علمی صحبتوں کی روداد کسی نے محفوظ نہ کی۔ اور نہ ان مجالس کے شرکاء میں سے اس وقت کوئی زندہ ہے جس کی زبانی یادداشت سے ہی کوئی بات معلوم ہو سکتی۔ جناب بابو جی مدظلہ اس سفر میں ہمراہ نہ تھے اس لئے وہ بھی اس موضوع پر کوئی ردِ شنی نہیں ڈال سکتے بہر حال آپ کے اس قیام علیگڑھ سے آپ کے علمی و عرفانی کمالات کا شہرہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہو گیا۔ مولینا سید محمود شاہ جو ان ایام میں وہاں مدرس تھے رخصتوں پر اپنے وطن پشاور آئے ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب میں واپس ڈیوٹی پر پہنچا تو ہر جگہ صبح و شام حضرت قبلہ عالم کا ذکر خیر ہی سننے میں آیا اور مولینا طیف اللہ صاحب اور دیگر علمائے کرام آپ کی علمی و عرفانی صلاحیتوں اور معلومات کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اُس وقت سے میرے دل میں حضرت کی عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور اگرچہ میں ایک سخت خیال انسان تھا یہ عقیدت مجھے کشاں کشاں استاد عالیہ گوڑہ شریف پر لے آئی۔ مگر افسوس کہ مجھے یہ حاضری اُس وقت نصیب ہوئی جب حضرت قبلہ عالم اس دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

مولینا طیف اللہ کی طرف سے عطیہ سندات

حضرت قبلہ عالم کے اس سفر کی اہم یادگار یہ ہے کہ مولینا طیف اللہ صاحب نے حضرت قبلہ عالم کو قرآن مجید، کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ اور بعض خصوصی احادیث کی سندات عطا فرمائیں جو اس وقت تک تبرکات عالیہ میں محفوظ ہیں۔ یہاں تبرکات بعض اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اجازت نامہ کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ | اس اجازت نامہ میں خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

وبعد فیقول خادم المحدثین المہدیین
لطف اللہ ابن اسد اللہ اذنی اجزت الاخ
الاعز المولوی الفاضل سید محمد عمر علی شاہ
سلمہ اللہ تعالیٰ بروایۃ کتب الصحاح وغیرہا
کما اجاز فی بہا عمدة المحدثین الشیخ الاجل
مولینا آل احمد بن محمد امام ابن نعمۃ اللہ
الفلوری البھاری الخ

حمد و صلوة کے بعد محدثین مہدیین کا خادم لطف اللہ
بن اسد اللہ کہتا ہے کہ میں کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ
کی روایت کی اجازت برادر عزیز مولوی فاضل سید محمد عمر علی
شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو دیتا ہوں جس طرح عمدة المحدثین شیخ
اجل مولینا آل احمد بن محمد امام ابن نعمت اللہ چھپواری
بھاری نے مجھے کتب مذکورہ کی روایت کی اجازت
فرمائی۔

اس کے بعد سند میں تمام کتب کے عتیقین تک سلسلہ اسناد کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف | یہ اجازت نامہ مولانا مفتی عنایت اللہ کاکوردی کی سند متصل کے ساتھ مصنف کتاب علامہ خطیب تک پہنچا ہے۔ اس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:-

إني اجزت الاخ العزيز السعيد الفاضل اللوزي
سيد محمد مهر علي شاه افاض الله عليه
سبحال المن والاحسان للكتاب المذكور
وفقه الله لتدريسه والاستفادة بانواره و
أخردعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة
والسلام على جيبه سيد المرسلين محمد و
آله واصحابه اجمعين

میں برادرِ سعید فاضل ذکی سید محمد مهر علی شاہ (جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی بہترین نعمات و احسان سے مستفیض فرمائے) کو اس کتاب مذکور کی اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تدریس اور اس کے انوار سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ والحمد للہ رب العالمین اور صلوٰۃ و سلام اللہ تعالیٰ کے حبیب سید المرسلین محمد مصطفیٰ اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر ہوں۔

۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید، ترجمہ و تفسیر | خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

أما بعدی گوید محمد لطف اللہ ابن محمد اسد اللہ غفرلہما کہ بعض سورۃ قرآن مجید شنیدم از عزیز دل و جانم مولوی حاجی سید محمد مهر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ و ایشان را اجازت بہت کہ تعلیم حضرت قرآن مے کردہ باشند و امور موقوف علیہ قرآن را از رسائل و کتب ثقات تحقیق کردہ باشند و اس فقیر را سند و اجازت حضرت قرآن از خدمت حضرت مولیانقاری محمد عبد الرحمن غفرلہ پانی تی حاصل شد و اشال را از خدمت حضرت مولیانقا محمد اسحاق صاحب قدس سرہ حاصل شدہ الی آخر سندہ

اس کے بعد محمد لطف اللہ ابن محمد اسد اللہ غفرلہما کہتا ہے کہ میں نے قرآن مجید کی بعض سورتیں اپنے دل و جان کے عزیز مولوی حاجی سید محمد مهر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ سے سنی ہیں۔ انہیں اجازت ہے کہ حضرت قرآن کی تعلیم دیا کریں۔ اور جن امور پر قرآن مجید موقوف ہے اُن کی تحقیق معتبر کتب و رسائل سے کرتے رہیں۔ اس فقیر کو قرآن مجید کی سند اور اجازت حضرت مولیانقاری عبد الرحمن صاحب پانی تی غفرلہ سے حاصل ہوئی۔ انہیں حضرت مولیٰ سنا محمد اسحاق قدس سرہ سے ملی۔

۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین | یہ اجازت نامہ بھی اسی سابقہ سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک متصل ہے۔ اس حدیث کی اجازت آپؐ نے بعض علمائے کرام کو بھی عطا فرمائی۔ چنانچہ ایک اجازت نامہ حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کے نام پر مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے۔ اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ مجھے استاد نے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے پانی اور کھجور کی ضیافت سے بھی نوازا۔ پانی اور کھجور کو اہل عرب اسودین کہتے ہیں اور مسلمان کی ضیافت کرنے کی فیضیت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک مومن کی ضیافت کی اُس نے گویا حضرت آدمؑ کی ضیافت کی جس نے دو کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرت آدمؑ و حواؑ کی ضیافت کی جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرات جبرائیلؑ، میکائیلؑ و اسرافیلؑ کی ضیافت کی۔ چار کی صورت میں تو رات۔ انجیل۔ زبور اور قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل کیا۔ پانچ کی صورت میں گویا پیدائش عالم سے قیامت تک پانچوں نمازیں باجماعت ادا کیں۔ چھ کی حالت میں گویا اولادِ اسماعیلؑ سے ساتھ غلام آزاد کئے رات کی صورت میں اُس پر ہنم کے ساتوں دروازے بند کئے گئے۔ آٹھ میں جنت کے آٹھوں دروازے اُس پر کھولے گئے۔ نو کی حالت میں

اللہ تعالیٰ اُس کے لئے تمام گنہگاروں کے عہد کے برابر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ دس مسلمانوں کی ضیافت کی صورت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے، حج اور عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔

حدیث مذکورہ بالا کے بعض راویوں کے متعلق امام سخاوی وغیرہ محدثین نے اعتراضات کئے ہیں۔ مگر سند میں خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور اُن کے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث جیسی شخصیتوں کا پایا جانا اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ **حدیث شریف مسلسل بالاولیٰ** | اس حدیث کی سند حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ یہ پہلی حدیث ہے جو اُس نے اپنے اُستاد محترم سے سنی ہے۔ مضمون یہ ہے:-

الراحمون یرحمہم اللہ الرحمن تبارک و تعالیٰ رحم کرنے والوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ رحم فرماتے ہیں
و تعالیٰ ارحمہم ارحموا من فی الارض یرحمکم من زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والے تم پر رحم فرمیں۔

۶۔ **سند رسالہ حدیث مولینا محمد سعید سنبل** | رسالہ مصنفہ مولینا محمد سعید ابن محمد سنبل حدیث کی مشہور کتابوں کی ہر پہلی حدیث کے متن اور اُن کی اسناد پر مشتمل ہے۔ عموماً کسی محدث سے بطور تبرک سند لینے کی صورت میں یہ رسالہ متداول ہے۔

۷۔ **سند حدیث مصافحہ** | اس حدیث کی روایت میں راویوں کی تعداد بہت کم ہے۔ کیونکہ اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جن صحابی قاضی شہورس نامی شامل ہے۔ اور جنات کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہورس صحابی جو قوم جن سے تھا کو فرمایا کہ اے شہورس میرے ساتھ مصافحہ کر۔ کیونکہ جس نے مجھ سے مصافحہ کیا، یا میرے ساتھ مصافحہ کرنے والے سے مصافحہ کیا۔ اسی طرح سات واسطوں تک۔ وہ جنتی ہوگا۔ حدیث ضیافت و مصافحہ کی اجازت حضرت نے بہت سے حضرات کو عطا فرمائی۔ جن میں سے حضرت قبد باؤجی مدظلہ حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف اور مولانا غلام محمد شیخ الحاجۃ عباسیہ بہاول پور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شمولیت درس حدیث بمقام سہارن پور

سہارن پور میں شیخ الحدیث مولینا احمد علی فتن حدیث کے امام تصور کئے جاتے تھے۔ بخاری شریف پر آپ کے حواشی آپ کی علییت و قابلیت کا تین ثبوت ہیں۔ آپ مولینا عبدالحی (بحر العلوم) لکھنوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے سٹوڈنٹ تھے۔ ۱۲۶۱ھ میں مکہ شریف جا کر خاندان ولی اللہی کے مشہور چشم و چراغ شاہ محمد اسحاق سے دوبارہ درس حدیث لے کر سند حاصل کی۔ کتاب انوار الاولیاء میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے حالات میں تحریر ہے کہ جب مولینا احمد علی مکہ شریف میں حاجی صاحب سے ملے تو انہوں نے کہا کہ مولینا چونکہ میں نے آپ سے گلستان کے اسباق پڑھے ہیں اس لئے آپ میرے اُستاد ہیں۔ اگر محسوس نہ فرمائیں تو مشورۃ عرض کرتا ہوں کہ دوسروں کے مدارس میں ملازمت کرنے کی بجائے اپنا درس حدیث شروع کیجئے تو زیادہ مفید رہے گا۔ اس لئے واپس آکر مولینا نے سہارن پور میں حدیث شریف کی تعلیم و تدریس کا اپنے یہاں

الگ اہتمام فرمایا اور صد ہا علماء کو محدث بنادیا۔ ہندوستان میں ہر طبقہ کے علماء میں سے اکثر کی سند حدیث آپ تک پہنچتی ہے
 فن حدیث میں جہاں آپ دیوبندی علماء کے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب کے استاد ہیں وہاں خاندان غوثیہ کے چشم و چراغ حضرت قبلہ عالم
 گولڑوی اور مولینا سید محمد علی شاہ مونگیری جیسی آفتاب معرفت ہستیاں بھی آپ سے مستفیض ہیں۔ حضرت مولینا احمد علیؒ خود حنفی
 مسلک کے تھے مگر حلقہ درس وسیع ہونے کے باعث ہر مکتب فکر کے طلباء اُس میں شامل ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ جب مولینا احمد علیؒ سہارن پوری کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے آپ کو اپنے درس میں داخل
 کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ کتب حدیث کے تمام نسخے ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے آپ کسی دوسری جگہ جا کر حدیث پڑھیں۔ حضرت حیران
 ہوئے اور دیگر طلباء بھی متعجب ہوئے کیونکہ اس قسم کا جواب مولینا کی عادت و معمول کے قطعاً خلاف تھا۔ تجسس پر معلوم ہوا کہ
 حضرت کے سہارن پور پہنچنے سے قبل علی گڑھ والے پٹھان طالب علم محمود نے انتقام لینے کی خاطر ایک خط مولینا کو لکھ دیا تھا کہ اس نام
 اور اس حلیہ کا ایک طالب علم آپ کے پاس حدیث پڑھنے آ رہا ہے۔ اسے حصول علم کا شوق کم اور طلباء و استاد کو تنگ کرنے اور فتنہ
 و فساد برپا کرنے کا اشتیاق زیادہ ہے۔ لہذا اُس کا آپ کے درس میں داخلہ شر و فساد کا باعث ہوگا۔ اس اطلاع سے متاثر ہو کر
 مولینا نے حضرت کو اجازت ثنویت درس دینے سے اجتناب کیا۔ حضرت نے اس کی تردید کا تو کوئی اقدام نہ کیا البتہ مؤذبانہ
 اصرار سے مولینا سے سبق میں شامل ہونے کی اجازت حاصل کر لی لیکن مولینا آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت نہ آنے دیتے تھے
 کہ خود ہی بد دل ہو کر چلا جائے گا۔ آپ نے صبر و استعجال سے کام لیا اور آہستہ آہستہ سبق دوہرانے کے اوقات میں آپ کے
 اخلاق عالیہ اور ذہانت کا علم تمام طلباء کو ہو گیا جنہوں نے یہ کوائف حضرت مولینا کی خدمت میں عرض کر کے کہا کہ ایسے شخص
 کے خلاف ایسی شکایت سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک روز آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت بھی آگئی تو مولینا آپ کی
 قابلیت دیکھ کر دمگ رہ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ شکایت واقعی بے جا تھی۔ اس کے بعد وہ حضرت کے حال پر بے حد توجہ
 فرماتے رہے اور اسباق میں آپ کے ساتھ امتیازی سلوک فرماتے تھے جو نکتہ حضرت دریافت فرماتے اُس کا بہت زیادہ
 خیال فرماتے۔ حتیٰ کہ بتدریج مولینا کو حضرت سے بیحد محبت و شفقت پیدا ہو گئی۔

حدیث قَوْمُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ بِرَبِّحَتْ

حضرت فرماتے تھے کہ مولینا احمد علیؒ کے درس میں ہم دو طالب علم، مولینا وحسی احمد علیؒ بھتی اور میں حنفی المذہب
 تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر متدد تھے۔ درس کے دوران اکثر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و
 کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔ غیر متدد میری موجودگی کو اپنی شکست سمجھتے تھے۔ ایک روز حدیث
 قَوْمُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ بِرَبِّحَتْ چلی کہ قیام حضرت سعدؓ کی تعظیم کے لئے تھا یا اُن کے زخمی ہونے کی وجہ سے امداد
 اور اعانت کی غرض سے تھا۔ بخاری شریف کی حدیث

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی قریظہ سعد
 بن معاذ کے حکم پر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد
 کو بلوایا۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرت
 نے انصار سے فرمایا، اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال نزل
 اہل قریظہ علی حکم سعد ابن معاذ فارسل النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد فاتی علی حمار فسلما
 دنی من المسجد قال للانصار قوموا الی سیدکم کھڑو۔

حضرت اُستاد نے قیام مامور کو برائے تعظیم قرار دیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا کہ اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ حضرت سعد زنجی تھے اور قیام کا امر انہیں سواری سے اُتار کر لانے کے لئے تھا۔ اُستاد صاحب نے میری طرف دیکھا تو میں نے عرض کی کہ تُو مُوَا جع ہے اور زنجی ہونے کی وجہ سے امداد کی حاجت ایک شخص کے قیام سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ سب انصار کو کھڑے ہونے کا حکم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم برائے تعظیم تھا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اگر مشتق پر حکم کیا جائے تو مشتق منہ علت حکم ہوتا ہے۔ جیسے الکاتب متحرک الاصل میں تحرک اصابع کی علت کاتب کا مبداء اشتقاق کتابت ہوگی۔ کتب علم بلاغت و اصول میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اس کی مثال اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا اور اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ میں قطع اور جلد کی علت سرقہ اور زنا ہے، لہذا تُو مُوَا جع الی سید کم میں تُو مُوَا جع یعنی کھڑے ہونے کی علت سید کا مبداء اشتقاق زیادتی یعنی سُراری قرار پائے گی پس ثابت ہوا کہ کھڑے ہونے کا حکم بغرض تعظیم تھا۔

غرض اس قسم کے کئی واقعات ہوئے جس پر غیر متعلقہ طلباء سخت پریشان ہوئے آخر آپ نے اُن سے عہد لیا کہ آئندہ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ اور حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی شان میں قطعاً کوئی نازیبا لفظ مُنہ سے نہیں نکالیں گے۔

آئین بالجہر پر مناظرہ

غیر متقلدین کے ایک بڑے مولوی سہارن پور آئے جن کے ساتھ حضرت کا بلند آواز سے آئین کہنے کے متعلق مکالمہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ بلند آواز سے آئین کہنے کے حق میں سب قوی دلیل کیا ہے۔ تو انہوں نے ترمذی کی حدیث جَہَرَ بِهَا صَوْتُهُ کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شعبہ کی روایت خَفَضَ بِهَا صَوْتُهُ بھی ترمذی میں موجود ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی امام ترمذی نے تضعیف کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس تضعیف کی امام ابن حجر نے تلخیص البحر میں تردید کی ہے۔ نیز یہ روایت دوام یا اکثریت پر دلالت نہیں کرتی جس سے اس کا سُنت ہونا ثابت ہو۔ یہ تو محض ایک واقعہ ہے جس سے زیادہ سے زیادہ جواز نکلتا ہے جو متنازع فیہ نہیں۔ آیہ اَذْعُوْا رِبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو) بھی آہستہ پڑھنے کی تقاضی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

ایک مجذوبہ کی والہانہ صدا

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سہارنپور میں مسجد کے سامنے ایک مجذوبہ چھوٹی سی جھونپڑی میں پڑی رہتی تھی جس نے ذوق و شوق کے عالم میں ایک روز چلا کر صدا لگائی :-

عَیْ میری ٹوٹی چھوٹی جھونپڑیا میں کبھی جی چاہے تو آپا رہے

آپ فرماتے تھے کہ اس صدا میں کچھ ایسی کیفیات و دردِ نہاں تھے، کہ کئی روز تک بے خودی کا غلبہ رہا۔ سچ ہے :-

کہ صُحبت بادلِ غم دید اُلفتِ بیشتر گیرد

چراغِ را کہ دُورے بہت در سر زود تر گیرد

اثنائے رس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات

فرمایا جب ہم حدیث پڑھتے تھے تو کبھی کبھی حدیث والے "صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کرم فرماتے تھے کیوں نہ ہو جب بیت شریف کے ہر طالب صادق پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص توجہ مبذول فرماتے ہیں تو اپنے نورِ نظر اور نعتِ جگر پر کیوں عنایات مبذول نہ فرماتے ہونگے۔

میلے تماشوں سے نفرت

فرماتے تھے ایک مرتبہ والسرا نے ہند کی آمد کے سلسلہ میں سہارنپور میں کئی روز تک جلسے تماشے ہوتے رہے۔ لوگ دُور دُور سے دیکھنے آتے تھے مگر میری طبیعت اس طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ آخری رات مدرسہ کے قریب ہی آتش بازی کا پروگرام تھا۔ میں اپنے بالا خانے والی کھڑکی میں اپنی مستقل نشست سے اگر صرف ایک بالشت ہی آگے سرکاتا تو سب کچھ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس طرف طبیعت نے کوئی میلان یا رغبت محسوس نہ کی۔ اس لئے اپنی چرائی مستقل نشست پر ہی بیٹھا رہا اور کسی طرف توجہ نہ ہوئی۔ البتہ قوالی اور سماع میں بہت جی لگتا تھا۔ گلی میں ایک خوش آواز سرائینہ رہا کرتا تھا۔ کبھی فرصت میں اُس کے پاس جا کر حسبِ حال شعر و اشعار سن کر دل بہلا لیا کرتا تھا۔

تحصیلِ علوم کے بعد مراجعتِ وطن

حضرت کے اس قسم کے حالات سے آگاہ ہو کر مولینا احمد علیؒ نے محسوس کیا کہ یہ طالبِ علم ایک محققانہ بصیرت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ الہی کے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے علومِ ظاہری و باطنی رسمید و مہبت کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی خدمت بھی لینے والے ہیں۔ اس لئے اسے زیادہ دیر تک روکنا دین کی خدمت کے منافی ہے۔ چنانچہ ایک روز اچانک اپنے دولت کہہ پر حضرت کی دعوت کی، اور پھر سندِ حدیث سپرد کر کے فرمایا کہ آپ کو مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وطن تشریف لے جائیے اور دین کی خدمت کیجئے۔

حضرت نے بخاری شریف اور مسلم شریف کی تعلیم لی تھی اس لئے سند بھی ان ہی مضامین کے متعلق تھی۔ اس پر سال ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً بیس برس کی عمر میں علومِ رسمید کی تکمیل کر کے وطن کو مراجعت فرمائی تھی۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۲۹۷ھ میں حضرت مولینا احمد علیؒ کا انتقال ہو گیا۔ گویا حضرت اُن کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے۔ اسی طرح آپ نے مولینا لطف اللہ سے بھی اُن کے آخری دور میں تکمیلِ علوم کی تھی اور شیخِ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے بھی خلافت اُن کے آخری دور میں ہی حاصل کی تھی۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس عالم اسباب و تحصیل میں صاحبِ فن اپنے آخری دور میں ترقی و کمال کے انتہائی عروج پر ہوتا ہے۔ اور طویل تجربہ و مشاہدہ کے باعث اپنے فن کی تعلیم و تدریس کے لئے موزون و مناسب ترین حالت میں ہوتا ہے۔

باب سوم

زمانه درس و تدریس

۱۲۹۵ هـ تا ۱۳۰۰ هـ

۱۸۷۷ تا ۱۸۸۲ هـ

زمانہ درس و تدریس

مراجعت وطن، اجرائے درس و شادی خانہ آبادی

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت پیر سید فضل دین شاہ گیلانی المعروف بڑے پیر صاحب نے جو حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار حضرت اچي صاحب کے ماموں اور سلسلہ عالیہ جدیہ میں حضرت قبلہ عالم کے شیخ طریقت بھی تھے، ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۳-۹۴ء میں اور خود حضرت اچي صاحب پیر سید نذر دین شاہ گیلانی نے ۱۳۲۳ھ یعنی ۱۹۰۵-۰۶ء میں انتقال فرمایا۔ چنانچہ ۱۲۹۵ھ یعنی ۱۸۷۸ء میں جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن تشریف لائے تو ہر دو بزرگان بقید حیات تھے اور ان کے زیر سایہ حضرت قبلہ عالم ہر قسم کے معاشی و دیگر تفکرات سے آزاد رہتے ہوئے درس و تدریس اور ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ ان ہی ایام میں آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے نخیل میں سید چراغ علی شاہ کی دختر نیک اختر سے بquam حسن ابدال ہوئی حضرت کی نانی صاحبہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری اچي کی اولاد میں سے تھیں۔ صاحب تحفہ نے مظہر جلالی وغیرہ کتب کے حوالہ سے حضرت مخدوم جہانیاں کے متعلق لکھا ہے کہ جب آپ روضہ اقدس سرکار دہو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مدینہ عالیہ کے بعض سادات کرام نے آپ سے سید ہونے کی سدا مگی آپ نے براہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر عرض کی: السلام علیک یا جدی تو روضہ اقدس سے آواز آئی وعلیک السلام یا ولدی جسے سن کر معترضین دم بخود رہ گئے اور آپ کی شرافت و سیادت کے قائل ہو کر تجید تعظیم و تکریم بجالائے۔

تدریس و تسلیم میں خصوصی شان

حضرت قبلہ عالم حصول تعلیم کے بعد وطن واپس پہنچتے ہی بمصدق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) ہمہ تن تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ابتدا میں پچاس کے قریب طلباء آپ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان میں مولوی دوست محمد سکند بھوپڑ تحصیل چکوال، سید ممتاز علی شاہ سکند ریاست پونچھ، مولوی فقیر محمد سکند راجر تحصیل فتح جنگ اور مولوی حضرت پیر سکند کھنگر ضلع ہزارہ آپ سے اعلیٰ درجات کی انتہائی کتب خود پڑھتے تھے اور ابتدائی و چھوٹی جماعتوں کی کتابیں مہستدی طلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ درس حضرت کی آبائی مسجد واقع قصبہ گونڈہ میں شروع کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت میں وہ تمام اوصاف جمع فرمادیے تھے جو ایک اعلیٰ ترین معلم میں ہونے چاہئیں گفتگو کی سلاست و جامعیت کے ساتھ ساتھ انہم و تفہیم کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ کم سے کم استعداد کا طالب علم بھی مطلب بخوبی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے اکثر ہم عصر علمائے کرام کو جب کبھی آپ کو درس دیتے سُننے کا اتفاق ہوا تو حیران ہو کر مبساختہ

داد دیے بغیر نہ رکھے۔ نالائق سے نالائق اور بے ذوق سے بے ذوق طالب علم پر بھی اگر نگہ شفقت اور نظر توجہ فرماتے تو وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو جاتا۔ مولیٰ بنا احمد دین سکھ بھوئی جو علاقہ چھپڑہ کے مشہور علماء اور مدرسین میں سے تھے، بچپن میں آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور ان کے والد بزرگوار نے انہیں نہایت کمزور ذہن خیال کرتے ہوئے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں یہ عالم بن جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ذہین فرزندوں کو تو خود منتخب کر لیا اور اے میرے پاس لائے ہو۔ اچھا، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ خدا کی شان دیکھیے کہ وہی بچہ آپ کی نظرِ کرم سے ایک متبحر عالم ہوا۔

اسی طرح مولوی محرم علی چشتی لاہوری کے فرزند مولوی قائم علی چشتی کا واقعہ ہے۔ ان کو بھی ان کے والد بزرگوار نے حضرت کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یہ نہایت کند ذہن بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فاضل ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر فیض اثر سے یہی اُس کا نام پڑ گیا اور وہ فارغ التحصیل ہو کر فاضل لاہوری کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ حضرت قبلہ عالم سے فیضاب ہونے والے علماء کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے اہل بیت اہل دور میں علوم ظاہرہ کی تدریس میں کافی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اور اگرچہ حجاز مقدس سے واپسی پر علوم رسمیت کی تدریس بہت حد تک مولانا محمد غازی نے سنبھال لی تھی مگر پھر بھی کتب تصوف کے ساتھ ساتھ علوم ہمتیہ کی تعلیم میں بھی آپ برابر ہاتھ بٹاتے رہے۔ حتیٰ کہ زمانہ استغراق تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مسجدِ ضرار کے مسئلہ پر حضرت کا موقف

اس زمانہ میں قطبال ضلع کیمبل پور میں ایک مسجد کو مسجدِ ضرار کہنے کے متعلق علمائے نواح میں ایک مناظرہ ہوا۔ دونوں جانب سے پچیس پچیس علماء تھے۔ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے مقابلہ میں موضع سکھری علاقہ پنڈی گھیب کے ایک مشہور مناظر کو لایا گیا۔ میدانِ مناظرہ میں پہنچنے سے پیشتر ملاقات پر آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ مسجد زیر بحث کے متعلق آپ کے پاس اُسے مسجدِ ضرار قرار دینے کی علتِ تامہ کیا ہے۔ اُس نے مسجدِ ضرار کے متعلق نازل شدہ آیت تلاوت کر کے تفریقاً بین المؤمنین کا ذکر کیا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَرَارًا وَكُفْرًا
وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ
حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۝

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مسجد بنائی ہے کہ
(اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور اس میں کفر کی باتیں کریں۔
اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اُس شخص کے قیام کا
سامان کریں جو پہلے سے خدا و رسول کا مخالف ہے۔

(سورۃ توبہ - ۱۰۷)

آپ نے فرمایا کہ علتِ تامہ محض تفریق نہیں بلکہ اس میں چار چیزیں ضرار۔ کفر۔ تفریقاً بین المؤمنین اور اِرْصَاداً لِمَنْ حَارَبَ اللہ و رسولہ شامل ہیں۔ ان میں سے ایک یا دو علت ناقصہ ہیں جن پر حکم مترتب نہیں ہو سکتا۔ اس سے وہ صاحبِ کچھ اس قدر متاثر و مرعوب ہوئے کہ عینِ وقتِ مناظرہ پر آپ کے ساتھ بحث سے گریز کرتے ہوئے اور کسی جانب سے بھی مناظرہ میں شریک ہوئے بغیر واپس چلے گئے۔ اس مسئلہ میں حضرت کا موقف یہ تھا کہ کسی بھی مسلمان کی بنا کردہ مسجد پر منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کا حکم عائد کرنا درست نہیں ہے۔

مفتول کی شہر کتاب قاضی مبارک کی تدریس پر علماء کا اظہار حیرت

اسی مناظرہ کے سلسلہ میں مولوی محمد عالم سکر پورہ تحصیل ہری پور بھی قہار میں آئے ہوئے تھے۔ نامہ و مولوی کیا کرتے تھے کہ ان اصناف میں قاضی مبارک ہم منطق کی اعلیٰ ترین کتاب ہے۔ کا دس دینے والا ان سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت نے آپ کی ہونٹوں کی اس کتاب کا ایک سبق کسی کو پڑھایا جسے شیخ کو نہ حیرت ہو گئے اور کہتے تھے کہ آج سے قاضی مبارک پڑھنا آپ کا حق ہے۔ ایک دو عذاب علم کے لیے یہ کتاب پڑھنے والے کا ہے۔ آپ کی خدمت میں دعا کروں گا۔

ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ

آپ کو ہندوستان سے واپس تشریف لائے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کی علمی شہرت کے پیش نظر اس نواح کے مقامی علماء میں سے اکثر آپ سے عہد کرنے لگ گئے۔ آپ کی تو اجماعی پورے طور پر ریش مبارک بھی نہیں پیچنی تھی مگر درس و تدریس میں لگتے کسبھی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مولوی علماء و محیرت ہو جاتے تھے۔ عباد اور سمجھ و رہنما میں پیش پیش کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی علماء کے درس فیہ آباد ہو گئے جو ان کے عہد و عہد کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کو چاہے کہ آپ کا دُشہ خیر کرنا مقصود تھا اس لئے ہر سلسلہ میں آپ کی فوقیت اور برتری کے اظہار کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ انہی آیام میں ایک قریبی گاؤں کے مسلمانوں کے واقعات شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد نے بطریق ذیل تحریر کیے ہیں:-

بھیکہ ایک چھٹا سا گاؤں گورہ شریف کے قریب واقع ہے جہاں اکثر ٹھیکانی رسالت جو مذہب شیعہ میں رہتے ہیں انہوں نے راولپنڈی میں متعین ایک متعصب شیعہ افسر کی امداد سے حضرت کو مسلمانوں کو چیلنج دیا۔ جو آپ نے منظر و بالیا اور امت میں مناظرہ پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے کھنڈ کے ایک مجتہد کو بلوایا ہوا تھا۔ موضوع بحث باغ فدک مقرر ہوا شیعہ مجتہد نے پہلے تقریر کر کے دعویٰ کیا کہ فدک جناب شیعہ کا حق تھا اور حضرت صدیق نے اس کو غلام روک لیا تھا اور جناب سنیہ کو دیا لہذا غلام غلط نہیں ہو سکتا۔

حضرت نے جواباً کہا کہ فدک پر حضرت سیدہ عیسا علیہا علی ابیہا و علی زویہا و اولادہا الصلوٰۃ والسلام کے استحقاق کی کوئی دلیل پیش کیجئے مگر حضرت نے دعویٰ کی صورت میں تو دوسری جانب سے بھی خلاف دعویٰ ہو سکتا ہے۔

اس پر مجتہد صاحب نے آیہ و رشتہ پڑھی:-

يُؤْصِيكُمُ اللّٰهُ فِى اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِى كَانَ مِنْكُمْ
حَظُّ الذَّكَوٰىنِ اِنْ كُنَّ نِسَاءً فَاُولٰٓئِكَ لَكُمْ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاَحَدًا
فَلَهَا النِّصْفُ اِذَا هُوَ بَنُوْنٌ حَتّٰى يَنْتَحِلُوْا
اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ضمن میں تم کو وصیت فرماتے ہیں مردوں کے لئے دو عورتوں کی مانند حصہ ہے اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو تہائی چھوڑنی ہوتی چیز کی ہے۔ اور اگر عورت ایک ہو تو اس

کے واسطے آدھا ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ بے شک ایسی صورت میں جب کہ جناب سیدہ اپنے والد شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل وارث ہوتیں تو اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں سے نصف حصہ کی مالک ہوتیں۔ لیکن جس صورت میں باپ نے کوئی ترکہ ہی نہ چھوڑا ہو تو نصف کہاں سے ملے گا۔ دوسرے یہ کہ فدک کا ترکہ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ فدک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا تھا۔ اور یہ آیت پڑھی :-
وَمَا آفَاءُ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْ جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الحشر ۶)
اور جو کچھ پھیر لایا اللہ اپنے رسول پر ان میں سے، پس نہیں دوڑائے تم نے اُس کے اوپر گھوڑے اور نہ اونٹ لیکن اللہ مسلط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس کے اوپر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے ساتھ ہی جو آگے آتی ہے اُس پر بھی غور فرمائیے :-
وَمَا آفَاءُ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَذَلِكَ يَكُونُ ذُوُ لَٰئِكِنَ الْأَغْنِيَاءُ مِنْكُمْ (الحشر ۷)
جو کچھ اللہ ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر پھیر لایا پس اللہ کے، رسول کے، قرابت والوں، یتیموں اور فقیروں کے واسطے ہے۔ تاکہ نہ ہودے ہاتھوں ہاتھ لینا تم میں سے دولت مندوں کے واسطے۔

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک نہ تھا اور نہ فی کا مال ملک ہوتا بھی نہیں۔ اگر بالفرض ایسا مان بھی لیا جائے تو حدیث شریف :-

لَا نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةٌ
ہم معاشر انبیاء اپنا ورثہ نہیں چھوڑتے ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے۔

اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کو وقف کر دیا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ نے وقف نہیں فرمایا تو حضرت سیدہ کا حق نصف فدک ہوتا نہ کہ سارا جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ یہ حدیث نص قرآن کے خلاف ہے اور یہ آیت پڑھی :-
وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (پارہ ۱۹ - نمل ۱۶)
اور وارث ہوا سلیمان، داؤد کا۔

آپ نے جواب دیا کہ یہاں وراثت دینی مراد ہے۔ انہوں نے پوچھا اس تخصیص کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت سی اولاد تھی۔ باقی اولاد کو محروم کر کے صرف ایک کو وارث بنانا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔ لہذا تخصیص کا قرینہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی تخصیص ہے نیز لَحْنُ مَعَاشِرِ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کا وارث غیر نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبی کا وارث نبی ہو تو اس حدیث کے خلاف نہیں اور اس کی دلیل مَعَاشِرِ الْأَنْبِيَاءِ سے ملتی ہے۔ لہذا یہ آیت حدیث شریف کی تائید کرتی ہے نہ کہ تردید۔

دوران مناظرہ اپنے جد امجد کی روحانی توجہ

مولانا شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے کہ اس مناظرہ کے دوران تقریر کرتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شخص کا ہاتھ میرے کندھے پر ہے۔ اور وہ کسی وقت سرگوشی کے طور پر میرے کان میں بھی کچھ کہہ دیتا ہے۔ مگر جب میں ادھر ادھر سر پھراتا تو کوئی دکھائی نہ دیتا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ آپ میرے جد امجد زبدۃ الکاملین، عداۃ الاولیاء میں حضرت پیر سید روشن دینؒ تھے جو روحانی طور پر میری امداد فرما رہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت کے کمال علمی اور حاضر دماغی کا ایسا سکہ بیٹھا کہ پوچھو وار، کھاٹری، پچھو اور ہزارہ کے کل علماء آپ کے معترف ہو گئے۔ مسئلہ فک مندرجہ بالا کی مزید تفصیل حضرت کے فتاویٰ اور ملفوظات میں موجود ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ریاست سوات کا سفر

ان ایام میں ریاست سوات کی جانب آپ نے حضرت اخوند صاحب کے سلسلہ طریقت میں سے کسی خلیفہ صاحب کا کافی چرچا سنا۔ اور معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء حقہ اور نسوار کو حرام کہتے ہیں۔ اور ان کے استعمال کرنے والوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ چونکہ اُمتِ مسلمہ پر یہ ایک ناجائز تشدد تھا اس لئے آپ نے ادھر کا سفر اختیار فرمایا۔ فرماتے تھے کہ اس سفر میں خورد و نوش کے سلسلہ میں صرف کمی کی روٹی ملتی رہی اور کوئی اناج نہ مل سکا۔ ادھر دستور تھا کہ ہندو اور سکھ لوگ بال رکھتے اور شلوار پہنتے تھے۔ اور مسلمان سر منڈوا کر تہذیب یعنی چادر پہنتے تھے۔ حضرت کے سر پر گھونگھریا لے بال تھے اور شلوار بھی پہن رکھی تھی۔ اس لئے جب آپ خلیفہ صاحب کی مسجد میں داخل ہونے لگے تو ایک مسلمان نے غلط فہمی کے باعث آپ کو ٹوکا کہ یہ مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ کہ ہم مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس پر وہ سمجھ گیا کہ آپ مسلمان ہیں اور خاموش ہو گیا۔ آپ سیدھے اُن خلیفہ صاحب کے حجرہ کی طرف گئے۔ دروازہ بند تھا اور کافی لوگ بیٹھے دروازہ کے کھلنے اور خلیفہ صاحب کے باہر آنے کی انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں کچھ علماء بھی تھے جو اس آیت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اُن کے حق میں
 اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاذُنْہُمْ
 اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰہُ
 عَلٰی قُلُوْبِہُمْ وَعَلَی سَمْعِہِمْ ۝ وَ عَلٰی اَبْصَارِہِمْ
 غِشَاوَةٌ ۝ وَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝
 (بقرہ ۶-۷)

برابر ہے کہ خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ
 ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے اُن کے دلوں اور
 کانوں پر ٹھہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے
 اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اُن کی بحث کا حاصل یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُن کے دلوں پر ٹھہر لگا دی تو ایمان نہ لانے میں اُن کا کیا
 قصور ہے اور اُن کے لئے عذابِ عظیم کیوں ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ چونکہ اُن لوگوں کی علیت معمولی تھی اور فقہ حنفیہ
 کی چند جزئیات سے زیادہ نہ جانتے تھے اس لئے کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچ رہے تھے۔ آخر آپ نے مسئلہ جبر و قدر پر حقیقتاً
 تقریر فرمائی۔ جسے سُن کر نہ صرف اُن لوگوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ آگیا۔ بلکہ وہ بہت خوش ہوئے اور خلیفہ صاحب بھی یہ باتیں سُن
 کر حجرہ سے باہر آ گئے اور آپ سے ملے۔

ملاقات پر معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب کو بھی علم و عرفان میں کوئی خاص کمال حاصل نہ تھا۔ آپ نے خلیفہ صاحب سے حُجّہ و نِسوار کے فتاویٰ کے متعلق ذکر فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں خود تو عالم نہیں ہوں اور نہ ایسے فتاویٰ دے سکتا ہوں البتہ یہاں کے علماء جو فتویٰ دے دیتے ہیں، میں اُس پر اس علاقہ میں عمل کروا تا ہوں۔ یہ بات سُن کر حضرت اس مسئلہ کے متعلق علماء کی طرف متوجّہ ہوئے جنہوں نے اپنے خیال کی تائید میں دلائل پیش کئے۔ آپ نے اُن کے دلائل کی کمزوری کو اُن پر واضح کیا جس سے متاثر ہو کر وہ سب اپنی غلطی کو تسلیم کر گئے اور لکھ دیا کہ ہمارا فتویٰ حُجّہ نوشی اور نِسوار کشی کے متعلق صحیح نہیں جسے ہم واپس لیتے ہیں۔

جمعہ کا روز آیا تو خلیفہ صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نماز جمعہ پڑھائیں آپ نے جمعہ کے خطبہ میں اُس فتویٰ کی واپسی کا بھی اعلان فرما دیا۔ افسوس اُس وقت اُن علمی مباحث کو ضبطِ تحریر میں لانے والا کوئی نہیں تھا۔ ورنہ تحقیق کنندگان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتیں۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ آپ حُجّہ نوشی وغیرہ کو حرام اور مُوجبِ کُفر و فسق قرار نہیں دیتے تھے۔ البتہ مُنہ سے بدبو آنے کی صورت میں کراہت کا حکم ضرور فرمایا کرتے تھے۔ جیسے کہ پیاز و لہسن کے متعلق کُتبِ شرع میں مذکور ہے۔

خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اور حضرت کی تلقین

حضرت فرماتے تھے کہ خلیفہ صاحب جس بیمار پر نظر ڈالتے تھے اللہ تعالیٰ اُسے شفا دے دیتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ نعمت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہوئی۔ تو انہوں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ہم بہت سے لوگ قافلہ کی صورت میں جناب غوث الاعظم کے روضہ پاک کی زیارت کے لئے بغداد شریف گئے۔ وہاں روزانہ زیارت سے مشرف ہوتے ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ جب مجاورینِ روضہ شریف نے دروازہ بند کرنے سے قبل سب کو باہر آجانے کی آواز دی، تو باقی لوگ تو باہر نکل گئے مگر میں نے نہ سنا اور وہیں کھڑا رہا۔ مجھے ایک سمت ہونے کے باعث کوئی دیکھ بھی نہ سکا اور باہر سے دروازہ مقفل کر کے سب لوگ رخصت ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلنے پر میں سخت حیران ہوا۔ مگر نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کے مصداق تمام رات حیران پریشان کھڑا ہی رہا۔ بہ پاسِ ادب بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور تھکاوٹ کی زیادتی کے باعث کھڑا بھی نہ رہا جاتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے بارگاہِ غوثیہ کے ادب و احترام کے باعث بیٹھنے کی جُرات نہ کی۔ تہجد کا وقت ہوگا کہ کسی نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھے اور زور سے دبا کر مجھے بٹھلا دیا۔ صبح کو جب روضہ شریف کے کھلنے پر باہر نکلا تو مجھ میں یہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ جس بیمار پر نظر ڈالتا اللہ تعالیٰ اُسے شفا عطا فرما دیتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم نے دریافت فرمایا کہ اس کیفیت میں پہلی حالت سے ضرور کچھ کمی واقع ہو گئی ہوگی۔ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اللہ کرنا سیکھئے ورنہ ایک وقت آئے گا کہ یہ کیفیت بالکل جاتی رہے گی۔ اُس وقت کھن افسوس ملنے سے بہتر ہے کہ ابھی سے اس کا تدارک کیا جائے چنانچہ آپ نے اُن کو مناسب اُردو و وظائف کی تلقین فرمائی۔ بہر حال آپ کے اس سفر سے نہ صرف اُس علاقہ میں فروغی مسائل میں تشدد کم ہو گیا بلکہ عام خیر و برکت کے علاوہ خلیفہ صاحب کی روحانی تربیت بھی ہوئی۔

اعلیٰ حضرت سیالوی سے بیعت

انگلیں حصول تعلیم کے دوران اپنے اُستاد جناب حافظ سلطان محمود کی معیت میں آپ کو کئی مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ جناب خواجہ صاحب بھی حضرت پرست و شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان سے جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس پہنچے تو سیال شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ صاحب سیالوی کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے سلسلہ عالیہ قادریہ جدیہ میں آپ اپنے خاندان میں ہی بیعت تھے۔

شیخ کے حضور میں مسالک وحدت الوجود و شہود پر تقریر

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مجھے ابتداء ہی سے جبرائیل علیہ السلام کے مثل بشری کے واقعہ سے وحدت وجود کی جانب ذوق گواہی دیتا تھا۔ اور اس مسلک پر وحدت الشہود والوں کے اعتراضات و دلائل بھی میرے پیش نظر تھے۔ آخر مشائخ عظام اور اپنے شیخ طریقت کے روحانی تصرف سے اسی عالم گیر مسلک یعنی وحدت الوجود پر ہی طبیعت پختہ ہو گئی۔ اس سلسلہ میں فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سیالوی کی خدمت میں حاضری کے دوران وحدت الشہود پر بات چل نکلی تو اولاً میں نے وحدت الشہود پر تقریر کی۔ اور وحدت الوجود کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہما کے اشکالات و اعتراضات پیش کیے۔ حضرت اعلیٰ سیالوی نہایت غور سے سُنتے رہے مگر قدرے متعجب نظر آتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلک آپ کے اور ہمارے مشائخ کے خلاف تھا۔ لیکن جب میں نے وحدت الوجود پر ان تمام اعتراضات کے جواب دیئے شروع کئے تو خواجہ صاحب بے حد مسرور ہوئے اور بار بار فرماتے تھے واہ شاہ صاحب واہ۔ پھر مجھے فتوحات مکیہ کے مطالعہ کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ کی توجہ سے اس سلسلہ کے بیشتر از مشیر اسرار مجھ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔

اپنے شیخ کی توجہ کے متعلق آپ کے تاثرات

اس کے بعد فتوحات مکیہ ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز کے مطالعہ میں رہی اور زمانہ ارشاد میں آپ نے سالہا سال فتوحات اور فصوص الحکم کا درس دیا۔ اپنی تصنیف لطیف تحقیق الحق میں آپ وحدت الوجود کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:-

”گویا سیدی و سندی، روحی و روحی حضرت خواجہ شمس الدین رضی اللہ عنہ الآن در بیان این راز و تلقین معنی کلمہ طیبہ بموجب نشستہ اند۔“

ہست مجلس برآں متدار کہ بود

یعنی اس کتاب کی تالیف کے دوران کلمہ طیبہ کے وحدت الوجود پر مؤثر روز کی تشریح کے وقت آپ کو اپنے شیخ حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال کے پندرہ سال بعد ان کی معیت و حضوری اور توجہ اُسی طرح میر تقی جس طرح مندرج

بالا تفریکے دوران اُن کی حیات میں بمقام سیال شریف حاصل تھی۔ اور پندرہ برس کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اس
شاہباز لامکانی کو تو عرفان کی منازل طے کرنے کے دوران صبح ازل بھی کل کی ہی بات معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ خود فرماتے ہیں۔
کُن فیکون تاں کل دی گل ہے اسان اگے پریت لگائی

توں میں حرف نشان نہ آجا بدوں دتی میم گوہی
اچھے دی اسانوں اودہ پئے سدے بیدے لوتے گا ہی

مہر علی شاہ دل تاہیں بیٹھے جدوں سکت ہاں توں آہی
اور یہی وہ عارف و کامل ہستیاں ہی تو ہیں جن کی شان میں حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے :-
اَنسَتِ ازل همچاں شاں بگوشش بفریادمت لوبلی درخروش
(ان کے دل کے کانوں میں آج بھی اَنسَتِ بَر بکھر کی ازلی صدا گونج رہی
ہے۔ اور وہ آج بھی بلی بلی کی فریاد میں سرشار و بے خود ہیں)

ظاہر ہے کہ عالم سلوک کی یہ منازل درس و تدریس اور مطالعہ کتب سے نہیں بلکہ مردانِ خدا کی نگہ کرم سے ہی حاصل ہوتی ہیں
چونکہ اس مسئلہ کا تعلق ذوق اور حال سے ہے اس لئے اگر مردانِ خدا کی روحانی شفقت و تربیت حالِ مستیر نہ ہو تو عقلِ جزوی
کے لئے اس کا حصول محال ہے۔ کیونکہ ہر مرحلہ پر ایسے ایسے مشکل نکات و مقامات آتے ہیں کہ علم ظاہر و قال کے ذریعہ اُن
سوالات کا حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ضمن میں شہسوارِ میدانِ علم و عرفان حضرت مولینائے رومؒ فرماتے ہیں :-
قال را بگذار و مردِ حال شو پیشِ مردِ کاہے پا مال شو
ترجمہ۔ محض گفتگو کو چھوڑ کر حال کی کیفیت پیدا کر۔ اور یہ تجھے اُسی وقت نصیب ہوگی جب تُو اپنے آپ کو کسی مردِ
کامل کے قدموں میں ڈال دے گا۔

اسی طرح حضرت مولینا جامیؒ کا ارشاد ہے :-

رُستن ازیں پردہ کہ بر جان تست بے مددِ پیر نہ امکان تست

ترجمہ :- اس حجاب و پردہ سے رہائی حاصل کرنا جو کہ تیری جان پر پڑا ہوا ہے۔ بغیر پیر کی امداد کے تیرے لئے
ممکن نہیں ہے۔

سیال شریف میں وحدت الوجود پر ایک عالم سے گفتگو

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی اپنی ایک تقریر جو آپ نے سیال شریف کے ایک بڑے عالم کے سامنے مسلک
وحدت الوجود کے خلاف امتحان کی تھی۔ اور انہیں لا جواب کر دیا تھا، یہاں درج کی جاتی ہے۔ اس سے اُس روایت کی بھی
تردید ہو جائے گی جو بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے کہ حضرت نے سیال شریف کے ایک خلیفہ صاحب سے فتوحات
مکیہ کا درس لے کر مسلک وحدت الوجود اختیار فرمایا تھا۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ایک پُرانے ہم مکتب و ہم جماعت مولوی سید احمد علیہ السلام
میں قابلیت کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے، لیکن جب کبھی حضرت کے ساتھ بحث و مباحث کا موقع آتا تو اُس دعویٰ پر قائم

نہ رہ سکتے۔ اُن دنوں موضع بلف کا درس علم معقول کی تعلیم کے لئے بہت مشہور تھا۔ ایک مرتبہ سید احمد صاحب اس درس کا ذکر کر کے حضرت سے کہنے لگے کہ میں وہاں جا کر قاضی مبارک "مع منہیات" پڑھوں گا اور پھر اگر آپ کے ساتھ بحث کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ بلف تو بجائے خود رہا۔ تم اگر آسمان پر بھی چلے جاؤ تو بھی کچھ نہ کر سکو گے کیونکہ تم میں معقولی بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

ایک دفعہ سیال شریف میں حاضری پر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی سید احمد وہیں درویشوں میں مقیم ہیں۔ مگر نماز وغیرہ فرائض ترک کر چکے ہیں۔ حضرت نے ملاقات پر انہیں فرمایا: ہم نے سنا ہے کہ تم میں سے انسانیت رخصت ہو چکی ہے۔ اور صرف حیوانیت باقی رہ گئی ہے: اُس نے کہا کہ میں آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ میری طرح تعلیم و تدبیریں ترک کر کے ذکر جہر اختیار کریں کیونکہ تعلیم وغیرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ قطع نظر تمہاری اس ظاہری حالت کے ترک تعلیم و تعلم سے اگر تم نے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا ہے تو مجھے بتاؤ، تاکہ اُسے ہمیشہ نظر رکھ کر میں بھی تمہاری نصیحت پر غور کر سکوں مجھے تو تم میں سوائے اُس کے اور کچھ نظر نہیں آتا کہ تمام رات ذکر جہر کرنے کے باعث تمہیں قدر سے رقت قلبی تو حاصل ہو گئی ہے مگر اسے عرفان نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جسے عرفان حاصل ہو جائے وہ ابتداءً نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک ہرگز نہیں ہو سکتا اس پر مولوی سید احمد حضرت کو مولوی صاحب جام پوری کے حجرہ میں لے گئے جو ذکر و شغل ہونے کے علاوہ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ اور اُن سے کہا کہ پیر صاحب وحدت الوجود کے منکر ہیں انہیں قائل کر دیجئے چنانچہ حضرت قبلہ عالم نے اُن کے سامنے وحدت الوجود کے مسلک پر حسب ذیل اعتراض کیا اور فرمایا کہ چونکہ مسئلہ وحدت الوجود حضرات اولیائے کاملین اور محققین کے مشہودات میں سے ہے اس لئے میں اس کا منکر تو نہیں مگر اپنے اور اس شخص یعنی مولوی سید احمد کے حال کے پیش نظر ازراہ تحقیق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمارے شارح کرام حقیقتِ اشیاء کے منکر تھے (معاذ اللہ) کیونکہ حقائقِ اشیاء کا مسئلہ ہمارے اعتقادی مسلمات میں سے ہے۔ کیا یہ چیز کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے امر مسلم نہیں؟ پھر زید کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو مذہب و جود یہ کی رُو سے عذاب کس کو ہوگا اُس کی حقیقت کو یا تعین کو؟ اُس کی حقیقت تو عین حق ہے جو مُعَذَّب نہیں۔ اب اگر تعین کو عذاب ہوگا تو میں پوچھتا ہوں کہ تعین امر عدی ہے یا وجودی؟ اگر عدی ہے تو اُس کا وجود ہی نہیں کیونکہ امر عدی کا وجود محض اعتباری ہے۔ امر عدی کو انزال کے بعد وجود ملتا ہے نہ کہ انزال سے قبل۔ اور اگر تعین وجودی ہے تو وجود عین ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ مولوی صاحب جام پوری نے اس تقریر سے مبہوت و متحیر ہو کر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس اعتراض کا جواب مفصل طور پر کتاب تحقیق الحق مؤلفہ ۱۳۱۵ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے دیا ہے۔

خلافت ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک

حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سرہ العزیز نے حضرت کے علمی اور عرفانی کمالات کے پیش نظر اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے آپ کو تمام اشتغال و وظائف کی اجازت عام اور بیعت و ارشاد کا منصب عطا فرمادیا تھا۔ اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ آنجناب کے آخری خلیفہ ہیں۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت اعلیٰ سیالوی کی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پر خاص نظر عنایت تھی اور آنجناب نے حضرت کی دوسرے خاصیتوں سے علیحدہ اور جدا گانہ رنگ

میں تربیت فرمائی جس کی تائید میں کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ علاقہ چچھہ ضلع امک کے ایک سید صاحب حضرت اعلیٰ سیالوی کے اراد مند تھے۔ ان کی مقبولیت دیکھ کر بعض چچاچی علماء نے اُن کے ذکر جہر اور قوالی سُنانے کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ سید صاحب نے عرس شریف کے موقع پر اس امر کی شکایت حضرت اعلیٰ سیالوی سے کی تو آنجناب نے چند دیگر علماء کو اُن کی معاونت اور مخالفین کی مدافعت پر تیار کیا لیکن میاں سید محمد پوٹھواری کو حضرت کے پاس بھیج کر تاکید فرما دیا کہ آپ اس جھگڑے میں نہ آئیے گا اور الگ رہیں گے۔ اسی طرح حضرت اعلیٰ سیالوی نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو سیال شریف خاص میں بھی لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے لباس، وضع قلع کو بھی تبدیل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ کے دیگر ارادے مندرجہ آپ کی پیروی میں سنت شیخ سمجھتے ہوئے سر کے بال کٹواتے اور ٹوپی دہبند یعنی چادر پہنتے تھے۔ اور سیال شریف خاص میں کسی کو بیعت کرنا خلاف ادب قرار دیتے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے بال لمبے اور گھنگھریالے تھے۔ نیز آپ کلاہ دستار و شلوار پہنتے تھے حضرت اعلیٰ سیالوی نے ہزارہ کے ایک حید عالم مولوی سید احمد مرحوم کو سیال شریف میں ہی سب سے پہلے حضرت سے ملنا بیعت کروایا تھا۔ اُن کے فرزند حافظ منظور حسین صاحب بہاولپوری بھی حضرت کے مخلص مرید ہیں۔

حضرت ثانی سیالویؒ کی خاص عنایات

حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ العزیز کے پوتے جناب صاحبزادہ محمد سعد اللہ فرماتے ہیں کہ اُن کے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد دین المعروف حضرت ثانی صاحب سیالویؒ کا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اور بہت محبت بھرے خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ناسازی طبع کے باعث عرس سیال شریف کی حاضری سے معذوری کا عریضہ لکھ بھیجا جس وقت یہ خط سیال شریف پہنچا، اُس وقت قوالی ہو رہی تھی اور قوال شیخ پڑھ رہے تھے۔ پیت کا وعدہ کر کے پانے پیت نہجنا اچھوڑ دیا مہر کی اکتیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا حضرت ثانی صاحب خط پڑھ کر ٹھگین ہو گئے اور قوالوں کو فرمایا کہ دوسرے مصرعہ کی جگہ پر پڑھیں :-

مہر نے اکتیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

قوال ابھی یہ شعر پڑھ ہی رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دریا کے تین پر پہنچ چکے ہیں حضرت فرماتے تھے کہ عریضہ روانہ کرنے کے بعد معامیرے دل میں خیال آیا کہ سیال شریف جانا چاہیے چنانچہ اُسی وقت تیار ہو کر روانہ ہو پڑا ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ سیالوی کے عرس پر سیال شریف میں بعض حضرات نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پر اعتراضات کیے کہ آپ یہاں اپنے پیر کے مسکن پر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بال نہیں کٹواتے مجلس سماع میں قوالوں کو خود اٹھ کر عطیہ نہیں دیتے۔ اور لباس میں بھی اپنی وضع اختیار کر رکھی ہے۔ یہ تمام امور ہمارے مشائخ کے معمول کے خلاف ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تو خاموشی سے سُنتے رہے اور کچھ نہ بولے لیکن حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی طرف سے اعتراضات کے جواب دیئے اور قدرے جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ محترمین کو غالباً معلوم نہیں کہ جس وقت حضرت اعلیٰ سیالوی نے پیر صاحب کو خلافت عطا فرمائی تھی تو خود اپنی موجودگی میں یہاں سیال شریف میں ایک ہزاروی شاہ صاحب کو ان سے بیعت کروایا تھا۔ اور آپ کے گھنگھریالے خوبصورت بال دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ شاہ جی آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے بال ہوں اُسے اُن کا خیال رکھنا چاہیے نیز حضرت اعلیٰ قدس سترہ نے فرمایا تھا کہ شاہ

جی، اچھا پاس رکھا کرو۔ میں نے تو طالب علمی کے زمانہ سے ہی اپنی سہولت کے لیے بال کٹوانے شروع کر دیے تھے اور نیلا تہمند اور لٹو پی پہنتا تھا، اسے سنت نہ سمجھنا۔ لہذا ان معاملات میں شاہ جی اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل کر رہے ہیں۔ باقی رہا قاتلوں کو خود اٹھ کر عطیتہ نہ دینے کا معاملہ، تو یہ سوال اُس سے کیا جاسکتا ہے جو روپیہ پیسہ اپنے پاس رکھتا ہو۔ اور ان امور کی طرف توجہ رکھتا ہو۔ شاہ صاحب ایسے فارغ عن الدنیا ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ کتنی رقم آئی اور کس نے دی۔ یہ نذر بردار خدام ہی کے ذمہ ہے کہ مجالس میں عطیتہ دے دیا کریں۔

حضرت اعلیٰ سیالوی کے فیوض و برکات و بعض مشہور خلفاء کا ذکر خیر

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالوی بحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے پایہ کے شیخ طریقت بھی تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اپنے شیخ کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ علم طریقت کے مجتہد اور مجدد تھے آپ حضرت خواجہ خواجگان محمد سیماں تونسوی چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے عظام میں سے ہوتے ہیں اس خطہ زمین میں آپ کے دریائے سخاوت کا فیض ضرب المثل بن چکا ہے۔ آپ کے ارادتمندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے اور سلسلہ خلفاء بھی بہت طویل ہے۔ صاحب انوار شمسیہ نے پینتیس حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کیے ہیں اور ان میں حضرت اعلیٰ سیالوی کے تین صاحب زادگان، حضرت ثانی خواجہ محمد دین، خواجہ فضل دین اور خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ذکر خصوصی کے بعد لکھا ہے:-

یہ پانچ خلفائے عظام یہ نسبت دیگر خلفائے زمان زیادہ ترفیض رسان
عالمیان اور برگزیدہ فضلاء سے جہاں ہیں۔ کرامت و عظمت پناہ حضرت غلام احمد
شاہ ساکن جلال پور شریف، عوارف و فضایل دستگاہ حضرت مہر علی شاہ
ساکن گولڑہ شریف، قدوة العاشقین مولوی فضل دین ساکن چاچر تحصیل شاہ پور
زبدۃ السالکین مولوی معظم دین ساکن مروہ والا تحصیل بھیرہ، برگزیدہ صادقین
مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات، مکران میں سے جناب شاہ صاحب
جلالپوری اور حضرت پیر صاحب گولڑوی کرامات اور کمالات میں مستثنیٰ
ہیں اور خلافت کی ہدایت اور افادت کے لیے مقتدا ہیں۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ نظم امیہ کی اشاعت جس قدر حضرت اعلیٰ سیالوی نے اپنے وقت میں کی اُس کی مثال
بنا مشکل ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ یعنی ۱۸۹۹ء میں بگرام سیال شریف ہوئی اور وصال ۱۲۷۴ھ صفر
۱۳۷۲ھ یعنی ۱۸۸۳ء میں اسی مقام پر ہی ہوا۔ آپ کے حالات زندگی میں "مرآۃ العاشقین" اور "انوار شمسیہ" خاص طور پر مشہور ہیں

اقتباس از کتاب "انوار شمسیہ"

انوار شمسیہ "مؤلفہ ۱۳۳۲ھ کے مؤلف مولوی امیر بخش خوشابی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے پریہانی
اور حضرت ثانی صاحب سیالوی کے منظور نظر خدام میں سے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار

موزوں فرمائے تھے جو اس کتاب میں درج ہیں ۛ

دستگیر بے کسان و عاجزاں	مقتدائے سالکان و کمالان
دارثِ حسنین فخرِ اصفیاء	قرۃ العینین سرورِ انبیاء
نازنین بارگاہِ مُرتضیٰ	زینتِ سجادہ کلِ چشتیا
افضلے شہبازِ اوجِ منزلت	کاملے غواصِ بحرِ معرفت
حضرتِ مہر علی شاہ دلی	معدنِ علمِ خفی و ہم علی
شد چو متغناطیس در جذبِ لال	از کمالش گشت شورے در جہاں
سرورانِ دہر حُمدِ امِ درش	فاضلانِ دیں غلامِ درگمش
گشت روشن عالمِ از انوارِ او	جن و انسِ طالبِ دیدارِ او
مثلِ جدِ خویش شاہِ دستگیر	در کمالات و کرامت بے نظیر
گشت ہر اطرافِ عالمِ را محیط	فیضِ او چوں منتشر شد در بیط
گشتہ اند در پیشِ عیشِ شرمسار	غیر مذہبِ کجرواں از ہر دیار
بیرہ گردیدے جہاں از گمراہاں	گر نبودے ذاتِ او در ایں زماں
مے رسد بادِ دستگیر مے محیِ دین	نسبِ او از پشتِ بہتِ پیار میں

از طفیلِ محرمست خیر البشر
باد فیضِ حلالِ تاحشر

باب چہارم

زمانہ جذب و سیاحت

۱۳۰۰ء تا ۱۳۰۷ء

۱۸۸۲ء تا ۱۸۸۹ء

زمانہ جذب و سیاحت

حضرت کی اپنے شیخ سے عقیدت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو اپنے شیخ کریم کے ساتھ بے حد عقیدت اور کمال درجہ کی محبت تھی۔ موقوفات طیبات میں آپ کا ارشاد بدین مضمون درج ہے :-

”ہمارے خواجہ شمس الحق والدین کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی محبت سے آیا اُسے اُس کی استعداد سے زیادہ فیوض و برکات سے نوازا جس کسی نے آپ کو ایک بار دیکھا اُسے دوبارہ دیکھنے کی ہمیشہ حسرت رہی۔ سنیۃ میں حج بیت اللہ شریف کے موقع پر حضرت حاجی ابد اللہ مہاجر کی خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے اور باطنی نعمت دینا چاہی لیکن میرے دل میں خیال گذرا کہ جو رُخ نور ہم نے دیکھا ہے جہاں میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ آخر اُن کے اصرار پر عرض کی کہ اگرچہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ آپ بخوشی عنایت فرما رہے ہیں۔ لہذا آپ کا شکریہ گزار ہوں۔ تاہم اس عنایت کو اپنے شیخ طریقت کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سلسلہ طریقت چشتیہ صابریہ عنایت فرمایا۔“

حضرت حاجی صاحب کے واقعہ کی تفصیل اسی باب میں آگے درج ہے۔

طلب مزید کھیلے بیابانوں میں خلوت کاراز

حضرت اعلیٰ سیالوی کی زندگی میں حضرت قبلہ عالم کی توجہ زیادہ تر مقامی درس و تدریس، ریاضات و عبادات اور وقتاً فوقتاً سیال شریف کی حاضری اور استفادہ پر رہی۔ سنیۃ میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کا وصال آپ کے صمد شوق کے لیے تازیانہ اور انتہائی بے قراری کا باعث ہوا۔ بہت عالیہ کی تشنگی ابھی فرو نہیں ہوئی تھی اس لیے اُباب فقر کے حسب معمول طلب مزید کے لیے علوم رسمیکہ کی تعلیم و تدریس کو خیر باد کہہ کر جہاں گردی اور صحرا نوردی اختیار فرماتے ہوئے اپنے جد امجد حضرت غوث الاعظم کی سنت کو پورا کیا۔ کیونکہ آنجناب بھی علوم ظاہرہ کی تکمیل کے بعد سالہا سال تک عراق کے بیابانوں میں مشاغل بجا رہتے ہوئے کسی ایک مقام پر قرار پذیر نہ ہوئے تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی مرناس وقت پچیس برس کی تھی۔

بزرگان دین کے معمول صحراوردی کی بڑی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائے حال میں کیسوی کے لیے انہیں خلوت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے ان ایام میں لوگوں سے زیادہ میل جول ان کے حال میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اور جب تکمیل کے بعد مشاہدہ دوام اور مقام محمود تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں تو خلوت سے خلوت کی طرف رجوع فرماتے ہوئے ہدایت خلق میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اُن کو خلوت میں خلوت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

خلوت میں ہوشیگر تصور، نقص کمال عشق یہی ہے

تنہائی کے معنی یہ ہیں، سب میں رہ کر تنہا ہو جا
اس وقت یہ سب میں ہوتے ہوئے، سب میں رہتے ہوئے بھی سب سے الگ ہوتے ہیں۔

وصال شیخ کے بعد آپ کی حالت

حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال کے بعد آپ کے سفر و سیاحت کے اکثر حالات آپ کے منتظم خط و کتابت ملک سلطان محمود لوانہ نے حضرت کے پُرانے شاگرد اور سفر و حضر کے صاحب جناب مولوی محبوب عالم کی زبانی قلمبند کیے تھے۔ اور کچھ واقعات جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور نے بھی اپنے مسودات میں تحریر کیے ہیں۔ مولوی محبوب عالم قریباً بارہ سال کی عمر میں حضرت کے درس میں شامل ہوئے تھے۔ اور پھر ساری عمر حضرت کی خدمت میں بسر کر کے بالآخر اسی جگہ فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کے والد حضرت مولوی عصمت اللہ خان ہزاروی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیر طریقت تھے۔ انہوں نے اپنے اس لڑکے کی تعلیم و تدریس کا خاص طور پر انتظام کیا تھا مگر اس صاحبزادہ نے، موضع گڑھی افغاناں علاقہ حسن ابدال میں ایک عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کو دیکھ کر کچھ ایسی کشش محسوس کی کہ ذہنی طور پر تمام علاقہ دنیوی سے بے تعلق ہو کر آپ کی سرپرستی میں رہنے کو ترجیح دی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے سفید شلوار اور سفید قمیص پہن رکھی تھی۔ سر پر دستار بھی سفید ہی تھی اور لمبے گھنگھریالے بال۔ ریش مبارک ابھی اچھی طرح گھنی نہیں ہوئی تھی۔ آپ ٹہل رہے تھے اور پاس سے گزرتے ہوئے دو تین مرتبہ غور سے آپ نے میری طرف دیکھا۔ آنکھوں میں ذوق الست کی مستی تھی یا جنود مجتہدہ والی ازلی کشش کہ دل بے ساختہ مسحور ہو کر آپ کی طرف کھنچا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چند روز بعد ہی گھر سے بھاگ کر گولڑہ شریف حاضر ہونے پر مجبور ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ سیال شریف گئے ہوئے ہیں لہذا واپس چلا گیا۔ دوبارہ جب آنے لگا تو بڑے بھائی نے تعاقب کر کے راستہ میں آن پکڑا مگر میں نے منت سماجت کر کے کہا کہ والد صاحب بقید حیات ہیں۔ اُن کی تبادلی اور جانداد تمہیں مبارک ہو میں نے اپنے جتھے کی جانداد بھی تمہیں بخشی۔ مجھے جانے دو میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ بھائی نے میری باتیں سن کر چھوڑ دیا اور میں گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ میرے پہنچنے سے تھوڑا عرصہ ہی قبل حضرت اعلیٰ سیالوی کا وصال ہوا تھا۔ اور حضرت اپنے شیخ کے فراق میں عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا تھے۔ نماز ادا کرتے وقت یا وظائف پڑھتے وقت یا باتیں کرتے ہوئے جی کہ اُٹھتے بیٹھتے آپ پر گریہ طاری رہتا۔ اس صورت حال کے پیش نظر درس و تدریس کا کام بڑے بڑے شاگردوں نے سنبھال لیا تھا چنانچہ کچھ عرصہ ہی حالت رہی۔ اور پھر سفر و کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کئی کئی مہینے متواتر غائب رہتے اور پتہ

زید تاکوہاں میں کبھی اچانک واپس آجاتے اور مختصر قیام کے بعد پھر کہیں روانہ ہو جاتے کبھی تنہا ہوتے اور کبھی کسی کو ساتھ لے لیتے کسی جگہ زیادہ قیام فرماتے اور کہیں کم۔ اولاً یہ سلسلہ لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں تک محدود رہا مگر پھر ہندوستان کی طرف رخ فرمایا اور حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز احمدی کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ جہاں سے کسی اشارہ غیبی کے تحت واپس تشریف لا کر حجاز مقدس کا سفر اختیار فرمایا۔ اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے رباب گہر بار سے سو ویکہین کے مرتبہ عالی پر فائز المرام ہو کر بالآخر شہر مدینہ میں دولت خانہ پر واپس آکر مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ بعض سفروں کے معلوم شدہ حالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مجاہدات کسار راوی

سب سے پہلے ایک طالب علم فیض عالم نامی کو ہمراہ لے کر حضرت نے گولڑہ شریف سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ ایک آدھ روز اپنے پیہجانی حافظ محمد دین سکے کو چھٹکیہ داران کیشمی بازار کے پاس رہ کر بالآخر راوی کے کنارے جہاں اُن دنوں گھنا جھگل ہوا کرتا تھا، جا ٹھہرے کبھی تیسرے چوتھے روز شہر میں کچھ وقت کے لیے چلے جاتے دن کو روزہ اور رات کو قیام ہوتا۔ تمام وقت پاس انفاس، ذکر جہر اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتا۔ کئی کئی دن کے بعد بچہ احصا کر پھر کچھ تسنن دل فرمائیے ورنہ محض ذکر الہی پر بسر اوقات فرماتے تھے۔ البتہ ذوق شوق، سوز و گداز اور درد کی روحانی غذا کی طلب رہتی۔ سنہری مسجد کے نیچے ستاروں، ربابوں اور سازنگیوں کی ایک دوکان تھی۔ شہر میں آتے تو کبھی کبھی وہاں ضرور جا بیٹھتے۔ کبھی کو چھٹکیہ داران کی مسجد میں رات گزارتے۔ جب آپ کے علم و فضل کا چرچا ہوتا شروع ہوا اور علماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی تو اُن کے پاس خاطر سے شیخ الہی بخش کتب فروش کی دوکان پر تشریف لانے لگے۔ سازندوں کی دوکان پر ایک روز ایک خوش رُو نوجوان کرم دین نامی پر جو ستارہ نواز بھی تھا آپ کی نظر پڑی تو اُس نے کچھ ایسی کشمش محسوس کی کہ اپنی مصروفیات کا خیال ترک کر کے آپ کی طرف لوٹا اور بولا فقیر یہ لاہور ہے ادلی نہیں کہ غدر پڑ جائے۔ آپ نے سکر کر کمرل اٹھایا اور مسجد میں چلے گئے۔ دیکھا تو کرم دین بھی پیچھے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا لاہو اپنی جگہ کیوں نہ قائم رہا پیچھے پیچھے کیوں چلا آیا۔ کرم دین نے معذرت کر کے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حلقہ ذاکرین میں شامل ہو کر نیک بختوں میں سے ہوا۔

حافظ محمد دین کا ایک آشنا خلیفہ نور دین نان فروش بھی آپ کا عقیدت مند اور شیعہ الی تھا اور کبھی کبھی دودھ اور نان لے کر راوی کے کنارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ جھگل میں آپ کی تلاش کے لیے آپ کا طالب علم فیض عالم یا حافظ محمد دین یا خلیفہ نور دین ذکر جہر کی آواز پر کان لگاتے اور آواز سے سمت کا تعین کر کے آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ فیض عالم کو آپ کبھی راوی کے کنارے یا شہر کی کسی مسجد میں بہاں بھی موقع ملتا بہن پڑھا دیا کرتے۔ جمعہ کے روز کپڑے دھو اتے غسل فرماتے اور بالعموم مسجد وزیر خان میں نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے۔

شیخ الہی بخش کتب فروش بھی بہت عقیدت مند تھا۔ اُس کی دوکان کے قریب ایک مسجد تھی جس کے امام حکیم فضل احمد بھی آپ سے بیعت ہو گئے تھے۔ وہ بھی کبھی خود اور کبھی اپنے ایت تیم بھتیجے شیر محمد کے ذریعے آپ کی خدمت میں کھانا پہنچا کرتے تھے۔ شیر محمد اُن دنوں ہائی سکول کا طالب علم تھا۔ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے متعلق اپنے چچا

سے کہنے لگا کہ یہ فقیر تو کابل کا کوئی جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اسے خواہ مخواہ ولی بنا رکھا ہے۔ یہ سن کر حکیم صاحب سخت ناراض ہوئے اور اُسے کہا کہ ابھی پر صاحب کی خدمت میں کھانا لے جاؤ اور ان بے ادبانه الفاظ کی اُن سے معافی مانگو۔ شیر محمد غصے کے عالم میں دریاے راوی پر پہنچا۔ دل میں گھر سے بھاگ جانے یا دریا میں ڈوب مرنے کے خیالات موجزن تھے۔ جب حضرتؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے خلافت معمول متوجہ ہو کر دلجوئی فرمائی اور پھر اپنے اوراد و اشغال میں مصروف ہو گئے۔ اتفاق سے اُس وقت شیر محمد کا ہاتھ حضرتؒ کے کمر سے چھو لیا تو اُس پر کچھ ایسی رقت طاری ہوئی کہ بہت دیر تک بے اختیار روتا رہا جب قدرے سنبھلا تو دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ پھر آپ کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اور اُس وقت تک نہ اٹھا جب تک کہ آپ سے بیعت نہ ہو لیا۔

خان بہادر مولوی شیر محمد اسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت

آگے چل کر یہی لڑکا بفضل ایزدی دینی و دنیوی عروج حاصل کر کے خان بہادر مولوی شیر محمد اسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت ہوا۔ گورنمنٹ سے اپنی احسن خدمات کے صلہ میں تین پشت کی نیشن حاصل کر کے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور حضرتؒ سے بعض کتب کا درس لینے کے ساتھ ساتھ مرتے دم تک حضرتؒ کی خط و کتابت کے انتظام کی خدمت سرانجام دی۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک گولڑہ شریف میں قیام رہا۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے انتقال کیا اور یہیں دفن ہوئے۔ حضرتؒ اپنی آخری تصنیف ”تصفیہ مابین سنی و شیعہ“ ان ہی سے لکھوا رہے تھے جو ان کے انتقال کے باعث ناتمام رہی۔

خان بہادر مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ لاہور میں سخت بیمار ہو گیا۔ غلبہ مرض کے باعث بچنے کی اُمید نہ رہی۔ خواب میں دیکھا کہ ملک الموت نے جان قبض کر لی ہے اور تجھ پر تکفین و تدفین کے بعد نکیرین سوال و جواب کے لیے آئے ہیں۔ میں نے سوالات کے جواب صحیح عرض کر دیے۔ جب پوچھا گیا کہ کُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ (ان سرکار علیہ السلام کے متعلق تم کیا کہتے ہو)۔ تو سامنے سنگ مرمر کی ایک بلند دیوار میں ایک دریچہ کھل گیا۔ اور اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نظر آئے۔ میں نے عالم وارفی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کی۔ اے اللہ کے محبوب! میں جانتا ہوں کہ آپ خدا نہیں ہیں اور آپ کی شریعت میں غیر خدا کو سجدہ روا نہیں مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں آپ کے حضور سبر سجود ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے سر زمین پر رکھ دیا۔ جب اٹھایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرما رہے تھے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، اسے واپس لے جاؤ۔ ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو عزیز و اقارب میری چار پائی کے گرد ماتم کر رہے تھے۔ اگلے روز گولڑہ شریف میں جناب غوث الاعظمؒ کے عرس مبارک کی آخری مجلس تھی چونکہ اصل مرض غائب ہو چکا تھا اس لیے باوجود شدید نقاہت کے دو آدمیوں کی امداد سے اُسی شام بذریعہ ریل گاڑی روانہ ہو کر صبح گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ مجلس شریف پُرانے مہمان خانہ میں منعقد تھی۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہرہ شان رعنائی رونق افروز محفل تھے۔ باوجود اس طویل علالت اور شدید نقاہت کے لنگر شریف کے چاول گوشت تمام مہمانوں کے ساتھ خوب سیر ہو کر کھائے مگر کوئی گرانی نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے چند ہی روز میں مکمل طور پر صحت یاب ہو کر بھلا چنگا ہو گیا۔

فتوحاتِ مکیہ کا بالاستیعاب مطالعہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو آپ کے شیخ طریقت نے فتوحاتِ مکیہ مصنفہ حضرت شیخ اکبر مکی الدین ابن عربی کے مطالعہ کی تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے شیخ الہی بخش کتب فروش لاہور کے ذریعہ اس کتاب کی جستجو فرمائی تو معلوم ہوا کہ تمام شہر لاہور میں اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جو خواجہ کریم بخش سوداگر چرم کے پاس ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے آزمائش کی ہے کہ بڑے بڑے مولوی بھی اس کتاب کی عبارت تک صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اس لیے اگر کوئی صاحب اس کتاب کا صرف ایک صفحہ درست پڑھ کر مطلب بیان کر دیں تو وہ روزانہ چند گھنٹے میرے مکان پر آکر اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تشریف لے گئے اور کئی صفحات معہ مطلب کے پڑھ کر انہیں سنائے۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ کتاب آپ کے حوالے کر دی کہ بہ اطمینان پڑھ کر واپس کر دیجئے گا۔ آپ نے تسلی و اطمینان سے اس کا مکمل طور پر مطالعہ فرمایا اور پھر کتاب فارغ ہونے پر ٹوٹا دی۔

تدریس کی پیش کش

ایک روز آپ لاہور کی ایک مسجد میں مشغول وظائف تھے کہ کسی دینی مدرسہ کے دو طالب علموں نے وہاں آکر اپنا سبق دہرانا شروع کر دیا۔ ایک طالب علم نے کافی کی یہ عبارت پڑھی :-
 الْمَرْفُوعَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عِلْمٍ مَرْفُوعٍ وَهُوَ اسْمٌ بِجَوَازِ اسْمِ فَاعِلٍ بِرِشْتَلٍ هُوَ - اِنْ هِيَ الْفَاعِلِيَّةُ فِيمَنْهُ الْفَاعِلُ
 سے ایک چیز فاعل ہے۔
 ان طالب علموں نے فیمَنْهُ الْفَاعِلُ کے مِنْ کو بعضیہ قرار دیا۔ حضرت کے گوش مبارک پر یہ آواز پڑی، تو آپ نے فرمایا کہ یہاں مِنْ کو بعضیہ تم خود کہہ رہے ہو یا تمہارے استاد محترم نے اس طرح پڑھایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہیں پڑھایا ہی اسی طرح گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس نہ تم سمجھے اور نہ تمہارے استاد محترم، انہوں نے پوچھا یہاں مِنْ تبعضیہ نہیں تو کیا ہے۔ فرمایا تمہارے استاد ہوتے تو بات کرتا۔ وہ لڑکے اُسی وقت اپنے استاد کو بلالائے جنہوں نے آتے ہی پوچھا۔ میاں کیا آپ نے مِنْ بعضیہ کو غلط کہا ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ استاد صاحب نے وجہ پوچھی تو فرمایا "مِنْ تبعضیہ کا مدخول کل ذوالالباض ہوتا ہے اور یہاں ضمیر مفرد ہے کل نہیں۔" مولوی صاحب نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کیونکہ ضمیروں کا معنی ان کا مرجع ہی ہوا کرتا ہے اور یہاں مرجع مرفوع ہے جو کہ المرفوعات سے معلوم ہو رہا ہے اور وہ کُلّی ہے حضرت نے فرمایا بے شک وہ کُلّی ہے مگر مِنْ کا مدخول کُلّ ہوا کرتا ہے نہ کُلّی کُلّ اور کُلّی کے درمیان فرق بین موجود ہے یعنی مِنْ بعضیہ کا مدخول کُلّ ذوالالباض ہوتا ہے نہ کہ کُلّی ذوالافراد۔

مولوی صاحب اس سلسلہ پر تو خاموش ہو گئے مگر شاگردوں کے سامنے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے مناظرہ گفتگو شروع کر دی اور پوچھا اَوَّلِيَّتْ هُمْ الْمُفْلِحُونَ يَسْهُوْنَ حَيْثُ كُنْتَ كَيْفَ؟ حضرت نے فرمایا یہ ضمیر فصل ہے مولوی صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَهِةُ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اَرَاكَ اللَّهُ کے

سوا اور معبود ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی) میں لفظ الہیۃ جمع ہے اور جمع کے اقل افراد تین ہوتے ہیں تو اس آیت کریمہ سے تین یا تین سے زیادہ معبودوں کی نفی تو ہو گئی مگر دو کی نفی تو نہ ہوئی۔ پھر یہ آیت مثبت توحید کیوں کر ہوئی؟

آپ نے جواب دیا کہ قضیہ شرطیہ مذکورہ میں ثبوت توحید کی مدار ترتیب تالی یعنی کلام کے آخری حصہ لفسد کتا پر ہے۔ اور ترتیب تالی جس طرح تین یا زائد پر ہوتا ہے اسی طرح دو پر بھی ہوتا ہے پس لزوم فساد جس طرح تین یا زائد سے ہوتا ہے اسی طرح دو سے بھی ہوگا۔ لہذا استدلال تام ہے۔

حضرت نے یہ جواب دے کر مولوی صاحب سے فرمایا۔ اب آپ فرمائیں کہ اثبات توحید کے لیے یہاں اقل درجہ الہین (دو معبودوں) کا ذکر چھوڑ کر جمع لانے میں کیا حکمت ہے۔ اس پر مولوی صاحب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

اگلے روز مدرسہ کے صدر اور اراکین نے مولوی صاحب کے ہمراہ آکر حضرت کو مدرسہ کی صدارت اساتذہ کے منصب کی پیش کش کی مگر آپ نے معذوری کا اظہار فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ لاہور کی کسی مسجد میں تسبیح پڑھ رہے تھے کہ امام مسجد مولوی غلام اللہ جو قصور کے رہنے والے تھے کچھ دیر تک آپ کو معترضانہ انداز سے دیکھتے رہے اور پھر آپ کی درویشانہ وضع اور طرز عبادت یعنی تسبیح خوانی وغیرہ پر سوالات شروع کر دیئے۔ جب جوابات تسلی بخش ملے اور کوئی بات نہ بن سکی تو کہا کہ صدر اکی مثناة بالکفریر کی تقریر کیجئے۔

اب صدر اعظم طبعی کی کتاب ہے اور اسے مضمون زیر بحث یعنی تسبیح و تہلیل سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ نیز مثناة بالست کمری علماء کے نزدیک اس کتاب کا ایک معرکہ الارامقام ہے۔ لیکن حضرت نے بغیر کسی تاثر کے ایسی آسان اور سہل تقریر فرمائی کہ مولوی صاحب دم بخود رہ گئے۔ بالآخر کہنے لگے کہ رب العزت کے دربار میں باز پرس کے لیے تیار رہیے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیوں، تو کہنے لگے کہ جو شخص سینے میں علم کا دریا لیے پھرتا ہو اور خلق خدا کو سیراب نہ کرے اس سے کیونکر باز پرس نہ ہوگی۔

ادھر تو مولوی صاحب درس نہ دینے اور وعظ نہ کہنے پر معترض تھے ادھر بادہ کشان عشق و محبت کا تقاضا سُنیے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک روز میں لاہور کی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا اور ایک مجذوب میرے پاس خاموش بیٹھا تھا جب میں ہی منہمک رہا تو وہ یہ رباعی باوازی بلند پڑھتے ہوئے چلا گیا۔ جس کے سُنانے سے کئی روز تک طبیعت پر کیفیت طاری رہی۔

دنداں بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست
در صفحہ دل ہیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

خون نابہ دل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
در کنز ہدایہ نتوان یافت حصارا

شاہی مسجد لاہور کے محجروں میں قیام

۱۳۰۱ھ میں حضرت چند روز کے لیے گولڑہ شریف آئے اور مختصر قیام کے بعد پھر واپس لاہور چلے گئے۔

اس مرتبہ شاہی مسجد کے محجروں میں مقیم ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل امام مسجد گولڑہ شریف، مولوی فقیر اللہ نور المعروف بکچے والا ساکن تنادلی ضلع ہزارہ اور قاضی فیض عالم سکھ کینٹی مرزا تحصیل گوجر خان وغیرہ تحصیل علم کے سلسلہ میں آپ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ دیگر محنت می طالبان علم بھی آپ سے درس حاصل کرتے تھے۔ مولوی محبوب عالم جو ابھی ابتدائی کتب پڑھتے تھے گولڑہ شریف میں ہی رہے۔ حضرت شاہی مسجد میں اعلیٰ کتب کا درس دیتے تھے اور جب جمعی میں آتا راوی کے جنگل میں یاد الہی میں جام صرف ہوتے۔ اس جگہ پہلے طالبان علم کو کھانے کی بہت تکلیف ہوتی۔ کئی کئی وقت فاقہ رہتا۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ ایک روز مولوی محمد اسماعیل نے عرض کی، حضرت! آپ کو تو اللہ اللہ کرنے کی وجہ سے روحانی تغذیہ کی فراوانی کے باعث جسمانی غذا کی ضرورت کم محسوس ہوتی ہے لیکن ہم نفسانی لوگ بغیر غذا جسمانی کیسے وقت گزار سکتے ہیں۔ آپ نے متعجب ہو کر دریافت فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ خاموش ہو گئے مگر اسی روز سے لوگوں نے خود بخود ہر قسم کا کھانا باذرا لانا شروع کر دیا۔ کھانا بھی اچھی قسم کا یعنی گوشت روٹی، پلاؤ، زردہ وغیرہ ہوا کرتا۔ اور آئندہ اس ضمن میں طلباء کو کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی

ایک شخص جسے مولوی کاغانی کہہ کر پکارتے تھے محض اچھی خوراک کے خیال سے حضرت کے درس میں آیا کرتا تھا۔ اُس نے ایک روز اپنے ایک آشنا صوفی پٹھان سے حضرت کے کمالات کی تعریف کی۔ یہ پٹھان صوفی کشمیری بازار کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آج کل کوئی فقیر نہیں ہے۔ البتہ صرف سوات والے بزرگ فقیر ہیں۔ اُسی رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہی مسجد کے تالاب پر وضو کر رہے ہیں۔ اور یہ یعنی صوفی پٹھان آپ کی شکل مبارک دیکھ کر بہت متاثر ہوتے ہیں اور بیعت کے لیے عرض کرتے ہیں۔ مگر حضرت جواب میں فرماتے ہیں کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اس سے قبل ان صوفی صاحب نے حضرت کو نہیں دیکھا تھا۔ اگلی صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کو خواب میں نظر آنے والی شکل میں ہی تالاب پر وضو کرتے پایا۔ انہوں نے سجدہ مست ثمر ہو کر بیعت کے لیے استدعا کی تو حضرت نے دُبی جواب دیا کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اُس روز تو یہ آپس چلے گئے۔ لیکن دوسرے روز درد مند دل اور اشک آلود آنکھوں کے ساتھ حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ افسوس کہ ان حضرت یعنی پٹھان صوفی صاحب کا نام کہیں تحریر نہیں ہے۔ اُن کے دیکھنے والوں میں سے جو خال خال شخصیتیں اس وقت رہ گئی ہیں اُن کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ یہ فقیر صاحب سواتی کے نام سے مشہور تھے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے اراد مندوں میں سے یہ صاحب ایک خاص مقام و انداز کے حامل ہوئے ہیں۔ حضرت نے دریائے راوی پر انہیں کوئی اسم پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی، جسے پڑھنے پر یہ اُسی جگہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے ان پر پانی ڈلوایا اور ہوش میں آنے پر ان سے دُبی اسم پاک پڑھوایا تو پھر دُبی کیفیت ہوئی کئی سال بعد جب حضرت گولڑہ شریف تشریف لاکر مسند ارشاد پر بیٹھیں ہوئے تو کچھ عرصہ تک یہ صاحب لاہور سے آکر حاضری دیتے رہے مگر سال میں دو چار مرتبہ سے زیادہ بار دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی وجد میں آجاتے۔ پاس بیٹھنے تک کی ہمت

نہ تھی۔ بالآخر لاہور سے ترک سکونت کر کے گولڑہ شریف آگئے۔ حضرت نے آستانہ عالیہ سے مغرب کی طرف کچھ فاصلہ پر موجود تھانہ پولیس کے قریب والی مسجد میں قیام کا حکم دیا۔ آہستہ آہستہ حاضری ناممکن ہوتی گئی۔ بالآخر یہ حالت ہو گئی کہ حضرت تو بجائے خود رہے اُن کے خدام خاص کو دیکھنے پر بھی وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس لیے حضرت نے خدام کو فقیر صاحب کی طرف جانے سے منع فرما دیا۔ ایک روز دھوبی حضرت کے کپڑے لے کر مسجد کے پاس سے گزرا۔ بچوں کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے معلوم نہیں کہ کپڑوں پر نظر جا پڑی یا پیراہن ٹوٹنے کی سرلیج التیر خوشبو نے مشام جان کو معطر کیا کہ اچانک فرش مسجد پر گر کر تڑپنے لگے۔ دائے ارمان اُس سوزِ محبت کے، جو نہ تو تاب وصل رہنے دے اور نہ طاقتِ جدائی۔ بمصدق ۛ

من شمع جاں گدازم تو صبحِ دلکشائی سوزم گرت نہ سینم میرم چورخ منائی
نزدیکتِ این ٹخنیم، دورِ آنچنساں کہ گفتم نئے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

جب ان فقیر صاحب کا آخری وقت آیا تو جناب قاری عبدالرحمن جونپوری نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ چلیے، بے چارہ تڑپ رہا ہے۔ جب تک آپ تشریف نہیں لے چلیں گے۔ جان نہیں دے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ چند لمحوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت کو دیکھا جیسے خلافتِ معمول سکون آگیا ہو۔ پھر اچانک ایک لمبی سانس لی اور جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

ایک اور عاشقِ دیوانہ

حضرت کے جمالِ جاں نواز کا ایک اور عاشق بھی مجذوب ہو گیا تھا۔ یہ آپ کی مسجد کے باہر پڑا رہتا۔ اور پانچ وقت جب آپ نماز کے لیے آتے تو نظر اٹھا کر آپ کو دیکھ لیتا۔ اور کبھی کبھی آپ کے پیچھے سفر میں بھی جا پہنچتا۔ حضرت کے سال بھر میں دو ہی سفر مقرر تھے۔ ایک سیال شریف کا اور دوسرا پاک پتن شریف کا۔ ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں خالفتِ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیوں میں حضرت کی گذرگاہ پر پڑا ہوا تھا۔ جب حضرت کا معداۃ دھام خلق کے وہاں سے گذر ہوا تو اٹھ بیٹھا اور کہا: پیر حبی، ہمارا اعتقاد آپ پر سے اٹھ گیا ہے۔ حضرت نے ایک طویل آہ لے کر فرمایا: میاں! عا کرو کہ میرا اعتقاد تم پر سے نہ اٹھ جائے۔ اکثر اہل دل یہ بات سن کر بے اختیار رو دیئے کہ سٹوک کا کتنا بڑا مسئلہ کس آسان لفظی سے حل فرما دیا ہے۔

افسوس یہ لوگ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ آپ ان کو کیا دکھائی دیتے تھے اور درحقیقت کیا تھے۔ حال کی بات قال میں کیسے سمجھائی جاسکتی ہے۔ یہ کام ہم ہی ظاہر بینوں کو کرنا پڑتا ہے جو مادی استدراک کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے مورخ، مقلد یا مولوی بن کر رہ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی لقائے الہی کے حسرت و ارمان میں رونے والی آنکھیں شاید اشکوں کی مینک سے شیخِ طریقت کے آئینہ جمال میں اُس حُسنِ حقیقی کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں جس کی نسبت خود حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ نے فرمایا ہے ۛ

ایہ صورت ہے بے صورتِ حقیں بے صورتِ ظاہرِ صورتِ حقیں
بے رنگ دے اس صورتِ حقیں، وچ وحدت پھنیاں جد گھڑیاں

اور کسی اور صاحب نے بھی خوب کہا ہے۔ ع

تیری جہیں سے آشکار پر تو ذات کا فروغ

صلی اللہ علیٰ نورہ وسلم۔ قرآن کریم گواہ ہے کہ ان لوگوں کے دل کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہی ظاہری آنکھیں پر تو جمال حقیقی سے روشن تر ہو کر بشری قیود و حدود سے ورہی دیکھ لیتی ہوں۔ بہر حال اُس زمانہ میں حضرت کی دید برق جہاں سوز سے کسی طرح کم نہ تھی جو آنکھ آپ کے چہرہ مبارک پر پڑ جاتی ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتی خصوصاً نوجوان طبقہ پر آپ کی نظر کیا اثر کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ گھر بار چھوڑ دیتے۔ شادی بیاہ کی نسبتیں توڑ دیتے اور تمام علاقہ دنیوی سے قطع تعلق کرتے توئے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں مُبتلا ہو جاتے آپ کے نیاز مندوں کو کہتے ہی ایسے حضرات کا حال معلوم ہے جو بچپن میں ہی اس نگرہ خدا آگاہ کے تیرنیم کش سے گھائل ہو کر جامہ ادا دیں اور گھر بار چھوڑ کر آپ کی خدمت میں تجرید کی زندگیاں بسر کر گئے۔

سفر مالیر کوٹلہ

لاہور میں کوئی سال بھر قیام فرمانے کے بعد جوش جنوں نے پھر زنجیر درکشکھائی۔ اور آپ سلسلہ درس و تدریس ترک فرما کر پھر رادی کے جنگل میں خلوت گزین ہو گئے۔ مگر جب پردانوں نے وہاں بھی حین سے نہ ٹھکنے دیا تو تنہا مالیر کوٹلہ کے سفر نپٹ کر گئے۔

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں

رقص میں سیلی رہی ہیلی کے دیوانے ہے

کچھ عرصہ مالیر کوٹلہ میں قیام فرمایا۔ وہاں کے حالات کی تفصیل نہیں مل سکی۔ صرف ایک اضافی واقعہ جناب شیخ الجامعہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اُس جگہ حضرت کے ایک ارادت مند حافظ صاحب رہا کرتے تھے۔ جو ایک رات کچھ وظائف ایک قبرستان میں جا کر پڑھنے لگے تو اچانک پتھر اور اینٹیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ جیسے جیسے یہ وظیفہ پڑھتے سخت باری زیادہ ہوتی جاتی تھی کہ ایک بڑا سا پتھر سر کے بالکل قریب سے گزرا۔ جس سے گھبرا کر انہوں نے وظائف بند کر دیئے اور قصیدہ بُردہ شریف کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کا برسنا بند فرما دیا۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تَرْجَى شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوَالٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٌ

(وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ ان کی شفاعت کی اُمید

ہے ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے ہیں)

حضرت کا ایک دیوانہ قاضی میسر عالم کسی طرح یہاں کے متعلق بھی پتہ لگا کر آپ کے پاس مالیر کوٹلہ جا پہنچا جس پر بالآخر واپس گھر تشریف لے آئے۔

سفر ملتان

چند روز بعد پھر تنہا ملتان تشریف لے گئے۔ رات کو محلہ قاضیاں میں ایک قاضی صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔

اور دن کے وقت حضرت غوث بہاؤ الحقؒ کے مزار پر انوار پر موجود رہتے۔ خود فرماتے تھے کہ ایک روز میں بوہڑ دروازہ سے نکل رہا تھا کہ مولوی نظم الدین سکنتہ بستی چمرنگ مع اپنے شاگرد سید بہار شاہ سکنتہ سناواں دُور سے آتے نظر آئے۔ میں نے معلوم کیا کہ مولوی صاحب تو طلب دُعا کے لیے آرہے ہیں اور اُن کا شاگرد کوئی علمی سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ملاقات پر مولوی صاحب نے تو اپنے حُسنِ خاتمہ کے لیے دُعا کو کہا جو میں نے بصدِ معذرت کر دی۔ اور اُن کے شاگرد نے پوچھا کہ ترکیبِ ذہنی اگر ترکیبِ خارجی کو مستلزم ہے تو لازم آئے گا کہ عقولِ مادی ہوں۔ کیونکہ عقل کی حد یہ بیان کی جاتی ہے کہ العقل جوہر مجرد عن المادۃ فی الذات والفعل اور جوہر جوہر درجہ لا بشرطِ شئی میں جنس ہے مرتبہ بشرطِ لا شئی میں مادہ ہوتا ہے حضرت نے جواب دیا کہ مادہ صرف اجسام تک ہی محدّد نہیں بلکہ اس کی یعنی مادہ کی ایک قسم مجردات میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مادہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اُس نے دریافت کیا کہ ان قسموں کا کس کتاب میں ذکر ہے حضرت نے فرمایا کہ قاضی مبارکؒ کے حاشیہ منہیہ اور اُس کے حاشیہ ملاپشت میں۔ یہ سن کر وہ مطمئن اور خاموش ہو گیا۔

حضرت شیخ الجامعہ کے اُستاد گرامی مولینا جمال الدین گھوٹوی سے منقول ہے کہ ایک روز اُنہیں ملتان میں حضرت کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ دوپہر کے وقت حضرت نے اپنے حجرے کا دروازہ کھولا۔ باہر تشریف لا کر تھوڑی دیر باتیں کیں پھر اُن سے فرمایا کہ اجازت دیجئے اور پھر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اُن دنوں حضرت کو خلوت پسند تھی اور لوگوں سے گونہ وحشت ہوتی تھی۔

ایک دن مولینا سلطان محمود سکنتہ ٹھٹھی حمزہ نے ملتان آکر اُستاد صاحب گھوٹوی سے کہا کہ حضرت پیر صاحب کی زیارت کا شوق ہے چنانچہ تلاش کُناں ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ تنہا تشریف فرما ہیں اور آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ انہیں آنا دیکھ کر آنسو پونچھے اور مصافحہ کیا۔ یہ لوگ بھیٹے گئے۔ آپ نے کچھ دیر خاموش رہ کر یہ رباعی پڑھی اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

خونِ نابہِ دل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست دندانِ جبِ گزن کہ کتابے بہ ازیں نیست
در کمنر و ہدایہ نتواں یافت حُدا را در صفحہٴ دل ہیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

حضرت نے اپنے ایک آشنائے حکیم مہر بخش کو فرمایا کہ یہاں محلّہ قاضیاں میں میری کافی شہرت ہو گئی ہے کسی دوسری جگہ مکان کا انتظام کر دیں۔ اُنہوں نے حرمِ دروازہ کے اندر ایک مکان کرایہ پر لے دیا۔ یہاں ایسی تہنائی تھی کہ ہفتوں کسی آدمی کا مُنتہ تک دیکھنا نہ ملتا۔ اس مکان کے قریب ایک شخص رہتا تھا۔ اُس نے رات کو کئی بار جاگ کر آپ کو بحالتِ نماز و قیام دیکھا اور کافی عرصہ تک اسی طرح دیکھتا رہا تو آپ کا بے حد عقیدت مند ہو گیا ایک دن حاضر ہو کر عاجزانہ گزارش کی کہ میری لڑکیاں جوان ہیں کہیں سے اُن کے رشتہ کے سلسلہ میں کوئی پیغام نہیں آتا۔ دُعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیں۔ اور مجھے اس فرض سے باحسنِ سبکدوش فرمادیں۔ حضرت نے دُعا کی اور دو تین ماہ کے اندر اندر حسبِ خواہش بچوں کی شادی سے اللہ تعالیٰ کے کرم سے فارغ ہو گیا۔

سفید مرغ نے مدفونہ دولت کی نشاندہی کی

جب اس محلّہ میں بھی شہرت ہو گئی تو آپ نے محلّہ حسین آگاہی میں جا کر مکان لیا۔ وہاں بھی ایک مندرجہ بالا قسم کے

شخص نے حاضر خدمت ہو کر بغیر کچھ کہے سنے خاموشی سے شب و روز آپ کی خدمت شروع کر دی۔ اُس شخص کی بڑیاں جوان تھیں مگر غربت و ناداری کے باعث کہیں رشتے نہ جوتے تھے۔ آپ نے فوراً فرست اُس کی پریشانی کا حال معلوم کر کے ایک روز اُسے فرمایا کہ ایک مفید مرغ لاؤ۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو شام کے قریب اُسے مرغ سمیت بلولے کو وضہ غوث بہاؤ الحق کے مغربی دروازہ کی طرف لے گئے۔ مرغ کے گلے میں ایک تعویذ ڈالا اور اُسے چھوڑ دیا مرغ نے تھوڑا فاصلہ چل کر ایک جگہ کو اپنی چونچ سے کھودا۔ حضرت نے اُس شخص کو وہ جگہ کھودنے کو کہا تو تھوڑی سی گہرائی میں ہی روپوں کا فوٹہ ملا۔ آپ نے اُسے کہا کہ جس قدر ضرورت ہے لے لو۔ اُس شخص نے روپوں سے جھولی بھری تو آپ نے کڑھے کو بند کر دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت ملتان سے مظفر گڑھ جا چکے تھے اُس شخص نے دوبارہ اُسی جگہ پہنچ کر قسمت آزمائی کرنا چاہی تو وہاں سے سانپ نکل آیا اور وہ ناکام واپس لوٹا۔

حکیم مہر بخش کے فرزند اپنے والد صاحب کی زبانی روایت کرتے تھے کہ ابستہ حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ سر پر مال بندھا رہتا تھا۔ اور جہاں بچے تنگ اُڑا رہے ہوتے، اُس جگہ دیر تک کھڑے آسمان کی طرف ٹھٹھکی لگائے دیکھتے رہتے اور آنکھوں سے اشک رواں رہتے۔

رشتہ در گردنم انگذہ دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ دوست

کھانے پینے کی طرف توجہ نہ تھی کبھی حکیم صاحب آپ کی رغبت کے پیش نظر بھڑیا کبریٰ کی زبان کا گوشت کچا کر پیش کرتے تو بہت اصرار کے بعد تھوڑا سا تنہا دل فرما لیتے۔ حکیم صاحب کے ایک چچا بزرگوار بہت بڑے عالم اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ اُن کے ساتھ تخلیہ میں علم و فقر کی گفتگو رہتی۔ وہ فرمایا کرتے کہ انہیں عام فقراء کے زمرہ میں شمار نہ کرنا۔ یہ بہت زبردست عالم اور بہت ہی بڑے پائے کے ولی اللہ ہیں جو جذب و سلوک کی منازل طے کر رہے ہیں اور عنقریب فلک ولایت پر آفتاب بن کر چمکنے والے ہیں حکیم صاحب کہتے تھے کہ ملتان کے لوگ بالعموم جان گئے تھے کہ حضرت کس پایہ و شان کے بزرگ ہیں۔ اور آپ کے قیام ملتان کے آخری دنوں میں لوگ اس کثرت سے آپ کی طرف رجوع کرنے لگ گئے تھے کہ آپ اپنے حجرہ میں چھپ چھپا کر آتے اور اندر داخل ہو کر اُسے باہر سے مقفل کر دیتے۔ بکثرت اشخاص دُعا کے لیے حاضر ہوتے اور ہم سے سفارش کے طلبکار ہوتے۔ آپ کی دُعا اور نگہ اتفاقات حل مشکلات وغیرہ میں تیر بہدف شمار ہوتی تھی۔

ایک روز حکیم مہر بخش آپ کو کمرہ میں بند کر کے آپ کے ارشاد کے مطابق دروازہ باہر سے مقفل کر کے کسی کام کے سلسلہ میں حضرت حافظ محمد جمال کی خانقاہ شریف کی جانب چلے گئے۔ وہاں ایک مجذوبہ مانی پڑی رہتی تھیں حکیم صاحب کو پاس بلا کر ملتان کی زبان میں کہنے لگیں۔ "وے بالا، اُوں جیون جو گے کوں اندر کیوں ڈھاک آیاویں، اوندی دل تو بھی تھیندی ہوسی" حکیم صاحب نے کہا۔ "مانی میں کیا کروں، وہ خود مجھے کہتے ہیں کہ باہر سے تالا لگا دو۔ مجذوبہ بولیں۔ "نان وے نان، اینویں نہ کیا کر، شہزادہ وی شہزادہ" یعنی یہ شہنشاہوں کا فرزند ہے اسے معمولی انسان نہ سمجھنا، مبادا اندر مقفل ہو کر بیٹھنے سے ان کا دل اُداس ہو جائے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار پاک کی کشش

حضرت قدس سرہ فرماتے تھے کہ پہلی بار جب ہم ملتان گئے تو پاک دروازہ سے گذرتے وقت اچانک میرا رخ کسی غیبی طاقت نے ایک خانقاہ شریف کی طرف پھیر دیا۔ سامنے ایک بڑی وادِ نجی ڈیوڑھی تھی اور آگے دالان تھا۔ جہاں ایک مولوی صاحب غیرت مندوں کی تردید میں تقریر کر رہے تھے مگر دلائل ایسے بودے اور بے سرو پا تھے کہ حیرت ہوتی تھی کہ سامعین سب کے سب غیر متقلد کیوں نہیں ہو جاتے مگر اُس اندرونی کشش نے ہمیں وہاں زیادہ دیر رکنے نہ دیا۔ کچھ آگے بڑھے تو حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہید کا مزار پاک نظر پڑا جو معلوم ہوا کہ گیلانی القسب ہیں اور یہ اپنے ہی گھرانے اور خاندان کی کشش تھی جو کھینچے لیے جا رہی تھی۔ حضرت مخدوم نے مزار پاک میں سے فرمایا کہ قرابت کا یہ طریق نہیں ہے کہ نزدیک رہتے ہوئے بھی ملاقات نہ کی جائے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پیر طریقت اور حضرت مخدوم عبدالعتاد رثانی اوجھی اور حضرت سیدنا عبد الوہاب بن سیدنا غوث الاعظم جیلانی کی اولاد پاک سے ہیں۔ یہ خاندان برصغیر پاک و ہند میں گیلانی سادات کے مشہور خانوادوں میں سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے حالات اخبار الاخبار میں مفصل بیان فرمائے ہیں۔ یہ خاندان سب سے پہلے ریاست بہاولپور کے شہرہ آفاق شہر اوج میں وارد ہوا تھا اور بعد میں بہاول پور کے دوسرے شہروں اور ضلع ملتان میں سکونت پذیر ہوا۔ حضرت مخدوم موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ شریف ملتان شہر میں دربار پیران پیر کے نام سے مشہور عام ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پاک تین شریف جاتے ہوئے عام طور پر ملتان اتر کر مزار شریف حضرت موسیٰ پاک شہید کی زیارت کیا کرتے تھے اور آنجناب کے سجادہ نشین، قدوة السالکین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ گیلانی کے ساتھ حضرت کے تعلقات سیدہ عجبانہ تھے۔ اسی خاندان کے ایک مشہور فرد سید میراں شاہ رئیس اعظم بہاولپور، حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے بیعت ہیں۔

حاجی امام بخش ملتان سوداگر چرم بیان کرتے تھے کہ اُن کے محلہ میں ایک مجذوبہ بامی موراں نامی نیم برہنہ حالت میں پھرا کرتی تھیں۔ ایک روز کپڑا مانگ کر جسم ڈھانپنے کی تنگ و دو میں مصروف ہو گئیں کہ مرد آ رہا ہے۔ گویا پہلے کوئی مرد انہیں نظر نہ آتا تھا۔ اور لوگ اُن کی نظروں میں عام جانوروں کی طرح تھے۔ سچ ہے طَالِبُ الدُّنْيَا يُخَفِّتُ، طَالِبُ الْعُقْبَىٰ مُؤَنِّتٌ طَالِبُ السَّوْلَىٰ مُذَكَّرٌ کچھ دیر بعد ایک درویش مجذوب صورت اُس کے پاس آیا۔ اور دونوں باتیں کرتے رہے جب وہ جانے لگا تو لوگ اُسے بزرگ سمجھ کر ساتھ چلنے لگے۔ لیکن اُس نے سختی سے ڈانٹا اور لوگوں کو روک دیا۔ کسی اشخاص نے مختلف قسم کے سوالات بھی پوچھے مگر اُس نے کسی کا جواب نہ دیا۔ البتہ ایک شخص نے جب یہ پوچھا کہ گولڑہ والے پیر صاحب جو یہاں آتے رہتے ہیں، صحیح فقیر ہیں یا نہیں۔ تو فوراً پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ گولڑہ والے پیر صاحب اولیاء کے سرتاج ہیں۔

ڈیرہ غازیخان کا ایک نانگ فقیر

جناب شیخ الجامعہ کے مکتوبات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ڈیرہ غازی خان میں ایک نانگ فقیر سے ملاقات ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ وہ فقیر بڑا صاحب کشف تھا اور واقعات کونیہ کی اطلاع پہلے دے دیا کرتا

تھا۔ میرے متعلق اُس نے کسی پیشین گوئیاں کیں جو پوری ہو رہی ہیں۔ اور اُس کے مکاشفات ہمیشہ درست ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ڈیرہ غازیخان سے ملتان آتے وقت وہ میرے ساتھ ہو لیا۔ غازی گھاٹ سے سم جہاز میں سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے کہ ایک عورت کافی فاصلہ پر دودھ کا برتن لیے مشک پر تیرتی نظر آئی۔ میری توجہ ایک لمحہ کے لیے اُدھر ہو گئی اور خیال آیا کہ یہ عورت اپنے کام میں کیسی باہمت ہے۔ معاوہ نانکا فقیر تالی بجا کر کہنے لگا: وہ تاروٹ گئی۔ تاروٹ گئی۔ یعنی تمہاری توجہ ذکر الہی کے شغل سے ہٹ کر اس عورت کے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ پھر وہ جہاز میں ہی کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گنتی میں لے جائیں گے۔ اور مجھے پیدل چلائیں گے۔ بابا تم اُس کے لاڈلے جو بوجے۔ تاہم دہل گاڑی میں اکٹھا سفر کریں گے۔ میں نے کہا نہیں دونوں اکٹھے گنتی میں چلیں گے۔ میرے پاس کرایہ دینے کو رقم ہے۔ وہ بولا پیسے تو میرے پاس بھی ہیں مگر غذا کی مرضی یہی ہے کہ میں پیدل چلوں۔ حضرت فرماتے تھے کہ جہاز سے اتر کریں نے ایک اچھا سا ٹانگہ دیکھا اور اُس میں سوار ہو کر اُس فقیر سے کہا کہ میرے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں یہ بات ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ ایک شخص جلدی سے آکر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور وہ جگہ روک لی۔ وہ پچھلی سیٹ کی طرف پٹا تو دو اور آدمی لپک کر اُس سے پہلے سوار ہو کر وہاں بیٹھ گئے اور ٹانگہ میں سواریاں پوری ہو گئیں۔ پھر وہ جس ٹانگے یا گنتی کی طرف جاتا۔ اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی سواریوں سے بھر جاتا۔ اور چونکہ اُس روز وہاں تھیلدار آیا ہوا تھا اس لیے کوچان قانون شکنی کے خوف سے چار سے زیادہ سواریاں نہ بٹھلاتے تھے چُنچُنچ اُس فقیر کو پیدل ہی چلنا پڑا جب کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد یہ ٹانگوں کی سواریاں ریلوے اسٹیشن غازی گھاٹ پہنچیں تو ریل گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا اور وہ تیار کھڑی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اب یہاں اُس فقیر کا کشف ضرور غلط ثابت ہوگا۔ لیکن گاڑی نہ چلی اور کھڑی رہی۔ معلوم ہوا کہ انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی دلو گھنٹہ بعد وہ فقیر ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور سید حامیرے ڈبے میں چلا آیا۔ اور جیسے ہی اُس نے گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اُس فقیر سے پوچھا کہ یہ نعمت تم نے کہاں سے پائی کیونکہ تمہارے کسب کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی ایک گرفتار شدہ ملزم کو حراست میں لیے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ ایک قبرستان آیا جہاں ایک شکستہ سی قبر پر وہ ملزم دعا مانگنے کے لیے رُکائیں نے کہا کہ جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہوگی۔ کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، جلدی چلو۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ صورت شخص نظر آئے۔ اور مجھے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں لے گئے۔ میری سفارش کی اور میرے لیے دعا کرائی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میاں ہماری قبر تو ٹوٹی چھوٹی تھی مگر تمہارا کام تو بنا دیا۔ صبح کے وقت جب جاگا تو صاحب کشف تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر آزاد ہو گیا۔

مولینا محبت الحسنی سابق صدر مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف کہتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک رُسبِ پڑھانے کے دوران اس فقیر کے مزید کچھ حالات بیان فرماتے ہوئے کہا تھا کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ آخری عمر میں گولڑہ اگر آپ سے ملوں گا۔ ابھی تک وہ نہیں آیا۔ اس وقت میری عمر ستر سال سے اوپر ہے معلوم ہوتا ہے وہ ابھی تک زندہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ میں نے اُس کی کوئی بات غلط نہیں پائی۔ مولینا فرماتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے ہمیں آخری سبق دیا تھا اور اس کے دو تین ماہ بعد آپ عالم استغراق میں چلے گئے تھے۔ آپ کی باتوں سے

معلوم ہوتا تھا کہ اُس فقیر کے کئی ایک دیگر مکاشفات بھی آپ کو اپنے متعلق معلوم تھے جن کا ذکر آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کامسک تھا کہ اپنے مال یا مکاشفات عالیہ کو پردہ اخفایں رکھتے تھے اور کسی قسم کا دعویٰ کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق کا ظہور ہوا۔ لیکن آپ نے صرف انہی چیزوں کو ظاہر فرمایا جن کے لیے کوئی شرعی مجتہد یا اشد ضروری وجہ اظہار ہوتی مثلاً قادیانی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشفی ارشاد یا وادی حرمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابنِ مکت کے یسینت کے اہتمام کی بالخصوص تاکید نیز یا شیعہ عبدالقادر جیلانی شیعہ اللہ کے متعلق اپنے مشاہدہ کا اظہار اسی قسم سے ہے۔ ندائے غائبانہ اور استمدادِ اولیاء اللہ کے سوال پر یا ستر غلام حبیب کے خط کے جواب میں اپنی استمداد کے متعلق مندرجہ ذیل ارشادِ تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک عقیدت مند نے تقریباً بارہ یا ساڑھے بارہ بجے دن بارگاہِ غوثیہ بعثِ ادبیہ میں مضطربانہ فریاد کی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ اُسی وقت شعلہ سے تارِ صنم کیمبل پور میں پنچپ کہ محمد حسین کو پچانسی نہ دی جائے۔ حالانکہ پچانسی کا حکم قطعی منظوری سائر حکام ہو چکا تھا۔ اور پچانسی دینے کو تیار تھے۔ یہی اسی ضمن میں آتا ہے۔

ایسے ہی دیوانِ سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کی طرف بوقت ملاقات التفات نہ فرمانے کے متعلق بطور معذرت آپ کا یہ فرمانا کہ جب آپ آئے تھے تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تشریف فرما تھے اور گفتگو ہو رہی تھی اس لیے میں آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، یہی اسی قسم سے ہے۔ اس کا مفصل ذکر آئندہ البواب میں آئے گا۔

فقیر صاحبِ نون کے دعویٰ کا جواب

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ میرزا عظیم خان گولڑہ آپ کا مُعتقد تھا۔ آپ بھی اہلِ اہل سے اُس پر مہربانی فرماتے تھے۔ اُسے خود سیال شریف لے جا کر حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ سے بیعت کرایا کیونکہ خود بیعت کرنے سے اُس کے ساتھ تلبے تکلفی میں فرق آتا تھا۔ اُس نے اپنے خسر کی وفات پر اپنی بیوی کی طرف سے موضع جو دھ کی زرعی اراضی کے متعلق حق وراثت کا دعویٰ کیا۔ مگر یہ دعویٰ ناکامیاب رہا اور جائیداد اُس کی بیوی کو ملنے کی بجائے متوفی کے وارثانِ بازگشت کو منتقل ہو گئی۔ اور پہلی دو عدالتوں میں سے اپیلیں بھی خارج ہو گئیں۔ موضع نون میں ایک فقیر صاحب رہتے تھے جن سے متوفی کے وارثانِ بازگشت کو عقیدت تھی۔ انہوں نے حضرت فیصل دین کی خدمت میں معین م بھجوا یا کہ چھوٹے پیر صاحب یعنی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ عظیم خان کے حق میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ اُن سے کہہ دیجیے کہ میں نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے یہ جائیداد عظیم خان کو نہیں مل سکتی۔ میرے ارادت مندوں کے پاس ہی رہے گی۔ اِس لیے آپ ناحق تکلیف نہ اٹھائیں۔ بڑے پیر صاحب نے اِس پیغام لانے والے شخص کو حضرت کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا فقیر صاحب سے بعد سلام کہیے گا کہ آپ تو لوح محفوظ کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ میں آنکھیں بند کروں تو اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے گا کہ جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہ مل جائے گی، میں اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ چیف کورٹ میں جا کر عظیم خان کی اپیل منظور ہو گئی اور اُس جائیداد پر آج تک اُس کے وارثان قابض ہیں۔

ممتاز میں قیام کے دوران آپ کا بے گاہے ایک چائے فروش کی دکان پر جایا کرتے تو وہ چائے سے تواضع کرتا۔ ایک روز آپ وہاں چائے پی رہے تھے کہ دوکاندار کے لڑکے کے دل میں خیال گذرا کہ یہ فقیر میرے باپ کی خوش اہمقادی کے باعث آج تک کوئی دس پندرہ روپے کی چائے نہفت پی چکا ہوگا۔ حضرت نے اُس کے دل کے خیال سے آگاہ ہو کر اُسے بلایا اور ایک تعویذ لکھ دیا کہ پُرانے قلعے میں جاؤ اور جو گر حساب سے پہلے سامنے آئے اُس میں یہ تعویذ ڈال دو۔ اور وہاں سے جو کچھ ملے اُسے اٹھا لینا۔ چنانچہ اُس لڑکے کو اسی طرح کرنے پر کپڑے کی ایک پوٹلی ملی جس میں اڑتالیس روپے بندھے تھے اس کے بعد آپ دوکان پر بھی تشریف نہ لے گئے۔

اُن ہی ایام کے ایک اور دلچسپ واقعہ کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ مجھے دودھ ختم نہیں ہوتا تھا۔ پتا تو فوراً لگے ہو جاتی تھی اور کئی روز تک بیمار بھی رہتا۔ ایک روز دریا سے سندھ عبور کیا۔ تو ایک شخص مسافروں کے نام دریافت کرتا۔ میں نے نام بتایا تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لے گیا کہ میں طیب ہوں اور کئی روز سے آپ کا منتظر ہوں۔ مجھے جناب غوث الاعظمؒ نے خواب میں فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے اس نام کا ایک شخص آ رہا ہے اُسے دودھ ختم نہیں ہوتا۔ آپ اُس کا علاج کریں چنانچہ اس نے مجھے دوا دی جس سے وہ شکایت رفع ہو گئی۔

مجاہدات مظفر گڑھ

جب ممتاز میں زیادہ شہرت ہو گئی تو آپ مظفر گڑھ چلے گئے۔ اور بستی جن کے قریب ایک کنوئیں پر قیام فرمایا قاضی فیض عالم طالب علم بھی ہمراہ تھا۔ مگر گرمی کی تاب نہ لا کر واپس چلا گیا۔ اُس کنوئیں کا مالک بیوی بچوں سمیت وہیں رہتا تھا۔ اسی اثنا میں رمضان شریف کا مہینہ آگیا اور اُس شخص نے حضرت کے آرام کی خاطر ایسا انتظام کیا کہ دن کے وقت آپ کی چارپائی رستوں سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیتا اور عصر کے وقت باہر نکال لیتا۔ اس طریقہ سے آپ شدت گرمی کے وقت قدر سے آرام میں رہتے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس شخص پر بندو سا ہو کاروں کا سودی قرضہ تھا جس میں کنوئیں گرومی تھا۔ جب وہ مستمدا نہ کر سکا تو ہندوؤں نے اُسے بے دخل کرنا یا باہر صورت حال سے آگاہ ہو کر حضرت نے اُسے لوہے کا ایک ٹکڑا لائے کو کہا۔ اور جب وہ لے آیا تو اپنی چادر میں لپیٹ کر اُسے دیا اور کہا کہ کل صبح اسے کھولنا۔ رات کے وقت حضرت وہاں سے خاموشی کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ صبح کو جب اُس نے چادر کھول کر دیکھا تو لوہا سونابن چکا تھا۔ اُس سے اُس نے اپنا تمام قرضہ وغیرہ ادا کیا اور کنوئیں والے کو ادا کیا۔ شیخ الجامعہ نے آگے لکھا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی مرتبہ نواب عبداللہ خان کی استدعا پر حضرت خان گڑھ تشریف لے جا رہے تھے تو بستی جن کے بالمقابل پہنچ کر گاڑی ٹھہرائی اور اتر کر اُس کنوئیں کی طرف گئے۔ لوگ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے کنوئیں کا مالک فوت ہو چکا تھا۔ اُس کا لڑکا بھی تقریباً بوڑھا ہو چکا تھا۔ آپ نے پوچھا مجھے پہچانتے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ نہیں۔ اُس شخص کی بیوہ کنوئیں کے قریب بیٹھی تھی۔ آپ نے اُس سے بھی یہی پوچھا۔ اُس نے کہا کیوں نہیں پہچانتی آپ ایک مدت یہاں رہے۔ رمضان شریف میں چارپائی پر بٹھا کر آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ بھلا آپ بھی کوئی بھولنے والی شخصیت ہیں حضرت بہت مخطوطا مجھے غالیہ پچاس روپے اُسے عطا فرمائے اور فرمایا کوئی اور کام کاج ہو تو کہو۔ پھر نواب عبداللہ خان کو اُن کی ہمیشہ خبر گیری کی تاکید فرمائی۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر اشارہ غیبی

مُتَّانِ مُنَظَّرِ گڑھ اور ڈیرہ غازیخان کے اضلاع کی سیاحت کے بعد آپ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ ایک روز مزار شریف پر مراقب تھے کہ آواز آئی۔ جو کچھ مُعین الدین کے پاس ہے تمہارے پاس بھی ہے، اسے گھر بیٹھ کر کھاؤ۔ پیسے آپ کو خطرہ گذرنا کہ شاید شیطانی آواز ہے۔ مگر فرماتے تھے کہ غور کیا تو آواز بے کیف تھی اس لیے یقین ہو گیا کہ فرمان الہی ہے چنانچہ گھر واپس لوٹ آیا۔

مجاہداتِ حسن ابدال

کچھ عرصہ بعد آپ پھر نکلے مگر اس مرتبہ زیادہ دُور نہیں گئے۔ اور حسن ابدال میں گور دوارہ پنجہ صاحب کی شرفی مسجد کی چلہ گاہ میں کچھ عرصہ مشغول رہے۔ فرماتے تھے کہ ایک روز چلہ گاہ میں ایک بہت بڑا سانپ آکر میرے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ لیکن جب میں اُس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا تو خود بخود چلا گیا۔

اس واقعہ کی مناسبت سے حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیشہ صاحبہ گولڑہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی زیارت کو اُن کی جائے قیام پر حاضر ہوئیں تو آپ دروازے بند کیے مگر میں اکیلے کچھ لکچر رہے تھے ہمیشہ صاحبہ نے کواڑ کی درزیں سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ آپ کے سامنے موجود ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پُھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے مگر جب آپ اپنا قلم اُس کے سر پر رکھ دیتے ہیں تو وہ بیٹھ جاتا ہے معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ عرض کرنا چاہتا ہو اور آپ اُسے انتظار کرنے کا حکم فرماتے ہوں ہمیشہ صاحبہ یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوفزدہ ہوئیں اور حضرت نے آہٹ پا کر سانپ کو اشارہ سے رخصت کیا اور ان کو اندر بلا لیا۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

تو ہم گردن از محکمِ داور پیچ کہ گردن نہ پیچد ز محکمِ تو پیچ

اس کے بعد حسن ابدال کے قریب ایک پہاڑی نالے کی وادی میں جا بجا غلوت نشینی اختیار فرمائی۔ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں گزرتے ہوئے بابو جی سے فرمایا کہ اس نالے میں کوئی ایسی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے جہاں میری نشست نہ رہی ہو۔

سفر حج سار

۱۳۱۵ھ میں ایک روز اچانک حجاز مقدس کے سفر پروانہ ہو گئے۔ مولینا محبوب عالم فرماتے تھے کہ لاہور کے ایک صاحبِ ایت اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ شوقیہ اور فراقیہ اشعار شائع کیے تھے جو حضرت کی نظر سے گزرے۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اچانک اٹھ کر ریوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے اور مجھے کہلا بھیجا کہ میرے وظائف و لوازمات سفر اسٹیشن پر پہنچا دو جب میں سب ضروری چیزیں لے کر پہنچا تو آپ نے لاہور کا ٹکٹ لیا اور مجھ سے فرمایا کہ سفر طویل ہے شام تک کسی سے ذکر نہ کرنا۔ گاڑی چلی تو میں بے اختیار رو دیا۔ گھر میں کسی کو خبر نہ تھی اور نہ کسی درویش یا طالب علم کو ہی پتہ چلا کہ آپ سفر پر جا رہے ہیں۔ چند روز کے بعد آپ کا خط موصول ہوا

کریٹ اللہ شریف اور مدینہ منورہ کا قصد ہے۔ تاہم پہنچ کر اپنے درویشہ حیات مندرجہ بالا پر حجازی حافظ محمد یونس سے فرمایا کہ
 سچ کا ارادہ ہے۔ انہوں نے اسی مدنی اپنی اہلیہ کے زیورات پہن رکھے اور دم کاٹ کر شریف حاصل کیا۔ بیٹی سے جہان پر
 سوار ہوئے جو کراچی آمد کا مران ہوتا ہوا جس وقت پہنچا بیٹی میں ایک بڑا سرخ رشتہ سے چند مندرجات رہی تاہم آپ کی
 رہائی اور جہان میں سوار ہونے کے وقت بیٹی میں ہی رہ گئے تھے مگر جب جہان کراچی پہنچا تو بیٹی ہی بند لگا کر پرہیز خود تھے
 حافظ محمد یونس نے ازراہ تعجب اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اس قسم کے سوالات پوچھنے سے منع فرمایا۔

دُرودِ مستغاث پر گفتگو

جہان میں ایک صاحب دُرودِ مستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ **اَلْمُسْتَغَاثُ اِلٰی حَضْرَتِ اللّٰهِ**
لَعَلَّی الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بار بار آتا ہے۔ یہ دُرود شریف کثر پڑگان دین اور حضور صاحب حضرت
 قبلہ عالم قدس سرفراز اُن کے تو نہیں کے منوات سے ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا بہتر نذر نہ پاتا ہے۔ کیونکہ
 اس میں عجیب و غریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اس کے نہ آلف کے متعلق اس فلاح میں طبع شہینوں میں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن
 حضرت شیخ ابوالفتح نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ شش ماہ میں مجھے جب ہندی کی دکان واقع مدینہ عالیہ چلاس کا ایک
 شہرہ بطور قسط طہیہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس میں ترتیب دہندہ کا نام یہ لکھا کہ کیر رفاہی تحریر تھا جو مشاہیر عراق میں سے ہوتے ہیں
 اور حضرت غوث الاعظم کے ہم عصر اور اُن سے مستفیض تھے آپ کے محفوظات کا مجموعہ البیان المودعہ کے نام سے موسوم
 ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب قادیانی نے کیا ہے اور مولوی اشرف علی صاحب قادیانی نے اسے کچھ ترمیم
 تحریر کی ہے۔ اگر دُرودِ مستغاث شریف حضرت احمد دہانی کی ترتیب ہے تو ذرا غائبانہ کے جواز پر ایک اور بہت بڑے بزرگ
 کامل بھی دلیل بن جاتا ہے جس کی ولایت پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ بہر حال جہان میں ایک کمرانی عالم نے ذرا سے غائبانہ
 پر اعتراض کیا۔ نظام المشائخ دہلی کے مطابق جن وظیفہ خوان حضرت پیر احمد راضی کیا گیا تھا۔ وہ خواجہ عبدالرحمن چھوڑ دی (بہار الدینی)
 تھے انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سرفراہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جہان ہے جب کمرانی مولوی
 صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے اس کے جوازیں ثبوت مانگا آپ نے فرمایا حدیث بخاری۔ وہ کہنے لگے
 حاجی رحمت اللہ مہاجر کی تیس برس سے بخاری شریف کا درس ہے شبے میں اور ایسی ندائے غائبانہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں
 آپ نے فرمایا کہ حاجی صاحب بھی ہماری وطن ہی ایک انسان ہیں مولوی صاحب نے کہا کیا اُن کے سامنے آپ یہ فقرہ کہہ
 دیں گے۔ فرمایا ہاں کہہ دوں گا۔

اُن دنوں حاجی رحمت اللہ مہاجر کی مدرسہ صولتہ کی صدارت پر متکفل تھے اور یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال تھا
 کیونکہ اُسی سال ہی یعنی سن ۱۳۱۷ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ جہان میں حضرت کے دُرودِ مستغاث شریف پڑھنے کو کرنے والے
 مولوی صاحب مدرسہ صولتہ کے طالب علم تھے اور دامن سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جہان سے تھے۔ انہوں نے
 کہہ شریف پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے۔ وہ صاحب میں تو انہیں لے
 آئیے گا۔ اُن کے دلائل نہیں گئے مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس جناب مولین محمد غازی بخش میں آگئے۔ اور انہوں نے

حضرت کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیے۔

استاذ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت سے پہلی ملاقات

مولانا محمد غازی موچی کڑی علاقہ انک کے خٹک پٹھان تھے مولانا احمد حسن کانپوری نے تعلیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علم حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تجرب رکھتے تھے خصوصاً علم تجوید و قرأت میں مہارت تامہ تھی جب حضرت قبلہ عالم قدس صرف سے ملاقات ہوئی تو محبت و شوق میں اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے استعفی ہو کر گولڑہ شریف آ گئے اور باقی عمر اسی جگہ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گذاری حضرت ابھی صاحب کے پہلو میں دفن ہیں۔ رد و ہایت میں عجالات آپ کی تحریری یادگار ہے۔ حضرت بابو جی مدظلہ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام شعیب الدین المعروف جناب لالہ جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جناب استاذ محمد غازی فرماتے تھے کہ ابتدائے جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس صرف کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا چرچا ہوا کہ ایک پنجابی سید بڑا عالم و فاضل اس سال حج کے لیے آیا ہے اور اس مکرانی طالب علم سے درود مستغاث پر جہازیں گنگو کا حال بھی معلوم ہوا تو انہیں دیکھنے کا بیداشتہاں پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل علمی سوالات جمع کیے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبدالرحمن چھوڑ دی (ہزاروی) کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جو نہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہو گئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آئسو چھپاتا تھا کہ کیا کہے گا۔ کس شیخی سے آیا تھا اور کیسے رو رہا ہے۔ مگر جب میں نے بالآخر اس کی طرف دیکھا تو وہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے ہم سے حال دریافت فرمایا مگر مجھ سے بات نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کاریں نے آپ سے مدرسہ صولتیہ میں اپنی جائے رہائش پر قیام کے لیے عرض کی۔ آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب میرے لیے یہی جگہ اچھی ہے لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا اچھا وہیں ٹھہراؤں گا۔ وہاں قضائے حاجت وغیرہ کے لیے سہولت ہوگی۔ یہاں یہ پاس ادب بہت دور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولانا محمد غازی فرماتے تھے کہ اُن دنوں حضرت پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ عموماً حرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یاد خدا میں مستغرق رہتے۔ بہت کم گنگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اس میں بلا کی جاذبیت اور کشش ہوتی جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا مولوی صاحب آپ کی والدہ صاحبہ کا آقاغہ ہے۔ کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں میں نے عرض کی کہ فن قرأت میں کچھ اسباق ایک مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں۔ سند لے کر انشاء اللہ حاضر ہواؤں گا۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب کیا ہوا۔ ابراہام نہ پڑھا ابراہیم پڑھ لیا۔ پس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا مغربی استاد محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا اچھا میں پڑھاتا ہوں۔ آپ بیٹھتے جائیں تاکہ اس طرح فن قرأت کی تکمیل ہو جائے۔ لہذا اس طور سے تکمیل کی۔

مولینا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات

مدرسہ صولتیین قیام کے دوران ایک روز مولینا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے ملاقات پر پوچھا کہ جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے بطور معذرت کہا کہ آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے مولینا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے۔ فرمایا میں جائز سمجھتا ہوں مولینا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ ”یا رسول اللہ“ کی ندا حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں حضرت نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ نکیرین مردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ رَأَيْتَ اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے، ہذا اموضوع ہے محسوس مبصر قریب کے لیے اور الوجہ موضوع ہے مذکور مفرد کے لیے جو بنی آدم سے ہو۔ لہذا وہاں قبر میں محسوس مبصر قریب مرد کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں، غیر وضعی معانی لینا خلاف اصل ہے۔ اور جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسب مضمون حدیث مذکور، ہر جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید ہے کہ روئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تو علم لدنی ہے۔ ہم ساہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور منصف مزاج عالم تھے اس لیے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھیں آجائے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمایا۔ اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات و ملحوظات میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک مفصل مکتوب بھی قابل دید ہے آپ کی کتاب اعلیٰ کلمۃ اللہ کے آخر میں بھی ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے۔

دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ

اس گفتگو کے بعد حضرت مولینا حاجی رحمت اللہ نے ایک اور حدیث کی تاویل دریافت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو طواف کرتے دیکھا جو دونوں دود و آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے لیکن ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ دجال کعبہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن کسی تاویل سے تسلی نہیں ہوتی۔ آپ کے نزدیک ان دونوں احادیث میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ پہلی حدیث میں لفظ ”یطوف“ آیا ہے، کعبہ شریف کا ذکر نہیں ہے۔ ہر شخص حضرت باری تعالیٰ عز و احد کے کسی کسی اہم صفاتی کا منظر ہوتا ہے اور دوسرا اسم اس اسم کے معادن اور ماتحت ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اسم ہادی کے منظر میں اور اس اسم کے دو معادن اسماء کی معاونت سے اس اسم کا طواف کر رہے ہیں۔ اور دجال اہم مضل کا منظر ہے اور اس اسم کے ماتحت اسماء کی مدد سے اس اسم کا طواف کر رہا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ

کی اس تاویل کا ماخذ فتوحات مکیہ تھا اور مولینا کو یہ وضاحت بہت پسند آئی۔

یہی سوال ۳۳۲ھ میں مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے اپنے ایک عزیز میں حضرت سے دریافت کیا تھا۔
 اُن کا خط اور آپ کا جواب مہرِ چشتیہ کے صفحات ۳۲۸ تا ۳۲۹ پر درج ہیں۔ اُس جگہ سوال یہی تحریر ہے کہ بروئے حادثہ
 صحیحہ و جہال کا مکہ معظمہ میں داخل حرام ہے۔ پھر وہ کعبۃ اللہ کا طواف کیسے کر سکتا ہے حضرت کے جواب کا اختصار یہ ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح اور دجال دونوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خیال منفصل اور عالم رویا میں عالم شہادت کے
 محالات، ممکنات نظر آتے ہیں۔ اور اسی طرح مجردات مجسم ہو کر نظر آتے ہیں۔ جن سبحانہ و تعالیٰ کا بروزِ حشر ایک صورت میں جلوہ گر
 ہونے پر مومنین کا انکار کرنا اور دوسری صورت میں مقبلی ہونے پر اقرار، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بصورتِ لبس یعنی دودھ
 مشابہ فرمانا اسی قسم سے ہیں۔ ہر شخص اپنے خیالات اور اعتقادات و اعمال میں اپنے مرکزِ استعداد ذاتی کے ارد گرد گھومتا رہتا
 ہے یعنی اُن اسمائے الہیہ کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا جن اسماء کے لیے اُس کا عین ثابت۔ فیضِ قدس میں بغیر تخیلِ جعلِ منظر
 قرار دیا گیا ہے۔ صدیقِ کا عین ثابت ہادی اور ابو جہل کا عین ثابت مُضِل کے احاطہ سے باہر نہیں جاسکتا۔ اسی طرح عیسیٰ علی نبینا
 وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عین ثابت اور دجال کا بھی۔

حدیث کا مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمائی
 کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک یھودی مَنْ یَشَاءُ کے اظہار میں اور دوسرا یضِلُّ مَنْ یَشَاءُ کے اسباب میں سرگرم
 کمر بستہ ہے۔ ہادی اور مُضِل کا موضوع چونکہ ذاتِ واحدہ ہے۔ لہذا عالمِ رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی
 بیت اللہ مشہود ہوا۔

دوسری حدیث جس میں دجال کی عدم رسائی بیت اللہ کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حسبِ ارشادِ نبوی
 صلی اللہ علیہ وسلم دجال کو عالم شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہوگی۔

مولینا رحمت اللہ کے حضرت کے متعلق تاثرات

مولینا رحمت اللہ نے حضرت سے بیعت کی استعدا بھی کی تھی مگر حضرت نے مولینا کی عمر اور علم و فضل کا لحاظ فرماتے
 ہوئے بیعت لینے سے تو عذر فرمایا البتہ وظائف اور اذاتِ تلقین فرمادیئے مولینا کے شاگرد قاری عبداللہ آبادی کے ایک
 خط میں تحریر ہے کہ مولینا کے وصال کے وقت میں موجود تھا۔ وہ اپنی بیماری کے دوران فرماتے تھے کہ گولڑہ جانے کو جی چاہتا
 ہے اور وصال سے تھوڑی دیر قبل فرمایا کہ میری آنکھوں کے سامنے پیر صاحب کا وہ سبز رومال پھر رہا ہے۔ مستری حبیب اللہ لاہوری
 اور حضرت کے شاگرد قاضی فیض عالم بھی اُس وقت مولینا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھے۔ اور ان باتوں کی تصدیق
 کرتے تھے مولینا کے قدرے مفصل حالات اسی کتاب کے بابِ معاصرین میں درج ہیں۔

قاری عبداللہ مکی کی حضرت سے ارادت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے کئی خاندان ترک وطن کر کے ہندوستان سے چلے گئے تھے۔
 جناب بابو جی مظفر کے پوتے حضرت شاہ غلام نصیر الدین کے اُستاد قاری محبوب علی لکھنوی حال خطیب جامع مسجدِ آستانہ عالیہ

گولڑہ شریف بیان کرتے ہیں کہ اُن کے اُستاد جناب قاری عبد الرحمن الہ آبادی اپنے خاندان کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے والدہ ہجرت کر کے جب ہندوستان سے مکہ شریف گئے تو اُن کے چار فرزند اور کنبہ کے بہت سے دیگر افراد بھی اُن کے ہمراہ تھے ترکوں کی حکومت تھی۔ چھ ماہ تک معاشی تنگی کے باعث حکومتِ ترکیہ کے لشکر سے جو انہوں نے حرم شریف کے قریب قائم کر رکھا تھا، ایک وقت کا کھانا حاصل کرتے رہے۔ دوسرے وقت آب زمزم کے فقط ایک ایک پیالہ پر گزر کر لاتے تھے۔ اسی اثنا میں مولانا رحمت اللہ نے بنگال کی ایک محنت ورہ خاتون، صولت النساء کی مدد سے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی جس کا مقصد ہندی طلباء کو تجوید و قرأت کی تعلیم دینا تھا کیونکہ ہندوستان میں اُس وقت ان قانونِ عالیہ کی کمی تھی۔ اس ضمن میں مصر کے قاری شیخ ابراہیم سعد بن علی کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ اس مدرسہ میں سے سب سے پہلے قاری عبد الرحمن کے بڑے بھائی قاری عبد اللہ قرأت اور تجوید میں فارغ التحصیل ہوئے جو بعد میں ان حضرات کے اُستاد اکل مانے گئے اور ہندوستان و دیگر ممالک کے بے شمار قراءان سے مستفیض ہوئے مولوی اشرف علی صاحب دہلوی قرآن مجید کی سند میں ان کے متعلق اُستاد اکل، اسناد اکل کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں ۳۲ھ میں جب حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ حجاز مقدس گئے اور مولیٰ نارحمت اللہ سے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے گفتگو کے بعد مولانا نے حضرت سے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا تو اُس وقت مولانا کی حیثیت مکہ شریف کے ممتاز علماء میں سے تھی آپ ممالکِ اسلامیہ کے تمام مشہور بزرگانِ دین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے گواہی تک کہیں بیعت نہ کی تھی۔ مولیٰ سنا فرماتے تھے کہ بعض حضرات علم ظاہر رکھتے ہیں مگر علم باطن سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور بعض علم باطن رکھتے ہیں اور علم ظاہر میں نامکمل ہوتے ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات میں انہوں نے دونوں کمالات مشاہدہ فرما کر اس قدر عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا کہ تمام علمائے حرمین شریفین پر بالعموم اور مدرسہ صولتیہ کے اساتذہ اور اربابِ علوم پر بالخصوص اس کا بے حد اثر ہوا اُن ایام میں قاری عبد اللہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ ابوسعید دہلوی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں نقشبندی مجددی ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور دوسری کرسی پر حضرت قبلہ عالم گولڑوی رونق افروز ہیں۔ قاری صاحب کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف ایک باطنی کشش محسوس ہوئی اور آپ نے قاری صاحب کو گلے سے لگا لیا۔ اس خواب کے بعد قاری عبد اللہ نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے بیعت کر لی۔ اور اپنے فرزند قاری احمد کو بھی بیعت کرایا۔ قاری عبد اللہ اور اُن کے فرزند قاری احمد کی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذاتِ گرامی سے عقیدت و نیاز کا اظہار و اندازہ ان دونوں حضرات کے منقولہ ذیل خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے مکہ معظمہ سے آپ کی خدمت میں تحریر کئے تھے۔

قاری عبد اللہ کا مکتوب

من مكة المكرمة

والصلوة والسلام على

الحمد لله وحده

من المدرسة الصولتية

من لاني بعد

ان ابھی مایہدی من هذه المشاعر الحرمية وازھی مایئدی من هذه المآثر المکیة
سلام معبق بارج نسائم البيت الحرام و محفوف بیدركات زمزم والمقام فخص به قطب
الاقطاب وغوث الانجاب اُستاد الطريقة المحشنيہ الجامع بين العلوم الحقیقیة والشرعیة

مشرق شمس الارشاد مطع بد ورا لمداد صفوة مناهل الورد شيخ المشائخ والعباد شيخنا
وقد وتنا و ملاذنا و عمدتنا مرشدنا و مقتدانا و امامنا و مولانا متعنا الله بطول حياته و افاض
علينا من بركاته و نفعنا بصالح دعواته و عمناب عظيم توجهاته آمين

عَبَّ تَقْبِيلُ الْيَادِ الْكَرَامِ وَاهْدَاءُ عَاطِرِ الْقِيَّةِ وَالْاَكْرَامِ وَبَثْ لَوْا عَجْ شَوَاقِي إِلَى ذَلِكَ الْمَقَامِ
أَبْدَى أَوْلَى كَثِيرِ الْبَحْثِ وَالسُّوَالِ - عَنْ جُنَابِكُمُ الَّذِي فِي الْخَيْرِ لَا زَالٍ - نَرْجُو أَنَّ اللَّهَ الْكَرِيمَ ذَا النُّوَالِ
أَنْ تَكُونُوا جَمِيعًا فِي نِعْمَةِ الْكَمَالِ وَأَنْ تَفْضُلْتُمْ عَنْ الْمَحَبِّ الْمَخْلَصِ بِالسُّوَالِ فَهُوَ مَنْ يُلُوذُ بِهِ
بِبِرْكَةِ دَعَائِكُمْ فِي أَطِيبِ بَالٍ - وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَثَانِيًا لَا يَخْفَا كَرَامَتُهُ فِي أَثْنَاءِ هَذِهِ السَّنَةِ
عَقْدَ امِيرُ مَكَّةَ مَجْلِسًا خَاصًا مَرْكَبًا مِنَ الْمَقَاتِلِ الْارْبَعَةِ وَاعْيَانِ عُلَمَاءِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِاجْلِ امْتِحَانِ
مَنْ رَامَ أَنْ يَنْتَظِمَ فِي سَلَكِ الْمُدْرِسِينَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَيَمْتَحِنَ فِي سِتَّةِ فَنُونٍ وَمَنْ ارَادَ وَظِيفَةَ
مَحَلُولَةٍ مِنَ الْوُظَائِفِ الْخَمْسَةِ عَشَرَ فَيَمْتَحِنَ فِي اثْنَيْ عَشَرَ فَتَقْدِمَ مُحَاسِبِيكُمْ الْغَالِي أَحْمَدُ وَحَامِدُ
فَادَى أَحْمَدُ امْتِحَانَ الْوُظِيفَةِ فَفَازَ فِي الْامْتِحَانِ بِبِرْكَةِ اِدْعِيَةِ الْمَشَائِخِ وَحَسَنِ تَوْجِهَاتِكُمْ فَخَازَ أَحْمَدُ
الْفَرَةَ الْاُولَى وَنَالَ الْوُظِيفَةَ وَنَالَ شَهَادَةَ قَامَةِ مَهْمُورَةٍ بِمِهْرِ الْاَمِيرِ وَرُئِيسِ الْعُلَمَاءِ وَالْمَقَاتِلِ وَاعْيَانِ
عُلَمَاءِ الْمَسْجِدِ وَاجَازَةً بِالْوَعْظِ وَالتَّدْرِيسِ مِنَ الْمَشِيخَةِ الْعَالِيَةِ مَهْمُورَةٍ بِمِهْرِ الْقَاضِي وَالرَّئِيسِ وَالْفَنُونِ
الَّتِي اَدَّى أَحْمَدُ الْامْتِحَانَ فِيهَا النُّحُو وَالصُّرُفَ وَالْمَنْطِقَ وَالْمَعَانِي وَالْبَيَانَ وَالْبَدِيْعَ وَالْفَقْهَ وَالْحَدِيثَ
وَأَصُولَهُمَا وَالْكَلَامَ وَالتَّقْسِيرَ فِي الْبَيضَاوِي وَامَّا حَامِدُ فَادَى فِي النُّحُو وَالصُّرُفِ وَالْمَعَانِي وَالْبَيَانَ
وَالْبَدِيْعَ وَالْكَلَامَ وَنَالَ مِلَازِمِيَّةَ التَّدْرِيسِ هَذَا وَالْمَامُولِ مِنْ جُنَابِكُمْ لَنْ تَتَنَوَّعَ عَلَى مُحْسُوبِكُمْ
أَحْمَدُ بِمَا اسْتَمْنَحَهُ مِنْ جُنَابِكُمُ الْكَرِيمِ مِنَ الْبَيْعَةِ وَالْاجَازَةِ الْعَامَةِ الْمَطْلُوقَةِ الشَّامِلَةِ لِلْاِرَادِ وَالْاَذْكَارِ
وَعَبْرَ ذَلِكَ لَتَجْتَمِعَ لَهُ نَسَبَتُهُ الْمَحْسُوبِيَّةُ وَالْمُرِيدِيَّةُ وَالتَّلْمِيذِيَّةُ وَنَرْجُو الدَّعَوَاتِ الصَّالِحَاتِ لِي وَانْجَالِي
وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ فِي سَائِرِ الْاَوْقَاتِ فِي الْخُتُلُوتِ وَالْمَجْلُوتِ هَذَا وَجَزِيلِ سَلَامِي عَلَى مَنْ يُلُوذُ بِكُمْ
دَاعِيَكُمْ الْمَخْلَصَ عَبْدُ اللَّهِ قَارِي
مِنَ الْاِخْوَانِ وَالْمُحِبِّينَ -

حرر في ١١ ذالْحِجَّةِ ١٣٣٣ هـ

ترجمہ مکتوب گرامی ذیل ہے -

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۱۱ ذی الحج ۱۳۳۳ھ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

مشاعر حرم کا پُر بہار ہدیہ اور ماثرمکیہ کا پُر رونق تحفہ اکبریتہ الشہ کی پاکیزہ خوشبو سے معطر اور زمزم و ممتہم ابراہیم کی برکات
سے متبرک سلام مخصوص بخد مت قطب الاقطاب وغوث الانجاب اُستادِ طریقتِ حشتیہ اور جامع علوم حقیقیہ و شرعیہ
آفتاب ایشاد کا مشرق اور ماہتاب امداد کا مطلع، واردین کے لیے حشمیہ صافی، شیخ المشائخ والعباد، ہمارے شیخ و
پیشوا، جائے پناہ، قدوہ و مرشد و امام و مولیٰ، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز سے ہمیں متمتع فرمائے اور آپ کی برکات کا ہم پر فیضان
فرمائے۔ آپ کی عمدہ دعاؤں سے ہمیں نفع بخشے اور آپ کی توجہات عالیہ ہمارے لیے عام فرمائے۔ آمین دست بوسی

اور بدیعِ سلام واحترام پیش کرتے ہوئے اور اُس مقدس مہتمم کے لیے دلی و فوری استیاق کے اظہار کے بعد سب سے پہلے آنجناب کی خیریت کا طالب و سائل ہوں۔ خداوندِ کریم سے اُمید ہے کہ آپ سب حضرات نعمتِ کمال سے سرفراز ہوں گے اور اس محبتِ مخلص کی خیریت کے بارے میں اگر آپ سوال فرمائیں تو جواباً گزارش یہ ہے کہ مخلص اور اس کے تمام متعلقین خیریت سے ہیں اور عمدہ حال میں ہیں۔ اور ہر حال میں اللہ کے لیے حمد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنجناب پر غنی نہ رہے کہ اس سال کے دوران امیرِ مکہ نے ایک مجلسِ خاص منعقد کی تھی جس میں مذاہبِ اربعہ کے مفتی اور مسجدِ حرام کے اکابر علماء شریک تھے تاکہ مسجدِ حرام میں مدرس بننے کے اُمیدوار افراد سے چھ فنون کا امتحان لیا جائے اور مقررہ پندرہ وظائف کے اُمیدواروں سے بارہ فنون کا امتحان لیا جائے۔ آپ کے خادم عزیزین احمد و حامد نے اس میں حصہ لیا۔ احمد نے وظیفہ کا امتحان دیا اور مشائخ کی دُعاؤں و آپ کی توجہ سے اول نمبر پر امتحان پاس کیا اور اُسے سند ملی جس پر امیرِ مکہ، مذاہبِ اربعہ کے مفتی اور اکابر علماء کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اُسے وعظ و تدریس کی اجازت بھی ملی ہے۔ جس پر امیرِ مکہ اور رئیس العلماء کی مہر لگی ہوئی ہے۔ احمد نے حسب ذیل فنون کا امتحان دیا۔ (۱) صرف (۲) نحو (۳) معانی (۴) بیان (۵) بدیع (۶) فقہ و اصول فقہ (۷) حدیث و اصول حدیث (۸) تفسیر (بیضاوی وغیرہ)۔ حامد نے صرف نحو، معانی، بیان، بدیع اور علمِ کلام کا امتحان دیا۔ اور ملازمتِ تدریس حاصل کی۔ آنجناب سے دلی آرزو ہے کہ اپنے منسوب احمد پر احسان کریں۔ اور جو کچھ اُس نے طلب کیا ہے از قلمِ سعیت و اجازتِ عامر برائے اذکار و اُرداد وغیرہ اُسے عطا کریں تاکہ اُسے نسبتِ محسوبیت و مُدیتیت و تلمذ حاصل ہو جائے۔ میرے لیے، میری اولاد کے لیے، تمام مسلمان مرنوں، عورتوں کے لیے تمام اوقات میں دُعا سے خیر فرمائیں آپ کے متعلقین و محبین کے لیے میرے دلی سلام۔ آپ کا مخلص دُعا گو عبد اللہ قاری

قاری احمد کا مکتوب

۷۸۶
۹۲

الحمد لله عزّ شأنه

علم الاسرار الربانية اشارة الدقائق الرحمانية الجامع بين علمي الباطن والظاهر وارت
المجد كابرأعن كابر مرشد السالكين الى اقنوم طريق ومربي المريدين بدقائق اسرار التوفيق
مركز دائرة الارشاد مطلع بدور الاملا و صفوة مناهل الورد شيخ المشائخ والعباد معدن
السلوك والحقيقة حضرت اُستاذ الطريقة عمر الله الوقت بحياته وافاض علينا سجال هباته
وعننا بركاته امين.

غيب تقبيل الايادي الكرام ولثم مواطئ الارجل والاقدار واداء واجب التحية والسلام
مع كمال التبجيل والاحترام فان شوقى الى ذلك المقام لا تكاد تحصىه الاقلام فهو كشوق الظمان
للشراب والارض المحلة للسحاب وهذا التنبيه وتمثيل وتقريب وتخيل والا فتشوقى اليه
يفوت التوصيف ويتجاوز التعريف وهذا قول مسلم الثبوت لا يحتاج الى تنقيح ولا تحصيل لنعوت
هذا والمعروض الى حضرتكم العلية ان تمّنوا على المحسوب البيعة والجازة العامة في العلوم

العقلیة والنقلیة اجازة مطلقة شاملة للاذکار والاحزاب وتحسنوا الی بیان بعض الاوراد الی
تحسنونها التتم الی النسب الثلاث اذ لیس ینحفا کما نسب الی حضرت کرم العلیة و اضا فتی الیکم
بالمحسوبة فان رائی المولی ان تكون هذیة الاضافة معنویة لیست فی تقدیر الانفصال وضم
الیها نسبتي المریدیة والتلمیذیة لتکون نسبة تامة مقررة للحال کما حققتہا مالنا کمال التحقیق
فهو بذلک اجد روح حقیق وان رائی المولی الاعراض عن هذی المقال وقال لکل علما رجال تادب
القلم وکف لسانه وقال رحمہ اللہ امرء عرف قدره ومکانه والمرجون لا تخرجونا من خاطرکم
الشریف عند الدعوات الصالحات فی الخلوات والجلوات و فی سائر الاوقات فانافقراء الی ذلک
واللہ اعلم بها هنالک هذی الختام جزیل السلام علی من هو الی المقام لاسیما سیادی انجالکم
الکرام لا زالوا ملحوظین بعین الملک العلام ودمتم فوق مارمتم آمین۔

محسوبکم وداعیکم

حرره فی ۱۱ ذی الحجة المبارک ۱۳۳۳ھ

احمد بن عبد اللہ القاری

ترجمہ :-

الحمد لله عزّ شأنه

بخدمت عالم اسرار ربّانی وواقف اشارات ودفائق رحمانی، علم ظاہر وباطن کے جامع اور نسلاً بعد نسل اشرف و بزرگی
کے وارث، سادکین کو سبیل اقوم کی طرف رہنمائی کرنے والے، مریدین کی توفیق کے دقیق اسرار کے ساتھ تربیت فرمانے
والے، دائرہ ارشاد کے مرکز اور بدور امداد کے مطلع منور، وارد ہونے والوں کے لیے چشمہ صافی، شیخ المشائخ، معدن سلوک و
حقیقت، حضرت اُستاد طریقت، اللہ تعالیٰ زمان کو آپ کی حیات طیبہ سے آباد رکھے۔ اور آپ کے خُم ہائے بخشش سے
ہم پر افاضہ فرمائے اور آپ کی برکتیں ہمارے لیے عام فرمادے۔ دست و قدم بوسی اور انتہائی تعظیم و احترام سے بدینہ سلام
پیش کرنے کے بعد عرض خدمت یہ ہے کہ اس مقام مقدس کی طرف و فوری شوق کو قلمبند نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے پیاسے کو
پانی کا شوق اور قحط زدہ زمین کو بارانِ کرم کا شوق ہوتا ہے ایسا ہی مجھے شوق ہے بلکہ یہ تو محض ایک تشبیہ و تمثیل اور
تخیلی چیز ہے میرا دلی شوق ہر توصیف سے زائد اور ہر تعریف سے متجاوز ہے۔ یہ ایک مُکمل الثبوت بات ہے جس کے
لیے زیادہ بیقیح کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خدمت عالی میں گذارش یہ ہے کہ آپ اپنے اس محبوب و مہسوب پر احسان
فرماتے ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ و دیگر اوراد و اذکار کی اجازت عامہ عطا فرمادیں اور بعض ایسے اوراد بھی عطا فرمائیں جو آپ کو
پسند ہوں تاکہ مجھے آپ سے تینوں نسبتیں حاصل ہو جائیں۔ آئینہ انتخاب پر مخفی نہیں کہ بندہ کو آپ سے شرف محسوبیت و مہسوبیت
حاصل ہے پس اگر مولائے نعمت اس اضافت معنویہ کو ناقابل انقطاع بناتے ہوئے نسبت مریدی و نسبت شاگردی پر
مزید اضافہ بھی فرمادیں تاکہ نسبت پختہ اور تامہ حاصل ہو جائے جیسا کہ میری آرزو ہے۔ تو یہ بات آئینہ انتخاب کے شایانِ شان ہے
اور اگر (خدا بخواسے) آقا و مولا اس گفتگو سے یہ فرماتے ہوئے اعراض کریں کہ ہر علم کے لیے مخصوص مرد ہوتے ہیں تو پھر قلم
ادب اختیار کرے گا اور زبان روک لی جائے گی اور یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس انسان پر رحم فرمائے جس نے اپنی قدر
منزلت کو پہچان لیا۔ پوری اُمید ہے کہ خلوت و جلوت اور تمام اوقات میں دعواتِ صالحہ کرتے وقت ہمیں اپنے دل سے

ذاموش نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی دعاؤں کے سخت محتاج ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اخیر میں تمام حاضرین معتم
کو سلام خصوصاً آنجناب کی کریم اولاد پر خدا کرے ہمیشہ خداوند عالم الغیوب کی نظر شفقت سے اور امید سے زیادہ عمر و راز نصیب
ہو۔ آمین۔

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

آپ کا منسوب و طالب دعا:

احمد بن عبداللہ القاریؒ

قاری احمد کے حق میں حضرت کی سندِ علوم

پُنجائیم ان ہی مکتوبات کے پیش نظر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے قاری احمد کے نام مندرجہ ذیل سدا رسال فرمائی۔
الحمد لله القديم الذي لا يزال ولم يزل العليم الذي لا يجهل الحليم الذي لا يعجل
الجواد الذي لا ينجل المتعزز بجلال وحدانيته المهتزر بجمال رحمانيته المتحور بكمال
فردانيته واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله
المرقدي برداء فخار كنت نبياً وادمر بين الماء والطين) المهتدي الى فضاء اسرار (فعلمت
علم الاولين والآخرين) سابح ليج (فكان قاب قوسين أو أدنى) سائح فوج (وإن الى ربك
الرجعي وإن الى ربك المُنتهى) صلى الله عليه وعلى آله واصحابه والذين اتبعوهم باحسان
وسلم تسليماً كثيراً لا تعد ولا تحصى سيما على سيدي شباب اهل الجنة الحسن
والحسين وذريتهما خصوصاً على سيدينا الشيخ محي الدين ابی محمد عبد القادر الجيلاني و
على سيدينا الشيخ معين الدين حسن سنجري ثم اجميري۔

اقابعد فقد وصل الى بعض تحريات مخلصي في الله مولوي احمد بن محبي الله عبد الله
القاري المسكن الماتريدي الحنفی المقيم في مدرسة الصلواتيه فوجدته بفضل الله وكرمه
فائقاً في المنقولات بارعاً في المعقولات فاجزته اجازةً عامةً لتدريس العلوم كلها كما اجازني
بعض مشائخي اجازةً عامةً وايضاً اجزته واوصيه بالمواظبة على التقوى واتباع السنة سراً
وعلانيةً والمدومة على الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بصيغة اللهم صل على
محمد وعلى آل محمد وبارك وسلم مائة مرة وذكر الله تعالى الله الصمد الله الصمد
الله الصمد كن مائة مرة دبر كل صلوة والسلام خير ختام۔

العبد

الملتجى والمشتكى الى الله المدعو بهر على شاه عفى عنه

رابع جمادى الاولى ۱۳۳۲ھ

ترجمہ۔ سب تعریف خدائے قیوم کے لیے ہے جو ازل سے اب تک لازوال ہے۔ ایسا علم والا جو کبھی بے خبر

نہیں رہتا۔ ایسا علم والا جو جلدی نہیں کرتا۔ ایسا بخشش والا جو بخل نہیں کرتا۔ وہ ذات جو جلال و حدائیت کے ساتھ غالب جمال رحمانیت کے ساتھ نازاں اور کمال فزائیت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرب بندہ و رسول ہیں جو کُنْتُ نَبِيًّا دَ آدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالْطِّينِ (میں نبی تھا حالانکہ حضرت آدم پانی اور مٹی میں تھے) کے فخر کی چادر اوڑھنے والے ہیں اور فَعَلِمْتُ عَلَّمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (میں نے اولین و آخرین کے علوم جان لیے) کے اسرار کی فضا میں راہ پانے والے ہیں۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (پس دو کمان کے مسافت پر ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ قریب) کے سمندر میں غوطہ زن اور اِنِّیْ اِلٰی رَبِّکَ الرَّجْعِیُّ وَاِنِّیْ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی (بے شک تیرے رب کی طرف ہی بازگشت ہے اور تیرے رب کی طرف ہی انجام کار ہے) کی شاہراہ کے سیر کنندہ ہیں۔ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر ان گنت اور بے حد صلوة و سلام ہوں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ آپ کی پیروی کی خصوصاً جنت کے نوجوانوں کے ہر دوسرے اور حضرت حسن و حضرت حسین اور ان کی اولاد و امجاد علی الخصوص سیدنا شیخ ابی محمد عبدالقادر الجیلانی اور سیدنا شیخ معین الدین حسن بنجرہ اجمیری پر۔

بعد ازیں مجھے مخلصی فی اللہ مولوی احمد بن محبتی اللہ قاری عبد اللہ کی ماتریدی حنفی مقیم مدرسہ صولتبیہ کی بعض تحریریں پہنچیں۔ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اُسے علوم منقولات و معقولات میں فائق اور ماہر پایا اور اُسے تمام علوم کی تدریس کے لیے اجازت عامہ دیتا ہوں جیسے مجھے میرے بعض مشائخ نے اجازت عامہ عطا فرمائی اور انہیں ظاہر باطن میں تقویٰ و اتباع سنت کے ساتھ اور درود شریف اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم اور اللہ الصمد سو سو بار ہر نماز کے بعد علی الدوام پڑھنے کی وصیت کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

قاری عبد الرحمن آلہ آبادی و قاری عبد الرحمن جوہپوری کی حضرت ارادت و عقیدت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی توجہ و برکت سے قاری احمد شریف مکہ کے زمانہ میں تمام حجاز کے قاضی القضاہ مقرر ہوئے اور ان کے بھائی قاری عبد الرحمن طائف میں قاضی ہوئے۔ سعودی حکومت کے دور میں جب گنبد کے باقی افراد واپس ہندوستان آگئے تو قاری احمد وہیں رہے اور جدہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ قاری عبد اللہ کے چھوٹے بھائی قاری عبد الرحمن نے بھی مدرسہ صولتبیہ میں تعلیم پائی اور وہاں سے واپس ہندوستان آکر کانپور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا جہاں مولانا احمد حسن کانپوری کے فرزندان و دیگر مشہور طلباء نے آپ سے علم تجوید و قرأت حاصل کیا اور بعد میں دیوبند، سہارن پور، لکھنؤ وغیرہ کے مدارس میں تجوید کے مشہور اساتذہ ہوئے۔ گویا ہندوستان کے اکثر قرار اسی خاندان کے خوشہ چین ہیں۔ قاری عبد الرحمن نے علم تجوید پر ایک کتاب فوائد مکیہ تحریر فرمائی جو اس فن میں بہت ہی مشہور و مقبول ہے۔ قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ابتدائیں ایک آزاد منش انسان تھا۔ اور اگرچہ میرے بڑے بھائی قاری عبد اللہ اور مدرسہ صولتبیہ کے بہت سے دیگر مدرسین و طلباء نے مکہ شریف میں حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی مگر میں حلقہ ارادت میں داخل نہ ہوا۔ ابتدائیں مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جو ہندوستان کے مشاہیر علماء اور عرفا میں سے ہوئے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ اس خیال میں بھی مبتلا رہا کہ اگر کیس سے نسخہ ترکیب

باتھ لگ جائے تو ایک مدرسہ اپنے ذاتی خرچ پر قائم کروں۔ اس مقصد سے ایک کیمیاگر کی کافی عرصہ تک خدمت کی اور کیمیا کی کچھ آثار بھی پیدا ہوئے۔ مگر ایک روز خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور پاس ہی سونے پاندی کے ٹھیر لگے ہوئے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن سے کہہ دو اگر سونے چاندی کی ضرورت ہے تو یہ موجود ہے۔ مگر میری شفاعت کی اُمید نہ رکھے۔ چنانچہ اس خواب کے بعد وہ تمام شوقِ نفرت سے بدل گیا اور کیمیا کا خیال دل سے دور ہو گیا۔ ساتھ ہی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے عقیدت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ مگر پھر بھی دساوس اور نظراتِ بیعت ہونے سے مانع رہے۔ ایک روز پھر خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنے مکان پر ٹہل رہے ہیں اور مجھے مخاطب فرما کر میرے ایک ایک شک اور اعتراض کا ازالہ فرماتے ہیں۔ بیدار ہوا تو دل تمام دساوس سے پاک تھا۔ اس کے بعد جب گولڑہ شریف حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو ایک صبح حضرت نے طلب فرمایا۔ دیکھا تو آپ اُسی طرح ٹہل رہے تھے جیسے خواب میں نظر آئے تھے۔ میرے سامنے ہوتے ہی آپ نے مجھے مخاطب فرما کر وہ تمام شکوک و شبہات رفع فرمادیئے جس کے بعد میں بیعت سے مشرف ہوا۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ قاری عبد اللہ کی وفات پر جب قاری عبد الرحمن مکہ شریف گئے۔ تو اراکینِ مدرسہ صولتبیہ نے ان کو وہاں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان واپس جاؤ۔ تمہاری وہاں ضرورت ہے۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ قاری عبد الرحمن پہلے حضراتِ مشائخ کرام سے اس قدر عقیدت نہ رکھتے تھے مگر بعد میں تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ میں نے بارہا اصرار کیا کہ یہاں گولڑہ شریف میں رہ کر لوگوں کو مستفید فرمائیں لیکن ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ شیخ کے مقام پر رہنا بہت مشکل کام ہے لہذا مجھے معذور تصور فرمائیں۔ قاری محبوب علی فرماتے ہیں کہ ذکر اور یادِ الہی کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سینہ پر ایک پھوڑے کا ڈاکٹر سے پریش کر اتے وقت بیاناتِ اسم ذات اللہ منہ سے نکالا جس میں کچھ ایسی شش تھی کہ بعد میں ڈاکٹر نے بارہا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قاری صاحب ایک مرتبہ پھر اُسی طرح اللہ کا نام لے دیجئے۔ مجھے اس سے ایک خاص کیفیت حاصل ہوئی تھی۔

واضح ہو کہ یہ قاری عبد الرحمن الہ آبادی، جناب قاری عبد الرحمن جو پوری خطیبِ مفتی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے علاوہ ایک دوسرے صاحب ہیں۔ قاری عبد الرحمن جو پوری بھی مدرسہ صولتبیہ میں کچھ عرصہ مقیم رہے تھے۔ اور مولانا رحمت اللہ اور قاری عبد اللہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ابتداً ہندوستان میں مولانا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی تھی اور فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بیعت کے لیے حضرت شاہ وارث علی کی خدمت میں حاضر ہوا جو ہندوستان کے مشہور بزرگانِ دین سے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے بذریعہ کشف معلوم کر کے فرمایا کہ عبد الرحمن تمہارا حصہ ایک دوسرے صاحب کے پاس ہے اور ایک مسواک بھی تبرکاً عطا فرمائی۔ آخر جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مکہ شریف گئے تو قاری عبد الرحمن جو پوری آپ کے کمالات دیکھ کر کچھ ایسے گرویدہ ہوئے کہ مدرسہ سے استعفیٰ دے کر گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور آخر وقت تک یہیں رہے۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے آپ ہی سے فرنی تجوید کی مشق فرمائی۔ راقم الحروف کے استاد قاری غلام محمد پشاور بھی ان ہی کے شاگرد تھے۔ جو اپنے استاد کی وفات کے بعد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر خطیب اور مفتی رہے۔ قاری عبد الرحمن جو پوری موصوفت کے فتاویٰ ان کی علمی شان کے تین شاہد ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے درس میں حضرت کی تقریر حاجی صاحب کی طرف سے عطائے سلسلہ صابریہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب اس وقت مثنوی مولیٰ سناروم کا سبق دے رہے تھے۔ اثنائے سبق ایک ایسا شعر آیا جس میں آرزوئے وصل کی شدت کا اظہار تھا جناب لالہ جی صاحبزادہ غلام یحییٰ الدین مدظلہ العالی اپنے سفرنامہ مالک عربیہ روم ۱۹۴۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک مہمتر سید بزرگ انہیں بلے تھے جو اس واقعہ کے وقت درس میں حاضر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شعر یہ تھا۔

ہر کسے کو دور ماں داز اصل خویش
باز جو نذر روزگار وصل خویش

ایک شاگرد نے سوال کیا کہ مولینائے روم تو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ جہاں دُنی کا تصور ہی نہیں۔ پھر یہ وصل کی متنازعہ معنی دارد؟ حضرت حاجی صاحب نے جواب میں کچھ فرمایا مگر دریافت کرنے والے کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے پھر سوال کو دہرایا حضرت قبلہ عالم نے عرض کیا کہ یہ طالب علم اپنے سوال کا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کر پا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کے سوال کا متنازعہ عرض کروں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کیا مضائقہ ہے؟ جب حضرت نے سوال کی وضاحت فرمائی کہ وصل ایک امر اضافی ہے جو دُنی کا متقاضی ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود اس کے منافی ہے تو حضرت حاجی صاحب کی طبیعت بھر آئی اور فرمایا کہ اچھا اب اس کا جواب بھی آپ ہی بیان فرمائیں۔

حضرت نے عرض کیا وصل کے معنی ہستی موجود کو مٹانا ہے۔ غیرت کی نفی نفس الامر میں ہے اور حقیقت میں محبوب حقیقی کے بغیر کوئی غیر موجود نہیں۔ مگر دم کے غلبہ سے تغار پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک فائے کابل حاصل نہیں ہوتی۔ طلب اور عشق کے تمام منازل میں ایک وہمی غیرت باقی رہتی ہے۔ اس لیے فراق بھی ہوتا ہے اور وصال کی طلب بھی ہوتی ہے۔

میں جی تک تھا کہ تیری جسلوہ پیرائی نہ رہتی جو نمود حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

حضرت نے اپنی جوابی تقریر کو خواجہ حافظ مولینائے روم اور دیگر عرفا کے کلام از قلم

تو مباحث اصل کمال این است و بس زود رو گم شود وصال این است و بس

اور حضرت شیخ اکبر کے برجستہ ارشادات سے مزیں و مزیں کر کے کچھ ایسے پرکیف انداز میں ادا فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ وجدیں آگئے اور آپ کو بے حد رقت ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو مکہ کے اندر تشریف لے گئے اور اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ لاکر حضرت کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس کی حاجت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو۔ حضرت فرماتے تھے میں نے عرض کیا آپ کی عنایت کا شکریہ مجھے طواف کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا میں بھی تقریباً بیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ دورانِ درس ایک دفعہ حضرت نے اس کیفیت کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ جس شخص کا مطلق نظرات ہو وہ آثار و افعال اور صفات کی طرف

توجہ نہیں ہوتا ہے۔

عشق آل شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی مجہد سوخت

حضرت فرماتے تھے کہ جب میں عرب شریف سے واپس آیا تو ایک مدت کے بعد دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کے تعاون پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے وظائف انہیں تلقین کیے۔ اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عطیہ کی حکمت معلوم ہوئی۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اُسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا مگر حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا جس کا سد باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اُس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا۔ جیسا کہ آپ کی تصانیف و ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھی۔

حضرت حاجی صاحب کی ان غیبات پر ان کے بعض متوسلین کا ردِ عمل

بنجاب بالوچی کا ارشاد ہے کہ حضرت فرماتے تھے جب میں حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت ہندوستان کے چار مشہور علماء بھی حاضر درس تھے میری تقریر اور حضرت حاجی صاحب کی جوابی مہربانی کو انہوں نے کچھ محسوس کیا اور مجھ سے ایک منطقی سوال پوچھا میں نے کہا "میاں یہاں تو ایک باخدا انسان کی مجلس ہے۔ یہاں سے کچھ حاصل کرنا چاہیے۔ یہ مناظرہ کا مقام نہیں۔ اگر آپ حضرات کو مناظرہ کا اتنا ہی شوق ہے تو فلاں محنت پر اگر مجھ سے گفتگو کیجئے گا اور اگر میرے پاس آنا سب نہ سمجھیں تو میں خود آپ کے مقام پر حاضر ہو جاؤں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور آپ کا مسلک

حضرت حاجی امداد اللہ ۱۲۲۳ھ ہجری یعنی ۱۸۰۸ء عیسوی میں بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور پیدا ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز حکومت کے خلاف ہندوستان میں جہاد میں حصہ لیا۔ ۱۲۷۶ھ یعنی ۱۸۵۹ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۸۹۹ء میں رحلت فرما کر اپنے دیرینہ رفیق اور دینی و سیاسی معاون حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ بلاد عرب میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے موسوم تھے۔ دیوبندی مکتب فکر کے اکثر و بیشتر علماء کو آپ سے ارادت ہے۔ گو بعض مسائل میں انہیں حاجی صاحب سے اختلاف بھی رہا مگر مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا طیف اللہ علیگرہی، مولانا محمد حسین الہ آبادی اور بہت سے دیگر آپ کے متوسلین علمائے کرام آپ کے مسلک کے پوری طرح پابند رہے۔ مسئلہ وحدت الوجود میں حاجی صاحب کا مسلک امداد المشاق کے مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہوتا ہے:-

یہ مسئلہ (وحدت الوجود) حق و صحیح مطابق للواقع ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال و اقرار نہیں، البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں تحقیق اور تصدیق قلبی کافی ہے اور استناد اس کا لازم اور افتنا ناجائز ہے کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ ناذک ہیں، بلکہ محبت و تحقیق

کہ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر میں کہ اصطلاح عرفا سے عاری میں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسرے کو سمجھنا ناکب ممکن ہے۔

فتوحاتِ مکّیہ کے حصول میں تائیدِ غیبی

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے تھے کہ مکہ معظمہ میں کتابِ فتوحاتِ مکّیہ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ ایک کتب فروش نے اس کی قیمت چالیس ریال بتائی جو میرے پاس نہ تھے۔ اسی خیال میں بیٹھا تھا کہ ایک اجنبی افغان نے حرم شریف میں آکر چالیس ریال پیش کیے۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ اس وقت میرے دل میں خود بخود خیال پیدا ہوا ہے کہ یہ مستم آپ کو پیش کر دوں۔ چنانچہ اُس کے اصرار پر وہ چالیس ریال قبول کر لیے اور اشارہ غیبی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے جا کر کتاب خرید لی جو ہمیشہ زیر مطالعہ رہی۔

حضرت کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلق ایک بزرگ کا کشفی مشاہدہ

جس سال آپ حج پر گئے تھے اسی سال حضرت سید لعل شاہ نقشبندی دندہ شاہ بلاول ضلع کیمیل پورج کے لیے گئے تھے۔ جناب مولانا محمد غازی اور سید چائن شاہ جالبوی نے اُن کو کہتے سنا کہ میں نے بیٹ اللہ شریف اور پھر عرفات میں بھی مراقبہ کر کے معلوم کرنا چاہا کہ اس سال اولیائے حاضرین میں سے رئیس الحجاج کا منصب جلیلہ کسے عطا ہوا ہے تو حرم شریف میں میں نے خادۃ کعبہ کو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے گرد طواف کرتے دیکھا اور عرفات میں لوگوں کے حج آپ کے ہی توسل سے بارگاہِ الہی میں پیش ہو کر مقبول ہوتے نظر آئے۔ اس لیے سمجھ گیا کہ اس سال آپ ہی اس باطنی منصبِ عالی پر فائز المرام ہیں۔ جناب بابو جی تظلّہ العالی فرماتے ہیں کہ ان ہی سید لعل شاہ کے خاندان میں سے ایک صاحبِ سختِ مہم جوئے اور چونکہ اس گھرانے کو مستدرجہ بالا واقعہ کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے عقیدت تھی اس لیے وہ گولڑہ شریف میں دعائے صحت کے لیے آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا بخشی۔ اُن کی زبانی بھی میاں عبداللہ وغیرہ حُصّام لنگر شریف نے اُس مراقبہ کا ذکر سنا تھا۔

بیٹ اللہ شریف اور دیارِ صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے وقت ایک عام مسلمان کے ذوق و شوق کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ہی بیان میں نہیں آسکتی تو اولیاء اللہ کی کیفیات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی یہ حضرات مأمور من اللہ ہو کر یا وارداتِ قلبی کے تحت مصلحتاً اپنے جمالِ حال کے کسی گوشہ سے خود ہی پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت کے عشق و نیاز کی ایک معمولی جھلک آپ کی اس مشہور و مقبول نعت میں بھی پائی جاتی ہے جو آج تک ہزاروں دی دھیری لے کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے اور جس کا ایک مصرعہ کہتے مہر علی کہتے تیری شاگستناخ اکتیں کہتے جاڑیاں بھی ہے۔

حضرت نے اس غزل میں اُس کیفیت کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو وادیِ حمرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونے پر رونما ہوئی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق آپ کے کاغذات میں سے آپ کی ایک قلبی تحریر بھی دستیاب ہوئی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

مع قان چکانین و در میدان نسب بنماید
 من ندانم باده ام یا باده را بپایانم
 عاشق شوریده ام یا عاشق یا جانانه ام

مبتلائے حیرت جان گویمت یا جان جان
 اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانه ام
 شوق موی در طور آورد نارطورا
 درین دشت آتش میزنند پروانه ام
 با جمال ذراتش حس درگراشد
 چشم اورا سرمه ام یا زلف اورا شانه ام
 غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آینه
 تا ترا بشناختم جانان ز خود بجایانم

ایضا

نخستین باده کا نذر جام کردند
 مزا جش عکس آن گفتم کردند
 سویداشد در امکان صورت حق
 باین صورت جهان را رام کردند
 بمی بایست تقصیری از آن روی
 مکارم را بآن اتمام کردند
 شراب و عدت از غمی نه غیب
 مرا جمع ازل در کام کردند
 چو غلظیدم ز مستیها بهر سو
 حریفان مستی از من وام کردند
 صفت را که مستور اند نظر بود
 با مشهود خاص و عام کردند
 پس آنکه موج دریا باز آردید
 با تمام فنا ارام کردند
 این رمزی دقیق با تو گویم
 بخود آغاز و نیز انجام کردند
 اللهم صل وسلم وبارک و انا علی سیرنا محمد و آله و اصحابه

کما در وصفات البیہ ۱۱۱

مستحق است که در این کتاب
 در وصفات البیہ ۱۱۱
 در وصفات البیہ ۱۱۱

وادی حرم کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم کی قلمی تحریر

”چنانچہ در سفر مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بمقام حرمِ وادی یا فاطمہ وادی ازیں کمینہ ترین اُمتِ مہومہ،
بباعثِ اضطراب از قطعِ الطرقِ سنتِ عشرِ متروکِ گشتِ مخلصی فی اللہ و محیی اللہ مکرّمی جناب مولوی
محمد غازی صاحبِ دیریں سفر مبارک شغلِ تعلیم و تعلّم کہ در مدرسہ مکرّمی مولوی رحمت اللہ صاحبِ مرحوم و مغفور بمکہ
مستطابہ اذہا اللہ تعالیٰ مے فرمود، ترکِ فرمودہ محض برائے خدمتِ ایں بے بیج بنابر حسن ظن شریف رفاقت بخشیدہ
بعیثتِ رفاقت کرانہ قافلہ بنجوابِ رفقہ مے پیغم کہ سرورِ عالم فدائے روحی صلی اللہ علیہ وسلم در حجبہ عربی سیاه فام از
جمالِ بالکمال جہاں آرا، حیاتِ دیگر بخشیدہ در حالتیکہ مسجد سے دو زانو مراقب نشستہ بودم نزدیک تر
بایں عاصی شدہ مے فرمایند کہ آلِ رسول را نباید کہ ترکِ سنتِ کند و ہر دو سابقِ مبارک را کہ لطیف تر از
حریر بودند بدو دستِ خود مسمک گرفتہ گریاں و نالہ کنان مے گفتہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اذہا بے استقامتی
و بدہوشی عرض فرمودم کہ حضور کدہ ام کس اند۔ در جواب جہاں مجملہ مذکورہ بالا (آلِ رسول را نباید کہ ترکِ سنتِ کند)
فرمودند ہمیں طور سے باز گراہ سوال و جواب بوقوع آمد۔ نوبتِ سوم در قلبِ حرمیں جنیں ریختہ شد کہ از ندائے تو
بلفظِ یا رسول اللہ منع مے فرمایند اگر کسے دیگر از اہل اللہ بودے بگفتے کہ مرا رسول اللہ گو۔ والحمد للہ علی ذالک
از غیبی و حسن آں جمالِ بالکمال و از مستی و ذوق و تحیر فاضلہ آں وقتِ مبارک لسانِ تقریر و تحریر
گنگ است و لال۔ البتہ ابیاتِ ذیل جُمرہ ازاں بادہ بکام، و نفوذ ازاں نافذ بشامِ عشاقاں چکانیدن و میدان
انساب مے نماید۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پس من ندانم	عاشقِ شوریدہ ام یا عشقِ یا جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گوشت یا جانِ جاں	اصطلاحِ شوقِ بسیار است و من دیوانہ ام
شوقِ موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را	در نہادِ شمعِ آتش مے زند پروانہ ام
باجمالِ ذاتِ ششِ حسنِ دگر در کار شد	چشمِ او را سرمہ ام یا زلفِ او را شانہ ام

غافل از خود ماند از صورتِ چو پر شد آیینہ

تا ز آبِ نہ ختمِ جانان ز خود بیگانہ ام

ایضاً

نخستیں بادہ کا نہرِ جام کردند	مزا بش عکسِ آں کُلفِ م کردند
ہویدا شد در امکاں صورتِ حق	بآں صورتِ جہاں را رام کردند
ہے بانستِ تفصیلِ ازاں رُوحے	مکارم را بآں اتم کردند

شراب وحدت از خندان غیب مرا صبح ازل در کام کردند
چو غلیظ دم ز سستی با بہر سو حریفان مستی از من وام کردند
حقیقت را کہ مستور از نظر بود بہ مشہود خاص وعام کردند
پس آنکہ موج دریا باز گردید با تمام فن اکرام کردند

ایں رمزے دیتے ہا تو گویم
بخود آغا ز وہم انجم کردند

اللہم صل وسلم وبارک دائماً علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ

سوارۃ بگدشتی و ماہنوز از شوق

نہادہ رُوئے بخاک نم سمنہ توایم

ترجمہ تحریرِ مختص

چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بہت کم وادی حراد اکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً
عشاء کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی، مدرسہ صولتبیہ میں شغل تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسن ظن کی بنا پر
بغرض خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ ان رفقاء کی معیت میں میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا کیا دیکھا ہوں
کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لاکر اپنے جمال باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں ایسا معلوم
ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالت مراقبہ دوڑا نو بیٹھا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب تشریف لاکر ارشاد فرمایا کہ آل رسول کو سنت
ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب کی ہر دو پسند لیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں
ہاتھوں سے مضبوط کرنا نہ و قبال کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا اور عالم مدہوشی
میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ تین بار
یہی سوال و جواب ہوتے رہے تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یا رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر
ہے کہ ٹوڈ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال باکمال کے متعلق کیا کہوں اُس
ذوق و مستی و فیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر رنگِ البتہ بادہ خوارانِ عشق و محبت کے حلق میں ان ابیات
سے ایک جرمہ اور اُس نافہ مشک سے ایک نفحہ ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرف کی یہ تحریر اور ابیات اُس وقت کی سعادتِ عظمیٰ کی کیفیات سے کسی قدر نقاب کشائی کرتے
ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال کے مراتبِ علیا اور فنا و بقا کے مقاماتِ جلیلہ سے مشرف ہو چکے ہوئے تھے جو اہل اللہ کا
انتہائی مقصود ہے۔ ان کیفیات کا انعکاس آپ کی اُس مشہور پنجابی نعت میں کسی حد تک پایا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے
اور جو آپ نے اُس موقع پر وادی حراد اور مدینہ منورہ کے درمیان یوزون فرمائی تھی۔ ان ہی کرامات و غنایات کے متعلق ذکر کرتے
ہوئے آپ اپنی کتاب فتوحاتِ صدیہ میں ضمن جواب سوالِ خپسم تحریر فرماتے ہیں: "اس گروہ پاک میں سے اب بھی وہ لوگ
ہلتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی حسب تفاداتِ مدینہ طیبہ سے رخصت ہوتے وقت یا کسی اور وقت میں اُن انعامات سے
متاز و مشرف فرماتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت۔"

حضرت قبلہ عالم قدس سرفا کی طبیعت میں تواضع اور اخلاصے راز کا غلبہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاد و نادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت۔ چنانچہ اس واقعہ کا اظہار بھی غالباً اپنے امثال اور تابعین کی تلقین کے لیے فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں اپنی ذات والاصفات پر بھی حرف گیری کا ایک پہلو نکلتا تھا۔ رنہ ان انعامات بے کراں کا جو اس دربار گوہر بار سے مرحمت ہوئے یا ان نوازشات بے پایاں کا جو خانہ خلاق جہاں میں جویں ایک شمع کب بھی کیس ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور یہاں پر آپ ہی کا وہ قول پیش نظر آتا ہے کہ میں فقیر اُسے کہتا ہوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور دکا تک نہ لے۔

مست ذکرہ بالا نعت شریف کی عالم گیر اثر انگیزی اب محتاج بیان نہیں رہی پنجابی کلام سے لطف اندوز ہونے والی ہزاروں محفلوں میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے۔ اور لوگوں کی فرمائش کے پیش نظر بار بار ریڈیو پر بھی آتی رہتی ہے جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدت شوق و فراق سے ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے۔ اور کیفیات کا نور و سرور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علامہ اقبال میکوڈو روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دھند لکوں میں کوئی شخص اس نعت کا پہلا شعر

رج بسک بہتراں دی دھیری اے کیوں لڑی اُداس گھیری اے

لوں لوں چ شوق چگھیری اے اُج نیناں لائیاں کیوں جھڑپاں

ترجم سے کہتا جا رہا تھا علامہ نے اپنے ملازم کو دوڑا کر اُس گزرنے والے کو بلوا کر ساری نعت سنی جب مقطع ے

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا أَجْمَلْتَ مَا أَحْسَنْتَ مَا أَكْمَلْتَ

کھتے مہر علی کھتے تیری ثنا گستاخ اٹھیں کھتے جاڑیاں

میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفا کا نام سنا تو کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اس کلام میں اتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے نعت شریف باب نہم آپ کے منظوم کلام میں، کتاب ہذا میں درج ہے۔

اس کٹھن سفر میں شانِ استغفار و ایثار و کرم

جناب مولیٰ نام محمد غازی فرماتے تھے کہ کوئٹہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفا میری استدعا پر ازراہ عنایت میرے مکان پر تشریف فرما ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس فقط ایک قمیص ہے جو اس طویل سفر میں مسلسل زیر استعمال رہنے کی وجہ سے عرق آلود ہو چکی ہے چنانچہ ایک دن میں نے عرض کی کہ غسل فرما کر میری نئی قمیص پہن لیں تاکہ میں وہ قمیص دھو ڈالوں۔ آپ نے فرمایا اچھا، مگر غسل کے بعد دیکھا تو وہی پُرانی اور بغیر دھلی قمیص زیب تن فرمائے ہوئے ہیں۔ مجھے سخت صدمہ ہوا اور زیر لب اظہارِ شکوہ کرتا ہوا چل پڑا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا: مولوی صاحب، واپس آؤ، واپس آؤ۔ میں واپس گیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب، اگرچہ میرے مذہب میں دوئی شرک ہے مگر میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ قمیص مولوی صاحب کی ہے۔ اچھا اب آپ کی قمیص پہن لیتا ہوں، یہ کہہ کر آپ نے میری قمیص پہن لی اور اپنی قمیص مجھے مرحمت فرمائی۔ حضرت کی یہ قمیص مولیٰ محمد غازی نے تبرکاً اپنے پاس رکھ لی تھی جو ان کی وفات کے بعد ان کے ورثہ سے حاصل کر کے حضرت کے تبرکات میں رکھ دی گئی ہے۔

مولانا مرحوم جو مدینہ عالیہ کے سفر میں حضرت کے شریک تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قافلے میں پیدل سفر کرنے والی ایک خاتون نے تھکاوٹ سے تنگ آکر بوجہ کم مہتی و بے صبری کچھ غیر شرعی الفاظ استعمال کرنے شروع کیے حضرت نے اُس کی حالت دیکھ کر فرمایا۔ اس بے چاری کا ایمان خطرے میں ہے میری سواری پر اسے سوار کرادو میں پیدل چلوں گا تاکہ اُس کی تکلیف و پریشانی رفع ہو جائے مولانا فرماتے تھے کہ قافلہ کے لوگ عموماً بدقول اور لٹیروں سے خطرہ کے وقت آپ کے قریب جمع ہو جاتے اور کہتے کہ ہمیں اس شخص کے قُرب میں اطمینان اور تسکین قلب محسوس ہوتی ہے چنانچہ آپ بھی اُن کی پریشانی کے پیش نظر اپنے اُوراد و اشغال میں ہمہ وقت مصروفیت کے باوجود اُن کی دلجوئی کو مقدم رکھتے۔

عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار

عرب شریف سے واپسی پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مفت مملکین پر ایسے ممکن ہوئے کہ پھر بہت کم سفر اختیار فرمایا پہلے سیال شریف کے عرس پر اور پھر کچھ عرصہ بعد پاک پتن شریف کے عرس پر سفر فرماتے کسی خاص دینی مقصد کے پیش نظر کوئی اور سفر بھی اختیار فرمالتے تھے مثلاً پیران کلیہ علی گڑھ اور مرزائے قادیان کے ساتھ مناظرے کیلئے لاہور کے سفروں کا تذکرہ آئندہ مناسب مقامات پر آئے گا۔

ریاست بھوپال کا سفر

۱۹۰۲ء میں حضرت نے ریاست بھوپال کا سفر فرمایا جس کا ذکر جناب بالوچی مدظلہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرت کسی سفر کا ارادہ تو رکھتے ہیں مگر ہمیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتے کئی طریقوں سے ہم کو اپنی استدعا کی مگر نامنظور ہوئی۔ آخر میں نے عرض کی کہ آپ سفر تو زمین پر ہی فرمائیں گے۔ اور سوار بھی ریل گاڑی میں ہی ہونگے اس لیے جب بھی آپ تشریف لے جانے لگیں گے ہم بھی ساتھ ہوں گے۔ یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور ہماری اجازت بخشی اور بالآخر تیار ہو گئی مولوی محبوب عالم منشی عبدالباقی کرم الہی برادر سیٹھی فضل الہی پشاوروی۔ قائم علی المعرف فاضل لاہوری وغیرہ ہمراہ تھے اسٹیشن پر مولوی محبوب عالم کو علیحدگی میں بھوپال کے متعلق فرمایا۔ راستہ میں ایک یوم لاہور کی ایک سرائے میں قیام فرمایا اور کسی کو اطلاع نہ کی۔ شام کو وہاں سے سوار ہو کر دوسرے روز فوجی رات بھوپال پہنچے۔ شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب رہائش کا ارادہ فرمایا۔ تانگے والوں نے اُس جگہ سے تقریباً تین فرلانگ کے فاصلہ پر اتار دینا چاہا۔ لیکن ایک گونگے شخص کے آموچہ ہونے اور اشاروں اشاروں میں تانگہ والوں کو مجبور کرنے پر بالآخر انہوں نے ہمیں اصل جگہ تک پہنچا دیا۔ وہ گونگا شخص ایک غیبی امداد کی صورت میں آخر تک بازار سے سودا سلف تک لانے میں ہمارا مجدد و معاون رہا۔

حضرت نے کسی مکان کے کرایہ پر لینے کا فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید فرمائی کہ کسی کو نہ بتلایا جائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ چنانچہ تالاب کے قریب والی ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں سامان رکھ کر مکان کی تلاش میں نکلے۔ قریب ہی ایک مکان نظر آیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ اگر یہ مکان مل جاتا تو کیا ہی اچھا رہتا۔ اسی خیال میں تھا کہ مالک مکان جو کوئی فوجی افسر معلوم ہوتا تھا آگیا اور ہمیں دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ پہلے تو ساتھیوں نے حضرت کے

حسب ارشاد کچھ نہ بتلایا لیکن آخر لالہ کرم الہی نے کچھ بیان کر ہی دیا جس پر وہ بہت خوش ہوا اور مکان کی کنجیاں حوالے کر کے کہنے لگیں ایک رسالہ میں ملازم ہوں اور رخصت پر آیا تھا۔ اب واپس جا رہا ہوں۔ یہ میرا ملازم ہے اور مکان آپ کے حوالے ہے۔ جتنے روز چاہیں بغیر کسی کرایہ کے قیام فرمائیں۔ ہم بہت خوش ہوئے۔ حضرت نے نیچے حصہ میں رہائش رکھی اور ہمیں اوپر والے حصہ میں ٹھہرنے کو فرمایا۔

آپ علی الصبح تالاب کے قریب والے جنگل میں تشریف لے جاتے اور دیر سے واپس لوٹتے۔ پھر فاضل کو اور مجھے سبق پڑھاتے ہم اُن دنوں مسابکِ خو پڑھتے تھے۔ اُس مسجد میں بھی ایک سفید ریش منعم عالم چند طلباء کو پڑھاتے تھے ایک روز انہوں نے حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہما کے متعلق کوئی ذکر کیا تو آپ نے اُس کا صحیح مطلب اُن کو سمجھایا جس پر وہ منعم عالم بہت خوش ہوئے۔

ہر روز جنگل سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے آپ ایک حکیم صاحب کے پاس تشریف رکھتے۔ اُن سے تعارف کی صورت ایک مولوی صاحب کے ذریعہ ہوئی تھی جو گولڑہ آیا کرتے اور حضرت سے حکیم صاحب کا اور حکیم صاحب کے پاس حضرت کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ نیز وہ اس جنگل کے متعلق کہا کرتے کہ عجیب خلوت کا مقام ہے۔ اتفاقاً مسجد والے عالم بھی ان ہی حکیم صاحب کے کرایہ دار تھے چنانچہ ایک روز حضرت کو حکیم صاحب کے پاس بیٹھا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور چلے لاکر پیش کی اور کہا کہ مجھے عرصہ سے ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی ہے اور اشکال لاحق ہے کئی حضرت سے دریافت بھی کیا مگر اطمینان نہیں ہو سکا۔ آپ کو دیکھ کر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ اُسے ضرور حل فرمادیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ اکثر ایسے بزرگانِ دین گزرے ہیں جن کے باخدا ہونے میں تو قطعاً کلام نہیں مگر انہوں نے تمام عمر مکمل طیبہ کی بجائے فقط اہم ذات ہی کو ذکر کے لیے اختیار کیا اور مکمل کلمہ شریف کو جو افضل الذکر ہے معمول نہ بنایا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میرے ناقص خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات ایسے صفتِ مہربان تھے کہ اس قدر فراق کو گوارا نہ کر سکتے تھے جو محبوب کے نام سے پہلے تین چار الفاظ ادا کرنے تک صبر میں لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے اول ہی اُس کے نام کو وردِ زبان بنایا۔ آپ نے اس پر مزید چپ و عرفان کے اقوال پیش فرمائے جس سے مولوی صاحب پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور باصرہ تمام بعیت ہوئے۔ پھر عرض کی کہ مجھ سے وعدہ فرمائیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں گے۔ آپ نے منہ نہ دیا خدا جانے کسے پہلے جانا ہو گا۔ فاصلہ بھی کافی ہے میں دُعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بخیر فرمائے۔ اس کے شدید اصرار پر فرمایا: مشیتِ الہی میں ہو گا تو دیکھا جائے گا۔

اس عرصہ میں رفتہ رفتہ شہرت ہو گئی۔ نواب صاحب بھوپال کے ایک رشتہ دار نواب حاضر خدمت ہو کر ملتے ہوئے کہ میرا لڑکا بیمار ہے آپ غریب خانہ پر چل کر دم فرمائیں۔ آپ نے وہاں جانے سے معذرت چاہی اور وہیں دُعا کے تحت فرمائی مگر نواب صاحب بدستور آپ کے تشریف لے چلے پر مُصر رہے۔ بالآخر آپ نے فرمایا کہ فقط اس کام کے لیے جانا تو مشکل ہے البتہ یہاں سے روانگی کے وقت آپ کے ہاں سے ہوتا جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد مولوی محبوب عالم سے فرمایا کہ اب یہاں لوگوں نے بے ذوقی پیدا کر دی ہے رخصت ہونا چاہیے تیاری ہونے پر حسب وعدہ آپ نواب صاحب متذکرہ بالا کے ہاں تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے نیچے کو دم فرمایا بیگمات نے چاندی سے بھر ہوا ایک طشت نذر گزارا۔ اُس میں کوئی خاص قسم کی خوشبو یا ت بھی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اسے میرے قریب نہ لانا خوشبو یا ت کی تیزی سے مجھے نزلہ ہو

جائے گا اور وہ قبول بھی نہ فرمایا اور رخصت ہو گئے۔ اُن نواب صاحب نے بہت الحاح کی کہ اپنا پتہ تو بتادیں مگر آپ نہ مانے جب تا نگہ پر سوار ہو کر روانہ ہو پڑے تو وہ نواب صاحب پیچھے دوڑنے لگے۔ آخر آپ نے مولوی محبوب عالم کو فرمایا کہ کاغذ کے پُزہ پر لکھ کر دے دو ورنہ یہ نہیں چھوڑیں گے۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر براستہ دہلی واپس ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ محمود صاحبؒ تو نسوی کے ایک خط سے جو حضرت کو بھوپال میں ملا اور جو جناب بابو جی مدظلہ کی لائبریری میں موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا قیام مولوی خیر اللہ کے مکان میں نزد مسجد مدار المہام، ہری گھاٹ بھوپال ہوا تھا۔

اس سفر کے چند دن بعد خادم تعویذات مولوی شیر دل نے عرض کی کہ ایک لڑکے پر جن کا اثر ہے اور وہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا اے آؤ۔ وہ آکر کہنے لگا کہ آپ نے بھوپال کے جنگل میں جو وعدہ فرمایا تھا اُسے پورا فرمائیں۔ آپ نے کہا صبر کرو تمہارا کام ہو جائے گا۔ کافی دیر تک اُس کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور پھر وہ رخصت ہو گیا۔

بانتخبم

مستدراشاد

۱۳۰۶ هـ تا ۱۳۵۶ هـ

۱۸۸۹ ع — ۱۹۳۷ ع

پہلی فصل محمدؐ دانہ شواہد

مسند اکابر

سابقہ چار ابواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقبول اور منفرد تخلیق اور کلّ یومِرْهُو فِی سَنَیْنِ کے یہ مظہر صادق کس طرح علم و فکر کی تربیت میں کامل و مکمل ہو کر بیت اللہ شریف اور دربار رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوئے وہاں فیوض و برکات سے دامن مژدہ بھرے اور قبلہ عالم اور قطب ارشاد کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہو کر اپنے پیرانِ عظام اور اجدادِ کرام کی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔

اس بلند مرتبت مسندِ شریف پر زمانہ ماضی میں جہاں تک بھی نگاہ دوڑائیں اکابر اولیاء اللہ اور اپنے اپنے وقت کے قبلہ گاہ عالم ہی جلوہ فرما دکھائی دیں گے شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی، غوثِ زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی، قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد ہاروی، فخر جہاں حضرت مولانا فخر الدین دہلوی، قطب دوران حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی اور خانی فی اللہ، باقی باللہ حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی بلکہ اور اوپر حضرت پیر غلام دہلوی سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی سلطان الزاہدین حضرت گنج شکر، بُرہانِ چشتیہ و شہیدِ محبت حضرت خواجہ قطب الدین نجمتیار کاکلی اور خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سپہِ اسلام کے وہ درخشاں ستارے تھے جن کی ضیاء پاشی سے کروڑوں گمراہانِ بادیہِ ضلالت نے ہدایت پائی، قبیلے کے قبیلے اور علاقے ظلمتِ کفر سے نکل کر نورِ اسلام سے منور ہوئے۔ (حضرت کے مشائخ کرام سلسلہ چشتیہ و قادریہ کے شجراتِ کتاب ہذا کے بابِ نہم ارشادات میں درج ہیں) ان حضرات نے اپنی تمام عمریں تدریسِ علوم و یتیمہ اور تزکیہٴ نفوس بشریہ میں بسر فرمادیں۔ جاہلوں کو عالم بنایا، اور عالموں کو واصل باللہ کیا۔ اربابِ سیف نے ان سے عدالت کا سبق لیا اور اصحابِ قلم نے زورِ قلم حاصل کیا چور اور راہزن، ولی اللہ بنے۔ کسانِ بل چلائے، تسبیح پڑھنے لگا، اور مزدور عورتیں چکی پیستے، انا کو نہتے ذکرِ جہر کرنے لگیں۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اس برصغیر میں عرفانِ الہی اور عشقِ رسول اللہ کے دریا بہا دیے اور ایک عالم کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیا۔

دہلی، بہاول پور، سنگھنہ اور کچھی بار کے بعد ارشاد و تبلیغ کا یہ تجاویز چوتیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں کے آغاز میں کوہستانِ پوشوا کے دامن میں آراستہ ہوا اپنی نصف صدی کی نمایاں اور بعض صورتوں میں عظیم المثل و لاثانی خدمات کی بدولت تاریخِ اسلام میں بلاخوف تردید مسندِ تجدید سے موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ جیسے کتاب ہذا کے باب دوم کی اہستہ میں عرض کی جا چکی ہے حضرت کی ذاتِ گرانی میں وہ جملہ شرائط و صفات جو ایک مجددِ وقت میں ہونا چاہئیں کماتمام ہو چکے ہیں۔ قیلا و اسلام کے جو موضوعات حضرت کے تجریدانہ ذاتِ خاص طور پر تشریح کیے ہوئے ہیں ان کی تفصیل آگے نکلے گی۔

تردید مزانیت

انجانب نے ایک لادینی حکومت کی الحاد پر و رضا میں ایک مذہبی نبوت کے خلاف کامیاب علمی اور لسانی جہاد کیا جی کہ اس محاذ پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کی جانب سے متفقہ طور پر آپ ہی قائد تسلیم کیے گئے اور آپ کی تصانیف تردید مزانیت میں بے نظیر شاہکار قرار دی گئیں۔ ان تصانیف کو مشعل راہ بنا کر، تقریر و تحریروں کے مجاہدین کا ایک ہم غفر کربستہ ہو کر میدان میں اتر آیا۔ اور ان کی مساعی فی سبیل اللہ کی بدولت آج دنیائے اسلام کا ایک عام انسان بھی ختم رسالت کی قادیانی تاویل کو کفر سمجھتا ہے اور قادیانیت اس ملک میں ایک علیحدہ، بے اثر اور لاتعلق اقلیت بن کر رہ گئی ہے۔

انسدادِ کٹر الویت

حضرت کے زمانہ میں قادیانیت کے علاوہ افراط و تفریط کی شکار اور بھی کئی مذہبی اور سیاسی تحریکیں ابھرنے لگیں مگر آپ کے وجودِ مسعود کے باعث پروان نہ چڑھ سکیں۔ مولوی عبداللہ حکمر الوی نے حدیث کی محبت سے انکار کرتے ہوئے ایک نیا فرقہ اہل قرآن کھڑا کر دیا۔ اس کے مقابلہ میں آپ نے علم حدیث کی تدریس پر زور دے کر جابجا دورہ حدیث کے درس جاری کرائے چنانچہ ضلع ہزارہ کی مشہور درس گاہ بغہ میں آپ کے مخلص شاگرد مولینا عثمان نے اُس نواح میں پہلی مرتبہ درس حدیث شروع کیا۔ انکے علاوہ سون میں آپ کے استاد مولینا سلطان محمود خود حضرت سے سند لے کر درس حدیث پر کربستہ ہو گئے۔ اسی طرح مولینا حافظ مہر محمد شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور اور مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور بھی حضرت کے حسب فرمان تدریس حدیث پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

ردِ نیچریت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے نیچریت کی تردید میں بھی جو ملک میں انگریزی تسلیم و تربیت کے باعث فروغ پا رہی تھی۔ مولوی محترم علی چشتی لاہوری اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے مخلصین کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری توسل کے تعلیمی مضامین شائع کرائے۔ تاہم سرسید احمد خاں کے مخالف علماء کے ان نظریات کو بھی نا واجب قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ اور برطانوی ہند دارالحرب ہے جہاں مجمعہ کی نماز جائز نہیں حضرت نے شہروں میں نماز جمعہ کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صوبہ سرحد میں از سر نو جمعہ کی نماز جاری کرائی۔ البتہ برطانیہ کی ایسی ملازمت کو جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقدام لازم آتا ہو، ناجائز قرار دیا۔ اور اس امر کا اعلان آپ اُس زمانہ میں فرماتے رہے جب کہ پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی اور انگریزوں کا ستارہ عروج پر تھا۔

انگریزی تعلیم پر حضرت کا مسلک اور دینی مدارس میں لکھی

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو دینی مدارس کی بخت اور قیام کا ہمیشہ خیال رہا۔ انگریزی سکولوں کے مروجہ نصاب کے

عیوب کے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ بعض مکتوبات سے ملتا ہے۔ انگریزی کو بطور زبان پڑھنے اور سیکھنے پر آپ کو اعتراض نہ تھا بلکہ حکومت برطانیہ کے عہد میں دنیوی کاروبار اور مصدا کے لیے اسے ضروری سمجھتے تھے مگر نظر مبارک اس خط سے بھی بیگانہ نہ تھی کہ انگریزی ادب میں ایسا مواد بھرا ہوا ہے جو مذہب اور قومی یک جہتی کے لیے باعث نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے کوشش فرماتے تھے کہ اسلامی علوم بھی ساتھ ساتھ ضرور پڑھائے جائیں تاکہ اسلامی شعور اور کردار میں تنزل نہ آنے پائے۔ ایسی مغربی لادینی تہذیب کی آپ نے شد و مد سے مذمت فرمائی جو اسلام سے بیگانہ کر دے اور عقل محض کی کورانہ تقلید کا پابند بنا دے۔ اور اس مسلک کے پیش نظر اپنے خاندان میں بچوں کو انگریزی تعلیم نہ دلوائی۔

مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبد القیوم کے ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی

۱۸۹۶ء میں جب راولپنڈی صدر میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی اور چندہ کی کمی کے باعث کام رک گیا تو قاضی سراج دین اور سیٹھ ماموں جی آدم جی صاحبان کی درخواست پر آپ جلسہ میں شریک ہوئے اور تقریر فرمائی جس پر رد و پس کی اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ضروریات پوری ہو گئیں لیکن جب اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر اور ترقی کے لیے صاحبزادہ عبد القیوم نے (جو ابھی سر نہیں ہوئے تھے) آپ کو لے جانا چاہا تو آپ نے پسند نہ فرمایا۔ اور جب وہ بذریعہ عرائض مضر ہوئے تو لکھا کہ میں یہیں سے دُعا کرتا ہوں! اس پر صاحبزادہ عبد القیوم نے پھر لکھا کہ دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرہ ور ہو چکی ہیں مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں! حضرت نے جواب میں فرمایا:-

آپ کے اس فقرہ پر تعجب ہوا۔ مَعذُومًا اللہ اور رسول کے نزدیک علم معتد بہ علوم شریعہ و ادیان میں یعنی علوم الہیہ اور وہ بفضلہ تعالیٰ اپنے فدام سمیت محفوظ و مصون ہیں۔ ہمارے نزدیک تاحال دیگر اقوام ان علوم سے بے بہرہ ہیں پس آپ کے اس فقرہ بالاکلی صحت بالکل صورت پذیر نہیں ہوتی۔ البتہ ہمارے ہاتھ سے ان علوم پاک کا نکل جانا اُس صورت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب حسب کلمۃ خَیْرِ اُریدَ بَہَا شَرُّ "ترقی اسلام کے نام سے کام لیا جائے" فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ" اس کے لیے صحیح عنوان ترقی اسلام نہیں، ترقی اسباب معیشت ہے اور وہ بھی غیر شرعی اسباب سے جو برعکس نہند نام رنگی کافور اس کے بعد ماوشما سے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اس طرز تعلیم کا اثر احکام شرعیہ، صوم و صلوة وغیرہ کو پس پشت ڈالنے اور ظاہری اعزاز و شکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہوگا مگر جسے اللہ محفوظ رکھے۔ وَمَا عَلَيْنَا الْاِکْبَالُ" (ترجمہ)

دینی مدارس کی ترقی میں آپ کی دل چسپی اور خوشنودی کا اندازہ ان خطبات اور بیانات سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے بعض اوقات ان اداروں کے افتتاحی اور ہنگامی اجلاس میں تشریف لے جا کر دیئے یا لکھ کر بھیجوائے۔ اس ضمن میں زیارت شریف ضلع پشاور کے درس حنفیہ کے افتتاحی اجلاس اور انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ (دسمبر ۱۹۱۲ء) کے خطبات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ لاہور کے جلسہ میں حضرت کی شرکت کی اطلاع پا کر لوگ دُور دُور سے آئے تھے۔ تقریر کے بعد اس قدر چندہ جمع ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ روپوں اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

یوں تو حضرت کا ہر ارشاد معتقدین کے لیے اہم ہوتا تھا اور اکثر قبلہ بند کر لیا جاتا تھا مگر انجمن نعمانیہ لاہور کا یہ خطبہ اس قدر مبلغ تھا کہ انجمن کے متمم مولوی محترم علی صاحب شہیدی اور دیگر علماء نے حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر اس کی تفصیلات کو از سر نو قبلہ بند کیا۔ یہ خطبہ "مہرِ شہیدیہ" اور ملفوظاتِ طیبات "دونوں میں درج ہے۔ اور کتاب ہذا کے باب ملفوظات میں بھی اس کی نقل کر

دی گئی ہے۔

بریلوی اور دیوبندی

دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبحر عالم اور خادم اسلام ہونے میں کلام نہیں، مگر بعض اجماعی مسائل میں رعایت توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے مسلک توحید وجودی کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بُری مثال قائم کی ہے۔ گویا اگر ہزار میں سے ایک پہلو بھی موافق موجود ہوتا تو مخالف کی نیت پر شبہ کرنے سے منع فرماتے۔ حضرت نے امکان کذب باری تعالیٰ کو محال۔ علم غیب عطائی اور سماع موتی کو برحق اور ندائے یارسول اللہ زیارت قبور، توسل و استدعا انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا۔ مجنون باطلہ اور اصنام کے متعلق نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر منطبق کرنے کو تحریف و تخریب سے تعبیر نہ مارا۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے استدلال کی تردید فرمائی۔

وَمَا أَهْلَ بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ كِي صَحیح تفسیر

وَمَا أَهْلَ بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ کے معانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے عالم کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ نیاز میں ذبح ہونے والے جانور پر اگر کسی وقت بھی اصحاب نیاز یعنی انبیاء و اولیاء کا نام لے لیا گیا تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ مگر حضرت نے اعلاء کلمۃ اللہ تصنیف فرما کر قرآن و حدیث اور فقہ و لغت سے ثابت فرمادیا کہ اس آیت شریف کی مراد صرف اسی ذبیحہ سے ہوگی جس پر چھری چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کی بجائے غیر اللہ کا نام پکارا جائے گا یا غرض ایصالِ ثواب اور کھانے کھلانے کی بجائے محض غیر اللہ کے لیے خون گرانے کی ہوگی، جیسے کہ بعض ممالک میں بادشاہوں کی تعظیم کے سلسلہ میں رسوم ہیں یا اہل ہنود میں بھوک کا طریقہ رائج ہے۔

غیر متلین

طاغون زدہ آبادی سے دوسری آبادی کی طرف موت سے فرار کی نیت سے نقل مکانی کو حضرت نے گناہ کہا۔ لیکن علاج کے لیے کھٹے میدانوں اور باغوں میں چلے جانے کو مباح فرمایا۔ اس پر غیر متلین کے ساتھ تحریری مناظرات چل چکے مگر میدان بفضلہ آپ کے ہاتھ رہا۔ اور تمام اُمت میں آپ ہی کا فتویٰ جاری ہوا۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی اس فتویٰ میں آپ کی تائید کی۔

علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک

صفات باری تعالیٰ اور علم کلام کے بعض دیگر اہم مسائل میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلاف پر حضرت نے عموماً اصولی

محققین عظیم المرتضوان کے مسکاب کی روشنی میں تشدد اور تعصب کی جگہ وسعت لطیفی سے کام لیتے ہوئے وہی راہ آستیاہ
زمانی جو کتاب و سنت سے زیادہ اقرب ہے چنانچہ مسئلہ کلام باری تعالیٰ اور ضعف و مید اور امکان نظیر وغیرہ کے مستحق
الفتوحات تصدیق اور مجال میں تفصیل و وجود ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرت نے ارباب وحدت الشہود اور وحدت الوجود کے درمیان یہ کہہ کر رابطہ اور تعلق پیدا فرمایا کہ وحدت الشہود
ابتداء سے سلوک اولیٰ فیض ایمان ہے اور وحدت الوجود انتہائے مقام اور کمال ایمان ہے۔ اس مقام کے لیے نہ تو ائمہ سابقہ
ہی تکلف تھیں اور نہ جمہور اُمت مرحومہ محمدیہ ہی میں یہ انحصار الخواص کا مشاہدہ اور حال ہے، قال نہیں۔
مولانا صوفی عبدالرحمن صاحب لکھنؤی نے اپنی کتاب کلمۃ الحق میں جمہور کو بھی عقیدہ وحدت الوجود کے لیے تکلف
پابند نہ کیا تھا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز نے اپنی ایک نادر تصنیف تحقیق الحق فی کلمۃ الحق میں متفقانہ بحث فرما کر اس کو قف
کی تردید کی اور صوفی صاحب کو غلبہ حال کی وجہ سے معذور قرار دیا۔

مسئلہ خلافت و فضیلت

خلافت خلفائے اربعہ کی حقانیت کو آپ نے دلائل قاطعہ سے ثابت فرمایا لیکن فضائل صحابہ کرامؓ اور اہلبیتؑ عظیم
میں تشدد اور تعصب ناگوار رہا خصوصاً ایک شخصیت کی ایسی فضیلت جس سے دوسرے کی توہین لازم آئے آپ کو
سخت ناپسند رہی۔

لعن زبیر

زبیر اور اس کے حواریوں پر لعنت بھیجنے کو ناجائز قرار نہیں دیا مگر فرمایا بے سود امر ہے۔ اس کی بجائے آلِ رسول
پر درود پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت کو اپنے مشائخ عظام کی طرح اہل بیت کرام سے کمال محبت تھی۔ آپ کے غم و غم کلام
میں ایک مرتبہ بھی ملتا ہے۔

تشدیدیں رفع سبابہ کی سنت کا احیاء

آپ نے بعض مکاتیب فکر کے خلاف تشدیدیں رفع سبابہ کو سنت زائدہ قرار دیا جس کے عمل سے تو ثواب ہوتا
ہے مگر ترک پر گناہ نہیں۔ اس بارہ میں علمائے سیال شریف میں اختلاف تھا۔ حضرت ثانی سیالوٹی نے آپ کو حکم قرار دیا
اور آپ نے فریقین کے دلائل سماعت فرما کر یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

اوقات مسنونہ نماز کی پابندی اور وظائف کی تصریح و ترتیب

بعض حضرات چشتیہ، نماز فجر میں تانیر کے قائل تھے حضرت قبلہ عالم قدس سرور نے اور ابو خاندان چشتیہ کی ترتیب

کی بنا پر ثابت فرمایا کہ متقدمین سلسلہ اس نماز کو اول وقت میں ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ نے قادریہ اور چشتیہ سلاسل کے وظائف میں بعض مندرجات کی اصلاح اور تصحیح فرما کر چل کاف وغیرہ معمولات مشایخ میں بھی بعض بین العوامی اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ مجموعہ وظائف میں چل کاف کا ترجمہ آپ ہی کے نتیجہ فکر کامرئوں ہے۔ بالکلین کے لیے ترتیب اور دو اشغال میں بھی آپ ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

تحریک خلافت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریسی جمیعت العلماء ہند کی بربادہ تحریک خلافت و ہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے اُن کی تردید فرمائی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ خلافت راشدہ حقہ صرف تیس برس قائم رہی۔ بعد میں سلطنت اور ملکیت کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ اگر خلافت اسلامیہ کو جاریہ قرار دیا جائے تو زید علیہ السلام کو بھی خلیفہ برحق ماننا پڑے گا۔ البتہ ترکوں کے محاربات طرابلس و بلقان میں گھر کے زیورات اور لنگر کے گھوڑے تک چندہ میں دے دیئے تھے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے گٹھ جوڑ کے ایام میں جن مسلمان کانگریسی اور خلافتی اخبارات نے آپ کے خلاف لکھا وہ آخر کار ایک ایک کر کے کانگریس کے مخالف محاذ پر آ گئے۔

شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت کی دعوت سے انکار پر انگریز حکومت نے آپ کو اپنا مخالف سمجھ کر ایذا رسانی کی جانب میلان کیا مگر کچھ بگاڑ نہ سکی۔ بعد ازاں حکومت نے سینکڑوں مرتبہ اراضی بطور جاگیر دینا چاہی مگر حضرت نے قبول نہ فرمائی۔

سیاست سے پرہیز

آپ نے کبھی سیاست میں حصہ نہ لیا۔ بعض مخلصین نے اسمبلیوں کے انتخاب میں امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ اس وقت ان چیزوں کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہذا میں ان کاموں میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ البتہ جس وقت جسٹس دیپ سنگھ نے ملعون راجپال شاتم رسول کو اپیل پر ہائیکورٹ میں بری کیا اور مسلمانوں میں مہمان پیدابو اتو آپ نے والٹر رائے ہند کو بذریعہ تارشید احتجاج فرماتے ہوئے لکھا کہ مسلمان قوم ہزار اختلافات کے باوجود ناموس رسول کے محاذ پر یک جان ہو کر لڑے گی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔

۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کی بازیابی کے لیے حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری کی صدارت میں تحریک چلی اور راولپنڈی میں جلسہ منعقد ہوا تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو بھی دعوت شرکت دی گئی۔ حضرت کے زمانہ استغراق کے بہت لائق ایام تھے۔ حضرت بابو جی نے متوجہ کر کے حضرت علی پوری کا پیغام سنایا تو فرمایا: زمانہ بہت نازک ہے۔ ایمان کوئی سلامت لے جائے گا۔ پنجابی مجاورہ میں لفظ کوئی کو دراز کر کے ادا فرمایا یعنی شاذ اور کوئی کوئی۔ پھر فرمایا

کوئی قسم ایسا نہ اٹھانا جو واپس لینا پڑے۔ نہ تو لوگوں سے اس قدر عیحدگی اخت یا کرنا کہ نشانہ بنالیں اور نہ ایسا اختلاط کرنا کہ اپنا شغل بھی ترک ہو جائے۔ چنانچہ حضرت بابو جی شریک جلسہ نہ ہوئے۔

قبول عام کی خلعت

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو قبول عام اور مجبوتیت کی جو خلعت عطا فرمائی تھی اُس کی مثالیں دیکھنے میں کم آتی ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوتے آپ کے وجود سے بڑھ کر دلکش اور جاذبِ نظر کوئی اور چیز وہاں معلوم نہ ہوتی تھی۔ سفر میں جب لوگ دست بوسی اور مصافحہ کے لیے اڑھام کرتے تو مخلصین کو آپ کے گرد ہاتھ پکڑ کر حلقہ بنانا پڑتا کہ ہجوم خلق سے تکلیف نہ ہو۔ جو مصافحہ نہ کر پاتے وہ امن پاک ہی کو چھو لینے میں سعادت سمجھتے۔ قبل از وقت اطلاع ہونے کی صورت میں ریلوے اسٹیشنوں اور سڑکوں پر لوگ کئی کئی گھنٹے پہلے جمع ہو جاتے۔ سفر میں آپ کی ریل گاڑی ان ہی وجوہات کے باعث اکثر لیٹ ہو جاتی۔ جب ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء کو قادیانی مناظرہ کے لیے آپ لاہور تشریف لے گئے تو معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر استقبال کے لیے نکل کھڑا ہوا ہے۔ اس خداداد مقبولیت کے احاطہ میں اگر انبیاء اور مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے قرآن مجید فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا وَسِعًا كَمَنْ تُحِبُّ (مريم - ۶۶)

کے لیے ضرور اللہ الرحمن (لوگوں کے دلوں میں) محبت و الفت پیدا کر دیں گے۔

حضرت کی ذات گرامی اس آیت شریف کا صحیح مصداق تھی۔ اللہ جل شانہ اپنی حکمت بالغہ کی رُو سے اولیائے مستورین کو اپنے ظلِ عاطفت اور سرِ جمیل میں پوشیدہ دینماں رکھتے ہیں اور اولیائے مشہورین کو مرجعِ خلافت بنا دیتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کی شان و شہرت کا انداز مجددین اور مجتہدین اُمت کی طرح تھا کہ عوام و خواص، فضلا و فقہار اور ائمائے زمانہ کے علاوہ اپنے پیر زادگان کے بھی آپ مرجع ہوئے جن میں سے بعض نے بیعت کی۔ اور اکثر نے ویسے ہی استفادہ کیا جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

دوسری فصل

تعمیر گز اور طالبین حق کا اجتماع

طبع عالی میں مہمان کی رعایت کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ ملفوظات شریف میں آیا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے اس امر یعنی یقین سکوک پر مامور فرمایا گیا تو میں نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی تھی کہ الہی تو اپنے جن بندوں کو میری طرف راہنمائی فرمائے، اُن کے آرام اور جمعیت کی کفالت بھی خود ہی فرما کیونکہ میرے پاس نہ تو فرصت ہے اور نہ مقدور۔

بعض سابقین الاولون

چنانچہ جب حج سے واپس آکر دعوت حق شروع کی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر بات کا انصرام اپنی قدرت کاملہ سے خود ہی فرمادیا۔ باکمال لوگ مختلف اطراف سے کھینچے چلے آئے اور عمر بھر کے لیے وابستہ دامن ہو گئے۔ مولانا محمد غازی مدرسہ صولتہ مکہ شریف سے مستعفی ہو کر آ گئے اور جامعہ غوثیہ گولڑہ کے شیخ الجامعہ کا منصب سنبھال لیا۔ تفسیر و حدیث اور کتب تصوف کی تعلیم حضرت خود دیتے تھے۔ اور بعض اساتذہ کو بڑی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ جناب قاری عبدالرحمن جو پوری ہندوستان سے آکر فتویٰ نویسی، امامت نماز، درس تجوید اور خط و کتابت پر مامور ہوئے۔ فن قرأت کی تعلیم اس علاقہ میں سب سے پہلے ان ہی اُستاد مکرم کے ذریعہ جاری ہوئی۔ مولوی ولی احمد (باندپی)، مولوی میر عبداللہ (مکھن) سید چائن شاہ (جانب)، مولوی محبوب عالم (بزارہ)۔ اُن سابقین الاولون میں سے میں جو اس دربارِ علم و فقر میں سب سے پہلے حاضر ہوئے اور مسجد، مدرسہ اور نگر کے کاروبار میں لگ گئے۔ ان حضرات نے شاگردوں سمیت پتھر اور مٹی گارہ اٹھا اٹھا کر مسجد اور مکانات کی تعمیر کروائی اور سخت پتھر لی زمین میں ایک کافی گہرا اندور کنواں کھودنے میں بھی ہاتھ بٹایا۔

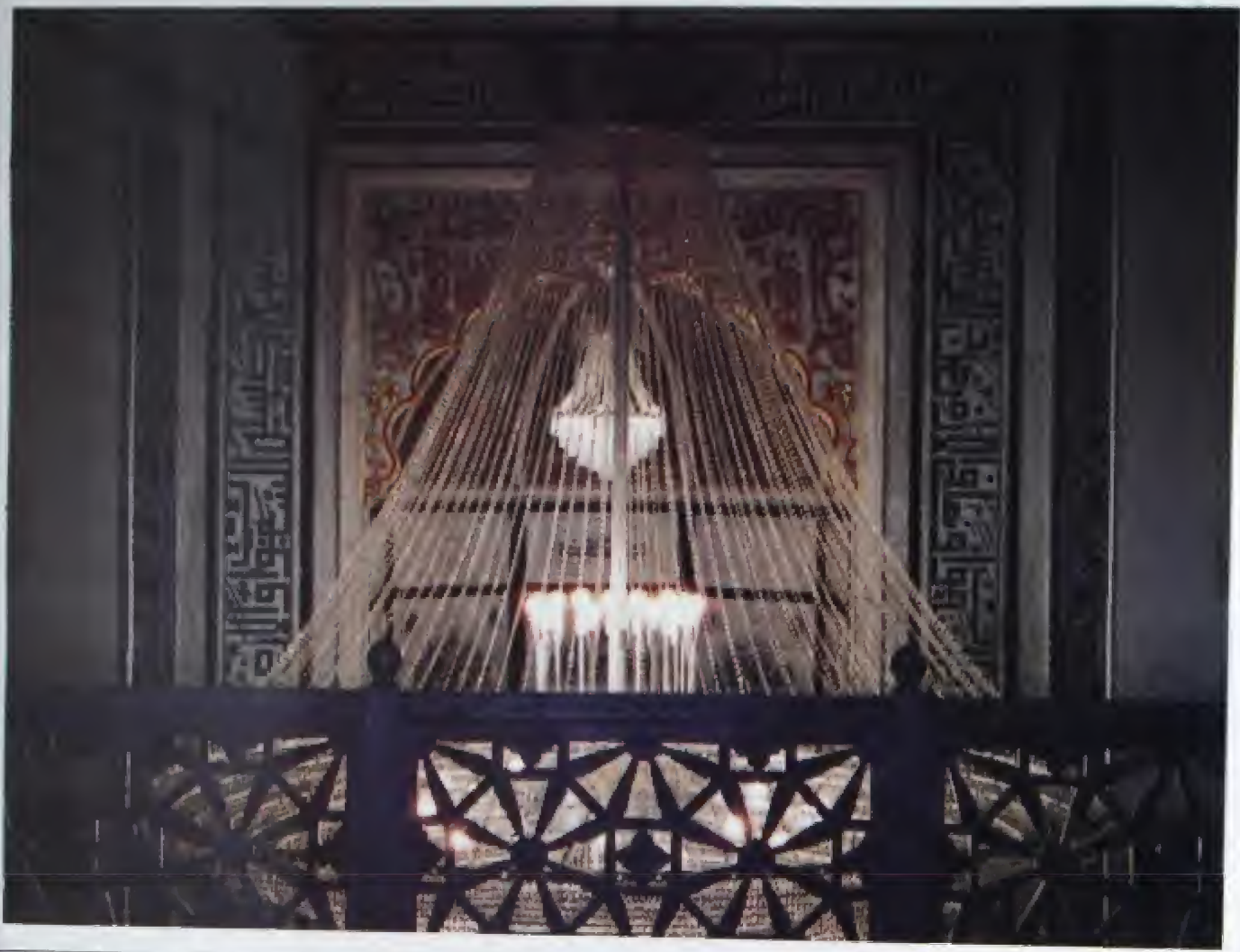
ابستدار میں ایک کوٹھڑی حضرت کی رہائش کے لیے، ایک نگر شریف کے سامان رکھنے کے لیے، اور دو بڑے کمرے درویشوں اور مہمانوں کے لیے تعمیر ہوئے۔ پھر کچھ اور کوٹھڑیاں طالب علموں اور اُن کے اُستادوں کے لیے بنائی گئیں۔ اور اس طرح یہ پتھر اور مٹی گارے کا فقیر خانہ، بڑے پیر صاحب یعنی حضرت فیصل دین کے نگر شریف اور خانقاہ معلّے سے کچھ فاصلہ پر ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ۱۸۹۶-۹۷ء میں سُنچتہ اور شاندار مسجد تیار ہوئی۔ جس کی تعمیر میں حرم سرانے کے پردہ نشینوں تک نے رات کی تاریکیوں میں پانی بھر بھر کر حصّہ لیا۔ جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ میری عمر اُس وقت چھ سات سال کی تھی۔ اور میں بھی پانی کا ایک چھوٹا سا برتن بھر بھر کر لایا کرتا تھا۔ یہ مسجد حال ہی میں دو منزلہ تعمیر کرائی گئی ہے جس کے بائیں جانب ایک بلند مینار عجیب شان کا منظر ہے۔ بعد میں ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۷ء کے درمیان پشاور کے دو مخمس سٹچی برادران حاجی میاں کریم بخش اور حاجی میاں عبدالرحیم کے زیر اہتمام ایک شاندار مہمان سرانے



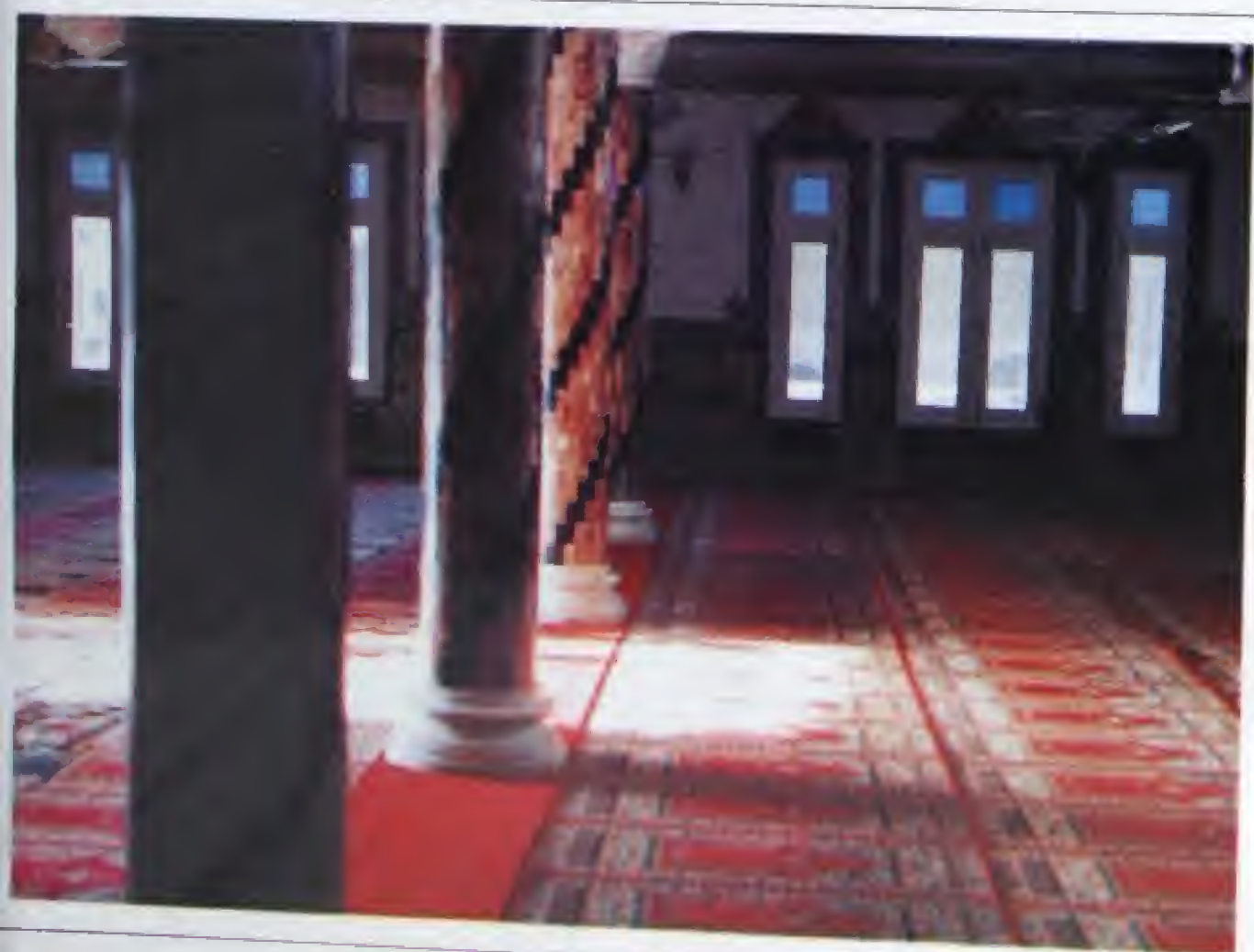
مسجد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف، جو حضرت کی زندگی میں تعمیر ہوئی۔



مسجد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف، بعد از تعمیر نو۔



نئی مسجد کے دو اندرونی مناظر (محراب و جائے نماز قیام)



اور مدرسہ اور کتب خانہ کی خوش نما چمختہ عمارات تعمیر ہوئیں۔ مہمان خانہ میں چالیس کے قریب ہو دار اور بلند و بالا کمرے ہال، گیلریاں، برآمدے اور بالائے خانے اور ایک گناہ مجلس خانہ بنایا گیا۔ مگر مرور ایام میں یہ وسیع عمارت بھی زائرین کی روز افزوں کثرت کے پیش نظر کافی ثابت ہوئی چنانچہ آب تک جناب بابو جی مدظلہ یقین اور مہمان خانے اور کئی دو منزلیہ عمارتیں بنوائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا مجلس خانہ حال ہی میں تعمیر ہو رہا ہے جس کا طویل ایک سو بیس فٹ اور عرض اتنی فٹ ہے اور انہی سلسلہ تعمیر پر دستور جاری ہے۔ اخبارات کے اندازہ کے مطابق اس وقت حضرت غوث الاعظمؒ کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر گورنر شریف میں ایک لاکھ کے قریب زائرین کا اجتماع ہوتا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو بچپن میں ایک مجذوب نے بڑے پرصاحب کی جاسے رہائش میں کھڑے ہو کر بعض درختوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ایک روز اس جگہ تک آپ کا محلہ ہو گا۔ چنانچہ آب تعمیرات کا سلسلہ اس مقام کے قریب پہنچ گیا ہے۔

بعض مشہور خطیب اور ادیب رشتہ اخلاص میں منسلک

انہی ابتدائی ایام میں ملک کے بعض مشہور خطیب اور نامور ادیب حضرت کے رشتہ اخلاص میں منسلک ہوئے اور آپ کی تلقین اور تربیت سے مہذب ہو کر مسلک اہل سنت کی اشاعت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان میں سے حضرت مولانا محمد چراغ سکندری شریف، جناب مفتی غلام مرتضیٰ سکندری میانی ضلع سرگودھا صدر مدرس انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی احمد حسین سکندری تحصیل چکوال، خان بہادر مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار رفیق ہند لاہور، خان بہادر قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ مدیر چودھویں صدی راولپنڈی اور جناب قاضی قدرت اللہ سکندری قاضی خیل پشاور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے برصغیر ہند میں اور دوسرے ممالک میں بھی دہائیوں، چکڑا لویوں، مرزائیوں، رافضیوں اور اس عصر کے مغرب زدہ نچریوں اور دہریوں کی کئی جدید تحریکوں اور اہل حق پران کے کتابی اور خطابی حملوں کا کامیاب مقابلہ کیا۔ آگے چل کر اس فہرست میں بے شمار اہل علم، اہل قلم اور اہل بیان حضرات کا اضافہ ہوا جن میں سے بعض کے کارنامے نمایاں کا کچھ ذکر اس کتاب میں مناسب مقامات پر آئے گا۔

اہل سلوک میں دوسرے کئی پرزادہ صاحبان کے علاوہ حضرت کے اپنے مشائخ کرام کے کئی صاحبزادے آپ کے سلسلہ بیعت یا حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے جن میں سے حضرت دیوان غیاث الدین اجمیری، حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف اور حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے اسماء گرامی خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضرت خواجہ حسن نظامی مدبر اور مصنف بھی تھے اور ان کے افادات کا سلسلہ ہندوستان سے باہر بھی یعنی برما اور ملائیمک پھیلا ہوا تھا۔

حضرت کی ابتدائی نشست گاہ

اس ابتدائی زمانہ میں حضرت کی نشست چتر کی ایک صمدہ مناسل پر ہو کر تھی جو اس پُرانی عمارت کے سامنے درختوں کے سایہ میں رکھی ہوئی تھی۔ نماز فجر اور دو طاعت سے فارغ ہو کر مسجد سے آکر آپ اسی پر تشریف رکھتے۔ ارد گرد چٹائیوں کا فرش بچھا کر تا۔ علما، درویش اور مہمان حسب حاجت استفادہ کرتے۔ کوئی تعویذ لے رہا ہے اور کوئی دم کروا رہا ہے۔ کوئی دعا

کا طلب گار ہے اور کوئی وظیفہ پوچھ رہا ہے اور کوئی آپ کے طغیانات قلم بند کر رہا ہے یہیں مجلس ذکر منعقد ہوتی یا کبھی کبھی قوالی ہو جاتی یہیں آپ نے مناظرہ کرنے والوں کو مسائل زیر بحث پر تقریریں لکھوائیں۔ اسی مقام پر ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں آپ کی پہلی مهم بالشان تصنیف "تحقیق الحق" قلم بند ہوئی اور قادیانی مذہب پر ۱۹۰۲ء میں شمس الہدایت اور ۱۹۰۶ء میں سیفِ چشتیانی منصفہ شہود پر آئیں۔ اسی جگہ مشائخ طریقت اور اساتذہ مدارس نے آنجناب سے مثنوی مولیانے روم اور حضرت شیخ اکبر کی فتوحات مکینہ اور فضوٹ الحکم کا درس لیا۔ آج اسی مقام کے گرد و پیش اپنی پرانی درس گاہ اور شیخ کریم کے انفاس قدسیہ کی گذرگاہ میں ان تلامیذ کرام میں سے کئی حضرات مدفون ہو کر ابدی غید سو رہے ہیں۔

تاز میخانہ دے نام و نشان خواہد بود سرِ خاک رہ پیر معنِاں خواہد بود
برزینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود سالہا بحد صاحبِ نظر اں خواہد بود

مراقبہ ذکر و فکر کی کیفیت

راتیں اسی پتھر کی سل پر مراقبہ میں گذر جاتیں۔ جناب مولوی محبوب عالم بیان کرتے تھے کہ حضرت جس پہلو پر بیٹھ جاتے صبح صادق تک اُسی پہلو بیٹھے رہتے۔ ذرہ برابر حرکت نہ کرتے۔ موسم سرما کی طویل اور برفانی راتیں صرف ایک کبل میں گزار دیتے۔ صبح کے وقت کبل پر برف جمی ہوتی جسے اٹھ کر جھاڑ دیتے۔

بہت عرصہ بعد ایک روز درویشوں سے فرمایا کہ تم لوگ مراقبہ و ذکر میں بار بار پہلو بدلتے ہو ہم اپنے زمانہ میں دوزانو بیٹھتے تھے تو عشاء سے تہجد اور فجر سے ظہر اُسی حالت میں کرتے۔ اس پر کسی نے اعترافِ عجز کے طور پر عرض کی قطب مدار کی استقامت بے چارے سیاروں کو کہاں نصیب؟

عشقِ الہی کی حرارت وحدت اس قدر تھی کہ رات کو دادی کے منجد تالاب میں غسل فرماتے اور برف بٹا ہٹا کر غوطہ لگاتے تھے۔ گویا یہ

قطرۂ خونِ دل جاتی بہ دریا افکنند سینہ بریاں، دل تپاں، ماہی ز آب آید بُروں
ان ایام میں عموماً عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے۔ کثرتِ مراقبہ اور مسلسل دوزانو نشست کے باعث ایک موقع پر رانیں بے سکت ہو گئی تھیں اور چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا طبیب نے مالش اور عصر کی نماز کے بعد گھوڑے کی سواری تجویز کی جس سے بالآخر افاقہ ہوا۔

شانِ تربیت

اس زمانہ میں عرفان کی پیاسی رُوحیں دُور دُور سے آکر اس چشمہ فیضانِ الہی سے سیراب ہوئیں۔ اُن دنوں تلاشِ حق میں آنے والوں کی مُراویں عجیب شان و انداز سے پوری ہوئیں۔ کوئی در ماندہ راہِ خدا پہلی نظر ہی میں منزل سے ہم کنار ہوا اور کسی کی عرصہ دراز کی منزل دو یوم میں طے ہو گئی۔

وادیِ عشق جسے دُور و دراز است و لے طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے
طی منازل میں طالب کی اپنی استعداد کے ساتھ ساتھ شیخ کی ہمت و حوصلہ پر بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اگر شیخ کامل اکمل

ہو اور چاہے تو طالب کاسالوں کا راستہ لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے دو واقعات مختصرًا جناب مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور کے مسودات میں سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

فقیر محمد امیر کوٹ اٹل

حضرت محمد امیر کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ایک باکمال درویش تھے۔ آپ اصل ضلع جہلم کے رہنے والے تھے مگر علم حاصل کرنے کے لیے ڈیرہ اسماعیل خان گئے اور وہیں موسیٰ زئی شریف میں عمدۃ الواصلین خواجہ محمد عثمان نقشبندی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اس قدر روحانی ترقی کی کہ سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے شیخ کے خلیفہ ہو کر حلقہ ارشاد کو دور دور تک پھیلانے میں کامیاب ہوئے۔ آخر ایک ایسے مقام پر پہنچے جو ان کے شیخ کے مسلک کے خلاف تھا۔ یعنی مقام وحدت الوجود کے انوار ان کے قلب پر وارد ہونے لگے۔ شیخ نے پہلے تو تلقین اور دعا سے اصلاح کی کوشش کی اور پھر بالآخر انہیں گمراہ قرار دے دیا۔ یہ غریب اپنی قلبی کیفیت سے بے حد مجبور تھے۔ اور کوئی صورت اس مقام کو طے کرنے کی نہ پا کر تلاش مقصود میں نکل کھڑے ہوئے۔ بہت دور دور تک جستجو کی مگر کس کامیابی نصیب نہ ہوئی شیخ الجامعہ کہتے ہیں:-

ایک دفعہ فقیر صاحب نے کہیں سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا چرچا سنا اور گولڑہ شریف جا پہنچے۔ وہاں ان لوگوں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر فضل دین رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت تھی۔ لہذا پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر حرف مدعا پیش نہ کیا۔ وہاں سے سیدھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دشت کے نیچے بیٹھے حضرت اجمی صاحب کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کتاب کشکول کلیمی تھی جو آپ نے ان کی طرف بڑھادی اُسے کھول کر پڑھتے ہی ان کا عقدہ جل ہو گیا وہ نہایت محظوظ ہو کر آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور بیعت کی استدعا کی حضرت نے فرمایا تمہارا کام ہو گیا اب بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ آخر اصرار در اصرار پر حضرت نے بیعت فرمایا۔ اوراد و اشغال کی تلقین فرمائی اور تاکید کی کہ اپنے مُرشد کے حق میں کبھی بے ادبی سرزد نہ ہو۔ سال میں ایک مرتبہ ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیا کرو اور ان کے وصال کے بعد ان کے عرس پر حاضری کو لازم سمجھو۔

فقیر صاحب نے نصحت ہو کر گھر چلے گئے۔ کچھ آزمائش اور ابتلا کا تجربہ بھی ہونا پڑا۔ عقیدت مند سب بے اعتقاد ہو گئے اور پہلے پیر صاحب بھی سخت ناراض ہوئے۔ کامل ایک سال کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے بیعت اور ارشاد کی اجازت بخشی اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ ان کا حلقہ ارشاد پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ وسیع ہو گیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی معیت میں پاک پتن شریف جایا کرتے تھے جہاں فقیر صاحب اور ان کے مُرشدین بہت رات رے جاگ جاتے اور ایسی لطیف آوازیں ذکر جہر کرتے کہ سننے والوں پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ فقیر صاحب کے دو عزیز تھے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے جوانی گرامی نامے جو فقیر صاحب کے علم و تربیت کی کچھ پردہ کشائی کرتے ہیں مکتوبات طبقات سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ترجمہ عریضۃ منجانب فقیر صاحب

عرض بلب ادب اینکه سالک تجلی آفاقی اور تجلی انفسی سے عبور کر گیا ہے۔ اب اس کے بعد تشبیہ اور تنزیہ

کے درمیان جمع ہے یعنی وجودِ سالک ہے اور صفات اُس کے وجود سے ظاہر ہو رہی ہیں لیکن انہیں قرار نہیں۔ اگر وجود کو مد نظر رکھتا ہے تو صفات کا لحاظ نہیں رہتا۔ اگر صفات پر نظر رکھے تو وجود کا لحاظ ہاتھ سے جاتا ہے اب سالک وجود پر نظر رکھے یا صفات پر؟ جیسے ارشاد ہو تمیل کی جائے۔
راقم فقیر از کوٹ اٹل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا جواب

۱۔ رو نظر در بحسب کن جو را میں

تا کہ باشی عارف سر یقیں

طالبِ حق مخلصی فی اللہ فقیر صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ
بجواب سوال ارقام ہے کہ اس مشاہدہ میں نظر و وجود پر رکھنی چاہیے نہ کہ صفات پر۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن
طالبِ حق کو مشہود ذاتی و دائمی عطا فرمائیں۔
العبد دُعا گو دُعا جو

مہر علی شاہ بقلم خود

عرضہ ۲ فقیر صاحب بزبان اُردو

طالب صادق نے عالم امر سے عروج کیا۔ اُس جگہ تک کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ جس مقام پر میں آیا ہوں۔ اُس پر کوئی نہیں آیا پھر نزول اُس کا ہوا اس قدر کہ بہت نیچے آیا اور محض عبدیت میں آ رہا۔ اُس وقت خالی ہو گیا پھر اُس وقت حال اور مواجید اُس کے شرع شریف کے خادم ہوئے اُس میں آلِ غریب نواز تحریر سے مشرف فرمائیں جو مناسب نصیحت طالب کے ہو۔

حضرت کا جوابی مکتوب گرامی

حالتِ مسطورہ مُسلّم الحمد للہ و اللہ المستوجب حمد و شکر باری عز اسمہ ہے۔ صرف یہ خیال کہ جس عروج پر میں پہنچا ہوں کوئی نہیں پہنچا، زعمی ہے واقعی نہیں۔ گو اس قسم کے خیالات پہلے بھی اہل اللہ سے سرزد ہوئے ہیں مثلاً ع۔ آنجا کہ من رسیدم امکان نیست کس را۔ اور اس خیال کے لیے وجہ و جہہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر ایک مخلوق کے لیے ایک وجہ اور تعلق خاص بجناب باری عز اسمہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے لیے نہیں۔ کما قال الشیخ الاکبر فی مواضع عدیدہ من الفتوحات وغیرہ من العارفین۔ اس بنا پر آپ کا خیال مذکورہ بالا صحیح ہو سکتا ہے۔

بابا غلام فرید ٹالوی

کچھ اسی ستم کا واقعہ ایک اور درویش کامل بابا غلام فرید ٹالوی کا بھی ہے۔ یہ عمار تھے اور پہلی بیعت تلونڈی شریف کے ایک بزرگ حضرت مولوی محمد عبداللہ چشتی سے کی تھی۔ لیکن دُستِ استعداد و بلند پروازی کے باعث جب پہلے

آسمان تربیت کی پہنائیاں ختم ہونے کو آئیں تو اپنے شیخ سے تحریری اجازت نامہ لے کر، دیگر فضاؤں کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے تجلی دائمی ابدی کے حصول کی درخواست کی۔ یہ وہ عالی مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے معدود چند خواص کو حاصل ہوتا ہے اس کا تعلق صفات و تشبیہ سے بالاتر ہے اور ذات سے ہے۔ اس کے متعلق حضرت شیخ اکبر تحریر فرماتے ہیں کہ جس کو تجلی ذاتی حاصل ہوئی وہ اور کمالوں سے مستغنی ہو گیا کیونکہ وہی اصل ہے۔ مگر یہ درجہ محض فضل الہی سے محض ہے کسی نہیں بلکہ اس کے سب مقامات اختصاصی اور درہی ہیں۔ بدیں وجہ حضرت مولوی عبداللہ نے فرمایا کہ اُسے عزیز ایہ چیز تو میں خود بھی حاصل نہیں۔ بابا غلام فرید نے عرض کی کہ کسی اور بزرگ کی طرف رجوع کی اجازت دے کر سفارش لکھ دیجئے تاکہ پہلی بیعت کے خیال سے انکار نہ کر دیں۔ چنانچہ اُس شیخ کریم نے اجازت نامہ لکھ دیا اور زبانی فرمایا کہ بابا، اگر نعمت کہیں سے ہاتھ آئے تو میں بھی بتاتا تاکہ ہم بھی محروم نہ رہیں۔

فقر حقیقی کی نفسی و بے غرضی

اس واقعہ میں فقر حقیقی کی نفسی اور طلب صادق کی کتنی اچھی مثال موجود ہے حضرت سائیں توکل علی شاہ انبلاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر مرید کی استعداد پیر کی دسترس سے بڑھ جائے تو پیر کو اُسے آزاد کر دینا چاہیے تاکہ جہاں سے فیض مل سکے حاصل کر لے کیونکہ مقصد اور اصل غرض تو قرب مولیٰ ہی ہے خواہ کہیں سے حاصل ہو۔ ہاں اگر پیر کا دست تصرف دراز ہو تو مرید کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کا مجاز نہیں ہے۔

شیخ الجامعہ ہماو پٹوری لکھتے ہیں :-

بابا غلام فرید کے پیچھے حضرت مولوی عبداللہ میرے استاد تھے اور خود اس پایہ کے بزرگ تھے کہ ان کی پیدائش سے قبل غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق اپنے خلیفہ حضرت مولانا سید حسین علی شاہ لکھنوی کو وصیت فرمائی کہ تمہارے پاس محمد عبداللہ نامی ایک طالب علم آئے گا۔ اُس کی تربیت میں سعی بلیغ سے کام لینا کہ عالم ارواح میں وہ ہمارا مرید ہے مگر اس جہان سے ہم اُس کی ولادت سے قبل رخصت ہو جائیں گے۔ آگے لکھتے ہیں کہ :-

مولانا سید حسین علی کی بیعت حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے اس طرح ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت تونسوی کے خلیفہ اول حضرت سید محمد علی شاہ خیر آبادی لکھنؤ گئے تو کسی نے مولانا سید حسین علی سے کہا کہ شاہ صاحب فصوص الحکم کا درس دیتے ہیں مولانا نے کہا کہ وہ تو جاہل ہیں فصوص کو کیا جانتے ہوں گے۔ نیز قتالی کے متعلق بھی اعتراض کیا۔ اور حقیقیات صحیح تھی کہ سید محمد علی شاہ باوجود ظاہری علوم کی تکمیل نہ فرمانے کے فصوص الحکم بیسی ادق کتب تصوف کی تدریس فرماتے تھے جب یہ باتیں حضرت سید محمد علی شاہ خیر آبادی کے گوش گذار ہوئیں تو انہوں نے فرمایا کہ آج عصر کی نماز سید حسین علی شاہ کی مسجد میں ادا کریں گے سید حسین علی شاہ ان دنوں حدیث شریف کا درس دیتے تھے چنانچہ ان کے پیچھے عصر کی نماز پڑھ کر حضرت سید محمد علی شاہ نے ان سے مصافحہ کیا اور فرمایا۔ آپ جیسے عالم باعمل کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آگیا ہے اب مغفرت کی امید ہو گئی ہے۔ یہ الفاظ کہہ کر سید صاحب تو تشریف لے گئے مگر سید حسین علی شاہ پر رقت طاری ہو گئی کچھ دیر بعد سید اور سید محمد علی شاہ خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی استدعا کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی برات تو نہ تشریف میں ہے۔

تو نہ شریف کا نام سُنتے ہی اس قدر شوق کا غلبہ ہوا کہ اُسی روز روانہ ہو گئے۔

اگر خدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ

بابا غلام فرید کے متعلق آگے چل کر شیخ الجامعہ لکھتے ہیں :-

غرض بابا غلام فرید بہت پھرے اور عمر کا ایک حصہ تلاش حق کے لیے جہاں نور دی میں گزار دیا، مگر مقصود نہ ملا۔
 یابوس ہو کر خود کشی کے خیالات کا غلبہ ہوا۔ ایک تولد سم الفار یعنی سنکھیا خریدی مگر کچھ تردد پیدا ہوا اور پھر تلاش شروع کر دی۔
 بابا موصوف کہتے تھے کہ سفر کے دوران ایک شہر کی مسجد میں رات کو سونے کا قصد کر رہا تھا کہ ایک دوسرا مسافر بھی وہیں آ
 نکلا۔ طلب مولیٰ کی باتیں شروع ہو گئیں۔ کہنے لگا، اگر خدا کو ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ۔ گولڑہ کا نام میرے لیے مقناطیس بن گیا۔ بات بھر
 اسی فکر میں سینہ بند بھی نہ آئی اور صبح اٹھتے ہی پتہ پوچھ کر روانہ ہو گیا۔ جب گاڑی سے اتر کر چلا تو ایک جگہ بارش کے پانی کی فجہ
 سے کیچڑ ہو رہا تھا۔ وہاں سے کیچڑ منہ پر ملا اور اس میت کدائی سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں مسجد میں جا حاضر
 ہوا۔ کئی مہینے پہلے لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چلے کے خاتمہ پر خواب میں دیکھا تھا کہ میرے مقدمہ
 کی مثل داتا صاحب نے ایک سیاہ گیسوؤں والے خوش پوش بزرگ کے سپرد کر دی ہے جو کہ اُن کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔
 اسی خواب کے باعث زہر خوری سے رُک گیا تھا۔ اب دیکھا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات شریف میں وہی بزرگ
 میرے سامنے موجود ہیں اور ویسا ہی لباس زیب تن ہے۔ حضرت نے حال پوچھا تو میں نے پیر کا اجازت نامہ اور سنکھیا کی ڈلی
 دونوں نکال کر سامنے رکھ دیے۔ اور عرض کی کہ آپ پر سب حال روشن ہے۔ خدا سے ملا دیجیے۔ حضرت نے فرمایا اب
 آرام کرو، ظہر کے بعد بات کریں گے۔ چنانچہ بعد نماز ظہر شہوت کے درخت کے نیچے بلو اکر تھلیہ میں وظائف ارشاد فرمائے
 اور ایک بھر نور نظر کے ساتھ مجھ سے آنکھیں ملائیں نظر کا پڑنا تھا کہ آتش شوق کا شعلہ بھڑک اٹھا اور میں رات بھر چھینٹا
 اور چلا آ رہا۔

چالیس روز کی بجائے دویم میں ہی تکمیل کار

شیخ الجامعہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز بابا غلام فرید پیش ہوا تو حضرت کی خدمت میں عرض کی گئی کہ اس درویش کا بُرا
 حال ہے۔ آپ نے فرمایا "بابا، میں نے کہا تھا کہ چند روز صبر اور تحمل سے وظائف کا ورد کرو، اگر ایسے ہی بے تاب ہو تو
 کیا چالیس دن کا روزہ رکھ لو گے۔"

بابا کہتا تھا کہ میں نے سوچا تو ویسے ہی رہا ہوں۔ اس طرح جلد چھٹکارا ہو جائے گا چنانچہ اُسی رات چالیس روز کا
 روزہ رکھ لیا۔ دو دن رات گزر گئے لیکن مجھے نہ بھوک معلوم ہوتی تھی نہ پیاس۔ آتش شوق نے کسی چیز کا ہوش ہی باقی
 نہ رہنے دیا تھا۔ تیسرے روز حضرت نے بلو ابھیجا اور فرمایا۔ بابا، مبارک ہو۔ تمہارا کام ہو گیا۔ اب اس چیز کی حفاظت کرنا
 یہ کہہ کر اپنے سامنے میرا روزہ افطار کروادیا۔ اگرچہ میری خواہش یہی تھی کہ میں چالیس روز ہی کا روزہ پورا کروں۔

اس کے بعد بابا غلام فرید پر ایک عرصہ تک اللہ تعالیٰ کا بہت فضل و کرم رہا۔ وہ شرک پر چلتے ہوئے بھی سر اور
 منہ پر چادر ڈالے رہتے اور آنکھیں بند کیے ذکر جاری رکھتے۔ گویا انہیں راستہ دیکھنے اور نشیب و فراز سے بچنے کے

لیے ظاہری بصارت کی ضرورت نہ رہی تھی حضرت کی مجلس میں بوجیوں والی جگہ پر کمال عجز و نیاز چادر اوڑھے مراقب بیٹھے رہتے۔ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے مشنوی شریف مولینا روم کے درس کے دوران تجد و امثال پر تقریر فرماتے ہوئے بابا غلام فرید کی طرف اشارہ کر کے باقی طلباء کو فرمایا کہ اس مضمون کی سمجھ تو کچھ اس شخص کو آئے گی جو تمہارے پیچھے منہ سر پٹے بیٹھا ہے مگر تم بھی غور سے سُنو۔

حضرت بابو جی مدظلہ جو اس درس میں موجود تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے تقریر بابا صاحب نے بے ساختہ اورو الہام انداز میں اُٹھتے ہوئے کچھ عجیب طور پر دیکھا، مگر حضرت کا اشارہ پا کر بیٹھ گئے اور خاموش رہے۔ بعد میں جناب بابو جی کے اصرار پر صرف اس قدر ظاہر کیا کہ انہوں نے اثنائے درس حضرت کی مجلس میں دودھ تقسیم ہوتے دیکھا۔ نیز مشاہدہ کیا کہ ایک صورت سے متعدد صورتیں بن کر نکل رہی ہیں۔ جناب بابو جی مدظلہ نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ دودھ علم و عرفان کی مثالی شکل ہے اور ایک صورت سے متعدد صورتوں کا ظاہر ہونا وحدت سے کثرت کے ظہور کا مشاہدہ ہے۔

سفر حج کے مکاشفات

حضرت سے اجازت لے کر بابا غلام فرید حج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک وظیفہ ملحقین فرمایا کہ کعبہ شریف اور روضہ اطہر کے سامنے بیٹھ کر پڑھنا۔ واپسی حج پر سیدھے گولڑہ شریف پہنچے اور مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہی اپنی بڑی سی گورداسپوری گپڑی اُتار کر حضرت کے قدموں میں پھینکی اور دھاڑیں مار کر روتے ہوئے عرض کی کہ جب ہر جگہ آپ ہی آپ ہیں۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ تو مجھ بوڑھے مسکین کو اپنی شانیں دکھلانے کے لیے اس قدر طول و طویل سفر کرنا کیوں ہلاک کرتے ہیں۔ بعد میں بعض مخلصین کے دریافت کرنے پر بیان کیا کہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے مگر میرا دل چاہتا تھا کہ کعبہ والا نظر آئے تو اس کا طواف کروں۔ ناگہاں ایک ہاتھ کعبہ شریف سے نمودار ہوا جسے دیکھتے ہی دل پر ایک دالہ انداز جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میں بیخود و متوالا ہو کر طواف کرنے لگ گیا۔ پھر مدتیہ منورہ میں روضہ اطہر کے سامنے مراقب بیٹھا تھا کہ اچانک حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سامنے آ موجود ہوئے اور اسلام علیکم کہہ کر دریافت فرمایا کہ کوئی تکلیف تو نہیں؟

شیخ کی غیرت

بابا غلام فرید دلوں کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے تھے اور واقعات کو نینہ کی خبریں بھی دیتے تھے لیکن سُنو کہ ان ادنیٰ وابتدائی امور پر زبان اُس وقت کھلی جب اصل نعمت اور نعمتِ م میں تنزل واقع ہو گیا۔ وجہ یہ ہوتی کہ چند روز کے لیے ایک مکار صوفی کی صحبت میں رہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں حضرت غوث الاعظم کا حضور ہی ہوں۔ یہ اپنے پہلے شیخ حضرت مولوی عبداللہ کی اجازت عامہ کے عادی تھے مگر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طبیعت اپنی عالی مقامی اور وسیع تصرف کے باعث بید غیور واقع ہوئی تھی۔ آپ کا تربیت یافتہ اگر ذرہ بھر بھی کسی دوسری جانب متوجہ ہوتا تو کفرانِ نعمت کے مصداق فوراً رجعت پڑتی تھی اور سب کچھ کھو بیٹھا تھا۔ چنانچہ ان کا اُھسہ توجہ کرنا تھا کہ وہ نعمتِ عالیہ سلب ہو گئی۔ بابا گرتے پڑتے، روتے دھوتے گولڑہ شریف پہنچے۔ بہت کچھ عاجزی کی اور سفارشیں بھی کر دائیں مگر حضرت نے

توجہ نہ فرمائی۔ بالآخر حضرت بابو جی مدظلہ کی مسلسل گزارشات پر اتنا ضرور ہوا کہ صرف گولڑہ شریف کی حدود میں وہ پرانی کیفیت عود کر آتی۔ حضرت فرماتے تھے کہ اب تسلی و دلا سے دے کر اس کے ساتھ وقت گزاری کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس نعمت سے نوازا تھا جو سلطان العارفین حضرت بابزید بسطامی جیسے اولیائے کبار کو چالیس چالیس سال دل کے دروازہ پر پہرہ دینے کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن اس نے اس کی قدر نہیں کی۔ آخر فرمایا کہ اسے کہہ دو منظر رہتے ہوئے اُمید میں وقت گزارے کیونکہ اب اس مقام پر کوئی وظیفہ یا مجاہدہ کام نہیں آتا۔ ویسے دیگر کم تر مقامات یعنی صحبت رُوح و ملائکہ کی قسم کی نوازشات سے بابا سر فرما رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت

حضرت بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسم گرما میں عین دوپہر کے وقت بابا غلام فرید میری بھیک پر آئے اور کہا کہ حضرت نے مجھے اسی وقت پیدل راولپنڈی جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا ٹھنڈے وقت چلے جانا۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ابھی جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں نے کہا میں گھوڑا منگوا دیتا ہوں اس پر چلے جانا۔ مگر وہ نہ مانے۔ میں نے کرایہ دینا چاہا کہ ریل گاڑی پر چلے جائے تو وہ بھی نہ لیا کہ پیدل جانے کا حکم ہے۔ چنانچہ میرے اصرار کے باوجود اُسی وقت چلے گئے۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو بتایا کہ موضع میرا بادین ہے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ کھیتوں میں کھڑا مجھے اپنی طرف بلارہا ہے۔ میں نے اُن کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ اُنہوں نے کچھ دیر میرے ساتھ باتیں کیں۔ مثنوی مولانا روم کے کچھ اشعار فرما کر اُن کے مطابق عمل کرنے کو کہا۔ پھر اچانک غائب ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ خضر تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کئے صال پر بابا غلام فرید تیسرے روز گولڑہ شریف پہنچے اور اس دریافت پر کہ اُن کو بلال میں کیسے اطلاع ہوئی، کہا کہ پہلے تو کچھ تیرہ نہیں چلا کل عصر کے وقت میں نے نظر اٹھائی تو اس میدان میں بے شمار لوگ کھڑے پائے اور فضا آسمانی میں اس سے بھی زیادہ مخلوق نظر آئی جو سب منتظر دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ میں اُسی وقت چل پڑا۔ حضرت کی نماز جنازہ کا وقت تھا جس کا نظارہ بابا نے بلال میں کیا۔

قاضی فیض عالم

حضرت کے ایک اور دیرینہ خادم و شاگرد قاضی فیض عالم بھی کسی اور طرف سے حصول فیض کے خیال سے نعمت سلب کروا بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب کے گاؤں میں ان کے ایک استاد جو ان کے رشتہ دار بھی تھے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مجاز تھے۔ اُنہوں نے قاضی فیض عالم کو گولڑہ شریف سے جہاں تحصیل علم کے ساتھ ساتھ حصول فقر میں بھی مصروف تھے بلوایا اور کہا کہ میں اولاد سے محروم ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔ تم میری گدی سنبھال لو۔ تمہارے شیخ تو وہی رہیں گے مگر میرے بتائے ہوئے وظائف بھی پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ پہلے وظیفہ پر ہی رجعت پڑی اور سب کچھ گنوا بیٹھے۔ پھر مدت تک حاضری کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ جاتے وقت حضرت نے اشارہ فرمایا تھا کہ وطن میں زیادہ جی نہ لگانا اور جلد واپس آ جانا۔ قاضی فیض عالم دو برس بعد واپس آئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا۔ سنا ہے تمہاری طرف بہت بارش ہوئی ہے اور بڑی بہار ہے۔ قاضی صاحب نے بھی اشارے کی زبان میں جواب عرض کیا کہ بہار آئی ہوگی۔ ہمارا تو چمن اُجڑ گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اب مشکل سے ہی ہرا ہوگا۔ بعد میں یہ درویش بیٹھ کر رویا کرتا تھا کہ مجھے یہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ راہ چلتے میں زیر زمین حشرات الارض کی تسبیح تک سُنا کرتا تھا۔ اور وحوش و طیور ان غرض ہر جاندار کے اشغال اور ارادات پر آگاہی ہو جاتی تھی۔

تیسری فصل

سماع اور غنا پر حضرت کامسک اور آپ کی زندگی کے چند واقعات

سماع اور غنا کا مطلب اور ارباب حال کا مسک

خوش الحانی اور سُرخِ آوازیں گانے کو غنا کہتے ہیں اور سماع سے مراد اُس کلام کو سُنا ہے جو خوش الحانی سے گایا جائے۔ غنا کی دو قسمیں ہیں، ایک بالمرامیر یعنی آلات موسیقی کے ہمراہ گانا، دوسرا بلا مرامیر یعنی بغیر اُن آلات کی رفاقت کے گانا۔ موسیقی کا جو اثر انسانی فطرت پر ہوتا ہے وہ ایک مستحکم حقیقت ہے۔ اس کے زیر اثر جہاں ایک طرف انسان وجدان کی ارفع منازل تک جا پہنچتا ہے وہاں دوسری جانب گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی ڈوب سکتا ہے۔ اس لیے سماع کی حرمت یا حوازمختلف مکاتیب فکرِ اسلامیہ میں ایک تنازعہ مسدود رہا ہے۔ اور اس پر متعدد اکابر علمائے کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں اظہارِ خیال فرمایا ہے مثلاً احیاء العلوم وکیمیائے سعادت از امام غزالی، کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش، قرع الاسماع و مدارج النبوة از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصباح الہدایۃ از مولانا محمود کاشانی، ایضاً الدلالات فی سماع الآلات از علامہ عبدالحق تاجی وغیرہ وغیرہ ان تصانیف میں مٹوئیائے کرام کے آداب سماع پر طویل بحث موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا و مرامیر فی نفسہ حرام نہیں بلکہ عوارضاتِ فحشہ کی وجہ سے حرام اور اُن سے مُبرا ہونے کی صورت میں مُباح ہیں۔ مزید بتایا گیا ہے کہ سماع کے چار اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کے لیے علیحدہ حکم ہے۔

اول۔ کفار کی تغنی، صغیر اور دستک زنی، یہ کجوالد آیات قرآنیہ و من الناس من کثیرت زنی کہو والحدیث۔ الخ اور مَا کَانَ صَلَوتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ إِلَّا مَسْکًا وَتَقْصِدُ یَهُ جَوَّحٌ مِّنْ اَعْرَاضٍ وَاِکْکَارٌ کِی وجہ سے کُفر ہے۔

دوم۔ فساد کی غنائے شہوت پرستی اور شراب نوشی فتن اور حرام ہے۔

سوم۔ عامۃ المسلمین کے گانے اور سرود و جوشادی، میلہ، عید یا ایسی دیگر تقریبات پر بجائے جائیں وہ تفریحِ مباح کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ اُن میں فحش اور دلآزارانہ عنصر نہ ہو اور عورتوں مردوں کا اختلاط اور غیر شرعی امور نہ ہوں۔

چہارم۔ اللہ والوں کی مجالس سماع و غنا جو مستحسن ہیں کیونکہ موجب ترقی ذوق و شوق الہی ہیں۔

حضراتِ چشتیہ کا مسک

حضراتِ چشت اہل بہشت نے بھی قریباً ایک درجن صحیح احادیث کی بناء پر قرونِ مبارکہ ثلاثہ کے سماع کو ثابت کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے بھی سماع کو اپنی چار اقسام میں تقسیم فرمایا ہے۔

اقتباس الانوار میں ہے کہ جناب خواجہ غریب نواز متین الدین اجمیریؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی طور پر سماع بالمنزل میر کی اجانت حاصل کی تھی کیونکہ اہل ہند بہ لحاظ طبع و تہذیب کی طرف اغیب تھے۔ چنانچہ ان کے سامنے اسلام کی پیش کش انہی کے انداز میں کرنے سے بہت سرعت سے کامیابی ہوئی۔

حضرت کا مسلک

حضرت کا تعلق چونکہ سلسلہ چشتیہ سے تھا اس لیے آپ غنا اور سماع کو جائز اور مباح سمجھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ابواب میں بیان ہو چکا ہے آپ کو بچپن ہی سے قوالی مرغوب تھی۔ ابتدائی تعلیم کے دوران آپ جنگل میں جا کر خود بھی پُرسوز اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ابتدائی ایام میں مزامیر کے ساتھ اور آخری ایام میں بلامزامیر قوالی سنی ہے۔ بلامزامیر سماع کے متعلق یہ توجیہ بیان کی جاسکتی ہے کہ اولیاء اللہ جب فنا کے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ مقامات پر سرفراز ہو جاتے ہیں تو انہیں ان فروعات کی حاجت نہیں رہتی۔ وہاں تو حسانات الابرار بھی سنیات المقربین بن کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض مشائخ اپنے ارادت مندوں کے استفادہ اور تربیت کے لیے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔

حضرت نے سماع کے متعلق اپنا مسلک ایک مکتوب میں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے ان اشعار میں بیان فرمایا ہے :-

سماع اے برادر بگویم کہ چسپیت مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گرا از برج معنی بود طیب او فرشتہ فرد ماند از سیر او
وگرمرد لہو است و بازی و لاغ قوی تر شود لہوش اندر دماغ

یعنی صاحب ذوق کے لیے تو سماع مفید ہے۔ وہ اُسے عشق کی اُن بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے کہ فرشتے بھی اُس سے پیچھے رہ جاتے ہیں مگر صاحب لہو و لعب کے لیے مُضر ہے اور شہوت پرستی کو اُس کے دل و دماغ میں قوی تر کرتا ہے۔
اب حضرت کی زندگی سے چند ایسے واقعات جن کا تعلق سماع اور قوالی سے ہے، ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

انیکلو انڈین ریلوے گارڈ پر سماع کا اثر

رات کا وقت تھا۔ ریل گاڑی جنڈ بسال لائن پر ویران پہاڑیوں میں سے گزر رہی تھی حضرت کا قوال نعت جمال حضرت کی فرمائش پر پنجابی کے یہ اشعار چیتی گوری راگنی میں گارہا تھا :-

دیکھو نی کی کر گیا ماہی دلڑی نے کے ہو گیا راہی

(اے سہیلیو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا، وہ میرا دل لے کر چلتا بنا)

ماہی دے سینہڑے میسکوں کوکاں، کوک سناواں کیسکوں

(میں اپنے پی کو اپنا پیغام کیسے پہنچاؤں اور اپنی فریاد کیسے سناؤں)

ہسدیاں گل وچ پے گئی پچاہی دیکھو نی کی کر گیا ماہی

(وہ مجھ ہنستی کھینتی کے گلے میں پھنسا ڈال گیا۔ اے سکیو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا)

گاڑی کا انیکلو انڈین گارڈ اجازت لے کر آپ کے ڈبہ میں بیٹھ گیا تھا۔ قوالی سننا رہا۔ پنجابی کلام کا مطلب تو نہ سمجھ سکا مگر حضرت کی کیفیت کے روحانی اثر سے بخود ہو کر روتا رہا اور کہنے لگا جی چاہتا ہے انسان سب کچھ چھوڑ کر پیر صاحب

کے قدموں میں زندگی گزار دے۔

اجمیر شریف کے قوال کا واقعہ

اجمیر شریف کے ایک قوال نے ایک موقع پر مشہور عربی نعت

الصُّبْحُ بَدَا مِنْ طُلُوعِهِ وَاللَّيْلُ دَجَى مِنْ وَفْرَتِهِ

سُنا تو حضرت نے اسے قیمتی سمجھے کہل اور قائلین بخش دیے اور جب مکہ میں ان سے بہتر کوئی چیز باقی نہ رہی تو اصطبل کے گھوڑوں تک نوبت جا پہنچی۔ کہتے ہیں کہ اُس روز آپ پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو کر بالکل سُکر کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

ہندو جوگی کا قبولِ اسلام

موضع پنڈی سید پور، تھانہ جلال پور شریف ضلع جہلم کا ایک ہندو جوگی، لدھارام نامی، سدھ پور کے محنت پر حاضر خدمت ہوا اور قوالی سُنتا رہا۔ پھر سوال کیا کہ یہ سب تو رنگ ہے، بے رنگ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم نے عقلندی کی بات کہی ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ رنگ بے رنگ کیا ہے۔ پھر آپ نے ہندی زبان کا یہ کبت پڑھا۔

حد پئے تے اولیاء، بے حد پئے تو پیر

حد، بے حد دو ہیں لنگھے، اُس کا نام فقیر

جوگی یہ پُر اسرار کلام سُن کر پہلے رو پڑا۔ پھر کہنے لگا، حد، سجدہ دونوں پھیلا لگا جائے تو حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا غلام ہو جائے۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنے کئی چیلوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ حضرت نے اُسے قبولِ اسلام کے بعد درود شریف کا وظیفہ بتلایا۔

اپنی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی وجدانی کیفیات بالعموم سجدہ سجودیت کی معراج المؤمنین پر منتج ہوتی تھیں۔ اور یہ سجدے اکثر اوقات اپنی طوالت میں سحر تک جا پہنچتے تھے۔ اگر اس اور دیگر مجالس کی قوالی میں رقت، حالت سُکر اور قیام کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن جوں جوں فائے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ ترین مقامات قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ وجد کی کیفیت میں سکون پیدا ہوتا گیا۔ آخری ایام میں وجد کی علامت یہ رہ گئی تھی کہ داہنے ہاتھ کو حرکت میں لا کر ایک دو بار جھٹک یا کرتے اور اُس روز اکثر ایسا ہوتا کہ جو شخص مصافحہ کرتا یا بیعت سے شرف ہوتا اُس پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک بار پاک تین شریفین میں وجدانی کیفیت طاری ہو کر کئی روز تک قائم رہی جیسی کہ داپسی کے دوران لاہور میں بھی جس کسی نے مصافحہ کر کے ہاتھ چھوئے بے اختیار اُٹا رہا۔ اس وجد کے چشم دید حالات یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ آپ کی جائے قیام موتی محل میں صبح کے وقت مجلس قوالی منعقد ہوتی۔ حافظہ کے مندرجہ ذیل شعر پر وجد کے آثار نمایاں ہوتے۔

شب تاریک نیم موج و گر دا بے چسپیں حائل کجا دانستہ حال مائیک ساران سا حلما

قوال صاحبان نے اس شعر کی تکرار کے ساتھ ساتھ اس کا یہ پنجابی ترجمہ بھی دہرایا۔

۵۔ رات اندھیری گھمن گھیری دریا ٹھاٹھاں مارے

اوہ کی جان سار اسدا جیڑھے رہن کنارے

حضرت بجاالت وجد اٹھ کھڑے ہوئے اور مجلس میں ایک کمرام برپا ہو گیا۔ اس عمارت کے دوسرے کمروں اور گیلریوں میں جو حضرات مقیم تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ پر ٹپنے لگ گئے۔ قاری عبد الرحمن جو پوری و مولوی محبوب عالم نے حضرت کی کمرہ م رکھی تھی۔ اور خود بھی نالہ و فریاد کناں تھے۔ پشاور کے حاجی عبد الکرم سیٹھی چھینے چلاتے ہال کمرے کے کبھی اس سرے پر جاتے اور کبھی اُس سرے پر، ان کے بعض پشاور کی ساتھی، ساتھ والے کمرے میں بستروں کے ڈھیر پر پڑے تھے وہ وہیں ٹوٹنے لگے۔ پھر یہ لہر سرعت تمام محلے کی دیگر عمارات تک جا پہنچی۔ جو بھی شور سن کر موتی محل کی طرف رخ کرتا بے اختیار گریہ و زاری کرنے لگ جاتا حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف اپنے کمرہ سے باہر نکل آئے اور دریافت حال کے لیے ایک خادم کو بھیجا لیکن وہ بھی وجد کرنے لگ گیا۔ دیوان صاحب فرماتے تھے کہ اُس روز واقعی پاک پتن کے در و دیوار حرکت میں معلوم ہوتے تھے جس سے مجھے اُن کتابی روایات کا خیال آیا کہ قطب وقت کے وجد میں آنے پر ہر شے پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب غوث الاعظم کے متعلق اقباس الانوار وغیرہ کتب میں تحریر ہے کہ جس رات آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی میسزبانی میں مجلس سماع منعقد کرائی اور حضرت غریب نواز پر وجد طاری ہوا تو یہ غوث الاعظم نے مصلیٰ مبارک زمین میں گاڑ کر مضبوطی سے تھام لیا کہ قطب وقت وجد میں ہے مبادا زمین میں زلزلہ آجائے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں چکی کا دورہ ہوا۔ اور باوجود علاج کے کوئی افادہ نہ ہوا تقریباً ایک ماہ تک یہی کیفیت رہی۔ آخر دیوان صاحب سے مشکل اجازت لے کر واپس روانہ ہوئے۔ اُنہائے سفر نواب دکان قصور کے اصرار پر اُن کے ہاں قیام فرمایا۔ جہاں انہوں نے جناب بابو جی مدظلہ کے ایما پر حضرت بابا جی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قوالوں کو بلوا کر بدیں خیال قوالی شروع کرادی کہ شاید حضرت کی طبع مبارک ادھر متوجہ ہو کر قدرے سنبھل جائے اُن ایام میں آپ نے سماع ترک کیا ہوا تھا جب قوال حاضر ہوئے تو فرمایا، یہ کیا ہے۔ نواب زادہ فتح باز خان نے عرض کی "غریب نواز لوگ کیسے جانیں گے کہ یہاں کوئی چشتی بزرگ بھی تشریف لائے ہیں" اور قوالوں کو اشارہ کیا کہ اپنا کام شروع کریں۔ میاں دھنا طلبی خود ایک صاحب دل انسان تھا جو قوالی کرتے ہوئے وجد میں آجاتا تھا۔ نواب زادہ فتح باز خان نے روپوں کی ایک تھیلی حضرت کے پنگ پراٹ دی اور آپ روپے اٹھا کر قوالوں کو دیتے رہے جب بابا جی شاہ کی یہ کافی شروع ہوئی۔

میں نانہہ مڑوا عشق دیوانہ شوہ نال پیتاں لالیاں نی

تو آپ پر وجدانی آثار نمایاں ہوئے اور چکی بند ہو گئی۔ کوئی دو بجے رات تک قوالی ہوتی رہی۔ میاں دھنا طلبی کی انگلیوں سے غون بننے لگ گیا فجر کی نماز کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں نے قوالی سننا ترک کر رکھا تھا۔ مگر آج رات اس سے مجھے دو فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ میری بیماری دھواں بن کر میری ناک کی راہ سے خارج ہو گئی اور دوسرے فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد حضرت مجھے شاہ اور اُن کے شیخ حضرت شاہ عنایت سفید لباس میں تشریف لائے اور زیارت سے ممنون فرمایا۔ اُس روز آپ قصور میں بابا جی شاہ کے مزار پر اور لاہور آکر حضرت شاہ عنایت کے مزار پر زیارت و فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد ازاں جب اس بیماری کے متعلق حضرت صاحبزادہ محمود تونسوی کا عیادت ملا آیا تو جواب میں حضرت نے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

آنا یہ چکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھولے سے اُس نے یاد کیا جو عجب نہیں

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا بے گاہے تخلیق میں شغل سماع کر لیا کرتے تھے۔ روزِ عام طور پر وظائف و اشغال کی کثرت اور زائرین کے ارشاد و افادہ کی مصروفیت کے باعث اس کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ ان اشغال میں روزانہ پندرہ سے اٹھارہ ہزار تک اسم ذات کا ورد اور اکثر اوقات کتابوں کی درس و تدریس بھی شامل ہوتے تھے۔ ذوقِ عالی کا انداز فقط رسمی سماع، حسنِ صوت اور رنگِ سخن ہی کا پایہ بند نہ تھا، بلکہ اکثر دمرہ کی باتوں میں سے محض کوئی نکتہ یا لفظ ہی عشقِ سرمدی کے ساز کو چھڑینے کے لیے مضارب کا کام کر جاتا اور آپ کی طبیعت پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، جس کا مظاہرہ مختلف صورتوں میں ہوتا۔ جب آپ کے اکلوتے صاحبزادہ کی پیدائش پر ایک خادم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اچانک عرض کی کہ حضرت مبارک ہو، تو آپ نے اپنے دائمی شغل سے لفظ مبارک کی کیفیت میں چونک کر فرمایا: "غیر مبارک۔ کیا ہوا؟" خادم نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزندِ ارجمند عطا فرمایا ہے۔ آپ نے الحمد للہ کہہ کر آہِ سرمد کے ساتھ فرمایا کہ تمہارے اس مبارک کے لفظ سے میں سمجھا تھا کہ مجھے خدا مل گیا ہے۔

۱۹۲۰ء کا ذکر ہے ایک روز عصر کے بعد مسجد سے مہمانِ رخصت ہو رہے تھے کہ کسی نے موت کا ذکر کیا۔ آپ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا: ابھی یہ نعمت کہاں۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قصبہ گولڑہ میں ایک رات شادی کے موقعہ پر لڑکیوں نے پنجابی زبان میں گیت گاتے ہوئے یہ شعر پڑھا ہے

اُچی دھلی گھر سامنے میری ڈاٹھے نال پریت

نال توڑی، نال توڑساں، نال توڑن دی ریت

گرمیوں کا موسم تھا۔ آپ بالا خانہ کی چھت پر شغل و ذکرِ الہی میں محو تھے کہ یہ شعر سن کر وجد ہو گیا۔ شادی والے گھر میں خبر پہنچی تو لڑکیاں رات گئے تک اسی شعر کی تکرار کرتی رہیں۔ جب آپ نے دُعا دے کر منع فرمایا بھیجا تو انہوں نے گانا بند کیا۔

جناب بابو جی قبلہ مظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کا سماع کوئی باقاعدہ اور مُتحد طریق پر نہ تھا کبھی اتفاق سے کہیں کوئی شعر سننے میں آ جاتا اور جب دانی کیفیت پیدا ہو جاتی تو حافظہ نور محمد وغیرہ قوالان حاضر کو ارشاد فرما کر اُس شعر کی تکرار کراتے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ سلسلہ کئی کئی روز تک جاری رہتا۔ ایک مرتبہ مندرجہ ذیل شعر پر آپ کو متواتر تین دن تک کیفیت رہی ہے

نہ محل گفتگو ہے نہ ممت مہم جو ہے

دل بے نوا نے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھانی

ایک دفعہ رحمانی باغ علاقہ سرگودھا میں بارش کے لیے دُعا کی است دعا پر قوالوں کو ایک خاص انداز میں غزل سنانے کو منہرایا۔ مطلع یہ تھا ہے

ترک من اے مہ عشقِ لام رُونے تو

جُملہ ترکانِ جہاں ہندوئے تو

مقطع تک پہنچتے پہنچتے بادل آنے شروع ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بارش ہو گئی۔ اس غزل کے دوران آپ

نے یہ شعر بھی پڑھنے کو فرمایا تھا۔

یہ پھرتی ہے بسل چونچ میں گل
شیدنا کی تربت کہاں ہے

ایک اور مرتبہ کا ذکر ہے کہ حافظ نور محمد قوال اجازت لے کر اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ آپ بالانگانی کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ فرمایا، جاتے ہوئے اُس ڈھوک کے پاس بُندی پر کھڑے ہو کر فلاں دوہڑا لاپتے جانا۔ وہ تو دو چار مرتبہ وہی دوہڑا لاپ کر چلتا بنا مگر یہاں آپ کو پہلے ہی بول پر جب ہو گیا تھا اور اس حالت میں سخن پسندیہ و مطلوبہ کا تکرار نہ پا کر طبیعت میں ایسا انقباض ہوا کہ غشی کے قریب تک نوبت جا پہنچی۔ جب قدر سے افاقہ ہوا تو خدّام میں سے کسی نے کہہ دیا کہ حافظ بے مزہ کر گیا ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا کہ وہ بھی بے مزہ ہوگا۔ حافظ جب گاؤں پہنچا تو اُس کی بیوی اچانک مرض جنوں میں مبتلا ہو گئی۔ حاضر ہو کر کئی مرتبہ دُعا کرتا رہا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر مریضہ کو بوجہ غلبہ مرض رستوں سے باندھ کر گولڑہ شریف لے آیا۔ دو غور و سال نہ تھے بھی روتے ہوئے ساتھ تھے۔ آپ کو دیکھ کر بے حد رحم آیا اور دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مریضہ اُسی وقت ہوش میں آکر اپنے ننگے سر کو ہاتھوں سے ڈھانپنے اور اڑھنی مانگنے لگ گئی۔ اس کے بعد عمر بھر اُسے وہ تکلیف نہ ہوئی۔

یہی حافظ قوال بیان کرتا تھا کہ میرے ساتھ ستار بجانے والے ہمراہی کی بصارت بعارضہ موتیسا بند جاتی رہی میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کر کے دُعا کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا اُسے کہو کہ آج رات عشاء کی نماز کے بعد ستار پر کونسیہ بجا کر سنائے۔ سرودی کا موسم تھا۔ عشاء کے بعد ہم دونوں، حضرت کے برابر والے کمرہ میں جا بیٹھے۔ اور راگ "کونسیہ کانہڑا" بجانا شروع کیا۔ آپ اپنے پنگ پر تشریف فرما تھے اور مجھ شریف کے دروازوں کے کواڑ بند کر دیا رکھے تھے۔ جب اس سرود غمگین اور فراق آمیز کا نالہ شب گیر عروج پر پہنچا تو اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی چمپہ زینچے گری ہو۔ اور ساتھ ہی میرے ہمراہی کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اُس کے ہاتھوں میں مارے غوشی کے رعشہ آگیا اور آہستہ سے بولا۔ حافظ مجھے دکھائی دینے لگ گیا ہے میں نے تاکید کی کہ ساز کو بے سُر نہ ہونے دینا اور خود کواڑ کی دراز سے جھانک کر اندر دیکھا تو آپ پنگ کے برابر جاتے نماز پر سجدہ میں پڑے تھے اور جیسے کہ اکثر وجد کے عالم میں آپ کو دیکھتے تھے، آپ کے گیسو مبارک بکھر رہے تھے کچھ دیر بعد اندر سے ہی فرمایا کہ اب تم جاؤ۔

جناب دیوان غیاث الدین اجمیری کا واقعہ

ایک سال جناب دیوان غیاث الدین سجادہ نشین حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری مشائخِ چشت کی گدیوں کے دورہ پر نکلے اور نوبت بہ نوبت تونہ شریف سے سیال شریف اور پھر گولڑہ شریف آئے۔ حضرت ثانی سیالوی نے ان کی تشریف آوری سے قبل حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو مطلع فرما دیا تھا۔ ریل گاڑی، گولڑہ شریف اسٹیشن پر علی الصبح پہنچتی تھی۔ اور یہی وقت حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے اوراد و اشغال کا ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے علمائے آستانہ غوثیہ گولڑہ شریف کو استقبال کے لیے روانہ فرمایا جو بعد ازاں واکرام دیوان صاحب کو ریلوے اسٹیشن سے لے آئے۔ دیوان صاحب جواں سال اور نازک طبع تھے حضرت کے خود پیشوائی کے لیے نہ آنے کو محسوس کیا لیکن جب حضرت ظاہر سے فارغ ہو کر ملاقات کے لیے اُن کے کمرہ میں گئے تو آپ کو دیکھتے ہی دیوان صاحب کی شکر بخشی ادب و احترام میں

بدل گئی۔ نیز آپ نے کچھ ایسے انداز میں خیر مقدم کے الفاظ ادا فرمائے اور دیرینہ تعلقات اور حضرت خواجہ غریب نواز کی عالم گیر نسبت کا ذکر کیا کہ دیوان صاحب کہنے لگے، مجھے آپ سے مل کر سب سے زیادہ خوشی ہوئی ہے۔ الحمد للہ کہ اس سلسلہ عالیہ میں آپ جیسی ہستیاں بھی موجود ہیں۔

علمائے سرحد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ

دیوان صاحب گولڑہ شریف سے روانہ ہو کر گڑھی افغاناں علاقہ حسن ابدال میں چشتیہ سلیمانہ سلسلہ کے سجادہ نشین میاں عبداللہ کے ہاں سے ہو کر پشاور تشریف لے گئے۔ پشاور میں بالعموم مشائخ و علماء کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا اور گرد و نواح میں بڑے بڑے فقہاء کے مراکز تھے۔ ان حضرات نے دیوان صاحب کو قوالی کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا اور جواب نہ ملنے پر تشدد کی دھمکیاں دینے لگے۔ اُس زمانہ میں سرحدی علاقہ صحیح معنوں میں یاغستان و سرزمین بے آئین کا حکم رکھتا تھا۔ حضرت نے دیوان صاحب کے گولڑہ شریف سے روانگی کے وقت اُن کے عزم پشاور کا معسوم ہونے پر اشارہ و کنایہ یہ کہہ کر اُدھر جانے سے روکنے کی بھی کوشش کی تھی کہ پٹان لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں اور مشائخ کے ادب و احترام کی تفصیل سے آگاہ نہیں ہوتے لیکن دیوان صاحب کو جانے پر اصرار رہا۔ چنانچہ آپ ان حالات میں جب دیوان صاحب نے حضرت کو اپنی امداد کے لیے بلوایا تو پہلے تو آپ جانے کو تیار نہ ہوئے مگر جب انہوں نے یہ لکھ بھیجا کہ آپ کو ہندالوئی کا واسطہ ضرور تشریف لائیے۔ میں تین روز سے علمائے سرحد کے زعمے میں گھرا ہوا ہوں تو آپ تشریف لے گئے۔

کُفر و ایمان کی بحث

حضرت شیخ الجامعہ کی تحریک کے مطابق کوئی پچاس بڑے بڑے علمائے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ہمراہ کتابیں اٹھائے دس بجے صبح دیوان صاحب کی قیام گاہ پر آ جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ وسیع والاں میں بھیر لگ گئی۔ علمائے نے کہا۔ غنا یعنی سماع حرام ہے۔ آپ اس کی اباحت یعنی جواز ثابت کیجئے۔ اور اپنے مسلک کی تائید میں فتاویٰ تاآرخانہ اور فتاویٰ حمادیہ وغیرہ کی عبارات پیش کیں۔ جن سے غنا کی حرمت اور سُنے والوں کا کُفر ثابت ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہاں کُفر و ایمان کی بحث ہے تو پہلے توحید پر جو اصل الاصول ہے۔ اپنا ایمان ثابت کیجئے۔ لیکن قرآن سے باہر نہ جائیے گا۔ البتہ احادیث سے دلائل دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بھی قرآن کریم کی تفسیر میں پیش کی جائیں۔ علمائے کرام نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ بیان کیا۔ حضرت نے تسنن میں اشاعرہ، ماتریدیہ، حنفیہ اور تشیع میں امامیہ، زیدیہ و معتزلہ کے عقائد کو باری باری بیان فرما کر ہر ایک کی تردید فرمائی۔ جب آپ پہلے ایک مذہب کو اپنا کر اُس کی تائید میں دلائل دیتے تو سب کہتے یہی حق ہے لیکن جب اُس کی تردید فرماتے تو بول اٹھتے کہ واقعی یہ باطل ہے تین روز مسلسل یہی کیفیت رہی۔ چاشت سے ظہر تک مجلس رہتی اور آپ تقریر فرماتے رہتے۔ علوم ربانی کا ایک بحر تواج و یکاں تھا جس میں خصم یعنی مخالف و متعترض کی کشتی بے بس ہو کر ڈالوا ڈول رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے علمائے راسخین کی خطابت کا اس قدر عظیم مظاہرہ پہلے کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا تھا اس لیے بیہوت و حیرت زدہ ہو گئے تیسرے روز آپ نے علمائے سرحد سے سوال

کیا کہ اب فرمائیے آپ کا مذہب کیا ہے؟ حملہ قاضی خیل کے جیت دے عالم مولوی قدرت اللہ بولے کہ اگر سچ پوچھیں تو ہمارا مذہب وہی ہوگا جو آپ اختیار فرمائیں گے حضرت ان کی بے بسی پر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ اب جو مذہب اپنا کریں بیان کروں گا اُس کی تردید ناممکن ہوگی۔ پھر قرآن حکیم کی روشنی میں علمائے راسخین و اولیائے کاملین اہل سنت کے عقیدہ توحید کی وضاحت فرمائی۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنفی عقائد کے جزوی اختلافات کی توجہات پیش کیں۔ اور حق کو ان کے بین بین قرار دیا۔ اس ضمن میں وحی، رسالت، اجماع، اجتہاد اور تقلید پر بھی بحث فرمائی۔ اور جب آخر میں غنا اور قوالی کے مسئلہ پر کچھ فرمانے لگے تو حاضرین میں سے ایک بہت بڑے فقیہ نے عرض کی کہ اس موضوع پر اب کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ جیسا عالم ربانی اس کی اباحت اور جواز کا قائل ہے۔ اگرچہ اُس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی یہ معرکہ الآراء تعارض محفوظ نہ کی جاسکیں مگر آپ کی تصنیف لطیف تحقیق الحق میں مسئلہ توحید کے وہ تمام پہلو واضح کر دیئے گئے ہیں جو وہاں زیر بحث آئے تھے۔ یہ کتاب اس معرکہ کے کچھ عرصہ بعد جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے صوفی عبدالرحمن لکھنوی کے رسالہ کلمۃ الحق کے جواب میں منصفہ شہود پر آتی تھی اس کا سن تالیف ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷-۹۸ عیسوی ہے۔

علماء کا سکوت اور دیوان صاحب کی رقت اور بیعت

مولینا محبوب عالم ہزاروی اور مولینا میر عبداللہ ساکن مکھن جو اس معرکہ میں حضرت کے ہمراہ تھے بیان کرتے تھے کہ حضرت کی مفصل و مدلل تعاریز اور علمائے سرحد کے سکوت و عجز کی کیفیت دیکھ کر دیوان صاحب اجمیری پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور وہ بے ساختہ بار بار پکار اٹھتے تھے سُبْحَانَ اللہ حضرت خواجہ غریب نواز کا نور میری امداد کے لیے آگیا ہے جب حضرت کی آخری تقریر ختم ہوئی تو علماء اٹھ اٹھ کر مصافحہ کرنے لگے۔ ایک صاحب نے بیعت کی استدعا کی تو دیوان صاحب نے فرمایا کہ سب سے پہلے میرا حق ہے کہ میں بیعت ہوں۔ اور بعد اصرار برعکس بیعت ہوئے جب مولینا قاضی قدرت اللہ نے بیعت کی تو حضرت نے فرمایا۔ قاضی صاحب، آج آپ مجھے ایک بڑا عالم سمجھ کر مجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔ کل کوئی مجھ سے بھی بڑا عالم نظر آیا تو اُن سے بیعت کی خواہش تو نہ ہوگی؟ انہوں نے عرض کی کہ آج تک کہیں بیعت نہیں کی تھی نہ اپنے سے کسی بڑے عالم پر کبھی نظریٰ مکی۔ میں افغانستان سے غزلسان تک پھر اُنوں مگر یہ کمال کہیں دکھائی نہیں دیا آپ کا علم لدنی ہے کسی نہیں۔ قاضی صاحب بہت بڑے مفتی اور واعظ تھے سرحد و افغانستان کے علاقوں میں ان کی دھاک میٹھی ہوتی تھی۔ کئی بار امیر عبدالرحمن خان کی دعوت پر کابل بھی جا کر وعظ کیا۔ اُس نواح میں قاضی قدر کے نام سے مشہور تھے۔

اس کے بعد بیعت اور ارشاد کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ بخارا اور صینی ترکستان کے ساتھ تجارت کرنے والے مشہور پشاور سوداگر حاجی کریم بخش سیٹھی اور اُن کا سب خاندان اسی موقع پر حضرت سے بیعت ہوئے۔

شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب خود ایک عالم دین تھے اور اس منہاظرہ کے وقت حاضرین مجلس سے تھے۔ حضرت کے ایک مشہور نیاز مند مولوی گل فقیر پشاور کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ وہ بھی ان مجالس میں موجود تھے۔ اور یہیں انہوں نے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ یہی وہ معرکہ تھا جس نے سب سے پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو سرحد اور آزاد قبائل میں رُوشناس و متعارف کرایا۔ جہاں آج تک سینکڑوں علماء و اصفیاء اور ہزاروں عوام آپ کے دامن سے وابستہ چلے آتے ہیں۔

پوچھی فصل

قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ

مذہب اسلام کے دو بنیادی اصول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتقاد رکھنا ہیں۔ اسلام نے اگر بنی آدم کو بتایا کہ اصل مستحق عبادت کون و مکان کا پروردگار اور مالک و حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ اور جو ضابطہ حیات آپ نے دُنیا کے سامنے کتاب و وحی الہی کے ذریعہ پیش کیا وہی صحیح اور درست ہے اور انسانوں پر لازم ہے کہ اپنی فلاح کے لیے اُس پر عمل کریں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج ظاہری و باطنی کا راز ان دو بنیادی اصولوں پر عمل کرنے ہی میں مضمر تھا۔ مخالفین اسلام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لیے انہوں نے جو قدم اٹھائے اُن میں سب سے پہلا انہی دو اصولوں کو ہٹ بنا دیا تھا۔ پہلے اصول کی مخالفت میں تو انہیں چنداں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ اس اصول کے متعلق تبلیغ اسلام کا اثر ہمہ گیر ہو چکا تھا اور انسانی ذہن اس حد تک نشوونما پا چکا تھا کہ معبودان باطلہ اور مجبور و حقیقی میں تمیز کر سکے۔ اُسے مجبور و حقیقی پر ایمان رکھنے سے ہٹا کر معبودان باطلہ کی طرف لانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اندریں حالات مخالفین نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ اسلامی ایمان کے دوسرے ستون یعنی رسالت آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متزلزل کیا جائے اور جو دالہا نہ محبت اور عقیدت مسلمانوں کو آپ کی ذات مبارک سے تھی اُس میں جس طرح بھی ہوسکے کمی کی جائے۔ اُن کا یہ خیال بھی تھا کہ اس عہد پر کامیابی سے انہیں اول الذکر اصول پر خود بخود کامرانی حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ دُنیا کو اُس اصول سے متعارف آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے ہی کر دیا تھا۔ اور آپ کی رسالت کے اصول سے متزلزل ہونا اور توحید کے اصول سے ہٹ جانا گویا لازم و ملزوم تھے۔ اس لیے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد کاذب نبیوں کی ایک کثیر جماعت نے ہزیرۂ عرب میں سر اٹھایا۔ مگر خلیفہ اول کے بروقت اور سخت اقدامات کی وجہ سے اُن سب کی سرکوبی ہوئی اور کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کے بعد اگرچہ انفرادی طور پر بدعیان نبوت پیدا ہوتے رہے مگر زمانہ پر کوئی معتدبہ اثر ڈالے بغیر دُنیا سے اُٹھ جاتے رہے۔ نظم طریقہ سے اس اصول پر مجاز آرائی قریباً مفقود رہی تا آنکہ تیرھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا ظاہری و باطنی تنزل تیزی سے شروع ہوا۔ اور اُس کے برعکس دوسرے عقائد دلی قویں مادی لحاظ سے ابھرنا شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ تمام دُنیا پر چھا گئیں۔ اپنے اس ارتعاشی وجہ سے انہیں اسلام کے اصولوں پر کاری ضرب لگانے کے مواقع میسر آ گئے کیونکہ مادی انحراف کے ساتھ ساتھ مسلمان ذہنی انحراف کا بھی شکار ہو چکے تھے اور مخالفین کو اپنے عہدہ ائمہ میں کامیاب ہونے کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا۔

مسلمانوں کے اس دور ابتلا میں سرزمین ہند میں حکومت برطانیہ کے زیر اثر اُس فتنہ نے سر اٹھایا جس کے سد باب کے سلسلہ میں حضرت امداد اللہ مہاجر تکی نے حضرت قبلہ عالم کو عرب شریف کی سکونت اختیار کرنے سے منع فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ اپنے وطن میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی علمائے اُمت سلسلہ اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ (اس کا ذکر باب چہارم میں

گزر چکا ہے)

یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس فتنہ کے متعلق جو بعد میں قادیانیت اور مرزائیت کے نام سے مشہور ہوا، مختصر سا تبصرہ ہدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ اس بات کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ اس فتنہ سے دُنیا سے اسلام کس درجہ کے ذہنی انتشار اور دینی تفرقہ کے خطرہ عظیم سے دوچار ہوئی، علمائے وقت نے اس فتنہ کو فرو کرنے میں کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، اور اس میں حضرت کا کردار کتنا اہم اور عظیم الشان تھا۔

یہ تحریک قادیانیت حکومتِ برطانیہ کی سرپرستی میں شروع ہوئی اور اس کا اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نشانہ بنا کر مسلمانوں کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت کو نکالنا اور دینِ اسلام کے ارشادات اور اُن کے مطالب میں اس طرح کار و بدل کرنا تھا کہ مخالفین کو اپنے عزائم کی تکمیل میں امداد مل سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے بعد رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا آپ مسئلہ طور پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور آپ کی شریعت اس دُنیا کے لیے خدا کی آخری شریعت تھی۔ اس شریعت میں اتنی وسعت رکھی گئی تھی کہ قیامت تک کے لیے پیش آنے والے انسانی مسائل کا حل اُس میں موجود تھا۔ آپ کے آخری نبی ہونے کی خبر قرآن کریم میں نہایت وضاحت اور غیر مبہم الفاظ میں دی گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب - ۴۰)

اور متعدد احادیث مبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً صحیح مسلم میں بروایت سعد حدیث طویل کے ضمن میں مذکور ہے :-

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِعَمَلِي هَارُونَ فَإِنَّهُ لَا نَبُوَّةَ بَعْدِي

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت علیؓ سے) فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ ایسے جو جیسے موسیٰ کے کے ساتھ ہارون۔ لیکن (نبوت کا لقب تمہیں نہیں مل سکتا) میرے بعد نبوت نہیں۔

مسلمانوں کے سارے مکاتیب فکر ختم نبوت کے مسئلہ پر اُس وقت تک کاملاً متفق تھے جب تک باقی قادیانیت نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کی ابتدا بھی انہوں نے عجیب انداز میں کی۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے سلسلہ میں یہ ذکر ہے کہ اُن کو یہودیوں نے سولی پر چڑھا دیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ وفات پا گئے مگر وہ غلطی پر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ یہ تذکرہ سورۃ النساء میں ان الفاظ میں ہے :-

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ذَوَاتِ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَعْنُ شَلْقٍ عَلَيْهِ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

اور وہ کہتے ہیں ہم نے مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی صلیب چڑھایا مگر اُس کی شبیہ کو۔ اور جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، وہ بھی بے خبر ہیں۔ اُن کے پاس سوائے ظن کے اور کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے ہرگز اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُسے اپنے پاس اٹھالیا اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

صحیح مسلم کی احادیث مقدسہ میں آثارِ قیامت کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے دنیا میں شر و فسادات بے انتہا ہوں گے اور دجال نامی ایک شخص کا ظہور ہوگا جو اپنے جادو اور شیطانی قوتوں کی امداد سے ایک وسیع قطعہ زمین پر قبضہ کرے گا اور ایمان رکھنے والوں پر دائرہ حیات تنگ کر دیگا۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے قریب آسمان سے اتریں گے اس حال میں کہ آپ کے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے۔ آپ اگر دجال کو قتل کریں گے اور دنیا میں اسلام و ایمان اور امن کا بول بالا کریں گے۔ اور پھر سات سال یہاں زندہ رہنے کے بعد وفات پا کر مدینہ شریف میں حرم پاک میں دفن ہوں گے۔ آپ کے ظہور سے پہلے بنی فاطمہؑ میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا اور لقب مہدی۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت اُن کا استقبال کرے گا اور پہلی نمازیہ دونوں حضرات مل کر پڑھیں گے۔ اُس میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں دنیا کو کفر و الحاد کے اثرات سے پاک کرنے میں امداد دے گا۔

چونکہ ان احادیث مبارکہ میں صحیح سال کا تعین نہیں ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر قبل اس کے کہ وہ کسی عیسیٰ کا استقبال کرتے وہ خود اس دنیا سے اٹھ جاتے رہے۔ بانی قادیانیت نے ان مدعیان سے ذرا مختلف طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے علمائے سلف کے اس عقیدہ کو غلط بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہی پھر زمین پر واپس آئیں گے۔ اُن کے نظریہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں ہی انتقال فرما گئے تھے اور قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والا شخص محض مثیل مسیح ہوگا۔ اس نظریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی اُسی مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر کے خود کو مسیح موعود قرار دے دیا۔ اس ابتداء سے وہ غلط نبوت کی طرف بڑھے اور بالآخر اپنے اصلی نبی ہونے کا اعلان کر کے امت مسلمہ کے اس اعتقاد پر ضرب لگائی جس سے وہ تیرہ سو سال سے مکلف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اب مرزا صاحب کے اس ارتقاءے روحانی اور اُن کی تعلیمات کی تفصیل اجمالاً دی جاتی ہے۔

بانی قادیانیت اور اُن کی ابتدائی زندگی

تحریک قادیانیت کے بانی کا نام مرزا غلام احمد تھا۔ وہ برٹش انڈیا میں صوبہ پنجاب کے ضلع گورداسپور کے موضع قادیان میں ۱۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام غلام مرتضیٰ تھا جو سرحدی مغل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا پیشہ طبابت اور زیندار تھا۔ مرزا غلام احمد علوم مرآۃ عربی، فارسی اور طب کی تحصیل سے فارغ ہو کر ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں بطور اہل مد قریب چار سال ملازمت کرتے رہے۔ بعد ملازمت چھوڑ کر اپنے والد محترم کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور مذہبی مناظرات وغیرہ میں حصہ لیتے رہے۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آباؤ اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔ ۱۸۶۹ء میں انہوں نے ایک اشتہار شائع کیا کہ میں ایک کتاب براہین احمدیہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو پچاس جلدوں پر مشتمل ہوگی اور جس میں اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کی تردید میں قوی اور محکم عقلی دلائل پیش کیے جائیں گے مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے کثیر تعداد میں پیشگی قیمت بھیج کر معاونت کی لیکن ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۱ء تک مرزا صاحب نے اس کتاب کی صرف چار جلدیں شائع کر کے دعوے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں

بذریعہ الہام اشاعت دین پر مامور فرمایا ہے اور وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔ اس لیے اس کتاب کی مزید اشاعت بند کی جاتی ہے۔

۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے اپنی دوسری کتاب ”سُرمۂ چشمِ آریہ“ تصنیف کی اور ہوشیار پور میں آریہ سماجیوں کے ساتھ مناظرہ بھی کیا۔ اس طرح ایک مناظرہ اسلام اور مذہبی الہام کی حیثیت سے شہرت حاصل کر کے انہوں نے اپنے گرد عقیدت مندوں کا ایک گروہ پیدا کیا جس میں حکیم نور دین شاہی، طبیب ریاست جموں و کشمیر جیسے بارشوخ مشیر و معاون شامل تھے۔

مرزا صاحب کے ابتدائی عقائد

اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے ہونے چاہئیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بھی اسی قدر قائل تھے جیسے دیگر مسلمان۔ اپنے اشتہاری اعلان مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم) میں انہوں نے لکھا:-

”میں اُن تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے اُن سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صلی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔..... اس میری تحریر پر شخص گواہ رہے۔“

اسی طرح اپنے مکتوب عربی بنام مشائخ ہند مندرجہ انجام آتم میں تحریر فرماتے ہیں:-

”میرا اعتقاد یہ ہے کہ میرا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں اور میں کوئی کتاب بجز قرآن کے نہیں رکھتا اور میرا کوئی پیغمبر بجز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں جو خاتم النبیین میں جن پر خدا نے بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل کی ہیں اور اُن کے دشمنوں پر لعنت بھیجی ہے۔ گواہ رہ کہ میرا تم تک قرآن شریف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو چشمہ حق و معرفت ہے۔ کی میں پیروی کرتا ہوں اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو کہ اُس خیر القرون میں باجماع صحابہ صحیح قرار پائی ہیں۔ نہ اُن پر کوئی زیادتی کرتا ہوں نہ کمی۔ اور اسی اعتقاد پر میں زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور انجام ہوگا۔ اور جو شخص ذرہ بھر بھی شریعتِ محمدیہ میں کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اُس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔“ (ترجمہ)

اُن آیام میں مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ جس پر براہین احمدیہ جلد چہارم میں اُن کے یہ الفاظ شاہد ہیں:-

”یہ آیت ”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ“ (فتح- ۲۸) (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے) سیاستِ ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشین گوئی ہے اور جس غلبہ کا ملکہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ

اس دُنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقعات میں پھیل جائے گا.....

اُس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بلا دستی کھودینے کی وجہ سے مسلمان سخت ذہنی پریشانی اور مایوسی کا شکار ہو چکے تھے اور اپنے اس اضمحلال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہر طرف منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کب کوئی مردِ خدا اُن کو اُنہیں اس ابتلا سے نجات دلائے۔ اُس دور کے مسلمان دانشور بھی اچھائے قوم کے درد سے بے چین دہے قرار تھے مگر اُنہیں دوہری دشواری کا سامنا تھا۔ ایک طرف تو انقلابِ زمانہ نے اُن سے دُنوی حکومت اور جاہ و جلال چھین لیا تھا۔ دوسری طرف یورپ کا مادی انقلاب، جو انگریزوں کی وساطت سے ہندوستان پہنچ چکا تھا، اُن کی دینی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُن کے خیال میں مادی انقلاب کو اپنانے کے بغیر اُن دونوں محاذوں پر مخالف طاقتوں سے نبرد آزما ہونا ممکن نہیں تھا۔ اسی خیال کے زیر اثر سرسید احمد خان نے ایک نئی تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں کو مغربیت کی نئی اقدار سے آشنا کرنا اور انگریزی تعلیم و فنون میں مہارت حاصل کرنا تھا۔ اُن کی اس تحریک کا مدار ملک کے نئے انگریز حاکم کو اپنانے کے خیال سے، مصلحتاً یا ارادۃً، زیادہ تر سچریت پر تھا۔

مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ

اس تذبذب اور اضطراب کے زمانہ میں مسلمانوں کے ذہن پر جو نفسیاتی کیفیت طاری تھی مرزا صاحب کو اُن کے رفیقِ حکیم نور دین نے اُس سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ خود کو مثیل مسیح کا لبادہ اوڑھ کر قوم کے سامنے پیش کریں تو ساری قوم دل و جان سے اُن کا خیر مقدم کرے گی اور وہ اچھائے ملت کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں گے۔ مرزا صاحب نے اپنے مکتوبِ محررہ ۲۴- جنوری ۱۸۹۱ء (مکتوباتِ احمدیہ) میں حکیم نور دین کو ان الفاظ میں جواب دیا: ”جو کچھ آلِ محمدؐ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقِ حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کیا ہرج ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بندہ چاہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کرے ہم ابتلا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا کو ہی رکھا ہے۔“

اس جواب کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے حکیم نور دین کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ اُن کے اشتهار مند رجب تبلیغ رسالت جلد دوم ”توفذیر قاسم علی قادانی سے ظاہر ہے۔

”مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے جس طرح محدثیتِ نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری رُوحانی حالت مسیح ابن مریم کی رُوحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔“

اسی طرح ”ازالۃ الادلہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں..... میں

نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔۔۔ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔

مثیل مسیح سے مسیح موعود

مرزا صاحب اپنے اس دعویٰ مثیل مسیح پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اُس سے ایک قدم آگے بڑھے اور سب سے پہلے اپنی تین تصنیفات فتح الاسلام، "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" میں حیات مسیح کے عقیدہ کو غلط بتا کر وفات مسیح کا اعلان کیا اور پھر اپنے مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:-

"مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔" (توضیح مرام)

"اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدے بجالاؤ کہ وہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آبا گزر گئے۔ اور بے شمار رُوحیں اُس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پایا۔۔۔ میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ میں دُہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا تادم کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اُسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح وہ شخص بعد کلیم اللہ موعود خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی رُوح ہیر و دیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان پر اُٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے۔ اِنَّا ارْسَلْنَا الْبَنِيكُمْ رُسُلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا ارْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رُسُلًا (ہم نے تمہاری طرف رُسل بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رُسل بھیجا تھا)۔ تو اُس کو بھی جو اپنی کاروائیوں میں کلیم اول کا مثیل مگر رتبہ میں اُس سے بزرگ تر تھا ایک مثیل ایسح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل ایسح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پاکر اُسی زمانہ کی مانند اور اُسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اُترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے۔ اور سب باتوں میں اُسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابن مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو۔" (فتح الاسلام)

"اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اُس کو نشان بنادیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اور یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافی ہے۔" (کشتی نوح)

"مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر اقرار کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اُس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔" (اشہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم)

”میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔“ (تختہ گولڑویہ)

مشابہت مسیح کے لائل

مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے اپنی مشابہت تائید کے جو ثبوت پیش کیے ہیں ذرا ان کی شانِ دلالت بھی ملاحظہ ہو۔

یہ عاجز جو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے رنگ میں بھیجا گیا ہے، بہت سے امور میں حضرت عیسیٰ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسے عیسیٰ کی پیدائش میں ایک ندرت تھی، اس عاجز کی پیدائش میں بھی ایک ندرت ہے اور وہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ امر انسانی پیدائش میں نادرات سے ہے کیونکہ اکثر ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔“ (تختہ گولڑویہ)

اس اُمت کے مسیح موعود کے لیے ایک اور مشابہت حضرت عیسیٰ سے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ پورے طور پر بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے تھیں۔ اور حضرت عیسیٰ کے لیے خدا نے جو یہ پسند کیا کہ کوئی حضرت مسیحؑ کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھیجید تھا کہ خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔“

(مرزا صاحب کا کچھ بقیہ مقام سیاکوٹ)

”سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریمؑ ہے جس نے عیسیٰ بن مریمؑ کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ کو والد روحانی نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کبار میں لے لیا اور اپنے بندے کا نام ابن مریمؑ رکھا۔ پس مثالی طور پر بھی عیسیٰ ابن مریمؑ ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربع میں سے کسی سلسلے میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابن مریمؑ نہیں تو کون ہے؟“ (ازالہ ادھام)

”چودھویں خصوصیت مسیحؑ میں یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا مگر باپ مریمؑ موسوی سلسلہ کا آخری غیر تھا جو موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی خاندان قریش میں سے نہیں ہوں اور چودھویں صدی میں مبعوث ہوا ہوں اور سب سے آخری ہوں۔“ (تذکرۃ الشہادین مختلفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

احادیث نزول مسیح کی تاویل

ان اعلانات کے بعد احادیث نزول مسیح کے مختلف پہلوؤں کو اپنی ذات پر درست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے استعارہ اور تاویل سے کام لیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلم کی احادیث کے مطابق مسیح موعود کی تشریف آوری ان حالات میں ہونی تھی۔

۱۔ نزولہ ذمکائہ بالشام بن صد مشرق حضرت عیسیٰ کا نزول ملک شام یعنی دمشق میں شرقی

منارہ پر ہوگا۔

عِنْدَ الْمُنَارَةِ الشَّرْقِيَّةِ

نزول کے وقت دوزر و رنگ کی چادریں ہیں رکھی ہوں گی۔

۲۔ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُصَرَّانِ

۳۔ مسلمانوں کا امام اُن سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو فرمائیں گے اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (تمہارا امام نماز تم میں سے ہے) اور صحیح اور متواتر احادیث سے واضح ہے کہ یہ امام حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے، جو بنی فاطمہ میں سے ہوں گے۔

مرزا صاحب نے اِن شرائط کی تکمیل اپنی ذات کے متعلق اِن الفاظ میں کی :-

۱۔ دمشق کے لفظ کی تاویل میں مجھ پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلیدی کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں۔ اور اپنے نفسِ امارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی اُن کی نظر میں سہل اور آسان ہے۔۔۔۔ اور کیونکہ طبیعوں کو بیماروں کی طرف آنا چاہیے۔ اس لیے ضرور تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں نازل ہو۔ پس مسیح کا دمشق میں اُترنا صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی مثیلِ مسیح جو حسینؑ سے بھی بوجہ مشابہت اِن دونوں بزرگوں کے مماثلت رکھتا ہو، یزیدیوں کی تنبیہ اور طرم کرنے کے لیے جو مثیلِ یہود ہیں اُترے گا۔“ (ازالہ اوہام)

”دمشق اور قادیان ایک ہی عرض بلد میں واقع ہیں اور منارۃ الشَّرْقِیَّة سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان جو دمشق کے مشرق میں واقع ہے، منارۃ المِیْسُج وہاں واقع ہوگا“ (مرزا صاحب نے ایک منارہ کی بُنا دہی رکھی مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ البتہ شام اور پنجاب کا اختلاف رفع ذکر کے کسی جگہ بھی اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ قادیان کے بارشندگان نے کبھی کسی مقدس اور پاک بزرگ مثیلِ حسینؑ ہستی کے قتل کا ارتکاب کیا ہو یا خود مرزا صاحب ہی پر قاتلانہ حملہ کیا ہو) آگے چل کر مرزا صاحب اپنی مسجد کو مسجدِ اقصیٰ کا اور اپنی ذات کو جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدیں الفاظ مثیل ظاہر کرتے ہیں :-

”جیسا کہ سیرِ مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیرِ زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا، برکاتِ اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رُو سے اسلام کے انتہائی زمانہ تک جو آنحضرت کا سیرِ کشفی ہے مسجدِ اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے، جو قادیان میں واقع ہے۔“ (تذکرہ مجموعہ دجی مقدس)

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوزر و چادروں کے متعلق فرماتے ہیں :-

”میں ایک دائم المریض آدمی ہوں۔ اور وہ دو چادریں جن کے متعلق حدیثوں میں ذکر آیا ہے کہ اِن دو چادریں میں مسیح نازل ہو گا وہ دوزر و چادریں میرے شامل حال ہیں۔ جن کی تعبیر علمِ تعبیرِ الزَّوْیَار کی رُو سے دو سیاہیاں ہیں۔ سو ایک چادر میرے اوپر کے حصے میں ہے کہ ہمیشہ سرد اور دورانِ سر اور کئی خواب اور تشخِصِ دل کی بیماری دوزرہ کر آتی ہے۔ اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے بدن میں ہے وہ بیماریِ ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے۔ اور بسا اوقات سو سود فحشاء کو یاد دین کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس قدر

کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض صفت وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال ہیں۔ (ضمیمہ ربیعین نمبر ۳ و ۴)

۳۔ قیسری شرط کے متعلق مرزا صاحب نے اپنی کتاب "ایام الصلح" میں حضرت شیخ محمد اکرم چشتی صابری کی کتاب "تقباس النوار" میں سے "لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عَيْسَى" کی ایک روایت لی جسے نہ صرف امام زرقانی نے مردود روایت کیا ہے بلکہ خود کتاب تذکرہ کے مصنف بھی اس روایت کو تحریر کر کے فرماتے ہیں:-

"واین روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیحہ متواترہ از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم درود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بود و عیسیٰ بہ اداقت مذکورہ نماز خواہد گزارد و جمیع عارفان صاحب تمکین بر این متفق اند"

مرزا صاحب نے "إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" کی تاویل یہ کی کہ حضرت عیسیٰ مسلمانوں میں ہی اپنا بروزی مثیل اختیار کر کے خود ہی امام بنیں گے اور حدیث کے اس مفہوم کی کوئی توجیہ پیش نہ کی کہ مسلمانوں کا امام صلح حضرت عیسیٰ سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو آپ یہ کہہ کر انکار فرمائیں گے کہ "إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" (تمہارا امام تم میں سے ہے) اسی طرح حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق ان احادیث کی بقیہ مقتضیات یعنی قتل و قبال، غلبہ اسلام، باطل دینوں کا خاتمہ، امام مہدی کا بنی فاطمہ سے ہونا اور کثرت مال کے جواب میں مرزا صاحب نے کہا کہ قبال سے عیسائی پادریوں کا گروہ مراد ہے جنہیں میں نے اپنی کتابوں میں بذریعہ دلائل قتل کر دیا ہے اور میری تعلیم سے میرے وقت میں یا آئندہ میری جماعت کے ذریعہ ایک روز وہ عالم گیر غلبہ اسلام ضرور نمودار ہوگا جس کا ان احادیث میں بطور پیش گوئی ذکر کیا گیا ہے۔ اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تم میری امت سے ہو۔ کیونکہ میرے خاندان میں ہماری ایک دادی سادات بنی فاطمہ سے تھی۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا اذعان تھا کہ اگر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح ابن مریم کے نزول اور حضرت امام مہدی کی جداگانہ شخصیت اور قبال کے ایک شخص ہونے اور بذریعہ تواتر حضرت شیخ کے ہاتھ سے قتل ہونے کا ذکر فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کشف کی تعبیر میں غلطی لگ گئی ہو۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ مستقبل کے واقعات کو بنی کا علم پوری طرح احاطہ کر لے چیت پنچہ "ازالہ اوہام" میں لکھتے ہیں:-

"اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آل حضرت پر ابن مریم اور قبال کی حقیقت کا ملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے نمونہ منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ قبال کے گدھے کی اصلی کیفیت کھلی ہو اور نہ یا جو ج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ ذابۃ الارض کی مابیت کما بھی ظاہر فرمائی گئی ہو"

مسیح موعود سے نبوت تک

مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے پر قریباً دس سال قائم رہے اور پھر ختم نبوت کے معروف اسلامی نظریہ کو (جس کے وہ خود بھی معتقد رہے تھے) غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اگست ۱۹۰۱ء میں ایک روز مرزا صاحب کے خطیب مولوی عبدالکریم نے جمعہ کے خطبہ میں انہیں نبی و رسول کہا۔ نماز کے بعد سید محمد احسن امروہی قادیانی خطیب صاحب سے جھگڑتے رہے۔ انہوں نے اگلے جمعہ میں پھر یہی الفاظ

دُہرائے اور امرہی صاحب کے تیور پہچان کر نماز کے بعد مرزا صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہائیں آپ کو نبی و رسول مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو حضور مجھے درست فرمائیں۔ اس پر مرزا صاحب مُڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔ یہ سن کر سید محمد احسن غصّہ میں بھرے ہوئے واپس آ گئے اور مسجد کے اوپر ٹہلنے لگ گئے جب مولوی عبد الکریم وہاں پہنچے اُس سید صاحب اُن سے لڑنے لگے۔ آوازیں بلند ہوئیں تو مرزا صاحب مکان سے نکل آئے اور یہ آیت پڑھی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (مسلمانو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ (الفضل قادیان ۴ جنوری ۱۹۳۱ء و رسالہ فرقان قادیان بابت اکتوبر ۱۹۳۲ء)

مرزا صاحب ۱۸۹۱ء سے نبی کا لقب اختیار کر کے نہیں مذہب تھے۔ چنانچہ ”انجامِ آتم“ ۱۸۹۶ء میں لکھا تھا:۔
 ”الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اُس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“
 یعنی اس سے قبل ”خدا کا فرستادہ“، ”مامور“، ”امین“، ”میشل مسیح“، ”مہدی معبود“، ”مسیح موعود“ کے القاب استعمال ہوئے تھے مگر نبی و رسول کہلانے میں مرزا صاحب کو تردد تھا۔ اُس روز خطیب صاحب کی عقیدت نے ختم نبوت کی فولادی دیوار کو بھی رستہ سے ہٹا دیا اور مرزا صاحب نے زبان و قلم سے بصراحت نبوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔
 ”میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اُس کے سوا کسی سے ڈروں؟“
 (ایک غلطی کا ازالہ، نومبر ۱۹۳۱ء)

”خدا نے میرے ہزار ہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گزرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی۔۔۔ اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اُسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اُسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔“

(تمتہ حقیقت الوحی ۱۹۰۶ء)

ختم نبوت کے خلاف انوکھے استدلال

مرزا صاحب نے ”برائین احمدیہ“ حصہ چہارم اور ”ازالہ اوہام“ اور ”حجۃ البشریٰ“ وغیرہ کتابوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو محال اور وعدۃ الہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب اپنی نبوت کے اثبات کی ضرورت پیدا ہوتی تو اپنے سابقہ اقوال کی تردید میں ایسے استدلال لانے لگے جن سے اسلامی ذہن کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ چنانچہ برائین احمدیہ حصہ پنجم ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں:۔

”ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات اور مخاطبات سے اُن کی آنکھیں نہ

کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور آئندہ قیامت تک اس کی کوئی بھی اُمید نہیں۔ صرف فتووں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں قہقہے ہیں۔ اور کوئی اگر اُس کی راہ میں جان بھی نذا کرے۔ اُس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے۔ اور ہر ایک چیز پر اُس کو اختیار کرے تب بھی وہ اُس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور کلمات اور مخاطبات سے اُس کو مشرف نہیں کرتا۔ . . . میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔“

ظلی نبی

اپنے اس دعوئے کے بعد مرزا صاحب کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو ظلی نبی ظاہر کرتے رہے۔ اُن کے کہنے کے مطابق اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا مگر نبوت صرف آپ کے فیضان سے ہی مل سکتی تھی نہ کہ براہِ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اور خاتم النبیین کے معنی یہ تھے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں اور آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی آپ کے بعد ایسے انبیاء پیدا ہوں گے جن کی نبوت کی تصدیق آپ اپنی مہر سے فرمائیں گے۔ ان انبیاء کی نبوت کا معیار آپ کے نقش قدم پر چلنا اور آپ کی شریعت کو قائم کرنا ہو گا۔

مرزا صاحب کے صاحبِ زانے بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف ”کلمۃ الفضل“ میں مرزا صاحب کی اس نبوت کو یوں بیان کیا ہے :-

”یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے، یہ محض نفس کا ایک دھوکا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ کی (مرزا صاحب کی) نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ (یعنی مرزا صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑوز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔“

ظلی نبوت سے مستقل اور صاحبِ شریعت نبی

کچھ عرصہ اسی طرح ظلی رہنے کے بعد مرزا صاحب آخر اُس منزل پر پہنچ گئے جس کے تصور سے کالمین بھی کانپتے تھے یعنی اُنہوں نے اپنے مستقل صاحبِ شریعت نبی اور خاتم النبیین ہونے کا دعوئے کر دیا اور اُن کے شدید قلم نے اُس ادب گاہ کو بھی پھلانگ جانے کی جسارت کی جس کے نزدیک پھٹکنے سے نہ صرف جبریل علیہ السلام کے پر جلتے تھے بلکہ مشائخ عظام کو آزادی سے سانس تک لینے کی جرأت نہ تھی۔

ادب کا ہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفسِ گرمِ کردہ می آید جنسید و بازید آں جا

اپنی کتاب ایک غلطی کا ازالہ میں مرزا صاحب نے لکھا:-

"میں بارہا بتا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت "وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ" بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔۔۔ پس جب کہ خدا نے تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ کا وجود خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعودؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوئی یا مغالطہ نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ، ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں۔ گویا لفظوں میں باوجود دو ہونے کے ایک ہی ہیں تو یہ کس قدر حق سے غریب ہوگا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے عین محمدؐ ہونے سے انکار کریں۔" الفضل "۱۹۹"

اپنی تصنیف حقیقت الوحی میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنی ذات کو اُن کا مصداق ظاہر کیا:-

۱۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

يُحِبِّكُمْ اللَّهُ (آل عمران - ۳۱)

۲۔ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبَدَأَ الْإِنْسَانُ وَأَنَا

أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (العام - ۱۶۴)

۳۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

(الأنفال - ۱۷)

۴۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ

(بنی اسرائیل - ۱)

۵۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

(انبیاء - ۱۰۷)

۶۔ لَيْسَ هَٰذَا الْقُرْآنُ الْحَكِيمُ إِنَّكَ لَمِنَ

الْمُرْسَلِينَ هَٰذَا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (سین - ۴)

۷۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا هَٰذَا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ

مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (فتح - ۲۱)

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ

اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح - ۱۰)

۹۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ

وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

(فتح - ۲۸)

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی

کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔

اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو اُسی کا حکم ہوا ہے اور

میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی مگر وہ اللہ تعالیٰ

نے پھینکی۔

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد

حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لیے

رحمت بنا کر۔

یسین۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ آپ پیغمبروں میں سے

ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔

بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ تاکہ

اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں۔

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ

خدا سے کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین

حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں

پر غلبہ عطا فرمائے۔

۱۔ تَعَدَّ مَا قَدَّرَ لِي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
أَوْ أَقْدَرُ (الفتح - ۱-۹)

پھر نزدیک ہوا پھر اُتر آیا۔ پس بقدر دو کمان کے یا زیادہ
نزدیک تھا۔

۱۱۔ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنَ بَعْدِي
اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصافات - ۶)

میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے
والا ہے۔ اُس کا نام احمد ہوگا۔

۱۲۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا
عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا
(الفرقان - ۱۵)

بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم
پر گواہی دے گا۔ جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول
بھیجا تھا۔

۱۳۔ إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَىٰ الْكَوْثَرِ (کوثر - ۱)

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

ان غیر مانوس اور بعید از حقائق اقوال کی تلخی کو اسلامی فکر و نظر کے لحاظ سے کم کرنے کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا
ہے کہ مرزا صاحب خود محمد و احمد میں کوئی تفریق اور علیحدہ شخصیت نہیں ہیں۔ اس انداز خیال کے چند نمونے
درج ذیل ہیں :-

”وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سرچشمے سے لیتا ہے اور نہ اپنے لیے بلکہ اُسی کے جلال
کے لیے۔ اسی لیے اُس کا نام آسمان پر محمد اور احمد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد
ہی کو ملی مگر بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو“ (ایک غلطی کا ازالہ)

”اور جان لو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے، ایسا ہی مسیح موعود
کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے۔ پس جس نے ان کا انکار کیا، اُس
نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے
آخر میں یعنی ان دونوں میں بہ نسبت اُن سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے بلکہ چودھویں رات کے
چاند کی طرح ہے“ (خطبہ الہامیہ)

”جیسے کہ مومن کے لیے دوسرے احکام الہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان لانا
فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعثت ہیں“ (تحفہ گوشتیہ)

”مَنْ فَزَعَ يَدَيْهِ وَبَيْنَ الْمُصْطَفَىٰ مَا عَرَفَنِي“ جس نے میرے اور محمد مصطفیٰ کے درمیان فرق
کیا اور دونوں کو الگ الگ سمجھا، اُس نے مجھے

شناخت کیا اور نہ پہچانا اور نہ ہی دیکھا نہ سمجھا“ (خطبہ الہامیہ)

”پھر اسی کتاب (براہین احمدیہ) میں اس کالم کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ
وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ“ اس وحی الہی میں یہ نام محمد رکھا
گیا ہے اور رسول بھی“ (ایک غلطی کا ازالہ)

”ظن اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظنی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے
غلام الیتیم کی ٹہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی یہ حال محمد

صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا اور نہ کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ ہمدی موعود خلق اور خلق میں ہم رنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا اور اس کا اسم آنجناب کے اسم کے مطابق ہوگا یعنی اُس کا نام محمد اور احمد ہوگا اور اُس کی اہل بیت میں ہوگا۔

حاشیہ۔ یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی۔ اس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی اور خواب میں مجھے فرمایا کہ سَلَمَانٌ مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ عَلٰی مَشْرَبِ الْحَسَنِ میرا نام سلمان رکھا یعنی ذو سلم، اور سلم عربی میں صلح کو کہتے ہیں یعنی مقتدر ہے کہ دو صلح میرے ہاتھ پر ہوں گی۔ ایک اندرونی کہ جو اندرونی بغض اور شخا کو دور کرے گی۔ دوسری بیرونی کہ جو بیرونی عداوت کے وجود کو پامال کر کے اور اسلام کی عظمت دکھا کر، غیر مذہب والوں کو اسلام کی طرف جھکا دے گی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جو سلمان آیا ہے۔ اُس سے بھی میں مراد ہوں ورنہ اُس سلمان پر ذو صلح کی پیش گوئی صادق نہیں آتی اور میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے۔ بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں۔ اور حضرت فاطمہؑ نے کشفی حالت میں اپنی زبان پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔ چنانچہ یہ کشف براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

مرزا صاحب کی وحی

مستقل نبوت کا لبادہ اوڑھنے کے بعد ضروری تھا کہ اُس کے دیگر لوازمات بھی سامنے لائے جاتے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ”دُرّ الثمین“ جو مرزا صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، کے صفحہ ۲۸ پر اُن کی یہ نظم درج ہے۔

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دامنش ز خطا
(میں جو کچھ خدا کی وحی سے سُناتا ہوں۔ بخدا اُسے خطا سے پاک جانتا ہوں)
بچوں قرآن مُنزّہ اشش دامن از خطا ہا ہمیں ست ایس غم
(میں اُسے قرآن کی طرح خطا سے پاک سمجھتا ہوں اور یہی میرا ایمان ہے)
بخدا ہست ایں قرآن مجید از دہان خدا کے پاک و جید
(بخدا یہ پاک کلام اللہ تعالیٰ کی پاک زبان سے نکل رہا ہے)

مرزا صاحب نے اپنی ایک اور کتاب ”ربعین نمبر“ میں لکھا۔

”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن پر۔“

ایک دوسری کتاب ”حقیقۃ الوحی“ میں لکھا۔

”میرے پاس ایہل آیا (اس جگہ ایہل خدائے تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار

رجوع کرتا ہے۔ حاشیہ) اور اُس نے مجھے چُن لیا اور اپنی اُنچی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا۔ پس مبارک وہ جو اُس کو پادشہ اور دیکھے (ترجمہ)۔۔۔ اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جُز سے کم نہیں ہوگا۔ (مرزا صاحب کے مجموعہ وحی و الہامات کو اُن کے پیر و الکتاب البیّن کے نام سے یاد کرتے ہیں)

مرزا صاحب کے الہامات

وحی سے کہیں زیادہ الہامات تھے جو مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کے ثبوت میں پیش کیے۔ الہامات کی اقسام اور الہامات پانے والوں کی کیفیات کے متعلق "ازالہ اوہام" میں لکھا ہے :-

"الہامِ رحمانی بھی ہوتا ہے شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے انکشاف کے لیے بطور استعارہ و استخارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اُس کے دل میں یہ تفتاب فحشی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اُس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف بکا لیا جاتا ہے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو انہیں آجائے الہام ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اضعافِ احلام ہی ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں انہیں سُنانی دیتی ہیں وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں، اُن کو آوازیں آتی ہوں گی۔ مگر ہم ہر آواز کو خدا سے تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک اُس کے ساتھ وہ انوار و برکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔۔۔ جب تک اندرونی نجاست اور گندگی دور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اُس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جائے جو دُنیا ایک مرے ہوئے کپڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آنے لگے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر فعل اور قول میں مقصود ہو۔ اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان اپنے اللہ کی آواز سُنتا ہے۔"

(مرزا غلام احمد قادیانی کا ارشاد مندرجہ اخبار الحکم "۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

اور حقیقتہ الوحی میں لکھا ہے :-

"آسمانی نشانوں سے جتنہ لینے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اول وہ جو کوئی ہنر اپنے اندر نہیں رکھتے اور کوئی تعلق خدا تعالیٰ سے ان کا نہیں ہوتا۔ صرف دماغی مناسبت کی وجہ سے اُن کو بعض سچی خواہیں آجاتی ہیں اور سچے کشف ظاہر ہوتے ہیں۔

"پھر دوسرے قسم کے خواب بین یا معلم وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ سے کسی قدر تعلق ہے مگر کامل تعلق نہیں۔ پھر تیسری قسم کے سلیم و خواب بین وہ لوگ ہیں جو شہواتِ نفسانیہ کا چال آتش محبت الہیہ میں جلا دیتے ہیں اور خدا سے تعالیٰ کے لیے طہنی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے درجے میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے

نہیں بلکہ شکم مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔

مرزا صاحب کے الہامات اور عرفان الہی کے نمونے

اب یہاں مرزا صاحب کے چند الہامات پیش گوئیاں، روایا اور کشف بیان کیے جاتے ہیں:-
مرزا صاحب نے اپنی کتاب تو فیض مرام میں اُس ذات پاک کے ایسے جو کس کس کی مثلہ شئی ہے، تہذیب سے اور اُس کی تمثیل پیش کی ہے۔ دافع البلاء میں اپنا ایک کشف بیان کرتے ہیں۔ بایعنی دیکھو (میرے رب نے میرے ساتھ بیعت کی)

آپ کا ایک الہام ہے:- "يَا مُشْمُسُ يَا قَمَرُ أَنْتَ مَتْنِي وَأَنَا صَدِّكَ" (اے سورج، اے چاند، تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں)

ایک دوسرا الہام ہے:- "أَنْتَ مَتْنِي بِمَنْزِلَةِ وَلَدِي" (تو میرے لیے بیٹے کی طرح ہے)
ایک اور الہام ہے:- "إِنِّي مَعَ الرَّسُولِ أَجِيبُ أَخْطَى وَأُصِيبُ" (میں رسول کے ساتھ ہوں جواب دیتا ہوں خطا بھی کرتا ہوں اور صواب بھی)

"حقیقۃ الوحی میں اس منج کے اور الہام بھی درج ہیں:-

۱- يَتِمُّ اسْمُكَ وَلَا يَتِمُّ اسْمِي
۲- إِنَّمَا امْرُؤٌ إِذَا ارْتَدَّتْ شَيْئَانِ يَقُولُ
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ -

۳- أَنْتَ مِنْ مَاءٍ نَارٍ وَهَمٌّ مِنْ فَشَلٍ
۴- الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِي

اس میں عربی دانی کا کمال بھی اظہر من الشمس ہے مگر مرزا صاحب کے ماننے والے تو یہی کہیں گے کہ یہ مرزا صاحب کی غلطیاں نہیں بلکہ اُن کے علم کی غلطیاں ہیں جس کی یہ زبان ہے کیونکہ اُخْطَى وَأُصِيبُ یعنی خطا بھی کرتا ہوں اور صواب بھی تو علم پہلے فرما ہی چکے ہیں۔

۵- اسْمِعْ وَلَدِي
۶- يَحْمَدُكَ اللَّهُ مِنْ عَرْشِهِ وَيَمْشِي إِلَيْكَ

۷- اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا میں ہی ظاہر ہو گیا یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہے۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس)
۸- إِنَّا بَشَّرْنَاكَ بِعِلْمٍ مِثْلِهِ الْحَقِّ وَالْعَلِيِّ
كَانَ اللَّهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ -

(استفتاء مصنف مرزا غلام احمد دینی)

حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح

طرحی ہوئی کہ آپ محبت میں اور اللہ تعالیٰ نے دہشت کی قوت کا انکار فرمایا
رنگین نمبر ۳۳ احمدی قادیانی صنف قادیانی

مذاہب غلطی فرماتے ہیں۔

مریم کی صلیبی کی زوجہ میں نوح کی گئی اور استقامت کے رنگ میں مجھے حاملہ ہوا گیا۔ اور
انہی میں سے بعد دوں میں سے نہ وہ نہیں، بذریعہ اس امام کے مجھے مریم سے صلیبی بنایا گیا۔
پس اس صوفیہ میں ابن مریم علیہ السلام

اکشنی کون ہے؟ مذہب مذاہب قادیانی

آئیے کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا مین ہوں اور یقین کرنا کہ میں واقعی اللہ
ہوں اور پھر میں نے آسمان بنایا اور زمین بنائی

۱۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا اور سونا ہوں۔ (البشری جلد دوم)

۲۔ خدا نے فرمایا میں بھی روزہ رکھوں گا اور اعتدال بھی کروں گا۔ (تبلیغ رسالت جلد دوم)

۳۔ (امام بوا، خدا قادیان میں نزل ہوگا۔ (البشری جلد اول)

۴۔ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (رفع الجلاء)

۵۔ امام بوا، تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی

ودین الحق لیظهر علی الدین کذلک اعجاز احمدی

۶۔ اربعین نمبر ۴ میں بابو الہی بخش کے متعلق یہ امام درج ہے۔

بابو الہی بخش چاہتا ہے کہ یہ احمض دیکھے یا کسی پیدی اور ناپاکی پر اخلع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے

انعامات دکھائے گا جو تواتر ہوں گے تجھ میں وہ حقیقت نہیں بلکہ وہ تجھ ہو گیا۔ ایسا بچہ جو بمنزلہ اطفال اللہ

کے ہے۔

۷۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک جمل میں ہوں اور میرے ارد گرد ہمت سے درندے، بندر اور ستور وغیرہ ہیں اور اس سے

استدلال یہ کیا کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں۔

وہجہ القادیانی اخبار پینٹ ام صلیح۔ لاہور۔ اپریل ۱۹۳۷ء

۸۔ مرزا صاحب نے اپنا ایک رویا بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک بی بی ہے اور گویا ایک کوتر ہمارے پاس ہے۔ وہ اس پر

ملا کرتی ہے بار بار مٹانے سے باز نہیں آتی تو میں نے اس کی ناک کاٹ دی ہے اور خون بہا ہے پھر بھی باز نہیں آتی

تو میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اس کا منہ زمین پر گرنا شروع کیا۔ بار بار رڑتا تھا۔ پھر جی سہاٹا قی قی تو آخر میں نے

کہا کہ آؤ اسے پھانسی دیں۔ (مکاشحات نوکنہ بالوطنہ الہی قادیانی)

۹۔ رویا میں دیکھا ہم ایک جگہ جا رہے ہیں۔ ایک باغی دیکھا اس سے بھاگے اور ایک کوچہ میں چلے گئے۔ لوگ بھی بھاگے

جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ باغی کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی اور کوچہ میں چلا گیا ہے، ہمارے نزدیک نہیں آیا۔

پھر نظارہ بدل گیا۔ گویا گھر بیٹھے ہیں۔ قوم پرہیز نے دونوں نکاتے ہیں جو ولایت سے آئے ہیں۔ پھر میں کہتا ہوں یہ بھی

نامرد ہی نکلا۔ اس کے بعد الہام ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُوْا نِقَامٍ (تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات مرزا غلام احمد قادیانی ص ۳۴)۔
۱۰۔ مرزا صاحب کو دوسری شادی کے لیے اخراجات کی ضرورت ہوئی۔ الہام ہوا۔

”ہرچہ باید نو عروسی را ہمہ سال کنم
وانچہ در کار شما باشد عطاے آں کنم“
چنانچہ ایک جگہ سے پانچ صد اور دوسری جگہ سے تین صد روپے قرض مل گئے۔ (حقیقۃ الوحی)

۱۱۔ مرزا صاحب نے مواہب الرحمن میں مولوی کرم دین سکنہ ضلع جلم کو لیم اور کذاب لکھا تھا حقیقۃ الوحی میں اس کی نسبت لکھتے ہیں:-

”مولوی کرم دین کے مقدمے میں جو گورداپور میں ہوئے۔ کرم دین لیم اور کذاب کے معنی سنگین بیان کرتا تھا اور ہم خفیف۔ اُن دنوں الہام ہوا۔ معنی دیگر نہ پسندیم ما

۱۲۔ روایہ دیکھا کہ گویا ملک معظمہ قیسرۂ ہند سلما اللہ تعالیٰ ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں۔۔۔ اور دو روز قیام فرمایا ہے۔
(مکاشفات) مؤلفہ بابو منظور الہی قادیانی

۱۳۔ تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات میں آپ کا روایہ درج ہے کہ میں نے دیکھا کہ زار روس کا سونامیر سے ہاتھ میں آگیا ہے۔۔۔ غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے یا سونٹا۔۔۔ اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا، اُس کی تیرکمان میر سے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا میر سے پاس کھڑا ہے اور اس تیرکمان سے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔

(پروفیسر محمد الیاس برنی اپنی کتاب قادیانی مذہب میں روایہ درج کر کے لکھتے ہیں کہ یہ تاریخ مرزا صاحب کی کشفی ہے ورنہ تاریخی لحاظ سے شیخ بوعلی سینا ۴۲۵ھ میں انتقال فرما چکے تھے اور خوارزم شاہی حکومت کے ساتوں کے ساتوں سلطان کی حکمرانی کی کل مدت ۴۹۰ھ سے ۶۲۸ھ تک ہے یعنی بوعلی سینا خوارزم شاہی دور سے ۶۲ سال قبل ہی اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔)

مرزا صاحب کی پیش گوئیاں

مرزا صاحب کے بہت سے الہامات پیش گوئیوں کی شکل میں ہیں جنہیں وہ اپنی صداقت کا معیار اور نشان قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض پیش گوئیاں مرزا صاحب کی تاویلات اور اصل واقعات کے ساتھ بالکم و کاست درج کی جاتی ہیں:-

۱۔ بذریعہ الہام الہی معلوم ہوا کہ میان منظور محمد کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے یہ نام بذریعہ الہام الہی معلوم ہوئے: بشیر الدولہ، عالم کباب، شادی خان، کلمۃ اللہ خان (البشری جلد دوم)

نوٹ: بجانب مؤلف البشری۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیش گوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہوگی۔

گو حضرت اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعے سے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہیں اس لیے

اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہر صورت یہ پیش گوئی تشابہات میں سے ہے۔ (البشری جلد دوم۔ مجموعہ

الہامات مرزا صاحب مؤلفہ بابو منظور الہی قادیانی لاہوری)

اس کے متعلق مرزا صاحب نے خود حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ اس لڑکے کا نام بشیر الدولہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے

ہماری ترقی سلسلہ کے لیے بشارت ہونا تھا اور عالم کباب اس وجہ سے کہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دنیا میں آئیں گی۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا قیامت خیز زلزلہ کا پیش خیمہ تھا۔ مگر میں نے دعا کی اور اس زلزلہ میں تاخیر ڈال دی گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء کو لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جو بشارت ہے کہ زلزلہ میں تاخیر ڈال دی ہے۔

۲۔ اپنی تفسیر اعجاز المسیح کی نسبت مرزا صاحب نے الہام شائع کیا۔

مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَزَّ فَسُوفَ يَرَى اِنَّهُ تَنَزَّ مَوْجِدًا وَكَدَّ مَرَّ رَجُوعًا اِسْ كَا جَوَابٍ لِّكُفْرٍ پَر آمادہ ہو گا وہ شرمندہ ہو گا اور ہلاک ہو گا

لیکن جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی کتاب سیفِ چشتیائی میں اس تفسیر پر ایک سو سے زیادہ اعتراضات نظر سے گزرے تو ایک شخص شہاب الدین نامی کے خط کا حوالہ دے کر لکھ دیا کہ یہ اعتراضات مولوی محمد حسین فیضی مدرس انجمن نعمانیہ لاہور نے قلم بند کیے تھے جو بڑی ہوت مر گیا۔ اور میری الہامی پیش گوئی پوری ہوئی۔

مگر مقدمہ فضل الدین بنام کرم الدین میں مرزا صاحب نے بطور گواہ جو حلفی بیان دیا یہ تھا:-

”الہام اتی مہین من اراد اہانتک (جو تیری اہانت کرے گا میں اُس کی اہانت کروں گا) کئی سال پہلے مجھ کو ہوا تھا یعنی مقدمات سے کئی سال پہلے۔ یہ پیش گوئی من قَامَ لِلْجَوَابِ تَنَزَّ فَسُوفَ يَرَى اِنَّهُ تَنَزَّ مَوْجِدًا کی نسبت نہیں ہے۔

سوال۔ یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوتے کہ نہیں یعنی متعلق مولوی محمد حسین فیضی اور پیر مہر علی شاہ؟
جواب۔ پہلے میں نے قبل سراج الاخبار شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔“

۳۔ جب مرزا صاحب کا لڑکا مبارک احمد فوت ہوا تو ساتھ ہی خدا نے تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔ اِنَّا بَشَرَكْ بَغْلَامٍ حَلِيمٍ يَنْزِلُ مَنْزِلَ الْمُبَارَكِ یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہو گا (اشہار مرزا صاحب ۵۔ نومبر ۱۹۰۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۵ ہم) لیکن اس کے بعد مرزا صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۴۔ ایک عمر رسیدہ عیسائی مناظر عبداللہ آتھم کے ساتھ مرزا صاحب نے مناظرہ کیا تھا۔ بعد مناظرہ ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کو آپ نے اپنا ایک الہام شائع کر کے اعلان کیا کہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر بسرائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا بشرطیکہ اُس نے اسلام قبول نہ کر لیا اور لکھا کہ اگر یہ پیشین گوئی ٹھوٹی نکلی تو میں ہر ایک سزا کے لیے تیار ہوں۔

”مجھ کو ذلیل کیا جائے۔ رُوسیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رستہ ڈال دیا جائے مجھ کو پھانسی دی جائے“

لیکن وہ ضعیف آدمی پیش گوئی کی مدت الانتقام یعنی ۵۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کے بعد بھی کئی سال تک زندہ رہا۔ اس لیے ابتداً مرزا صاحب نے یہ پوزیشن اختیار کی کہ وہ دل میں مسلمان ہو گیا ہے۔ مگر جب اُس نے امرتسر وغیرہ میں جلسے کر کے اپنے دل میں مسلمان ہونے کی تردید کی تو مرزا صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ پیش گوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہاویہ سے مراد ذلت تھی جو اُسے کفر میں مبتلا ہونے کے باعث نصیب ہو رہی ہے۔

۵۔ مرزا صاحب نے ۱۸۸۶ء میں اپنے مانوں زاد بھائی مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کے ساتھ اپنے نکاح کی خواستگاری کی تھی۔ اُن کی عمر اُس وقت ۲۶ برس کی تھی۔ اور وہ لڑکی مشکل ۱۲ سال کی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں اُنہوں نے اپنا اسم

شائع فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے زَوْجُنَا كَهَاتَيْنِ سے تیری زوجہ بنا دیا ہے۔ بارگاہِ بیہ ہو کر بہر حال تیری فحیت میں آئے گی۔ اگر کہیں اور اس کا نکاح کیا گیا تو اس کا خاوند اڑھائی سال اور والدین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ محمدی بیگم کے والد تو اس میعاد کے اندر فوت ہو گئے مگر وہ خود اور اس کا خاوند مرزا سلطان محمد خود مرزا صاحب کے بعد بھی بہت عرصہ تک زندہ رہے۔ مرزا صاحب اس پیش گوئی کے سلسلہ میں اس قدر آگے چلے گئے تھے کہ کوئی واپسی کا دروازہ یا راہ گریز نہ رہا تھا۔ اپنی کتاب انجام آختم ۱۸۹۷ء میں لکھتے ہیں :-

”میں اس پیش گوئی کو اپنے صدق اور کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ اور میں نے اس وقت تک یہ بات نہیں کہی جب تک مجھ کو اپنے رب کی طرف سے اس بات کی اطلاع نہیں دی گئی۔۔۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی والا و احمد بیگ کی موت تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔“

مرزا صاحب نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اس نکاح کی پیش گوئی حدیث شریف سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس پیش گوئی کی تصدیق کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے پیش گوئی فرمائی تھی کہ یتزوج ویولد لہ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں۔ کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں۔ بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا۔ اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔“

(مرزا صاحب کا اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۸ء)

مرزا صاحب البتہ یہ بھول گئے کہ تزوج اور اولاد کے اس حدیث شریف میں ذکر کا خاص مقصود یہ تھا کہ حضرت مسیح ابن مریم نے رفیع آسمانی سے قبل نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیاہ کریں گے اور آپ کی اولاد بھی ہوگی۔

حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کے انتقال کے بعد ریلوے آف ریملیز ماہ جون۔ جولائی ۱۹۰۸ء میں اس پیش گوئی کی یہ تاویل کی کہ مرزا صاحب کی اولاد میں سے کوئی شخص محمدی بیگم کی اولاد میں سے کسی لڑکی سے نکاح کرے گا۔

۶۔ مرزا صاحب نے البرہیہ میں اپنی پیدائش ۱۲۳۹ھ یا ۱۲۴۰ھ کی تحریر کی ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۱ء کو گورداسپور کی عدالت میں حلفی بیان دیتے ہوئے بھی اپنی عمر ساٹھ سال کے قریب بتلائی۔ اور آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۱ء کو فوت ہوئے۔ اس طرح آپ کی عمر ۶۸ یا ۶۹ برس ہوئی۔ لیکن مواہب الرحمن ”تذکرہ“ اربعین نمبر ۴ اور ضمیمہ کوٹرویہ میں آپ کے اہامات کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

”تیر ہی عمر اتنی برس ہوگی یا اس کے قریب یا چند برس زیادہ۔ اور تو اس قدر عمر پائے گا کہ ایک

دور کی نسل کو دیکھ لے گا۔“

مرزا صاحب کے ایک سابق ارادت مند ڈاکٹر عبدالحکیم اس سٹنٹ سرجن ٹیالہ نے جو ۲۰ برس بعد مخالفت محاذ میں

چلے گئے تھے یہ پیش گوئی شہر کی کہ :-

مجھے ۱۳ جولائی ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا ہے کہ مرزا مسرٹ، کذاب اور حیار ہے۔ صادق کے سامنے شہر
فنا ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتلائی گئی ہے۔
اور پھر جولائی ۱۹۰۶ء میں اپنا ایک اور الہام شائع کیا کہ

"اللہ نے مرزا کی شونیوں اور زانیوں کی سزا میں ۲۰ سالہ میعادیں سے جو ۱۱ جولائی ۱۹۰۶ء کو پوری ہوئی
تھی دس مہینے اور گیارہ دن اور کم کر دیئے ہیں۔ اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۶ء کو الہام فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ
ماہ تک بسزائے موت پاویں میں گرایا جائے گا۔"

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے اشتہارات بعنوان خدا سے کلامی ہو مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء اور بعنوان تبصرہ
مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۶ء میں اپنے مندرجہ ذیل دو الہامات یکے بعد دیگرے شائع کیے:-

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔
ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے سے پر توڑنے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ
جانا۔ رَبِّ فَسِّرْ بَيْنَ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ اَنْتَ سَرِّ كُلِّ مُضِلٍّ وَصَادِقٍ۔ یعنی اے میرے خدا
صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلاؤ جو جانتا ہے کہ صادق اور مُضِلُّ کون ہے۔ اور

"اپنے دشمن سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواحت مذہ کرے گا اور تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا یعنی دشمن
جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۶ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی دوسرے دشمن جو
پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کر دوں گا۔"

بہر حال مرزا صاحب ان چودہ مہینوں کے اندر ہی فوت ہو گئے اور ڈاکٹر عبدالحکیم ان کے بعد برسوں بقید حیات
اور خوش و خرم رہے۔

۷۔ اسی طرح مرزا صاحب نے مولوی شہداء اللہ امرتسری کے خلاف بھی ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو اشتہار دے کر اللہ تعالیٰ کی جناب
میں ایک مضطرب دعا شائع کی تھی کہ اگر میں مُفسد و کذاب ہوں تو مولوی شہداء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور اگر
مولوی شہداء اللہ ان تہمتوں میں جو وہ مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری
زندگی میں ان کو نابود کر۔۔۔ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بد زبانی حد
سے گزر گئی ہے۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں جن کا دُؤد دنیا کے لیے سخت خطرناک ہوتا
ہے وغیرہ وغیرہ

مرزا صاحب نے بحوالہ اخبار بدرد مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۶ء اپنی اس دعا کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ شہداء اللہ کے متعلق جو کچھ
لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔
پھر اس دعا کا نتیجہ تمام دنیا پر روشن ہے کہ مولوی شہداء اللہ ۱۵ مارچ ۱۹۰۶ء کو پاکستان میں آکر فوت ہوئے اور عمر بھر
قادیانیت کے خلاف تحریری اور اُفتیری جہاد میں مصروف رہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے جا بجا استجاب دعا کو اپنے لیے
بطور نشان پیش کیا اور حقیقت الٰہی میں لکھا کہ مقبول کی اکثر دعائیں منظور ہوتی ہیں، بلکہ بڑا معجزہ ان کا استجاب دعا ہی ہے۔
اور یہ شعر ان کا اسی ضمن میں ہے۔

زِآهِ زُمْرَةِ ابدالِ بابتِ ترسید علی الخصوص اگر آمیزد باشد

اگرچہ ان سب پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کی جماعت کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل موجود ہے مگر بعض پیش گوئیاں ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے پر انہیں اصرار ہے۔ آریہ سماجی لیکچر ام کی ہلاکت کی پیش گوئی مرزا صاحب نے کی تھی کسی غیور مسلمان نے اس ملعون شاتم رسول کو قتل کر دیا۔ پولیس کی تفتیش میں مرزا صاحب پر قتل کی تحریک اور اعانت کا شبہ ہوا۔ اور آپ کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ ممکن ہے ان کا اس میں ہاتھ نہ ہو۔ اور کسی راسخ العقیدہ مسلمان نے ہی غازی علم دین کی طرح دَکَّکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیْوَةً یَا اُولِی الْاَلْبَابِ (اور اے عقل مند و ہمتا رے لیے قصاص میں زندگی ہے) کے فرمان پر عمل کیا ہو۔

کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کے نشان کی صورت میں ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نظر سے نہیں گذرا کہ مرزا صاحب نے اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی۔ ویسے اگر کوئی کی بھی ہوتی تو اُس میں کوئی خصوصیت نہ تھی۔ کیونکہ ان امور کا علم سالہا سال قبل عام نجومی اور ہیت دان بھی علم اور حساب سے حاصل کر لیتے ہیں اور جیتروں میں قبل از وقت شائع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس سے مقصود اُس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت امام مہدیؑ کے زمانہ میں چاند گرہن کا ذکر ہے تو یہ امر سب پر واضح ہے کہ اُس میں رمضان شریف کی پہلی رات کو چاند گرہن کا ذکر ہے جسے لفظ ہلال سے بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا گرہن واقعی نادرات میں سے ہے اور وہ مرزا صاحب کے وقت میں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے زلزلوں اور طاعون کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں اور وہ درست نکلیں لیکن اس قسم کی پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کا اپنا ارشاد ملاحظہ فرمائیے گا:-

”اس در ماندہ انسان (مسیح) کی پیش گوئیاں کیا تھیں صرف یہی کہ زلزلے آئیں گے۔ قحط پڑیں گے لڑائیاں ہوں گی۔ پس اُن دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیش گوئیاں اُس کی خدائی پر دلیل بٹھرائیں۔ اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا۔ کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے، کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے۔ کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ شروع نہیں رہتا۔ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیش گوئی کیوں نام رکھا؟“
(ضمیمہ انجام آتھم۔ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

الہامات کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا فرمان

یہاں پر مٹنا حضرت قبلہ عالم کا وہ بیان بھی درج کیا جاتا ہے جو آپؑ نے اپنی تصنیف ”سیفِ چشتیائی“ میں مرزا صاحب کے الہامات کے متعلق تحریر فرمایا ہے:-

- ۱۔ الہاماتِ کاذبہ۔ جن کے جھوٹے ہونے پر وہ خود ہی شاہد ہیں۔
- ۲۔ الہاماتِ کاذبہ۔ جن کو پورا نہ ہونے پر کاذب قرار دیا گیا۔
- ۳۔ الہاماتِ صیادیہ:- جن کا ابنِ صیاد کے الہام کی طرح اگر سر ہے تو پاؤں نہیں اور اگر پاؤں ہے تو سر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ دُخان کا خیال دل میں رکھ کر ابنِ صیاد سے فرمایا تھا، میں نے اپنے دل میں کوئی چیز چھپا رکھی ہے بتاؤ کہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ دُخ۔ فرمایا: خوار ہو، تو اپنی قدر سے ہرگز تجاوز نہ کرے گا۔

۴۔ الہاماتِ شیطانیہ انسیہ جن کو کسی پڑھے ہوئے آدمی نے اس کے قلب میں ڈال دیا ہے۔

۵۔ الہاماتِ شیطانیہ جلیبیہ، اور

۶۔ الہاماتِ شیطانیہ معنویہ ان کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فتوحاتِ مکئیہ کی عبارت بدیں خلاصہ درج فرمائی ہے کہ شیطان جتنی اور انسی کے درمیان تمیز شیطان معنوی پیدا ہو جاتا ہے کبھی شیطان انسان کے دل میں ایک خاص شخص مضمون ڈال دیتا ہے مثلاً کہ تو مسیح موعود ہے۔ اور کبھی ایک امر عام قاعدہ کے مطابق ڈال کر وجہ فاسدہ اور استدلالات کا سدہ کا دروازہ کھول دیتا ہے جن کو شیطان معنوی کہا جاتا ہے مثلاً یہ استدلال کہ جس پر انور غیبیہ منکشف ہوں۔ وہ بصدائق آیت فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا الْآمِنُ الرَّضِيُّ مِنْ شَرِّ سُوءٍ (اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز اپنے رسول کے جس کو چاہے) نبی و رسول ہے چاہے جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے الہاماتِ صیادیہ کا نام استدراج اور مکر الہی رکھا ہے۔ اور اس منزل میں لغزش سے بچنے کا یہ طریق فرمایا ہے کہ اگر اس منزل کا صاحب سارے تصرفات میں خدا کی جناب سے اطلاع نہ پا سکے تو اتنا اہتمام اُس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنے پیغمبر کی شرع کو جو اُس کے لیے بطور میزان مقرر کی گئی ہے ہرگز نہ چھوڑے تاکہ وہ میزان اُسے مکر الہی سے محفوظ رکھے۔ اور شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن بدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ شبہ واقع ہوا تھا اور اس الہام نے دھوکا دیا تھا کہ تو عیسیٰ بن مریم ہے۔ اور شیطان کے بہکانے کے متعلق حضرت شیخ اکبر کی کتاب فتوحاتِ مکئیہ کی عبارت درج کر کے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو شیطان جتنی بہکانا چاہے تو کبھی ایک مضمون خاص شخص اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مضمون عام پھر وہ شخص طرح طرح کے استنباط اور استدلالات اور تفقہ اور برہان زعمیہ نکالتا ہے جن میں مشاقی کی وجہ سے شیطان بھی اُس کی شاگردی پر نازاں ہوتا ہے مضمون خاص مثلاً تو مسیح موعود ہے قادیانی صاحب سے پہلے بھی کئی ایک لوگوں پر ایسا ہو چکا ہے مگر ان لوگوں کو اپنے مشائخ کی ہدایت اور میزان شرعی کے التزام سے اللہ جل شانہ نے محفوظ فرمایا۔ کَمَا قَالَ مُبْحَاثُهُ وَتَعَالَىٰ، فَيَنْسِفُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ۔

مرزا صاحب اور قرآن و حدیث

قطعی نبی بننے اور صاحبِ وحی و الہام ہونے کے دعوے کے بعد مرزا صاحب نے اپنی توجہ قرآن و حدیث کی طرف بڑھائی تاکہ اُن میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے ضروری رد و بدل کیا جاسکے۔ بقول اُن کے خدا نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے اور مجھے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں جھوٹی اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے۔ (اربعین نمبر ۴) اور

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اُس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔ (تحفہ گوڑویہ)

اُن کے فرزند میاں محمود امجد صاحب اپنے ایک خطبہ میں اس موضوع پر یوں بیان فرماتے ہیں:-

”اب کوئی قرآن نہیں سوائے اُس قرآن کے جو مسیح موعود نے پیش کیا۔ اور کوئی حدیث نہیں سوائے

اُس حدیث کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اُس کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی روشنی میں دکھائی دے۔۔۔ اگر کوئی چاہے کہ آپ سے (یعنی مرزا صاحب سے) علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اُسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر قرآن کو بھی دیکھے گا تو اُس کے لیے یہُدیٰ مَن یَشَاءُ والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یُضِلُّ مَن یَشَاءُ والا قرآن ہوگا۔۔۔ حضرت مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے، حدیث کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پیارے کی ہے جس طرح مداری چاہتا ہے اُس میں سے نکال لیتا ہے اُسی طرح اُن سے جو چاہو نکال لو“ (الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۳۶ء)

مسلمانوں سے اسلام کے ہر اصول پر اختلاف

قرآن و حدیث کے مطالب کو بدل ڈالنے کے اس خود ساختہ اختیار کو مرزا صاحب نے مسلمانوں سے ہر مسئلہ پر اختلاف کھڑا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ وہ نہ صرف اُمتِ محمدیہ کے مذہبی عقائد اور دینی نظریات ہی سے الگ ہوئے بلکہ اُس کی اکثر و بیشتر قومی اقدار اور ملی تقاضوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ اُن کے صاحبزادے مرزا محمود و احمد نے اس کے متعلق اپنے ایک دوسرے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:-

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں اُن سے اختلاف ہے۔“ (الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

اگر وہ تمام مسائل یہاں بیان کیے جائیں جن میں مرزا صاحب نے اُمتِ مسلمہ سے اختلاف کیا تو اُس کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ یہاں اُن میں سے صرف چند ایک بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی مختصر امرزا صاحب کے دلائل کے متعلق تشریح بھی دی جاتی ہے۔

نزولِ ملائکہ

مرزا صاحب نے فرشتوں کو ارواح کو اکب قرار دیا ہے۔ اِیام الصلح میں تحقیق فرمایا کہ فرشتے اگر زمین پر نازل ہوں تو آسمان سے ستارے گر جائیں۔ اس کا استدلال ان آیات سے کرتے ہیں:-

۱۔ وَكَوْنًا مَلَكًا لَّقِضِيَ الْأَمْرُ شَرًّا لَا يُنْظَرُونَ۔ (الانعام ۸)

اگر ہم فرشتہ آتے تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انہیں مُہلت نہ دی جاتی۔

۲۔ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ

مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ السَّمَاءِ

مَلَكَائِرُسُلًا۔ (بنی اسرائیل ۹۵)

کہہ دو اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

حالانکہ ان آیات کا نفسِ مضمون مُطلق نزولِ فرشتگان کے متعلق نہیں ہے بلکہ کفار کے محض اس اعتراض کا جواب ہے کہ

کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا؟ مفصل پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے پہلی آیت کا مضمون یہ ہے :-

وَلَوْ أَرْسَلْنَا عَنْكَ كِتَابًا فِي قُرْطَانٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ
لَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّضِيِّنٌ ۝ وَذَلَّلُوا
لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَسْكًا فَتَغْطِي الْأَمْرُ
ثَوْبًا لَيَنْظُرُونَ ۝ (الانعام - ۸۰)

اور اگر ہم تم پر کوئی کتاب بھیجتے تو ان کے ہاتھ اس پر لگتے تو کہتے کہ یہ سحر ہے۔ اور کہتے ہیں اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انہیں ہمت نہ دی جاتی۔

اسی طرح دوسری آیت مضمون ذیل ہے :-

وَمَا مَنَعَهُ النَّاسُ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَى
إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مُّؤْتَلًّا ۚ قُلْ لَوْ كُنْ
فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّتَمَشُّونَ مِطْمَئِتِينَ لَنَزَّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا مُّؤْتَلًّا ۝ (بنی اسرائیل ۹۴-۹۵)

اور لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی۔ صرف اسی چیز نے روکا ہے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال قرآن کے نفس مضمون سے بہت دور اور غیر صحیح ہے۔ اس کے باوجود "ازالہ اوہام" میں سورہ قدر - ۴

تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝

اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔

کی تفسیر کرتے ہوئے نزول ملائکہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی ڈائری "مندرجہ اخبار الفضل" اپریل ۱۹۲۲ء میں تحریر ہے :-

"میری عمر نو یا دس برس کی تھی۔ میں اور ایک اور طالب علم ہمارے گھر میں کھیل رہے تھے۔ وہیں ایک لماری میں ایک کتاب پڑی تھی۔ وہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ اب جبریل نازل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ میرے آباؤ تو نازل ہوتا ہے۔ ہم میں بحث ہو گئی۔ آخر ہم دونوں مرزا صاحب کے پاس گئے۔ اور اپنا اپنا بیان پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کتاب میں غلط لکھا ہے۔ جس سے تیل اب بھی آتا ہے۔"

"مواہب الرحمن" میں مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

آمد نزد من جبریل علیہ السلام و مرابزید و گردش داد انگشت خود را اشاره کرد حشر اژدہ شمشال نگاہ خواہ داشت

گویا وقت وقت کی بات ہے جس وقت جو دلیل مقصد کے مطابق نظر آئی استعمال کر لی۔ الزام تضاد و تبدیل اعتقاد

کی پردہ نہیں۔

روحِ انسانی

بُروئے قرآن رُوحِ عالمِ امر سے ہے۔ اور عالمِ امر ان موجودات کا نام ہے جو حس اور خیال اور بہت اور مکان سے ماوریٰ ہیں۔ پھر حدیث شریف میں آیا ہے کہ :-

الرُّوحُ أَجْوَدُ جُنُودًا فَتَعَارَفَتْ مِنْهَا الْمُتَنَفِّذَاتُ
مَا تَنَافَرَتْ مِنْهَا اخْتَلَفَتْ۔
اور وحِ حق تعالیٰ کے مجتمع لشکر ہیں۔ اُس عالم میں جن کا باہم پیار تھا وہ یہاں بھی باہم پیار کرتے ہیں۔ اور جن کی باہم مخالفت تھی یہاں بھی مخالفت ہے۔

لیکن مرزا صاحب نے اپنی تقریر جلیب مذاہب لاہور مورخہ ۲۷- دسمبر ۱۸۹۶ء میں انسانی رُوح کے متعلق تحریر کیا ہے :-
”ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں سو یہی بات صحیح ہے کہ رُوح ایک لطیف لوبہ جو اس جرم کے اندر ہی پیدا ہو جاتا ہے جو جرم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتداء سے نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔“

”یوم الدین“

وَسَيُحْيِي رَمَانَ الْمَسِيحِ الْمُؤْعُوذِ يَوْمَ الدِّينِ لَا تَنَّهُ
يَحْيِي فِيهِ الدِّينُ۔
اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے زمانہ کا نام یوم الدین رکھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں دین کو زندہ کیا جائے گا۔

حالانکہ قرآن حکیم میں جا بجا یوم الدین کے معنی روزِ قیامت کے لیے گئے ہیں۔
وَأَنَّ الْفَجَارَ لَكُنْفِي جَحِيمٍ ۖ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ
انہیں اس میں ڈالا جائے گا۔

اور تجھے کیا معلوم انصاف و فیصلہ و جزا کا دن کیا ہے پھر تجھے
کیا خبر کہ جزا کا دن کیا ہے جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ بھی
نہ کر سکے گا۔ اور اُس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔
وَمَا آذَرَكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۚ نَحْنُ مَا آذَرَكَ
مَا يَوْمَ الدِّينِ ۚ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا
وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝ (الافطاس ۱۷ تا ۱۹)

جہادِ بالسیف

مرزا صاحب نے اُس زمانہ میں جب کہ عیسائی حکومتیں خصوصاً انگلستان، فرانس اور روس، اسلامی سلطنتوں کو ترو بالا کر رہی تھیں، جہادِ بالسیف کو تمام مسلمانوں پر حرام قرار دیا اور اہل اسلام، احادیث کے حوالہ سے جس مہدی اور مسیح کے منظر تھے انہیں غوثی مہدی اور غوثی مسیح کہا۔ اس کے بعد مسلمانانِ عالم پر یہودی اور عیسائی حکومتوں کی طرف سے جو کچھ گزرا اور گزر رہا ہے اُسے مد نظر رکھتے ہوئے آج مرزا صاحب کی اپنی جماعت بھی اُن کے مندرجہ ذیل اشعار کو چنداں درخور اعتنا نہیں سمجھتی :-

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نورِ حُجُود کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد

منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقتاد (اعلان مرزا صاحب مندرجہ تسلیم رسالت جلد نہم)

۱۹۲۹ء میں جب غازی علم دین نے راج پال شاتم رسول کو قتل کیا تو مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ قادیان نے اپنی تقریر میں اس فعل کی سخت مذمت کی اور کہا کہ کسی نبی کی توہین کے سلسلہ میں قتل جائز نہیں ہے لیکن دو سال بعد ہی مئی ۱۹۳۱ء میں جب ان کا اپنا ایک مرید قاضی محمد علی نوشہروی، ایک مسلمان حاجی محمد حسین کے قتل کے باعث پھانسی کی سزا پا گیا، کیونکہ مقتول حاجی محمد حسین نے مرزا بشیر الدین کی توہین کرنے والے ایک شخص کی محض ضمانت دی تھی تو مرزا بشیر الدین محمود اور ان کے اخبار "الفضل" نے قاضی محمد علی کے اس فعل یعنی ارتکاب قتل کو ایمانی غیرت قرار دیتے ہوئے اُس کی بہت تعریف کی اور ردِ یا اور مکاشفات کے ذریعہ اُس کی اُخروی بشارات کا ذکر کیا۔

معراجِ جسمانی

مرزا غلام احمد ازالہ ادھامؒ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ معراج (معاذ اللہ) اس سبب کثیف سے نہ تھی بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مولف (یعنی مرزا صاحب) خود صاحبِ تجربہ ہے۔

احترامِ انبیاء

عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کئی طرح کے نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ میں عیسائی مناظرین کے مقابلے میں اُن کے یسوع مسیح کے متعلق بات کر رہا ہوں جو ایک معبودِ باطل اور فرضی شخصیت ہے لیکن جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نبی کے متعلق بات کرتے ہیں تو بھی اندازِ گفتگو کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا چنانچہ اپنی کتاب دافع البلاء میں لکھتے ہیں :-

"یسوع کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یحییٰ نبی کو اُس پر ایک فضیلت تھی کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی یہ نہیں سُنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے اُس کو اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اُس کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اُس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ علیہ السلام کا نام حضور رکھا مگر یسوع کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔"

اور نصیمہ نزول المسیح میں لکھا ہے :-

"اور یسوع تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور اُن کی پیشین گوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض لکھتے ہیں کہ ہم بھی اُن کے جواب دینے سے حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور حضرت عیسیٰ نبی ہیں کیونکہ قرآن نے اُن کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اُن کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلیلیں قائم ہیں۔ ہائے کس کے آگے یہ قائم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشین گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔"

انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں جھوٹی ٹکنا عصمتِ انبیاء اور مقصدِ نبوت کے منافی ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو کوئی پیشین گوئی جھوٹی نہیں نکلی، البتہ مرزا صاحب کو کیا خبر تھی کہ اُن کے بعد اُن کی اُمت کو اسی قبیل کا ماتم کرنا پڑے گا۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا تو ایسی بے سود بات ہرگز تحریر نہ کرتے۔

چونکہ مرزا صاحب اپنی کتابوں میں حضرت یسوع اور اُن کی والدہ علیہما السلام کی شانِ پاک میں بہت سے نازیبا کلمات استعمال

کر چکے تھے۔ اس لیے بدیں احتمال کہ مبادا برطانوی ہند کی عیسائی حکومت اپنی مقدس ہستیوں کی توہین سے ناراض ہو کر مؤاخذہ پر آمادہ نہ ہو جائے، حسب ذیل اعتذار بعنوان "حنور گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں ایک عاجزانہ درخواست" تحریر کر کے پیش کیا۔

میں اس بات کا بھی اقرار ہی ہوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی... اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لغو ذلالت ایسے الفاظ استعمال کیے... تو مجھے ان کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں میں جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تا سرریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔

اس درخواست کی نقل "ضمیمہ تریاق القلوب" میں درج ہے۔

آل نبی کا احترام

مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات اور اشتہارات میں جا بجا اپنے آپ کو آل نبی، وارث رسول اللہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سعی میں آل محمد کے صلبی اور غوثی رشتہ کو جس طرح مقابلہ کم مرتبہ و کم پایہ دیکھنا چاہا ہے اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

تریاق القلوب صفحہ ۹۹ پر آل محمد کے عنوان میں لکھتے ہیں :-

"سو اس قرینہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی دنیوی رشتہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ آل سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرزندوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ بلکہ ہر جگہ آل کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مراد ہے نہ دنیوی رشتہ جو ایک سفلی اور فانی امر ہے جو موت کے ساتھ ہی لا انساب بیدنہم کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ بنی کا نفس کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ آل کے لفظ سے محض اس کی یہ غرض ہے کہ عام دنیا داروں کی طرح ایک سفلی اور فانی رشتہ کا لوگوں کو پیرو بنانا چاہیے۔۔۔۔۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ یہ دنیوی رشتے اسی دنیا تک ختم ہو جاتے ہیں اور قیامت میں انساب نہیں رہیں گے اور اس کا بنی ایک ادنیٰ سے رشتہ پر ہی زور دیتا رہے جو لڑکی کی اولاد ہے۔۔۔۔۔ اس قسم کی آل جو فدک جیسے نام کے باغ اور چند درختوں کے لیے لڑتے پھریں اور مشتعل ہو کر کبھی ابو بکر کو برا کہیں اور کبھی عمر کو۔"

لیکن جہاں مرزا صاحب کی اپنی اہل بیت اور فرزندوں کا سوال آجائے تو یہ اصول کارفرما نہیں رہتا۔ چنانچہ اپنے ایک ایہام میں آیت تطہیر تلاوت فرما کر اپنے گھر والوں کو طاہر اور مطہر بنا سکتے جانے اور اذہاب رحس کی بشارت دیتے ہیں اور جس ملازمہ لڑکی نے آپ کے معصوم بچہ کو اٹھا رکھا تھا اسے شعائر اللہ میں شمار کرنے کی روایت آپ کی جماعت کے مفتی صاحب کی زبانی بطریق ذیل ہے :-

"بدبخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہم مسیح موعود کی روحانی اولاد ہیں اور ہمیں مسیح موعود کی اولاد کی کیا پرواہ ہے اگر وہ مسیح موعود کی روحانی اولاد ہو سکتے ہیں تو کیوں یہ بات مسیح موعود کی جسمانی اولاد کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے دو باتیں جمع ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک خادمہ کو جس نے صاحبزادہ بشیر احمد کو اٹھایا ہوا تھا، کسی شخص نے کوئی کام کرنے کو کہا۔ اُس نے کہا میں ابھی یہ کام نہیں کر سکتی۔ اس پر اُس نے اُس کے مُنہ پر تھپڑ مارا حضرت مسیح موعود کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا میری یہ اولاد شعائر اللہ میں داخل ہے۔ اُس عورت کو جس نے بچہ اٹھایا ہوا تھا جس نے مارا ہے اُس نے شعائر اللہ کی ہتک کی ہے پس جو خدائے تعالیٰ کے نشانات ہوں اُن کی تعظیم کرنی چاہیئے۔"

(تقریر مفتی محمد صادق قادریانی بر موقعہ جلسہ سالانہ ہندرجہ اخبار الفضل)

مورخہ ۸۔ جنوری ۱۹۲۴ء

مرزا صاحب نزول المسیح میں لکھتے ہیں :-

"افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو امام حسینؑ کو اہلبیت کا حق بھی نہیں دیا بلکہ نام تک مذکور نہیں ان سے تو زید ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا قرآن شریف کی نص صریح کے برخلاف ہے جو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ سے سمجھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ رجال میں سے تھے، عورتوں میں سے تو نہیں تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اس آیت نے اُس تعلق کو جو امام حسینؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ پسر و دختر ہونے کے تھا نہایت ہی ناچیز کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ لکھتے وقت آل عمران - ۶۱ آیت مبالغہ میں :-

قُلْ تَعَالَوْا اِنْدَعِبْنَا نَاوْا اَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَكُمْ وَنِسَاءَكُمْ
وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لِّلْعَنَتِ
اللّٰهِ عَلٰی الْكَذٰبِيْنَ ۝

تو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں پھر سب التجا کریں اور اللہ کی لعنت اُن پر جو جھوٹے ہوں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی۔ ہم اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی (جنت میں) ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں سے بھی کچھ کم نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔

اَبْنَاءَنَا کا مصداق، سورہ طور ۲۱ میں :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَلْنَاهُمْ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْهُ
اٰمِرٍۭ يَّبْعَا كَيْتَب رَّهِيْنٌ ۝

ذُرِّيَّتَهُمْ کا مفہوم، اور سورہ شوریٰ ۲۳ میں :-

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى
کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے۔

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے معانی اور جن صحیح حدیثوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؑ کو اپنا بیٹا کہا ہے مرزا صاحب کے ذہن میں نہیں تھے ورنہ ایسی زبان و رازی نہ کرتے۔

دو تہیں "مجموعہ کلام مرزا صاحب میں تحریر ہے :-

"اے قوم شیعہ! اس پر اصرار مت کرو کہ حسینؑ تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک شخص ہے (یعنی مرزا صاحب) کہ اس حسینؑ سے بڑھ کر ہے۔"

کر بلائیت سیر ہر آم صد حسینؑ است در گریبانم

مرزا صاحب کے صاحبزادہ نے خطبہ جمعہ میں اس شعر کی تشریح میں یہ الفاظ کہے :-

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :-

کر بلائیت سیر ہر آم صد حسینؑ است در گریبانم

یعنی میرے گریبان میں سو حسینؑ ہیں۔ لوگ اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا، میں سو حسینؑ کے برابر ہوں لیکن میں کہتا ہوں، اس سے بڑھ کر اس کا مفہوم یہ ہے کہ سو حسینؑ کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے۔"

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل قادیان ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

مرزا صاحب نے اعجاز احمدیؒ میں جو ایک طویل عربی قصیدہ پر مشتمل ہے شیعہ مجتہد علامہ حارثی کی کتاب کا جواب دیتے ہوئے شاید صرف شیعہ صاحبان کا دل دکھانے کی نیت سے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شان میں بہت زبان درازی کی ہے۔ اور اس امر کا مطلق خیال نہیں کیا کہ یہ صرف شیعہ حضرات کی ہی نہیں بلکہ درحقیقت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی علامی کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کی دل آزاری ہے۔ بادل ناخواستہ چند اشعار بطور نمونہ تحریر کیے جاتے ہیں :-

۱۔ وَشَتَّانَ مَا بَيْنِي وَبَيْنَ مُحْسِنِيكُمْ فَيَايَ اَعْيَدْ كُلَّ اِنْ وَالْصَّرْ

(اور میرے اور تمہارے حسین کے درمیان بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر آن خدا کی تائید اور نصرت حاصل ہو رہی ہے)

۲۔ وَ اِنِّي بِفَضْلِ اللَّهِ فِي حَجَرٍ خَالِقِي اُرْبِي وَ اَعْصَمُ مِنْ لِيَامٍ تَسْمَدُ

(اور میں تو اللہ کے فضل سے اپنے خالق کی کنارِ عاطفت میں ہوں جو دشمن نسیم سے میری حفاظت فرماتا ہے)

۳۔ وَ اَمَّا حُسَيْنٌ فَاذْكُرُوا دَشْتَكُ رَبِّكَ اِلَى هَذِهِ الْاَيَّامِ تَبْكُونَ فَالْظُّرُفُ

(اور رہا حسین تو ذرا دشتِ کربلا کا واقعہ یاد کر لو جس پر آج تک آنسو بہا رہے ہیں پس خود ہی سوچو کتنا فرق ہے)

۴۔ طَلَبْتُمْ فَلَا حَاقِمَ قَتِيلٍ بِحَبِيبَةٍ فَحَيِّبْتُكُمْ رَبُّ غَيُورٌ مُبَرِّعٌ

(تم نے اُس کشتہ نامردی سے (معاذ اللہ) فلاح طلب کی پس ہلاک کرنے والے رب غیور نے تمہیں خراب غاصر کر ڈالا)

۵۔ فَيَايَ قَتِيلِ الْحَيِّ لَا يَكُنْ مُحْسِنُكُمْ قَتِيلُ الْعَدَا قَالِقَرُفِي اَجَلِي وَ اَظْهَرُ

(اور میں تو خدا کے تعالیٰ کی محبت کا کشتہ ہوں، لیکن تمہارا حسین کشتہ اعدا رہے پس فرق ظاہر ہے)

اس کتاب کے اردو دیباچہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ الفاظ میرے نہیں میرا ایمان ہے کہ کوئی شخص حضرت مسیحؑ

اور امام حسینؑ پر جیسے پاکبازوں کی شان میں بے ادبی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا لیکن مبارک ہے وہ جو اس امر میں

غور کرتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت تھی کہ اُس نے یہ الفاظ میری زبان پر جاری کر دیئے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے متعلق قادیانیوں کی زبان درازی

مرزا صاحب کی برادری کے ایک رکن حکیم محمد حسین قادیانی اپنی کتاب المہدی میں۔ اور ڈاکٹر شاہ نواز خان قادیانی ریویو آف ریلیجز مئی ۱۹۲۰ء میں اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں:-

”مجھے اہل بیت مسیح موعود علیہ السلام سے خاص محبت اور عاشقانہ تعلق تھا۔ مجھے اس وقت بھی تمام خاندان مسیح موعود کے ساتھ دلی اداوت ہے اور میں ان سب کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ میرے ایک مُحب تھے جو اس وقت مولوی فاضل بھی ہیں اور اہل بیت مسیح موعود کے خاص رکن رکین بھی ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک دفعہ فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اتنی پیش گوئیاں نہیں جتنی کہ مسیح موعود کی ہیں۔ پھر انہوں نے اور بھی ایک ایسا ہی دُکھ دینے والا فقرہ بولا کہ ابوبکر و عمرؓ کیا تھے۔ وہ تو حضرت غلام احمد کی جوتیوں کے تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہ تھے۔ ان فقروں نے مجھے ایسا دُکھ دیا اور ان کے سُنانے سے مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ میری نظریں جو تو قیر اور عزت اہل بیت مسیح موعود میں سے ہونے کی ان کی نسبت تھی وہ سب جاتی رہی۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔۔۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ مجربوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے۔ نبی کریم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور پوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا، ورنہ قابلیت تھی۔“

مرزا صاحب کے اپنے ارشادات دربارہ ائمہ اہل بیت اور صحابہ کرام اس قدر ثقیل ہیں کہ انہیں مصلحتاً یہاں درج نہیں کیا جاتا۔

تمام اُمتِ محمدیہ پر کفر کا فتوے

مرزا صاحب کے بدترین ارتقائے نبوت کی داستان مختصر اُد پر بیان کی جا چکی ہے۔ احادیثِ مقدسہ کے مطابق مسیح موعود کے ظہور کے بعد تمام دنیا کے انسانوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنا تھا جن میں عیسائی، یہودی اور تمام دیگر عقائد رکھنے والے انسان بھی شامل ہوں گے مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو انہوں نے اپنے تمام زمانے والوں کو کافر قرار دے دیا۔ فرمایا:-

”خدا نے تعالیٰ نے میرے اوپر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔“ (ارشاد مرزا صاحب مندرجہ رسالہ الذکر الحکیم نمبر ۴)

جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔“ (الہام مرزا صاحب تبلیغ رسالت جلد نہم)

پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قلعی حرام ہے کہ کئی کئی اور مکتب یا مرقہ دے دیجئے نماز پڑھو بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔“ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴۰ حاشیہ)

اس موضوع پر اُن کے صاحبزادے میاں محمود احمد صاحب کا بیان بھی قابل ملاحظہ ہے۔
 ”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرۃ اسلام سے خارج ہیں۔“ (آئینہ صداقت)
 اُن کے دوسرے صاحبزادے مرزا بشیر احمد کی خامہ فرسائی بھی ملاحظہ ہو۔
 ”ہر ایک شخص جو... محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔“ (ریویو آف ریلیجز نمبر ۳ جلد ۱۴ ص ۱۱)
 ”حضرت (مرزا) صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد) کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔“ (اخبار الفضل، ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء)

قادیانیت کے پس پردہ کار فرما قوتیں

یہ اندازہ لگانا کہ مرزا صاحب کی تحریک کے پس پردہ کون سی اسلام دشمن طاقتیں کار فرما تھیں، مشکل نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز حکومت ہندوستانی مسلمانوں سے بدظن ہو چکی تھی، مگر مرزا صاحب اور اُن کی جماعت پر اُن کی خاص نظر عنایت تھی۔ مرزا صاحب نے دیگر مسلمان زعماء اور علماء کے خلاف مندرجہ ذیل قسم کی درخواستیں اور محضر نامے حکومت کو ارسال کیے جن سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے خاص حاشیہ بردار تھے۔

”چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے نافرمان مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کیے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دار الحرب قرار دیتے ہیں... لہذا یہ نقشہ اس غرض کے لیے تجویز کیا گیا ہے کہ تا اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں... جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں... لیکن ہم گورنمنٹ میں بادب گذارش کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اُس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری حکیم مزاج گورنمنٹ بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔ ایسے لوگوں کے نام معہ پتہ و نشان یہ ہیں۔“

(مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر بعنوان قابل توجہ گورنمنٹ، ”مندرجہ تبلیغ رسالت“ جلد پنجم)

اور جب دیکھا کہ آزادی ملک اور حصول اقتدار کی دوڑ میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، تو اپنی جماعت کے حق میں ہندوؤں کو ہموار کرنے کے لیے اُن کی پستکون اور ریشی ٹینیوں کی تعریف میں لکھنا اور لکچر دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ نومبر ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے مقام پر ایک لکچر میں ہندو پبلک کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

”اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی ریشی اور اوتاریس نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اُترتا تھا... خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اوتار ہامول کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ

”سبے کرشن رو در گوپال: تیری مہا گیتا میں لکھی گئی ہے۔“

برطانیہ کی اطاعت نصف الاسلام

اپنی کتاب شہادت القرآن میں حکومت برطانیہ کی اطاعت کو نصف الاسلام قرار دیتے ہوئے مرزا صاحب تریاق العلویہ میں لکھتے ہیں :-

”میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ ایکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ان کتابوں کو تمام ممالک عرب، مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری یہ کوشش یہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔ اور ہمدی ثونی اور مسیح ثونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو محققوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں۔ ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔“

گویا اسلامی جہاد، دینی عصیت، قومی غیرت، حُب الوطنی اور اخوت اسلامی کی تفسیر مرزا صاحب یہ الفاظ بالابیان فرماتے ہیں۔ اُس زمانہ میں جب مصر انگریزوں کے زیر نگیں آچکا تھا اور بقیہ اسلامی ممالک اس قوم کے دہان آڑ کا شکار ہو رہے تھے۔ اگر کوئی شخص مرزا صاحب کی اس تعلیم کو عیسائی حکومتوں کے لیے عالم اسلام میں کمزوری و انتشار پیدا کر کے اُن کے لیے فساد گار کرنے سے تعبیر کرے تو کیا غلط ہوگا؟ اس چیز کو ایام منتظر کے اسلامی پس منظر سے بھی ملاحظہ فرماتے ہوئے غور فرمائیے کہ کیا ہمدی آخر الزمان کے تشریف لانے کا یہی مقصد تھا جو مرزا صاحب ہمدی و مسیح بن کر پورا کر رہے تھے۔ یعنی تمام اسلامی دُنیا برطانیہ کے زیرِ اقتدار آجائے اور تمام اُسے زمین پر کہیں بھی کوئی اسلامی حکومت قائم نہ رہے؟

قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقعات

رُوحِ اسلامی کے خلاف ایسے ہی بیانات اور عنذیات کی بناء پر ہندوؤں کو ہندوستان میں مسلمانوں کے انفرادی وجود اور علیحدہ قومیت سے انکار کرتے ہوئے، ایک مشترکہ قومیت کا دعویٰ کر کے، انگریز حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے سلسلہ میں قادیانیوں سے جو توقعات وابستہ ہو گئی تھیں، اُن کی ایک جھلک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اخبار بندے ماترم مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر شکر داس مہروٹی، ایس بی ایم بی بی۔ ایس لاہور کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جسے خود قادیانی حضرات نے فخرِ طور پر ایک ٹریکٹ میں شائع کیا تھا۔ اُس کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

”سب سے اہم سوال جو ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔۔۔ ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کیے بیٹھے ہیں، اور وہ دن رات عرب کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو بھی عرب کا نام دے دیں۔“

”اس مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں کو ایک ہی اُمید کی شمع دکھائی دیتی ہے اور وہ احمدیوں کی تحریک ہے جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کرنے لگیں گے۔“

اور آخر میں محبت ہند اور قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلام ازم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔۔۔ ایک مرزائی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ :-

- ۱۔ خُدا سے سب پر لوگوں کی رہبری کے لیے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اُس وقت کا نبی ہوتا ہے۔
- ۲۔ خُدا نے عرب کے لوگوں میں اُن کی اخلاقی گراؤٹ کے زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔

۳۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خُدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس لیے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی راہنمائی کریں۔

”جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہوجانے پر اُس کی شردھ اور عقیدت رام، کرشن، وید اور گیتا سے اٹھ کر قرآن اور عرب کی بھومی میں منتقل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اُس کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے علاوہ بریں جہاں اُس کی خلافت عرب اور ترکستان میں تھی۔ اب وہ خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ، مدینہ اُس کے لیے روایتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں۔

”کوئی بھی احمدی چاہے عرب، ترکستان، ایران یا دُنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو، وہ رُوحانی شکست کے لیے قادیان کی طرف مُنہ کرتا ہے۔ قادیان کی سرزمین اُس کے لیے پنیہ بھومی (سرزمینِ نجات) ہے۔ اُدا اسی میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے۔ ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لیے پریم ہوگا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے۔ مرزا جی بھی ہندوستانی تھے اور جتنے خلیفے اس کی رہبری کر رہے ہیں وہ سب ہندوستانی ہیں۔

”وہ زمانہ دُور نہیں جب کہ احمدی برعلائے کہیں گے کہ صاحب ہم محمدی مسلمان نہیں ہم تو احمدی مسلمان ہیں۔ کوئی ان سے سوال کرے گا، کیا تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو مانتے ہو تو وہ جواب دیں گے ہم حضرت محمد، عیسیٰ، رام، کرشن، سب کو اپنے اپنے وقت کا نبی تصور کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہندو، عیسائی یا محمدی ہو گئے۔

”یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدیہ تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ہی عربی تہذیب اور اسلام کی دشمن ہے۔ خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لیے جو ہر وقت پان اسلامزم یا پان عربی سنگٹھن کے خواب دیکھتے ہیں کتنی ہی مایوس کن ہوگا ایک قوم پرست کے لیے باعثِ مسرت ہے۔“

(مضمون ڈاکٹر شکر داس اخبار ہند سے مارچ ۲۲- اپریل ۱۹۳۲ء)

چنانچہ ہندوؤں اور قادیانیوں میں باہم سلام و پیام کا سلسلہ جاری رہا اور مئی ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو صدر آل انڈیا نیشنل (ہندو) کانگریس کی لاہور میں آمد پر قادیانیوں اور اُن کی والٹیر کور نے شاندار استقبال کیا۔ اور اس سلسلہ میں

علامہ اقبال کے مسلمانوں کو متنبہ کرنے پر نیت نہ ہو اور جناب علامہ کے درمیان اخباری اور کتابی مناظرے بھی ہوئے۔

مرزا صاحب کے عادی کا اُمتِ مسلمہ پر ردِ عمل

مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ وہ ایک ازلی ابدی عالمگیر ملت بنیاد کا رکن ہے جس میں بے شمار انبیائے کرام مبعوث ہوئے اور جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں اُن کے دین میں چار چیزیں مجتہد ہیں۔ کتاب اللہ، حدیث نبوی، اجتہادِ سلف اور اجماعِ اُمت۔ جو بات ان چاروں کے میزان پر حق ثابت ہو اُن کے لیے وہی حق ہے اور جو باطل ہو وہ باطل۔ مرزا صاحب کی نبوت اس میزان پر حق ثابت نہیں ہوتی تھی اس لیے اسے ماننا مسلمان کے لیے ممکن نہیں تھا۔

مسلمان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبوت ایک بہت ہی ارفع و اعلیٰ چیز ہے اور محض چند پیشین گوئیوں کی صداقت میزانِ ایمان نہیں ہو سکتی نبوت کا دعویٰ کر دینا آسان ہے مگر اُس کے معیار پر پورا اُترنا آسان نہیں خصوصاً جب دعویٰ اُس فخرانیہ کے بُروز ہونے کا ہو جس کی تعریف میں خدا خود رطب اللسان ہے اور جس کے زہد و اتقا، ایثار و سخا، عبادات و مجاہدات، اہل خانہ اور عوام الناس کے ساتھ حسن سلوک اور زندگی کے دیگر حسین پہلوؤں کا بیان ۴۱ سو سال سے بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ اُس ذاتِ عالی کے ساتھ مرزا صاحب کی زندگی کا موازنہ کرنا ہی گستاخی ہے۔

اس کے برعکس مرزا صاحب کا فرمان تھا کہ وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور وہ خود خدا کے رسول اور نبی ہیں۔ کتاب اللہ کے ہی معنی درست ہیں جنہیں وہ درست کہیں۔ حدیث نبوی کے جس حصہ کو وہ چاہیں لے لیں اور جسے چاہیں رد کر دیں۔ اجتہادِ سلف و خلف ختم ہے کیونکہ نبی (یعنی وہ خود) آگئے ہیں اور اجماعِ اُمت کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں رہی کیونکہ خدا تعالیٰ اُن سے کلام فرماتا ہے۔ اور انہیں اپنی کتاب کے صحیح مفہوم اور حدیث کے صحیح یا سب اوئی ہونے پر مطلع کرتا ہے۔ اس حقیقت کے وہ خود شاہد ہیں۔ اور جو شخص اُن کی شہادت پر ایمان نہیں رکھتا اور اُن سے بیعت نہیں کرتا وہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا صاحب کے ان فرمانوں کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُمتِ خیر الرسل کا اپنا ایمان، اپنی ہستی اور اپنا وجود بالکل ختم ہو جاتا۔ اُس کے علوم و قوانین، مقدس اقدار، تاریخی شخصیتیں، ثقافت اور اُس کا نظام و معاشرہ سب مٹ جاتے۔ اُس کی عقیدت اور فکر کا مرکز یکسر بدل جاتا۔ جناب ختمی مرتبت تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و قیادت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی۔ قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تاویل، فقہ اور اجماع کا استدلال اور استنباط اُس نہج پر چل نکلتے جو اسلامی روایت اور درایت اور اُمت کے احساس عمومی کے خلاف ہی نہیں بلکہ انسانیت کے احساس عمومی کے بھی برعکس ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُمتِ اسلامیہ اس تحریکِ قادیانیت کی محسن برطانوی حکومت کے سمندرِ نازیخچر بن کے رہ جاتی۔

مرزا صاحب کا دعویٰ اس نوعیت کا تھا کہ اُس کا ساری اُمتِ مسلمہ پر ایک شدید ردِ عمل ہونا لازمی تھا۔ تمام مملائے اسلام اور اہل دانش اُس کی مخالفت میں متفق ہو گئے اور قادیانیت کے مقابلہ میں کیجان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی تصانیف اور مواظف کے ذریعے عامۃ المسلمین کو اس قدر باخبر کر دیا کہ قادیانیت کی تبلیغ اس ملک میں بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سرکارِ برطانیہ کی حفاظت اور سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو اُن کا حشر بھی وہی ہوتا جو اُن سے قبل آنے والے ایسے ہی

مدعیان کا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُن کی جماعت احرار، مولوی شمس اللہ صاحب امرتسری، مولوی ظفر علی خان مدیر اخبار زمیندار، جناب علامہ اقبال اور حضرت قبلہ عالم کے مخلصین مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار "رفیق ہند" لاہور اور مفتاحی سراج الدین مدیر اخبار چودھویں صدی زاد پلنڈی نے خاص طور پر قابل ذکر کام کیا۔ خود حضرت قبلہ عالم کی ذات پاک سے قدرت نے جو کام لیا اُس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

مرزا صاحب کے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ اولاً تو اُن کے کلام میں جس کے نمونے اوپر ہدیہ ناظرین کیے جا چکے ہیں، ابہام اور الجھاؤ اس قدر تھا کہ نہ تو اُس سے وہ خود غمخوار ہو سکے اور نہ اُن کے مخاطب۔ اپنے دعوے نبوت سے پہلے اُنہوں نے اپنی متعدد تحریروں میں اپنی طرح کے مدعیان کی تکذیب کی ہوتی تھی جب وہ خود مدعی بنے تو اپنی پہلی تحریروں کا جو از ڈھونڈنے میں اُنہوں نے ایسی ایسی قلابازیاں کھائیں جنہیں دیکھ کر کوئی صحیح الرائے انسان اُن کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ ثانیاً مرزا صاحب کی اپنی جماعت میں اُن کی زندگی ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اُن کے کئی پیروؤں نے خود پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر دیا اور بعض نے اُن کی نبوت کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مخالفین نے اُن کی زندگی کے ایسے ایسے گھناؤنے پہلو اُجاگر کیے جو اُن کے نبی ہونے کے دعوے کو باطل کرنے کے لیے کافی تھے اُن کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک پوری کتاب چاہیے۔ ریاست حیدر آباد کے پروفیسر محمد الیاس برنی نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" میں مرزا صاحب اور اُن کے پیروؤں کی اپنی تحریروں سے ایسے اقتباسات شائع کیے ہیں جن سے مرزا صاحب کی زندگی کے تمام پہلو روز روشن کی طرح سامنے آ جاتے ہیں اور اُن کی اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے تبصرہ لہذا میں مرزائی کُتب کے حوالہ جات اور اقتباسات کے لیے اسی کتاب کے پانچویں ایڈیشن شائع کردہ عمدۃ المطابع لکھنؤ ۱۳۵۵ھ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قادیانی اور لاہوری پارٹی

افغانستان میں دو قادیانیوں پر حجاز تدار جاری ہونے کے بعد عرصہ دراز تک ان لوگوں کو اسلامی ممالک کا ٹخ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اب بعض یورپین اور افریقی ممالک میں اُن کے مبلغ کام کر رہے ہیں مگر وہاں بھی یہ اپنے آپ کو دین اسلام کا پیرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ظاہر کرتے ہیں۔ خود اپنے وطن میں یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے جن میں سے ایک لاہوری پارٹی کہلاتی ہے اور دوسری قادیانی۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کو مجدد اعظم مانتے ہوئے دینی زبان میں اُن کے ظلی نبی ہونے کا بھی اقرار کرتی ہے مگر مرزا صاحب کے زمانے والوں کو صرف گناہگار قرار دیتی ہے، کافر نہیں کہتی۔ اس کے برعکس قادیانی جماعت مرزا صاحب کو کامل اور مستقل صاحب شریعت و وحی نبی مانتی ہے اور اُن کے نزدیک مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے والا شخص کافر اور خارج از اسلام ہے۔ ان دونوں پارٹیوں میں کثرت سے باہمی قلبی مباحث ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کا ایک چھوٹا سا نمونہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دیا جاتا ہے۔

"حقیقۃ النبوة" میں مرزا صاحب کے فرزند میاں محمود احمد صاحب یوں رقمطراز ہوئے :-

۱۹۰۱ء سے پہلے آپ (مرزا صاحب) نبی کی اور تعریف کرتے تھے اور بعد میں آپ نے جب اللہ تعالیٰ کی متواتر وحی پر غور کیا اور قرآن کریم کو دیکھا تو اُس سے نبی کی تعریف اور معلوم ہوئی۔ بار بار کی وحی نے آپ کی

توجہ کو اس طرف پھیر دیا کہ ۲۳ سال سے جو مجھ کو نبی کہا جا رہا ہے تو یہ محدث کا دوسرا نام نہیں بلکہ اس سے
نبی ہی مراد ہے اور یہ زمانہ تریاق القلوب کے بعد کا زمانہ ہے۔

(حقیقۃ النبوة مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

اس کے جواب میں لاہوری پارٹی کی طرف سے پیغام الصلح میں مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا :-
مگر افسوس ہے جناب میاں صاحب کے اس اعلان کے مطابق حضرت مسیح موعود کی یہ کم علمی اور نادانی
ایسی نادانی کے ذیل میں آتی ہے، جسے توبہ توبہ، نقل کفر، کفر نبی شد، نعوذ باللہ جہل مرکب کہتے ہیں، کہ
بادجو اس بات کے کہ نبی کی تعریف تو نہ جانتے تھے مگر حالت یہ تھی کہ جہاں کسی نے آپ (مرزا صاحب) کی طرف
دعاوی نبوت منسوب کیا اور آپ گئے مدعی نبوت پر لعنتیں کرنے جو شخص ایک بات کو نہیں جانتا اور پھر اس
کے علم پر اس قدر اصرار کرے کہ لعنتوں اور مباحلوں پر اتر آئے تو اس سے بڑھ کر جہل مرکب کا وارث کون ہو
سکتا ہے؟ خود نبی ہیں اور خیر سے پتہ نہیں کہ میں نبی ہوں اور بادجو اس لاعلمی اور جہل مرکب کے مدعی نبوت
پر یاد دوسرے لفظوں میں خود اپنے آپ پر لعنتیں بھیجنے میں ذرا تاثر نہیں کرتے۔ یہ بھونڈی اور قابل شرم
تصویر جو جناب میاں (محمود احمد) صاحب نے حضرت مسیح موعود کی کھینچی ہے۔ کیا اس قابل ہے کہ کسی عقل مند
آدمی کے سامنے پیش کی جاسکے؟

(قادیانی جماعت کی لاہوری پارٹی کا اخبار پیغام صلح ۲۷- اپریل ۱۹۳۷ء)

قادیانی فرقہ والوں نے تو آیہ مِیثَاقِ النَّبِیِّیْنَ کو بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے مرزا صاحب
سے منسوب کیا ہے۔ آیت تفصیل ذیل ہے :-

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ
مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقًا
لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ
وَإِذْ أَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ أَصْرِي مَا قَالُوا شَرَرْنَا
قَالَ فَاشْهَدُوا أَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

(آل عمران - ۸۱)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ اللہ جو کچھ میں تمہیں
کتاب اور علم سے دوں، پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو
اُس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے اللہ
اُس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے قرار
کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے
اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو۔ میں بھی
تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

چنانچہ الفضل قادیان مورخہ ۲۶ - فروری ۱۹۲۷ء میں مندرجہ ذیل نظم درج ہے :-

خدا نے لیا عہد سب انبیاء سے
پھر آئے تمہارا صدق پیغمبر
کہا کیا یہ انتہا کرتے ہو محکم
کہا حق تعالیٰ نے یہ شہاد رہو تم
جو اس عہد کے بعد کوئی پھر نہ گا
کہ جب تم کو دوں میں کتاب اور حکمت
تم ایمان لاؤ، کرو اُس کی نصرت
وہ بولے مقرر ہے ہماری جماعت
یہی میں بھی دیتا رہوں گا شہادت
بنے گا وہ فاسق اٹھائے گا ذلت

لیا تھا جو میثاق سب انبیاء سے وہی عہد حق نے لیا مُصطفیٰ سے
وہ نوح و خلیل و کلیم و مسیح بسبھی سے یہ پیمان محکم لیا تھا
مبارک وہ اُمت کا موعود آیا وہ میثاقِ ملت کا مقصود آیا

کریں اہل اسلام اب عہد پورا

بنے آج ہر ایک عہد اشکور

لاہوری جماعت والے اس ضمن میں قادیانی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”بے شک حضرت مرزا صاحب کی نبوت قرآن کی ایک ایک آیت سے نکالو، خواہ وہ کیسے ہی
بھونڈے اور لچر طریق سے نکالی جائے یا خواہ وہ خود حضرت مرزا صاحب کی تفاسیر سے کتنی ہی مختلف کیوں
نہ ہو یہ قوم خوشی سے بغلیں بجاتی رہے گی۔ نعرہ تحسین و آفرین بلند کرتی رہے گی۔ اُن تمام پیش گوئیوں کو جن کے
مصدق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ بے شک مرزا صاحب پر چسپاں کرتے جائیں، یہ عالی قوم خوشی
سے تالیاں بجاتی اور ناچتی رہے گی۔ لیکن اگر آپ کسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہہ دیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لیے ہے اور حضرت مرزا صاحب اس کے مصداق حقیقی نہیں بلکہ بوجہ اُمتی اور خلیفہ ہونے کے
صرف ظلی یا بروزی رنگ میں اس کے ماتحت آتے ہیں تو ان کے سینے میں یوں لگے گا جیسے تیر لگتا ہے۔
محمد رسول اللہ کی چیزیں چھین چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دی ہوتی ہے آپ اِس
محمد رسول اللہ کو دیں تو یہ بلبل بلبل کر اور چلا چلا کر حشر برپا کر دیں گے۔ مثلاً جب تک مُبَشِّرُ الْاٰكِرِ سُوْلٍ
يٰٓاٰتِيْ مِنْ بَعْدِي اَسْمُهُ اَحْمَدُ کا مصداق حضرت مرزا صاحب کو کہتے رہو بہت خوش رہیں گے
لیکن جہاں اس کا مصداق حقیقی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور تمام محمودی ٹولے سے صدائے داویلا
بلند ہوئی کہ ہائے ہائے حضرت مسیح موعود کی توہین کی گئی“

(لاہوری جماعت کا اخبار پیغامِ مسیح ۳۰ مئی ۱۹۳۷ء)

اعتبار

اس داستانِ عبرت کے پہلے مخاطب تو وہ عالم اور درویش ہیں جو کسی کامل اُستاد یا شیخ کی تربیت اور اپنے مجاہدہ نفس کے
بغیر یا نامِ تربیت اور برائے نام مجاہدہ کے بل بوتہ پر علم و فقر میں دم مارنے لگ جاتے ہیں جس پر اُن کا خام و ناچختہ تحت الشعور
انہیں اُوہام اور خواب و خیال اور وساوس کے ایسے گڑھوں میں لے گرتا ہے جہاں سے نکل آنا الا ماشاء اللہ ناممکن و محال ہو جاتا
ہے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی ضمن میں فرماتے ہیں :-

ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

پیر را بگزین کہ بے پیر ایں سحر

اور اکبر الہ آبادی کا ارشاد ہے :-

ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تمہیں نہ کر

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب بخت بنے تب کام چلے

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے فقر کے کسی سلسلہ سے رشتہ نہیں جوڑا۔ ان کا کوئی روحانی باپ نہیں اور خدا تعالیٰ ہی اُن کا روحانی اُستاد اور مُرشد ہے۔ وہ اس چیز کو حضرت علیہ السلام کے ساتھ مماثلت کا ایک نشان قرار دیتے ہیں اور تحدیثِ نبوت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اس کو خیال میں نہیں لاتے کہ یہی چیز حقیقت اُن کی زندگی کا المیہ بن کر رہ گئی ہے کیونکہ اس عالم اسباب میں سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ آپ گری کا فن حاصل کرنے کے لیے کسی آپس گر اور پیری کے حصول کے لیے کسی کامل پیر کے پاس تربیت کے لیے جانا ہی پڑتا ہے جیسا کہ مولانا روم کا ارشاد اُردو پر درج ہو چکا ہے۔

پیر را بگریں کہ بے پسید این سفر بہت بس پُر آفت و خوف و خطر
سلوک میں ان آفات و خطرات کا سامنا سب سے زیادہ کشف درویش کے مقام میں ہوتا ہے۔ اولیائے کبار کے نزدیک کشف حقائق کو چھتہاں اہمیت نہیں کیونکہ اُن کا مقصود مشاہدہ جمال الہی ہوتا ہے اور ان کی زیادہ توجہ اسی امر پر مرکوز رہتی ہے مگر اس راہ کے کم حوصلہ مسافر نفس اور شیطان کی عیارانہ چالوں سے بہک جاتے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ کشف اُس وقت تک اعتبار کے لائق نہیں جب تک استقامتِ نفس سے پیدا نہ ہو۔ جیسے آئینہ شہ عیاں دُھندلا ہو تو اُس میں صورت بھی ٹیڑھی تر بھی اور دُھندلی نظر آتی ہے۔ اور استقامتِ نفس بغیر مجاہدہ، عالی ظرفی اور شیخِ کامل کی تربیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس سے علمائے راجحین کے قلمذ اور اولیائے کاملین سے ذہنی و روحانی تربیت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ ورنہ اکتسابِ کامل اور مجاہدہٴ نفس کے بغیر خودی و نفسانیت کا نبوت کے دعووں میں مبتلا ہو جانا اور دوسری جانب مجاہدہٴ سیر پرستی کے لیے اثر بہک کر ایسے مدعیان کو فوق البشر گردانتے ہوئے، اُن کی تعلیمات و ترغیبات کی پیروی پر بے دل و جان آمادہ ہو جانا معمولی بات ہے۔ چنانچہ اس آخری دور میں عراق میں باب، ایران میں بہاء اللہ اور ہندوستان میں مرزا غلام احمد جیسے حضرات اسی نوع کے مدعی بن کر اُٹھے اور عوام کے جذبہٴ سیر پرستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک گونہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اُسے سمجھتا ہوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے اور حضرت پیر فضل دین عرف بڑے پیر صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

گر خیمہ داری ز حجتی لایموت بردہاں خود بہر مہر سکوت

تعجب ہے کہ مرزا صاحب قادیانی اپنے ارادت مندوں میں سے مدعیانِ نبوت و امامت کو تو بار بار اُن کی خام خیالیوں پر متنبہ کرتے رہے مگر اپنی ذات کے سلسلہ میں ان خامیوں کی طرف خیال تک نہیں کیا۔ چنانچہ اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں خود اس سلسلہ میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس مشہور کشف کو تحریر کرتے ہیں جس کا ذکر اسی کتاب کے بابِ اقل میں آچکا ہے۔ آنجناب ایک شکل میں ات کئے وقتِ یاد الہی میں مشغول تھے کہ شیطان نے اچانک چُنڈھیا دینے والی روشنی میں سے آواز دے کر کہا کہ اے عبد القادر! میں تیرا رب، تجھ سے راضی ہوں اور تجھے عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ پڑھا اور منہ رمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مگر بھر عبادتِ الہی کے مکلف رہے تو عبد القادر کیا چیز ہے جس سے یہ تکلیف اٹھالی جائے۔ شیطان نے سامنے آکر ایک دُور سدا دھوکا دینے کی کوشش میں کہا کہ اے عبد القادر تم اپنے علم کے باعث بچ گئے در نہ کئی اولیاء اللہ یہاں آکر رہ گئے۔ آپ نے فرمایا دُور ہو مردود، میں اپنے علم سے نہیں بلکہ محض تائیدِ الہی سے محفوظ رہا ہوں۔ چنانچہ شیطان نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ آج سے میں تم سے مایوس ہوا ہوں۔

غور کا مقام ہے کہ راہِ سلوک کے ایک نہایت ہی زبردست مگر باریک خطہ میں اللہ کے رسولؐ سے نیاز مندی کا صحیح تعلق کس طرح اشراقِ نوری بن کر بچا رہا ہے۔ مگر مرزا صاحب قادیانی کے بلند بانگ دعادی "منہ محمد و احمد کہ محبتی با شہد" کس طرح اُن کو گرا رہے ہیں اور اَنْتَ هِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ وَاَنْتَ هِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کے الہامات و اعلانات کس طرح اللہ الصَّمَدُ اور لَعْنُ یُؤَلِّدُ لَعْنُی وَاَلْعُیُؤَلِّدُ کی قرآنی تعلیم کو تہ و بالا کر رہے ہیں یعنی قرآن تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ خود کسی کا بیٹا ہے اور نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے۔ مگر مرزا صاحب کے الہامات میں اللہ تعالیٰ اُن کو کہہ رہے ہیں کہ تو میرا بیٹا ہے لیکن اس تضادِ قرآنی کے باوجود مرزا صاحب کو سورۃ اخلاص یاد نہیں آتی اور نہ ہی الاحول زبان پر آتا ہے بلکہ لذتِ انانی سرشار ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ دیکھو میرا رب مجھ سے کیا فرما رہا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کے دعووں اور الہامات پر غور کرنے سے قرآنی تعلیم سے اُن کا تضاد اور خدا پر افترا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت قبلہ عالم نے اپنی کتاب "سیفِ چشتیانی" میں تصریح فرمائی ہے اور جس کا ذکر باب تصانیف کتاب ہذا میں درج ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِيَ الْاَبْصَارِ (اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو)

پانچویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا قادیانیت کے خلاف معرکہ

باطنی ارشادات

قادیانیت کے خلاف حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے مناظرات کی علمی بحث کی وضاحت تو تصانیف کے باب میں آئے گی البتہ اس کے متعلق چند واقعات اور بعض نقل و حیل یہاں بھی عرض کرنا ضروری ہیں۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ سن ۱۲۷۵ھ یعنی ۱۸۵۹ء میں حج کے موقع پر جب آپ نے حجاز مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بنابر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمین ہند میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جس کا سد باب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی ملک کے علماء اس فتنہ کی زد سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ بعد ازاں وطن لوٹنے پر مکاشفات و مشاہدات کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ اُس فتنہ سے مراد، فتنہ قادیانیت تھا کیونکہ حضرت حاجی صاحب کی پیش گوئی کے مطابق اگلے ہی سال یعنی ۱۲۹۱ھ میں مرزا صاحب نے مناظر اسلام، مامور اور مجدد کے دعووں سے آگے قدم بڑھا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور نزول سے انکار کر کے اُن کی موت اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔

”ملفوظات طیبات“ میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ عالم رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرزائے قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی چینی سے گُترا رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلبی تحریر

ایک اور کشف کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ایک خود نوشتہ یادداشت آپ کے قدیم مسودات میں موجود پائی گئی ہے جس کا متعلق حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

”در ایام ارادۂ اجابت دعوت مرزا غلام احمد قادیانی کہ ظاہر بغرض تحقیق حق بذریعہ اشتہارات نمودہ بود، بایں نعمتِ عظمیٰ مشرف شدم در حالتی کہ چشمان خود بند نمودہ بحالتِ بیداری در حجرہ تنہا نشستم بودم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دیدم کہ بر بیتِ قدسہ جلوس فرماستند و بغافلہ چہار بار پشتِ ایں آثم تیز بہاں بہیت بالمقابل مجاہدۃ نامرئیل جلوس فرمید بخجرتِ شیخ حاضر است و غلام احمد بعید تر ازیں مکانِ رُومِ شرق و پشتِ کردہ بجانب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے است۔ بعد ازیں رویت بہ لاہور بعد اجاب رسیدم حسبِ وعدہ ہو کہ وہ خود (مثل لعنة الله على من تخلف وانی) تخلف و رزید و بہ لاہور نیامد“

ترجمہ۔ "جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، مجھے اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا میں اپنے جسم میں بحالتِ بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما رہے اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں بادوب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اُس جگہ سے دُور مشرق کی طرف مُنہ کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رویت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے (مثلاً انکار کرنے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔"

ان کاشفات و مشاہدات کے علاوہ حضرت نے "سیفِ چشتیانی" میں "دجال" کے متعلق اپنے بچپن کا ایک خواب بھی بیان فرمایا ہے جو بدیں مضمون ہے:-

"اس نیازمند نے بوغت سے قبل جب کہ احادیثِ دجال کا نام تک بھی نہ سنا تھا، دجال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اُس کی چھوٹی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ کہو حُسنِ ایک نہیں۔ میں نے سخت غصے سے جواب دیا کہ مردود، خدا ایک ہی ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اُس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر مجھ پر تلوار کا وار کیا مگر اُس کا وار خطا ہو کر تلوار اُس کی میرے سر سے گزرتی ہوئی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح انہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا اور پھر وہی کلمہ اُس نے کہا اور جواب اُس کے میں نے بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اُس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وہ خطا ہو کر، تلوار زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ اُس دفعہ تو قبضہ اُس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ تینوں دفعہ بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اُس کی میرے سر کے اوپر سے گزرتی رہی۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی، خواجہ غلام فرید چاچڑاں اور سر سید احمد خان کی ابتدائی خوش فہمیاں

بہر حال یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر حضرت قبلہ عالمِ قدس سرف نے مسلمان مناظر میں قدم رکھا۔ جب سنہ ۱۸۹۰ء میں آپ حج سے واپس تشریف لائے تو اُس وقت مرزا صاحب کا دعویٰ مجدد اور مأمورِ مَن اللہ ہونے کا تھا۔ وہ گزشتہ دس برس سے عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مباحثات اور اپنی منطقتانہ تصانیف اور اشتہار بازی کی بدولت خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے اور پیری مریدی بھی چل رہی تھی بعض علماء اور مشائخ بھی بے خبری میں ان کی اس مقبولیت کے لیے میدان ہموار کر چکے تھے۔ چنانچہ اہل حدیث کے ایک نامور عالم مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ اشاعت السنۃ کے چھ نمبروں میں "براہین احمدیہ پر ایک طویل تقریر شائع کر کے اس کتاب کو اس صدی کا شاہکار اور مرزا صاحب کو ایک بے نظیر عالمِ دین اور صاحبِ کشف و کرامت ولی اللہ قرار دے چکے تھے۔ اسی طرح سر سید احمد خان بھی ابتداً مرزا صاحب کی تحریروں سے متاثر بیان کیے جاتے تھے۔ گوئی الاخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرزا صاحب کی تصانیف اُسی قسم کی ہیں جیسا ان کا الہام یعنی نہ دین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی (مخطوط سر سید مرتبہ سید اس سعود ۱۸۵۶ء) ادھر چاچڑاں (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخ طریقت اور صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید چشتی بھی ابتداً مرزا صاحب

کے متعلق بہت عجب غلطی رکھتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے قادیانی معرکہ لاہور کے قریب ایک سال بعد ۱۸۴۱ء میں انتقال فرما گئے۔ مرزا صاحب نے انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا کہ برفے الہام الہی میں تبلیغ دین کے کام پر مامور ہو جائیں۔ آپ میری اعانت فرمائیں۔ اس پر خواجہ صاحب نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ آپ کے ملفوظات اشارات فریدی میں مذکور ہے کہ جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا شیخ حمایت دین پر کمر بستہ ہے۔ علماء تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب کی نئی کتابیں خواجہ صاحب کے پاس پہنچیں جن میں ان کے منفرد عقائد اور مسیح موعود اور غلطی اور برداری نبوت کے وعاوی درج تھے تو آپ نے بھی مولوی محمد حسین بنالوی کی طرح علانیہ اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب جو اپنے اخبارات اور اشارات میں پہلے خواجہ صاحب کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے اور ان کے نام کو اپنے موافق پر اپنی گنڈا کا ذریعہ بنایا کرتے تھے۔ اپنی کتاب ”انجامِ اتھم“ مطبوعہ ۱۸۹۶ء میں میاں غلام فرید جیسی چاچراں علاقہ بہاولپور کا نام اپنے مکتبہ میں اور مقررین کی فہرست میں درج کرنے پر اتر آئے۔

شیخ الجامعہ کا بیان

تاہم قادیانی مبلغین عوام کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۹۶ء سے کئی سال بعد تک بھی عوام کے روبرو خواجہ صاحب کے سابقہ مکتوب کی مطبوعہ نقول پیش کر کے کہتے رہے کہ دیکھئے ملک کے اتنے بڑے نامور پیر بھی مرزا صاحب کی تحسیری بیعت میں شامل ہیں چونکہ اس ملک کے لوگ عام طور پر مشائخ طریقت کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا بہت اثر ہوا اور قادیانی جماعت کا یہ حربہ بہت حد تک کامیاب رہا۔ یہاں تک کہ علمائے اسلام کو جا بجا چلے کر کے اس کا تدارک کرنا پڑا۔ جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے کئی سال بعد میری تحریک پر ان کی خانقاہ شریف پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے ملک کے طول و عرض کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے قادیانیت کی تردید میں تفت ریکس جن میں میں بھی شامل تھا۔ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جلسے میں شمولیت کی غرض سے سفر کرتے ہوئے ریلوے اسٹیشن خانپور جکشن پر ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک اظہارِ خوشنودی کے طور پر موجود ہے کہ ہم ان کی ذات پر سے ایک بہتانِ عظیم کے دور کرنے کی مساعی کر کے اچھا اقدام کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت واپسی سفر میں بھی خانپور ریلوے اسٹیشن تک قائم رہی۔

مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا

اہل سنت و اہل ایمان میں قادیانی صاحبان نے اس ملک کے کئی دیگر مشہور مشائخ کی طرف بھی اس قسم کے بیانات منسوب کیے تھے۔ چنانچہ مولوی عبد اللہ غزنوی اور ان کے پیر صاحب کے ساتھ مرزا صاحب نے ایسی پیش گوئیاں منسوب کی ہیں جن میں ان حضرات کا مرزا صاحب کے مبعوث ہونے کے متعلق پیش گوئی کرنا ظاہر کیا ہے۔ جو تحقیق پر سب کی سب فرضی اور غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ اسی قسم کی ایک نود ساختہ داستان ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لاہوری نے اپنی کتاب ”مجددِ اعظم“

جلد دوم میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف بھی منسوب کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت (مرزا صاحب) کے ایک مُريد نے قادیان پہنچ کر بیان کیا کہ پیر صاحب گولڑہ شریف نے قادیان کی طرف مُنہ کر کے اپنی قبا کے بند کھول دیئے۔ اور فرمایا کہ مجھے قادیان کی طرف سے عشقِ الہی کی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے (فلاحول ولاقوۃ اللہ العلیٰ العظیم)

قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا جواب

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ اُن کے پیر و مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروجِ اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں حضرت نے جواب میں لکھوایا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسب سابق غیر مُسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغِ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

مشائخِ طریقت کو پہنچ

مرزا صاحب عوام الناس پر مشائخِ طریقت اور سجادہ نشینوں کے ہمہ گیر اثر سے بخوبی واقف تھے اس لیے اُن کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی درویشِ صفت اور سادہ لوح گدی نشین، اُن کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہو جائے اور اُن کے مشن کو تقویت پہنچے لیکن اس میں اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں تک ایمان و عقائد کا تعلق ہے بزرگانِ دین کی کم علم اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتی ہے۔ اس لیے جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ایامِ صلح میں مرزا صاحب نے مشائخ پر یہ طریقِ ذیل اپنا غبار بکالا:-

”اس وقت زیرِ سقفِ نیلوں بیچ متنفسِ قدرت ندارد کہ لافِ برابری با من زند۔ من آشکارے گویم و ہرگز باک ندارم اے اہالیانِ اسلام، درمیانِ شما جماعتی می باشد کہ گردن بدعوئیِ محدثیت و مفسریت برے فرزند و طائفہ اند کہ از نازشِ ادب پا بر زمین نگذارند و گروہ ہے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زند و خود را چشتی و قادری و نقشبندی و سُہروردی و چہا چہا مے گویند۔ اس جملہ طوائف را نزد من بیارید“

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانِ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اُسے سُلمانو، تم میں بعض لوگ محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض ازراہِ ناز میں پراپوں بھی نہیں رکھتے اور کئی خدا شناسی کا دم مارتے ہیں۔ اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سُہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ۔

شمس الہدایت کا طلوع

جب مرزا صاحب اور اُن کے نئے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہرین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعمیل میں ۱۳۱ھ یعنی ۱۸۹۹ء ماہ شعبان و رمضان المبارک میں اُردو اشغال روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر، ایک رسالہ بعنوان ”شمس الہدایت فی اثبات حیاتِ المسیح“ منشی عبدالجبار کاتب اخبار

چودھویں صدی زوالپنڈی کو قلمبند کر لیا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور ایک کاپی بذریعہ جسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان میں ارسال کر دی گئی۔

اس کتاب میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب مجسمہ غصہ ی زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو مش آں کریم اور صحیح احادیث سے ثابت فرمائے ہوئے اُمت اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ نیز ثابت کیا ہے کہ اُن کی موت اور اُن کے مشیل کے دنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ شمس الہدایت کے آغاز میں آپ نے مرزا صاحب کی آیام الضلع والی تعلی کے مقابلہ میں اُن سے کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی دریافت کیے ہیں۔ اس موضوع کی تفصیل، اس کتاب کے باب تصانیف میں صفحہ ۵۲۵ پر حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔

قادیان میں تسک

”شمس الہدایت“ کے مندرجات، منقولات اور محقولات اور اس کے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خدا داد علمی و عارفانہ شہرت اور عوامی عقیدت ایسی چیزیں نہ تھیں جس سے قادیان میں تسک نہ رچ جاتا۔ مرزا صاحب کے حواریوں نے خود لکھا ہے کہ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک شور مچا ہو گیا۔ خصوصاً کلمہ طیبہ کے معانی کے سوال پر علمائے اسلام بھی دنگ رہ گئے۔ طبقہ علمائے شمس الہدایت کی قدر دانی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اہل حدیث کے پیشوا مولوی عبدالحجبت رغنوی نے اس کے مطالعہ کے بعد حضرت کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

مولوی عبدالحجبت رغنوی کا خط

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مجمع خیرات و برکات، منبع حسنات و فیوضات، حضرت پیر
ہر شاہ صاحب، لا زال للذین والاسلام ناصرًا اوللا لحاد والزند قہ کا سراً۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
وبركاتہ۔ بعد از سلام سنون و ادعیا اجمابت مقرر دن، معروض خاطر انوار مظاہر آنکہ ہر چند لقائے جسمانی و ملاقات
ظاہری بحکم الامور مرتبہ باوقاتہا بالفعل در زاویہ تعطیل و ناجیہ تاویل است، مگر تعارف روحانی یوم میشتاق
بحکم الارواح جتنود جھنکہ فَمَا تَعَارَفْتُمْ مِنْهَا اُتْلَفَ وَمَا تَنَافَرْتُمْ مِنْهَا اُخْتَلَفَ مُوجِبُ الْفِتَنِ
مور و محبت است۔ کتاب شمس الہدایت در رد ملاحدہ و ہر ذنادقہ عصر خذ لہم اللہ از نظر احقر گذشت از
مطالعہ اش حظ وافر و خیر ظاہر برداشتہ۔ کثر اللہ تعالیٰ امثالکم و نور بالکم و جعل الی کل خیر مالکم۔
رسالہ فارسی آل مکرّم را ظمان و تشنہ باغم (ترجمہ)۔ ہر چند ظاہری ملاقات نہیں ہوئی مگر روز میشتاق
کار و معانی تعارف بصدق حدیث شریف — موجب محبت ہے۔ کتاب شمس الہدایت کے مطالعہ سے
میں نے حظ وافر و خیر ظاہر حاصل کیا ہے۔ آپ کے فارسی رسالہ کے مطالعہ کا اشتیاق ہے،
یہاں فارسی رسالہ سے مراد حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی کتاب تحقیق الحق ہے۔

حکیم نور الدین کے بارہ سوالات

۲۰۔ فردری ست ۱۹ء کو حکیم نور الدین نے حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کو ایک خط بھیجا جس میں بارہ سوالات درج تھے اور لکھا تھا کہ ”مجھے جناب کے ساتھ بڑا حسنِ عین تھا۔ اور قریب تھا کہ میں خود حاضر ہوتا لیکن اس اثنا میں جناب کی کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں جناب بالکل مولویوں اور منطقوں کے رنگ میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور صوفیوں کے مشرب کی ذرہ بھر بھی جھلک نہیں دی۔ سبحان اللہ! میں نے بارہا سنا کہ جناب فتوحاتِ مکّیہ کے غواص ہیں مگر کتاب میں صفحہ ۴۰ تک صرف ایک جگہ شیخ اکبر کا ذکر“۔ حکیم صاحب کے کچھ سوالات تو تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالہ جات کی نسبت تھے کہ آیا اس زمانہ میں یہ ناپسند کتابیں آپ کے کتب خانہ میں ہیں؟ اور تفسیر ابن جریر کی مثل پانچ چھ تفسیروں کے نام دریافت کیے تھے۔ باقی سوالات کا خلاصہ یہ ہے۔

سوال ۳۔ کلی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں تشخص متشخص کا میں ہے یا غیر؟

سوال ۴۔ تجدد امثال کا مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

سوال ۵۔ زید، عمرو یا نور دین جزئیاتِ انسانیہ اس محسوس مبصر جسم عنصری کا محدود نام ہے یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کے لیے یہ جسم بطور لباس ہے؟

سوال ۶۔ انبیاء و اولیاء، انواع ذنوب و خطایا سے محفوظ نہیں یا ہیں کتاب یا سنت سے کوئی قوی دلیل چاہیے۔

سوال ۷۔ الہام و کشف و روایئے صالحہ کیا چیز ہیں۔ ان سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۰۔ عقل، قانون، قدرت، فطرت کہاں تک مفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ تعارض عقل و نقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے؟

سوال ۱۱۔ تصحیح احادیث روایت کو دیکھ کر آج کل ہم اور آپ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۲۔ تفسیر بالرائے اور متشابہات کے کیا معنی ہیں؟

اور ایک سوال بعض احادیث مندرجہ شمس الہدایت کے استخراج کے متعلق تھا۔

حضرت کے جوابات

خط کے پہنچتے ہی حضرت نے جواب تو لکھوا دیا مگر اپنے علماء کے اس مشورہ کے تحت روانہ نہ کیا کہ مبادا ان کی اشاعت سے ”شمس الہدایت“ میں مندرجہ سوالات کے جواب سے ہی جواب مل جائے۔ مگر جب ۲۴ اپریل کے اخبار الحکم قادیان میں عدم جواب کا شکوہ شائع ہوا تو آپ نے وہ جواب بھیجا دیا حکیم صاحب کے خط اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے جواب کی نقول، آپ کی کتاب ”سیفِ چشتیائی“ میں شائع ہو چکی ہیں۔ جوابات کی شانِ دلالت اور فرقیِ مخالفت کے متحیرانہ سکوت کا لطف تو کچھ اُن کے مطالعہ ہی سے آسکتا ہے۔ البتہ دلچسپی کے لیے اُن میں سے چند جوابات کا اختصار یہاں بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت نے تفسیر ابن جریر کی مثل چھ کی بجائے سولہ تفسیروں کے نام تحریر فرمائے اور لکھا کہ تفسیر ابن جریر مولوی محمد غازی آپ کو بالمشافہ دکھلا سکتے ہیں اور چونکہ تفسیر کبیر بخاری کا ذکر درمنثور کے حوالہ میں آیا ہے۔ لہذا اس کی دستیابی کا سوال اس کے مصنفِ علمہ سیوطی سے ہونا چاہیے۔

جواب نمبر ۳۔ کلی طبعی کے متعلق فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا منشا موجود فی الخارج ہے۔ اور تشخص عین شخص ہے مگر عواض بھی لزوم فی التحقق سے بہرہ یاب ہیں۔

جواب نمبر ۴۔ تجدد امثال کا مسئلہ میرے نزدیک صحیح ہے مگر تجدد وجودی وحدۃ سیال کو منافی نہیں جو بالہ ہے ترتیب احکام عرفیہ کے لیے۔

جواب نمبر ۵۔ جزئیات انسانیہ، باہئیت معروضہ کا نام ہے۔ وجودات خاصہ ہوں یا عادات خاصہ یا دونوں سے معایر اجسام اہل عینی، یا برزخی یا حشری، ازید کے مسمیٰ میں نہایت ہی دخل ہے۔ فقط روح مجرد کے لیے بمنزلہ لباس ہیں۔ ہاں بطریق مجاز مرسل کبھی باہئیت کی تجزیہ بھی ہو لے جاتے ہیں۔ یہاں پر لحاظ قرآن میں قتل و صلب نہایت ضروری ہے۔

جواب نمبر ۶۔ انس یا دُرسل اُن النوع ذنوب خطایا سے جو شان نبوت کے منافی ہوں، مضموم دمائون ہیں۔ ورنہ امر بالاتباع کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ آیات قرآنیہ قل ان کنتم تحببون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ان عبادی لکن لک علیہم سلطان اور فیمنسخر اللہ ما یتلّی الشیطان اس چیز پر دلالت کر رہی ہیں۔ اولیائے کرام بعد فائے اتم، بشارت مذکورہ میں داخل ہیں اصالت اور تبعیت کا فرق ہے۔

جواب نمبر ۷۔ الہام و کشف و رؤیا صالحہ مجملہ شعب ایمانیہ سے ہیں اور اُن کا معیار صحت و فساد، کتاب و سنت سے مطابقت ہے۔

جواب نمبر ۸۔ عقل اور قانون قدرت جو استقرائاً ناقص سے عبارت ہے، اُن کا اعتبار محدود ہے تا وقتیکہ نفس مخالف قطعی الالات شارع سے وارد نہ ہو معلوم ہوا کہ اسی تحیر نے آپ کو مرزا صاحب کے قدموں میں جھکیا ہے۔ مگر پھر بھی عقدہ کشائی نہ ہوئی۔

جواب نمبر ۹۔ یصح احادیث روایات کو دیکھ کر آج کل آپ اور ہم بغیر جرح و تعدیل من السلف نہیں کر سکتے۔

اس سوال کا اور اگلے سوال یعنی تفسیر بالرائے کا جواب ذرا طویل ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ، جواب کی تربیل میں توقف کے متعلق فرماتے ہیں :-

جواب کی اشاعت میں حضرت سائل کی کسر شان کا بھی نہایت ہی خیال تھا اور ہے۔ یہاں تو پہلے ہی سے کچھ نہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ لہذا میں نے آپ کے مکاتیب شریفہ اشاعہ شریعہ کے جواب میں اپنے مایہ قصور اور لاعلمی کو پیش کیا تھا۔ مگر پھر چار محکم نے جو آج میری نظر سے گزرا ہے اس کی نامظوری بیان فرمائی۔ اب اگر فضلاء عصر و علمائے دہر کلام جانیں گے ملاحظہ کے بعد داد و انصاف فرمائیں تو یہ نیاز مستد علماء و فقہاء معذور سمجھا جائے گا۔

نیز فتوحات مکیہ کے طرز کے جواب میں فرماتے ہیں :-

”غریب نواز، فتوحات مدنیہ نے اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جو نشانیں فتوحات مکیہ کے لیے آپ کے سامنے کیا وقت اور دست درپائی کہ میں قول شیخ اکبر قدس سرہ کو پیش کرتا۔ کیا سینکڑوں احادیث صحیحہ کا ٹی نہیں گئیں۔ کیا اس قطع و برید کی شہادت مرزا صاحب کا الہام، جو ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۶ پر باریک قلم سے تحریر ہے، نہیں دے رہا ہے۔“

حکیم نور الدین پر صرف ایک سوال جو تشنہ جواب ہی رہا

خاتمہ جواب پر حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

”مجھے یہ خیال شانِ آپ کے بہت افسوس ہے کہ جناب سے ایسے سوالات سرزد ہوں عصمتِ انبیاء اور عدم وقوعِ خطانی الامر البتلیغی میں تو تردد ہو مگر مرزا صاحب کی عصمت اور عدم امکانِ خطانی التبیین بھی متیقن بہ سبحان اللہ، مولانا، آپ کے اخلاق کریمانہ سے اُمید کرتا ہوں کہ تشریحِ حقیقتِ معجزہ سے ذرا آپ بھی ممنون فرمادیں گے۔ والسلام خیر ختام۔

اس خط و کتابت کو جناب مولیسنا حافظ محمد غازی نے بصورتِ اشتہار شائع کر دیا اور جب حضرت کے جوابات نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علماء و فضلاء سے تحریری و تقریری خراجِ تحسین حاصل کیا اور عوام کی طرف سے شمسِ الہدایت کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو مرزا صاحب نے جوش میں آکر حضرت کو مناظرہ کی دعوت دی مگر اُس میں یہ نہیں کہا کہ آئیے، میرے جن عقائد اور دعویٰ سے آپ کو اور تمام عالمِ اسلام کو اختلاف ہے یعنی وفاتِ مسیح، میرا مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہونا، لامہدی الٰہی، میری ظلی بروزی بلکہ مستقل نبوت، میرے متعلق انکار پر مسلمانوں کا خارج از اسلام ہونا اور دجال شخصی اور جہادِ سیفی کی تردید وغیرہ کے متعلق میرے ساتھ مباحثہ کر لیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور میرے مشن کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہو جائیں۔ بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو۔

مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو مندرجہ ذیل اشتہار جاری کر کے حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کو عربی میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا۔

”پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، جو سخت مکذب ہیں اُن کے ساتھ ایک طریقِ فیصلہ، مع اُن علماء کے جن کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہیں۔

یہ صاحب، جن کا نام عنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈی کے سجادہ نشینوں میں سے ایک بزرگ ہیں۔ وہ اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو مٹا دیں۔ چنانچہ اسی غرض سے اُنہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علمِ قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ اور چونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پست اور محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے تمام ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود

حاشیہ اشتہار لہ۔ پنجاب اور ہندوستان کے سجادہ نشین یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم تو جابل اور علمِ قرآن اور علمِ عربیت سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ پھر تفسیرِ قرآن مجید اور بلاغتِ عربیت میں کیا مقابلہ کریں کیونکہ اگر وہ جابل ہیں تو لوگوں سے بیعت لیتے کیوں ہیں اور مراتبِ سلوک میں مرتبہ کشف القرآن کیوں رکھتا ہوا ہے۔ ماسوا اس کے کہ جب یہ مقابلہ خوارقِ عادات کے طور پر ہے تو علم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کشف اور الہام سے کام لیں جس کا دعویٰ ہے۔ (مند)

آسمان سے نازل ہوگا۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے اُسے معنی کرتے ہیں۔ خدا کی کتابوں کا یہ مستقیم محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے اُس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوا دیکھو انجیل یوحنا باب آیت ۳۸۔ اور اسی راوی کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي ذِكْرِ الْقَدْرِ میں اُوَیْزِ اَیْتِ ذِکْرًا سَوَآلَآئِیْنَ لیکن عوام جو جسمانی خیال کے ہوتے ہیں وہ ہر ایک بات کو جسمانی طور پر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ جیسے حضرت مسیح ان کے زعم میں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ ایسا ہی ان کا یہ بھی تو عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گئے تھے بلکہ اس جگہ تو ایک براق بھی ساتھ تھا مگر کس نے آنحضرت کا چڑھنا اُترنا دیکھا اور نیز فرشتوں اور براق کو دیکھا؟ ظاہر ہے کہ مُتکد لوگ معراج کی رات میں نہ دیکھ سکے کہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے اور نہ اُترتے دیکھ سکے۔ اس لیے انہوں نے شور مچا دیا کہ معراج مجبُوٹ ہے۔ اب یہ لوگ جو ایسے مسیح کے مُنتظر ہیں جو آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اُترتا نظر آئے گا یہ کس قدر ظرافت مُنت اللہ ہے۔ سید المرسل تو آسمان پر چڑھتا یا اُترتا نظر آیا تو کیا مسیح اُترتا نظر آجائے گا لعنۃ اللہ علی الذن بیں۔ کیا ابو بکر صدیقؓ نے سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ فرشتوں کے معراج کی رات میں آسمان پر چڑھتے یا اُترتے دیکھا؟ یا عمر فاروقؓ نے اس مُشاہدہ کا فخر حاصل کیا؟ یا علی المرتضیٰؓ نے اس نظارہ سے کچھ حصہ لیا؟ پھر تم کون اور تمہاری حیثیت کیا کہ مسیح موعود کو آسمان سے معہ فرشتوں کے اُترتا دیکھو گے۔ خود قرآن ایسی روایت کا مذب ہے۔

سو اُنے مسلمانوں کی نسل ان خیالات سے باز آجاؤ۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے اور کُوف و خُوف تم نے رمضان میں دیکھ لیا اور صدی میں سے بھی سترہ برس گزر گئے۔ کیا اب تک مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لیے مجتہد پیدا نہ ہوا۔ خدا سے ڈرو اور خدا اور حسد سے باز آجاؤ۔ اُس غیور سے ڈرو جس کا غضب کھا جانے والی آگ ہے۔ اور اگر مہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک نسل طریقہ پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کے راست باز بندے ہیں اُن کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اُن میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق یعنی باب الامتیاز رکھا جاتا ہے۔ اس لیے مقابلہ کے وقت بعض انور خارقِ عادت اُن سے صادر ہوتے ہیں جو حریف مقابل سے صادر نہیں ہو سکتے جیسا کہ آیت وَیَجْعَلُ لَکُمْ

نَیِّطًا شَکْلًا۔ اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اس علامت کا مُنتظر بنا کہ جب مسیح موعود کا دعویٰ کرنے والا آسمان سے اُترتا نظر آئے گا تبھی ہم اُس کو قبول کریں گے سخت حماقت ہے۔ بلاشبہ ایسا مشاہدہ محال ہے اور اگر جائز ہو تا تو ضرور ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں چڑھتے اور اُترتے دکھائی دیتے۔ پس جو امر محال سے معلق ہے وہ بھی محال اور باطل ہے۔ (منہ)

فَرَقَانَا اس کی شاہد ہے۔

۲۔ ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا جیسا کہ آیت لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اس کی شاہد ہے۔

۳۔ ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ اس کی گواہ ہے۔ سو مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اول تو یہ دعا کریں کہ یا الہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اُس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اس کی مدد کرے اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اُس سے یہ توفیق چھین لے اور اُس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک دے تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تائید سے محروم ہے۔ پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں۔ اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چھپکے چھپکے بغیر آواز سننے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تاکہ اس کی فصیح عبارت کے سننے سے دوسرے فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرزد نہ کر سکے۔ اور اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے مہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کے لیے فریق ثانی کی تلاشی کر لے اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹہ کی مہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے

حاشیہ: پیر مہر علی شاہ اپنی کتاب شمس الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں یہ لاف زنی کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی لیکن اب تو وہ ان دونوں کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں۔

نذارو کسے باتو نا گفتہ کار

ولیکن چوں گفتی و بلیش بیار (منہ)

۴۔ یاد رہے کہ ہر ایک نبی یا رسول یا محدث جو نشان اتمام حجت کے لیے پیش کرتا ہے وہی نشان خدا تعالیٰ کے نزدیک معیار صدق و کذب ہوتا ہے۔ اور منکرین کی اپنی درخواست کے نشان معیار نہیں ٹھہر سکتے۔ گو ممکن ہے کہ کبھی شاذ و نادر کے طور پر ان میں سے بھی کوئی بات قبول کی جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ان ہی نشانوں کے ساتھ حجت پوری کرتا ہے جو خود بغرض تحدی پیش کرتا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ (منہ)

رُو بہرہ تم کرنا ہوگا اور جب ذیقین کچھ چکیں تو وہ دونوں تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب
پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنانی جائیں گی۔ اور ان ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے
ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیریں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائید روح القدس سے
سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو، اور نہ
مہر علی شاہ کا مرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین ٹالوی اور مولوی
عبدالجبار رنغر نونی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں، جو ان کے مرید اور پیرو
نہ ہوں۔ مگر ضروری ہوگا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجہ
پر اور تائید الہی سے ہے لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہیے جس کا ذکر قرآن میں قذفِ مُحنات کے
باب میں ہے جس میں تین دفعہ کم کھانی ضروری ہے اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس
کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں سبیلِ ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی قیطع اور قلم کا ورق
ہوگا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صد ہا قرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پس اس
طرز کے مباحثہ اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور
عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے
مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر علی شاہ کے ساتھ ہے اور اس صورت
میں میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلاؤں گا اور اپنے تئیں منذور اور
مردود سمجھ لوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبوت شہادت بیس گواہوں کے اس وقت
لکھتا ہوں لیکن اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی، نہ وہ
بیض عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارفِ سورۃ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے، یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں
نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار
صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔

میں مکرر لکھتا ہوں کہ میرا غالب رہنا اسی صورت میں مقصور ہوگا جب کہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذیل
اور قابلِ شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی لکھ نہ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرت
کریں کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر مہر علی
شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وہ مومن اور مستجاب الدعوات ہیں تو وہ بھی ایسی دعا کریں اور یاد رہے کہ
خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا کے مامور اور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لیے آسمان
پر ان کی عزت نہیں۔

عاشقِ شاہ۔ یہ اس شرط سے کہ مولوی محمد حسین وغیرہ اس دعوت سے گریز کر جائیں جو ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہے۔ (منہ)

۴۔ کافی ہوگا جو بیس ورق کا اندازہ اس مسئلہ آن کے ساتھ کیا جائے جو حال میں مولوی نذیر احمد خان صاحب

دہلوی نے چھپوایا ہے۔ (منہ)

غرض یہ طریق فیصلہ ہے جس سے تینوں علامتیں مستذکرہ بالا بوجہ صادق کے لیے قرآن میں ہیں ثابت ہو جائیں گی۔ یعنی فی البدیہہ عربی نویسی سے جس کے لیے بحر ایک گھنٹہ کے سوچنے کے لیے موقع نہیں دیا جائے گا۔ فریق غالب کا وہ مابہ الامتیاز ثابت ہوگا جس کا نام فرقان ہے اور قرآنی معارف کے لکھنے سے وہ علامت متحقق ہو جائے گی جو آیت لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کا منشا ہے۔ اور دعا کے قبول ہونے سے جو پیش از مقابلہ فریقین کریں گے، فریق غالب کا حسب آیت اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، مومن مخلص ہونا بپایہ ثبوت پہنچے گا۔ اور اس طرح پر یہ امت تفرقہ سے نجات پا جائے گی۔ چاہیے کہ اس اشتہار کے وصول کے بعد جس کو میں رجسٹری کر کر بھیجوں گا۔ مہر علی شاہ صاحب دس دن تک اپنی منظوری سے مجھے اطلاع دیں لیکن ضروری ہوگا کہ یہ اطلاع ایک چھپے ہوئے اشتہار کے ذریعہ سے ہو، جس پر میرے اشتہار کی طرح بیس معزز لوگوں کی گواہی ہو اور بحالت مغلوبیت اپنی بیعت کا اقرار بھی درج ہو۔

یاد رہے کہ مقام بحث بحر لاہور کے کہ جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اور ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہوگا تا اسی جگہ حاضر ہو جاؤں۔ اگر میں حاضر نہ ہوں تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے۔ ہذا اما رانی ربی رب السعوات العلی۔ فادعواک یا قرتی علی بصیرۃ من ربی ولعنة الله على من تخلف متاواہی۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم واتقوا الله الذی یمم ویبری۔

المستتر خالسا مرزا غلام احمد از قادیان۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء

گواہ شہد

مولوی حکیم نور الدین صاحب مولوی محمد احسن صاحب امروہی مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی مولوی حکیم فضل الدین صاحب بھیروی مرزا قدا بخش صاحب مصاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالہ کوٹلہ حکیم شاہ نواز صاحب راولپنڈی۔ ماسٹر مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے بیڈ ماسٹر ہائی سکول تعلیم الاسلام قادیان۔ صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی۔ صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی سراوی اولاد چار قطب میر ناصر نواب صاحب گورنمنٹ پشاور ہلوی حال قادیان۔ ماسٹر عبدالرحمن صاحب ایف اے سکند ماسٹر ہائی سکول قادیان سید فضل شاہ صاحب ٹھیکیدار مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع جلم مولوی قطب دین صاحب کمپنڈر شفا خانہ قادیان مولوی محمد فضل صاحب چنگوی مولوی عبداللہ صاحب شمیری مولوی حافظ احمد اللہ خان صاحب مدرس ہائی سکول قادیان مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب مدرس شیخ عبدالرحیم صاحب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ قادیان

تأیید شدہ۔ دس دن تک پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اشتہار کا شائع ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن بحسب نظم و ضبط اس اشتہار کے تمام عامہ کی اطلاع کے لیے مقابلہ اشاعت اشتہار سے ٹھیک ٹھیک ایک مہینہ بعد ہوگا۔ (منہ)

۸۔ اگر پیر صاحب تجویز مکان سے دشمن ہوں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی۔ (منہ)

نقل ضمیمہ اشتہار دعوت

اشتہار دعوت کے ساتھ ضمیمہ اشتہار منقولہ ذیل شامل تھا۔

ضمیمہ اشتہار دعوت

پیر مہر علی شاہ صاحب گورڈی

پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہزار ہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم میں اور حقائق و معارف دین میں اور علوم ادبیہ میں اس ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اس امتحان کے لیے پیر صاحب موصوف کو اختیار کیا ہے تاکہ ان کے مقابلہ سے خدا تعالیٰ کا وہ نشان ظاہر ہو جائے جو اُس کے مرسلین اور مومنین کی ایک خاص علامت ہے لیکن ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض علماء مباحث کی شیخی سے یہ خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے اور زبان عربی کے علم ادب میں پیر صاحب موصوف پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یا کسی آسمانی نشان کے ظاہر ہونے کے وقت یہ غدر پیش کر دیں کہ پیر صاحب موصوف کا مغلوب ہونا ہم پر محبت نہیں ہے۔ اور اگر ہمیں اس مُقتبلہ کے لیے بلایا جاتا تو ضرور ہم غالب آتے۔ اس لیے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس مُقابلہ سے باہر نہ رکھا جائے اور خود ظاہر ہے کہ جس قدر مقابلہ کرنے والے کثرت سے میسران میں آئیں گے اُسی قدر الٰہی نشان کی عظمت بڑی قوت اور سطوت سے ظہور میں آئے گی اور یہ ایک ایسا زبردست نشان ہوگا کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہو نظر آئے گا اور ممکن ہے کہ اس سے بعض نیک دل مولویوں کو ہدایت ہو جائے اور وہ اس الٰہی طاقت کو دیکھ لیں جو اس عاجز کے شامل حال ہے۔ لہذا اس ضمیمہ کے ذریعہ سے پنجاب اور ہندوستان کے تمام اُن مولویوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علم تفسیر قرآن اور عربی کے علم ادب اور بلاغت فصاحت میں سرآمد روزگار ہیں مگر شرائط ذیل کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱۔ اس مقابلہ کے لیے پیر مہر علی صاحب کی بہر حال شمولیت ضروری ہوگی کیونکہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ علم عربی اور قرآنی میں ان تمام مولویوں سے بزرگ اور افضل ہیں۔ لہذا کسی دوسرے مولوی کو صرف اس حالت میں قبول کیا جائے گا۔ کہ جب پیر مہر علی شاہ صاحب اس دعوت کو قبول کر کے بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے شائع کر دیں کہ میں مقابلہ کے لیے تیار ہوں یا مقابلہ کرنے والے علماء کی ایک ایسی جماعت پیش کریں جو چالیس سے کم نہ ہو۔ ہاں ضروری ہوگا کہ دوسرے مولوی صاحبوں کے لیے وقت اور گنجائش نکالنے کے لیے پیر صاحب موصوف مباحثہ کے لیے ایک مہینہ سے کم تاریخ مقرر نہ کریں۔ تا اس مدت تک باور کرنے کی وجہ پیدا ہو جائے کہ ان تمام مولویوں

حاشیہ ضمیمہ اشتہار :-

پیر مہر علی شاہ صاحب پر یہ فرض ہوگا کہ اگر وہ اپنے تئیں مرد میدان سمجھیں تو اشتہار ہذا کی اشاعت کی تاریخ سے یعنی اس روز سے جو بذریعہ رجسٹری اشتہار ہذا اُن کو پہنچے، دس روز کے اندر اپنی تیاری مقابلہ اور قبول شرائط سے ہیں اور پبلک کو اطلاع دیں۔ (منہ)

کو پیر مہر علی شاہ صاحب کے اشتہار سے اطلاع ہو گئی ہے۔ پہلے میں نے ایک ہفتہ مقرر کیا تھا مگر اب اس لحاظ سے اس قدر تھوڑی میعاد عام اطلاع کے لیے کافی نہیں۔ ہاں ضروری ہوگا کہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد پیر صاحب موصوف دس دن کے اندر اس دعوت کے قبول کے بارے میں ایک عام اشتہار شائع کر دیں اور بہتر ہوگا کہ پانچ ہزار کاپی چھپو کر بذریعہ چند نامی مولوی صاحبان پنجاب و ہندوستان میں اس معرکہ مباحثہ کی عام شہرت دے دیں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ مقام مباحثہ لاہور ہوگا جو صدر مقام پنجاب ہے اور تجویز مکان پیر صاحب کے ذمہ ہوگی لیکن اگر وہ اپنے اس اشتہار میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تجویز مکان اپنے ذمہ نہ لیں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی اور کچھ خرچ نہیں تمام کرایہ مکان مباحثہ کا میں ہی دوں گا۔

۳۔ تیسری یہ شرط ہے کہ یہ بحث صرف دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص مقابل کو سات گھنٹے تک لکھنے کی مہلت ملے گی۔

۴۔ چوتھی یہ شرط ہے کہ جس قدر اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان حاضر ہوں گے ان کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو کسی قسم کی مدد کریں، نہ تحریر سے نہ تقریر سے نہ اشارات سے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب ایک مناسب فاصلہ پر ایک دوسرے سے دور ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی تحریر کو نہ دیکھ سکیں اور جو شخص ایسی حرکت کرے وہ مکرمہ مقابلہ سے فی الفور نکال دیا جائے گا اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب اپنے ہاتھ سے ہی لکھے۔ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ آپ بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے، کیونکہ اس صورت میں اقتباس اور استراق کا اندیشہ ہے۔

۵۔ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب جب اپنے مضمون کو تمام کر لیں جو کم سے کم حسب ہایت اشتہار مذکور میں درج ہوگا جس میں کوئی عبارت اردو کی نہیں ہوگی بلکہ خالص عربی ہوگی تو اس کے نیچے اپنے پورے دستخط کریں اور اسی وقت ایک ایک نقل اس کی مع دستخط اور نیز مع ایک تصدیقی عبارت جو بدیں مضمون ہو کہ نقل بذمطابق اصل ہے اس عاجز کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی بعد اخذ تمام نقول کے ایک نقل اپنی تحریر کی بعد ثبت دستخط پیر مہر علی صاحب کو دے دوں۔ یہ میرے ذمہ نہیں ہوگا کہ ہر ایک صاحب کو ایک ایک نقل دوں۔ کیونکہ اس تھوڑے وقت میں ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ میں مثلاً پچاس مولویوں کے لیے پچاس نقلیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں۔ ہاں ہر ایک مولوی صاحب کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے لیے ایک ایک نقل میرے مضمون کی پیر مہر علی شاہ صاحب سے لے کر خود لکھ لیں۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب اپنے مضمون کی نقل مجھے دے چکیں۔

۶۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا مضمون بعد لکھنے کے آپ سناے گا یا اختیار ہوگا کہ جس کو وہ پسند کرے وہ سناوے۔ اگر سنانے کے لیے وقت کافی نہیں ہوگا تو جائز ہوگا کہ وہ مضمون دوسرے دن سنا دیا جائے۔ مگر یہ ضروری شرط

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

۱۔ یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں اور جائز ہوگا کہ میں اپنا فرض پورا داکر کے دوسروں کی نگرانی کے لیے کسی دوسرے کو مقرر کر دوں اور یہی اختیار مخالفین کو ہوگا۔ (منہ)

ہوگی کہ سنانے سے پہلے اُسی دن اور اُسی وقت جب کہ وہ بالمقابل تحریر ختم کر چکے ہوں ایک نقل بعد ثبت و مستحکم مجھ کو دے دیں اور جائز نہ ہوگا کہ نقل دینے کے بعد اُس مضمون پر کچھ زیادہ کریں یا اصلاح کریں۔ اور سہوہ نسیان کا کوئی عذر سنا نہیں جائے گا اور اس شرط کا ہم میں سے ہر ایک پابند ہوگا۔

۸۔ تمام مضامین سنانے کے بعد تین مولوی صاحبان جن کو پیر مہر علی شاہ صاحب تجویز کریں گے اُس قسم کے تین مرتبہ حلف کے ساتھ جو قدت محسنات کے بارے میں قرآن شریف میں مندرج ہے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔ کہ کیا یہ تمام مولوی صاحبان مقابل میں غالب رہے یا مغلوب رہے اور وہ رائے منقطع ہو کر دُہی آخری فیصلہ ہمارا اور ہمارے اندر دُنی مخالفوں کا قطعی طور پر قرار دیا جائے گا۔

۹۔ نویں شرط یہ ہے کہ اگر الہی رُعب کے نیچے آکر پیر مہر علی شاہ صاحب اس مقابلہ سے ڈر جائیں اور دل میں اپنے تئیں کاذب اور ناحق پر سمجھ کر گریز اختیار کریں تو اُس صورت میں یہ جائز نہیں ہوگا کہ دوسرے مولویوں میں سے صرف ایک یا دو شخص مقابلہ کا اشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ بے فائدہ اور محض تبذیر اوقات ہے۔ وجہ یہ کہ بعد میں دوسرے مولویوں کے لیے یہ عذر بنا رہتا ہے کہ مقابلہ کرنے والے کیا چیز اور کیا حقیقت تھے یا جاہل اور بے علم تھے۔ لہذا یہ ضروری شرط ہوگی کہ اس حالت میں جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مُریدوں کو دریاے مذمت میں ڈال کر بھاگ جائیں اور اپنے لیے کناہ کشی کا داغ قبول کریں تو کم سے کم چالیس نامی مولویوں کا ہونا ضروری ہے جو میدان میں آنے کی درخواست کریں۔ اور ہمیں منظور ہے کہ وہ اُن میں سے ہوں جن کے نام ذیل میں لکھے جائیں گے یا اس درجہ کے اور مولوی صاحبان باہم مل کر اشتہار دیں کہ چالیس سے کم نہ ہوں اور اس صورت میں اُن سے بے پابندی شرائط مذکورہ بالا مقابلہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ اگر اشتہار ہذا کے شائع ہونے کی تاریخ سے جو ۲۶ جولائی سن ۱۲۹۷ء ہے۔ ایک ماہ تک نہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اس میدان میں حاضر ہونے کے لیے کوئی اشتہار نکلا اور نہ دوسرے مولویوں کے چالیس کے مجمع نے کوئی اشتہار دیا تو اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے اُن سب کے دلوں میں رُعب ڈال کر ایک آسمانی نشان ظاہر کیا۔ کیونکہ سب پر رُعب ڈال کر سب کی زبان بند کر دینا اور اُن کی تمام شیخیوں کو کچل ڈالنا، یہ کام بخیر الہی طاقت کے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وتلك عشرة كاملة من الاشرار التي اردنا ذکرها۔

اب میں ذیل میں اُن حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہوں جو اس مقابلہ کے لیے بشرطِ شمولیت پیر مہر علی شاہ صاحب یا بشرطِ مجمع چالیس بلائے گئے ہیں اور اگر ان کے سوا اہل پنجاب اور ہندوستان میں سے یا اُن عربوں میں سے جو نزیل برٹش انڈیا ہوں۔ اس ملک کے کسی گوشہ میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

۱۔ اگر بعض مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلہ پر رہتے ہیں۔ یہ عذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناواری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وہ بطور قرضہ انتظام کرایہ سفر کر کے لاہور پہنچ جائیں۔ اگر فخریاب ہو گئے تو میں کل کرایہ آمد و رفت اُن کا دے دوں گا۔ (منہ)

جو کذب ہوں تو وہ بھی اس اشتہار میں ایسے ہی مدعو ہیں جیسے یہ لوگ ہیں۔ اور حضرات موصوفین کے نام یہ ہیں :-
چھپاسی علماء کے اسماء کی فہرست

مولوی محمد صاحب لدھیانہ، مولوی عبدالعزیز صاحب برادر مولوی محمد لدھیانہ، مولوی محمد حسین رئیس لدھیانہ، مولوی
مشتاق احمد انیسٹوئی مدرس لدھیانہ، مولوی شاہ دین مفتی لدھیانہ، مولوی معظم دین مردہ والا۔ ڈاک خانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور،
مولوی عبد اللہ حکیم الوی معرفت میاں محمد چٹو لاہور، مولوی غلام حسین سیالکوٹ، مولوی محمد خلیل احمد انیسٹوئی ضلع سہارن پور،
مولوی شاہ محمد حسین صابری محبت الہی سنبل مراد آباد، مولوی نذیر احمد خان دہلوی سابق ڈپٹی کلکٹر سرکار نظام حیدر آباد، مولوی
عبد اللطیف امروہی مدرس اودے پور، میواڑ۔ راجپوتانہ، مولوی ولی محمد جالندھری ساکن تپارہ، قاضی عبدالقدوس چھاؤنی بنگلور،
مولوی شیخ عبد اللہ ساکن چک عمر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات، مولوی محمد حسین مفتی ساکن امروہہ، محلہ ملانا۔ ضلع مراد آباد، یو۔ پی،
مولوی عبد الغفار مفتی ریاست گوالیار، مولوی عبد اللہ محلہ کھڈہ کراچی، مولوی احمد حسن مدرس پانواڑی، امروہہ۔ ضلع مراد آباد، مولوی
قاسم شاہ مفتی محمد لاہور، محبت صاحب لکھنؤ، مولوی عنایت علی شیعہ سامانہ، ریاست پٹیالہ، مولوی سکندر صاحب شہر
سیٹور، مولوی لطیف اللہ قاضی القضاۃ حیدر آباد، مولوی نذیر حسین انیسٹوئی سہارن پور، مولوی عبد اللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھاناں،
ضلع راولپنڈی، مولوی محمد حسین موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جلم، مولوی شاعر اللہ امرتسری، مولوی کلیم اللہ مچھیانہ، گجرات،
مولوی محمد اسحاق اجوا در پٹیالہ، مولوی نذیر حسین دہلوی یاجس کوڈہ اپنا دیل بنائیں، مولوی تھکف حسین دہلوی، مولوی کریم اللہ
محلہ بارہ، صدر بازار۔ دہلی، مولوی فضل دین گجرات، پنجاب، مولوی عبدالوہاب امام مسجد صدر دہلی، علماء ندوہ لکھنؤ، جس عالم کو اپنا
دیکل بنائیں، مولوی منشی سلیمان ملازم ریاست پٹیالہ مؤلف غایت المرام، مولوی مسیح الزمان شاہجہان پور یا وہاں کا جو عالم بھی ہو، مولوی
محمد صدیق دیوبندی حال مدرس پھر یوں مراد آباد، مولوی محمد شفیع قصبہ رام پور ضلع سہارن پور، مولوی محمد بشی نعمانی سابق پروفیسر علی گڑھ
کالج، مولوی دیدار علی مسجد دائرہ ریاست الور، شیخ خلیل الرحمن سرساوہ سہارن پور سجادہ نشین چار قطب ہانسوی، مولوی نظام الدین
قاضی مالیر کوٹہ، شیخ اللہ بخش تونسوی سنگھ مرچ جماعت علماء، مولوی عبد اللہ ٹوکی پروفیسر، قاضی ظفر الدین پروفیسر، مولوی عبد الحکیم پروفیسر،
مولوی عبد اللہ ساکن جلو خلیفہ پیر علی شاہ صاحب گولڑوی، مولوی غلام محمد چکوال ضلع جلم، مولوی ابراہیم آرہ، مولوی محمد حسین بٹالوی،
مولوی شیخ حسین عرب بیانی بھوپال، مولوی اصغر علی پروفیسر حمایت اسلام لاہور، مولوی محمد بشیر بھوپال، مولوی عبد المجیب امرتسر،
مولوی احمد اللہ امرتسر، مولوی رسل بابا امرتسر، مولوی عبد الحق مفسر تفسیر حقانی دہلی، مولوی عبد الحق امرتسر، مولوی عبدالواحد امرتسر،
مولوی منہاج الدین کوٹ، منشی الہی بخش ٹھٹھم بذریعہ اہام تفسیر لکھیں، مولوی احمد ساکن سکندر پور ہزارہ، مولوی رشید احمد گنگوہی
ضلع سہارن پور، قاضی امیر عالم ساکن سکندر پور ہزارہ، مولوی الطاف حسین حقانی پانی پتی، مولوی ابوالخیر نقشبندی خانقاہ شریف حضرت
مرزا جانجاناں خاص دہلی، مولوی احمد علی واعظ سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارن پور حال مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ملا مانکی نوشہرہ پشاور،
مولوی عبداللہ وزیر آبادی جس عالم دنیا کو منتخب کریں، قاضی سلطان محمود آئی اوان گجرات، مولوی غلام محمد گبہ والا شہر ہی مسجد لاہور،
مولوی محمد ذکریا انجمن حمایت اسلام لاہور، مولوی غلام محمد لازم انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی غازی خان گولڑہ۔ راولپنڈی، مولوی غلام رسول
قلبال۔ گوجران، مولوی مفتی غلام محی الدین۔ گڑھا۔ ڈاک خانہ ڈوہلی، مولوی عبد السمیع رام پوری حال ملازم شیخ الہی بخش رئیس میرٹھ،
مولوی محمود حسن مدرس اول مدرسہ دیوبند، مولوی احمد حسن گنج پوری صابری۔ جامعہ مسجد دہلی، مولوی احمد حسن ایڈیٹر اخبار شمعہ ہند
میرٹھ، مولوی عبد الخالق جہان خیلان ضلع پشاور، مولوی عبد الرحمن چھوہروی ضلع ہزارہ، مولوی فقیر محمد عزیز ترنواہ ضلع ہزارہ،

شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی۔

المشتہر خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان (یہ اشتہار ۲۰ × ۲۶ کے ۴ صفحات پر ہے)

(مؤلف :- مستدرجہ بالا فہرست میں برصغیر پاک و ہند کے اُس وقت کے قریباً تمام مشہور بزرگانِ دین اور علمائے کرام کے اسماء گرامی آگئے ہیں جو بقید حیات تھے۔ اور جب یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ برحق کی مدافعت اور خدمت کے لیے ان تمام بزرگان و اکابرینِ اسلام میں سے صرف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ ہی کو منتخب فرما کر سب کی طرف سے شرفِ نمائندگی بخشا تو بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے :-

اِس سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشنده

نقلِ اشتہارِ جوابِ دعوت

گولڑہ شریف میں مرزا صاحب کا یہ اشتہار دعوت ۲۵ جولائی ۱۹۰۷ء کو موصول ہوا۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اُسی روز منقولہ ذیل اشتہارِ جوابِ دعوت بمعِ ضمیمہ طبع اخبارِ چودھویں صدی راولپنڈی میں بھجوا کر اگلے ہی روز ملک میں شائع کروادیا۔ مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوائی گئیں ان میں سے مرزا صاحب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ اور علمائے کرام مندرجہ اشتہارِ دعوت کو اور پنجاب و ہندوستان، صوبہ سرحد اور افغانستان کے بہت سے دیگر علماء و فضلاء کو بھی، دستی اور بذریعہ ڈاک روانہ کر دی گئیں۔ تمام ملک کے اخبارات میں بھی اس دعوتِ مناظرہ اور جوابِ دعوت کی اطلاعات نشر کر دی گئیں۔ جس سے ہر جگہ خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔

حضرت مولینا پیر علی شاہ صاحبِ قدس سترہ کا جوابِ دعوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا
نَبٰی بَعْدَهُ وَآلِهِ وَعَلَّتِ رُتَبُهُ۔

آما بعد۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء آج اس نیازمندِ علمائے کرام و مشائخِ عظام کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوتِ حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائطِ مجوزہ مرزا صاحب بسروشم منظور ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گزارش کو بہ سلکِ شرائطِ مجوزہ منسلک فرمادیں گے۔ وہ یہ ہے کہ مذہبی مسیحیت و مہدویت و رسالتِ لسانیِ تقریر سے بشاذِ حقّار جلسہ اپنے دعویٰ کو بپا یثبوت پہنچا دیں۔ بحواب اُس کے نیازمند کی معروضات عدیدہ کو حضراتِ حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادتِ درائے قیوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب رضی مولوی محمد حسین صاحب ٹالوی

دمولوی عبد الجبار صاحب غزنوی و مولوی عبد اللہ صاحب ٹوکی پروفیسر لاہوری کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ازاں اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو یہ پانہ ثبوت نہیں پہنچا سکے، مرزا صاحب کو معیت توبہ کرنی ہوگی۔

بعد اس کے عقائد معدودہ مرزا صاحب میں جن میں جناب ساری اُمت میں منفرد ہیں بحث تقریری اظہار رائے ہو کر، مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیق حق کے لیے عند العطاء مقتضی بالطبع ہے۔

ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد بطلان مضامین کے کچھ بھی وقت اور عظمت نہیں۔ حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیاران صداقت کے لیے نہایت مہتمم بالشان ہے۔ اظہار حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارف قرآنیہ سے تو ان کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔ اور وہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیقت کی وجہ سے دھبہ لگا رہے ہیں۔ علمائے کرام کی تحریرات اور اہل بیانت فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں تیز نویسی چونکہ بروز عیسوی و بروز محمدی سے بالکل اجنبی اور برطرف ہے لہذا اس کو مؤخر رکھا جائے گا۔ اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمادیں۔ نہایت ممنون ہو کر حاضر ہوجاؤں گا۔ قانون فطرت اور کرات و مرآت کا تجربہ مع شہادت (ذلک نَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا) کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقت بحث میں الہام سکونتی ہوجاوے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں اس الہام ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے۔ کہ ایسے الہامات عنذہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ در صورت منجانب اللہ ہونے کے کیونکر زیر لحاظ نہ ہوں اور مستثنیٰ نہ کیے جاویں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھر ان پر تعمیل واجب ہوگی۔ مشائخ عظام اور علمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از تضييع اوقات و تکلیف بحث کیا حاصل ہوگا۔ لہذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک ان بزرگواروں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیاز مند ان کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرط معروض الصدر نامنظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کے کاذب ہونے پر آپ فرماتے ہیں کہ شمس الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں نیاز مند نے علم اور فقر میں لاف زنی کی ہے۔ ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہذیب ہے صفحہ مذکور کے مقابلہ محاورات مثلاً اجماع کو راند "ضرب نادان"۔ "بے شرم"۔ "بے حیا"۔ علمائے یہود وغیرہ جو آپ نے اپنی کتب "ازالہ"، "ایام الصلح" میں دربارہ علماء سلف و خلف شکر اللہ سعیم کے بیانت اور تہذیب سے لکھا ہے اور تقریر فی فہم القرآن کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ اس اشتہار کے صفحہ ۳ کے آخر میں باریک قلم سے لکھتے ہیں اگر وہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی الخ۔

لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکورہ سے معلوم ہوجائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب

آپ اپنی دعوت میں ماثور من اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اس دعوت کی بہت ٹھہرنی قول بالمتناقضین نہیں تو کیا ہے۔

مرزا صاحب۔ نیازمند کو مع علمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعث انکار ہے۔ انصاف فرمادیں مثل مشہور کا مصداق نہ بنیں۔ (نالے چورتے نالے چتر)۔ ظاہر تو عشق محمدی اور مسترآن کریم سے دم مارنا اور درپردہ کیا بلکہ علانیہ تحریف کتاب و سنت کرنی اور پھر اس کمال پر کھتی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر علمائے خاموش بیٹھے رہیں۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور و شور سے ارشاد فرمایا ہے ہیں۔ اگر یہ لحاظ اُس کے کچھ لکھا بھی جاوے تو داخل گستاخی اور مورد عتاب اہل تہذیب نہیں ہو سکتا مگر تاہم لوگوں کی ہنسی سے شرم آتی ہے۔ اس سے زیادہ آپ کے اوقات گرامی کی قیض نہیں کرتا ہوں۔ والسلام علی من اتبع الهدی وامن بخاتمیۃ افضل الاولین والاخرین سیدنا ابی القاسم محمد المصطفیٰ وصدق بما جاء به من عند رب الارضین والسموات العلیٰ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ لَنَا دُئْرًا نَّسِيْنًا اَوْ اَخْطَاْنَا وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَادِّمْ عَلٰی مَنْ اَرِیْتَهُ الْاٰیَاتِ الْکُبْرٰی صَلَوةٌ تَسْتَجِیْبُ بَهَا دَعَا ثَنَادَتْنٰی بِهَا نَفْسٌ سَنَادٌ تَحِیْیُ بِهَا قُلُوْبُنَا وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

العبد الملتجئ الى الله

مہر علی شاہ از گولڑہ

۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء

نوٹ۔ حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت ۲۵ اگست سنہ ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔

گواہ شاہ داند

محمد غازی۔ مولوی حضرت میر علم صاحبزادگان خان ملا خان صاحب رئیس کابل۔ قاضی محمد زمان ساکن پٹی۔
مولوی محمد۔ مولوی عبید اللہ ساکن جٹو۔ مولوی بدایت اللہ۔ مولوی احمد دین ساکن بھوئی۔ مولوی محمد یوسف
ساکن بھوئی۔ مولوی غلام ربانی ساکن بھوئی۔ مولوی سید حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ پٹی۔ مولوی
محمد اسماعیل گولڑہ۔ مولوی عبداللہ شاہ ساکن گڑھی افغاناں۔ مولوی میر حمزہ ساکن بھوئی۔ مولوی محمد عثمان
ساکن گولڑہ۔ مولوی فضل احمد ساکن سواں۔ مولوی منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی عبدالمجید ساکن
کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی محبوب عالم ساکن گولڑہ۔ قاضی نواب ساکن کوٹ۔ مولوی بدر دین پوٹھواری

نقل ضمیمہ اشتہار جواب دعوت

ضمیمہ اشتہار جواب دعوت

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی سن ۱۹۰۷ء مشترکہ ۲۲ جولائی سن ۱۹۰۷ء جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ کے پاس بذریعہ رجسٹری آج پہنچا ہے۔ اور جس میں وہ پیر صاحب کو مدعو کرتے ہیں کہ پیر صاحب اُن سے بشرائط ذیل (جن کو وہ خود ہی تجویز کرتے ہیں۔ اور جن کو میں مختصراً ذیل میں بغرض سہولیت منہم درج کرتا ہوں) مباحثہ کریں مضمون مباحثہ قرآن کریم کی کوئی سورت یا کسی سورت کی چالیس آیتوں کی تفسیر ہوگا اور سورت بذریعہ فال یا قرعہ اندازی انتخاب کی جائے گی۔

۱۔ پیر صاحب دس روز کے اندر تاریخ رسیدگی اشتہار دعوت مرزا صاحب سے بذریعہ اشتہار مطبوعہ جس کی پانچ ہزار کاپیاں ہوں کل علمائے ہندوستان کو جن کے نام وہ آخر درخواست میں درج کرتے ہیں مطلع کر دیں۔ جلسہ میں پیر صاحب کی شمولیت ضروری ہوگی۔ اگر پیر صاحب بذریعہ اشتہار قبول دعوت کریں، یا چالیس اور علماء کی جماعت درخواست بذریعہ اشتہار کرے تو مرزا صاحب مباحثہ کریں گے۔

۲۔ مباحثہ بمقام لاہور ہوگا۔ مکان کی تجویز اور اہتمام پیر صاحب کے ذمہ ہوگا۔ بصورت انکار پیر صاحب، مرزا صاحب خود انتظام کریں گے۔

(۳) بحث ایک ہی روز میں ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص کو بالمقابل لکھنے کے لیے سات گھنٹہ تک

حاشیہ ضمیمہ اشتہار :-

۱۔ اصل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا منشاء یہ ہے کہ اشتہار دعوت بھی مشترک ہو جائے اور معاملہ بھی وقوع میں نہ آوے۔ اس لیے ایسے علماء اور سجادہ نشین درج فہرست کر دیئے ہیں جو بعض تو بوجہ علاقہ متعہ اپنا مکان نہیں چھوڑ سکتے اور بعض ملازم ہیں بعض اس قدر بُعد مسافت اور کثرت اخراجات کی وجہ سے سخت متاعل ہوں گے مگر بہر حال جو ہو سو ہو فہرست میں تو تعداد علماء صرف ۸۶ کس ہے معلوم نہیں پانچ ہزار کاپی کیوں مطلوب ہوئی۔ بہر حال اُن صاحبان کو کاپیاں پہنچائی جا دیں گی۔ علاوہ برآں پبلک کو بھی بذریعہ اشتہار مطلع کیا جائے گا۔ مہربانی کر کے آپ بھی اپنے اشتہار مطبوعہ ۲۰ جولائی سن ۱۹۰۷ء کی نقول اُن صاحبان کو پہنچا دیں تاکہ اس بالمقابل درخواست کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۔ حضرت آپ خود ہی انتظام کریں، آپ کے لیے لاہور میں اہتمام کرنا بڑا آسان ہوگا۔ آپ لاہور سے قریب ہیں۔ آپ کے معتقدین بھی وہاں بہت ہیں۔ کرایہ ہم ادا کر دیں گے۔

عہدات سے ملے۔

۱) اس خبر کے لیے مولوی صاحبان جو حاضر نہیں گئے ان کو باخیر نہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے سے مباحثہ کو اشتباہ سے یا تحریہ تقریر سے کسی طرح کی امداد دیں۔ بصورت احوال شرط و کموت کمال فیض بہاویں گے۔
۲) ضروری ہو گا کہ ہر ایک شخص کم از کم بیس ورق کھینے اور اس میں فی عبارت عربی ہوا و دوا بل رہا و بعد انشام
مضمون ایک ایک نقل مطابق اصل بہ ثبت و نسخہ کامل فرق تو یہ کہندہ کے دوسرے فرق کو دی جائے گی۔
(۶) بعد از تحریہ ہر ایک شخص اپنا مضمون خواہ غلو و خواہ معتدلہ نام میں سنائے گا۔
(۷) بعد ازاں کسی شخص کو اختیار نہ ہو گا کہ اس مضمون میں کوئی ترمیم، اصلاح یا کمی بیشی کرے۔ نسیان کا ٹھنڈ بھی
مسموع نہ ہو گا۔

(۸) بعد فاتیما مولاوی صاحبان کو جن کو پیر صاحب تجویز کریں گے، اگر آپ تو اس کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ مرزا صاحب نے خود تین عالم یعنی مولوی محمد حسین شاہی، مولوی عبدالقبار اور مولوی عبدالقدیر فیض آبادی کو یہ فرمائیے ہیں، اُن تحریرات پر اسے ذی کریں گے اور اُن کو تین مرتبہ کی مہلت قذف مرتکب کے ساتھ ملے کر حاشہ ضمیمہ اشتہار

۱۷۔ مگر حضرت نقل مطابق اصل کا زمانہ بھی مشنوس کریں۔ کم از کم ۳ گھنٹے اُس میں بھی صرف ہوں گے آپ تو اُس روز کی نماز بخشنا لیں گے یا ایک ہی وقت میں کریں گے یہ صاحبِ توانستِ فہمی کے ایک فرد ہیں۔ اُن پر اور باقی علماء پر نماز و قوت فرض ہے اور دیگر حواجج ضرور یہ بھی ہیں۔ اُن کے واسطے وقت نکال لیجئے گا۔

ملے یہ کیا، آپ تو فرماتے ہیں کہ آپ الہی طاقت سے یہ مقابلہ یا مباحثہ جو کچھ نام آپ کبھی کرتے ہیں
 یہ ایسی قید آپ کیوں لگاتے ہیں الہی زور تو دنیاوی لوگوں سے مغلوب نہیں ہو کر آ، خواہ کتنی ہی
 تعداد مقابلہ میں آجائے۔ **وَ اذْعُوْا لَهُمْ اَنْهٗ كَذٰبٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ**۔ جہلا
 یہ تو فرما دیجئے گا کہ اس قدر کثیر جماعت علماء کی جمع ہو کر کیا کرے گی جمیع سے شام تک بے آب
 دانہ بیٹھ کر دُشمنوں کو یہ دیکھتی رہے گی کہ کس کا قلم زور سے چلتا ہے اور وہ کون سی دُشمنی ہے
 جس کے دامطے اور کون سا اور اہم علم ہے جس کی شہادت کے لیے آپ اس قدر علماء کو بھارت
 حاضر ہی پر صاحب طلب کرتے ہیں اور ایسی ہی بندش بکار ہے تو دو پولیس کنسٹیبل بنو ایسے کہ وہ
 آپ دونوں کے سروں پر پہرہ دیں گے اور بعد میں جب ضامین طبع ہو کر علماء کو مل جاویں تو وہ فیصلہ
 کر دیں گے جلعق تین چھوڑ دس دس لینا۔

ہے اس میں تو شک نہیں کہ آپ ضرور پستل ورق پورے کر لیں گے۔ اگر نفسِ مضمون نصفت اور ارق پر ختم ہو جائے گا تو باقی ورق آپ علماء، معلمین، اخبار اور فربق مخالفت کو گامیاں دے کر بھی پورے کر لیں گے۔ مگر حضرت ایک چوک تو ہو گئی کہ ورق کی تقطیع اور قلم کی موٹائی اور در اور دگی اور شادابی خط کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

دریافت کیا جائے گا کہ کون سا مضمون تائیدِ روح القدس سے لکھا گیا ہے اور وہ رائے قطعی ہوگی جو طبع کر اگر تقسیم بھی کی جائے گی۔

(۹) اگر الٰہی رُعب کے نیچے آکر پیر صاحب اس مقابلہ سے ڈرباویں اور گریز اختیار کریں یا دس روز تک بذریعہ اشتہار مطبوعہ دعوت کی منظوری کا اعلان نہ کریں تو اس صورت میں جائزہ ہوگا کہ دوسرے مولوی صاحبان میں سے ایک یا دو شخص مقابلہ کا اشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ تصنیع اوقات ہے۔ کیونکہ کم از کم چالیس نامی علماء اُس فہرست میں سے جو مرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں دی ہے یا اور علماء کی ایسی جماعت جو مرزا صاحب کی مکتب ہے اور مرزا صاحب اُن سے بے علم ہیں، درخواست کریں تو مرزا صاحب بحث کریں گے۔

(۱۰) اگر مرزا صاحب کے اشتہار کی تاریخ شروع سے جو ۲۲۔ جولائی ۱۹۰۷ء ہے ایک ماہ تک بغرض مقابلہ مرزا صاحب مذکور، پیر صاحب کی طرف سے اشتہار نہ لکھے اور نہ دوسرے مولوی صاحبان کے چالیس اشخاص کے جمع سے تو اُس صورت میں سمجھا جائے گا کہ آسمانی نشان نے اُن کی شیخیوں کو کھل ڈالا۔ یہ کام بجز الٰہی طاقت کے کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے۔ و تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔ اس میں اُن علماء کو جنہیں مذکور کیا گیا ہے یہ وعدہ بھی دیا گیا ہے کہ جو صاحب بوجہ ناداری نہ آسکیں وہ قرضہ لے کر آجائیں اور اگر اُن کا فریق کامیاب ہو گیا۔ تو مرزا صاحب اُن کے مصارف ادا کر دیں گے۔ اس مباحثہ میں تین طور پر حُسد اُن کی تائید کرے گا۔

(i) بطور خرق عادت ایک یا چند اُمور مابہ الامتیاز جو مرزا صاحب میں پیدا ہو جائیں گے اور اُن کے مقابل میں نہیں ہوں گے۔

(ii) مرزا صاحب کو خاص طور پر اُن آیات قرآنی کے معارف و حقائق کا علم دیا جائے گا مگر غیر کو نہیں۔

(iii) اُس کی دُعا اُس وقت قبول ہوگی اور اُس کے غیر کی نہیں۔

حضرت مرزا صاحب، یہ اشتہار تو کجا بودا شہب کجا تا ختم کا مضمون ہے کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ بڑے کاتب، منشی اور بڑے فصیح و بلیغ عربی نویس ہیں یا آنکہ مجدد و مہدی دِ مَسِیح و مثیلِ محمدؐ۔

آپ اپنا دعویٰ ثابت کریں۔ یہ لیت کیا سوچ گئی ہے۔ آپ ذہور دین ہیں، ایک نصف جسم آپ کا تو مثیلِ مسیح ہے، دوسرا نصف مثیلِ محمدؐ۔ وہ ہر دو انبیاء علیہما السلام اُمّی تھے، لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، الا مقرر تھے۔ آپ مباحثہ تقریری کریں اور اُن کی سُنّت پر چلیں۔ ہم نے مانا کہ آپ چھاپہ خانہ کی مشین ہیں۔ پر اس سے کیا ہوتا ہے۔ خاک پتھر۔ باقی رہی معارف و حقائق قرآنی کی تفسیر، تو وہ حضرت سلامت ۱۸-۱۹ سال سے سُنّتے سُنّتے ہمارے کلبے و کان پک گئے۔ جن حقائق و معارف کو اب آپ بذریعہ الہام تفسیر فرمائیں گے وہ

تو یہی یا اسی طرح کے ہی ہوں گے :- یعنی

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ الزلزال کے معنی غلط سمجھے (ازالہ صفحہ ۲۸) پیر مرزا صاحب لکھتے

ہیں کہ ہمارے علمائے جو ظاہری اس سورۃ کی تفسیر کی ہے کہ زمین کو آخری ایام میں سخت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اُس سے زیر و زبر ہو جائے گی۔ اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی۔ اور انسان یعنی کافر لوگ زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا ہے تو وہ اُس روز باتیں کرتے ہوئے اپنا حال بتائے گی۔ یہ معنی اور تفسیر سر اسر غلط ہے۔

حالانکہ معنی وہ ہیں جو افقہ الناس ابن عباسؓ نے آنحضرتؐ سے کہیے ہیں اور ابن کثیرؒ درمنثور وغیرہ تصنیفات علامہ سیوطیؒ میں یہی درج ہیں)

(۲) قرآن خدا کی کتاب اور میرے ممتہ کی باتیں ہیں (دیکھئے لیکھرام کی موت کی نسبت اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۳ کاظم ۲ سطر ۳۳-۳۴)

(۳) فرشتے نفوس فلیک و ارواح کو اکب کا نام ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سیارات کی تاثیر سے ہوتا ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۳-۳۴ تا ۴۰ و ۴۷)

(۴) جبرائیل کبھی زمین پر نہیں آئے نہ آتے ہیں (توضیح مرام ملخصاً صفحہ ۶۸-۷۰-۸۵)

(۵) انبیاء علیہم السلام جھوٹے ہوتے ہیں (ازالۃ الادہام صفحہ ۶۲۸-۶۲۹)

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وحی غلط نکلی (ازالۃ الادہام صفحہ ۶۸۸-۶۸۹)

(۷) حضرت رسول اکرمؐ کو ابن مریمؑ، دجال، خرد دجال اور یاجوج و ماجوج اور دابۃ الارض کی وحی نے خبر نہیں دی (ازالۃ الادہام صفحہ ۶۹۱)

(۸) خرد دجال ریل گاڑی ہے۔ دابۃ الارض علماء ہوں گے اور دجال پادری صاحبان وغیرہ وغیرہ (ازالۃ الادہام صفحہ ۴۹۵-۴۹۶، و رسالہ انجام آتھم)

(۹) حضرت مسیح علیہ السلام مسمریمؑ میں مشق کرتے اور کمال رکھتے تھے (ازالۃ الادہام صفحہ ۳۰۸)

(۱۰) حضرت مسیح علیہ السلام یوسفؑ نجات کے بیٹے تھے (ازالۃ الادہام صفحہ ۳۰۳)

(۱۱) ”براہین احمدیہ“ خدا کا کلام ہے (ازالۃ الادہام صفحہ ۵۳۳)

(۱۲) قرآن شریف میں جو مہجرے ہیں وہ مسمریمؑ ہیں (ازالۃ الادہام صفحہ ۷۴۸ تا ۷۵۳)

(۱۳) قرآن شریف میں ”انا انزلناہ قریباً من القادیاں“ موجود ہے (ازالۃ الادہام صفحہ ۷۶-۷۷)

(۱۴) مکہ، مدینہ، قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (ازالۃ الادہام صفحہ ۷۶ و ۷۷)

(۱۵) بیت المنکر واقع قادیان (وہ چو بارہ جس میں بیٹھ کر مرزا صاحب کتابت کرتے ہیں) مثیل حرم کعبہ ہے۔ ومن دخلہ کان امناً (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

(۱۶) آیت ”سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَادَکُنَا حَوْلَہٗ“ کا معنوی اور اصلی طور پر صداق وہ مسجد ہے جو مرزا صاحب کے والد نے بنائی اور مرزا صاحب نے اُس میں توحید کی۔ (اشتہار منارۃ المسیح)

(۱۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں آویں گے۔ (حاجت حوالہ نہیں)
 (۱۸) حضرت رسول اکرمؐ، خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں (ازالۃ الادہام صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ و اشتہار معیار الاخیار)

(۱۹) قیامت نہیں ہوگی یقتدیر کوئی چیز نہیں ہے (صفحہ دوم ٹائٹل پیج ازالۃ الادہام)
 (۲۰) حضرت مہدیؑ نہیں آویں گے۔ (ازالۃ الادہام ۵۱۸ و اشتہارات حال جن کلام مہدی
 الاعیسیٰ کی حدیث پر استدلال ہے)
 (۲۱) آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا۔ (ازالۃ الادہام صفحہ ۵۱۵)
 (۲۲) عذاب قبر نہیں ہے۔ (ازالۃ الادہام صفحہ ۴۱۵)
 (۲۳) تناسخ صحیح ہے۔ (سب پچن صفحہ ۸۴)
 (۲۴) قرآن مجید میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الادہام صفحہ ۲۵-۲۶)

(شاید اسی عقیدہ پر عمل کر کے مرزا صاحب بھی ہر ایک شخص مخالف کو اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کو ہزار ہزار بے نقط سناتے ہیں۔ مگر حضرت، آیت شریف۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور دیگر آیات قرآنی اور آپ کے اپنے الہامات ذاتی وَتَلَطَّفْ بِالنَّاسِ وَتَرْحَمْ عَلَيْهِمْ یاد آؤں
 عامل بالناس رفقا و احسانا وغیرہ اُردو الہامات ہم مضمون کو شاید مجھول جاتے ہیں۔ آپ کی بدزبانی تو توار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ شاید ان گالیوں میں بھی فصاحت پیدا کی گئی ہے)
 مگر ان تمام امور سے قطع نظر کر کے یہ خیال کہ آپ بیٹھے بٹھائے گھر میں سے اشتہار لکھ ماریں گے اور فضول ڈینگ ہانکیں گے اور عوام بھی سمجھیں گے کہ دعوتِ مباحثہ کو قبول نہ کرنا ظاہرِ اُپیر صاحب کے خلاف ہے۔ پیر صاحب حاضر ہیں اور آپ کی سب شرائط جن کے آپ خود ہی تجویز ہیں اور خود ہی منصف منظور کرتے ہیں۔ اشتہار دینا اور مشتہر کرنا ہمارا کام ہے۔ مگر یہ ذمہ نہیں ہے کہ وہ لوگ جمع بھی ہو جائیں گے الا اس حالت میں کہ آپ ان کی دستگیری کریں۔ البتہ لاہور، امرتسر اور بعض دیگر مقامات کے علماء کو ہم بھی ضرور جمع کر لیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ

قبل از بحث تحریری مذکورہ مجوزہ مرزا صاحب ایک بحث تقریری دعویٰ مسیحیت و مہدویت وغیرہ عقائد مرزا صاحب پر جو تعداد میں تخمیناً ۱۳۶ کے قریب ہیں۔ اور ان کی الہامی کتب میں مسند درج ہیں بلندی امور ذیل ہو جائے :-

(الف) تعیین و تقریر سوالات حضرت پیر صاحب کا منصب ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگ آپ کے دعاوی کے منکر ہیں اور آپ مدعی۔ اور ان دعاوی کا اثبات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مرزا صاحب کریں گے۔ مگر واضح رہے کہ انا جہل اربعہ جو مخالف مضامین قرآن شریف ہوں گے، بحث میں قبول نہ ہوں گے۔
 (ب) یہ بحث تقریری اس بحث تحریری سے اول ہوگی۔ اگر ایک روز میں ختم نہ ہوگی تو دوسرے اور تیسرے روز تک جاری رہے گی۔ زیادہ تکلیف آپ کو نہ دی جائے گی۔

(۳) جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا۔ اُس کو بیعتِ توبہ کرنا لازمی ہوگا۔ وہ بیعت بحاضری جمیع علماء کرنی ہوگی۔ اور اس بحث کے حکم خواہ وہی ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں۔ یا اور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے۔ مگر رعایت یہ ہوگی کہ وہ مولوی صاحبان جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو اُن کے معتقدین میں سے ہوں اور نہ پیر صاحب کے ملنے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ اُن کو جس طرح سے اور جو جو حلفت قبل از اظہار رائے دینا مناسب سمجھیں دے دیوں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔

(۵) چونکہ احتمال ہے کہ ایک شخص مغلوب بھی ہو جائے اور پھر بھی توبہ نہ کرے۔ اس لیے فریقین ایک ایک معتبر ضمانت پانچ پانچ ہزار روپیہ کی دے دیں کہ وہ روپیہ اُن علماء کے اظہارِ رائے پر ذلتی غالب کا حق ہوگا۔

(۵) مرزا صاحب یہ بھی لکھ دیں کہ اس بحث کے وقت یا دورانِ زمانہ بحث میں اگر کوئی الہام اس قسم کا اُن کو ہو جائے جو مبتدل یا ناسخ شرائط بحث مباحثہ کا ہو یا مرزا صاحب کو کوئی آثار اس مضمون کا آجائے کہ گھر میں کوئی بیمار ہے یا اور کوئی سچو قسم خط یا پیام وغیرہ آجائے تو مرزا صاحب بحث و مباحثہ کو حسب شرائط مقررہ حال پورا کریں گے اور اُس الہام، آثار، خط یا پیام وغیرہ پر کار بند نہ ہوں گے پہلے سوچ سمجھ لو بابا، اور الہام کے ذریعہ ان تمام امور کی احتیاط کر لو بعد میں کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ اگر مرزا صاحب اب میدان میں تشریف نہ لائے اور اس مباحثہ سے منہ پھیر کر اس میں کوئی حجت و حیلہ کریں گے یا اب شرائط میں کسی قسم کی کوئی وقت یا پیچیدگی پیدا کر دیں گے جس سے اس معاملہ کا وقوع غیر اغلب ہو جاوے تو پھر سمجھا جائے گا۔ اور اُس کا نتیجہ فطرتی طور پر یہی ہوگا کہ مرزا صاحب کی الہی طاقت، (وہی خدائی عاجی والی) مغلوب ہو گئی اور خدائے رب العلیین کی الہی طاقت نے اُن کے سرور اور شخصیت کو توڑ کر کھل ڈالا اور اُن کے تمام دعاوی بیودہ پر خاک پڑ گئی۔ ہم تو خدائے دعا کرتے ہیں کہ آپ میدان میں آئیں۔ بلکہ آپ نے ان شرائط کو منظور کیا تو لوگ گہی کے چراغ جلا لیں گے۔ مگر پھر کہہ دیتے ہیں کہ آپ کبھی میدان میں نہیں آئیں گے۔ ہم الہام سے نہیں کہتے مگر سابق تجارب اس خیال کے مؤید ہیں۔

بینیم تا کردگارِ جہاں دریں آشکارا پچہ دارد نہاں

العارض محمد غازی ۲۵۔ جولائی ۱۸۹۷ء

نوٹ:- پیر صاحب اس مباحثہ کے لیے ۲۵۔ اگست ۱۸۹۷ء مقرر کرتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب خیال رہے کہ آپ اشتہارِ مذکور کے موصول ہونے پر منظوری یا نا منظوری سے اطلاع دیں ورنہ یاد رہے کہ اگر پیر صاحب لاہور تشریف لے گئے اور آپ تاریخ مقررہ پر نہ آئے تو آپ اُس صورت میں کتنی ذمہ داریوں کے ذمہ دار بھی ہوں گے۔ فقط

(مطبوعہ چودھویں صدی پریس راولپنڈی)

جماعت علماء کی طرف سے جواب دعوت کا اشتہار

اس کے بعد پنجاب، سرحد اور ہندوستان کے ساٹھ علماء و مشائخ کے دستخطوں سے ایک اشتہار مرزا صاحب کی دعوت کے جواب میں جاری ہوا۔ جس میں درج تھا کہ ہمیں حضرت پیر صاحب کا اشتہار جواب دعوت مل گیا ہے اور ہم ۲۵ اگست ۱۹۰۷ء کو پیر صاحب کے ہمراہ جلسہ مباحثہ لاہور میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم حضرت پیر صاحب کی شرط برائے منظر تفریری کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت و نبوت ہی اہل اسلام کے درمیان مابہ النزاع ہے۔ اور وہ بقول خود مسلمانوں پر اس دعویٰ کے اثبات کے لیے مامور بھی ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کے لیے بہت اچھا موقع ہے کہ اس منظرہ میں اپنا دعویٰ ثابت کر کے اہل اسلام پر اتمام حجت کریں۔ علم تفسیر اور عربیت میں آپ کا کمال ایک ثانوی چیز ہے۔ اگر آپ کی امامت کو تسلیم کر لیا گیا تو آپ کے دیگر کمالات الاحمال تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اپنے دعویٰ مسیح و مہدوی معبود کو منوانے کا اس سے بہتر موقع مرزا صاحب کو کبھی نہیں ملے گا۔ یہ چیز کسی پہلو سے معقول نظر نہیں آتی کہ مرزا صاحب علمائے برصغیر ہندوستان کی ایک کثیر جماعت کو محض اس لیے بلارہے ہوں کہ وہ جلسہ لاہور میں دن بھر خاموش بیٹھ کر دلائل کی تفسیر نویسی کا مظاہرہ دیکھتے رہیں۔ پیر صاحب تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لیے بھی تیار ہیں۔ لیکن اگر تفریری مباحثہ نہ ہو تو تفسیر نویسی کے مقابلہ کے بعد بھی متنازعہ فیہ مسئلہ خوں کاٹوں رہ جائے گا۔

حضرت کی طرف سے تفریری بحث کی دعوت کا رد عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طرف سے تفریری بحث کی دعوت نے اس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیت اور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں دو فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر کے، بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے مگر حضرت قبلہ عالم قدس کی دعوت نے قادیانیت اور اسلام اور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اور قول فیصل کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

فریقین کی توقعات کا جائزہ

فریقین اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی الہامی بشارات شائع کر رکھی تھیں کہ اس مباحثہ میں "احمریت" کو عظیم الشان فتح حاصل ہوگی جس کی خوشی میں خدائے تعالیٰ کے حکم سے اُس روز کئی اندھے بنیا ہو جائیں گے اور اپنا ج چلتے پھرنے لگیں گے۔ مرزا صاحب کی جماعت کو کامل یقین تھا کہ عنقریب امت مرحومہ اس امام آخر الزمان کی بیعت میں شامل ہو جائے گی۔ اور یہ حالات محض اس نتیجہ کے ظہور کے لیے بطور اسباب پیدا ہو رہے ہیں مسلمانوں کا انگریزی خوان طبقہ قادیانیت کو ترقی پسند عنصر اور رفتار زمانہ کا نباض سمجھنے لگ گیا تھا اور دین سے اپنی عدم واقفیت کی بنا پر اس کی مخالفت کو مولویوں کی قدامت پرستی سے تعبیر کرتا تھا۔ نیز ایک نئی جماعت کے جوش تنظیم اور جذبہ خود ارادیت میں اُسے اسلام کی تعمیر نو اور حیات ثانیہ کے آثار نظر آرہے تھے۔

ابھی بولائی جہاز یا جہاد نہیں ہو تھا اور نہ ہی اقطار السموات والارض کو عبور کر کے چاند اور سورج کی طرف سفر کرنے والے سینکڑوں میں وزنی راکٹ کا تصور پیدا ہوا تھا۔ لہذا انگریزی اسکولوں کے مسلمان سائنس ٹیچروں کو جو اپنے علم طبعی کو حربہ آخر سمجھ بیٹھے تھے مرزا صاحب کے ان اقوال میں کافی وزن نظر آتا تھا کہ ”میں دوسرا پاؤں اٹھاؤں تو گر جاؤں۔ اور حضرت عیسیٰ آسمان پر کیسے چڑھ گئے، وہاں پہنچاتے کیا ہوں گے اور رفع حاجت کا کیا انتظام ہو گا۔ اور آب تو پیر فرشتہ ہو چکے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ (ازالہ اوہام)

پھر قادیانی جماعت اس سے بھی بے خبر نہ تھی کہ خیمہ لا حضرت بھی راہ پر آگئے ہیں۔ توفی کے معنی وفات لیتے ہیں قد خلت من قبلہ الرسل میں تمام انبیائے سابقین کی موت کے قابل ہو رہے ہیں۔ وَمَا ضَعُفُهَا بِمُخْرِجِينَ میں جنت سے واپسی کو ممکن نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ وَمَا ضَعُفُهَا سے اگر یہی مراد لی جائے کہ صلیب پر حضرت مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

چنانچہ مرزا صاحب کی جماعت قدرتا ۲۵۔ اگست کے لیے یوم عید کی طرح چشم براہ تھی کہ اس روز علماء اور مشائخ کا مورچہ سر ہو کر قادیانیت ”جنگل کی آگ کی طرح ٹلک بھر میں پھیل جائے گی۔ مگر آسے بسا آرزو کہ خاک شدہ اہل علمائے اسلام کے کیمپ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے تبحر علمی اور کمالات ظاہری و باطنی کی دھوم تھی۔ کیونکہ توحید و رسالت کے اسرار و رموز پر آپ کی مشہور زمانہ تصنیف تحقیق الحق تین برس قبل شائع ہو کر عرب و مصر و روم کی سرحدات عبور کر کے داؤ تجسین و کمال حاصل کر چکی تھی۔ علاوہ انہیں براہ راست قادیانیت پر آپ نے اپنی کتاب شمس الہدایہ میں روشنی ڈالتے ہوئے دریا کو گوزہ میں بند کر دیا تھا اور اس وقت تک مرزا صاحب سے کلمہ طیبہ کے معنی اور تشریح حقیقت معجزہ کے متعلق آپ کے سوالات کوئی عرصہ چھ ماہ سے، مرزا صاحب کے بیٹے الفکر اور حکیم نور دین کے مطلب پر دستک گنان تھے جن کا اس جماعت سے کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ علاوہ انہیں علمائے اسلام کو خود مرزا صاحب کے اشتہار و دعوت میں بھی ضعیف کے آثار نظر آ رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہونے والے اپنے کلام پاک کی مثال پیش کرنے کے لیے تو دو جہان کو تیلج کر دیا تھا کہ وَاذْعُوا شَهْدَاءَكُمْ اور وَاذْكُوا كَانْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا مگر مرزا صاحب قادیانی وعدہ نصرت الہی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی مولوی نے پیر صاحب کو اشارہ یا کنایہ بھی کوئی مدد دی تو اسے کمرہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔

قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی نامنظوری کے خط پر اس شرط کی واپسی

حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور نے مرزا صاحب کو جسٹریڈ چٹھی بھیج دی تھی اور اسے شہر بھی کر دیا تھا کہ اگر وہ جہاں کی شرائط میں ترمیم کرنا چاہتے ہوں تو بروقت اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب اس وقت تک اپنی جماعت کی غوش فہمی اور اندازہ میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ قدم واپس ہٹانا انہیں مشکل تھا۔ جماعت کی عقیدت نے ان کے لیے عظمت کا جوا ہل پیدا کر دیا تھا اسے وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے خود کو آخر دم تک خاموش رہے مگر ان کے ایک حواری سید محمد احسن امروہی نے تاریخ مباحثہ سے صرف چار یوم پہلے ایک خط کو لڑھ شریف پہنچایا جس میں لکھا تھا کہ انہیں تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں۔ اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب آجائیں اس پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ

کی طرف سے آپ کے ایک مخلص حکیم سلطان مسعود سکندر راولپنڈی نے ۲۱ یا ۲۲ اگست کو یہ اعلان شائع کر دیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ ۲۵ اگست کو مرزا صاحب کی اپنی شرائط کے مطابق تحریری مباحثہ کے لیے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس اعلان کی ایک کاپی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ انہوں نے قادیان بھی بھجوا دی۔ مگر وقت کی تنگی کے باعث تمام ملک میں اس کا پوری طرح اعلان نہ ہو سکا۔

مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع

چنانچہ جب وعدہ کا دن قریب آیا تو ملک کے طول و عرض سے ہزار ہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء، مشائخ، درویش اور ہر طبقہ و فرقہ کے مذہبی افتاد طبع رکھنے والے مسلمان، شیعہ، سنی، اہل حدیث حتیٰ کہ قادیانی جماعت کے مُردِ متفق، ہمدرد اور مائل بھی دُور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ دہلی، سہارن پور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ، گورداسپور، امرتسر، مظفر گڑھ، ملتان اور پشاور کے ہر عقیدہ کے اسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحث میں دلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھیجے۔ بعض سرکاری ملازم بھی دُور و دراز شہروں سے رخصت لے کر پہنچ گئے۔ مسلمانانِ لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔ اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سواریلوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُن دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقع پر تو ہجومِ خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جیسی مشہور زمانہ روحانی تقدس اور علمی احترام و شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں علمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدانِ مساعڑہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ اور تمام موافق، متردّد یا مخالف حضرات، اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اشتہاری تحریک کا حشر و کھینچا چاہتے تھے۔

مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا

اس معرکہ میں تمام اسلامی فرقوں کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ سنی، اہل حدیث اور اہل قرآن کے علاوہ لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے اپنا سربراہ و نمائندہ ہونے کا اعلان کیا۔ بالکل وہی صورت حال پیدا ہوئی جو پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت ہندو کفر کے مقابلے میں اسلامی سیاسی پلیٹ فارم پر پیدا ہو گئی تھی اور یہی صورت آج سے تیرہ سو سال قبل قیصرِ روم کے اسلامی ممالک پر حملہ کے خطرہ کے وقت بھی پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت امیر معاویہؓ نے رومی سلطنت کو خبردار کیا تھا کہ اگر اندرونی اختلاف کے پیش نظر اسلامی سلطنت پر حملہ کیا گیا تو سب سے پہلا سپاہی جو علیؓ کے لشکر سے تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا وہ معاویہؓ بن ابوسفیان ہوگا۔

یہ وہ اسلامی رُوح تھی جو اپنے دامن کی پہنائی اور شدید و خفیف اختلافات کے باوجود ہر بُرونی اور ناقابلِ برداشت طاقت کے خلاف نبرہ آزمائی و مدافعت کے لیے اپنے فرزندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے پر ہمیشہ مجبور کر دیتی رہی ہے۔ اسلامیانِ ہند کی اس علمی اور دینی قیادت کے وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی عمر تشریف صرف بیالیس سال کے قریب تھی۔

انہیں فارغ التحصیل ہوئے بائیس برس ہو چکے تھے۔ خلافت ارشاد کا اٹھارواں سال تھا۔ اور جذب و سیاحت اور ادائیگی حج کے بعد مسند ارشاد پر صرف دس برس کا عرصہ گزرا تھا۔

لاہور میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تشریف آوری

۲۴ اگست کو گورنہ شریف سے روانگی پر حضرت نے مرزا صاحب کو ایک تار کے ذریعے پہلے راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے اور پھر اٹھائے سفر لائونٹی جکشن سے اطلاع دی کہ میں لاہور پہنچ رہا ہوں۔ جب آپ کی ٹرین لاہور پہنچی تو پہلا سوال جو آپ نے دریافت فرمایا مرزا صاحب کی آمد کے متعلق تھا۔ پچاس کے قریب نامی گرامی علماء آپ کے ہمراہ تھے جو پشاور، ہزارہ، انک، چچہ، دھنی، گھنسی، پوٹھوہار، سوان اور سون وغیرہ علاقہ جات کے رہنے والے تھے۔ اضلاع جلم، گجرات، گوجرانوالہ، سہ ماہ پور، میانوالی کے علماء اور مشائخ اٹھائے راہ یا لاہور میں پہنچنے سے قبل یا بعد پہنچ کر شامل ہو گئے۔ اسی طرح بہاول پور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان کے آرباب علم پہلے پہنچ کر آپ کے استقبال کنندگان میں شامل تھے۔ آپ کے ایک صاحب علم ثروت مخلص حاجی کریم بخش سیٹھی سکند پشاور ساٹھ ہزار روپے کی طلائی اشرفیاں ہمراہ لائے تھے کہ اگر آرباب حکومت نے تحفظ امن کے پیش نظر ضمانت طلب کی تو نقد جمع کرادی جائے گی۔

مسلمان بہت بڑی تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے اکٹھے ہو چکے تھے اور آپ کو جلوس کی صورت میں لے جانا چاہتے تھے مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور ریلوے اسٹیشن سے باہر باغ میں تشریف فرما ہو کر تقریباً دو گھنٹہ تک لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے اور ان کے شوق زیارت کی تسکین فرمائی۔

آپ کے قیام کا انتظام مع آپ کے رفعت کے برکت علی محمد نال اور اس کی مجموعہ عمارات بیرون پوچی دروازہ میں کیا گیا تھا۔ جہاں سرشام ہی مقامی اور بیرونی علماء و زعماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی جو بہت رات گئے تک متعلقہ مسائل پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اس مجلس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے قادیانیت کے موافق و مخالف پہلوؤں پر بعض ایسے دلائل اور اسناد بیان فرمائے جو اس سے قبل کسی کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیت کے موافق نقطہ نظر سے دلائل دیئے تو مولوی غلام محمد گوبی امام شاہی مسجد لاہور بول اٹھے کہ حضرت اس سے تو ہمیں بھی شہادت پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ مگر جب آپ نے تردیدی رُخ اختیار فرمایا تو مولوی عبد الجبار غزنوی نے مجمع علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت پیر صاحب نے ان مسائل پر جو طرزا استدلال اختیار فرمائی ہے اس سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

علماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط کو واپس نہیں لینا چاہیے لیکن حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء و مشائخ اسلام کی اس برگزیدہ مجلس میں شامل ہو جائیں۔ کیا عجب کہ حدیث شریف **هَمْ قَوْمٌ لَا يَشْفُقُ بَعْلِيْنَهُمْ** (یہ وہ قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرہ ور ہو کر راہ راست پر آجائیں اور یہی چیز اس نیاز مند علماء و مشائخ کے حق میں اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہو کر مغفرت کا سبب بن جائے۔

کہتے ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اس خیال پر بہت اصرار تھا۔ بقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حبيب مرزا صاحب نے لاہور آنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ علماء و مشائخ کی ایک چمیدہ اور مختصر جماعت کے ساتھ قادیان

جانے کو بھی تیار ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کی اکثریت کے اس اقدام سے منع فرمانے پر اسے باطنی ارشاد سمجھتے ہوئے رک گئے۔

مرزا صاحب کی آمد کا انتظار

مباحثہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا تھا اس لیے مورخہ ۲۵ اگست کو پولیس نے وہیں حفظ امن کے انتظامات کر رکھے تھے۔ ۲۵ اور ۲۶ کو دونوں اطراف کے نمائندے اور عوام مسجد میں جمع ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے مگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔

قادیانیوں کی دُور دھوپ

اس جماعت کے بعض ذی اثر لاہوری حضرات نے مرزا صاحب کو لانے کے لیے بہت تنگ و دو کی مگر ناکام رہے۔ مرزا صاحب نے کھلا بھیجا کہ میرا صاحب خود اعلان کریں کہ تقریری بحث کی شرط کو میں واپس لیتا ہوں اور تحریری مقابلہ کے لیے اشتہار دعوت کی شرائط کے مطابق تیار ہوں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کے حواری مولوی محمد احسن امروہی کے اسی مضمون کے اشتہار کے جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم مولوی سلطان محمود کا جواب شہر ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کی اپنی شرائط پر ہی ہمیں مقابلہ منظور ہے۔ اس سے پہلے بھی مرزا صاحب کے نام ایک مطبوعہ خط شائع کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ کسی شرط میں ترمیم چاہتے ہیں تو اطلاع دیں مگر مرزا صاحب نے کوئی اطلاع نہ دی اور برابر خاموش رہے۔ اگر اب بھی وہ اپنے دستخطوں سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری بحث نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اپنے دستخطوں سے اعلان کر دوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط اور مطالبہ واپس لے چکا ہوں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ تقریری بحث کی شرط خود مرزا صاحب کے اشتہار دعوت سے ہی پیدا ہوتی ہے جس میں انہوں نے تحریری مقابلہ سے پہلے علماء کو یہ دعوت دی ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی دلائل ہیں تو کیوں پیش نہیں کرتے۔ مگر اس گفت و شنید کے جواب میں مرزا صاحب نے نہ صرف اپنی طرف سے یہ اعلان جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٰ نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے بہانے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

قادیانی جماعت میں انتشار

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد قادیان سے مرزا صاحب کا یہ جواب لے کر ناکام لوٹا تو اس جماعت میں بہت انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض نے اسی وقت توبہ کا اعلان کر دیا بعض سخت مانوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لاہور کے اکثر وہ لوگ جو مرزا صاحب کے بہت قریب تھے، حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی روزانہ مجالس سے اثر پذیر ہو کر، کم از کم مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کے منکر ہو گئے۔ بعض دیگر حضرات مثلاً بابو الہی بخش اکاؤنٹنٹ وغیرہ نے جو قادیانیت کے سرگرم رکن رہ چکے تھے، حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کیے۔ لیکن قادیان سے آئے ہوئے تنخواہ دار مولویوں کی قیادت میں ایک گروہ اس گرتی ہوئی عمارت کی پشتیبانی پر برابر کمر بستہ رہا۔

عام حالات میں اپنے نتائج کی رُو سے شکست اُس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دُور رس تھی جو چھ سال قبل، مرزا صاحب اور اُن کے مذہب کو عبد اللہ آتھم کی موت کی پیشین گوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی تھی لیکن جس طرح اُس وقت مرزا صاحب کے قلم سے ”فتح اسلام“ اور ”انجام آتھم“ جیسی فاتحانہ اور ظفر مندانہ تالیفات عالم وجود میں آئی تھیں، بالکل اُسی طرح اب بھی مرزا صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے اس شکست و فرار کو فتح عظیم بیان کیا۔ مولوی محمد احسن امرہوی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے در و دیوار پر اشتہارات دکھائی دیئے گئے جن میں لکھا تھا کہ:

”پیر صاحب گولڑہ نے امام آخر الزمان کے مقابلے میں فرار اختیار کیا۔“
 ”آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کھل دیا۔“

”مسیح موعود کی الہامی بشارات صحیح ثابت ہوئیں۔“ حالانکہ لاہور کی پبلک پشیم خود حضرت پیر صاحب کو لاہور میں موجود دیکھ رہی تھی۔ اور جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود اُن کے بار بار بلائے کے نہیں آئے۔

ع چہ دل اور است دُڑے کے بکف چراغ دارد

کرامات اور معجزات میں مقابلہ کی پیش کش

اس جماعت کے ایک وفد نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ ایک اندھے اور ایک اپانچ یعنی لنگڑے کے حق میں مرزا صاحب دُعا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک دُوسرے اندھے اور اپانچ کے لیے آپ دُعا کریں جس کے نتیجہ پر حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے جواب دیا کہ مرزا صاحب سے کہہ دیں کہ اگر مرنے بھی زندہ کرنے ہوں تو آج آئیں۔ قریب ہی امرتسر کے ایک مولوی صاحب (غالباً مولوی شام اللہ) موجود تھے جنہوں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میری طرف سے عرض کیجئے گا کہ مولوی عبدالکریم کو ضرور ہمراہ لائیں وہ بوجہ حق الخدمت اس معجزہ کے حقدار بھی ہیں۔

لاہور میں قادیانی داعِ غیظین کے حیلے بہانے

ان دنوں برانڈر تھرڈ کی قادیانی مسجد میں، ان کے داعِ غیظین کچھ اس قسم کے دلائل دے رہے تھے :-
 ۱۔ بے شک نبی کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں پہنچ کر اتمام حجت کرے۔ پہلے چونکہ جہادِ سیفی کا زمانہ تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہو کر فرماتے تھے۔
 اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ۔ مگر اب جہادِ سیفی منسوخ ہو چکا ہے اور قلمی جہاد کا زمانہ ہے اس لیے حضرت مسیح موعود صرف قلم کے ذریعہ جہاد فرما رہے ہیں۔

۲۔ یہ درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو وَاللّٰهُ لَيُعْصِمَنَّكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا) کی بشارت مل چکی تھی لیکن انبیاء کو اس امر کا بھی حکم ہے کہ اس عالم میں جو عالم اسباب ہے، الہام الہی کی منشاء کی تکمیل کے لیے خود بھی چارہ سازی اور تدابیر اختیار کریں۔ حضرت مرزا صاحب پر بڑے الہام واضح ہو چکا تھا کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنی حفاظت کے خیال سے لاہور آتے۔

۳۔ خدائے تعالیٰ کے احکام ہمیشہ شرطیہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت کو بلا چون و چرا تسلیم کر کے تحریری مناظرہ کے لیے حاضر ہو جاتے اور اپنی خانہ زاد شرائط (تحریری بحث، توبہ اور بیعت) کا اضافہ نہ کرتے تو یقیناً الہام الہی کا وہ متنازعہ اشتہارات میں درج ہے پورا ہو جاتا۔ پس وہ لوگ بہت ظالم ہیں جو کہتے ہیں کہ الہامی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ قادیانی استدلال کا یہ انداز، اسلامی شعور سے جس کے نظریات اور مشاہدات سیدھے صاف انداز، صداقت اور شجاعت پر مبنی تھے کچھ اس قدر بعید اور بیگانہ تھا کہ لوگوں کے طنز اور تضحیک کا سامان بن گیا۔ چونکہ اس میں کسی بات کا مطلب بھی سیدھا اور بغیر تاویل اور بغیر مہیرا پھیری کے نہ ہوتا تھا اس لیے شعراء نے اسے مداری کی شکاری، آزاد خیال مصنفین اور مقررین نے ”سویشی نبوت کی ابد فریبی“ اور علماء کے ثقہ اور باوقار قلم نے ”تاویلات نامعقولہ“ کا نام دیا۔ اسی طرز استدلال کی بدولت قادیانیت کو کبھی بھی میدانِ محنت ابد میں آنے کی جرأت نہ ہوئی اور یہ قرآنی نظریہ عدالت و بسالت سے روگردانی کا سب سے پہلا اثر تھا۔

تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ایک مشہور عام بات

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اس موقع پر ایک اور بات بھی فرمائی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور مدت تک اس کا چرچا رہا۔ آپ نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور ان کی فیض عربی اور زود نویسی کی تعلیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ علمائے اسلام کا اصل مقصد تحقیق حق اور اعلاء کلمۃ اللہ ہو کر تا ہے، فقر و تلعنی مقصد نہیں ہوتا۔ ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اس وقت بھی ایسے خادمِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جاتے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اپنی جانب تھا چنانچہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم کا شفیق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ بالکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتے۔ نیز فرمایا ”کئی کئی دے زور تے کد دی اے“ یعنی بچھڑا کھونٹے کے بل پر ہی تو کو دتا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبطِ حال اور وقار عطا فرمایا تھا یہ الفاظ اُس مشرب کے لحاظ سے غیر معمولی تھے، کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اور درویش اُسے سمجھتا ہوں جو فقر و روحانیت کے ساتھ سمندر پی جاتے مگر ہمسائے کو خبر تک نہ ہو۔ آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں پیش گوئی یا فقری کے فقر و ادعا کا رنگ جھلکتا ہو۔ لیکن اگر کبھی کوئی بات اشارۃً یا کنایۃً آپ کی زبان مبارک سے نکل گئی تو اللہ تعالیٰ کے کرم و احسان سے ہمیشہ پوری ہوئی چنانچہ آپ کے مشرب سے واقف حضرات کو آپ کے اس ارشاد پر کامل یقین کے علاوہ حیرت بھی تھی کچھ عرصہ بعد حلقہ ارشاد میں گفتگو کے دوران آپ نے اپنے شاہی مسجد والے مندرجہ بالا قول کے متعلق فرمایا کہ وہ کسی خاص اذن کی بناء پر تھا۔

قادیانی چیلنج کے جواب میں فقیر غمخور کا رجز

یاد رہے کہ آیام الصلاح میں قادیانی مذہب نے اہل اسلام سے مندرجہ ذیل الفاظ میں قوت آزمائی کے لیے میدانِ مبارزت طلب کیا تھا جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

”آج اس نیلگون آسمان کے سایہ میں کسی شخص کو یہ مجال نہیں کہ میرے ساتھ ہمسری کی لاف مار سکے۔“

میں آشکار اور بے باک کہتا ہوں کہ اسے اہلِ اسلام، تمہارے درمیان بعض لوگ ہیں جو محدثیت اور معصرت کا دعویٰ کر کے گردن فرازی کرتے ہیں۔ اور بعض طائفے ہیں کہ نازشِ ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے اور گردہ ہیں جو خدا شناسی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ان سب سے کہو ذرا میرے سامنے تو آئیں۔ (ترجمہ)

چنانچہ اس تحدی اور مبارز طلبی کے جواب میں آج فقیرِ غور میدان میں نکل کر پکار رہا تھا کہ
خاکسارِ ان جہاں را بھارتِ سنگر
توجہ دانی کہ دریں گرد سوار سے باشد
لیکن نبوت و امامت کے مدعیان کا ذب کو آب قدم باہر نکالنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

دین حق کے تحفظ میں یہ رجحانِ خوئی اور ظفریابی، کیا میدان اور کیا منبر، ہر کہیں حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کو اپنے مورثِ اعلیٰ بابِ علوم و شہادہ ولایت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب و جدِ امجد پیرانِ پیر حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہما سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور آپ اس کے لیے مامورِ من اللہ تھے۔ چنانچہ جیسے کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے اس ماموریت اور نصرت کے متعلق اس دورانِ کئی اہل اللہ کو از رُئے کشفِ باطنی معلوم بھی ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ فقیر احمد میروی کا ارشاد پہلے درج ہو چکا ہے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا ارشاد گرامی بھی آچکا ہے۔ ایک اور بزرگ حضرت سید چان شاہ جابہ شریف بھی اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک فوج کو علم لہرتے دیکھے جہلم کے پُل پر سے لاہور کی جانب جاتے دیکھا۔ جن میں سے ایک صاحب نے میری دریافت پر فرمایا کہ ہم بغداد شریف سے آرہے ہیں۔ اور پیر صاحب گولڑہ شریف کی نصرت کے لیے مرزا سہ قادیانی کے مقابلہ پر لاہور جا رہے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے اس قادیانی معرکہ کے کوائف ایک رسالہ موسومہ ردِ یدادِ جلسہ لاہور مرتبہ حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور میں شائع ہوئے تھے علاوہ ان میں ایک مجموعہ مضامین سن درجہ اخبار چودھویں صدی راولپنڈی بھی کتبانی صورت میں موجود ہے۔ اور مولوی کرم دین بھٹیاں ضلع جہلم نے بھی اپنی کتب "تاریخِ عبرت" میں اس معرکہ کے چشم دید حالات اور اپنے ایک عزیز مولوی محمد حسن فیضی مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے بعض دیگر رسائل اور اشتہارات وغیرہ بھی مختلف کتب خانوں اور اسلامی لائبریریوں میں ملتے ہیں جن میں راولپنڈی کے ایک پنجابی شاعر پیراں دتہ خادم کا نظیہ رسالہ تحفہ خادم بھی قابلِ ذکر ہے۔

شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ (ماخوذ از رسالہ ردِ یدادِ جلسہ لاہور)

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو ۱۲ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے اس دعوتِ مناظرہ کی مکمل داستان بیان کر کے قادیانیت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اسلامی فرقوں کے سرکردہ علمائے منبر پر کھڑے ہو کر ختمِ نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس دنیا میں آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور جو شخص بھی اس عقیدہ کا منکر ہے دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

۱۔ سب سے اول مولوی محمد علی صاحب نے دربارہ عقائد مرزا قادیانی و مظلوم فرمایا کہ یہ اس کے عقائد ہیں جو صریحاً مخالفِ قرآنِ کریم

وسنت واجماع اُمت ہیں۔

۲۔ مولینا مولوی عبدالمجیب صاحب بن مولینا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا، جس کا ماحصل یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال و اقوال یہ تھے۔ پس جو شخص اُن کے مطابق چلنے والا ہے وہ اُن کا پیرو ہے اور جو شخص اُن کے مخالف ہے وہ مرتد اور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال و اقوال قطعاً مخالف سنت نبویہ و روش صحابہ کرام ہیں اس لیے اہل اسلام کو اُس سے بچنا چاہیے۔

۳۔ ابوالفیض مولینا مولوی محمد حسن صاحب مدرس دارالعلوم نعمانیہ نے دربارہ غرض العقاد جلسہ و کارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دُنیا میں مزاحیے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، ہمدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کفر کو دار کو پہنچ کر عرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد مولوی تاج الدین احمد صاحب جو بہر مختار چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی۔ اور مرزا کے چند اشتہارات سے اُن کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اور شائستگی سے کچھ عینی کی۔

۵۔ بعد ازاں جناب حضرت مولینا ابوسعید محمد عبدالخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیل شریف نے مرزا صاحب اُن کی بیہودہ کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے۔

۶۔ پھر ایک نابینا حافظ صاحب نے جو اپنے آپ کو ظریف متخلص کرتے تھے ایک ظریفانہ نظم پڑھی جس کی نسبت حضرت ابوسعید محمد عبدالخالق صاحب موصوف نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ ظریفانہ نظمیں پڑھنے کا موقع نہیں ہے بلکہ یہاں تو اقوال فیصل اہل الرائے علمائے کرام کے بکار ہیں۔

۷۔ اس کے بعد ابوالوفا مولوی شہار اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اُس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علمائے کرام کی ہتک اور اُن کی شان سے بعید ہے۔

۸۔ مولینا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نے عقاید مرزا صاحب کے متعلق تردید اور کچھ جناب شہر علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی نسبت تائید انہایت عمدگی سے بیان فرمایا۔

۹۔ ازاں بعد جناب مولینا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹوکی پروفیسر اور نیشنل کالج و پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور نے چند آیات قرآن کریم و احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے مرزا کے عقاید کی سخت تردید فرمائی۔

۱۰۔ اس کے بعد مولوی احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک موثر وعظ فرمایا۔

۱۱۔ اور آخر میں حضرت پیر صاحب نے دعائے خیر کی اور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

لے مولینا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب و مولینا مولوی عبدالمجیب صاحب غزنوی جنہوں نے ۲۰ پر جلسہ ہدایس وعظ فرمایا ہے۔ اس مباحثہ کے واسطے حسب تجویز مرزا قادیانی و منظوری پیر صاحب نصف قرار پا چکے ہوئے تھے تیسرے صاحب ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب شہد تشریف لے گئے ہوئے تھے اس لیے وہ شریک جلسہ نہ ہو سکے ورنہ وہ بھی ضرور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔

نتیجہ یا فیصلہ جلسہ ہذا

بہ لحاظ مجملہ حالات مرزا وحسب رویداد مندرجہ بالا مجملہ علمائے کرام و مشائخ عالی مقام در و سائے عظمیٰ و حاضرین جلسہ اہل اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ :-

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیق حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگان دین اور معززین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرنا چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصود ہے۔

۲۔ اس موقع پر اس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوت مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمدہ گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صد ہا بزرگان دین و معززین اہل اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے حرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا اُنہیں متحمل کیا۔

۳۔ اس کے عقائد بالکل خلاف قرآن کریم و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کے ہیں۔

۴۔ اس کے دعوے بالکل غلط و بے بنیاد اور لغوی ہیں۔

۵۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالفت اور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وہ اپنے اشتہار معیار الاخیار میں یوں لکھتا ہے :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (ترجمہ) اے غلام احمد تو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں۔

۶۔ وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اور قادیان کو بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے۔ اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہے۔

۷۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸۔ وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا و ہتک آمیز تحریریں شائع کر کے اُن کی دشمنی کر رہا ہے۔

۹۔ وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

۱۰۔ اس کے اور اس کے حواریوں کی تحریریں سخت بد تہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱۔ اس کی عام اسلامی مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہوئے ہیں۔

پس بہ لحاظ وجوہات مذکورہ بالا مجملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے۔ اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور مناقضہ عادی سے چال بازی اور جیلہ جوئی کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ اور شرفاء کی پگڑیاں اُٹانے اور بازاری و عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے۔ اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اُس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اس لیے آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اُس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ

بالکل خلافِ اسلام ہیں۔

علماء و مشائخ ناصرین کی فہرست

جس قدر وقت نے گنجائش کی اور دستخط کرانے والے کی واقفیت کم تھی ہوتی ہم نے درجہ ذیل علمائے کرام اور مشائخ عظام کے دستخط حاصل کر لیے گئے :-

جناب ابوسعید حضرت خواجہ محمد عبدالخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیلان بن حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ
 جناب مولینا مولوی عبدالجبار صاحب بن مولینا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی، جناب مولینا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی، جناب
 مولینا مولوی حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نقشبندی، جناب صاحبزادہ سید عبدالقادر صاحب سجادہ نشین باجھ خیلان
 ضلع پشاور، جناب صاحبزادہ محمد چیراغ صاحب سجادہ نشین چکوڑی بھیلوال ضلع گجرات، جناب صاحبزادہ عبدالعزیز صاحب
 سجادہ نشین چاچر شریف ضلع شاہ پور، مولینا مولوی غلام محمد صاحب بگوی نقشبندی امام شاہی مسجد لاہور، مولینا مولوی شمس اللہ
 صاحب امرتسری، مولینا مولوی عبدالاحد صاحب خان پوری، مولینا حافظ عبدالمتان صاحب وزیر آبادی، مولینا مولوی محمد علی صاحب
 واعظ، مولینا مولوی احمد دین صاحب بھوٹی ضلع کیمبل پور، مولینا مولوی عبداللہ صاحب سجادہ نشین جٹو ضلع ہزارہ، مولینا حافظ نور احمد
 صاحب ملتان مشیر ہال مدرسہ انوار الرحمن، مولینا مولوی محمد نور الحق صاحب ضلع شاہ پور، مولینا مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب باغبانپوری،
 مولینا مولوی محمد ذاکر صاحب اول مدرسہ حمید بیہ انجمن حمایت اسلام لاہور، مولینا مولوی میر محمد عبداللہ صاحب پشاور، مولینا
 مولوی محمد یوسف صاحب سکنہ بھوٹی، مولینا حافظ احمد دین صاحب ولد مولوی سعید الدین صاحب، مولینا مولوی عبدالحق صاحب غنوی،
 مولینا مولوی محمد یار صاحب امام مسجد طلانی لاہور، مولینا مولوی محمد شریف صاحب سکنہ بھیلوال ضلع گجرات، مولینا مولوی ابو محمد صاحب
 لاہوری، مولینا مولوی غلام مصطفیٰ صاحب ایم او ایمل پروفیسر عربی، فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، مولینا مولوی محکم الدین صاحب لاہوری،
 مولینا مولوی محمود الدین صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان، مولینا مولوی غلام احمد صاحب اول مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور،
 مولینا مولوی احمد دین صاحب ضلع جہلم، مولینا مولوی حافظ محمد غازی صاحب ضلع راولپنڈی، مولینا حافظ سراج الدین صاحب سکنہ گولڑہ
 شریف، مولینا مولوی ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا حافظ احمد علی صاحب بٹالوی، مولینا مولوی
 نور احمد صاحب پسروری، مولینا مولوی حافظ جمال الدین صاحب لاہوری، مولینا مولوی نور الدین صاحب امرتسری، مولینا مولوی
 حافظ محمد حسین صاحب امام مسجد چینیاں لاہور، مولینا مولوی علی محمد صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری ناظم التعليم انجمن حمایت اسلام لاہور،
 مولینا مولوی نور احمد صاحب ضلع فیروز پور، مولینا مولوی احمد علی صاحب سیالکوٹی، مولینا مولوی شفیق الرحمن صاحب لاہوری، مولینا خلیفہ
 عبدالرحیم صاحب واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور، مولینا مولوی سید حسن صاحب مدرس اسلام آباد راولپنڈی، مولینا مولوی
 عبداللہ صاحب مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا مولوی غلام ربانی صاحب سکنہ بھوٹی، مولینا سید لعل شاہ صاحب صوفی
 ضلع ہزارہ، مولینا مولوی شہاب الدین صاحب مولد والا، مولینا مولوی فتح علی صاحب ریاست جموں، مولینا مولوی محمد عبدالکریم
 صاحب مدرس اسلامی کالرا، مولینا مولوی امیر حمزہ صاحب ساکن بھوٹی، مولینا مولوی محمد فضل حق صاحب ضلع شاہ پور،
 مولینا مولوی جمال الدین صاحب راولپنڈی، حضرت خلیفہ شاہ عزیز الدین صاحب پشاور، مولینا مولوی ولی احمد صاحب ضلع ہزارہ
 مولینا مولوی عبداللطیف صاحب مخنی علاقہ افغانستان، مولینا مولوی احمد دین صاحب سکنہ جواہر تحصیل چکوال، مولینا مولوی عبدالعزیز

صاحب جہانٹ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور مولانا مولوی احمد علی صاحب و اعطاء بلوی وغیرہ وغیرہ۔
 تنبیہ۔ مرزا غلام احمد اور اس کے حواریوں کو واجب ہے کہ وہ خواہ مخواہ گھرنیٹھے بیٹھے بزرگان دین اور عزت مند
 اسلام کے نام نامی اپنی تحریروں میں شائع کر کے انہیں مخاطب کرنے سے باز رہیں کیونکہ ایسی تحریروں
 سے بجز عام خلاف قیاس بدعتی پھیلنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ہم ان کی غنڈہ اور پھر تحریروں کے جواب
 دینے سے حسب ہدایت جلسہ اہل اسلام لاہور مجبور ہیں۔ اور انہیں اب اختیار ہے کہ وہ ناحق بے گناہ
 کاغذوں کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر کے جس قدر چاہیں زمانہ میں ذلت اور رسوائی حاصل کریں۔

بعد اختتام جلسہ

صاحبان ذیل کی رائے سے یہ تجویز ہو کہ جلسہ مذکور کی تمام کارروائی عموماً پابک کی اور خصوصاً اہل اسلام کی اطلاع کے لیے
 شائع کر دی جائے۔

- ۱۔ عالی جناب یقینیت کرنل راجہ محمد عطاء اللہ خان صاحب سابق سفیر کابل و حال آنرییری مجسٹریٹ و رئیس اعظم
 وزیر آباد و پرنسپل انجمن نعمانیہ لاہور
- ۲۔ جناب چوہدری محمد سلطان خان صاحب میر سٹریٹ لاہور سابق میر منشی کابل
- ۳۔ جناب خواجہ کریم بخش صاحب سنجی و رئیس اعظم پشاور
- ۴۔ جناب مرزا محمد ظفر اللہ خان صاحب مجسٹریٹ درجہ اول لاہور
- ۵۔ جناب سردار بہادر سید امیر علی شاہ صاحب رسالہ المیزان و آؤ آؤ آؤ میرٹ درباری لاٹ صاحب
- ۶۔ جناب سید میر احمد شاہ صاحب نقشبندی ملیر چیف کورٹ پنجاب لاہور
- ۷۔ جناب منشی محرم علی صاحب حشمتی پور پرائیڈ و ایڈیٹر رفیق ہند لاہور
- ۸۔ جناب مولوی تاج الدین احمد صاحب جوہر مختار عدالت چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور
- ۹۔ جناب میاں سراج الدین صاحب جنرل بک مرچنٹ و رئیس لاہور
- ۱۰۔ جناب ڈاکٹر حکیم غلام نبی صاحب سابق مینسپل کمشنر لاہور
- ۱۱۔ جناب مولوی نواب دین صاحب معتبر و ممتاز کارسدر غلام محمد خان صاحب رئیس اعظم ضلع ہزارہ
- ۱۲۔ جناب خلیفہ عماد الدین صاحب انسپکٹر مدارس
- ۱۳۔ جناب مرزا محمد ابوالہیثم صاحب قزلباش لاہور
- ۱۴۔ جناب میاں تاج الدین صاحب پشتر کوٹھیدار رئیس لاہور
- ۱۵۔ جناب حافظ چراغ دین صاحب سوداگر و امین انجمن نعمانیہ لاہور
- ۱۶۔ جناب منشی شمس الدین صاحب شائق مالک و مہتمم مطبع شمس الہند لاہور
- ۱۷۔ جناب میاں الطاف حسین صاحب رئیس لاہور
- ۱۸۔ جناب حکیم سلطان محمود صاحب راولپنڈی
- ۱۹۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب ساکن گولڑہ شریعت

۲۰۔ جناب مولانا مولوی ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی

۲۱۔ جناب حاجی لالہ عبد الکریم صاحب سوداگر پشاور و دیگر صاحبان

التماس بخد مت جمیع صاحبان دیگر مذاہب

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں اس لیے آپ صاحبان کی خدمت میں مؤذبانہ التماس ہے کہ آئندہ مرزا کی کسی تحریر یا تقریر یا الہام وغیرہ کو مد نظر رکھ کر اہل اسلام کو مخاطب نہ فرمائیں۔ مرزائے مذکور جیسا اہل اسلام کا مخالف ہے دیگر مذاہب کا مخالف نہیں۔ اس لیے اس کے کسی حملہ سے آپ مسلمانوں پر کوئی اعتراض نہ فرمادیں۔

صاحبان ایڈیٹر ان اخبارات و رسالہ جات !

جن کی خدمت میں یہ رویداد پہنچے۔ وہ ضرور اسے اپنے قیمتی پرچوں میں جگہ دے کر ہم خادمان اسلام کو مشکور فرمادیں نیز شائقینوں سے بھی امید ہے کہ وہ بعد ملاحظہ خود اس کے شہر کرنے میں حتی الوسع دریغ نہ فرمائیں۔

المشہران

۱۔ ابوسعید محمد خاں سجادہ نشین جہان خیال بن خواجہ خواجگان حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ سردار بہادر سید امیر علی شاہ رسالہ امیر، آرڈر آف میرٹ، درباری لاٹ صاحب بہادر

۳۔ سید میر احمد شاہ نقشبندی پلیدی رچیت کورٹ پنجاب

۴۔ مفتی حکیم سلیم اللہ محافظ دفتر صاحب فنانشیل کمشنر بہادر پنجاب

۵۔ حاجی عبدالقادر نیو پبل کمشنر لاہور

۶۔ مولوی عبدالعزیز مصحح و فز جسر اسر شتہ تعلیم گورنمنٹ پنجاب و ایڈیٹر رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور

۷۔ حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم مصطفائی پریس لاہور

اطلاع

چونکہ مجھے بہت صاحبان کے خط اس غرض سے آ رہے ہیں کہ تمام اشتہارات متعلقہ مناظرہ مرزا قادیانی و پیر صاحب اول سے آخر تک جس قدر میں روانہ کروں گے بوجہ عدم موجودگی تمام اشتہارات ان صاحبان کی تعمیل کرنے سے اکثر معذور رہتا ہوں اس لیے اب چند اجاب و شائقینوں کی رائے سے میں نے ایک مفصل رویداد بطور رسالہ جس میں ابتداء سے انتہا تک تمام کارروائی مکمل اشتہارات کے خلاصوں کے درج ہوگی طبع کرانے کا ارادہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ مناسب وقت میں بہت جلد شائع ہو جائے گی اور اس کی قیمت دو آنے یا کم دیش رکھی جائے گی پس جو صاحبان اس کے خواہاں ہوں وہ مجھے نیا نمبر کے پاس درخواستیں ارسال کریں۔

المشتہر

خادم اسلام حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم کارخانہ

مصطفائی پریس لاہور کشمیری بازار

(نقل رویداد جلسہ ختم ہوئی)

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی لاہور سے ایسی پر مرزا صاحب کا اشتہار

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے لاہور میں ۲۴ اگست سے ۲۹ اگست تک قیام فرمایا۔ ۳۰ یا ۳۱ کو مرزا صاحب کا ایک اشتہار لاہور میں بدین مضمون نکلا کہ میں نے پیر صاحب کو ضمیمہ عربی میں قرآن شریف کی تفسیر لکھنے میں اپنے ساتھ مقابلہ کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے جواباً اشتہار دیا کہ تفسیر نویسی سے پہلے مخصوص قرآنہ وحدیث کی رُو سے مباحثہ ہونا چاہیے۔ اور اس مباحثہ کے علم و فہمی مولوی محمد حسین اور ان کے دو رفیق ہوں۔ اور اگر وہ قسم کھا کر کہ دیں کہ پیر میر علی شاہ صاحب حجت گئے تو اسی وقت لازم ہوگا کہ میں ان کی بیعت کروں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کے جواب میں کیسی چال بازی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ مولوی محمد حسین کے مت یار حضرت مسیح اور مہدی کے بارے میں بالکل پیر صاحب کے مطابق ہونے کی وجہ سے وہ پیر صاحب کے خلاف فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں۔ اب لاہور کے غلی کوچوں میں پیر صاحب کے مُرد اور ہم مشرب اس بات کو شہرت اور ہوا سے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے لاہور پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا اور نہیں آیا۔ حالانکہ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں اور تصحیح بات یہ ہے کہ پیر صاحب خود بھاگ گئے ہیں اور بالمقابل تفسیر لکھنا منظور نہیں کیا اور نہ ہی ان میں یہ مادہ اور شدہ کی طرف سے تائید ہے۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا کہ پشاور کے اکثر جابل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں۔ اور ایسے ہی لاہور کے اکثر سفلا اور کمینہ طبع لوگ غلی کوچوں میں مستوں کی طرح کالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ نیز مخالفت مولوی بُرے چوٹوں سے وضو کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ تو ایسی صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔ اگر پیر صاحب اعلان کریں کہ صرف تفسیر نویسی میں مقابلہ ہوگا اور تقریری بحث نہیں ہوگی تو میں لاہور آکر مقابلہ کے لیے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ شہر لاہور کے تین رئیس یعنی نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب اور نواب فتح علی شاہ صاحب اور سید برکت علی خان صاحب سابق اکسرا اسسٹنٹ ایک تجربہ یافتہ اتفاق شائع کر دیں کہ ہم اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ پیر میر علی شاہ صاحب کے مُردوں اور ہم عقیدوں اور ہم جنس مولویوں کی طرف سے کوئی گالی یا کوئی وحشیانہ حرکت ظہور میں نہیں آئے گی۔ اس فتنہ اور اشتعال کے وقت بجز شہر کے رئیسوں کی پوری طرح کی ذمہ داری کے، لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔

مرزا صاحب نے تقریری بحث کی بہر حال معقولیت کا اندازہ کرتے ہوئے اشتہار کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر پیر میر علی شاہ صاحب بالمقابل عربی تفسیر لکھنے سے عاجز ہوں، جیسا کہ درحقیقت یہی سچا امر ہے تو ایک اور سہل طریق ہے جو وہ طرزِ مباحثہ کی نہیں جس کے ترک کے لیے میرا وعدہ ہے اور وہ طریق یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری مذکورہ بالا کے بعد میں لاہور آؤں۔ اور مجھے اجازت دی جائے کہ مجمع عام میں جس میں ہر سرِ رئیس موصوفین بھی ہوں۔ تین گھنٹے تک اپنے دعویٰ اور دلیل کو پبلک کے سامنے بیان کروں۔ پیر میر علی شاہ صاحب کی طرف سے کوئی خطاب نہ ہوگا۔ اور جب میں تقریر ختم کر چلوں تو پھر پیر میر علی شاہ صاحب شخص اور وہ بھی تین گھنٹے تک پبلک کو مخاطب کر کے یہ ثبوت دیں کہ حقیقت میں قرآن اور حدیث سے یہی ثابت ہے کہ آسمان سے میسج آئے گا۔ پھر بعد اس کے لوگ ان دونوں تقریروں کا خود موازنہ اور مقابلہ کر لیں گے۔

اس اشتہار پر ۲۸ اگست ۱۹ کی تاریخ اور مرزا صاحب کے دستخط اور ان کے چچے گواہوں کے بعد اوقات درج تھے تبلیغ رسالت "مجموعہ اشتہارات مرزا صاحب قادیانی میں ایک اور اشتہار مورخہ ۲۵ اگست ۱۹ء منجانب مرزا صاحب درج ہے جس میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی دعوت تقریری مباحثہ کے سوال پر پہلے میرا ارادہ

تھا کہ پیر صاحب کا یہ گمان باطل بھی توڑنے کے لیے کہ گویا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے کچھ بحث کر سکتے ہیں اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج دوں۔ اور اگر حتیٰ فی اللہ فاضل جلیل القدر مولوی سید محمد احسن صاحب امر وہی پیر صاحب کے ساتھ بحث کرنا قبول فرماتے تو ان کا فخر تھا کہ ایسے سید بزرگوار محدث اور فقیہ نے اپنے مقابلہ کے لیے ان کو قبول کیا مگر افسوس کہ سید صاحب موصوف نے جب دیکھا کہ اس جماعت میں ایسے گندے لوگ موجود ہیں کہ گندی گالیاں ان کا طریق ہے تو اس کو مشتے نمونہ از خردار سے پر قیاس کر کے ایسی مجلسوں میں حاضر ہونے سے احتراز بہتر سمجھا۔ ہاں میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام میں نے تحفہ گوڑویہ رکھا ہے جب پیر صاحب موصوف اس کا جواب لکھیں گے تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور ان کا جواب کیا۔

مرزا صاحب کے عُذرات

- مرزا صاحب اور ان کے سیرت نگاروں نے ان باتوں پر بڑا زور دیا ہے :-
- ۱۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ اگر مرزا صاحب ہار جائیں تو مجھ سے بیعت کریں۔
- ۲۔ بیعت کے بعد اپنے پیر کے ساتھ تحریری مقابلہ کیا معنی ؟ اور
- ۳۔ مباحثہ کے حکم مرزا صاحب کے مخالف تھے۔

ان عُذرات کا جواب

ان عُذرات کے جوابات یہ ہیں :-

- ۱۔ مرزا صاحب نے اشتہار دعوت میں کہا تھا کہ اگر تحریری مقابلہ میں وہ غالب رہے تو پیر صاحب پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے اپنے اشتہار دعوت میں فرمایا تھا — بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بپائیہ ثبوت نہ پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنا ہوگی۔ گویا کسی جگہ اپنے ساتھ بیعت کا ذکر نہیں فرمایا۔
- ۲۔ مرزا صاحب نے صرف تفسیر نویسی ہی اپنے ساتھ بیعت کی شرط رکھی تھی جس کے بعد تحقیق حق کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہنے دیتا تھا لیکن حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے تحقیق حق کے بعد صرف بیعت توبہ کا مطالبہ فرمایا اور اپنے پیر یا مرزا صاحب کے مُردہ بننے کا تعاضا نہیں فرمایا۔ مرزا صاحب کے پیش نظر فقط اپنی بڑائی اور انا خیرِ قہینہ کا خیال نظر آتا ہے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے سامنے اسلام کی حقانیت اور قادیانیت کے ابطال کا مسئلہ ہے۔
- ۳۔ مولوی محمد حسین اور ان کے دونوں رفیقوں کے حکم بنانے کی تجویز خود مرزا صاحب کی اپنی تجویز تھی جو انہوں نے اپنے اشتہار دعوت میں پیش کی تھی حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی طرف سے ضمیمہ جواب اشتہار دعوت میں مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں :-
”جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا اس کو بیعت توبہ کرنا لازم ہوگی وہ بیعت بخاضری جمیع علماء کرنی ہوگی۔
اور اس بحث کے حکم خواہ وہ ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں خواہ اور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے لیکن رعایت یہ ہوگی کہ جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو ان کے معتقدین میں سے ہوں

اور نہ پیر صاحب کے ملنے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ ان سے جس طرح سے اور جو جو صحت
قبل از اظہار رائے لینا مناسب سمجھیں لے لیں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔

مسلمان دشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے اشتہارات و دلائل کا ردِ عمل اور ان کے عواقب

علمائے اسلام نے تو شاہی مسجد لاہور کے جلسہ ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چونکہ مرزا صاحب اور ان کی اُمت پر ہر لحاظ سے
اتمامِ حجت ہو چکی ہے اس لیے آئندہ انہیں مخاطب بنانا محض تضییعِ اوقات ہوگا۔ مگر مسلمان عوام اور دانشوروں پر مرزا صاحب کے
اس محرکہ میں اشتہارات و دلائل کا عین برعکس اثر ہوا۔ وہ ایک ایسے امام کے منتظر تھے جس کے ذریعے تمام رُوسے زمین پر اسلام
کا بول بالا ہونا تھا۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب اُس امامت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر شریعتِ ہجو کو اسلام کے تحفظ یا مخالفین
کے مقابلہ میں نہ تو قدم باہر نکالتے ہیں اور نہ اپنے اسلام کی تبلیغ و اشاعت دین کے لیے دلائل و بحث کے میدان میں ہی اُترنے
کی جرأت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی یہ دلیل کہ انہوں نے ۱۸۹۷ء سے پادری آتھم وغیرہ کے مباحثات سے متاثر ہو کر انجامِ آتھم
میں لکھ دیا تھا کہ آئندہ وہ تقریری مباحثے نہیں کریں گے۔ اُن کی نظر میں قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی اور غیر معقول تھی۔ کیونکہ وہ
غیر مسلموں سے مقابلہ کی بات تھی مگر موجودہ صورت میں چونکہ انہوں نے یعنی مرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں
ختمِ نبوت کے متفقہ عقیدہ سے انکار کر کے اُسے چیلنج کیا تھا اس لیے اس کے اثبات کے لیے اُمتِ مسلمہ کو سمجھنے سمجھانے کا
موقعہ ہم پہنچانے کی خاطر بحث و تمحیص کی ضرورت بالکل واضح تھی مسلمان یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب کا علم کل تو ان کو
اس مباحثہ میں فتح و نصرت، تائید روح القدس، اور و اللہ یعصمک من الناس کی بشارات ملے رہا تھا اور آج انہیں پشاور
کے سرحدی چٹانوں سے خوف دلایا ہے۔ کیا روح القدس کی تائید اب صرف عربی میں تفسیر نویسی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔
آج سے قبل تو روح القدس سے نصرتِ مأمور، شکستِ مخالفین اور تائیدِ تسخیرِ خلق کے معجزات و عوارق ظہور پذیر ہوتے آئے تھے
اور کسی نبی کو روح القدس کی تائید کے باعث مخالفین کے ساتھ زبانی بحث و تمحیص سے گریز یا انکار کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ
حق تو یہ ہے کہ کسی نبی کا منکرین کے ساتھ کبھی تحریری مناظرہ نہ ہوا جب بھی ایسی نوبت آئی زبانی بات چیت ہی ہوئی تو موجودہ صورت
میں سنت اللہ کیوں بدل گئی؟ پھر کیا حق و باطل کا مدار صرف فصیح عربی تحریر پر ہی تھا۔ اور کیا ایسی صورت میں مصر و شام اور فلسطین و
عراق کے یہودی، نصرانی اور غیر مسلم عرب اپنی مادری زبان میں یقیناً زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے؟ یہی تفسیر
تو قادیانی مذہب میں تفسیر نویسی کا سوال ہی کیسے پیدا ہوا تھا۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے اُس وقت تک کے بیس سالہ دور میں
قرآن مجید کی کوئی ایسی تفسیر کی تھی جس سے مسلمانوں کے لیے عرفانِ الہی، اتباعِ سنت اور اخلاقِ فاضلہ کی منہلیں آسان
ہو گئی ہوں۔

غرض اس قسم کے خیالات اور احساسات تھے جو مسلمان عوام نے اپنے لیے شمارِ خطو، اشتہارات اور اخبارات میں مضامین
کے ذریعے مرزا صاحب تک پہنچا کر ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی اس گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے مزید ہاتھ پاؤں ماریں۔

گھرنیے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک اور اشتہار نکالا جس میں اپنے سابقہ اشتہارات اور لاہور میں

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مقابلہ پر نہ جانے کے واقعات کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا تھا :-

”ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مہر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا ہوتا ہے اور میری نسبت گالیوں سے کاغذ بھرا ہوتا ہے۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے صعوبت سفر اٹھا کر لاہور پہنچے۔ مگر یہ شخص اپنے گھر کے کسی کو ٹھٹھے میں چھپ گیا“

اسی سلسلہ میں اپنے پرائے مرید نشی الہی بخش اکاؤنٹنٹ کے رسالہ عصائے موسیٰ کا حوالہ دے کر لکھا :-
”اس میں بھی پیر صاحب کی جھوٹی فتح کا ذکر کر کے جو چاہا کہا ہے۔ اگر کوئی کشتی دو پہلو انوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری دفعہ کشتی کرائی جاتی ہے“

ان چیزوں کا ذکر کر کے اصل مطلب پر آتے ہیں :-

”آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمام حجت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں اُن متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں اسی جگہ بجائے خود سورہ فاتحہ کی عربی توضیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورہ مدوحہ کے بھی بیان کروں۔ اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۷ء کی پندرہ تاریخ سے ستر دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں تب اہل علم لوگ خود امت بلا اور موازنہ کر لیں گے“

اس کے ساتھ ہی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے لیے پانچ صد روپیہ کا انعام پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر مقابلہ میں تفسیر فاتحہ تحریر کریں اور تین اہل علم قسم کھا کر پیر صاحب کی تفسیر کو بہتر قرار دیں تو یہ انعام آپ کا حق ہو گا۔ نیز مندرجہ ذیل فقرات لکھ کر اپنی طرف سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو تفسیر لکھنے پر جوش دلانے کی بھی کوشش کی۔

”عقل مند لوگ ہرگز اس بات کے قابل نہیں کہ پیر صاحب کو علم قرآن میں کچھ دخل ہے۔ یا وہ عربی فصیح و بلیغ کی ایک سطر بھی لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ہم اُن کے خاص دوستوں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ بہت خیر ہوئی کہ پیر صاحب کو بالمقابل تفسیر عربی لکھنے کا اتفاق پیش نہیں آیا“

خاتمہ کلام اس فقرہ پر تھا :-

”فریقین میں سے کوئی فریق تفسیر فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے۔ اور یہ دن گزر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اُس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی“

جناب مرزا صاحب قادیانی کے احکام ایسے ہی نادر شاہی ہو کر تے تھے :-

”جو مجھے نبی نہیں مانتا وہ جہنمی ہے“

”جو میری کتابوں کو محبت اور پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے وہ ذریتہ البغایا ہیں“

”جو میری شرائط پر میرے مقابلہ میں تفسیر نہیں لکھتے انہیں عربی کی ایک سطر بھی صحیح لکھنا نہیں آتا“

اور جو میرے کہنے پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر نہیں لکھے گا اُس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور ذریعہ کی حاجت نہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت کی ذات گرامی پر اس نئی مبارز طلبی کا رد عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات گرامی پر اس نئے چیلنج کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ آپ کی ذات مقدس کا اولیائے کبار کی اُس بزرگزیہ جماعت سے تعلق تھا جنہیں دائمی مشاہدہ ذات کے باعث اُس شغل میں معمولی سا غفلت حتیٰ کہ کبھی درس و تدریس کی طرف توجہ بھی گراں گزرتی ہے۔ آپ کے ملفوظاتِ طبقات میں اسی انداز کا واقعہ درج ہے کہ ایک روز حضرت سلطان العربین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ جب انہیں فرمان الہی نے ارشادِ طالین پر مامور فرمایا تو غش کھا کر گر پڑے۔ جس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب فرمایا رُدُّوْهُ عَنِ الْاَلَمٰی (ہمارے بندے کو ہماری طرف واپس لاؤ) اسے ہم سے ایک پل کی جدائی بھی گوارا نہیں۔ اسی صورت میں بھلا ان ذاتی تعلیموں کو جن سے نہ دین کا فائدہ متصور تھا نہ دنیا کا آپ اپنے اوقات شریف میں غفل انداز ہونے کی کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ سیفِ چشتیائی میں مرزا صاحب کے ایک اشتہار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”مجھ کو اپنے اوقات عزیز کی قضیع پر جو ایسے جاہلانہ اشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے۔ نہایت رنج و افسوس ہوتا ہے مگر کیا کروں بعض احباب نے مجبور کر رکھا ہے۔“

حضرت بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت دیوان سید محمد پاک پٹن شریف کے اصرار پر حضرت قبلہ عالم قدس نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر یہ کہہ کر دیوان صاحب سے معذرت خواہ ہوئے کہ میرے خیال تفسیر نویسی پر میرے قلب پر معانی و مضامین کی اس قدر بارش شروع ہو گئی ہے جسے ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے ایک عمر درکار ہوگی۔ اور کوئی اور کام نہ ہو سکے گا۔

”سیفِ چشتیائی“

چنانچہ مرزا صاحب نے ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کے ستر دن بعد اعجازِ المسیح کے نام سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آگئے۔ اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ و عادی کی اصلیت سب پر روشنی ہو گئی۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوئی اغلاط سے مملو اور ستر و عبارات سے پُر تھی۔ ”فی سببعین یوماً من شہر الصیام“ پر تو طلباء نے بھی آواز سے کہنے کا قادیان کا رمضان شریف ستر دنوں کا ہوتا ہے حسبِ معمول تفسیری کارنامہ بھی محض فہرست کی اپنی ذات کے اشتہار تک ہی محدود تھا۔ علمی انکشاف اور عرفانی اسرار کے نادر نوذجات اگر کوئی تھے تو یہ کہ ”یوہر الدین“ مسیح موعود کے زمانہ کا نام ہے اور الحمد للہ سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جو ذلک الحمد فی الاولیٰ ذالآخرۃ فرمایا ہے تو اس سے دو احمد مراد ہیں۔ احمد اول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد آخر مرزا غلام احمد قادیانی۔ حالانکہ مرزا صاحب کی اپنی اُمت یہ کہہ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد نہیں تھا۔

اعجازِ المسیح کی پیش گوئی کے ان ستر دنوں میں صبر کے ایک اخبار نے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کا مضحکہ اڑایا تھا کہ عربی

زبان میں تفسیر لکھنا ایک ایسا اعجاز ہے جس سے ایک ہندوستانی کا دعویٰ نبوت ثابت ہو جاتا ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے اُس اخبار کو بھی اپنے چیلنج میں شامل کر لیا اور مصر میں اشتہار بھجوائے کہ عربی ممالک کا کوئی شخص اگر مقابلہ میں آنا چاہتا ہے تو آجائے۔ علامہ اقبال کو مرزا صاحب کے ایسے ہی لطافت پر محمد علی باب کی یاد نے گدگدایا تھا۔ علماء نے باب کو کہا تھا کہ تم قرآن مجید کے اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔ باب بولا۔ مجھ سے پہلے قرآن اعراب کا پابند تھا۔ اب میری امامت کے انوار و برکات کے صدقہ میں قرآن کو اس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔

جب اعجازِ المسیح کی تفسیر پر بھی خاطر خواہ نتائج مترتب نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خطوط اور اشتہارات میں یہ تقاضا مزید زور پکڑ گیا کہ مرزا صاحب ان لطافتِ الحیل کو چھوڑ کر حضرت پیر صاحب کی کتاب "شمس الہدایت" کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوں تو انہوں نے مولوی محمد احسن امروہی کو جو تنخواہ میں تخفیف کے باعث ناراض ہو کر امر وہ چلے گئے تھے، واپس بلوایا اور کوئی ایک سال کے عرصہ میں اُن سے شمس بازغہ لکھوا کر شائع کرائی۔ تخفیفِ تنخواہ کے بہانے گھر بھجانے کی وجہ یہ بیان ہوتی ہے کہ مولوی صاحب دعویٰ نبوت کے معاملہ میں سو فی صد ہم نوا نہ تھے۔

"اعجازِ المسیح" اور شمس بازغہ کے جواب میں حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "سیفِ چشتیائی" تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سورہ فاتحہ موسومہ "اعجازِ المسیح" پر صرف و نحو، لغت، بلاغت، معانی، منطق اور محاورہ کی غلطیاں، نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے قریباً یکصد اعتراضات فرمائے ہیں، جن میں سے بعض یہاں بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے عربی دان اور عالم حضرات ہی کچھ لطفت اندوز ہو سکیں گے۔

”عجازِ المسیح“

قال صفحہ ۲۔ وَاَخَلَّتْ رَاحَتَهَا مِنْ بَغْلِ الْمَزْنَةِ

اقول۔ ظاہر ہے کہ من صلہ خلت کا خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور تعلیل یہ مضمون ہے معنی غیر مراد کی طرف، اس لیے یہاں لام کا محل تھا۔

قال صفحہ ۳۔ مِنْ كُلِّ نَوْعِ الْجَنَاحِ

اقول۔ کلمہ کل معرفہ پر احاطہ اجزا کا افادہ دیتا ہے جو یہاں مقصود نہیں اس لیے نوع للجنح چاہیے تھا۔

قال صفحہ ۳۔ كُلِّ امْرِهِمْ عَلَى التَّقْوَىٰ

اقول۔ یہاں بھی کل مجموعی خلاف مراد ہے اس لیے کل امیرہم چاہیے تھا۔

قال۔ وَعِنْدِي شَهَادَاتٌ مِنْ رَبِّي لِقَوْمٍ مُسْتَقَرِّينَ وَآيَاتٌ بَيِّنَاتٌ لِّلْمُبْصِرِينَ وَجْهٌ كَوَاجِہِ الصَّادِقِينَ۔

اقول۔ ووجہ عطف ہے شہادات پر گویا وہی وجہ ہوا اور یہ خلاف محاورہ ہے کیونکہ خبر پر عند نہیں آتا۔

لے قال کے معنی ہیں اُس نے کہا اور اقول کے معنی ہیں میں کہتا ہوں۔

قال - این الخفا فافتحوا العین ایہا العقلا

اقول - فافتحوا پر فاکالانا ہے محل ہے کیونکہ فاکالما قبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہوتا ہے اور اس جگہ برعکس ہے عدم الخفا سبب فتح العین کے لیے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفا کے لیے۔

قال صفحہ ۸ - حتی اتخذ الخفا فیش وکثر الجنانہم

اقول - ترجمہ یہ ہے :- یہاں تک کہ چمکاڑوں نے مخالفین کے دل کو آشیانہ بنالیا۔ جنانہم پہلا مفعول ہوا اتخذ کے لیے اور وکثر اور مفعول - اتخذ چونکہ بنفسہ متعدی الی المفعولین ہے۔ لہذا لام کالانا فضول ہے۔ دوسرا تقدیم مفعول ثانی کی ہے وجہ ہے اور تیسرا جنان اور وکثر کا بہ لحاظ ماقبل یعنی قولہم وفضلہم داعیانہم جمع ہونا چاہیے۔

قال صفحہ ۹ - واكفر وہ مع مرید یہ واعوانہ وانزل اللہ کثیرا من الائم فما قبلوا

اقول - وانزل اللہ کثیرا فصل کا محل ہے کوئی کلمہ والہ علی الفصل چاہیے۔

قال صفحہ ۲۰ - وجعل قلعی وکلعی منبع المعارف

اقول - منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیے۔

قال صفحہ ۴۱ - فقد انعدم علمہ کتلج ینعدم بالذوبان۔

اقول - انعدم کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اس کے عدم چاہیے۔ دیکھو قاموس۔

قال صفحہ ۸۱ - وهذا الرجيم هو الذي ورد فيه الوعيد اعني الدجال

اقول عجیب مسئلہ ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم میں جو شیطان ہے اس سے مراد تو ابلیس ہے اور رجیم جو اس کی صفت ہے اس سے مراد دجال ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ آج تک یہی سنا تھا کہ موصوف اور صفت کا مصداق ایک ہی ہوا کرتا ہے مگر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے مراد صاحب نے کیسے ثابت کر دیا کہ ان کا مصداق تغایر بھی ہوتا ہے سبحان اللہ۔

قال صفحہ ۱۳۵ - قد استنبطت هذه النکته من قوله الحمد لله رب العلمین۔

اقول - مرزا جی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں وله الحمد فی الاولی والاخرۃ دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک اُن لیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دوسرا آخرۃ احمد بن غلام مرتضیٰ سبحان اللہ عجیب استنباط ہے۔

قال - الزمر الله كافة اهل الملة

اقول - كافة کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قال - الا على النفس التي سعى سعيها

اقول - سعى کی جگہ سمعت مؤنث چاہیے۔

قال صفحہ ۱۴۰ - وذلك وقت المسيح الموعود وهو زمان هذا المسكين واليه اشار في آية يوم الدين۔

اقول - لعنة الله على الكاذبين المحرفين۔

قال صفحہ ۱۴۳ - وسنرى زمان المسيح الموعود يوم الدين

اقول - ثانيا لعنة الله على الكاذبين المحرفين

قال صفحہ ۱۵۹۔ الاقلیل الذی ہو کالمعدوم

اقول فصیح، بلیغ، بلع صاحب موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ۔ مرزا صاحب نے ابتدائے کلام میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پر اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے ایک جگہ لکھ دیا تھا:-

قال۔ ومع ذالک کان یخاف الناس

چنانچہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ فرماتے ہیں:-

اقول۔ "خائف دُہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں سامنے آنا موت نظر آتا ہے۔ مع آنکہ تحریک مقابلہ بھی پہلے خود ہی کی ہو۔ مأمور من اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضروری تھا تاکہ خلق اللہ مأمور کی غیر حاضری کے باعث اُس کو مُقَرَّری علی اللہ سمجھ کر صراطِ مُستقیم نہ چھوڑ دیں۔ مخالفین کو لکار کر بلانا اور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں دین کی بیخ کنی کی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو بحسب وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَکَ لَحَافِظُوْنَ ہ قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظور تھا۔ اور اُمتِ مہمومہ کو یہ سمجھانا کہ غلام احمد قادیانی کتاب اور سنت اور اجماع کا محرف ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھ سے اشتہار دعوت باں کر دفرکہ ضرور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا، رُوئے زمین پر دلوایا جس میں خود ہی اُس نے ان تین علماء جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب پروفیسر لاہوری، جناب مولوی عبد الجبار صاحب امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو حکم قرار دیا اور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا۔ اور پہلے اس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ وَاللّٰهُ یُعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نِیرَافِیْ مُہِیْنٌ مِّنْ اِہَانِکَ اور تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا (دیکھو کتاب البربر) اور اسی اشتہار میں اخیر پر لکھ دیا کہ لعنة اللہ علی مَنْ تَخَلَّفَ وَ اَبٰی مُسْلِمًا نو، غور سے سوچو یہ ایک مکر الہی تھا بقابلہ مکر قادیانی صاحب کے جو انہوں نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرورت جو اجابت دعوت کرے گا اور ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح حاصل ہو جائے گی۔ مگر چونکہ بحسبک وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَکْرِیْنِ، الہی مکر غالب رہتا ہے۔ اس لیے قادیانی صاحب کی اُس کر دفر کے بعد ایام جلسہ لاہور میں قلمی اور کلمی طاقتیں سلب کر لی گئیں یعنی عدم حاضری کا عذر تک بھی قلم اور مُنہ سے نہ نکلا۔ باوجود اس کے کہ معتقدین و مخالفین دونوں کی جانب سے سخت اصرار و کشمکش بھی ہوئی۔ تحمیناً پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر سید لہ رزاں کی طرح قلم ہٹنے لگا۔ اور اعذار بارہ اوھن من بیت العنکبوت شروع ہوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اس لیے نہیں آئے۔ اس عذر پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اُن الہامات کو بھول گئے ہیں جن میں آپ کو ملیم کی جانب سے پوری تسلی اور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی یا آپ کے ملیم سے بھی ایفاء وعدہ کی قدرت سلب کی گئی۔

"ہماری طرف سے تقریری شرط کی تربیم اس لیے تھی کہ تقریر بھی معیار صداقت ہونے میں تحریر سے کم نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کر دے، تو اُس کے غلبہ کو معیار صداقت ٹھہرانے کے بعد ضرور ہی اُس کو غالب کرتا ہے۔ اور اُس سچے مأمور کو فرض منصبی کی رُو سے حریف مقابل کے دُوبد ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ قادیانی صاحب چونکہ بزورِ وفاء محمدی و عیسوی کے مدعی ہیں تو تقریری ہمت بلدی تسلیم اُن پر ضروری تھی کیونکہ اُن کے بارئین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تبلیغ حق تقریری طور پر کی تھی۔

"دوسری وجہ تربیم کی یہ ہے کہ صرف تحریر میں احتیاق حق اچھی طرح نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسہ لاہور میں بھی تفسیر

کھتے تو کیا ان کی بولی جالی بھامت ہے تیزی کی وجہ سے اپنی حدوت میں گمراہی پڑیا، کوئی ایسا بولتا ہے اس قدر کہ اس قسم کے مضامین و اسیر اور غلط فہمیاں پڑیں یا مرنابی کے رد کو پڑھیں۔ وہ تو صرف علمی جہالت مردانہ دیکھ کر زیادہ گمراہ ہو جاتے۔

”مرزا جیوں کی اس کم ترقی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ انہوں نے نہ تو اقدار دینی کا معیار انشا پر دینی کو بھول جاتا ہے اور پھر انشا پر دینی میں کے ضعیف اور معنوی کمال کی قسمی قفل رہی ہے۔ جدا جدا اگر کوئی علمی زبان میں بیٹھوں کھوے کہ مذہب جہالت صرف توجہ الٰہی سے ہے اور موضوع معنوی راہی اسلام کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے دھوئے کی دلیل اس امر کو غور سے کوئی طرح پر کوئی شخص مبنی نہیں ہے اور فی الواقع ایسا بھی ہو تو کیا کوئی مقل ایسی وہی دلیل سے اس کے دہونی کو منسکرتا ہے یہ کہ نہیں۔“

مرزا صاحب نے اپنی اس تفسیر کو کلام اللہ کا مثیل اور مجاز میں قرآن مجیدہ نقل کیا ہے۔

”این کلامی هذا قد جعل من المعجزات راہی قوم میں بطور مجزہ گردانیدہ شدہ و فی معجزۃ اعظم من اعجاز قد وقع ظل القرآن و شانہ کلام اللہ فی کونہ بعد من طاقہ الانسان“
 (و کلام معجزہ انان مجزہ بزرگ تر خواہد بود کہ قرآن را ہم ٹپوں نقل واقع شدہ و کلام الہی را در خارقہ قدرت بوندن مماثل گشتہ)

حضرت قبلہ عالم قدس متذکرے مرزا صاحب کے اس مجزہ ان کلام میں صرف مقامات حریری سے ہی میں مروت و جہالت کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جہاں مرزا صاحب نے حریری کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ان کے سیرت نگار و اکثر بشارت احمد صاحب نے اپنی کتاب مجلہ اعظم میں اسے توار و قرار دیا ہے یعنی جس مجاز میں اور الہامی کلام کا صدور اور ولود انسانیت طاقت سے بالا اور بعید قرار دیا جا رہا ہے اس میں صرف مقامات حریری سے نہیں توار و قرار دیتے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پیر صاحب حضرت اقدس مرزا صاحب کے مقابلہ پر لکھتے بھی تو کیا لکھ سکتے تھے واقعی پیر صاحب کے کسی مبتدی شاگرد سے بھی ایسا غلط کلام و جہاد میں نہیں آسکتا تھا جیسا آپ کے حضرت اقدس کے معلم سے صادر ہوتا رہا ہے مثلاً الارض و السماء معک کما هو معی۔ جہاں نہ تثنیہ کی خبر ہے نہ تانیث کی۔

”شمس بازغہ“

حضرت قبلہ عالم قدس متذکرے نے حقیقت پرستی میں کتاب شمس بازغہ کے صفحہ صفحہ اندراجات کے علی السبب ایسے خاموش گن اور مسکت جوابات دینے کے طعنے وقت میں امروہی صاحب کے علمی افلاس کا ڈھنڈورا پیٹ گیا۔ آپ نے شمس الہدایت میں مرزا صاحب سے معاوردہ قرآنی کے تحت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معنی دریافت فرمائے تھے۔ مرزا صاحب نے اس کا پر اپنے ان بڑے مولوی صاحب یعنی امروہی صاحب کو مامور کیا تھا۔ کئی سال قبل حضرت نے اپنی کتاب تحقیق الحق میں اس سوال کے اکثر پہلوؤں پر بحث فرمائی تھی۔ امروہی صاحب نے اس کتاب کو کسی استاد سے پڑھے اور سمجھے بغیر مذکورہ بالا جواب دینے کے نہیں میں اس طرح استعمال کیا کہ ان کی کم فہمی کے باعث وہ سہ و قد مضیوں مہمل اور بے ربط جو کر رہ گیا۔ اور یہ صاحب ایک فعال طالب علم کی طرح بغیر سمجھے کسی صفحات سیاہ کرتے چلے گئے اور جب دیکھا کہ سوال کسی طرح بھی حل نہیں ہوا اور نہ ان کے

پتے ہی کچھ پڑا ہے تو رفعِ ندامت کے لیے لکھا۔

”واضح خاطر عاظمِ ناظرین ہو کہ ہم نے اس جواب میں مؤلف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جدھر کو مؤلف گیا ہے، اُدھر ہی کو ہم بھی اُس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں۔“

حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:-

”ہاں بے شک یہ کہنا آپ کا بجا اور سچ ہے۔ ناظمِ طالبِ علم کا یہی وظیفہ ہوتا ہے کہ معلم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظِ بعینہا لکھتا چلا جاتا ہے۔“

اس دلچسپ مضمون کا پورا اظہار ”سیفِ چشتیائی“ میں مفصل سوال و جواب پڑھنے سے ہی آسکتا ہے۔

حضرت کی تصنیف یعنی ”سیفِ چشتیائی“ اپنے نادر استدلال، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیرِ بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی ہے۔ بلند پایہ علماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی درحقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت دَقُّوْ لَهُمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (سورہ نساء۔ آیت ۱۵۷) کے ذیل لکھتے ہیں:- ”اور حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب ”سیفِ چشتیائی“ قابلِ مطالعہ ہے۔“ اسی طرح دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے دیباچہ میں ”سیفِ چشتیائی“ کو مسئلہ حیاتِ مسیح پر ایک بہترین اور کافی دانی تحریر قرار دیا ہے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ قادیانیت کی تمام کائنات ”سیفِ چشتیائی“ کے ان دو فقروں سے واضح ہو جاتی ہے:-

اول تو یہ کہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت پیر صاحب کی نسبت لکھا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ ضیث ہے اور ضیث ہے وہ جو اُس کے مُنہ سے نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں:- کہ مرزا صاحب آپ مجھے تو بے شک مُنہ بھر کر گالیاں دے لیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مُنہ سے اکثر کلامِ ربّانی اور تسبیح و تہلیل کے پاک کلمات بھی نکلتے رہتے ہیں اس لیے اُنہیں گالی دے کر مستوجبِ سزا نہ ہوں۔

دوم، مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ مہراجِ نبویؐ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور میں خود اس قسم کے کشف میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں کہ حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ

الہ حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کے کلمہ طیبہ کے معنی والے سوال کے متعلق مولانا عبد الصمد سندھوی اپنے ایک رسالہ ”موسمہ امروہی کے شمس کا سفد کا دینی کسوف“ مطبوعہ کشمیری پریس لاہور میں لکھتے ہیں:- ”کافر علماء نے اسلام پر واضح ہو کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رزقہ اللہ تعالیٰ رضاء نے بیعتِ بدلائف زنی مرزا غلام احمد دینی دربارہ عیدِ المِثال ہونے اپنے کے خدا شناسی اور تفسیرِ دانی میں امتحاناً اور محض اس کے اتنے بڑے دعویٰ کو توڑنے کے لیے کلمہ طیبہ کے معنی ظاہری طور پر اپنی کتاب ”شمس البدایہ“ کے ابتدا میں استفسار فرمائے تھے۔ جس کے جواب پر قادیانی صاحب باوجود لاتعداد اصراروں معتقدین و غیر معتقدین کے قادر نہ ہو سکے۔“

وسلم کے معراج شریف کے نتائج میں تو پانچ وقتہ نماز ابدالدہر کے لیے ثابت ہوئی لیکن آپ کا کشف محمدی یکم کے نکل کو اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی وجود میں نہ لایا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس ضمن میں ایک شیش گوئی

سیف چشتیانی میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ابن عساکر کی حدیث نزول ابن مریم روایت کردہ حضرت ابوہریرہ درج فرما کر لکھا تھا کہ:-

”اسی حدیث کے آخر میں حاجاً اور معتمراً ولیقفن علی قبری ویسلمن علی ولادت

علیہ موجود ہے۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔“

چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور مرزا صاحب کو نہ تو حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی جو اس حدیث کی رو سے حضرت یحییٰ ابن مریم علیہ السلام یعنی مسیح موعود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشان ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھی عرض کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبر مبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔

ہندوستان کے مشہور مفتی اور عالم اور ریاست رام پور میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا فضل حق رام پوری نے ایک سال اجمیر شریف میں عرس کے موقع پر حضرت بابو جی مدظلہ العالی سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

”یوں تو حضرت کے کمالات بہت بیان ہوتے ہیں، لیکن میں تو اس دماغ کا شیدائی ہوں جس سے سیف چشتیانی ظہور میں آئی ہے۔“

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مکتوبات شریف سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی اس نادر تصنیف نے علمائے عصر سے بے حد خراج تحسین حاصل کیا۔ آپ حضرت صاحبزادہ مولوی محمد چراغ تجاودہ نشین چکڑی شریف کو ایک جوابی مکتوب مہر چشتیہ صفحہ ۶۳ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس تحریر کے پانچ چھ سال بعد مرزا صاحب بغیر اس نکل کے ہی رحلت کر گئے۔ اور ان کا کشف معراج شریف کے مقابلہ میں جو وقت حاصل کر سکا وہ تمام عالم پر واضح ہے۔“

”بہت ہی ائمہ حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ مولیٰ نامہ موصوف نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں بیعت کے لیے مدینہ مکہ تھا جس کے جواب میں آپ نے ایک رد مال روانہ فرما کر ارادہ و تطایف کی اجازت بخشی اور ارشاد فرمایا کہ آپ کی یہی بیعت کافی ہے زیادہ سفر کی حقیقت نہ دیا میں مولیٰ نامہ موصوف پکتہ وحدت الوجودی تھے اور حضرت کی تصنیف تحقیق الحق سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے اپنے استاد مولیٰ نامہ مد الحق خیر آبادی کے والد بزرگوار مولیٰ نامہ فضل حق خیر آبادی کے سارا مسند وحدت الوجود کی طرف اپنے شاگرد مولیٰ غلام محمد گھوٹوی، شیخ العباس جہول پوری دہلوی کی رہنمائی فرمائی تھی، اس رسالہ کو مولیٰ غلام محمد نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ جس چیز کو موصوفیہ کے وجودیہ نے ریاضات و کاشفات سے حاصل کیا مولیٰ نامہ نے اپنے مشول اور باب میں سے پایا ہے۔“

آپ نے وجہ اشاعت کتاب خوب پیدا کی ہے۔ ہر ملک سے مخالف اہل حق کی رسوائی کے متعلق تو ذرا
خطوط پہنچ رہے ہیں۔ علمائے اسلام اس کتاب کی اشاعت سے بہت خوش ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ اور
یہ امر کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ تہذیب اور غیر تہذیب موقوفائے کرام سبھی اہل علم و خوشنودی
فرما رہے ہیں۔ (ترجمہ)

ایک اور مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۶ میں ازراہ انکسار فرماتے ہیں :-

”یہی فقرے روزمرہ کتاب کے حق میں بذریعہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ مخلصین تو میری ناتامی اور شوق تحصیل
سے بے خبر نہیں مگر ناواقف حضرات اپنے زعم میں اس بے بیج کو زمرہ علماء میں تصور کر کے ایسے ایسے القاب لکھ
رہے ہیں کہ ندامت ہوتی ہے۔ خیر مرزا صاحب عیسیٰ وقت ہو گئے تو میں عالم عصر ہو گیا۔ بڑے میاں سبحان اللہ
اور چھوٹے میاں واہ وا۔“ (ترجمہ)

”سیف چشتیانی پر بہتان سرقہ کی حقیقت“

سیف چشتیانی کی اشاعت کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب کے اخبار الحکم قادیان میں مولوی کرم الدین
سکنہ ضلع جلم اور ان کے شاگرد شہاب الدین قادیانی کے خطوط کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مولوی صاحب مذکور کے ستم و ابھائی
مولوی محمد حسن فیضی، مرزا صاحب کی تفسیر اعجاز المسیح کا جواب لکھ رہے تھے کہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دردناک موت کا شکار ہوئے۔
ان کے انتقال کے بعد ان کے مضامین پر صاحب نے سیف چشتیانی میں شامل کر لیے ہیں۔ ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ اعلان
بھی کر دیا کہ دیکھ لو میری الہامی پیش گوئی من قاهر للجواب و تنصیر مفسوف یرى انه تنذ م و تنذ مری یعنی جو مخالف
اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نادم ہوگا اور ہلاکت اٹھائے گا۔ پوری ہو گئی۔ فیضی بڑی موت مرا اور پر صاحب خود سرقہ
مضامین کے ملزم بن گئے۔

یہ اعلان تحفہ ندوہ مطبوعہ ۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ اور واقعات کی پوری تفصیل مرزا صاحب کی کتاب نزول المسیح
میں درج ہوئی۔ بعد ازاں کشتی نوح ”مواہب الرحمن“ اور حقیقۃ الوحی“ اور کئی دیگر رسالوں اور اشتہاروں میں بھی بطور نشان درج ہوتی رہی۔
مرزا صاحب نے نزول المسیح میں ان خطوط کی نقول درج کر کے یہ بھی لکھا کہ ان کے مرید شہاب الدین کی کوشش سے یہ
سرقہ مضامین برآمد ہو رہا ہے۔ مولوی کرم الدین نے پر صاحب کا ایک کارڈ بھی بھیج دیا ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ فیضی کے
نوٹ استعمال ہوئے ہیں۔ اور مولوی صاحب موصوف نے اعجاز المسیح کا وہ نسخہ بھی پیش کر دیا ہے جس کے حاشیہ پر فیضی کے نوٹ
درج ہیں۔ اور جو پڑتال پر سیف چشتیانی کے متعلقہ مضامین سے حرف بحرف مطابقت رکھتے ہیں۔

پھر مولوی کرم الدین اور ان کے شاگرد کی طرف سے ۶۔ اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار جلم میں ایک تحریر شائع ہوئی۔
جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ خود کہ بالا خطوط جعلی ہیں۔ فیضی مرحوم کی بڑی موت مرنے اور سیف چشتیانی میں ان کے مضامین استعمال کرنے
کے الزامات میں کوئی حقیقت نہیں۔ اور اعجاز المسیح کے حاشیہ پر ایک نیم خواندہ طالب علم کے ہاتھ سے سیف چشتیانی کے بعض
مطبوعات محض اس غرض سے نقل کرائے گئے تھے کہ مرزا صاحب کے مریدوں، خاص کر شہاب الدین پر ان کے مسیح موعود
کی مہیت کی قلعی کھل جائے۔ یہ میاں شہاب الدین بوالہ الحکم ۳۱۔ جولائی ۱۹۰۲ء مرزا صاحب کی بیعت میں تازہ ہی داخل ہوئے

تھے کہ اسی اثنا میں مولوی کرم دین کے زیر تبصر آ گئے۔ اب مولوی کرم دین چاہتے تھے کہ کسی طرح میاں شہاب الدین کو مرزا صاحب کی حقیقت سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے اپنے ایک بعد کے اشتہار مورخہ ۱۴ جون ۱۹۰۶ء میں مندرجہ بالا نیم خواندہ طالب علم کو خام نویس کے الفاظ سے خطاب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

"یہ خطوط مجھے ایسے وقت ملے جب کہ میں کتاب نزول المسیح لکھ رہا تھا۔ سو وہ خطوط میں نے نزول المسیح میں درج کیے۔ ایسا ہی ایڈیٹر الحکم اخبار نے بھی ان خطوط کی کتب یاد پر ایک مضمون اپنے اخبار میں مع نقل خطوط درج کیا۔ اخبار الحکم کے جواب میں ایک مضمون مولوی کرم دین کے نام سے سراج الاخبار جہلم مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء اور ایک قصیدہ مولوی صاحب مذکور کی طرف سے سراج الاخبار مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں شائع کیا جس میں اُس نے یہ ظاہر کیا کہ یہ خطوط جعلی اور مجبوسے ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ مرزا غلام احمد یعنی راقم کی ملہیت کی آزمائش کے سلیسے میں نے اُسے دھوکا دیا اور خلاف واقعہ خطوط لکھتے اور لکھائے اور ایک خام نویس طفل کے ہاتھ سے نوٹ لکھا کہ اُن کو محمد حسن فضلی کے نوٹ ظاہر کیے۔ پھر اُسی دھوکے کے ذریعہ تھوڑے ہی حاصل کیے اور راقم مضمون نے صرف اسی پر اکتفا کیا بلکہ سراج الاخبار کے ان مضامین میں میری نسبت سخت الزام لگائے اور یہ شائع کیا کہ گویا میں جو حیثیت ایک مامور من الشہادہ اور مصلح ہونے کے ایک کام کر رہا ہوں یہ تمام کام میرا مکرو فریب ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد دوم)

بہر حال یہ بات ہر محاذ پر تسلیم کر لی گئی کہ یہ غلط منط نوٹ کسی عربی دان عالم کے قلمی نہیں ہو سکتے۔ مولوی کرم دین مذکور اس سے کچھ عرصہ ہی پہلے یعنی ۲۶ اگست ۱۹۰۶ء کو صدر جہلم میں قادیانی مبلغ مولوی مبارک علی کے ساتھ ایک سنگ منظرہ کر چکے تھے۔ اور تعجب ہے کہ قادیانی حضرات نے اُن پر اعتبار کیسے کر لیا اور اُن کے جال میں کیونکر پھنس گئے۔ دراصل حضرت قبلہ عالم قدس فرود کی ذات شریف سے قادیانیت کو جوڑک پہنچی تھی اور جو گھاؤ آپ کی سیفِ حشمتی نے لگائے تھے اس مذہب کی تاریخ میں اُن کی مثال نہیں ملتی۔ لہذا مولوی صاحب کے ذریعہ دماغ نے اس دام کے نیچے سیفِ حشمتی کے سرقہ مضامین کا جو دانہ ڈالا اُس کی کشش سے بچ نہ سکا۔ لیکن نہیں رہا تھا چنانچہ فریقین میں مقدمہ بازی چل نکلی۔ اور گورداسپور کی عدالتوں میں پورے دو برس تک چلتی رہی۔ قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے جن میں سے ایک مقدمہ ازالہ حیثیت میں مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی دو مقدمات میں انہیں بری کر دیا گیا۔

مولوی کرم دین نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع و ناشر الحکم و کتاب مواہب الرحمن پر فیضیہ مجرم کے ازالہ حیثیت عمرنی کا استغاثہ کیا جو اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عمر زاد بھائی کو ایسے استغاثہ کا حق نہیں پہنچتا۔ دوسرا استغاثہ مولوی صاحب نے ان ہردو صاحبان کے خلاف ازالہ حیثیت عمرنی ذاتی کا کیا کیونکہ پہلے استغاثہ کا حق نہیں کی تاریخ کو ہی احاطہ پکھری میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب مواہب الرحمن لوگوں میں مفت تقسیم کی جس میں مولوی کرم دین کو مذکورہ بالا دھوکہ دہی کے رنج و غصہ میں تسلیم اور کذاب المہین کے خطابات سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعد م ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ مگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے اُن کو اس لیے بری کر دیا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغنیٰ یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو ان خطابات

کاستحق بنالیا تھا۔

مرزا صاحب نے سرقہ مضامین کا الزام واپس لے لیا

مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین مجرم ۴۱۶ تقریرات ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور گواہ صفائی طلب کیا گیا انہوں نے مورخہ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۳ء کو عدالت رائے چند دلال مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور میں شہادت دیتے ہوئے بیان کیا :-
”پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ دونوں الہام (متعلق مولوی محمد حسن فضلی و پیر مہر علی شاہ) سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔ کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے سے متعلق ہے نفیس پیش گوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔“

الفاظ بالا سے روشن ہے کہ سرقہ مضامین کا وہ الزام جو نزول المسیح میں مرزا صاحب نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات گرامی پر لگایا تھا، بزبان خود اُسے غلط تسلیم کر کے واپس لے لیا۔

گورداسپور کے مقدمات میں حضرت کو بطور گواہ طلب کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے کوشش ناکام

مندرجہ بالا مقدمات میں مرزا صاحب اور اُن کی جماعت نے بار بار کوشش کی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو کسی طرح بطور گواہ عدالت میں طلب کیا جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ قرآن سے تو حضرت کی شہادت عدالت میں لازمی دکھائی دیتی تھی کیونکہ آپ کا مہینہ دستخطی کارڈ مسلسل مقدمہ پر آچکا تھا۔ اب اُس کی تصدیق یا تردید آپ کی زبانی ضروری تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا۔ بظاہر وجہ معلوم ہوتی تھی کہ عدالت کی رائے میں یا تو یہ پوسٹ کارڈ جعلی ثابت ہو چکا تھا اور یا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اسے غیر متعلق اور غیر موثر قرار دے دیا گیا۔ بہر حال فریق مخالف کی کوشش بسیار کے باوجود عدالت آپ کو طلب کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک مکتوب گرامی صفحہ ۹۷ مہر چشتیہ پر بدین مضمون موجود ہے :-

”میری شہادت اُس دعویٰ میں ہے جو حکیم فضل دین بھیروی ثم الکا دیانی نے مولوی کرم دین صاحب پر گورداسپور میں کیا تھا۔ جس کی ایک تاریخ پر (جو ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۳ء تھی) میں نہیں گیا۔ اور نہ آئندہ جانے کا ارادہ ہے۔ اِلَّا ان لیشاء اللہ“

جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ولی کے ارادہ کو پورا فرمایا اور عدالت نے قادیانیوں کی چوتھی اور آخری درخواست بھی مسترد کرتے ہوئے حضرت کی شہادت کو غیر ضروری قرار دیا تو آپ اُس کا ذکر اور شکرا اپنے ایک مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۷۳ مہر چشتیہ میں اس طرح فرماتے ہیں :-

”پہلے الہام سے من قام للجواب و تمخریصوت یرئی اللہ تہتم و قد مر جو مخالف اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نام ہوگا اور طاقت اٹھائے گا، کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے راقی مہین من اراد اھا تھک (جو تیری اہانت کرے گا، اُس کی میں ایانت کروں گا) مراد ہے اور ان دونوں الہامات کو علی الترتیب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسن فضلی اور حضرت پیر صاحب سے منسوب کیا تھا۔“

”اللہ تعالیٰ مشغولی کا حقد فرمائے۔ مولوی صاحب کو بھی تکلیف سے رہائی ہو۔ چنانچہ اس نیاز مند درویش کو بھی اُس مستدیم الاحسان نے گورداپٹور کی شہادت سے باوجود نہایت اصرار و مساعی مخالفین بحال کیا۔ اور وہ اصل مائوس ہوئے۔“

عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کامرید لکھا ہے۔ یہ مرید تو نہیں تھے مگر حضرت کے عقیدت مند ضرور تھے اور آپ کے وصال پر ایک مرثیہ بھی تحریر فرمایا جو صفحہ ۳۴ پر شائع شدہ ہے اپنی کتاب تازیانہ غفر میں بھی حضرت کے ساتھ بے حد عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا ہے اور گورداپٹور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور با اثر جماعت کے مقابلہ میں تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرت کی خاص توجہ اور دعا سے منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں۔ اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کی تہیں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کا درما نہ تھی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طلبہ یوں سے بھی سمجھ سکتا تھا۔ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عم زاد بھائی کی موت پر آوازے کسے گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جیسی شخصیت گرامی کی تصنیف لطیف پر شہادت اعتراضات کیے گئے۔ اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی کس حد تک دانش مندانہ تھا۔

مولوی محمد حسن فیضی

اس جوان مرگ عالم و فاضل کا ذکر خیر اس کتاب میں روئیداد جلسہ لاہور کے اُس ایڈریس سے چلا آ رہا ہے جو اُس نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ صاحب مدرسہ انجمن نعمانیہ میں نائب مدرس تھے اور اپنے پرنسپل اور غالباً استاد جناب مولانا غلام احمد کے ہمراہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ بے نقطہ نظم و نشر لکھنے کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک طویل بے نقطہ قصیدہ لکھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سیالکوٹ جا پہنچے مگر مرزا صاحب اور اُن کے حاشیہ نشین تو اس کی اہلک پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے اُن کی علمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پیر صاحب کی ذات گرامی تو بہت ہی بلند ہے۔ پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجئے۔ اس اشتہار میں اُنہوں نے بعض باتیں بہت پتے کی لکھیں۔

۱۔ کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے انداز فصاحت کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا، آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا ہی خاصہ تھا۔

۲۔ بے شمار غیر مسلم عرب فضلاء کی تصانیف، فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ پایہ کی تسلیم کی جا چکی ہوئی ہیں کبھی غیر مسلم ہی قرآن مجید کے مفسر اور حافظ ہو گذرے ہیں۔ اس لیے عربی نویسی رسالت اور مجددیت کا معیار نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کے مقابلہ میں اس نمک کے علماء عربی نویسی میں ہار بھی گئے، تو ہمیں دنیا کے علماء آپ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور

۳۔ آپ نے حضرت پیر صاحب کو دعوت کے اشتہار میں لکھا ہے کہ کوئی غلطی سہو یا نسیان پر محمول نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ خود اسی اشتہار میں محضات کو آپ نے دو دفعہ محضات لکھ دیا ہے۔

مخالفین کا حضرت کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کا رجحان

حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی تصانیف کو اغیار سے منسوب کرنے کی کوشش کوئی نئی چیز نہیں۔ اس سے پہلے بھی مرزا یوں نے شمس الہدایت کو جناب مولانا محمد غازی کی تالیف قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی نے اپنی کتاب "مجدد اعظم" مطبوعہ ۱۹۳۷ء میں اس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ اور اسی طرح ایک اور قادیانی سیرت نگار دوست محمد شاہ نے بھی تاریخ احمدیت حصہ سوم میں فرضی روایات کی بناء پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت پیر صاحب پہلے تو مرزا صاحب کے مداح تھے مگر مولویوں کے کہنے میں اگر مخالفت پر اتر آئے لیکن ارباب فہم و درایت پر قادیانیوں کی یہ دیرینہ چالیں خوب روشن ہیں۔ افسوس ان لوگوں نے حضرت کی تصانیف کو آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کے ساتھ منسوب کرتے وقت یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس منطق کا نتیجہ تو خود ان کے خلاف جاتا ہے یعنی جب حضرت کے بحر علم و عرفان سے پیاس بجھانے والوں کی تحریرات نے علم مرزائیت میں اس قدر تہلکہ مچا دیا تو اگر آپ بنفس نفیس قلم اٹھاتے تو کیا حشر برپا ہوتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

قادیانیوں کے علاوہ غیر متقلدین بھی "الفتوحات الصمدیہ" کو کبھی جناب مفتی غلام مرتضیٰ اور کبھی جناب مولانا محمد غازی کی طرف منسوب کرتے رہے نیز مولوی عبد الاحد خاں پوری دو فروش راولپنڈی نے بھی جھوٹ موٹ لکھ مارا کہ مولوی محمد غازی نے ایک جگہ ذکر کیا کہ حضرت کی فلاں کتاب میں نے لکھی ہے۔ اس پر مولانا مرحوم کو اپنا حلف نامہ شائع کرنا پڑا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور یہ بیان میری طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر بشارت احمد کہتے ہیں کہ شمس الہدایت کی اردو بے محاورہ ہے اور اسے پڑھتے ہوئے آدمی پٹری سے اتر جاتا ہے۔ وہ درست کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک اردو دان طیب یا انگریزی دان فلاسفر، قرآن و حدیث اور مفسرین و محدثین کے محاورات کی پٹری پر واقعی نہیں چل سکتا۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا یہ واقعی ایسی دُشوار گزار پٹری ہے کہ اُن کی جماعت کے سب سے بڑے فاضل مولوی محمد احسن امر وہی بھی محض کلمہ طیبہ کے معنی سمجھنے میں اور خود مرزا صاحب اور حکیم نور دین حقیقہ معجزہ کے سوال پر ہی اس سے اتر جاتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ملفوظات، محاورات اور انداز تحریر سلف صالحین کے رنگ میں ہیں۔ آپ سوچتے ہی عربی میں ہیں۔ اور یہی آپ کا اصل اور حقیقی فضل و کمال ہے۔ پھر اپنی عربی کی سوچ کو حسب ضرورت اردو یا فارسی کے ترجمہ کا لباس پہناتے ہیں۔ شمس الہدایت کے ابتدائی حصے میں ہی حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے ڈاکٹر صاحب کے ارباب یورپ "تعلیم ناہنگان لندن" اور اردو خوان زعمی مولوی فاضل حضرات کو مخاطب کر کے اپنے محاوروں سے آگاہ فرما دیا ہے۔ قادیان کی سودیشی نبوت تو عربی نویسی کو ہی اپنا کمال سمجھ رہی ہے۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی تو ماشاء اللہ یہ اپنے گھر کی چیز ہے جس کی کیفیت کوئی سمجھنا چاہے تو حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ اور مولانا حاجی رحمت اللہ مہاجرکتی سے پوچھے۔ جناب مولانا طفت اللہ علی گڑھی، مولانا احمد علی سہارن پوری۔ استاد النکل مولانا احمد حسن کانپوری، علمائے دیوبند کے مقتدر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، فاضل اجل مولانا فضل حق رام پوری، مولانا مولوی عبداللہ ٹوکی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مناظر زمان مولوی نذیر احمد انیسٹھوی سے دریافت کرے جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام علوم حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے جلو میں دست بستہ حاضر اور تصرف کے منظر معلوم ہوتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

الحمد لله

حضرت میں خیر ہونے والے تقویٰ کی نعمت کے بعد، مسئلہ میں جو ایک وجہ قادیانیت کی روٹ سے حضرت کے متعلق ایک کلامی کا پرچہ ہے، شام میں سال و زمانہ میں نے پورے لایا اور قادیانیوں میں کوئی ایسی ہوئی جسے سن کر یا پھر لوہاں محمدیات قریشی مکتبہ طبع نہ کر سکے، وہ بڑا گرامر میں محمدی قریشی حضرت قبلہ عالم قدس سزا کے پر جان اور غیب مبارک تھے پریشانی کے، مہم میں گروہ شریعت پہنچے اور میں کی گروہ قادیانی لکھا ہے، اس آئے والے مسئلہ کے عین میں یہ وجہ صاحب کوڑوں کا اقتدار مہمان ہے۔ ان صاحب اپنی مخالفت کا شائبہ انتقام رکھیں، مگر کوئی حاکم کرے حضرت نے انہیں قسطنطنیہ لکھا، یا کہ میں محمدیات قادیانی ہے اور اس سے فہم نہیں مگر قسطنطنیہ لکھو، مگر میں میں نہیں مگر یہاں صاحب لکھو، میں نے لکھا آیا تو زمانہ صاحب کا انتقال ہو گیا، اس سال جب سیال شریعت کے طوس پر فداقت ہوئی تو حضرت قبلہ عالم قدس سزا نے یہاں حکام سے فرمایا: انھیں بھجیو، یعنی میں نے بھجیو سے، ہاں گیا۔

قادیانیت کے خلاف حضرت کا معرکہ کتاب کی اسلامی خدمات میں ملک میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کا چرچہ انجیل میں نہایت
محل کر دیا گیا اسلامی ممالک تک بھی پہنچا اس وقت سے تمام مسلمانوں کو فتح اور عشق اپنی کتابوں اور تقریروں میں تسلیم کرتے پتہ آئے
ہیں کہ حضرت قبلہ عالم کو لازمی قدس مذہبی علمی اور روحانی قیادت اس تحریک کی نشست میں ایک کارگر حربہ ثابت ہوئی اس سلسلہ
میں جناب ابوالقاسم رفیق دلاوری جو ایک مشہور نقاد اور محقق ہیں کی تصنیف انجیل تمہیں قابل ذکر ہے۔

معرکہ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ کا ایک اہم بیان

ذیل میں تبرکات حضرت قبلہ عالم قدس تفرکے ایک ہم بین پر اس حوالہ بحث کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اجمال علم پر اس مقام صحر کو کھپس نظر سامنے آتا ہے یہ بیان سیفِ پشتیبانی کی اشاعت کے موقع پر شائع ہوا تھا۔

تفہیم لغت عربیہ

اسی صحیح بیان خوش چہرے کرام کو مخاطب بقول السلامۃ فی الوحده کا گوشہ نشین پسند رہی ہے۔

تصنیف و تالیف کا شوق نہیں کیونکہ یہ امور یا تو بغرض شہرت و نام آوری یا بغرض حصول دولت کیے جاتے ہیں سو اس خاکسار کو ان دونوں امور سے نفرت ہے آج کل کے ہائے زمان ان کمالات کو پسند کرتے ہیں جو منجملہ تعلیمات یورپ کے ہیں اور جس سے یہ عاجز ناواقف ہے اس طرزیت یم سے جس پر نہ سب کے بزرگان دین تصنیف و تالیف کرتے آئے ہیں اور جس سے اس صحیفہ کو قہرے ہوئی ہے نفرت رکھتے ہیں۔

یہودیوں کی ہوائیات کے چند اجباب کے اصرار پر ہمارے شمس الہدایت کھنکھایا تھا جس سے مراد نہ تو طلب شدہ
مستحصل دولت تھی بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ عداوت کھلی ہو جاتی ہے جو اور قیامت میں باز پرس سے بچ جائیں اور
اگر ان اوراق کی تصنیف سے غم گروہ راہ دہا ہوا ہے یا نہ لزل الا مکت و گمراہ ہونے سے بچ جائیں۔ تو
مندانہ مستحق ثواب خدا ہیں۔

اس درسا کے شائع ہونے سے کچھ مدت بعد مرزا صاحب قدوسی نے ان کے فریڈوں کی طرف سے جواب دے

کسی جواب کے مباحثہ کے لیے اشتہار شائع ہونے شروع ہوئے۔ ہر چند مباحثہ کے لیے کل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہوئی اور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی اور یہ خادم الفقراء معہ علمائے کرام اور مشائخ عظام تاج مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمد نال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرض انتظار مرزا صاحب قادیانی ٹھہرا رہا مگر مرزائے قادیانی، قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اس تمام اقدہ کی عوام نے بلامیری اطلاع کے تشہیر کر دی تھی۔ اس لیے اب اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔

بہت دیر بعد شمس الہدایت کے جواب میں، مرزا قادیانی کے امروہی مرید نے شمس باذقہ لکھتی اور مرزائے "تفسیر فاتحہ" چھپوائی تو دوبارہ اہل اسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کے جواب میں قلم فرمائی کروں گو بہت کچھ انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ

آن کس کہ زشت آن و خبر زو نہ رہی

آن ست جوابش کہ جوابش نہ رہی

لیکن پھر بھی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کیا غرض ہے عوام مسلمانان ہند و پنجاب کے فائدے کے لیے ہی سہی لہذا یہ چند اوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرض طبع کر دیئے کہ وہ اسے کتاب کی صورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں تاکہ یہ علمائے کرام اور معززین اسلام میں بدستور سابق مہفت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اس کی اشاعت سے مقصود نفع اہل اسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وَهَذَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

مُحِبُّ الْفُقَرَاءِ مہر علی شاہ عفی عنہ

اے شاہی مسجد لاہور کے جلسہ کا حوالہ دیا گیا جس میں مجید علمائے کرام اور موصوفیائے عظام نے آئندہ مرزا صاحب کو مخاطب کرنے سے منع فرمایا تھا۔

تحریکِ ہابیت کا مقابلہ

اُس زمانہ میں مملکت ہند میں دیابیت نے زور پکڑنا شروع کر دیا تھا اور تصوف و اہل تصوف کو بدعت بنا رکھا تھا اس تحریک کو مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی عبداللہ غزنوی ثم الامری کی تعلیمات سے، غیرعتدیین کے وجود اور خود اہل سنت میں سے کئی سرگرم داعی مل جانے کے باعث تقویت ہوئی۔ یہ لوگ تادیلوں کے جال پھیلائے ہوئے بزرگانِ دین کے اعراس پر جا پہنچتے اور زائرین کو قبر پرستی اور حدیثِ مشدِّ رحال جس کا ذکر نیچے آئے گا، کے طعنے دے کر پھنسانے کی کوشش کرتے جس کی وجہ سے اکثر سادہ لوح عقیدت مند ان کی باتوں میں آکر بھٹک جاتے۔ پاک پن شریف میں حضرت گنج شکرؒ کا سالانہ عرس اس گروہ کی معاندانہ اور مخالفانہ کوششوں کا قصوبھی مرکز بنا ہوا تھا لہذا حضرت ثانی سیالوی کے ایما پر حضرت قبلہ عالم قدس سرفرازی سال تک اس تقریب میں شمولیت فرماتے رہے۔ اور امرتسر، قصور و ریاست بہاولپور کے غیرعتد علماء کے ساتھ توحید، شرک، مُنت، بدعت، زیارتِ قبور، بہشتی دروازہ، نذر و نیاز اور پیری مُردی وغیرہ مسائل پر کئی اہم مذاکرات میں شرکت فرمائی۔ جن کی تفصیل اس کتاب کے ”مناظرات“ و ”قصائیف“ کے ابواب میں دی گئی ہے نتیجہً کئی مناظرین نے اپنے مسلک سے توبہ کی اور متعدد آپ سے بیعت بھی ہوئے۔

حدیثِ شدِّ رحال

حدیثِ بخاری:۔ لَا تَشُدُّ رِحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (سفر کا اہتمام تین مساجد، مسجد الحرام، مسجد نبویؐ، اور مسجد اقصیٰ کے سوا اور طرف نہ کیا کرو) کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا تھا کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کسی طرف بھی حصولِ ثواب کی خاطر سفر مشروع ہے ہمیشہ یہی معنی لیے جاتے رہے کہ ان مقدس مساجد میں عبادت کا ثواب علیٰ فرق مراتب زیادہ ملتا ہے اور دنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ چنانچہ اس مفہوم کی تائید مُسنَدِ امام احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو بہ الصوابِ ذیل ہے:۔

لَا يَذْبَعُ إِلَى الْمَصَلَّى أَنْ يَشُدَّ رِحَالَهُ إِلَى مَسْجِدٍ يَبْتَغِي فِيهِ الصَّلَاةَ غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَالْمَسْجِدِ نَبِيِّ (یعنی کسی نمازی کو مناسب نہیں کہ کسی مسجد کی طرف ادائے نماز کی نیت سے سفر کرے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے) تفصیل کے لیے فتح الباری اور معنی شروح بخاری، کتاب التَّجْدِ باب فضل الصَّلَاةِ فی مسجد مکہ و مدینہ ملاحظہ ہوں۔

اس حدیث کے امتناعی احکام کو سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے زیارتِ روضہ رسولؐ کے خلاف استعمال کیا بعد کے دور میں عبد الوہاب نجدی اور اُن کے ہم مسلک اس بُرائے استدلال سے کام لیتے رہے۔ ان کے علاوہ تمام اُمتِ مسلمہ نے

خیر القرون سے آج تک اس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں لیا۔

تجزیہ بالا کے بعد زیارتِ روضہ رسولؐ سے منع کرنے والوں کے پاس اس مسئلہ کے متعلق فقط یہ دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ حج عرفات، جہاد، تحصیل علم، خدمتِ خلق، سیاست، تجارت یا دیگر شرعی ضروریات کے لیے سفر کا جواز تو اپنی اپنی جگہ واضح ہے لیکن نبی کریمؐ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر کا جواز کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ ارشاداتِ قرآنی :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (سُورۃ نساء آیت ۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور رسولؐ بھی اُن کے لیے بخشش مانگتے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پاتے۔

اور

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ تُعْتَدِ لَهُ الصَّوْتُ فَقَدْ وَفَّعَ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ ذَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (سُورۃ نساء آیت ۱۰۰)

اور جو کوئی راہِ خدا میں وطن چھوڑ جائے وہ زمین میں کُشا دگی اور وسعت پائے گا۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے پھر اُسے موت آجائے تو

بے شک اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

کے احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد منقطع ہو چکے ہیں۔ اب نہ مُستغفرین اُمت کے لیے (معاذ اللہ) یہ سہارا باقی رہ گیا ہے۔ اور نہ دار الحرب کے مسلمان مثلاً غدر کے زمانہ کے علمائے ہند یا اس کے بعد اشترِ اکبیت اور مشرکین بھارت کے تم زہ ترکستانی یا کشمیری مسلمان اپنی جانیں اور ایمان مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں سلامت لے جا کر مہاجر الی اللہ و رسولہؐ کملولنے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی نمازوں میں مسلسل و متواتر اَللّٰهُمَّ عَلَيْنَا اَيُّهَا النَّبِيُّ کہتے چلے آ رہے ہیں جس سے مہاجر الی اللہ و رسولہؐ مندرجہ آیت بالا کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائیدی احادیث

مندرجہ ذیل احادیث سے زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز ظاہر ہے۔ مخالف حضرات ان سب احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جہاں تک ضعیف روایت کا تعلق ہے لَا تَشْدُ وَالرِّحَالُ والی حدیث کے بعض راویوں کو بھی غیر معتبر اور عبد اللہ بن نافع کو مجروح کہا گیا ہے۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي
جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي
جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت جائز ہو گئی۔

۳۔ مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي
جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۴ - مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ دَلَّوْهُ رُزْقِي حَقَّقْ جَفَانِي۔

جس نے بیت اللہ کی حج کی اور میری زیارت کے لیے نہ آیا تو بے شک اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۵ - مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا تَحْمِلُهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو کوئی میری زیارت کے لیے آیا۔ اور اُس میں میری زیارت کے علاوہ اور کوئی حاجت نہیں رکھتا تو مجھ پر واجب ہے کہ روز قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

احادیث مستدرجہ بالا میں نمبر ۲ کے متعلق امام ابن حجر مکیؒ نے صَحَّحْہُ جَمَاعَةً مِّنْ أَيْمَنَةِ الْحَدِيثِ کے الفاظ اور نمبر ۳ کے متعلق امام سبکیؒ نے أَحْوَذُ السَّنَادِ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علاوہ انہیں شیخ محقق دہلویؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب جذب المتلوب میں احادیث مذکورہ سے استحباب مولا ثابت فرمایا ہے۔

زیارت قبور

علاوہ انہیں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے عمل شریف سے بھی ان احادیث کی تائید و تصدیق ہوتی ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا شہداء اُعدا اور جنت البقیع میں مدفون حضرات کی قبروں کی زیارت فرمائی والدہ ماجدہ کی مزار پر محترم ابوالاثر شریف لے گئے صحابہ کرامؓ کو اہل قبور کی زیارت کی اجازت بخشی اور وہاں کے آداب مقرر فرمائے۔ اولیاء اللہ اور صالحین اُمت، سلف سے خلف تک، زیارت روضۃ الرسولؐ کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبد الوہابؒ کی تعلیم کی روشنی میں تو اُمتِ مرقومہ کا تیرہ صد سالہ عمل غیر شرعی ہو جاتا ہے۔ اور فقہ فی الدین اور استنباط مسائل کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اجماع اُمت صرف دُہی رہ جاتا ہے جس میں مستدرجہ بالا دو حضرات کو اختلاف نہ ہو۔

غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات

اکابر علمائے اہل سنت کی طرح حضرت نے بھی نجد کے شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے بعض تشددانہ نظریات کو اپنی تصنیف سیفِ چشتیائی میں مسکابل سنت کے خلاف قرار دیا تھا جس کی وجہ سے بعض غیر مقلد و بابیوں کی طرف سے مناظرانہ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی حالانکہ اس سے پہلے حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء اہل سنت اپنی اپنی تصانیف میں فرقہ و ہابیہ کو مکراہ اور خارجی قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ علامہ زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ کی کتاب الدرر السنیۃ اس پر شاہد ہے۔ اور فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ ابن عابدین شامی نے بھی حاشیہ در مختار باب الخوارج میں فرقہ و ہابیہ کو خوارج میں شمار کیا ہے اور اُس وقت کے اکثر علمائے ہند بھی محمد بن عبد الوہابؒ کی تردید میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حیدر اللہ خان درانی المجددی النقشبندی اپنی کتاب درۃ الدرائی میں لکھتے ہیں کہ نوادرِ مطہرون نے اپنی کتاب جزا فیہ عمومیہ مطبوعہ مصر کی قیصری جلد عربیہ رد نامہ باب ناظر مدرستہ الاسلام میں لکھا ہے کہ محمد بن عبد الوہابؒ نے لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ خدا کے رسول اور دوست ہیں مگر اُن کی مدح اور تعظیم از قبیل شرک ہے اور چونکہ لوگوں کا یہ شرک اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا لہذا اُس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔

پس جو کوئی مجھے قبول کرے گا وہ دوستوں میں سے ہے اور جو میرا حکم نہ مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہے۔ اور اس کا قتل بلاشبہ واجب ہے۔

علمائے مکہ کی طرف ابن عبد الوہاب نجدی کا رسالہ دعوت

محمد بن عبد الوہاب کا جو رسالہ علمائے مکہ کی طرف بطور دعوت و حجت بھیجا گیا تھا اس میں تحریر تھا کہ جو شخص نبی کو اپنا ولی اور شفیع سمجھتا ہے وہ اور الوہیل شرک میں برابر ہیں جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا محمد کہتا ہے اگرچہ ان کے متعلق سب باتوں میں بندہ عاجز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی شرک ہو جاتا ہے۔ اور تجھے ان باتوں میں ہمارا شیخ ابن تیمیہ بس ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد کی قبر اور مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف سفر کر کے جانا شرک اکبر ہے۔

اسی رسالہ میں مزید یہ تحریر تھا:-

أَمَّا السَّابِقُونَ فَاَللَّاتُ وَالسُّوَامُ وَالْعُرَى وَأَمَّا
اللاحِقُونَ مُحَمَّدٌ وَعَلَى وَعَبْدُ الْقَادِرِ (معاذ اللہ)
حالانکہ قرآن فرماتا ہے:-

وَتَعَزَّوْهُ وَتُقَرِّوْهُ (سورہ فتح ۹)

اور فرماتا ہے:-

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ
(سورہ حج آیت ۳۲)

اور شعائر اللہ کیا ہیں۔ قربانی کے اونٹ کو خدا شعائر اللہ میں شمار فرماتا ہے۔ وَالْبُذُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّنْ شَعَائِرِ

اللہ۔ پھر قرآن فرماتا ہے:-

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ
رَاكِعُونَ (المائدہ - آیت ۵۵)

اسی طرح نبی کریم کو اپنا شفیع سمجھنے کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
الرَّحِيمًا (النساء ۶۴)

ماگئے تو یہ لوگ یقیناً اللہ کو توبہ اور رحیم پاتے۔

اور لَا تَشْدُ وَالرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ والی حدیث کی رو سے مسجد نبوی کی طرف سفر کے استحباب سے

تو آج وہابیوں کو بھی انکار نہیں لیکن اس کے باوجود ابن عبد الوہاب آنجناب کی مساجد اور آثار کی طرف سفر کو بدستور شرک اکبر کہہ رہے

پس عرب معاصرین نے کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ ابن عبد الوہاب نے علم کی کسی صنف میں بھی تکمیل نہیں کی تھی۔ اور طالب علی کے ایام

میں محض سیدہ کذاب اور اسود غنی کے سوانحات ہی پڑھتا رہتا تھا۔ نیز علم و ادراک کی طرح قوتِ اظہار اور اسلوبِ کلام میں بھی ناقص تھا۔ البتہ جوشِ غضب اور اشتعالِ طبع میں منفرد تھا۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی عہدگی عقاید کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گوبھی کا فتویٰ

تعب سب سے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کے عقائد کو عمدہ تحریر کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک ایک عقیدہ کی براہِ راست زخوٰۃ مولوی صاحب کے اپنے شیخ اور پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی حمد و علی کی ذاتِ گرامی پر پڑتی ہے جن کا ارشاد ہے۔

شَفِيعَ عَصِيَاں ہُوْثُمُ و سَيِّدَ بے کَسَاں ہُوْثُمُ
تہیں چھوڑ آب کہاں جاؤں بتا دیا رسول اللہ
کرم نہ ماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تُم
ہمارے جسم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ

نیز فرماتے ہیں۔

کہے ہے شوقِ نبی یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکتِ ابداء آب تو آئی جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے برادرِ طریقت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب شیم الحبیب شیم الطیبین فرماتے ہیں۔

يَا شَفِيعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي
دستگیری کیجئے میری نبی
اَنْتَ رَفِى الْاَضْطِرَارِ مُعْتَمِدِي
کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
مَسْنِي الضَّرْمُ مَسِيْدِي مَسْنَدِي
فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
فَالْتَمَثْتُ النَّعَالَ ذَاكَ فَتَدِي
نعل بوسی ہوئی کافی آپ کی
کاش ہو جاتا مدینہ کی یں خاک

بعض اہل طریقت رجعت کی زد میں

ابن عبد الوہاب پر کچھ غلط نہیں وہ تو اس کو بچہ سے محض نابالغ تھے۔ البتہ جب اس ملک کے بعض مدعیانِ طریقت بھی ان کے تشددانہ عقائد کو اپنا کر عشقِ رسول کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند کرتے نظر آتے ہیں تو حیرانی کی حد نہیں رہتی اور اس طریق پر سوائے رجعت کے اور کسی لفظ کا اطلاق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولوی عبد اللہ غزنوی اور ان کے صاحبزادے مولوی عبد الجبار اہل حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ اہل طریقت بھی کہلاتے تھے۔ مولوی عبد اللہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت کوٹھ والا رحمۃ اللہ

علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اور یہی حال مولوی حسین علی صاحب ساکن واں بھیراں کا تھا۔ جن کے شیخ طریقت نے اپنے تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہی کیا اُن کی تو بہت ہی بڑی شان ہے بعض اوقات آنجناب کے غلاموں پر بھی علم غیب عطائی کی کیفیات اس طرح طاری ہوتی ہیں کہ تمام زدے زمین پر کوئی چیز بھی اُن کے مشاہدہ سے باہر نہیں رہتی۔ مگر مولوی حسین علی بول اُٹھے کہ میرے نزدیک تو ایسا عقیدہ کفر ہے۔

حضرت کے فتویٰ کے خلاف مخالفین کا اشتہار

حضرت سے غیر مقلد و باہیوں کی مخالفت کی اصل وجہ تو وہی تھی جو قبل انیں ذکر ہو چکی ہے لیکن مولوی عبداللہ غزنوی کے ایک مُرد مولوی عبدالاحد خان پوری نے طاعون زدہ مقام سے خروج کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک فتویٰ کو سامنے لاتے ہوئے بحث و مباحثہ کی ابتدا کی مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تھا کہ

”طاعون زدہ علاقہ میں بلا ضرورت جانا گناہ ہے اور طاعون زدہ جگہ سے بخوف طاعون بھاگنا حرام ہے البتہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں اور اسی شہر کے آس پاس جنگلوں اور باغوں میں چلے جانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر سبستی والے چھوڑ کر چلے جائیں اور ایک شخص بھی وہاں نہ رہے تو یہ درست ہے۔“

اس مضمون کا ایک فتویٰ مولوی عبدالغفار مدرس مدرسہ انوار العلوم نوانگر ضلع بلیانے بھی دیا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک استفتاء پر ان فتوؤں کی تائید فرمائی تھی اور مزید تفصیلی بحث کر کے دلائل و براہین دیئے تھے۔ آپ کا مفصل فتویٰ فتاویٰ مہرہ میں درج ہے۔

مولوی عبدالاحد خان پوری کی تحریک پر حضرت کے اس فتویٰ کی تردید میں ایک اشتہار جاری کیا گیا جس میں طاعون زدہ مقام سے خروج کو، خواہ بقصد علاج اور حصول صحت ہی کیوں نہ ہو مطلق حرام اور اس کے جائز قرار دینے والے کو کافر کہا گیا۔ اور دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی :-

اَلْكَوْثَرُ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلْاَوْفَ اَحَدٌ رَّالْمَوْتِ۔ (البقرہ آیہ ۲۲۳)

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے۔

اس پر گورنہ شریف کے ایک طالب علم مولوی قائم علی چشتی فاضل لاہوری نے اس آیت کے متعلق مولوی صاحب غاپٹوری پر بذریعہ اشتہار چیت طالب علمانہ سوالات کیے اور لکھا کہ اگر مولوی صاحب بالمشافہ اَصْدَتْ بِاللّٰہ کے معنی پوری طرح سمجھا لیں تو انہیں مبلغ یک صد روپے بطور انعام دیئے جائیں گے۔

الفتوحات الصمدیہ

اس کے جواب میں مولوی عبدالاحد نے ایک رسالہ سُمّی البیان والاعانۃ تالیف کیا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو مخاطب کر کے دس علمی سوالات تحریر کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ اگر پیر صاحب نے ان سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تو انہیں بھی مؤلف پر سوالات کرنے کا حق حاصل ہو گا حضرت کے ایک عقیدت مند مفتی غلام مرتضیٰ مدرس اعلیٰ دارالعلوم نعمانیہ لاہور ان سوالات کے جواب شائع کرنا چاہتے تھے مگر ایک مخلص کے مشورہ پر حضرت نے خود جوابات لکھوائے۔ اور ساتھ ہی بارہ سوالات بھی تحریر

فرمائے جو آپ کی کتاب الفتوحات الصمدیہ میں شائع ہوئے مولوی عبدالاحد کی کتاب البیان والاغاثہ کے جواب میں مفتی صاحب موصوف نے القبیان والحامہ شائع فرمائی۔

یہ مولوی عبدالاحد خان پور ضلع ہزارہ کے باشندے تھے طبابت کرتے تھے اور وہابیت کے الزام میں ترک وطن پر مجبور ہو کر راولپنڈی آ گئے تھے۔ جہاں گذراوقات کی معقول سہیل نہ پا کر مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری کی سفارش پر دربار گولڑہ شریف میں چند سے بطور معائنہ اور طالب علم قیام پذیر رہے تھے۔ قادیانی معرکہ میں حضرت کے ہمراہ لاہور بھی گئے تھے اور بعض کتابوں کا سبق لینے کے لیے آپ کے درس میں بھی شامل ہوتے رہے۔ ان کی اپنی علمیت تو ایسی نہ تھی کہ وہ دس سوالات تجویز کرتے اس لیے شروع سے ہی سب پر روشن ہو چکا تھا کہ امرتسری کی جماعت اہل حدیث اس مناظرہ چھیڑ چھاڑ کی پشت پر ہے علیٰ ہذا قیام حضرت کے سوالات کی مخاطب بھی یہی جماعت تھی۔ حضرت نے اپنے سوالات کے خاتمہ پر تحریر فرمایا تھا کہ

گو ہمارے سوالات قریب ایک سو کے لکھے ہوئے ہیں مگر خیال اس کے کہ جواب سے جواب ہی ہو گا کچھ کیوں تبصر اوقات کریں۔ لہذا انہی پر اختتام کیا جاتا ہے۔

عجلالہ بردوسالہ

جب ان سوالات کو کیے ہوئے دو سال گزر گئے اور فریق مخالف کی طرف سے کوئی جواب شائع نہ ہوا تو جناب لینا محمد غازی صدرالاساتذہ گولڑہ شریف نے ایک رسالہ عجلالہ بردوسالہ کے نام سے شائع کیا جس میں بعض مضامین حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے افادات سے تھے۔ اس دوران جماعت اہل حدیث کے بعض ارکان یہ بیان دیتے رہے کہ پیر صاحب کے سوالات کے جوابات عنقریب بڑی شان سے شائع کیے جا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جماعت نے اس موضوع پر اپنے ہم خیال علمائے نجد اور مصر سے بھی استفادہ کیا۔ اور پوری کوشش کی مگر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی پیش گوئی کے مطابق اُن سے قطعاً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور بالآخر مولوی عبدالاحد نے ایک ٹریکٹ شائع کیا جس میں اپنے سوالات کے بعض جوابات پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ ہمارے سوالات کے جوابات پیر صاحب نے تسلی بخش نہیں دیئے ہیں اس لیے پیر صاحب کے سوالات کے جواب دینے کی ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کی تائید میں انعامی دعوت مناظرہ اور علمائے اہل حدیث کا سکوت

مولوی صاحب خان پوری نے اپنے رسالہ جات میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس برہ الغزنی کی شان میں تشبیح و تحفیر سے کام لیا تھا جس پر حضرت کے کچھ عقیدتمندوں کی طرف سے ایک اشتہار شائع کر کے اہل حدیث کے علماء کو انعامی دعوت مناظرہ دی گئی مگر اُن کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ البتہ اُن کی جماعت کے ایک فاضل عالم مولوی ابوالوفاء شاعر اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۴۔ فروری ۱۹۱۳ء میں مولوی صاحب خان پوری کے طرز تحریر کی مذمت کی۔ اور لکھا:-

کچھ شک نہیں کہ قاضی عبدالاحد صاحب ہمارے جماعت اہل حدیث کے بڑے سرگرم ممبر ہیں۔ ایسے سرگرم ہیں کہ بڑے بڑے نامور علماء اور محدث بھی آپ کے خیال میں اہل حدیث نہیں اس لیے ان کی نسبت زیادہ وزن دارئے دینے کا ہم کو بہت زیادہ حق ہے۔ لہذا ہم خدا لگتی کہنے کو برادری کے حقوق سے محنت ہم جان کو صاف کہتے

ہیں کہ ہمارے بھائی سراسر قصور وار ہیں۔ کیونکہ ان کا لہجہ اور اداسے مطلب کا رنگ اور طرزِ تحریر مکروہ ہے اور نہایت مکروہ ہے ہم سمجھتے ہیں کوئی شریف آدمی نہ اس قسم کی تحریر کر سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ قاضی صاحب چونکہ اہل حدیث اور ہمارے شہرِ اہمِ تہذیب کے مقتدر عالم مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی کے شاگرد اور مرید ہیں اس لیے اُن کے دلیہ سے ہم بہت نادم ہیں اور کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہماری ساری جماعت اگر بدنام ہو تو بے جا نہیں۔ یہ ایسے صاحبِ کمال ہیں کہ جو ان کے سامنے آیا، گالیوں کی بوجھاڑ سے ایسا کر دیتے ہیں کہ اُٹھ نہ سکے خواہ شرفاء کی نگاہ میں خود ہی ذلیل ہوں۔“

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی تصنیف اعلیٰ کلمۃ اللہ

ان ہی آیام میں اعلیٰ کلمۃ اللہ کے نام نامی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی ایک تصنیف فارسی زبان میں شائع ہوئی جس میں دَمَآ اَہْلَیْہِ لَغَیْرِ اللہ کی تفسیر کے علاوہ سماعِ موتی، مسئلہ حرمتِ ذبیحہ فوق العقدہ، استدلالِ قبورِ صالحین وغیرہ پر تحقیق کے ساتھ ساتھ جماعتِ غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ ان میں بعض مسائل از قسم استدلالِ سجدۂ تعظیمی علیٰ غیبِ حاضر ناظر وغیرہ پر جو مقلدین میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بریلوی اور دیوبندی ناموں سے دو گروہ بن گئے تھے۔ ان مسائل پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کے مسلک کے متعلق تفصیلی بحث تصانیف کے باب میں آئے گی۔ ملفوظات اور مکتوبات کے باب میں آپ کے ارشادات سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقلدین کے ان فرقوں کے درمیان رفعِ اختلاف کا آپ کو کس قدر خیال تھا۔

شمسِ اہدایت کی توصیف میں مولوی عبد الجبار صاحب کا ایک مکتوب پہلے درج ہو چکا ہے۔ اب حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی ایک اور مشہور کتاب تحقیق الحق کی تعریف میں مولوی صاحب مدوح کے صاحبزادے مولوی داؤد غزنوی کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ مفتی محمد حسن صاحب جامعہ خیر الدین ثم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور سے یہ کتاب عاریۃ برائے مطالعہ لے گئے۔ اور واپس طلب کیے جانے پر کہہ دیا کہ مولیٰ سنا ایسی کتابیں ہاتھ آجائیں تو واپس دینے کے لیے نہیں ہوتیں مفتی صاحب فرماتے تھے کہ میں خود یہ نادر کتاب عاریۃ ایٹ آباد کے ایک دوست سے لایا تھا۔ (حسب روایت حاجی ملک محمد خدابخش ٹوانہ)

ساتویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ اور تحریک خلافت

انڈین نیشنل کانگریس نے انیسویں صدی عیسوی سے ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلا رکھی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک انقلابی پارٹی بنگال میں بھی پیدا ہو گئی۔ لیکن شمالی ہند اور پنجاب میں ان تحریکات کا کوئی خاص نمایاں اثر نہ تھا۔ کانگریسی تحریک تمام تر ہندو انا تھی جس کا قومی ترانہ "ہندے ماترم" تھا۔ یہ ترانہ کسی زمانہ میں بنگالہ کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے لیے مؤثر دل کیا گیا تھا۔ نیشنلسٹ یعنی کانگریسی مسلمانوں کا وجود آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھا۔ کانگریس اپنے پورے زوروں پر اس وقت آئی جب پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے اتحادی فاتحین نے ترکی کے حصے بخرے کرنے شروع کیے اور مسلمان تحریک خلافت شروع کر کے دھڑا دھڑکا کر کانگریس میں شامل ہونے لگ گئے۔ دوران جنگ کانگریس کے بڑے بڑے نیاؤں نے ہندوستان اور افریقہ سے برطانیہ کی بھرپور امداد کی تھی مگر اس کے باوجود اگر خلافتی مسلمان کانگریس میں شامل ہو کر اس کو تقویت نہ پہنچاتے تو ہندوؤں کا مطالبہ غالباً ڈومینین سٹیشن (داخلی خود مختاری) سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ یہ ہندو مسلم اجتماعی طاقت ہی تھی جس نے بالآخر حکومت برطانیہ کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ اور ملکی سیاست

حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ کا منصب چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی ہیبت کا تھا۔ اس لیے آپ کا واسطہ ملکی سیاست سے اُسی حد تک پڑتا تھا جس حد تک وہ آپ کے اس منصب جلیلہ پر براہ راست اثر انداز ہوتی تھی۔ جنگ کے ایام میں ایک زیادہ مستعد ریکروٹنگ آفیسر نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ صوبہ سرحد اور پنجاب کی اکثر نیشنل قومیں آپ کی ارادت مند ہیں۔ اگر آپ انہیں ملک اور بادشاہ کی خدمت کے لیے فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیں تو نہ صرف میرے محکمہ کی مشکلات بہت حد تک آسان ہو جائیں گی بلکہ گورنمنٹ بھی بے حد مشکور ہوگی۔ حضرت نے فرمایا، علمائے اسلام موجودہ حالات میں انگریزوں کی فوجی ملازمت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے فوجی ملازمت کے متعلق دریافت کرتا ہے تو میں اُسے اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ آپ لوگ کسی مسلمان اہل علم سے توقع نہ رکھیں کہ وہ لوگوں کو خلاف شرع کام کا مشورہ دے گا۔ چنانچہ جب کچنر صاحب راولپنڈی نے آپ کو انجمن مسلمہ کا ایک پیغام بھیجا جس میں آپ سے بعض مسلمان سیاست دانوں کو امتناعی ہدایات دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا جو مکتوبات شریف میں طبع ہو چکا ہے:-

”از مہر علی شاہ۔ بجواب پیغام کشر صاحب

آپ کا پیغام دربارہ امتناعی ہدایت بعض مخالفین دولت برطانیہ پہنچا اگر مجھے غیر اسلام اور غیر اہل اسلام کا طردار سمجھ کر مخاطب بنایا گیا ہے تو یہ خیال بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اگر اس وجہ سے مخاطب بنایا

گیا ہوں کہ گروہ مخالفین دولتِ برطانیہ سے متفق نہیں ہوں تو میرا مخالف بوجہ اصولِ اسلامیہ تجاویزِ خیر میں ہے نہ مطلقاً اور نہ اصل مدعی اور غایتِ دنیویہ میں۔ مجھ سے مطلوبہ ہدایت اُسی صورت میں مقصور ہو سکتی ہے کہ مقاماتِ مقدسہ مکہ و مدینہ و بغداد و بیت المقدس پر قبضہ چھوڑا جائے۔ ورنہ معاذ اللہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو کر آپ کے پیغام کی تعمیل بالکل ناممکن ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔
العبد المشتکی الی اللہ المدعو بہ مہر علی شاہ بقلم خود۔ از گولڑہ۔

تحریکِ خلافت کے اسباب

اسلامی دنیا میں سلطانِ ترکی کو مقاماتِ مقدسہ کے خادم اور ایک بڑی اسلامی مرکزی سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جب یورپ اور امریکہ کا بزعم خود اس مردِ بہار کو عملاً ختم کر دینے کا منصوبہ مکمل ہو گیا تو برطانوی ہند کے مسلمانوں کو جو اپنی حکومت تو کھو چکے تھے مگر سلطنتِ عثمانیہ کو اسلامی شوکت کی آخری یادگار سمجھتے تھے اتہائی صدمہ ہوا۔ چنانچہ عوام اور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل، اندوہ، دیوبند، تونسہ شریف اور سیال شریف وغیرہ کے دینی اور روحانی مراکز کے علماء اور مشائخ بھی خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ پر کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدسؒ کے بعض اصحاب مثلاً حضرت مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور، مولانا بکرت علی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور، حکیم شمس الدین زیر آبادی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسری وغیرہ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اسلامی خلافت کے متعلق علمائے راسخین کا مسلک

حضرت قبلہ عالم قدسؒ اور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً حضرت سید دیدار علی شاہ الوری، جناب مولوی محمد علی نوگھری صوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی صاحب دہلوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی مکمل ہمدردی اُس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک اُن کی انقلاب پسند عہدت نے برسرِ اقتدار آکر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ مثلاً جنگِ طرابلس اور جنگِ بلقان میں حضرت قبلہ عالم قدسؒ نے گھر کے زیورات اور اصبطل کے گھوڑے تک بیچ کر ترکوں کی امداد کے لیے چندہ دیا تھا۔ طرابلس کی جنگ کے زمانے میں کئی بار غازی انور پاشا جو اُن دنوں انور پاشے کہلاتے تھے کا ذکر عزت اور محبت کے لہجہ میں فرمایا اور اُن کے حق میں دُعا خیر فرمائی۔ حتیٰ کہ تحریکِ خلافت کے دنوں میں بھی آپ نے اُن مخلصین کو جو اس میں عملی حصہ لے رہے تھے منع نہیں فرمایا۔

اپنے مسلک کے باوجود حضرت نے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں حصہ لینے سے منع نہیں فرمایا

جیسے کہ اوپر ذکر ہو رہا تھا اپنے شرعی مسلک کے باوجود آپ نے اپنے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں کام کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور لکھتے ہیں :-
تحریکِ خلافت کی ابتداء تھی۔ اور میں اس تحریک کا بہت بڑا علم بردار تھا۔ حکومت نے میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ مجھے کسی ذریعہ سے پہلے پتہ چل گیا۔ لہذا میں بھاگ نکلا اور سیدھا گولڑہ شریف جا پہنچا

حضرت قبلہ عالم فخر کی نماز کے بعد معانوں کو رخصت کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، غلام محمد کیا بات ہے میں نے عرض کی کہ تنہائی میں عرض کروں گا۔ عادت مبارک تھی کہ تنہائی اور خلوت کے وقت لوگوں کو اٹھا دیتے تھے، مگر اُس روز خلاف عادت مسجد کے جنوب مشرقی منارہ کے پاس تشریف لا کر میری عرض کو استماع فرمایا اور ارشاد کیا کہ کل دس بجے جواب دوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن دس بجے بلا کر ایک تعویذ عطا فرمایا اور زبان مبارک سے فرمایا بِحَوْلِ اللَّهِ وَقُوَّتِهِ لَا يَغْتَدِرُ أَحَدٌ عَلَيْنَا۔ (اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور قوت سے ہم پر کوئی ایک بھی قدرت نہ پاسکے گا۔ حزب البحر) واپس چلے جاؤ کوئی بال بھی پیکانہ نہ کر سکے گا میں نے عرض کی تقریریں کرنا رہوں یا چھوڑ دوں تو فرمایا جو میرا کام تھا میں نے کر دیا ہے۔ تقریریں کرنا یا نہ کرنا تمہاری اپنی رائے پر منحصر ہے۔ گویا یہ آپ کے اُس اسلامی نظریہ کا ثبوت ہے کہ فردعی معاملات میں اور مسائل میں اپنے اپنے دلائل کے پیش نظر ہر فرقہ آزاد ہے۔ البتہ تشدد، تعصب اور ایک دوسرے کے خلاف کچھ اُچھالنا تفریق فی الدین کے مترادف اور سخت ممنوع ہے۔

۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید خان جب تختِ ترکیہ سے معزول کیے گئے تو حضرت قبلہ عالم قدس ہر طرف بہت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا تھا کیونکہ جیسے کہ بعد میں سب پر روشن ہو گیا یہ معزولی دراصل سلطنتِ ترکیہ کے زوال و انتشار کا پیش خیمہ تھی۔ اس کے بعد سب سے پہلے تو بلغاریہ ہاتھ سے گیا۔ پھر آسٹریا نے مختلف ترکی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں ول مغرب کے ایشادوں پر طرابلس میں جنگ چھیڑ دی جس میں کافی علاقہ ترکوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہونے پر شومنی قیمت سے ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دے کر اپنی رہی سہی طاقت بھی کھودی۔ اتحادیوں نے عرب ممالک میں بغاوتیں کر کر بتدریج ۱۹۱۶ء تک شام، حجاز، فلسطین و عراق سب علیحدہ کر لیے۔ اور وہ عظیم ترکی سلطنت جو سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ تک بلغاریہ سے بحیرہ عرب اور طرابلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ فقط ایک مختصر سے علاقہ پر محدود ہو کر رہ گئی۔ سلطان عبدالحمید خان کے بعد ترکوں نے سلطان محمد خامس اور پھر سلطان عبدالحمید خان کو خلیفہ بنایا لیکن آخر کار ترکی میں نئی جمہوریت کے شوق نے خلافت کی بساط ہی الٹ کر رکھ دی جس سے نہ صرف تمام عالم اسلام میں صعب ماتم بچھ گئی بلکہ خود ترکوں کی اسلامی مرکزی حیثیت ختم ہو جانے کے باعث یہ صورت اُن کے لیے بے حد ضعیف کا باعث بنی۔

یہ درست ہے کہ سلطان موصوف میں کچھ خامیاں ضرور ہوں گی۔ مگر جہاں تک دینداری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت کا تعلق ہے سلطان ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا۔ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب پیرس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک تھیمٹرککل ڈرامہ اسٹیج کرنے کا منصوبہ زیرِ تجویز تھا تو سلطان عبدالحمید خان کس قدر غضبناک ہوا تھا اور تلوارِ نبی سے نکال کر اعلان فرمایا تھا کہ جب تک عیسائی دنیا بائی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس ناپاک عزم سے باز نہیں آئے گی یہ تلوار باہر ہی رہے گی اور اس مضمون کا ایک نار فرانسیسی حکومت کو بھی روانہ کیا تھا جس سے نہ صرف فرانس بلکہ تمام یورپ متحراٹھا تھا۔ اور معذرت خواہی کے ساتھ اُس پروگرام کو ختم کر دیا گیا تھا۔ یونانیوں کے ساتھ سلطان موصوف کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے بیسویں صدی کے مشہور مصری ادیب و شاعر احمد شوقی اپنی نظم صدی الحوب میں سلطان سے خطاب کرتے ہیں :-

بسیفک یعلو الحق والحق اغلب وینصر دین اللہ ایان تضرب

یتیری تلوار کے ذریعہ حق کو بلند ہی ملتی ہے اور حق ہمیشہ غلبہ پانے والا ہے۔ اور جہاں جہاں تو شمشیر کے

جوہر دکھاتا ہے۔ دین کو مدد ملتی ہے۔

علاوہ ازیں مولینا رحمت اللہ مہاجر مکی کو جن کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے خاص عقیدت کا ذکر پہلے آچکا ہے، سلطان موصوف نے مشہور میسائی مناظر پادری فذر سے مناظرہ کے لیے بعد اعر از طلب فرمایا تھا جس کے فراق کے بعد مولینا کو بڑے ترک احتشام کے ساتھ بلایا و تحائف دے کر واپس مکہ معظمہ روانہ کیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے فرزند ارجمند جناب بابو جی مدظلہ العالی آج تک سلطان عبدالحمید خان کا نام بہت احترام سے لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلطان کے عشق رسولؐ کے باعث مجھے اُن سے غائبانہ انس ہے چنانچہ جب آپ حضرت مولیناؒ روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے ترکی تشریف لے گئے تو خاص طور پر سلطان عبدالحمید خان کے مدفن پر جا کر فاتحہ پڑھی۔

تحریک خلافت میں ہندو کانگرس کے ساتھ تعاون کا مسئلہ

جب خلافت کا مسئلہ اپنے دیگر متعلقہ مسائل کے ساتھ بطور استفتاء ان علمائے انجمن کی خدمت میں پیش ہوا تو ان بزرگان نے اپنا مافی الضمیر نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا اور رائے عامہ کی شدت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کی اب مسائل نے اس ترتیب سے صورت اختیار کی۔

- ۱۔ کیا حکومت ترکیہ خلافت اسلامیہ نبویہ کا حکم رکھتی ہے؟
 - ۲۔ آیا خلافت کے استحکام کے لیے ہندو کانگرس کا تعاون اور ان صورت حالات کے تحت مسلمانوں کے لیے مشترک گاندھی کی قیادت جائز ہے؟
 - ۳۔ آیا ہندوؤں کی معاونت حاصل کرنے کے لیے گنوگشی کو بند کیا جائے؟ اور
 - ۴۔ کیا انگریزوں کی اسلام دشمن حکومت کی وجہ سے ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس ملک سے ہجرت واجب اور جائز ہو گئی ہے؟
- پہلے مسئلہ پر کارکنان تحریک خلافت کا فتویٰ یہ تھا کہ سلطان روم کی ترکی حکومت اسلام کی رو سے خلافت جاریہ ضروریہ کا حکم رکھتی ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ارشاد تھا کہ صحیح حدیث کی رو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہو گئی تھی جس کے لیے حدیث شریف میں "عضوضیت" اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ اگر مذہب اسلام ایسی سلطنت کو خلافت جاریہ ضروریہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یزید ابن معاویہ اور منصور عباسی بھی سلاطین جابرہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے اور حضرت امام حسین اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما جو ان کے حکم سے شہید کیے گئے معاذ اللہ باغی کہلائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم کے باب الفتن میں بخاری شریف کی حدیث کی رو سے یزید کو دعاۃ الضلال یعنی گمراہی کی طرف بلانے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ لہذا جو شخص ضلالت اور گمراہی کا داعی ہو اُسے کوئی بھی صاحب انصاف، خلیفۃ المسلمین کے مقدس منصب کا مستحق نہیں سمجھ سکتا۔

ہندوؤں کے ساتھ تعاون

کانگرس کے ساتھ تعاون اور مسائل ۲ تا ۴ مندرجہ بالا کے متعلق جناب شیخ الجامعہ حضرت کے مسلک کو یوں بیان کرتے ہیں۔

”خلافت کیسے کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جو اگست ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی تھی خلافت عثمانیہ نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا جس میں بالآخر ترکوں کو شکست ہوئی اور بہت سے صوبے یعنی شام، فلسطین، عراق و عرب وغیرہ اُن سے چھین گئے اور ترکی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانان ہند اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے اور مولانا محمد علی مرحوم و مفتور نے تجویز کی کہ مسلمان اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔ مولانا محمد علی مسلمانوں کے مختص لیڈر تھے اور بہت پر جوش مسلمان تھے۔ مولانا تاج محمد سندھی نے اس تحریک کو عملی جامہ پہنایا اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو لے کر افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اشن راہ اصلاح ہزارہ و پشاور کے ہزاروں مسلمان بھی اُن کے ساتھ ہو بیٹے۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب و سنت اور دیگر دلائل شرعیہ سے نہیں ملتی۔ نہ اس قسم کی ہجرت صحابہؓ نے کی ہے۔ وہ ہجرت تو اس واسطے تھی کہ مسلمانوں کو اقامت دین سے شُرک منع کرتے تھے تاکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث جمع بنی ہاشم و بنی عبد المطلب شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ مگر یہاں ایسے اسباب موجود نہیں۔ نیز ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی ملک اتنی بڑی عجات کو بسا نہیں سکتا۔ پس بوجہ فقدان استطاعت یہ فرض ساقط ہے۔ اور اگر سب پر فرض نہیں بعض پر فرض ہے تو اس ترجیح بلامرجح کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

نیز آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔ ہجرت کرنے والوں میں بہت تھوڑے سے مازمی ہیں جب نماز جیسے ضروری امر کا التزام نہیں تو الہم فالہم کے اصل کے ماتحت پہلے اس فرض کو قائم کرنا چاہیے۔

یہ بھی فرمایا کہ عنقریب اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک ہفتہ کے بعد مسلمانوں نے واپس آنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ جو اصل میں جاؤس تھے اور ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو واپسی کی رغبت دلائی شروع کی۔ افغانستان کے تخت پر اگرچہ امان اللہ ممکن تھا جو انگریزوں کے خلاف تھا مگر وہ اتنے کثیر تعداد لوگوں کی مستقبل میزبانی و ضیافت سے کیسے بردا ر ہو سکتا تھا۔ مہاجرین میں اکثریت مجلس اشخاص کی تھی چنانچہ جب واپس ہوئے تو بہت ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑا جاتے وقت اپنی زمینیں اور مکانات نہایت سستے داموں بیچ گئے تھے۔ واپس آئے تو رہنے کو ٹھکانہ بھی نہ تھا اور نہ گذران کے لیے کوئی ذریعہ معاش۔ جامدادیں زیادہ تر ہندوؤں نے خرید کر لی تھیں حتیٰ کہ پشاور کی تحصیل صوبائی سب کی سب ہندوؤں کے ہاتھ بک گئی تھی۔ آخر انگریزوں کے پاس جا کر منت سماجت کی تو انہوں نے ایک قانون پاس کیا کہ مہاجرین کی زمینیں اور مکانات اُن ہی قیمتوں پر واپس کیے جائیں جن پر خریدے گئے تھے۔ چنانچہ اس دور کے ایک مشہور سیاسی کارکن نطفہ حسن ایک اپنی کتاب ”آپ بیتی“ حصہ اول میں تحریک ہجرت کے متعلق رقمطراز ہیں: ”نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر مالی بوجھ پڑا۔ ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندوستانی مسلمانوں سے کبوتر خاطر

ہوئے اگر کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا تو وہ صرف انگریز تھے، ایک اور مقام پر موصوف لکھتے ہیں کہ ان کارروائیوں سے ترکوں کو مدد و ضرورت ملی لیکن اس سے ہندوستان کی آزادی کا راستہ نہ کھلا۔ صرف انگریزوں کے لیے ہندوستان میں قدرے پریشانی بڑھ گئی مگر ان کو کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچا۔

دوسرا مسئلہ اعانت کا تھا۔ خلافت کمیٹی کے ممبروں نے طے کیا کہ ہندوؤں اور سکھوں اور دیگر ہندوستانی قوموں سے امداد حاصل کرنی چاہیے اور مسٹر کرم چند گاندھی جو بعد میں مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہوئے خود بخود مسلمانوں سے مل گئے اور ان کے اتباع میں باقی ہندو لیڈر بھی مسلمانوں کی ہمدی کا دم بھرنے لگے۔ جی کہ ہندو مسلم اتحاد کا بہت بڑا پرچار شروع ہو گیا۔ اور بڑے بڑے جو شیخ مسلمان جن کی زبانیں شعلے برساتی تھیں کانگریس میں شامل ہو گئے جو ایک بہت بڑی قومی جماعت متصور ہونے لگ گئی۔ کانگریس کی اس قوت اور ترقی کا اصل باعث اس میں مسلمانوں کی شمولیت تھی جس نے اسے ہندو کانگریس کی فرقہ دارانہ پوزیشن سے انڈین نیشنل کانگریس کی عمومی نمائندگی کی پوزیشن پر لا کھڑا کیا۔ اس کی طرف مسلمانوں کے رجوع کا ایک اور باعث بھی ہوا اور وہ یہ تھا کہ مولینا محمد الحسن دیوبندی جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے ان ایام میں جزیرہ مالٹا سے رہا ہو کر واپس ہندوستان تشریف لے آئے تھے اور اس تحریک کے بڑے حامی ہو چکے تھے۔ ان کی معیت میں بلکہ ان کے اتباع میں تمام دیوبندی علماء بہ استثنائے اجاب مولوی اشرف علی تھانوی اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔ اس وقت دوسرے شرعی پیدا ہو گئے۔ ایک یہ کہ دین کے کام یعنی احیائے خلافت اسلامیہ

۱۔ جناب مولوی اشرف علی تھانوی کے عزیز مولوی احتشام الحق تھانوی صاحب کا ایک بیان اخبار روزنامہ کوہستان مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۶۵ء میں آیا ہے جسے یہ دیکھانے کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے کہ دین میں گہری نظر رکھنے والے علماء مسٹر گاندھی کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔

”چند روز ہوئے ایک محفل میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے گاندھی جی کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ تحریک خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا اور مسلمان ابھی پوری طرح میدان میں نہیں اترے تھے۔ تحریک میں گاندھی جی کی دلچسپی بعض دراندیش مسلمانوں کے لیے حیرت کا موجب بنی ہوئی تھی۔ اور آپس میں یہ پوچھا جاتا تھا کہ گاندھی جی کس مقصد کے تحت تحریک پر اتنے مہربان ہیں۔ انہی ایام میں گاندھی جی نے حکیم اجمل خان مرحوم کو مشورہ دیا کہ تحریک کے لیڈروں کو چاہیے کہ مولویوں اور مذہبی دیوانوں کو اپنے ساتھ ملائیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان کے ملائے بغیر تحریک قوت نہیں کر سکتی اور عوامی تحریک نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اس مشورے کے مطابق خلافت کے زعماء کا ایک وفد جس میں حکیم اجمل خان، مولینا محمد علی، مولینا شوکت علی اور دوسرے لیڈر شامل تھے ہمارے ضلع موگھیر میں مولینا محمد علی موگھیری سے ملنے کے لیے گئے مولینا صرف اپنے علاقے میں ہی نہیں بلکہ اس سے باہر بھی بڑی موثر شخصیت تھے۔

مولینا محمد علی موگھیری اور مسٹر گاندھی کا مکالمہ

وفد کے ہمراہ جب گاندھی جی بھی مولینا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گاندھی جی نے مولینا سے بہت ادب کے ساتھ کہا کہ مولینا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ آپ دنیا کے عظیم ترین انسان تھے۔ اس کے علاوہ میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے۔ عظیم کتاب ہے اور اس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم)

میں کافر کی ادا یعنی جائز ہے یا نہیں۔ دوسرے عدم تعاون یعنی گورنمنٹ انکلیش سے ترک والات و ترک تعاون کیونکہ جو حضرات کانگریس میں شامل ہو گئے تھے وہ ہندوؤں کے ساتھ تعاون اور موالات کے بے حد حامی تھے اور انگریز کے ساتھ تعاون و اشتراک عمل کے سخت مخالف۔ ہندوؤں کے لیے گوتھیا ناقابلِ برداشت تھی اس لیے اکثر بڑے بڑے کانگریسی مسلمانوں نے زور شور سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں موقوف ہونا چاہیے حکیم حافظ محمد اجمل خان مرحوم و مغفور نے تو اس کے متعلق علماء سے ایک فتویٰ بھی حاصل کر لیا تھا اور امرتسر کے مولوی عبدالحق ایڈیٹر رسالہ اہلسنت والجماعت نے ایک رسالہ گائے کے گوشت کی کراہت میں بھی لکھ ڈالا تھا۔ کہتے ہیں مہاتما جی سے جب ہندو سوال کرتے کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ اس قدر کیوں مل گئے ہیں تو وہ فرماتے تھے کہ میں گائے کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا رہا ہوں۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ کی رسمی ممنوعیت کا بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ غرض مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں یعنی خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء ہند اپنے لائحہ عمل کو، کانگریس کے پروگرام کے مطابق تیار کرتی تھیں۔ اور کانگریس کی کراتا دھرتا چونکہ صرف مہاتما گاندھی کی ذات تھی۔ اس لیے گویا مہاتما جی تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ اور واحد لیڈر تھے۔ جو بھی فرماتے اس کی تعمیل ہوتی۔ ان کی خوشنودی کی خاطر مسلمان مقرر جلسوں میں ابتدا ہی ذبیحہ گائے کی ممانعت کے مسئلہ سے کرتے۔ مہاتما جی نے عدم تعاون، لکھنؤ کے پیر چار اور عرصہ کا تنے کی تحریک چلائی اور کانگریسی مسلمانوں نے ان سب پر صاف کیا۔ غرضیکہ ایک مہاتما کی ذات محور تھی اور تمام ہندوستان ان کے گرد گردش کُنّاں تھا۔

حضرت سے جب سوال کیا گیا کہ مہاتما جی جو سائق دھرمی ہندو ہیں اور جن کا ارشاد ہے کہ میں بُت پرست ہوں اور بُت پرستی پر فخر کرتا ہوں۔ کیا مسلمانوں کے لیے ان کے احکام کے تحت چلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ تو آپ نے ناجائز فرمایا اور کہا کہ مسلمان کے لیے چار امور پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع الامۃ (۴) قول مجتہد۔ مہاتما گاندھی (قسم کے لوگوں) کے قول کا اتباع کہیں نہیں آیا۔ بلکہ لات تدویٰ ناراھما کا حکم تو حدیث میں ہے یعنی مسلمانوں اور مشرکین کی آگ بھی ایک دوسرے (حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ)

نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔

مولانا مکی محمد علی گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سُنتے رہے اور جب گاندھی جی اپنی بات کہہ چکے تو مولانا نے پوچھا۔ مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس کمزور پہلو سے آگاہ رکھیں جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا۔ گاندھی جی اس سوال کے لیے تیار نہ تھے۔ کچھ چپکے اور فوراً بولے۔ ایسا تو کوئی پہلو میری نظر میں نہیں آیا۔ اس پر مولانا مکی محمد علی نے سوال کیا۔ تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ گاندھی جی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مولانا خفا ہو گئے اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف پھانسا چاہتے ہیں۔ صیاد بھی پرندوں کو پکڑنے کے لیے انہی کی بولیاں بولا کرتا ہے۔ (مسٹر احسان بی سٹے کی ڈائری)

حضرت مولانا محمد علی مکی محمد علی ہمارے ایک مشہور شیخ طریقت اور حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے اُستاد بھائی تھے۔ بہارن پور میں حضرت مولانا احمد علی محدث کے شاگردان نظام سے تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

کو زدیکھے گی۔

علمائے تحریک خلافت نے فرمانِ منافق کا قصہ پیش کیا اور اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالزَّجْلِ الْفَاجِرِ (بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایک فاسق فاجر سے بھی کرا لیتا ہے) والی حدیث پیش کی تو حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے فرمایا کہ لَا اَسْتَعِيْنُ بِمُشْرِكٍ (میں مُشرک سے مدد نہیں لیتا) کا بھی جنگ بدر کے موقع پر صراحتہً وارد ہے اور منافق پر اسلام کے ظاہری احکام نافذ ہوتے ہیں تاکہ ایک وقت اُن کے جنازے بھی پڑھے جاتے تھے اور وہ نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ ہاں کافر مجاہد سے کہیں اعانت طلب فرمائی ہو تو دیکھائیے اور اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ والی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تائید فرمانے کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ تو ہر طرح اپنے دین کی تائید فرماتے ہیں۔ وہ کوئی مکلف نہیں ہیں کہ یہ کریں وہ نہ کریں مگر مسلمان مکلف ہے۔ اس کو وَلَا تَرْكُؤْاْ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ سورہ ہود - ۱۱۳ (مت جھکنا ملوں کی طرف پس لگے گی تم کو آگ) کا حکم ملا ہوا ہے۔ وہ کیسے مُشرک سے اعانت طلب کر سکتا ہے۔ اِنَّ الثُّرَيَّا مِنْ السَّهَاءِ۔

بعض لوگ اس آیت سے ہندوؤں کی موالات پر دلیل لاتے تھے :-

لَا يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَكُمْ بَيِّنَاتٌ لَّوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
فِي الَّذِيْنَ وَلَكُمْ بَيِّنَاتٌ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اَنْ تَبْرُوْهُمْ وَتَقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ۔
اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا اُن لوگوں سے کہ
تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے
نہیں نکالے۔ یہ کہ تم اُن سے انصاف اور
احسان کرو۔

سورہ الممتحنہ - ۸

مگر یہ غور نہ کرتے تھے کہ اس آیت کا حکم کیا ہے۔

الغرض حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے ہندو سے موالات کے جواز کا انکار فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ یہود اور مُشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتہً مذکور ہے پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجح ٹھیک نہیں۔ نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ فقہ اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں۔ اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے رد کیا۔ فرمایا ذبح گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے اس طرح آپ نے ہما تاجی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔

تبعیب ہے کہ بعض لیڈرین جنگ کے زمانہ میں گورنمنٹ کی اعانت کرتے رہے اور رنگرد ٹ بھی بھرتی کراتے رہے مگر حضرت قبلہ عالم قدس برہ جنگ کے دوران میں بھی حکومت کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ فوجی بھرتی کو بھی ناجائز قرار دیا اور رنگرد ٹنگ آفسیر کو بھی واضح الفاظ میں بتا دیا کہ میں فوجی بھرتی کا مخالفت ہوں۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں مخالفین کو فوج میں بھرتی ہونے کا مشورہ دوں گا۔ مگر جب بعض لیڈروں کو حسبِ خواہش مرتبہ جات اراضی نہ ملے تو وہ مخالفت پُر پل گئے اور حضرت کو سرکار کا خیر خواہ ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش

یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الجامعہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر حکومتِ برطانیہ نے پارسوم تاج نہری زمین کی جاگیر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس ضمن میں گورنمنٹ کا جو افسر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے اس جاگیر کے لیے ضرر بلکہ قانوناً اور اخلاقاً جائز ہونے کے یہ دلائل پیش کیے کہ حکومت پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کی تعلیمی بہبود کے لیے مالی امداد دیتی رہے۔ چنانچہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ دی جا رہی ہے۔ یہ خاناہ بھی ایک تعلیمی ادارے کا حکم رکھتی ہے جہاں رعیت کا ایک بڑا حصہ دینی تعلیم اور روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے حاضر رہتا ہے پس یہ گرانٹ انہی لوگوں کی امداد کے لیے ہے۔ ہم سے پہلے نعل اور پٹھان حکومتیں بھی رعایا کے ہندو، مسلم، جینی اور سکھ طبقوں کو ایسی جاگیریں دیتی چلی آتی ہیں جو ہم نے بدستور قائم رکھی ہوئی ہیں۔ ہر نئی حکومت کو ایسی چیزیں ورثے میں ملتی ہیں اور وہ ان کے قیام کے لیے بین الاقوامی دستور کے ماتحت ذمہ دار ہوتی ہے۔

اس افسر نے یہ بھی کہا کہ آپ کو اس اراضی کے انتظام میں کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑے گی بلکہ آپ چاہیں تو ضلع کا کلکٹر بطور گورنٹ آف وارڈز اس کا انتظام کر لے گا اور ہر فصل پر اس کی آمدنی نقدی کی صورت میں خافتہ میں داخل کرادی جایا کرے گی۔

حضرت نے یہ تقریریں کر فرمایا کہ جو حکومت ہم پر اتنا بڑا احسان روا رکھے تو بطور انسان ہم پر بھی یہ فرض عائد ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی رنگ میں اس احسان کا معاوضہ ادا کریں۔ اور اگر عملاً اور کچھ نہ کر سکیں تو ازراہ شکر گزاری کبھی کبھار اس حکومت کے بڑے بڑے کارپردازوں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام ہی کر آیا کریں۔ لیکن میں تو اتنا کرنے سے بھی معذور ہوں جو لوگ یہاں آتے ہیں یا کچھ عرصہ یہاں رہ کر دینی تعلیم یا روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اخراجات اور ضروریات کی کسی نہ کسی صورت میں بہتر کفالت فرمادیتے ہیں۔

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد شیخ الجامعہ تعجب کا اظہار فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے متعلق قہم قہم کے الزامات تراشے گئے اور اجانب تو اجانب بعض اپنے بھی اس میں شریک ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے مقبول بندے کی رائے کو سچا ثابت کر دیا۔ ہمارا گاندھی نے آنکھیں پھیر لیں مسلمانوں کے خلاف شدت کی تحریک شروع کر دی گئی خلافت کمیٹی نے ایک مرتبہ سوامی شردھانند دتشن اسلام کو دہلی کی جامع مسجد میں منبر پر بٹھا کر تقریر کروائی تھی جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یوپی کے طول ٹرغرض میں پھیل گئے اور دور افتادہ علاقوں میں جا کر ہزاروں مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد کے منبر پر اس لیے بیٹھے ہیں کہ تمام مسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے مسلمان اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ خود ہست دھرمی محارب فی الدین تھا غرض حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اسلام کی اصلی روش پر قائم رہے اور کوہ وقار ثابت ہوئے۔ اور دوسرے اکثر لوگ صراطِ مستقیم چھوڑ کر بالآخر کف افوس ملتے ہوئے حضرت کی روش کے قائل ہوئے۔ ان موقع الٰہیہ قسم کے حضرات میں خود شیخ الجامعہ کی ذات گرامی بھی تھی جو حسب تحریر خود کسی زمانہ میں ملتان اور نواحی اضلاع کے علمائے دین میں تحریک خلافت کے روح رواں تھے۔

کانگریس کے تعاون سے مولینا عبدالباری کار جو ع

حضرت مولینا عبدالباری فرنگی محلی کو اس تحریک اور جمعیتہ العلماء ہند کے ارکان میں صدر الصدور کی حیثیت حاصل تھی۔ اُن دنوں کانگریسی مسلمانوں میں گاندھی جی کے بعد علی برادران اور مولینا ابوالکلام آزاد کا مقام تھا اور مولینا عبدالباری مولینا محمد علی جوہر کے پیرو مشد اور ابوالکلام کے استاد تھے۔ آپ مولینا سید عین القضاۃ لکھنؤی کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کے برادر حقیقی مولینا عبدالباقی کو خواب میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تھا کہ وہاں یعنی حجاز مقدس میں سکونت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ نے وہاں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ مولینا عبدالباری آخر کار ان تحریکوں اور ہندو مسلم اتحاد سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ جب آ رہے کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو آپ نے کانگریسی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ اگر ہندو باز نہ آئے تو میں ان کے خلاف عام جہاد کا فتویٰ جاری کر دوں گا۔

مولینا عبدالباری نے خلافت اور ہجرت کی تحریکوں پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے مسلک سے آگاہ ہو کر آپ کی خدمت میں خط لکھ کر چند سوالات کی وضاحت طلب کی تھی۔ یہ مکتوب اور اس کا جواب مکتوبات طیبات، مہرِ حقیقیہ میں شائع ہو چکے ہیں جن کی نقل اس کتاب کے باب ملفوظات و مکتوبات میں دی جا رہی ہے۔

مولوی محمد اسحق مانسہروی کا چیلنج

تحریک خلافت کو علاوہ دیگر علمائے کرام کے حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی بھی پُر زور تائید حاصل تھی جمعیتہ العلماء ہند نے ان سے بھی ایک فتویٰ دلوا دیا تھا کہ اب انگریز کی ملازمت حرام ہے۔ اور ان پر زیادہ صاحب کے ذریعہ حضرت قبلہ عالم قدس برہ پر بھی اثر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب موصوف سنہ ۱۳۹۹ھ میں سیال شریف کی گدی پر دلق افروز ہوئے تھے اور خدمت قوم کے لیے ایک خاص جذبہ اور دردمند دل رکھتے تھے۔ ان کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد دین المعروف حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ صبیحا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت قبلہ عالم قدس برہ سے دلی محبت و شفقت رکھتے تھے ابتداء میں حضرت خواجہ ضیاء الدین کے مراسم بھی حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ساتھ اُسی نہج پر تھے مگر بعد میں مسئلہ مندرجہ بالا پر اس حد تک شکور بنی بڑھ گئی کہ اُن کے ایما سے سیال شریف کے ایک عرس کے موقع پر مولوی محمد اسحق مانسہروی حضرت قبلہ عالم قدس برہ سے بحث مباحثہ و مناظرہ کے لیے پہنچ گئے مولوی صاحب دراصل ایک سیاسی کارکن تھے اور وہابیت کی طرف مائل۔ پیروں اور گدنی نشینوں کے بھی خلاف تھے چنانچہ اپنے مبلغ علم کے باعث حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے سامنے آنے کی توجہات نہ ہوئی البتہ مسجد سیال شریف میں ایک دھواں دھار تقریر کے دوران یہ کہہ دیا کہ کہاں ہیں خلافت اسلامیہ کے مُسکرا انہیں میرے سامنے لاؤ کہ یہاں مسجد میں میرے ساتھ مناظرہ کریں۔ چونکہ اشارہ واضح طور پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی ذات گرامی کی طرف تھا اس لیے حاضرین میں ایک شور مچا ہو گیا۔ سیال شریف کے عرس پر لوگ دُور دُور سے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی زیارت کو آتے تھے جن میں ارادت مند اور غیر ارادت مند سب شامل ہوتے تھے۔ اُن میں سے بعض اہل علم نے اُسی وقت مولوی محمد اسحق کے چیلنج کو قبول کر کے کہا کہ پہلے ہمارے ساتھ مناظرہ کر لو جو حضرت پیر صاحب کے شاگردوں کی سی حیثیت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ بات یہاں تک بڑھی کہ پولیس کو حفظ امن کے خیال سے مولوی صاحب کو فوراً وہاں سے رخصت کرنا پڑا۔

مولوی ظفر علی خان کی حاضری

پنجاب کے سیاسی لیڈر اور روزنامہ زمیندار کے فاضل مدیر مولوی ظفر علی خان، ۱۹۲۰ء میں حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کے لیے گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ صبح کا وقت تھا۔ حضرت قبلہ عالم قدس برترہ، جناب حضرت اچھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر موجود تھے۔ مولوی ظفر علی خان خلافت، ہجرت، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت، شریف مکہ کا انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کی ہنگامی ضرورت وغیرہ مسائل پر بولتے رہے۔ مگر جب حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے شرع شریف کی روشنی میں ان معاملات پر اپنا مسکاب بیان فرمایا تو خاموش رہ گئے۔ اور کوئی مزید بات نہ کر سکے۔

اسلامیاب ہند کی آزادی کے لیے دُعا

مولوی ظفر علی خان اہل دل ہونے کی کئی خصوصیات رکھتے تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کی صحبت کا اثر لے کر جاتے ہوئے ایک پتے کی بات عرض کر گئے کہ جناب میں تو اہل اللہ کے اس دربار میں مسلمانان ہند کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں۔ حضرت نے کچھ توقف کے بعد فرمایا میں دُعا کرتا ہوں، آپ بھی دُعا کریں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس ملک کے مسلمانوں کو آزادی نصیب فرمائیں اور ایسی حکومت بخشیں جو ان کے دین کی خدمت کر سکے۔ چنانچہ حضرت کے وصال کے دس سال بعد ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی دُعا کا اثر ظاہر فرمایا اور پاکستان عالم وجود میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھیں اور اس کے باشندوں کو خدمت دین کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي فِي الْبَصِيرَةِ کے معرّفہ اور نکرہ ہونے کا سوال

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی دنوں مولوی ابوالکلام آزاد کا ایک مضمون شائع ہوا اور حضرت کی نظر سے گذرا جس میں آیت کریمہ ذیل کی تشریح میں لکھا تھا کہ میں خلافت کی تحریک اور ہندو مسلم اتحاد کے معاملہ میں بصیرت پر ہوں۔

عَلَىٰ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ
أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (سورۃ یوسف ۱۰۸)

حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے مولوی ظفر علی خان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجلس میں اپنے موجودہ متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ وہ ان معاملات میں بصیرت پر ہیں۔ لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بصیرۃ کو نکرہ کیوں کہا ہے اور معرّفہ (البصیرۃ) کیوں نہیں فرمایا تو اس کی وجہ بیان نہیں کر سکیں گے۔ حضرت کے ایک مخلص مولینا عبد الغفور بناروی مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں کچھ عرصہ تک بعض قومی تحریکوں میں مولوی ظفر علی خان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں انہوں نے ایک مرتبہ مجھے بتایا تھا کہ جب میں گولڑہ شریف سے راولپنڈی واپس پہنچا تو وہاں مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی خلافت و ہجرت کے موضوعات پر گفتگو کی غرض سے گولڑہ شریف جانے کے لیے تیار پایا میں نے حضرت پر صاحب کے مندرجہ بالا ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر بصیرۃ کے نکرہ یا معرّفہ ہونے کا جواب معلوم ہے تو بے شک جانیے۔ چنانچہ آزاد صاحب

نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

دربار گولڑہ شریف کے علماء مولانا مولوی محمد غازی اور قاری عبدالرحمن جو پوری کے ساتھ چائے پیئے ہوئے مولوی ظفر علی خان نے اثنائے گفتگو قاری صاحب کے ہجرت کے متعلق شرعی وجہ کے سوال پر بلا تامل کہہ دیا کہ شرعی وجہ تو قطعاً کوئی نہیں، صرف اتنی بات ہے کہ ہم انگریز حکومت پر اپنی ناراضگی واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر قاری صاحب جو پہلے اس تحریک کی طرف مائل تھے، بے حد نام نہ ہوئے۔ اور جب یہ بات حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ وجہ تو عقلاً بھی درست نہیں کیونکہ جب کمزور قوی سے روٹھے گا تو قوی جو خوف خدا نہیں رکھتا یہی کہے گا کہ روٹھتا ہے تو بے شک روٹھے میرا کیا بگاڑ لے گا۔

ظفر علی خان کے خلاف شہادت دینے سے انکار

اسی اثنائیں حکومت نے مولوی ظفر علی خان کی حضور ضلع کمبل پور میں ایک تقریر کی بنا پر ان پر حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں ایک مقدمہ چلانا چاہا۔ ان دنوں چونکہ علاقہ چھپچھ ہزارہ میں تحریک خلافت کا زور تھا اس لیے حکومت کی طرف سے استغاثہ کی شہادت دینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ بامجبوری ملک سر محمد امین آنریری مجسٹریٹ شمس آباد اور ایک ذیلدار کی شہادت رکھی گئی مگر ان کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں۔ بنوں کے سید اعلیٰ شاہ ان دنوں کمبل پور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے ان کے سیاسی دماغ نے یہ چال چلی کہ مولوی ظفر علی خان کی گولڑہ شریف والی گفتگو کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کا اسم گرامی بھی گواہان استغاثہ میں درج کر دیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس برترہ نے تو خیر مولوی ظفر علی خان کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب لوگوں نے آپ کا نام نامی فرست گواہان میں دیکھا تو گواہان مندرجہ بالا کے خلاف ان کا جوش خروش قطعاً جاتا رہا اور اپنے گھروں میں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

مولوی ظفر علی خان کا مسٹر گاندھی سے بگاڑ

کچھ عرصہ بعد مولوی ظفر علی خان کانگرس سے الگ ہو گئے اور مسٹر گاندھی سے ایسا بگاڑ ہوا کہ ان کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کہہ ڈالے۔ اس اختلاف کی ابتدا کراچی میں کانگرس کے سالانہ اجلاس میں ہوئی جب کہ مولوی ظفر علی خان جلسہ کی کارروائی نماز کے لیے بند کرنا چاہتے تھے کہ نماز کے بعد پھر شروع کی جائے۔ گاندھی جی نے اس سے انکار کر دیا۔ جس پر یہ واک آؤٹ کر گئے۔ گیٹ میں سے نکل رہے تھے کہ ایک ہندو خاتون رضا کار نے آوازہ کسایا مولانا، کیا آپ عرب سے تشریف لائے ہیں؟

اے سامری وقت کہ گاندھی ہے ترانام
کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندہ بے دام
ہندو کو مسلمان سے لڑانا ہے ترانام
ہم کو نظر آتا ہے جو ہوگا ترانجام
اے دشمن اسلام

تقدیر وطن کی اُسی دن سے ہوئی کھوئی
جب شیخ کے تہم سے ملی تیری لنگوٹی
اور چادر تہذیب عرب ہو گئی چھوٹی
ہم قابلِ اسلام ہیں تو مائلِ اودھام
اے دشمن اسلام

تحریک خلافت اور ہندو مسلم تعاون کے خلاف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مسلک کی صحت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ خود مولوی خضر علی خان کے قلم سے اُس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ اکبر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقت کے ولی سے ہم سے کرامت میں اپنی پاک مشابہت ہی فرماتے ہیں یعنی ولی کی کرامت اور نبوت سے توجہات اور اشارات حاصل کر کے رائے عامہ میں منشاء الہی کے مطابق انقلاب پیدا کرتی ہے گویا یہاں الہی پروگرام کچھ اور ہی تھا یعنی ہندو کے ساتھ اتحاد میں نہیں بلکہ مخالفت میں پاکستان کی دلخیزیل پڑا تھی۔

تحریک ہجرت میں رائے عامہ کا طوفان

تحریک خلافت کے ایام میں رائے عامہ کا طوفان اس ملک یعنی ہندوستان میں صرف آستانہ عالیہ گولڑہ کی چٹان سے نکلایا۔ اخبارات نے مخالفانہ ادائیگی سے لکھے شاعرانہ سچویر اشعار کہ پریس اور پریٹ فارم سے جو متواتر حملے ہوتے رہتے رہے ان میں علماء و مشائخ کے جملے بھی دل کھول کر چھلے۔ بلکہ بعض اپنا کھلانے والوں نے بھی مخالفت کی۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک ارادت مند مولوی صاحب نے ہزارہ سے لکھا کہ حضرت رحمہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہے ہیں۔ آپ پری مریدی سنبھال کر بیٹھے رہیے۔ یہ صاحب اگلے مہینے ہی اشکِ مذمت بہاتے ہوئے واپس لوٹ آئے اور کہتے تھے کہ اگر کابل کی طرف قبلہ ہوتا تو ادائیگی فائز کے لیے بھی اُس طرف رخ کرنے کو جی نہ چاہتا۔

حکیم شمس الدین زیر آبادی — حضرت کے ایک سرگرم خلافتی مرید

زیر آباد کے حکیم شمس الدین حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک روشن و دلغ مکتوب نگار مزاج مرید تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت کے ہم درس بھی رہ چکے تھے۔ طب یونانی میں بہت شہرت کے مالک تھے۔ اکثر دہلی اور بمبئی کے امراء کا شریطہ علاج کیا کرتے۔ انہیں سیاسی سوجھ بوجھ کا بھی بڑا دعویٰ تھا۔ تحریر خلافت کے ایام میں شکوہ کے طومار لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ جن کے مختصر جوابات مکتوباتِ طبیبات میں درج ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت بابو جی قبلہ مدظلہ کسی سفر کے دوران حکیم صاحب کے آبائی گاؤں کے قریب سے گذرے تو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب گاؤں ہی میں ہیں۔ چنانچہ آپ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب بہت مدارات سے پیش آئے مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان میں وہ بلی کٹی سُنائیں کہ جناب بابو جی کے ہمراہی دل برداشتہ ہو کر لا حول پڑھتے ہوئے باہر نکل گئے۔ خلافت کے انکار، ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت اور انگریزوں کی خاطر داری کے علاوہ حکیم صاحب نے حضرت پر یہ الزام بھی لگایا کہ آپ مجھے ایک ہندو عورت کے جال تک سے نہ بچھڑاسکے۔ کیسے پیر ہوئے؟ حکیم صاحب ہندو مسلم اتحاد کی رو میں ایک ہندو عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ کہنے لگے ہم طبیبوں کے پاس جب کوئی مریض آتا ہے۔ اگر وہ لا علاج ہو تو ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ اس کا ہمارے پاس علاج نہیں اور علاج سے انکار کر دیتے ہیں۔ اگر میں روحانی طور پر لا علاج ہی تھا تو حضرت نے مجھے صاف کیوں نہ کہہ دیا۔ اور کیوں بیعت کر کے مجھے دھوکا دیا۔

حضرت بابو جی قبلہ اس بے تکلف ارادت مند کی باتیں سُن سُن کر مسکراتے رہے۔ آپ حکیم صاحب کو حضرت کے استاد بھائی ہونے کی نسبت سے چپکا کر کہتے تھے۔ جب حکیم صاحب اپنے دل کا غبار نکال چکے تو بابو جی نے فرمایا چچا اب میری بات بھی سُنئے اور جو سوال میں پوچھوں اُن کے جواب دیجئے۔ پھر بابو جی نے پوچھا۔ کیا آپ نے علمِ طب پڑھا ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا۔

ہاں پڑھا ہے۔ بابو جی نے پوچھا کہاں پڑھا ہے تو حکیم صاحب نے اپنے کسی اساتذہ کے نام گنوائے پھر پوچھا۔ ان استادوں نے اس علم کے متعلق جو ہدایات آپ کو دی ہوں گی، آپ نے یقیناً ان کی پوری پوری تعمیل کی ہوگی۔ اس فن کے مطالعہ اور حصول پر اپنا وقت اور اپنا دماغ خرچ کیا ہوگا۔ اور کافی محنت کے بعد آپ کو ایک ایسے کامیاب طبیب کا مقام حاصل ہوا ہوگا جس سے مخلوق خدا زندگی اور موت کے درابے پر مشورہ اور امداد حاصل کر کے شفا پاتی ہے۔

حکیم صاحب کہنے لگے، بالکل درست ہے۔ بابو جی نے دریافت فرمایا، اگر کوئی مریض آپ کے پاس آئے اور آپ اسے علاج کے لیے قبول کر لیں۔ مگر وہ نہ تو آپ کی تجویز کردہ دوا استعمال کرے نہ آپ کے بتائے ہوئے پرمہیز کا خیال رکھے اور پھر بیماری کے دور نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے الزام آپ پر دھرے تو آپ اس کے متعلق کیا کہیں گے حکیم صاحب نے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا کہ وہ مریض ایسا ہوگا اس میں میرا کیا قصور۔ بابو جی نے فرمایا جس وقت آپ نے حضرت کو اپنا روحانی استاد بنایا تھا تو انہوں نے آپ کو دینی اور روحانی ترقی کے لیے ضرور کچھ ہدایات دی ہوں گی یعنی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کی تاکید کی ہوگی اور کچھ اور وظائف بھی بتائے ہوں گے۔ کیا آپ نے ان ہدایات پر عمل کیا؟ حکیم صاحب نے جواب دیا، نہیں بابو جی نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اس گالی کا مصداق کیا آپ خود نہ بنوئے۔ اس میں حضرت کا کیا قصور ہوا۔

بعد میں جب ہمراہیوں نے حضرت بابو جی سے شکایت کی کہ آپ ہیں کیسے شخص کے پاس لے آئے جو حضرت قبلہ عالم قدس کا اس قدر مخالفت ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں پیری مریدی سے الگ ہو کر اس شخص کو محض ایک آشنا کی حیثیت سے ملتا ہوں۔ پیر جانے اور ان کا مرید جانے۔ پھر فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے اہل اللہ مرید کے دل پر نظر رکھتے ہیں اور اخلاص کے معنی یہی ہیں کہ جو دل میں ہو وہی زبان پر آئے اور یہ بھی فرمایا کہ ان اللہ والوں کو اکثر ہاتھ پکڑنے کی لاج ہوتی ہے۔ مرید چھوڑنا بھی چاہے تو یہ نہیں چھوڑتے اور آخری دم تک اس کے حسن عاقبت کے لیے متوجہ رہتے ہیں۔

حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت

جناب بابو جی مدظلہ العالی کے مندرجہ بالا خیال کی تائید حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے خطوط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے حکیم صاحب کو جواباً تحریر فرمائے تھے۔ ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں :-

”مہربان جن حکیم شمس الدین صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ عنایت نامہ کاشف مایہا ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ خدا سے دعا کریں کہ فیصلہ ترکوں کے حق میں ہو۔ پہلے عنایت نامہ جات میں دعا کو بے معنی اور لاشے قرار دیا گیا تھا اور آخری عنایت نامہ میں دعا سے آویزش موجب تعجب ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کو کرنا چاہیے تھا اور نہایت آسان تھا اس کا وقت گزر چکا ہے۔ الخ

ایسے فقرات کے متعلق گفتگو ملاقات پر رہنے دیجئے۔ آپ خواہ کچھ سمجھیں اور خواہ ہم اس قابل نہیں مگر ہم بہ لحاظ اخوت اسلامی و حق صحبت سالہا گذشتہ آپ کی یہی خواہی میں قاصر نہ ہوں گے۔ اور ہمیں کب یہ دعویٰ تھا کہ ہم ایسے ہیں اور ایسے، اور ہم نے کب آپ کو پنجاب میں بلانے کی تکلیف دی تھی۔ وہی لایا جس کے ہاتھ میں ملکوت کل شئی ہے۔ وہی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گوئیں ایک ایسا ہوں مگر سب بزرگان دین میں آپ کا ایسا زعم بالکل غلط ہے۔ آپ کے سچ کے مقابلے میں سچ کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ آپ میں مادہ سو غلطی کا غالب ہے۔ ہمارے متعلق آپ کے خیال (خیر خواہی برطانیہ وغیرہ وغیرہ) بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ شخص کو اپنے قلبی عقائد اور اذکار پر علم ہوتا ہے و کفی باللہ شہیداً پھر کیونکر نہ کہوں کہ آپ میں مادہ سو غلطی اور کج فہمی غالب ہے۔ آپ کے ہدایت نامہ جات میں کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے اصلاً کام نہیں لیا گیا آج کل کے لوگوں کی طرح صرف خیالی امور یعنی عیدہا قرار دی گئی ہیں۔ آپ جیسے تحصیل یافتہ انسان سے ایسے معلومات کا ظہور مقام حیرت ہے۔ آپ ناراض تو ضرور ہوں گے مگر ہماری اس پیشین گوئی کو یاد رکھنا کہ آپ کے حق میں ہم دیے ہی ہیں اور ہوں گے جو پہلے تھے۔ ہم کو آپ سے مدح یا مذم یا لوگوں کے مطاعن سے بچنا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں محفوظ نہیں اُس عَلَیْہِمْ اَوْ رَطِیْفٌ قَبْلُ کُلِّ لَطِیْفٍ نے محض اپنے فضل و کرم سے امور مذکورہ کو ملغیت ایہا نہیں چھوڑا (وَ اَصَابَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ تَعَزَّیْتَ) آپ کا دیسا ہی دُعا گو جیسا کہ تھا۔ از گولڑہ بقلم خود

آپ حکیم صاحب کے نام ایک اور خط میں امور متعزضہ پر اپنا مسلک واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 (الف) مدت مدیدہ سے ہمارا خیال و بارہ عدم جواز فوجی ملازمتیں و مجسٹریٹ خاص و عام پر روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور فیضہ تعالیٰ بحسب ہدایت ہمارے بہت لوگوں نے ترک بھی کر دیں۔

(ب) ہمارا تقرر جمعیت آراء سے اصول شرعیہ پر مبنی ہے۔ وہ بھی بعض امور میں نہ مطلقاً اور نہ اس بنا پر کہ معاذ اللہ ہمیں کفار کی طرف ذمہ منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے ہمارے قول سے (کہ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے) استنباط کیا ہے اور شکوک اربع میں سے اول ہی تحریر فرمایا (اول میرے خیال میں آپ گورنمنٹ کے طرفدار تو ہیں مگر من جہت الکفر نہیں الخ حضرت صاحب آپ کی بڑی مہربانی ہوگی جو آپ گورنمنٹ کے اُن احسانات کو تحریر فرمائیں گے جن کے باعث آپ طرفدار ہیں)

جو اب گزارش ہے کہ آپ نے پہلے عنایت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ (راقم) کو لوگ گورنمنٹ کا طرفدار کہتے ہیں۔ ان کی تردید میں جملہ ذیل میں نے لکھا تھا۔ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے جس سے مطلب یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ اسلام اور کفر کا مقابلہ ہو کافر کا طرفدار مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی ہوگا جس کو کفر مرغوب و محبوب ہو اور من جہت الکفر اس کی طرف ذمہ کرے اور بحمد اللہ احسان میں مسلمان ہوں۔ گویا اثبات المدعی بالبطال نقیضہ و درنگ قیاس استثنائی ٹھہرا۔ قید (من جہت الکفر) بوجہ اس کے کہ اس کو صحت تفسیر میں حائل ہے ضروری الذکر ٹھہری۔ اور قضیہ مذکورہ بالا میں بعد ملاحظہ مقابلہ اسلام و کفر اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں جس کو آپ نے لے کر استفسار فرمایا ہے کہ حضرت صاحب الخ تعجب اس پر ہے کہ باوجود مانعین ایک ملاحظہ مقابلہ دوسرا ہمارا معاملہ و روش مذکور الصدر جس سے آپ بخوبی واقف ہیں و عموم نقیض قید یعنی لا من جہت الکفر اسی احتمال کو لیا اور اس میں انحصار سمجھا اور استفسار فرمایا۔ الزام و دفع الزام میں جانبین کو ملاحظہ وقت و مقابلہ منظور ہے نہ اطلاق تاکہ منوطیت حکم بالقیہ الذکور نصاً و اثباتاً مقصود ہو کہ فی العقائد ہاں اس پہلو کو بھی ہم عند الملاقات بیان کریں گے جس پر الزام عائد نہ ہوگا۔

حکیم صاحب کے اشکِ ندامت

جب ترکوں نے خلافت کا تھنہ خود ہی بنادیا، جب ہندو مسلم اشتراک و اتحاد کی کشتی مدینِ مومن مالویہ موتی لال نہر اور شہرِ حاند نے لنگا جہنم کے سنگھم میں ڈبو دی۔ جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا انجام نظر آیا اور اُس میں ہندو کی گہری سازش کے بخیے اُدھر کر سامنے آ گئے۔ اور آ رہے کے مذہبی فسادات میں فرنگی محل کے خلافتی مشائخ خود ہندو کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کو تیار ہو گئے۔ تو حکیم شمس الدین کو اپنے نظریات کا سُراب دکھائی دیا اور حضرت قبلہ عالمِ قدس برہ کے پُر وقار اور با عظمت مہتمم کا پتہ چلا کہ نہ تو انگریز کے روایتی دار و رس سے آپ مرعوب ہیں کہ عین جنگ اور اقتدار کے زمانہ میں اُس کی فوجی ملازمت کو ناجائز قرار دے رہے ہیں نہ آپ کو کسی قسم کا لالچ ہے کہ انگریز کی کئی سو مرتبہ زمین کی جاگیر ٹھکرا رہے ہیں۔ نہ وجاہت کی طلب ہے کہ اپنے صاحبزادے کے لیے آئیری میجسٹریٹ کی پیش کش مُسترد فرما رہے ہیں۔ شاہی دربار میں شمولیت سے، جسے اُس زمانہ میں حکیم صاحب اور اُن کے ہم نوا عزت کا باعث سمجھتے تھے یہ کہہ کر انکار فرما رہے ہیں کہ بادشاہوں کے دربار میں درویش کا کیا کام، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر بلائیں تو جواب دیتے ہیں کہ مجھے تم سے کوئی کام نہیں اس لیے میں نہیں آ سکتا۔ تمہیں اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو یہاں آ سکتے ہو۔ الغرض نہ حکومت سے خائف، نہ لیڈروں کے طعن و تشنیع کا ڈر، نہ عوام اور اپنے ارادت مندوں کے بدظن ہونے کا اندیشہ، قدم ہے کہ عبادہ حق سے نہیں ہٹتا۔ اگر تعلق ہے تو محض اللہ اور اُس کے رسولؐ سے اور اسی تعلق کی بنا پر اُس کی مخلوق کی خیر خواہی ہر حال میں مقصود اور پیش نظر ہے۔

اس کے بعد حکیم صاحب تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہے۔ آخری مرتبہ جب گولڑہ شریف حاضر ہوئے تو بہت دُور ہی سے تانگے سے اتر کر پیادہ ہو لیے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور کہتے تھے کہ افسوس مہم نے حضرت کو نہ جاننا نہ پہچانا۔

پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد

حضرت کے ایک مخلص ارادتمند اور مُستفید پروفیسر برکت علی اسلامیہ کالج پشاور بیان کرتے تھے کہ جب لوگ افغانستان کی ہجرت سے واپس ہوئے تو پشاور کے بعض خلافتی کارکنوں نے مجھے آکر کہا کہ کابل کے ایک مجذوب فقیر نے بعض مہاجرین سے کہا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری تو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں مگر خواجہ غریب نواز اجمیری نہیں چاہتے۔ گولڑہ والے پیر صاحب سے خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں سفارش کراؤ چنانچہ میں ان کارکنوں کے مجبور کرنے پر گولڑہ شریف پہنچا۔ جناب مولانا محمد غازی کو ساتھ لے کر حضرت قبلہ عالمِ قدس برہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعات عرض کیے مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ چہرہ مبارک پر کچھ تکرر کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس پر جناب مولانا صاحب نے پہلو بدل کر عرض کی کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ کوہِ ابو قیس (مکہ معظمہ) پر ہر جمعہ کے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص دربار منعقد ہوتا ہے جس میں دُنیا کی سلطنتوں کے معاملات طے کیے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کا کوئی نہ کوئی وکیل اس دربار میں حاضر ہو کر معاملات پیش کرتا ہوگا۔ لہذا انگریزی سلطنت کا بھی ضرور کوئی وکیل ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت قبلہ عالمِ قدس برہ نے صرف حافظ کا یہ شعر پڑھ دیا۔

حدیثِ مطرب دے گو درازِ دھرم توجو کہ کس نکشود و نہ کشاید حکمتِ ایں معمارا

آٹھویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور حکومت برطانیہ

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے دور مبارک میں برطانیہ کا ستارہ اقبال عروج کمال پر تھا خصوصاً ہندوستان میں برطانوی سطوت پورے زوروں پر تھی۔ امرارہ اور والیان ریاست انگریز کا دم بھرتے تھے بلکہ اکابرین اُمت بھی اس کے دربار میں باریابی کو مسلمانوں کے لیے معاشرتی بہبودی اور سیاسی اقتدار کا باعث سمجھتے تھے۔ بالاس ہمہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے کبھی بھی اس غیر مسلم حکومت وقت کی طرف داری اور تعلق سے اپنے دامن تقدس کو آلودہ نہ ہونے دیا۔ اور ساتھ ہی ایسی تحریکات میں بھی شرکت سے احتراز فرمایا جن کا منشور کتاب و سنت کے خلاف تھا۔

انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار میں شمولیت کے لیے مذہبی پیشواؤں کی سلک میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو بھی دعوت نامہ موصول ہوا تو آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے۔ کیونکہ آپ صرف ہندو پنجاب کے ہی مذہبی پیشوا نہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیرو مشد تھے۔ کشنر راولپنڈی نے پہلے ایک پٹھان مجسٹریٹ ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکنہ ٹھٹہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کو سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کے لیے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کر دیا جائے گا۔ اور صرف ایک دن کے لیے جب کہ شہنشاہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے آپ کو دربار میں جا کر اس کے حق میں دُعا کرنا ہوگی مگر حضرت رضامند نہ ہوئے اور کشنر کی رو بکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی حاضری شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ تاہم اس حکومت میں ہمارے سچے مذہب اسلام کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے حق میں یہیں سے دُعا کرتا ہوں۔

دربار کے منعقد ہو جانے کے بعد اُس سال جب آپ حسب معمول پاک پن شریف کے عرس پر گئے تو ایک روز مجلس دیوان سید محمد تجاودہ نشین پاک پن شریف سے فرمایا کہ آپ کا دہلی دربار میں شامل ہونا اس وجہ سے درست تھا کہ آپ کی ایکیتیت جاگیر دار ہونے کی بھی تھی جو اسلامی حکومتوں کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ دہلی اور علی گڑھ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ ضرور آئیں کیونکہ اس میں اسلام کی عزت ہے مگر میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ذلت ہے۔ اس پر جناب دیوان صاحب نے اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی آپ کا ہر شاہ بجا ہے کیونکہ بڑے ادب سے بھاکر بادشاہ کو نذرانہ پیش کرنے کا منظر ایک باعزت مسلمان کے لیے حقیقتاً ناقابل برداشت تھا۔

اس انکار پر حکومت برطانیہ کا رد عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے منصرم خط و کتابت ملک سلطان محمود خان بیان کرتے تھے کہ جب دہلی دربار کے کوآفٹ ٹائز آف لندن میں شائع ہوئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے انکارِ شمولیت کے ساتھ تحریک تھا کہ آپ سرحدی پٹھانوں اور قبائلیوں کے پیر ہیں۔ اور اس انکار کے وجوہ ان لوگوں کی حکومت سے سرکشی کی بنا پر سیاسی قسم کے ہیں جن پر حکومت کو نظر رکھنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر ٹونی ڈین نے اپنی کونسل کے اجلاس بمقام شملہ میں کہا کہ میری گورنمنٹ پیر آف گولڑہ کے اس انکار کی اصلی وجہ معلوم کرے گی اور تحقیقات کے بعد مناسب اقدام کرے گی۔ چنانچہ راولپنڈی کے کمشنر نے ڈپٹی مظفر خان ٹیڈرٹ کے ذریعہ آپ کو بلوا بھیجا۔ خان صاحب نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کی ملاقات سے یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا اور بذریعہ ریل گاڑی آمد و رفت پر صرف تین گھنٹے صرف ہوں گے۔ اور اگر عصر کے بعد حسب معمول سواری کے دوران ٹوپی رکھ جاتے ہوئے کمشنر صاحب سے مل لیں تو اور بھی کم وقت لگے گا حضرت نے فرمایا کہ میں تین منٹ کے لیے بھی اس مسجد کو چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں کمشنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ وہ یہاں آجائیں۔

سرحد اور پنجاب میں اس خبر سے ایک عجیب انی کیفیت پیدا ہو گئی بعض ذی اثر لوگ لیفٹیننٹ گورنر سے بھی ملے۔ اور انتظامیہ کی طرف سے بھی اس بے اطمینانی و ہچیمان کی خفیہ اطلاعات گورنمنٹ کو پہنچیں۔ اُدھر گورنمنٹ کے قانونی مشیر (ریگل ریمرسٹر) نے رائے دی کہ جو شخص گورنمنٹ کا ملازم یا وظیفہ خوار نہیں اُس کی طرف سے دہلی دربار میں شمولیت یا کمشنر کی تحقیقات میں حاضری سے انکار کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ آخر کار لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر راولپنڈی سے کہا کہ کسی روز خود جا کر پیر صاحب سے ملیں تاکہ اُن کے وسیع حلقہ اثر میں بے چینی اور کشیدگی ختم ہو۔ چنانچہ ایک روز کمشنر صاحب خود ڈپٹی مظفر خان اور پشاور کے میاں کریم بخش سیٹھی کی معیت میں گولڑہ شریف پہنچے۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے مل کر اس کشیدگی کو رفع کیا۔

ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی رو بکار کا جواب

سال ۱۹۱۱ء کے دہلی دربار میں شمولیت سے انکار کے ایام میں بعض حاسدین کو حق عداوت ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ اور اُن کی غلط شکایات پر انگریز افسران بھی جذبہ انتقام کی تسکین کے لیے بار بار آمادہ ہوتے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ آپ پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ مواضعات میرا بادید میرا کو اور مضافات گولڑہ کے چوروں اور ڈاکوؤں کے پیر ہیں۔ اور مفور ڈاکوؤں کے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اُن ہی دنوں جہان داد نامی ڈاکو کو پھانسی کی سزا ملی۔ اور جامع مسجد راولپنڈی میں اُس کا جنازہ پڑھا گیا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اتفاقاً جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں موجود تھے۔ اور نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ مخالفین نے اس واقعہ کو اس رنگ میں پیش کیا کہ اس ڈاکو کا جنازہ پڑھنے سے علماء نے انکار کر دیا تھا مگر آپ نے جنازہ پڑھوایا۔ ڈپٹی کمشنر نے اس کے متعلق ایک رو بکار کے ذریعہ حضرت سے جواب مانگا۔ آپ کے جواب کے بعض فقرات یہاں بعینہ درج کیے جاتے ہیں۔

"۱۔ اگر آپ بحیثیت منصب ڈپٹی کمشنر کے چوری یا ڈاکہ یا قتل بے گناہ کو برامانتے ہیں تو ہم بہ لحاظ ہدایت کتاب آسمانی و عقل انور مذکورہ بالا کو حرام و ناجائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ جرائم مذکورہ کا مرتکب یا مجرموں کا معافوں وہی شخص ہو سکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا جاہل ہو یا لالچی ہو۔

۳۔ پیر کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کو آسمانی کتاب کے مطابق ہدایت کرے۔ اور مُرید کہلانے کا مستحق وہی شخص ہے جو حبسِ ہدایت پیر کے عمل کرے بفضلہ تعالیٰ آباد و اجداد سے آج تک ہمارا پیشہ ہی چلا آتا ہے کہ مُریدوں کو اچھے کاموں کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں جس نے تعمیل نہ کی وہ ہمارا مُرید نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسے لوگ نام کے مُرید ہوتے ہیں نہ کام کے۔

۴۔ ہم کو ہمارا خدائے تعالیٰ بغیر مجرموں کے چونکہ اچھی طرح رزق پہنچاتا ہے اس لیے ہمیں مجرموں کی اعانت اور اُن سے لالچ رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ کیا ہم بھی پرے درجے کے جاہل ہیں یا لالچی؟

۵۔ آپ کو اپنا منصب اور اپنے اعلیٰ حاکم کبتر صاحب بہادر یا لال صاحب بہادر کا خوف اُمور بالاک کی اجازت نہیں دیتا تو ہم کو اپنا منصب یا اپنے حاکم حقیقی جلّ شانہ کا خوف کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ اگر ہم ایسے ہی ہیں تو ہزار بابا خبر، با علم اور بادیانت لوگ ہم سے علیحدہ کیوں نہیں ہوتے؟ اگر گنہگار ہیں تو ذاتی گناہ کے مرتکب ہوں گے نہ کہ مخلوقِ حسد اکا کلا کاٹنے والوں کے خبیثہ خواہ۔

۶۔ اس میں شک نہیں کہ مجرموں کے بال بچے یا بیوگان بحالتِ بے کسی روٹی کھانے کو بھی آجاتے ہیں جب سرکارِ عالی ان پر رحم فرما کر ان کو اپنے ملک سے خارج نہیں کرتی تو سرکار کی رعایا سے اگر کسی آسودہ حال کے دروازہ سے روٹی مانگ لیں تو کیا قباحیت ہے؟ یہ بھی یعنی ایسی حالت میں آنے کا کبھی ساہما گزرنے پر اتفاق ہوتا ہوگا۔

۷۔ یہ بھی واقعی بات ہے کہ مجرموں کے پس ماندگان اپنے خیال کے مطابق اگر دُعا کرتے ہیں جس پر ان کے لیے یہ دُعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کرے اور نیک اعمال کی توفیق بخشے نہ کہ وہ ایسے کام کرتے رہیں اور سزا یاب نہ ہوں۔

۸۔ عیسائی لوگ اگر اپنے اعتقاد کے مطابق اپنے مجرموں کے واسطے اپنے پیر پادری سے دُعا کرائیں اور وہ دُعا کریں اور دُعا بھی یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو راہِ راست پر لائے تو کیا پادری صاحبان کو بوجہ اس دُعا کرنے کے مجرموں کی تعزیر میں شریک کیا جائے گا؟ عقل و انصاف اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔

۹۔ رہا یہ کہ پھر مختلف زبانوں سے جناب کی خدمت میں شکایتیں کیوں ہوئیں۔ جو ابامعروض ہے کہ اُنہوں نے یہ نہیں سوچا کہ واقعی مُرید کون ہوتے ہیں اور نام کے کون۔ دوسرے یہ کہ اُن کے اطفال یا پس ماندگان کے آنے جانے کی نسبت سوچتے ہیں کہ یہ اعانت نہیں تو کیا ہے وغیرہ وغیرہ و تجویزات جن کا منشا بغیر کم فہمی یا حسد کے عاقل کے نزدیک اور کچھ نہیں۔

۱۰۔ ہمارا بھاری عیب یہ ہے کہ تملق اور خوشامد مزاج میں نہیں جس کی وجہ سے خوشامد طلب ناخوش ہو سکتے ہیں اور ناخوش ہو کر خلافِ واقعات گوش گزار کرتے ہیں۔

۱۱۔ جمعہ کے روز بغرض نماز مسجد جامعہ میں ہمارا حاضر ہونا ہوا۔ بعد فراغت از نماز حسبِ عادت مردّہ ملک کہ آؤ جنازہ پڑھ لیا جائے۔ سب لوگ جنازہ پڑھنے لگے ہم بھی شامل ہوئے۔ کیا اس جنازہ پڑھنے سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ مُردہ ہم سب کے نزدیک نیک چلن تھا اور اس کی بد اعمالیوں پر راضی ہیں؟ البتہ یہاں پر یہ دیکھنا منظور ہے کہ ہمارا مذہب اسلام ایسے

شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دیتا ہے یا نہ دوسری (یعنی اجازت نہ دینے کی) صورت میں بیشک جنازہ پڑھنے والے خلاف مذہب کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ اس الزام کے کہ یہ لوگ اس میت کے اعمال پر خوش تھے اور اُس کے معاون۔ آج تک ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھنے والوں پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا گیا اور نہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسی زمانہ میں ایک مسلمان افسر نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ گوجے پہلے سے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہے مگر میں عرصہ سے آپ کا غائبانہ معتقد ہوں اور آج یہ بتانے کو حاضر ہوا ہوں کہ گورنمنٹ کے پاس رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کو اس ملک سے جلا وطن کر دیا جائے حضرت یہ سن کر مسکرا دیے اور فرمایا کہ جو گورنمنٹ مجھے جلا وطن کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اُسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خود اُس کے متعلق کیا ارادے ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد برطانوی حکومت، جرمنی کے ساتھ موت و حیات کی جنگ یعنی جنگ عظیم اول ۱۹۱۴-۱۸ء میں مبتلا ہو گئی۔ اور جلا وطنی کی مسل دھری کی دھری رہ گئی۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں استغاثہ

ان ہی ایام میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے بجنور جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ پنجابی زبان کے مسند درج ذیل اشعار میں استغاثہ پیش کیا تھا۔

رور و لکھئے چٹھے در داں بھرے، پتہ پچھیں بغداد دے واسیاں دا
دیویں جاسینڈا دکھاں بھریا انہاں اکھیاں درس پایسیاں دا
آہیں سولاں بھریاں سینے سترے وچوں نکلن حال ایہہ سدا اُداسیاں دا
تیرے مڈھ قدیم دے بردیاں نول لوک دس دے خوف چپڑاسیاں دا
دشگیر کر مہرتوں مہر علی تے کون باجھ تیرے اللہ راسیاں دا

انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے مفروضوں کے متعلق گفتگو

اسی دوران ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع راولپنڈی گوٹھ شریف آیا اور حضرت سے کہنے لگا کہ موضع میر آباد یہ وغیرہ کے بعض اشخاص ڈاکہ زنی اور قتل کے مقدمات میں مفروض ہیں اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ آپ کے مرید ہونے کی حیثیت سے آپ کی خانقاہ میں پناہ لیتے ہیں۔ اور اسلحہ وغیرہ یہاں رکھتے ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے جواب دیا۔ میرے پاس لوگ دعا اور دینی ہدایت کے لیے آتے ہیں میں انہیں نیکی کا امر کرتا ہوں اور گناہ کے کاموں سے منع کرتا ہوں۔ جو یہاں ٹھہر جاتے ہیں بحیثیت مہمان اُن کی تواضع کی جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کسی شخص کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ اگر کوئی مفروض یہاں آجائے یا اسلحہ لے آئے تو پکڑ لیا کیجئے۔ نیز فرمایا۔ ایک بات اور سن لیں اور اپنی سرکار کو پہنچا دیں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری نیت میرے متعلق کیا ہے لیکن یاد رکھنا یہ عزت جو مجھے ملی ہوئی ہے اس کے دینے والے تم نہیں ہو، کوئی اور ہے۔ اور اگر اس عزت کے دینے والے تم نہیں تو اس کے لینے والے بھی تم نہیں ہو سکتے۔ اگر لے گا تو وہی لے گا جس نے دے رکھی ہے۔ اس سے پہلے رائے صاحب دیوبند دیال انسپکٹر پولیس راولپنڈی کی ایک چٹھی پہنچی تھی جس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طرف لکھا گیا تھا کہ آپ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۱۳ء کو سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کی کوٹھی پر انہیں ملیں۔ اور حضرت نے یہ جواب لکھوا دیا تھا کہ میں

بوجہ ضرورت اپنے کام کے صرف نماز عصر کے بعد فارغ ہوتا ہوں لہذا معذرت ہوں۔ صاحب بہادر فوج سے جس امر کی دریافت کرنا چاہیں خود تشریف لاکر یا بوساطت عملہ ماتحت دریافت فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ جواب موصول ہونے پر سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے اور تذکرہ بالا گفت و شنید ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد رولٹ ایکٹ کے خلاف ہنگاموں کے دوران جلیانوالہ باغ امرتسر کی فائرنگ کے سیر و بدنام زمانہ سرمایہ کل اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی یہاں سے روانگی کے وقت طبقہ اُمراء اور بعض سجادہ نشینوں نے الوداعی پارٹی کے دوران لاہور میں ایک سپانسامریش کیا جس میں انگریزی راج کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ اس موقع پر کمشنر اوپنڈی اور دیگر متعدد اُمراء و حکام کے شدید اصرار کے باوجود حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اس اجتماع میں شرکت سے قطعاً انکار فرمایا۔ مگر ملک سرٹحیات خان ٹوانہ کے بے حد تقاضا و اصرار پر بالآخر اپنے صاحبزادہ جناب بابو جی مدظلہ العالی کو شمولیت کے لیے یہ فرماتے ہوئے بھیج دیا کہ ملک سرٹحیات خان غربائے کام کرتا ہے اور اس وجہ سے مجھے اُس کا خیال ہے۔ لہذا جناب بابو جی مدظلہ العالی طوعاً و کرہاً لاہور تشریف لائے۔ ملک سرٹحیات خان نے کہا کہ آپ خود کوئی بات نہ کیجئے گا جو کچھ ہم کہیں آپ صرف ہاں میں ہاں ملا دیں جناب بابو جی نے دریافت فرمایا آپ لوگ کیا کہیں گے تو ملک صاحب نے انگریزوں کے لیے مدحیہ الفاظ کہے۔ بابو جی نے فرمایا میں اس کی توثیق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس پر ملک صاحب نے بابو جی کی شمولیت کو مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ آپ اُن سے فارغ ہو کر واپسی سے قبل جب جناب دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن تشریف سے ملے تو اُنہوں نے باصرار رک لیا اور اپنے ہمراہ پارٹی میں لے گئے۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ ایسے اجتماعات کے طور طریقے اور آداب کیا ہوتے ہیں۔ ایک کاغذ پر سب کے دستخط کرائے گئے۔ میں نے بھی اس خیال سے کہ حاضرین کی فہرست ہے دستخط کر دیئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دستخط سپانسامر کے سلسلہ میں تھے سخت افسوس ہوا کہ اُس وقت مجبوری تھی اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

تعب ہے کہ مولوی ظفر علی خان مرحوم مدیر اخبار زمیندار نے اُن مشائخ و سجادہ نشینوں کے خلاف جو نظم شائع کی اُس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ذکر کیسے کر دیا۔ حالانکہ سب پر روشن تھا کہ آپ اس اجلاس میں قطعاً شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی اسے پسند فرمایا تھا۔

ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت

حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں ایک ڈپٹی کمشنر کا واقعہ بدیں انداز تحریر کیا ہے۔ ایک انگریز افسر جو پہلے فوج میں چکا تھا اور اپنڈی میں بطور ڈپٹی کمشنر تعینات ہوا اور اُس نے دیہاتی دورہ کے سلسلہ میں گورنر تشریف کے قریب کمپ لگولیا۔ اُس موقع تھی کہ یہ صاحب سلام کے لیے آئیں گے مگر آپ نہ گئے۔ آخر اُس نے دربار تشریف کے بالکل قریب کمپ لگولیا اور مقیم ہوا۔ ملک گلاب خان سکندر حسن ابدال اور دیگر نیا زمانہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ مقامی افسر بے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج عصر کے بعد جب آپ سواری کی غرض سے تشریف لے جائیں تو چند منٹ کے لیے توقف فرما کر ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملے جائیں مگر آپ نے اُس روز سواری کے وقت کمپ کا راستہ ہی چھوڑ دیا۔ اس سے کچھ پہلے ارباب حکومت نے حادی علاقہ کی ایک مہم کو بشکل تمام سر کیا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اُس علاقہ میں پیری مریدی کے وسیع اثر سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ایک قادیانی مسلمان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حالات کو

کچھ اس انداز میں اُن کے پیش کیا کہ اُسے یقین ہو گیا کہ حضرت واقعی انگریزوں کے مخالف ہیں۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں بعض مقامی حاسدین کا بھی ہاتھ تھا جو بظاہر ایسے نیاز کا اظہار کرتے تھے کہ آتے جاتے دربار شریف کے قریب استراٹا سواری پر سے اتر پڑتے تھے۔

چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے واپس راولپنڈی پہنچ کر حضرت کی طرف ایک رو بکار بھیجی کہ آپ بروز سوموار تین بجے میری کوٹھی پر آکر مجھے ملیں۔ حضرت نے اس رو بکار کی پشت پر لکھا کہ ملنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے آپ کے ساتھ کوئی کام ہو۔ سو مجھے تو آپ کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ آپ کو میرے ساتھ کوئی کام ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ کو یہاں میرے پاس آنا چاہیے کیونکہ ہمیشہ ضرورت مند کو ہی جانا پڑتا ہے۔ ایک غیر ضرورت مند کو حاضری کا حکم دینا نظر ثانی کا مستحق ہے۔

قاضی سراج الدین بیرسٹر اُس زمانہ میں سرکاری وکیل تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں مشورہ کے لیے بلایا۔ قاضی صاحب نے سمجھایا کہ آپ ایسے شخص سے اُلجھنا چاہتے ہیں جو دونوں جہان پر لات مارے ہوئے ہے۔ اور خدا کے سوا دُنیا اور مافیہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نیز ایک جنگ کو مشکل ختم کیا ہے اور دوسری بلا وجہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی صاحب کا پہلی جنگ سے اشارہ سرحدی علاقہ کی مہم سے تھا۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی سمجھ میں بات آئی اور انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اطلاع بھیجوائی کہ میں خود ملاقات کے لیے آؤں گا چنانچہ تیسرے چوتھے روز اپنی میم صاحبہ و لڑکی سمیت آیا۔ حضرت بابو جی مظلوم اور ملک گلاب خان نے دربار شریف سے کچھ آگے جا کر اُن کا استقبال کیا تو انہیں دیکھ کر کہنے لگا۔ ہم اگر بادشاہ ہیں تو پیر صاحب بھی شہنشاہ ہیں۔ اگر وہ ہیں ملنے نہیں آئے تو ہم اُن سے ملنے کے لیے آگئے ہیں۔ ملاقات پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے تو ہاتھ ملایا۔ مگر جب میم صاحبہ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس نے اپنے خاوند سے کہا کہ شاید میں بہت گنہگار ہوں اس لیے پیر صاحب نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملانا چاہا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان الفاظ کی ترجمانی حضرت سے کی تو آپ کی طبیعت پر اس انگریز عورت کی بے نفسی اور انکساری کا اثر ہوا اور فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ بلکہ مذہب اسلام میں غیر عورتوں سے ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں۔ اُن کی لڑکی نے کہا بے شک بائبل مقدس میں بھی یہی حکم ہے۔

دوران گفتگو ڈپٹی کمشنر صاحب نے سوال کیا کہ آیا آپ کے پاس کوئی جاگیر ہے تو حضرت نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک حضرت غوث پاک کی جاگیر ہے جو ہمارے جد امجد ہیں۔ اور یہ سارا ملک ہم کو جاگیر میں ملا ہوا ہے۔ لڑکی نے حضرت کے ہاتھ والی تسبیح کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ فرمایا، اس پر نہیں اپنے مالک کا نام لیتا ہوں۔ اُس نے پوچھا آپ کا مالک آپ کو تنخواہ کیا دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کی طرح تنخواہ مقرر نہیں بلکہ میرا مالک میری تمام ضروریات کے مطابق عطا کرتا ہے اور بے حد و حساب دیتا ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگی کہ کیا آپ جو کچھ اپنے خدا سے مانگیں وہ آپ کو دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ چیز ہمارے لیے بہتر ہو تو عطا فرماتا ہے اور اگر اُس میں ہمارا نقصان ہو تو نہیں دیتا۔ جیسے معلوم بچہ روٹی کو ہاتھ مارتا ہے۔ مگر ماں اُسے دودھ دیتی ہے کیونکہ بچے کا معدہ روٹی کو ہضم نہیں کر سکتا۔

گرمی کا موسم تھا۔ اور بارش کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لڑکی نے کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بارش کے لیے دعا کریں۔ کیونکہ آج کل بارش ہمارے لیے مفید معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اُس کی اس دانائی کی بات پر مسکرائے اور فرمایا ہم دعا

کرتے ہیں۔ اگر بارش مفید ہے تو جو جائے گی۔ پھر تمام حاضرین کو مخاطب کر کے بارش کے لیے دعا کرائی۔ اور ساتھ ہی خود بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ چنانچہ اسی روز بارش ہو گئی حضرت بابو جی مدظلہ ذماتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر ایسا متاثر ہوا کہ جاتے ہوئے کہا یہ صاحب ہم آپ کی چائے پیئے کل پھر آئیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہو کر دعا کا طلب گار ہوا۔ اسی طرح ایک اور انگریز افسر نے آپ سے زینہ اولاد کے لیے درخواست کی تھی شہر سے باہر کپ میں اُس کا قیام تھا حضرت نے رضامندی کو کھانا پینچانے کا حکم فرمایا چنانچہ پرتکلف کھانا دیا گیا مگر اُس کی میم صاحبہ نے نگر سے دال منگو کر کھائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے لڑکا عطا کیا پھر وہ ساہیوال (منگمری سیشن جج مقرر ہوا) ایک قتل کے ملزم کو جس کا مقدمہ اُس کی عدالت میں زیر سماعت تھا اُس کی خدمت قبلہ عالم قدس ہترے سے عقیدت کا علم تھا۔ اُس نے اپنی صفائی کے گواہوں کی فہرست میں حضرت کا نام تحریر کر دیا۔ مہل پیش ہونے پر اُس نے ملزم سے پوچھا کہ کیا پیر صاحب تمہاری صفائی کی شہادت دیں گے؟ ملزم نے ویسے ہی کہہ دیا کہ جی ہاں دیں گے۔ اُس نے یہ بات یاد کرتے ہوئے اُسے فوراً بری کر دیا۔

کئی سال بعد ایک انگریز، انگلستان سے آکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں علاقہ کھوڑ میں تیل و پٹرول کی تلاش میں آیا ہوں فلاں صاحب نے جو یہاں ڈپٹی کمشنر رہ گئے ہیں اور بعد میں کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے تھے، انگلستان میں مجھے کہا کہ تیل کے کنویں کھودنے سے پہلے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرنا حضرت قبلہ عالم قدس ہترے نے فرمایا کہ ہاں وہ صاحب میرے آشنا تھے اور پھر دعا فرمائی۔

نویں فصل

حضرت دیوان صاحب اک پتن شریف کی عقیدت

حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین درگاہ سلطان الزاہدین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاک پتن شریف کی استاد پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے انہیں سلسلہ شریف چشتیہ صابریہ کے اوراد و وظائف اور ارشاد کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ سلسلہ شریف چشتیہ نظمِ مبیہ میں وہ پہلے سے ہی اپنے نابزرگوار حضرت دیوان اللہ جوایا سے بیعت تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ ان کے روابط کی تقریب یہ ہوئی کہ دیوان اللہ جوایا لا ولد تھے لہذا اپنے وصال سے پہلے انہوں نے اپنے نو عمر نواسے اور متبئی دیوان سید محمد کو بذریعہ وصیت اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے بار شوخ بھتیجے میاں فتح محمد زبردستی گدی پر قابض ہو گئے۔ دیوان سید محمد کی طرف سے دیوانی دعویٰ ہو اگر خارج ہو گیا۔ انہوں نے اپیل کی تو فریقِ مخالف نے انہیں قتل کی دھمکی دی اور جان لینے کے درپے ہو گئے۔ لہذا دیوان سید محمد کو جان بچانے کے لیے ریاستِ پٹیالہ کے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ اس دوران میاں فتح محمد نے خاندانِ چشتیہ کے تمام مشہور سجادہ نشینوں سے اس عقوون کے ایک محضر نامے پر دستخط کروا لیے کہ میاں سید محمد کم عمر ہیں اور پاک پتن شریف جیسی گدی کے لیے میاں فتح محمد ہی مؤردوں مستحق ہیں۔ جب یہ محضر نامہ دستخطوں کے لیے گولڑہ شریف پہنچا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے دستخط کرنے سے انکار فرمادیا۔ میاں فتح محمد کے حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ کوشش و اصرار کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ آپ کا فرمان بجا مگر میرا دل اس طرف راغب نہیں ہوتا۔

اس روحانی بشارت کی اطلاع کسی طرح حضرت دیوان سید محمد کی والدہ صاحبہ کو ہو گئی۔ لہذا جب چیف کورٹ تک ان کی اپیلیں نامنظور ہو گئیں تو مائی صاحبہ نے اپنے ایک لاہور کے عزیز میاں خدابخش نامی کے ذریعے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں توسل اور استدعا کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی کہ آئندہ اپیل کے لیے بہت رقم کی ضرورت ہوگی اگر آپ اجازت بخشیں تو کوشش کی جائے حضرت نے فرمایا کہ اگر گنجائش ہے تو ہمت کریں۔ چنانچہ آپ کی دعا کے بھر دسہ پر مائی صاحبہ نے اٹھارہ ہزار روپیہ قرض لے کر پریمی کونسل لندن میں اپیل دائر کرادی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیوان سید محمد کے حق میں فیصلہ ہوا اور وہ بالآخر گدی پر متمکن ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے پاک پتن شریف کی حاضری کا ارادہ فرمایا۔ اور مولوی محبوب عالم صاحب آپ کی رہائش کا انتظام کرنے کی خاطر وہاں پہنچے۔ عرس شریف کا موقع تھا اس لیے جب انہوں نے دیوان صاحب سے حضرت کے ارادہ کا ذکر کر کے قیام کی درخواست کی تو وہ خاموش رہے۔ اُس وقت تک دیوان صاحب کے ساتھ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا یا آپ کے خدام کا براہِ راست کوئی تعارف یا تعلق نہیں تھا۔ اور نہ باہم خط و کتابت کی نوبت ہی آئی تھی۔ اس لیے مولوی صاحب نے دیوان صاحب کی خاموشی کو انکار پر محمول کر کے جب بدیں خیال اٹھنا چاہا کہ شہر میں کسی کرائے کے مکان کا انتظام کرنا چاہیے، تو

دیوان صاحب نے انہیں روک کر فرمایا کہ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایسے شخصوں میں مہربان بزرگ کے لیے جنہوں نے ایک نازک وقت پر بغیر کسی تعارف کے میری امداد فرمائی کو جیسی جگہ مناسب ہوگی۔ میری خواہش تھی کہ آپ کا قیام موتی محل میں ہو لیکن چونکہ وہاں عرس کے موقع پر بعض دیگر حضرات قیام فرماتے ہیں۔ اس لیے مجھے اندیشہ تھا کہ مبادا وہ حضرت محسوس کریں۔ مگر آپ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کی جائے قیام موتی محل ہی ہوگی۔ دوسروں کے متعلق حضرت بادشاہ صاحب جانیں اور وہ صاحبان جانیں۔

پہلی ملاقات پر دیوان صاحب کا تاثر

جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک بتن شریف پہنچے اور دیوان صاحب سے ملاقات کی تو دیوان صاحب بیان فرماتے تھے کہ آپ کو دیکھ کر میں تعظیماً اٹھ کر تو ملا مگر میرے دل میں آپ کے متعلق جو حسن ظن تھا وہ جا تا رہا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت کے سر پر روئی کی ٹوپی ہوگی۔ کمر میں نیلے یا جو گیارنگ کا تھم ہوگا۔ اور گلے میں قدر سے میلا اور مستعملہ لباس لٹا ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت تک ایک فقیر اور دلی اللہ کی ہیبت اور لباس کا یہی نقشہ ہمارے ذہن میں تھا۔ مگر دیکھا تو اشارہ اللہ نہایت خوبصورت لٹکھڑالی زلفیں نفیس گلہ پر سفید عمامہ، پارچات مصطفیٰ اور سفید رنگ جن پر چغیر پن رکھا تھا۔ میں نے سمجھا کہ دنیا دار ہیں۔ اور اٹھ کر بیٹے پر دل ہی دل میں افسوس بھی ہوا۔ لیکن حضرت نے میرے خطبہ دل پر مطلع ہو کر مجلس میں اپنے ایک ارادت مند افسر مال سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ جب آپ لوگ اپنے کسی افسر سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو کیا اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں یا میلہ کٹھن یا اور چٹا پانا؟ اُس نے عرض کیا کہ اگر ہم اچھا لباس پہن کر نہ جائیں تو افسران بُرا منائیں گے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب دنیاوی افسروں کی حاضری کے یہ آداب ہیں تو جو دینی پیشوا اور صاحب سجادہ ہو اُس کے دربار میں حاضری کے آداب کا خود خیال کر لیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

دیوان صاحب کہتے تھے کہ یہ سن کر میں اپنے خطرہ دل پر نادم اور پشیمان ہوا۔ اور پھر پھر میرے دل میں حضرت کے متعلق کبھی کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہوا۔

لباس اور سواری کے متعلق ایک انگریز افسر کا اعتراض اور اُس کا جواب

اس خوش پوشی کے متعلق ایک اور واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ بالوکریم بخش مہڈی کلرک دفتر پولیس راولپنڈی جو گوجر خاں کے رہنے والے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ارادت مند تھے۔ ایک عرس کے موقع پر گولڑہ شریف حاضری کے لیے اپنے انگریز میئر ٹنڈنٹ پولیس سے ایک دن کی رخصت لینے کے لیے اُن کے سامنے پیش ہوئے۔ پکتان صاحب نے کہا: یہ آپ کا پیر صاحب کیسا پیر ہے؟ ہم سے زیادہ اچھے گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور رہیوں کا لباس پہنتا ہے۔ پیر فقیر تو وہ ہوتا ہے جو کوئی مکان اور سامان نہیں رکھتا۔ جہاں رات آجاتی ہے روٹی مانگ کر کھا لیتا ہے اور مسجد وغیرہ میں پڑ کر سوتا ہے۔ پھر کہنے لگا: اچھا جاؤ اور ہماری طرف سے پیر صاحب سے یہ بھی پوچھنا کہ آپ کے پاس اسلحہ کتنا ہے؟ یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۹۱۱ء کے دربار دہلی میں شمولیت سے انکار پر حضرت سے انگریز افسران بہت ناراض تھے جب بالوکریم بخش نے یہ باتیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں عرض کیں تو آپ نے فرمایا: اچھا مگر تم اُسے جواب دے سکو گے میں خود ہی جواب دوں گا۔ چنانچہ اُسی سال جب آپ سیال شریف کے عرس سے واپسی پر چھب معمول کچھ وقت کے لیے راولپنڈی میں قیام پذیر تھے۔ اور عصر کے وقت ایک مخلص کی فٹن میں ٹوپی رکھ کر طرف

جاربے تھے تو راستہ میں وہی سپرنٹنڈنٹ پولیس گھوڑے پر سوار آتا نظر آیا۔ آپ نے خدام سے پوچھا۔ کیا یہ انگریز یہاں کا پولیس کپتان ہے؟ جواب اثبات میں ملنے پر آپ نے اُس کے قریب پہنچ کر فٹن رُکوائی اُس نے آپ کو سلام کیا۔ جس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا آپ کا پیغام پہنچا تھا۔ اب جواب سن لیں۔ آپ نے کہا تھا کہ فقیر اچھے گھوڑے پر کیوں سواری کرتا ہے اور اچھا لباس کیوں پہنتا ہے۔ آپ اپنے افسروں کو خوش کرنے کے لیے اچھے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اچھا لباس پہنتے ہیں۔ اگر فقیر اپنے افسر کی خوشی کے لیے جو سارے افسروں کا افسر اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں سارے افسروں اور بادشاہوں کی جان ہے اچھے گھوڑے پر سوار ہو اور اچھا لباس پہنے تو اس میں کیا بُرائی ہے۔ اور آپ نے پوچھا تھا ہمارے پاس تمہارا کتنے ہیں۔ فقیر کا ہتھیار فقط یہ تسبیح ہے جو آپ کے تمام اسلحہ سے زیادہ کاری ہے۔ اس جواب سے وہ انگریز افسر نامدم سا ہو کر رہ گیا۔ اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔

حضرت دیوان صاحب کے لیے اولادِ نرینہ کی دعا

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دن میاں تاجا قوال نے امرتسر میں کہیں سے سنا کہ دیوان صاحب کے نرینہ اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس بارہ میں کسی جادوگر کا ذکر بھی ہوا۔ جب اُس نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کرو چنانچہ اُس کے عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے سحر کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ اور دعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے سال ہی حضرت دیوان غلام قطب الدین تولد ہوئے اور مخالفین کے جادو بے اثر ہو کر رہ گئے۔

نومولود کے نام رکھنے کا واقعہ حضرت دیوان سید محمد خداس طرح بیان فرمایا کرتے کہ میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف پر دہلی گیا ہوا تھا۔ اور وہاں میرے دل میں بار بار خیال آتا تھا کہ میرے بیٹے کا نام غلام قطب ہو۔ حضرت کی خدمت میں نام تجویز فرمانے کے لیے عرض لکھا ہوا تھا۔ جب دہلی سے واپسی پر پاک پتن شریف میں حضرت کا خط ملا تو اسی فکر میں کانپتے ہاتھوں سے کھول کر پڑھا تو آپ نے غلام قطب الدین ہی نام تجویز فرمایا ہوا تھا۔

جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اور حضرت دیوان سید محمد کے باہم بہت ہی خاص تعلقات تھے حضرت اقدس زمانہ استغراق تک عموماً ہر سال حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سترہ العزیز کے عرس مبارک پر پاک پتن شریف جاتے رہے۔ جہاں ادائے رسومات میں دیوان صاحب کی طرف سے آپ کو ایک خصوصی امتیاز اور اختیار حاصل رہا۔ چونکہ عرس شریف کے موقع پر پاک پتن شریف میں بے حد ازدحام خلافتی ہوتا تھا اس لیے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات شریف سے استفادہ کا موقع ملتا تھا۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کے خواہر زادہ جناب خواجہ حسن نظامی کی ملاقات بھی حضرت سے یہیں ہوتی اور ان کے اصرار پر حضرت نے انہیں بیعت بھی فرمایا۔ خواجہ صاحب حسن تحریر کے لیے دُعا کے طالب ہوئے تو آپ نے دُعا فرما کر کوئی خاص طریق بھی تلقین فرمایا۔ جس کی برکت سے خواجہ صاحب اپنے وقت کے مشہور اہل قلم ہوئے اور صورتِ فطرت کا لقب پایا۔

طریق بھی تلقین فرمایا۔ جس کی برکت سے خواجہ صاحب اپنے وقت کے مشہور اہل قلم ہوئے اور صورتِ فطرت کا لقب پایا۔ حضرت نے خواجہ حسن نظامی کے لیے حسن تحریر اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی استدعا پر ان کے لیے حسن تقریر کی دُعا فرمائی تھی۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے دونوں صاحبان کو مستقبہ فرمایا تھا کہ تحریر و تقریر کی فصاحت مقامِ خطر بھی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

خواجہ صاحب اپنے رسالہ منادی میں ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنا شیخ طریقت تسلیم فرماتے رہے۔ آنجناب کے اتصال پر گولڑہ شریفیت میں حاضر ہوئے۔ اور ایک خصوصی مقالہ منادی میں شائع کیا۔ خواجہ صاحب بے حد روادار طبیعت اور مہربان منہج قسم کے انسان تھے۔ ابتداء قادیانیوں کے حق میں نرم خیالی کے باعث علماء میں محبوب تھے۔ مگر بالآخر انہوں نے ۱۹۳۵ء کے پرچہ میں اعلان کیا کہ میرے پیرو مرشد حضرت مولانا سید مہر علی شاہ چشتی نظامی سجادہ نشین گولڑہ شریف کا ایک بیان میری نظر سے گذرا جس میں حضرت اقدس نے ایک فیصلہ کن حکم صادر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قادیانی اپنے عقائد مخصوصہ کے سبب مسلمان نہیں کہلا سکتے اس واسطے کہ کسی مسلمان کو ان سے کسی قسم کا تعاون جائز نہیں ہے۔

پاک پتن شریف میں مولوی غلام قادر سکندرنہن آباد ضلع بہاول نگر اور بعض علماء قصور کے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ زیارت قبور استاد اولیاء اللہ اور ہشتی دروازہ کے مسائل پر مناظرات، خصوصاً مولوی غلام قادر کی آپ سے بیعت کا ذکر باب ششم میں آئے گا۔ انفس کہ ان روح پرور مجالس کا ریکارڈ نہیں مل سکا۔ ورنہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی تھی۔

جناب بالوچی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پتن شریف جانے کو تیار ہوئے اور مجھے فرمایا کہ تم گھر پر ہی رہو بسنگر اور مہمانوں کا خیال رکھنا اور نماز باجماعت اور اوقات مکتب کی پابندی کرنا۔ مجھے چونکہ دیوان صاحب کے ساتھ قلمی لگاؤ اور دلی تعلق تھا اس لیے میں ساتھ جانے پر تضرع تھا مگر حضرت زمانتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر اپنی والدہ محترمہ یعنی میری دادی صاحبہ کے سلام کے لیے گھر حاضر ہو کر تے تھے۔ چنانچہ میں بھی ساتھ ہوا۔ اور جب گھر کے قریب والی جھاڑی کے پاس پہنچے تو میں نے پھر ساتھ چلنے کے لیے عرض کی۔ حضرت نے فرمایا کہ کسی کے مزار پر حاضر ہونے کا مزاج ہے کہ آدمی صاحب مزار سے کم از کم گفتگو تو کر سکے۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو میرا جانا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ آپ تو حضرت باوا صاحب کے لیے جاتے ہیں اور وہ آپ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ میں تو دیوان صاحب کی محبت کی وجہ سے جاتا ہوں اور وہ مجھ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے قسم فرمایا اور اجازت دے دی۔

بظاہر مطالعہ و شغل تبیح اور بہ باطن حضرت باوا صاحب کے گفتگو

جناب بالوچی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت پاک پتن شریف میں قیام فرماتے اور صبح کے وقت فطائف سے فارغ ہو کر کتاب فتوحات مکیہ سامنے رکھے ہوئے تبیح کا شغل فرما رہے تھے کہ دیوان صاحب ملاقات کو آئے اور دس پندرہ منٹ تک دروازہ میں کھڑے رہے مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ میں سخت حیران تھا کہ دیوان صاحب کھڑے ہیں اور حضرت ان کی طرف توجہ نہ نہیں فرماتے۔ ایک ہمراہی سستی شیر باز خان حضرت کو توجہ دلانے کے لیے آگے بڑھنے لگا تو دیوان صاحب نے منع کر دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ حضرت ابھی مصروف ہیں میں اتنے میں باوا صاحب کو سلام کر آؤں اور کچھ اور امور بھی طے کر تا آؤں۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد دیوان صاحب دوبارہ آئے لیکن حضرت پھر توجہ نہ ہوئے اور اپنے شغل ہی میں مصروف رہے۔ میں دل گرفتہ تھا کہ دیوان صاحب حضرت گنج شکر کے سجادہ نشین ہیں مگر حضرت متوجہ نہیں ہو رہے ہیں۔ دیوان صاحب پندرہ بیس منٹ تک منتظرہ کر رہے تھے تو حضرت ابھی مشغول ہیں میں جاتا ہوں۔ جب آپ فارغ ہوں مجھے اطلاع کرادیں۔ تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ مگر

لے اس قسم کے کسی فتویٰ کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے نسبت کی ذمہ داری جناب خواجہ صاحب پر ہے۔

کبیدہ خاطر تھا۔ اور بار بار سوچتا کہ حضرتؑ نے دیوان صاحب کی طرف کیوں توجہ نہیں فرمائی۔

بہر حال کچھ وقت کے بعد اطلاع ملی کہ حضرتؑ اب فارغ ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ دیوان صاحب اب نہ جائیں۔ اس لیے جب وہ جانے کے لیے اٹھے تو میں نے عرض کی کہ اب نہ جائیں۔ عصر کے وقت جب حضرتؑ اس طرف آئیں گے تو ان سے مل لیجئے گا۔ دیوان صاحب نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور فرمایا: خبردار، ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالنا۔ میں ایک مرتبہ ایسا کر چکا ہوں جس کا مجھے آج تک انوس ہے میں ابھی حضرتؑ کے سلام کے لیے جاتا ہوں۔

قبلہ بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرتؑ کے جتنے بھی ملنے والے تھے، دیوان صاحب جیسی محبت اور اخلاص ان میں سے کسی میں بھی نہ تھا۔ بہر حال جب ہم حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیوان صاحب کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا دیوان صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ تشریف لائے۔ مگر چونکہ اُس وقت میں حضرتؑ باوا صاحب سے مصروفِ تکلم تھا اس لیے آپ کی طرف توجہ نہ ہو سکا مبادا ان کی شان میں بے ادبی یا گستاخی ہو جائے۔

قبلہ بابو جی مدظلہ نے فرمایا گویا بات حضرتؑ کے مشرب کے خلاف تھی اور آپ اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے مگر اُس روز شاید اس لیے ایسی بات فرمائی کہ دیوان صاحب کی طبیعت پر کسی قسم کا ملال نہ رہے۔

دوئیں فصل

والیان ملک اور رسائے عظام کا آپ سے توسل

امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان

امیر حبیب اللہ خان والی کابل، ایام شہزادگی میں ٹھیکہ طور پر حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ کی خدمت میں دُعا کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ محلاتی سازشوں اور سوتیلے رشتوں کی جانب سے اگر مادرِ شاہ بانو بد سے کی قسم کے اعتراضات کے باعث اُن کی ولیمہ دی خطہ میں پڑی ہوئی تھی حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ نے دُعا بھی فرمائی اور دو روز مہمان بھی رکھا۔ مگر کسی کو امیر حبیب اللہ خان کی آمد یا روانگی کی خبر نہ ہوئی۔ حضرت کے ایک غلام خان زادہ قُل احمد خان ہزاروی کو البتہ بہت بعد میں معلوم ہو گیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ نے مجھے فرمایا کہ قُل احمد بعض مہمان اپنے مرتبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ اس لیے تم لوگ خود اُن کی قدر پہچان کر حسبِ مرتبہ خوراک اور تواضع کا مناسب خیال رکھا کرو۔ اس پر میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خاص مہمان آئے۔ اللہ ہے دوسرے یا تیسرے روز برسات شروع ہو گئی۔ اور کئی روز تک متواتر رہی۔ ایک رات تہجد سے کچھ پہلے اچانک میری آنکھ کھل گئی اور حضرت کے حجرہ مبارک کی طرف کشش محسوس ہوئی۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ تین اشخاص درختوں کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور حجرہ مبارک کا دروازہ بند ہے۔ ان لوگوں نے پوستینیں پہن رکھی تھیں۔ کہتے تھے مرحہ پار سے آئے ہیں اور آدمی است کے بعد پشاور سے آنے والی ریل گاڑی سے اترے تھے۔ ان میں سے ایک شخص جو نسبتاً کم عمر تھا کئی بار تخلیہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ دو روز قیام کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت لاہور میں قیام فرماتے تھے کہ سابق امیر کابل سردار یعقوب خان نے جو اُن دنوں بحالتِ نظر بندی لاہور میں رہتے تھے بذریعہ خاص آدمی حضرت سے علیحدگی میں ملاقات کی اجازت لے کر شام کے وقت چڑیا گھر کے عقب والے مزار شریف کی مسجد میں حضرت کی خدمت میں حاضری دی۔ اُس وقت حضرت کا ایک خادم باہر وضو کر رہا تھا، دوسرا کچھ دُور ذکرِ جہر میں مصروف تھا۔ قُل احمد خان کہتے تھے کہ میں تنہا حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ سردار صاحب موصوف نے پُر معنی نگاہ سے میری طرف دیکھا جس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ اپنا ہی درویش ہے جو کچھ کہنا ہو بلا خوف و خطر کہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں۔ دُعا فرمادیں میرا حق مجھے واپس مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تخت کابل کے لیے اس سے قبل میں سردار حبیب اللہ خان کے حق میں دُعا کر چکا ہوں۔ آپ کی حُسنِ عاقبت کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ اور ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی۔

خان زادہ قُل احمد خان کہتے تھے کہ اس سے کچھ عرصہ بعد جب امیر حبیب اللہ خان تخت نشین ہوئے تو مجھے حضرت کے یہ الفاظ یاد آئے لیکن صبح پہ اُس وقت چلا جب شہزادہ میں امیر موصوف ہندوستان کے سرکاری دورہ پر آئے اور دہلی کے چاندنی چوک میں اُن کا جلوس دیکھ کر میں نے پہچانا کہ اس بادشاہ کو میں دو دن تک اپنے ہاتھ سے چائے تیار کر کے پلا آ رہا ہوں۔

۱۹۲۸ء میں امیر امان اللہ خان جلا وطن ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ وہ حکومت افغانستان کا اہل نہ تھا۔ اور اُس کے کام شرع شریف کے مطابق نہیں تھے۔ سرحدی پٹھانوں اور افغانوں کے حال پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خاص توجہ تھی جس کی وجہ سے برطانوی حکومت کے کارپردازان بھی ایک موقع پر آپ کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

امیر حبیب اللہ خان کے والد امیر عبد الرحمن خان والی افغانستان کی بھی حضرت کے ساتھ خط و کتابت کا حال کسی رسالہ میں نظر سے گذرا ہے تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ حضرت کے ایک بہت بڑے ارادت مند اور مشہور واعظ قاضی قدرت اللہ سکند قاضی خیل پشاور امیر موصوف کی دعوت پر اکثر وعظ کہنے کے لیے کابل جایا کرتے تھے۔

نواب صاحب بہاول پور

نواب صادق محمد خان سادس امیر بہاول پور کو بھی حضرت سے بہت نیاز اور عقیدت تھی۔ اُن کی طرف سے اکثر مہمت میں عرضداشتیں پہنچتی رہیں اور مقاصد حل ہوتے رہے۔ مگر اُن کی بیعت کی تمنا پوری نہ ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں ریاست بہاول پور کے دو عہدے دار غلام حسن خان ناظم اور محمد امین خان سپرنٹنڈنٹ پولیس جو حضرت کے مخلصین و ارادت مندوں میں سے تھے۔ گولڑہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں عرض کی کہ نواب صاحب گولڑہ شریف آنے کو تیار تھے بلکہ اپنا ڈیڑہ ریل گاڑی کے ساتھ لگوانے کے لیے ریلوے کو لکھ بھی دیا تھا مگر اچانک سرکاری کام سے دہلی جانا پڑ گیا۔ اب ایسی پرہیاں کی حاضری کا پروگرام طے ہو گا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ محلات سے نواب صاحب کے صاحب اختیار ہونے کے لیے دُعا کا پیغام آیا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تاج پوشی کرا دی ہے۔ اس سے زیادہ اُن کی آمد و رفت یا دایان ریاست کے ساتھ پیری مریدی کا تعلق مجھے پسند نہیں کیونکہ حاجت مند لوگ سفارش کی توقع رکھتے ہیں۔ اور مجھے نہ سفارش کرنا اچھا لگتا ہے اور نہ اس سے انکار۔

نواب ولی الدولہ حیدر آباد دکن

ریاست حیدر آباد دکن کے ایک رئیس نواب ولی الدولہ کی حضرت سے بیعت تھی۔ بیماری کے سلسلہ میں ڈاکٹروں نے اُنہیں جبری ہوا خوری کے لیے لندن جانے کا مشورہ دیا۔ نواب صاحب نے آپ کی خدمت میں اجازت کے لیے عرض کیا تو آپ نے لکھ بھیا کہ اگر بحری ہوا ہی کھانا ہے تو بجائے لندن کے حج بیت اللہ اور مدینہ شریف کی زیارت کو جائیے بحری ہوا خوری کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ اُن کو شراب کی عادت تھی۔ اُسی سال (۱۹۳۳-۳۴ء) نواب صاحب بہاولپور اور اُن کے ہمراہ جناب شیخ الحجاز مہم بھی حج کے لیے گئے جب جدہ پہنچے تو اُنہوں نے دیکھا کہ نواب ولی الدولہ نے شراب کے تمام کبس جو ہمراہ تھے، سمت دریں پھینکوا دیئے اور سچے دل سے توبہ کی۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ عالیہ پہنچ کر فوت ہو گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اُن کا جنازہ روضہ عالیہ کے سامنے پڑا رہا۔ دیکھنے والے رشک کرتے تھے کہ یہ کون خوش نصیب انسان ہے حضرت شیخ الجامعہ نے اُن کو تعارف کرایا کہ یہ میرا پریمانی ہے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ علی پوری بھی وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے فرمایا لوگو، دیکھو باخدا انسان سے تعلق و نسبت کے کیسے عمدہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

نواب صاحب انب در بند

ریاست انب در بند کے سابق نواب صاحب عالم نواب زادگی کے ایام سے ہی حضرت کی خاص عنایات سے مشرف

سرفراز تھے۔ ان کی جائشینی کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا جو آپ کی دعا اور توجہ سے دور ہوا۔ ان کے صاحبزائے جو اس وقت اپنی ریاست میں اور جن کا اسم گرامی نواب محمد فرید خان ہے نے راقم سطور ہذا کو مستدرجہ ذیل خط لکھا ہے :-

”یوں تو میرے والد بزرگوار کو بھی حضورؐ کی غلامی کا شرف حاصل رہا ہے میں ۱۹۲۱ء میں جناب خان بہادر قاضی سراج دین سکندر روپنڈی کے ہمراہ بغرض بیعت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا حضورؐ نے بڑی عنایت سے مجھے غلامی میں منسلک فرمایا۔ نماز کی پابندی کی تاکید کے ساتھ کچھ اُردو و خطاوت بھی تلقین فرمائے۔ دُنیوی تکلیفات و حوادث میں حق تعالیٰ کے بعد میں حضورؐ کی یاد کو دل میں رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ تو ہر وقت اپنی تکلیفات میں ہیں یاد کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ہم تمہیں ایک وظیفہ بتلاتے ہیں جو ہمت رہ اوقات نماز کے بعد ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ صبح بیدار ہونے پر خواب تو مجھے یاد رہا لیکن وظیفہ بھول گیا۔ میں نے ایک چٹھی حضورؐ کی خدمت میں ارسال کی اور سارا خواب بھی اُس میں لکھ کر عرض کی کہ وظیفہ تو بھول گیا ہوں صرف ایک لفظ ”عظیم“ یاد رہ گیا ہے۔ بواپسی حضورؐ نے دُہی وظیفہ مجھے لکھ کر بھیج دیا۔ شرف غلامی کے بعد بفضلِ خدا میں اپنے آپ میں ایک انقلاب محسوس کرتا ہوں جب مجھے نماز کی تاکید فرمائی تھی تو وہ الفاظ مبارک بندہ دُوق کی گولی کا کام کر گئے تھے حضورؐ کے اُس ارشاد کی برکت سے آج تک ایک نماز بھی مجھ سے قصا نہیں ہوئی۔“

سردار محمد علی خان گھیبہ

علاقہ گھیبہ کے نامور رئیس سردار محمد علی خان گھیبہ کو حضرتؐ کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آخری عمر تک اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ایک روز حضرتؐ نے بذریعہ خاص آدمی خطا بھجوا یا جس میں تحریر تھا کہ فوراً دوسری شادی کر لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور نکاح کے چند ماہ بعد فوت ہو گئے۔ اسی نکاح سے سردار محمد نواز خان تولد ہوئے۔ وہ بھی حضرتؐ کے عقیدت مندوں میں سے تھے ان کے متعلق حضرتؐ کے فصال کے بعد آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کی ایک غلط روایت مشہور ہو گئی تھی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے کا شرف ان کو ضرور حاصل ہوا تھا مگر حضرتؐ کی نماز جنازہ آستانہ عالیہ کے امام مسجد جناب قاری غلام محمد شادری نے پڑھائی تھی۔

نواب سر عمر حیات خان و سر خضر حیات خان ٹوانہ

کالہ ایسٹ ضلع سرگودھا کے نواب جنرل سر عمر حیات خان ٹوانہ کو بھی آپ سے شرفِ بیعت حاصل تھا جس کی بدولت حضرتؐ شراب نوشی کی عادت سے بچ گئے تھے بلکہ پانچ وقتہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ روضہ اطہر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے۔ اس ضمن میں مشہور ہے کہ خواہن بزارہ میں سے حضرتؐ کے ایک مخلص ملک سر عمر حیات خان کے مقروض تھے۔ قرضہ کی رستہ زیادہ تھی جسے وہ یکشت ادا کرنے سے قاصر تھے۔ مہلت لینا اور آسان اقساط کے ذریعہ ادائیگی کی اجازت کے لیے حضرتؐ کا سفارشی خط لے کر ملک صاحب کے پاس گئے۔ ملک صاحب اُس وقت تک حضرتؐ سے بالکل متعارف نہ تھے لیکن اس کے باوجود حضرتؐ کے گرامی نامہ کا اس قدر راحت اُم کیا کہ قرضہ معاف کر دے ہوئے رسید وصولی قرضہ لکھ کر حاملِ گرامی نامہ کے حوالے کر دی۔

ان کے صاحبزائے نواب ملک سر خضر حیات خان سابق وزیرِ اعظم پنجاب کی بھی حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کے ساتھ عقیدت

کی بدولت اب یہ کیفیت ہے کہ اکثر بادشور ہتے ہیں اور مجالس سماع و ذکر میں اُن پر رقت و گریہ کی حالت طاری رہتی ہے۔ کسی زمانہ میں حضرت سے وزارت کی دُعا کے متمنی ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت کے وصال کے وقت وزیر اور بعد میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوئے۔

نواب میاں محمد حیات قریشی

اپنے زمانہ کے نوجوان امیر زادوں میں سے صاحبِ وصال ضلع سرگودھا کے نواب میاں محمد حیات قریشی پر حضرت قبلہ عالم قدس بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ ان کے والد بزرگوار جناب میاں محمد قریشی، حضرت کے پیر بھائی تھے۔ اوریہ خود یعنی نواب میاں محمد حیات حضرت ثانی سیالوی کے ارادت مند تھے لیکن روایت ہے کہ کسی نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ حضور کو اپنے اراد مندوں میں سے کون زیادہ عزیز ہے تو فرمایا کہ محمد حیات اچھا لکھا ہے۔

یہ حضرات اوسط درجہ کے مرزا محال زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر حضرت کی توجہ سے اب ان کا شمار ضلع بلکہ کمشنری کے چوٹی کے رؤسا میں ہوتا ہے۔ نواب صاحب مرحوم معمولی انگریز یعنی تسلیم کے باوجود صوبائی سروس کمیشن کے ممبر رہے۔ اور نواب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ دنیوی ترقی کے ساتھ ساتھ دینداری میں وہ مہتمم حاصل کیا کہ بقول شخصہ خدائے تعالیٰ نے چاہا تو بروزِ حشر اُمراءِ زمان میں سے بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور بیان کرتے ہیں کہ میاں صاحب نے اپنی بیماری کے دوران تجلیہ میں انہیں وصیت کی تھی کہ اگرچہ میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی مگر میں نے احتیاطاً اپنے لڑکے میاں محمد ذاکر سے کہہ رکھا ہے کہ میرے بعد میری تین برس کی نمازوں کی قضا کا صدقہ یعنی فدیہ ادا کر دے۔ اور آپ اُسے میری موت کے بعد فوراً یاد دہانی کرا کر ادا کرادیں۔

سر سکندر حیات خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گورمانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ

حضرت کے فیضانِ نظر سے آپ کے بہت سے عقیدت مند شرفاء باوجود اوسط درجہ کی تسلیم و مالی حالت کے ترقی کے بلند ترین مراحل طے کر کے حکومت و وقت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہوئے اور ملک کے سرکردہ سیاسی لیڈروں میں شمار کیے گئے۔ ان میں واہ ضلع کمپل پور کے سردار سر سکندر حیات خان سابق وزیر اعظم و گورنر پنجاب اور ٹھٹھہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے نام بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ سر سکندر پر حضرت کی اوائل سے ہی نظر عنایت تھی۔ اور وہ اپنی کامیابیوں کو بالعموم حضرت کی توجہ اور آپ کے فرمودہ و طاقت کی پابندی کے ساتھ منسوب کرتے تھے اور میاں مشتاق صاحب تو نہ صرف خود آپ سے بیعت تھے بلکہ میاں صاحب کے والد صاحب بھی حضرت سے بیعت تھے۔ ان دونوں صاحبان کا تعلق حضرت کے جوان سال عقیدت مندان کے طبقہ سے ہے۔ اور نواب عبداللہ خان سکندر خان گڑھ کا شمار حضرت کے متقدمین ارادت مندوں میں ہوتا ہے۔ ان کی بیعت اور دنیوی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینداری کا کچھ ذکر باب کرامات کتاب ہذا میں بھی آئے گا۔

حاجی میاں کریم بخش میاں عبدالرحیم و میاں عبدالرشید سیٹھی پشاور و میاں امام بخش سوداگر ملتان حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے صاحبِ ثروت مگرد ویش صفت ارادت مندان میں سے یہ چار حضرات سرفہرست ہونے کے قابل ہیں

ان صاحبان کا پرصغیر پاک و ہند میں اور مالک افغانستان، ایران، ترکستان، چین اور روس و انگلستان وغیرہ میں کروڑوں دپوں کا کاروبار تھا مگر اپنے شیخ کریم کے ساتھ صحیح تعلق اور نسبت کی بدولت درویشانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سیٹھی کریم بخش و عجب التیم نے زائرین کی سہولت کے لیے دامن کوہ میں پہاڑی نالوں اور کھڈوں سے پٹی ہوئی اس سرزمین گولڑہ شریف میں دیوے اسٹیشن سے لے کر استاد عالیہ تک تین میل لمبی سڑک تعمیر کرائی۔ نیز تعمیر مرکز میں بھی بیش از بیش حصہ لیا۔ یہ چاروں حضرات آپ کے ابتدائی زمانہ کے ارادت مندوں میں سے ہیں جن کی صحیح اسلامی زندگی کی بکلت کا عکس ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہے۔

بعض نو عمر امیر زادے

خانزادہ قل احمد خان جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ خواہن درو ساہنزارہ میں سے تھے بچپن میں حضرت کی زیارت کو آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ گولڑہ شریف میں ہی چند درسی کتب کا مطالعہ کیا اور مستگر شریف کی خدمت کرتے رہے۔ پھر حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ عرصہ حکیم شمس الدین گجراتی کے پاس دہلی اور بمبئی میں گزار کر علم طب حاصل کیا مگر حقیقی شغل مولینا محبوب عالم ہزاروی اور ملک سلطان محمود نواز شاہ پوری وغیرہ احباب کی طرح ہمیشہ نظارہ جمال شیخ ہی رہا۔ حضرت خواجہ محمود تونسوی ایک بار اجازت لے کر ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ جتنے روز بھی وہاں رہے عیش و فراغ شیخ میں آنکھیں گریاں ہی رہیں۔ ناپارائوں نے واپس گولڑہ شریف پہنچ دیا۔

اولیاء اللہ بالخصوص آرباب حشت اہل بہشت کے آستانوں پر اکثر امیر خسرو صفت امیر زادے دکھائی دیتے ہیں جو لطیف مزاج، خوش پوش اور سخن سنج ہونے کے ساتھ ساتھ، تقویٰ کے لیے بھی جو دراصل روح مذہب ہے ایک دالہ نامہ ذوق رکھتے ہیں۔ یہی ذوق انہیں رند خرابات ہونے سے اور بالآخر ہلاکت سے بچالینے کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اُس کے امراء کو گناہوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ لہذا آرباب تصوف کی نظر میں اس نوع یعنی امیر اور امیر زادوں کی اصلاح نہایت ضروری ہوتی ہے۔

حضرت امیر خسرو دہلوی نے جناب محبوب الہی قدس سرہ العزیز کی شان میں کہا تھا ہے

ہر قوم راست را ہے، دینے و قبلہ کا ہے

من قبلہ راست کو دم بر سمت کج کلا ہے

حضرت خواجہ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی کے ایک رئیس زادہ غلام نے اپنے شیخ کی جناب میں یہ

عرض کیا۔

آتش بہ دلم جمال رویت افروخت و ز شعلہ آں فرد مبتی ہم سوخت

زلف تو مرا بہ بست، مژگان تو کشت حُسن تو مرا حسیہ عشق تو فروخت

اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ایک غلام بے دام جناب خواجہ محمد اسماعیل المتخلص بہ عیسیٰ امرتسری نے آپ کو

اس طرح مخاطب کیا ہے

اے کہ از مروتا بہ پا نور احمد مهر علی، مهر سپر الصمد

قبلہ من کعبہ من کوئے ثست دین و ایم غم جمال روئے ثست

سنگِ بابِ تُو بتِ بیتِ اللہِ من
 بیچِ درِ بیچِ آمدہ گیسوئے تو
 بہرِ عاشقِ یا شبِ یلداستِ ایں
 یا برائے مُرغِ دلِ جامِ استِ ایں
 حجِ بیتِ اللہِ جمالِ رُوئے تو
 حُسنِ سیمائے تو شرحِ واضعِ
 یاکہ ایں اعجازِ ختمِ المرسلین
 یا مردِ دو ہفتِ شبِ جلوہ نما
 یا چمنِ ماہی کہ روشنِ برزین
 یا نقشِ پائے توستِ سجدہ گاہِ من
 بہجِ سنبُلِ زلفِ عنبرِ بُوئے تو
 یا غلافِ کعبہ یا لیلِ استِ ایں
 یا شبِ وصلِ آمدہ شامِ استِ ایں
 آسمانِ گرمِ طوافِ کوئے تو
 یا مردِ دو ہفتِ شبِ جلوہ نما
 یا چمنِ ماہی کہ روشنِ برزین

یا خطِ تقدیرِ حقِ آگاہِ ستِ ایں
 یا سراپا لُوحِ اِلَّا اللہِ ستِ ایں

گیارھویں فصل آزمائش کی چاند گھڑیاں

یہ قدرت کا قانون ہے کہ ہر عروج و کمال کو اپنی ارتقا کی منازل میں ابتدا اور آزمائش کی شکل میں رکاوٹوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شہرت کا دور دورہ ہوا تو کسی طبقہ فکر میں رشک نے کودت لی۔ کہیں حسدیں بجیں ہوا، اور کہیں بغض و عداوت نے تعصب و الحاد سے رشتہ جوڑ کر سر اُجھانا شروع کیا۔

حضرت کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے

تلواریں برہنہ | ایک حاسد جان لینے کے درپے ہوا اور کئی جتن کیے مگر

دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست

پہلے ایک اُجرتی قاتل کو خنجر دے کر بھیجا جو موقعہ پا کر پلنگ کے نیچے چھپ گیا۔ آپ سجد میں عشاء کی نماز ادا کر کے واپس آکر پلنگ پر لیٹ گئے لیکن اُسے حملہ کی جرات نہ ہوئی۔ اتفاقاً کروٹ بدلتے وقت آپ کا بازو نیچے ٹک کر اُسے جا لگا جس پر وہ پسینہ پسینہ ہو کر جھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد یہ شخص کسی محبت میں مانوڑ ہو کر قید ہو گیا۔ کہا کرتا تھا کہ اس معاملہ میں بے قصور ہوں۔ البتہ حضرت پر حملہ کرنے کے اقدام کا نگہ کار ہوں۔ اور یہ سزا اُسی قصور کی ہے۔

ایک اور شخص برہنہ تلوار لے کر آیا۔ آپ درختوں کے نیچے چار پائی پر لیٹے تھے مگر جاگ رہے تھے۔ شیخ الجامعہ اپنے مسودہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے جب اُس شخص نے چار پائی کے برابر آکر تلوار اٹھائی تو میں نے خیال کیا بس ابھی اس دروہ سر کا قصہ تمام ہوتا ہے مگر دار نہ پڑا۔ میں نے اُسے کہا کہ بھئی اپنا کام کیوں نہیں کرتے جس پر تلوار پھینک کر وہ میرے قدموں سے پیٹ گیا اور رونے لگا۔

سالن میں زہر

ایک شخص ساگ کا سالن چاکر اور اُس میں زہر ملا کر لایا۔ آپ کو شبہ تو ہو گیا تھا مگر اُس کی دلجوئی کے لیے دو تین لقمے کھا لیے جس کی وجہ سے بعد میں اُس زہر کا معمولی سا اثر بھی ہوا۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے۔ مجھے شبہ تو ہو گیا تھا کہ اس میں زہر ہے لیکن اگر نہ کھاتا تو وہ لوگ شرمندہ ہوتے۔ نیز اُن کے ارادوں اور پیہم اقدامات سے زندگی بیچ معلوم ہونے لگی تھی۔ پھر خیال بھی آیا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ اگرقتل میں ابھی نہیں ہے تو اس زہر کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

آدابِ دل کی کیفیتیں عقل کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے شکست کے بعد ایک ایرانی جنرل نے گرفتاری کے وقت زہر بھانکنے کی کوشش کی مگر اُسے پکڑ کر ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور معاویہؓ حضرت خالدؓ

کے پیش ہوا۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر وہ زہر خود کھالیا اور فرمایا کہ موت اللہ تعالیٰ کی مشاقت قدرت میں ہے چنانچہ ان پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا یہاں بھی غالباً اسی قبیل کا کوئی تاثر مقصود تھا۔

جادو کا وار

پھر سری نگر کے ایک برہمن سے جادو کروایا گیا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ بے ہوشی کے دوڑے پڑنے لگے۔ اور آپ بے حس و حرکت پڑے رہتے۔ اس حالت میں کوئی مہینہ بھر گزر گیا۔ تو وہ دشمن جان خوشی میں آکر شیخی مارنے لگا کہ کشمیری پنڈت نے سر دھڑکی بازی لگا دی ہے صرف دس دن باقی رہ گئے ہیں ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ اگر ان کا کام تمام نہ ہوا تو وہ کہتا تھا کہ میں ختم ہو جاؤں گا۔ جب یہ بات مولیس نامی مجبوب عالم کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے حضرت کے کان میں چلا کر کہا کہ آپ پر ایک کشمیری پنڈت نے جادو کر کے معمولات دریا میں بہا دیئے ہیں۔ اور مخالفین بغلیں بجا رہے ہیں۔ بولوی مجبوب عالم یہ کہہ کر بے اختیار ڈھارس مار کر رونے لگ گئے۔ وہ کہتے تھے کہ میرا اس طرح رونا تھا کہ حضرت فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مرض کا آزار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان بن کر آیا ہے۔ کافر کا جادو مجھے نہیں مار سکتا، جاؤ تسلی رکھو۔

چاہ کن راجاہ دپیش

پھر معلوم ہوا کہ وہ کشمیری کافر اس اچانک شفا یابی کی اطلاع پا کر حضرت پیر حبیب شاہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گڑ گڑایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے معافی دلوا دیں یا خود نظر کرم اور توجہ فرمائیں۔ مگر انہوں نے فرمایا "تم نے ہمارے گوہر شب چراغ کو ضائع کرنا چاہا تھا۔ ہمارے پاس تمہارے لیے بھٹکار کے علاوہ کچھ نہیں ہے" چنانچہ وہ واپس سری نگر چلا گیا۔ جہاں پہنچ کر اپنے ہی سحر کی ناکامی کے رد عمل سے ہلاک ہو گیا۔ جادو کرانے والا بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ البتہ حضرت کے ایما پر اُس کی شخصیت ہمیشہ پردہ اخفاء میں رہی۔

قرابت داروں سے حضرت کا سلوک

بڑے پیر صاحب حضرت پیر فضل دین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال کے باعث متاہل زندگی اختیار نہ فرمائی تھی۔ انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے علاوہ کسی دیگر عزیز کو خلافت اور ارشاد خلق کے قابل نہ سمجھا تھا۔ اور حضرت ماشاء اللہ بڑے پیر صاحب کی حیات و موجودگی میں ہی مرجع خلافت ہو چکے تھے حضرت نے اس خیال سے کہ بڑے پیر صاحب کے زیادہ قریبی اعزاء کو یہ امر ناگوار نہ گزرے، بہت دیر میں اپنے نخیال یعنی قبضہ حسن ابدال میں سکونت پذیر ہونے کا قصد فرمایا۔ مگر بڑے پیر صاحب نے اجازت نہ دی۔ پھر قبضہ گولڑہ شریف سے کچھ دور ایک ڈیرہ پر رہائش اختیار فرمائی۔ مگر بڑے پیر صاحب نے کھلا بھیجا کہ میرے پاس آکر رہو ورنہ جہاں بھی تم رہو گے میں خود وہیں چلا آؤں گا۔ تمام عزیزوں کے ساتھ حضرت کا سلوک ہمیشہ مثالی رہا۔ آپ کے لنگر سے دیگر مستحقین کی طرح ان کو بھی مالی امداد ملتی رہی بلکہ شریف کے ساتھ متعلقہ درس کے علماء ان کے بچوں کی تعلیم پر بھی متوجہ رہے۔ اور آپ کا دست دعا ان کی دنیوی اور اخروی صلاح و فلاح کے لیے ہمیشہ دراز رہا۔ بڑے پیر صاحب کے بعد تقریباً تمام خاندان آپ سے بیعت ہوا اور ہر قسم کے دینی و دنیوی مفادات آپ کی بدولت ان کو حاصل ہوتے رہے۔ اگر کسی سے ظاہری یا اندرونی کدورت کا اظہار

بھی ہو تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مصداق اُس عزیز کو زیادہ سے زیادہ تر لطف و کرم سے نوازا۔ اور یہی حالت اب تک آپ کے فرزند ارجمند جناب بابو جی مدظلہ کے سلوک و شفقت کی ہے۔ صاحبین اُمت کو سنتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی میں اس ننگائے سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اسی سے ان کی ہر خاص و عام کی شانِ عظمتِ کردار اور قربِ بردگاری کی نشان دہی ہوتی ہے۔

بعض معاصرانہ چشمیں

اس دوران میں دیگر معاصرین کے علاوہ خود راہِ سلوک کی بعض محترم شخصیتوں کی جانب سے بھی بعض دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت کے علمی مناظرات کو مولویت کا طعنہ دیا گیا۔ آپ کے استغناء کو غرور سے، اور استغراق کو بے نیازی سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام غلط فہمیاں رفع ہو کر عداوتیں اور چشمیں اخلاص و نیاز میں تبدیل ہو گئیں۔

دُرد و شریف کبریتِ احمر میں جو اوراد و غوثیہ قادریہ کے معمولات میں سے ہے۔ اور خاندانِ چشت کے وظائف میں بھی شامل ہے۔ ایک جگہ قَاعِ شَوْشَبِ مِنْهُ الْقَفْرُ کسی طرح قَاعِ شَوْشَبِ تَحْرِیرِ یو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیال شریف کے عرس پر حضرت نے اس غلطی کی طرف توجہ دلائی تو بعض حلقوں میں اعتراض کیا گیا کہ اب پر صاحبِ گولڑہ شریف، اپنے مشائخ کے وظائف میں بھی علمی اصلاح کا زور شور دکھلانے لگے ہیں مگر حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایثار پر تحقیق کی گئی تو حضرت کی تصحیح درست پائی گئی۔ جس کی وجہ سے وظائف کی کتابوں میں اس کے مطابق اصلاح کر دی گئی۔ لغاتِ عربی (مجمع) کے مطابق قَاعِ شَوْشَبِ سرسبز ہونے کے معنی میں آتا ہے جس سے اس عبارت کا مطلب ہوتا ہے کہ صحرا سبز و زار بن گئے۔ اور غشب بعض کتب میں بمعنی قُلم ہے۔ فقیر نے عبارت درج ذیل ہے :-

وَأَنْزَلَتْ مِنَ الْمُنْزِلِ بِدَعْوَتِهِ فِي عَامِ الْمَحْضِلِ
وَالْجَذِبِ ذَائِلِ الْغَيْثِ وَالْمَطَرِ قَاعِ شَوْشَبِ
مِنْهُ الْقَفْرُ وَالصَّخْرُ وَالْوَعْدُ الْمَهْلُ وَالرَّمْلُ
وَالْحَجَرُ الْمَدْرُ۔

اور نازل فرمائی تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے
قحط اور خشک سالی میں مونسِ دُعا بارش۔ پس سرسبز ہوئی اُس
سے زمین سُکھی اور چھری اور کڑی اور نرم اور رگستان
اور تھپ۔ اور اینٹیں۔

ایک مرتبہ سیال شریف کے عرس کے موقع پر بعض صاحبان نے اعتراض کیا کہ دُوسروں کی طرح حضرت خود اٹھ کر قوال کو ویل کارویہ کیوں نہیں دیتے۔ اُس وقت قوال یہ مصرعہ پڑھ رہا تھا۔ ع

مَنْ ذَاتِ بَحْتٍ مَطْلَعَتْ مِنْ عَيْنِ مَنْ مَسْتَعْمِلٍ

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس اعتراض کے متعلق اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب سالک ایسے مصرعے میں مستغرق ہو تو اُسے ویل دینے کا ہوش ہی کہاں ہوتا ہے۔ صوفی کلام کی طرف متوجہ ہو یا اٹھ کر ویل دینے کی طرف۔ بعد میں فرمایا، تم لوگ ایک ایسے شخص پر اعتراضات کرتے ہو جس کے نزدیک زرخاں اور خرف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ روپے پیسے کی سنبھال اور دیکھ بھال خدام کے ذمہ ہے۔ وہی اٹھ کر ویل دے دیتے ہیں۔

شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر گوی کا اعتراض اور رجوع

جب حضرت نے قادیانیت کے خلاف شمس الہدایت کتاب شائع فرمائی تو معلوم ہوا کہ مولوی محمد ذاکر گوی نے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں چنانچہ جب آپ عرس کے موقع پر سیال شریف حاضر ہوئے تو حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد ذاکر سے فرمایا کہ پریشان کے سامنے اپنے اعتراضات بیان کرو اور جب حضرت نے مولوی صاحب کے تمام اعتراضات کا ثانی جواب دے دیا تو نہ صرف مولوی صاحب نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا بلکہ جب اگست ۱۹ء میں حضرت مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو مولوی صاحب آپ کے علمائے ہرکاب میں شامل تھے۔

جناب مولوی عبداللہ گڑھی افغاناں کا اعتراض و اصرار

اسی طرح جناب مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی افغاناں ضلع کیمبل پور نے بھی اس کتاب پر چند اعتراضات شائع کرائے۔ چونکہ ان کے عم بزرگوار جناب مولوی محمد فاضل، خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس لیے اس نسبت سلسلہ و خاندان کی رعایت سے حضرت نے ان اعتراضات کے جوابات تحریر فرما کر بجائے شائع کرانے کے براہ راست مولوی صاحب کو بھجوا دیئے۔ مگر جب اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی بعض مجالس میں ان اعتراضات پر اصرار کیا تو یہی خط جس میں حضرت نے جوابات تحریر فرمائے تھے، حضرت کے ایک مخلص جناب مولوی محمد چراغ چکوڑوی نے شائع کر دیا۔ ان اعتراضات و جوابات کی تفصیل حضرت کے مکتوبات مہر حشتیہ میں موجود ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ملاقات کے لیے سفر

حضرت کے کسی معاصر نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ پیر صاحب گولڑہ شریف دیوبند کے علمائے علم حاصل کر آئے ہیں۔ اور مولویوں کی طرح مرزا قادیانی سے الجھ پڑے ہیں۔ ورنہ صوفیوں کو مناظروں سے کیا واسطہ؟ نیز یہ کہا کہ دیوان صاحب اجمیری کے پیر بن کر اتر آگئے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان باتوں کا ذکر تونسہ شریف کے عرس پر حضرت ثانی سیالوی سے فرما کر غالباً یہ بھی کہا کہ آپ کے شاہ صاحب (یعنی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ) یہاں کبھی نہیں آئے حضرت ثانی نے سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے یہ سارے واقعات بیان فرما کر مشورہ کیا کہ کبھی تونسہ شریف بھی حاضری دے آئیں۔ کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کی طبع پر کچھ بار معلوم ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت نے کہا میں یہیں سے چلا جاتا ہوں۔ جولائی کا مہینہ تھا اور مجوزہ سفر بھی نہایت گرم علاقہ کا تھا مگر اس کے باوجود آپ فوراً روانہ ہو گئے حضرت ثانی نے ڈیرہ غازی خان میں اپنے ایک ارادت مند افسر نواب ملک خدا بخش ٹوانہ کو تار دیا جنہوں نے استقبال کر کے آپ کو ایک دن اور رات مہمان رکھ کر وہاں سے آگے گھوڑوں اور سائڈنیوں پر تونسہ شریف روانگی کا انتظام کر دیا۔ یہ سفر اس زمانہ میں کچھ غیر منظم سا تھا پہلی منزل صدر الدین کے محنت پر ہوئی۔ وہاں اگرچہ ڈاک بنگلہ تھا۔ مگر قرب و جوار میں کوئی یہ سفر اس زمانہ میں کچھ غیر منظم سا تھا پہلی منزل صدر الدین کے محنت پر ہوئی۔ وہاں اگرچہ ڈاک بنگلہ تھا۔ مگر قرب و جوار میں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور حضرت کے ہرکاب قریباً بیس اشخاص تھے مولوی محبوب عالم نے عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے آج فادرہ کے آب نے فرمایا اللہ کافی ہے چنانچہ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دور کے ایک گاؤں کے کچھ لوگ پکا پکایا پختہ کھانے لے کر پہنچ گئے اور

حضرت کے قافلہ نے شکم سیر ہو کر پلاؤں زدہ وغیرہ کھایا معلوم ہوا کہ ایک راسخو نے گزرتے ہوئے گاؤں والوں کو اطلاع دی تھی کہ پیر صاحب گولڑہ شریف آئے ہوئے ہیں۔ گویا اُس زمانہ میں بھی حضرت کے نام نامی کی شہرت ان دُور دراز علاقوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس جگہ بھی لوگ کثرت سے بیعت ہوئے۔ اور آئندہ مسندوں پر بھی۔ کیونکہ آپ کی آمد کی خبر آپ کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جاتی رہی۔ اگلی رات تین شاہنوازی کی دعوت پر اُن کے گاؤں میں قیام فرمایا اور اس طرح تیسرے چوتھے روز تونہ شریف جا پہنچے۔

ملاقات

تونہ شریف میں حضرت ثانی سیالوی اور نواب ملک خدا بخش کے اطلاع نامے پہنچ چکے تھے مگر کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ آپ کے پہنچنے پر تحصیل کے قریب والی سرائے میں جہاں عام لوگ ٹھہرتے تھے، آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا حضرت خواجہ اللہ بخش سے پہلی ملاقات سرسری طور پر نماز کے بعد ہوئی اور اُس میں رسمی سلام اور مزاج پرسی کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوئی۔ اگلے روز مجلس میں ملاقات پر حضرت خواجہ صاحب نے دریافت فرمایا: "سائیں کیوں آئے وئے؟" یعنی صاحب، کیسے آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا: "از خود نہیں آیا، بھیجا گیا ہوں۔" اور اپنے پیر زادہ کے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہوں۔ "خواجہ صاحب نے تعلیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا کچھ پڑھا ہے؟ اور کہاں سے پڑھا ہے؟ جب جواب دیتے ہوئے دورہ حدیث کے ضمن میں حضرت نے اپنے اُستاد مولیٰ سنا احمد علی سہارنپوری کا نام لیا تو خواجہ صاحب بولے: "وہ تو بہت بڑا دیوانی تھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے وہ بہت بڑے حنفی تھے۔ البتہ صوفیائے کرام کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ حضرت کے قادیانی مناظرات کے متعلق خواجہ صاحب نے اعتراض کیا تو حضرت نے فرمایا: میں اس امر میں معذور ہوں۔ کیونکہ جس طرح مرزائی دلائل دیتے ہیں۔ اگر کوئی اور صاحب علم اُن کی تردید کر سکے تو مجھے مناظرات کی کیا ضرورت ہے۔ بصورت دیگر میرا سکوت نامناسب ہے۔ اگر مسلمان ہی نہیں رہیں گے تو صوفیائے کرام تصوف کی تعلیم کسے دیں گے؟

پھر مولیٰ رحمت اللہ مہاجر کی اور دیوان غیاث الدین اجمیری کی بیعت کا ذکر کیا جب خواجہ صاحب نے مولیٰ سنا رحمت اللہ کے ساتھ حضرت کی ندائے یارِ رسول اللہ پر گفتگو کی تفصیل سنی تو ازراہ انکسار فرمایا۔ شاہ صاحب، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہمارے ساتھ تو عرب شریف میں جب کبھی مزارات پر بوسہ اور سلام کی بحث کی نوبت آئی، تو ہم صرف یہ شعر پڑھ دیتے تھے:

از خد اجویم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لطیف ادب

اس پہلی مجلس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت کا سامان سرائے سے دیوان خانہ میں منتقل کیا گیا اور کئی مستم کے مشروبات اور فوگہات مہیا کیے گئے۔ نیز حسبِ اہم خاص آپ کی تواضع پر مقرر ہوئے آپ نے پانچ روز تونہ شریف میں قیام فرمایا۔ اور ہر روز جناب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علم و عرفان کی صحبتیں رہیں۔

ایک مجلس میں حضرت غوث الاعظم کا قول شریف قد می ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ (میرا ہستم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے) زیر بحث آگیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: ہم تو اپنے پیرانِ عظام پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ حضرت پیرانِ پیر کا یہ فرمان کچھ اس قسم کا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک لاڈلا بچہ بزرگوں کی مسند پر بیٹھنے کے لیے ضد کرے اور وہ پیار کی وجہ سے اُس کے لیے اپنی کمرسی خالی کر دیں۔

جناب شیخ الجامعہ جندون نے اس ملاقات کی پوری تفصیل اپنے مسودات میں قلمبند کی ہے اس مقام پر لکھتے ہیں:-

یہاں حضرت کو قہر سے جوش سا آگیا اور آپ کی رگ ہاشمی پھڑک اُٹھی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت

غوث الاعظم کا یہ قول شطیحات کی قسم سے تھا جو عالم سکریں اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ نے مُسَبِّحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی کہا تھا اور بعد میں ہوش آنے پر توبہ کر لی تھی۔ یا انتخابؒ نے یہ کلمات بقائمی ہوش و حواس ارشاد فرمائے اور ہمیشہ ان پر قائم رہے۔

پھر حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے فتوحات مکیہ، ہجۃ الاسرار، نفحات الانس اور عربی فارسی کی دیگر کئی معتبر کتب کے حوالہ جات سے اور حضرات شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عجب الرحمن جامی رحمہم اللہ کے کلمات نظم و نثر سے ثابت فرمایا کہ حضرت غوث الاعظمؒ اس فرمان کے لیے مجانب اللہ مامور تھے۔ اور یہ چیز بھی متصور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جملہ اولیاء اللہ پر آپ کی فضیلت واضح کرنا منظور و مطلوب ہو۔ اس فضیلت پر متقدمین و متاخرین ہر زمانہ میں متفق چلے آئے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری نے حضرت غوث الاعظمؒ کا یہ ارشاد گرامی سن کر کہا تھا "بَلْ عَلٰی رَأْسِیْ دَعِیْنِی (بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر) اور موجودہ دور میں حضرت شیخ احمد سرمدی اپنے مکتوبات شریف میں حضرت غوث الاعظمؒ کے اس دائمی اور عالم گیر منصب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر ولی اللہ کو آپ ہی کی وساطت سے نعمت ملتی ہے۔

حضرت نے اس ضمن میں ایک ولی اللہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا جنہوں نے گردن تو جھکا دی تھی مگر خیال گزرا کہ میں حضورؐ کی خاص میں ہوں۔ اس کے باوجود شیخ عبدالقادر کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر حضرت غوث الاعظمؒ نے اُس کے خیال سے مطلع ہو کر اُسے کہلا بھیجا کہ میں حضورؐ کی خاص الخاص اور مقام مخدع میں رہتا ہوں جہاں سے میں تمہیں دیکھتا ہوں لیکن تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاں وقت پر بارگاہ الہی سے تمہیں جو خلعت عطا ہوئی تھی۔ اور جس کی کیفیت سورۃ فاتحہ پر مبنی تھی وہ میرے ہی ہاتھوں تم نے وصول کی تھی۔

اس مسئلہ پر ۳۳۱ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے کتاب "انوار قادریہ" پر تقریظ تحریر فرما کر مفصل بحث کی تھی جس کی نقل باب اول کتاب ہذا میں آپ کی ہے۔

حضرت شیخ الجامعہ نے حضرت خواجہ محمود تونسویؒ کی زبانی سید نجیب علی احمد پوری کے حوالہ سے روایت تحریر کی ہے کہ حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا کہ غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا ارشاد ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی نے فرمایا ہے بر شیراں شرف دارد سگ در گاہ جیلانی "مگر میں کہتا ہوں کہ بر پیراں شرف دارد سگ در گاہ جیلانی" تو نہ شریف سے واپسی کے وقت حضرت خواجہ اللہ بخشؒ نے حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی سواری کے لیے اپنا خاص گھوڑا عنایت فرمایا اور اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ اس ملاقات کی کامیابی سے حضرت ثانی سیالویؒ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے اراد مندوں اور خیر خواہوں کو بے حد مسرت ہوئی۔

تونسہ شریف کی ان پر کیفیت صحیحہ کے باعث حضرت قبلہ عالم کے اجاب کرام میں ایک اور پیر زادہ صاحب کا اضافہ ہوا۔ جو حضرت خواجہ اللہ بخشؒ کے منجھلے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی جن کے صوری، ذہنی اور روحانی محاسن نے دربار تونسوی میں ارشاد کی ایک الگ مسند بچا دی اور ہدایت کا ایک اور چراغ روشن کیا۔ مکتوبات طبیات یعنی مہرِ حقیقیہ میں حضرت کے ساتھ ان کی خط و کتابت کے متعدد دِل افروز مرقعے نظر آتے ہیں۔

بارہویں فصل

حضرت کے مقررہ اور تنگامی سفر

پاک پتن شریف کے سفر میں مقامات قیام

حضرت قبلہ عالم قدس برفہ فرمایا کرتے تھے کہ سفر سے میری غرض ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللہ یا اہل اللہ کی زیارت ہو کرتی تھی۔ ان دو مقاصد کے علاوہ مجھے سفر پسند نہیں تھا۔ سال بھر میں آپ کے صرف دو سفر مقرر تھے جو بھر کسی خاص عذر کے نہایت باقاعدگی سے انجام پاتے تھے۔ ماہ محرم کے پہلے ہفتہ میں آپ اپنے صابری و نظامی حشمتی سلاسل کے سرخیل شیخ اکبر اور سید الطائفین حضرت بابائے بدیع الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر پاک پتن شریف جایا کرتے اور ماہ صفر کے چوتھے ہفتہ میں اپنے مرشد طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں بمقام سیال شریف ضلع شاہ پور سرگودھا حاضر شرکت فرمایا کرتے تھے۔

جب پاک پتن شریف کو جانے والی ریلوے لائن ابھی تیار نہیں ہوئی تھی تو ساسی وال منظمی تک ریل میں سفر کر کے آگے ٹانگوں میں جایا کرتے تھے مگر ریلوے لائن کے تیار ہو جانے کے بعد کبھی براستہ لاہور و قصور اور کبھی براستہ گندیاں مظفر گڑھ ملتان و لودھراں تشریف لے جاتے۔

گندیاں کی طرف سے ریلوے سفر میں میاں شیخ احمد گروانی سکنا ٹھٹھہ محبوب ضلع مظفر گڑھ، نواب عبداللہ خان سکنا خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، حاجی میاں امام بخش سکنا ملتان، میاں محمد بخش گھوٹہ اور حضرت سید محبت روم صدر الدین شاہ گیسلانی سجاد نشین حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ (دربار پیران پیر ملتان) کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن شاہ عالم پر بالعموم مولوی نور محمد اور قتل کے دیگر مخلصین کے استفادہ کے لیے ایک دن اور رات قیام فرماتے۔ جناب شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ میاں شیخ احمد گروانی کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ کے لیے ضلع مظفر گڑھ کا قیام ترک ہو گیا تھا۔ مگر میاں محبوب علی اور میاں مشتاق احمد گورمانی کے پاک پتن شریف حاضر ہو کر استدعا کرنے پر آپ پھر وہاں تشریف لے گئے اور سبق میں سورۃ البیل کی تفسیر فرما کر حضرت حدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ایسے استدلال قائم کیے کہ حاضرین میں سے جو افراد شیعیت کی طرف مائل تھے راہ راست پر آ گئے۔ قصور کے استاد ایسی بیڑیاں کے نواب شہباز خان و فتح باز خان کی دعوت مقرر تھی اور لاہور کے مخلصین میاں محمد دین وغیرہ کے یہاں بھی ایک آدھ روز قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ علاقہ پیر محل میں مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیدر میاں کے مزار واقع موضع قاضی غالب پر تشریف لے گئے کیونکہ ان کی اولاد میں سے بعض مخلصین نے حضرت دیوان سید محمد کے ذریعہ سفارش کرائی تھی اس موقع پر جناب سید قطب شاہ سکنا سندیلوانالی نے بھی آپ کی دعوت کی تھی۔

سفر سیال شریف کے دوران مقامات قیام

سیال شریف کے سفر میں عموماً بذریعہ ریل خوشاب پہنچ کر سردار بہادر خان بلوچ کے یہاں ایک رات قیام رہتا۔ اگلی صبح کشتی میں سوار ہو کر دریا کے راستے نواب میاں محمد حیات قریشی کے ہاں صابووال تشریف لے جاتے اور ۲۲ صفر کو سیال شریف پہنچتے۔ ۲۴ کو عرس کے گزرنے پر بالعموم میاں محمد خان لاہری کوٹ چو غلط میاں محمد و ان کے صاحبزادے نواب محمد حیات قریشی سکند صابووال۔ رانا شہادت خان مانگووال سردار نبی بخش میمن چاک ۵۹ شمالی۔ مہر عبد الرحمن و مہر جہان داد خان لاک سکند ڈیرہ سادہ لاک چوہدری ولی داد و زیاد بخش لاک سکند سکیسر۔ مہر صاحب داد خان، ولی داد خان، برخوردار خان بلوچ مقل شاہ۔ سید علی حسین شاہ سید محمد شاہ، مولوی فضل حق، میاں جلال قصاب (شاہ پور)۔ چوہدری راجے خان شاہ پور صدر۔ میاں سردار بخش نگیانہ کالووال اور لاک سر محمد حیات خان، ناصر حیات خان ٹوانہ کالہ کے ہاں ایک ایک وقت یا دن رات قیام فرماتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے۔ واپسی کے لیے اکثر جہلوال یا جہلم ٹیشن سے ریل گاڑی پر سوار ہوتے بعض اوقات چکوری شریف ضلع گجرات، وزیر آباد، گوجران وغیرہ میں قیام فرما کر مخلصین اور مخلوق خدا کو مستفید فرماتے تھے۔ اس طرح اس سفر میں کبھی ایک ایک مہینہ تک گزر جاتا۔ سیال شریف سے واپسی پر عموماً راولپنڈی میں بھی کچھ قیام فرماتے اور عصر کے بعد ٹوپی رکھ جھنگ کی طرف جایا کرتے۔ ۱۹۱۴ء میں اس سفر سے واپسی پر بھیرہ بھی تشریف لے گئے اور میراں سید محمد احمد رحمۃ اللہ کے مزار کی زیارت کی۔ مزار شریف پر قدموں کی طرف ہاتھ رکھا اور مجلس میں فرمایا کہ مجھے حضرت ثالث سیالوی (خواجہ ضیاء الدین) نے بتلایا ہے کہ حضرت میراں صاحب بھی وحدت الوجود کا مسلک رکھتے تھے۔ اس سفر میں ایک مرتبہ علاقہ سون کوستان منک میں بھی تشریف لے گئے وہاں بے شمار لوگ جمع ہوئے اور ایک قریبی موضع نلی کا مشہور مجذوب حضرت میاں بندی جو خود مرجع خلافت تھا اپنے گوشہ تنہائی سے نکل کر آپ کی پیشوائی کے لیے آگیا ایک بانس پر کپڑا باندھ کر بطور علم ہاتھ میں لے رکھا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی سواری کے جلوس سے آگے آگے نعرے لگا رہا تھا کہ "لوگو جہان واپس آئے" یعنی اے لوگو تمام عالم کا پیر آ رہا ہے۔

میاں بندی مجذوب کا آپ کے نام خط

سیال شریف کے قیام کے دوران ایک مرتبہ ایک شخص ان مجذوب حضرت میاں بندی کا ایک خط حضرت کی خدمت میں لایا۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو کاغذ پر ایک کوئلہ سے چند ٹیڑھی سیدھی لکیریں ڈالی ہوئی تھیں بعض خدام نے عرض کی کہ حضرت یہ تو لکیریں سی پڑی ہوئی ہیں۔ فرمایا اس تحریر کو پڑھنے کے لیے نوبہ عرفان کی ضرورت ہے۔ پھر خط لانے والے شخص سے فرمایا۔ تم لوگ فقیروں کے پاس اس لیے جاتے ہو کہ کسی خوبصورت عورت کا خاوند مر جائے یا اسے طلاق ہو جائے اور تم اسے اپنی بیوی بنالو وہ روپڑا اور کفن لگا حضرت عشق نے دیوانہ کر رکھا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اسے ایک تعویذ دیا اور عافمانی کا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اپنی طرف پھیر لیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی اور ایک صاحب مزار کی خط و کتابت

یہاں حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ پرسی سے خالی نہ ہوگا۔ ان کے کسی طالب علم نے دہلی کے قریب

ایک میل پر جانے کی اجازت مانگی جو کسی غیر معروف بزرگ کے مزار پر لگتا تھا۔ آپ نے فرمایا وہاں ہوا و لعب اور ناچ گانے کا سلسلہ رہتا ہے کیوں جاتے ہو۔ اُس نے اصرار کیا تو آپ نے ایک رقعہ لکھ دیا کہ اسے مزار پر رکھ دینا۔ اس طالب علم کو میل کی حدود سے باہر ہی ایک درخت کے نیچے ایک کھل پوش فقیر بیٹھا ہوا ملا جس نے کہا کہ لاؤ وہ کاغذ جو تمہارے مولوی صاحب نے بھیجا ہے چنانچہ وہ کاغذ لے کر اُس نے ایک ٹھیکری پر کوٹے سے کچھ نشان لگائے اور کہا فوراً واپس جاؤ اور یہ ٹھیکری اپنے مولوی صاحب کو دے دینا۔ چنانچہ اُس لڑکے پر ہیبت سی طاری ہو گئی اور وہ میلہ دیکھے بغیر ہی وہیں سے لوٹ آیا اور ٹھیکری حضرت شاہ صاحب کے پیش کی شاہ صاحب ٹھیکری پر نظر ڈال کر منہس پڑے اور حاضرین کی دریافت پر فرمایا کہ ہم نے صاحب مزار کو لکھا تھا کہ بزرگ ہو کر اتنا تصرف نہیں رکھتے کہ لوگوں کو اُس بدعت سے روکیں جو وہ آپ کی قبر پر کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے درس کے ایک شاگرد لڑکے کو نہیں روک سکے تو میں خدا کی اتنی مخلوق کو کیسے روک سکتا ہوں۔ اور میرا کیا ہے میں تو یہاں باہر نکل کر بیٹھا ہوں خالی قبر پر جو چاہیں کرتے رہیں۔

بعض ہنگامی سفر

ان مقررہ سفروں کے علاوہ اس زمانہ ارشاد میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے کئی ہنگامی سفر بھی کیے۔ اپنے پیرواروں اور بعض دیگر مشائخ کی اولاد اور بعض اوقات اپنے کسی خاص مخلص کی شادی غمی کی تقریب میں شرکت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

اسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اشارہ

اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر کے لیے چیف کوشنر نے چندہ کی اپیل کی، تو میاں عبدالرحیم نے حضرت کی خدمت میں عرضہ لکھا کہ کالج میں طرز تعلیم انگریزی اور غیر اسلامی ہوگی، چندہ دینے سے دل گھبراتا ہے اور چیف کوشنر کو انکار کرنا بھی مشکل ہے آپ تو جہ فرمائیں آپ نے دعا فرمائی اور لکھا کہ مطمئن رہو۔ جو کچھ پردہ غیب سے ظاہر ہوگا ہمت ہوگا۔ خط ملتے ہی سٹیجی صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ کالج میں مسجد تعمیر کرانے کی پیش کش کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اُسے بخوشی قبول کر لیا گیا چنانچہ سٹیجی صاحبان نے کالج کی عالیشان مسجد تعمیر کروادی۔

پشاور میں حضرت اخوند درازندہ صاحب کے مزار پر

سٹیجی کریم بخش بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ سفر پشاور کے دوران حضرت اخوند درازندہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے لیے تشریف لے گئے۔ قریب پہنچ کر بہت تیز قدموں سے چل کر مزار پر پہنچے۔ بعد میں میرے اصرار پر فرمایا کہ اخوند صاحب مزار سے نکل کر میری ملاقات کے لیے آ رہے تھے اس لیے میں نے احترام کی غرض سے پیش قدمی کی۔

ایک ایسا ہی واقعہ علاقہ سون میں حضرت کے ایک مخلص شاگرد مولوی بیدل صاحب مرحوم کا ہے۔ جب اشنائے سفر آپ اُس کی قبر پر بغرض فاتحہ تشریف لے جانے لگے تو ایسا معلوم ہوا کہ آپ ہاتھ کے اشارے سے اُسے ہدایت کر رہے ہیں کہ اپنی جگہ پر رہے۔ بعد میں آپ نے بعض مخلصین کے اصرار پر فرمایا کہ اس کی نسبت اتنی قوی ہے کہ میں نہ روکتا تو باہر نکل کر ملاقات کرتا۔ اس قسم کے واقعات ان لوگوں کے لیے جو عالم مثال اور حیات برزخی سے خبر رکھتے ہیں بعید از قیاس نہیں۔ حضرت شیخ

احمد رفاعمیؒ اور حضرت جلال الدین بخاریؒ سے متعلقہ ایسے ہی واقعات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب التوحہ مصنفہ علامہ ابن قیمؒ اور شرح الصدور مصنفہ علامہ سیوطیؒ ملاحظہ ہوں۔

ایک بار آپؒ غالباً ۹۲۴ھ میں پاک پتن شریف کے سفر کے دوران بہاول پور بھی تشریف لے گئے۔ نواب صاحب بہاول پور جن کو اُس وقت تک بوجہ کم سنی سرکار انگلشیہ کی طرف سے اختیارات تفویض نہیں کیے گئے تھے، آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نماز جمعہ آپؒ کے ساتھ پڑھی۔ قاری غلام محمد صاحب پشاور نے خطبہ جمعہ پڑھایا۔ جس میں نواب صاحب کے لیے دعائیہ کلمات بھی پڑھے گئے۔ حیدر آباد دکن کے نواب ولی الدولہ جو بہاول پور میں مقیم تھے اسی موقعہ پر بیعت ہوئے اور بعد میں گولڑہ شریف بھی حاضر ہوئے۔

پیران کلیر کے سفر کے حالات باب مسنطرات میں منقول ہیں۔ اور سفر بھوپال کے حالات باب سیر و سلوک میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ علی گڑھ بھی اپنے استاد مولینا لطیف اللہ صاحب کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جس کی تفصیل باب دوم میں گزر چکی ہے۔

تیرھویں فصل

تنظیم اوقات اور شمائل و خصال

شیخ الجامعہ صاحب کی قلمی یادداشت سے اقتباس

حضرت کے اوقات مشاغل اور بعض شمائل و خصال کی تفصیل جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنی قلمی یادداشت میں اس طرح بیان کی ہے :-

اشتغال :- ہمیشہ ذکر و شغل اور ارشاد و مخلوق میں وقت صرف فرماتے تھے۔ فجر کی نماز کی سنتیں پڑھ کر حجرہ شریف سے مسجد میں تشریف لاتے۔ مسجد میں امام کا انتظار فرماتے۔ جب کبھی امام صاحب بوجہ بارش یا بیماری کے نہ آ سکتے تو کسی دوسرے قابل امامت مخلص کو امام بنا لیتے۔ بعد ازاں ایسی نماز فرض آیتہ الکرسی اور شہید جان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر پڑھ کر نماز کا کرتے تھے۔ پھر ذکر جہر فرماتے اور تین چار بار کلمہ شریف پڑھ کر دوبارہ دعا فرماتے۔ پھر مکرر ذکر کلمہ شریف بالجہر فرما کر تیسری دفعہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اُس کے بعد عادت مبارک تھی کہ دس بجے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ کبھی شغل مسجد میں ہی ادا ہوتا اور کبھی حجرہ شریف میں۔ اس شغل کے دوران کسی کے ساتھ کلام نہیں فرماتے تھے۔ ویسے بھی آپ کا قدرتی رعب ایسا تھا کہ کسی کو بے تکلف ہو کر گفتگو کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ صبح کے ان اُردو کے دوران خاص طور پر کوئی بغیر اجازت آپ کے نزدیک نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ بعض وظائف کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ پاس بٹکنے والے کے مجنون ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ارشاد و تلقین :- ساڑھے دس گیارہ بجے دن حجرہ سے باہر دیوان خانہ میں تشریف لاتے۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنے عرائض پیش کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس دوران ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور مخلصین سے سلسلہ حکم بھی۔ تقوید اور دم بھی جاری رہتے اور بعض اوقات اسباق کا شغل بھی شروع ہو جاتا۔ مثنوی شریف مولانا سے رُوم، فتوحات مکیہ، مثنوی الخکم، بخاری شریف، شرح جہنمی، مختلف کتابیں میں نے آپ کو اس مجلس میں پڑھاتے دیکھا ہے۔ بارہ یا ساڑھے بارہ بجے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اور تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرما کر اُٹھا کرتے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کر کے اول وقت نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ظہر کے بعد حجرہ شریف میں جا کر ذکر الہی میں مشغول رہتے مگر اُس وقت اگر کوئی آدمی کچھ عرض کرنا چاہتا تو اُسے اجازت ہوتی تھی بلکہ بعض دفعہ مخصوص لوگوں کی مختصر سی خاص مجلس بھی منعقد ہو جاتی تھی۔ پھر اُسی وضو سے نماز عصر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ نماز عصر کے بعد اپنے سامنے ختم شریف خواجگان چشتیہ و قادریہ پڑھواتے اور ایصال ثواب کے لیے راولپنڈی کے ایک نوجوان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ ہوا۔ اسے حضرت نے فرما دیا تھا کہ وقت بے وقت دیکھ کر آیا کرو مگر وہ حضرت کا کرم دیکھ کر بے تکلف ہو گیا اور ایک رات حضرت کے قدم شغل کی حالت میں چلا گیا۔ آپ نے ہوں ہوں کر کے روکا مگر وہ نہ رکا۔ کہہ کے اندر قدم رکھتے ہی کسی تھلی کی زد میں آ کر دیوا ہو گیا۔ پہلے دروازہ چپ چاپ روتا رہا کبھی آنا کہنا نہ بھول ہو گئی۔ پھر زبان بند ہو گئی۔ حضرت سے دعا اور دم کرواتے رہے مگر فائدہ نہ ہوا۔

بعد مسجد سے نکل کر کبھی حجرہ میں چلے جاتے اور کبھی سرائے سے باہر اصطبل کے سامنے والے چبوترے پر جا کر گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تین چار میل دور بستی میرا باد یہ تشریف لے جاتے یا کبھی اُس سے بھی آگے۔ نماز مغرب اور نماز عشاء باہر ہی ادا کرتے اور وہیں ذکر و شغل جاری رہتا۔ کافی رات گئے واپس آ کر کھانا تناول فرما کر سو جاتے۔ تہائی رات باقی رہے پھر سید دار ہو کر تہجد کی تیاری فرماتے اور وضو کے بعد سبز چائے نوش فرماتے۔

رمضان شریف کے اوقات :- رمضان شریف میں مغرب اور عشاء کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے اور عصر کے وقت سواری کا دستور ترک ہو جاتا۔ تراویح میں ہر روز صرف سوا پارہ قرآن شریف سنا کرتے مقتدیوں کی رعایت مد نظر ہوتی تھی نماز فجر کے بعد اپنے والد ماجد کے مزار پر بیٹھا کرتے اور وہیں واپس جانے والوں کو رخصت فرماتے۔ اسی طرح ظہر کی نماز کے بعد بھی وہیں پریشست ہوتی۔

تلقین ذکر حسب استعداد فرماتے تھے بعض اشخاص کو بیعت کے بعد دس بار کلمہ شریف، دس دفعہ درود شریف اور دس دفعہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھنے کی تلقین فرماتے اور بعض کو صرف پہلے دو امور کا ارشاد فرماتے تھے۔ تلقین نہایت نرمی اور آہستگی سے فرماتے جب دس دفعہ کلمہ شریف کا امر فرماتے تو زبان سے کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ بھی پڑھتے تھے۔ درود شریف کا ارشاد ہوتا تو درود شریف پڑھتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ بعض لوگ عرض کرتے کہ سیدنا محمد پڑھیں یا نہیں؟ آپ فرماتے کہ مجھے یونہی ارشاد ہوا ہے جیسا میں نے بتایا بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور سیدنا کا ملا نا لازم ہے۔ یہ درحقیقت اُن کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے حضرت کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ سیدنا کہنا ممنوع ہے۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ مجھے اپنے بزرگوں سے اسی طرح پہنچا ہے۔ یہ سلسلہ مسلم ہے کہ اوراد میں تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے :-

”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَيْتَ مَضْجِعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ إِلَيْكَ وَفَوَضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَالْجَنَاتِ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اللَّهُمَّ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مِتُّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ - وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَكَلَّمُ بِهِ قَالَ فَرَدَّ ذَنْهُمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتَ اللَّهُمَّ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ قَالَ لَا وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ“

علامہ عینی حاشیہ بخاری میں فرماتے ہیں: ”إِنَّ الْفَاطَ الْأَذْكَارَ تَوْقِيفِيَّةٌ فِي تَعْيِينِ اللَّفْظِ وَتَقْدِيرِ النَّوَابِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ“

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازبؓ کو ایک عمل ارشاد فرمایا کہ جب اپنے بستر پر بیٹھے لگو تو پہلے نماز کا وضو کرو۔ پھر دائیں کروٹ لیٹ کر یہ پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ الْوَجْهَ صَاحِبِی فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا جب میں بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ پر پہنچا تو کہا وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ وَنَبِيِّكَ الَّذِي پڑھو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ وظائف اور اوراد کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں۔

جو لفظ رہنما بتائے اُسے بدلنا جائز نہیں۔ چونکہ درود شریف کی روایت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اُس میں سیدنا کا کلمہ وارد نہیں۔ اسی بنا پر حضرت سیدنا کا کلمہ نہیں پڑھاتے تھے اور یہ اتباع سنت تھا جو آپ کا اور حنا اور بھوننا تھا۔ اتباع سنت میں جو شغف حضرت کو تھا بہت کم لوگوں میں دیکھا گیا۔

جس شخص کو اہل پاتے کچھ دوسرے وظائف اور شغل بھی فرما دیتے۔ ایک دفعہ قاری صاحب حضرت سے بہت سے اوراد اور وظائف کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا اور رمضان المبارک کا مہینہ میں نے از روئے مذاق کہا کہ قاری صاحب آپ نے اتنے سارے وظائف پڑھتے تو میں نہیں کیوں اس گرمی میں حضرت کو تکلیف دے رہے ہو۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: تکلیف مجھے دے رہا ہے تمہیں تو نہیں دے رہا۔ تم کیوں دخل در معقول دیتے ہو؟

عادت مبارک تھی کہ باتیں بہت کم کرتے تھے مجلس میں بیٹھتے تو بھی فکر میں مشغول رہتے۔ یقین و تدبیر کے دوران بھی ذکر جاری رہتا تھا۔ کسی نے کوئی عرض کرنا چاہی آپ نے اجازت فرمائی۔ وہ بیان کرتا رہتا آپ سُنتے بھی رہتے اور تسبیح بھی چلتی رہتی۔ اُس نے عرض ختم کی۔ آپ نے جواب استاذ فرمایا اور تسبیح پھر شروع ہو گئی خیر الکلام ماقول و دل کا عجیب نمونہ تھا۔ میں آدھ آدھ گھنٹہ ایک بات عرض کرتا رہتا۔ آپ سن کر ایک دو لفظ فرما دیتے جو سب کا جواب ہوتا تھا۔

متعلقین سے وفاداری کا معاملہ

حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنے متعلقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے ہمیشہ انہیں نصیحت اور خیر خواہی سے نوازتے۔ اُن کے حالات دریافت فرماتے۔ اُن پر اس قدر نوازش فرماتے کہ لوگ آپ کو محض پیر نہیں بلکہ اپنا ملجا و مادی اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کشادگی، ہر درد کی دوا، ہر تکلیف کا مداوا حضرت کی ذات تھی۔

ایک دفعہ مجھے عرق النساء کی تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ چار پائی سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی۔ کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اُنہی دنوں حضرت کو پاک پتن تشریف لے جاتے ہوئے ٹھٹھہ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر حضری میری عادت مستقر تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال طلبہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں وہاں حاضر ہوئی تو حضرت نے استفسار فرمایا: تمہارا مولوی کہاں ہے؟ انہوں نے میری حالت بیان کی۔ آپ نے اُسی وقت میاں شیخ احمد مرحوم کو فرمایا کہ ایسے موت کی سات تاخیر لاؤ جس کے کاتنے والی عورت کا باپ اور خسر و نو زندہ ہوں۔ وہ منگو کر اُن پر دم کر کے اور چند گانٹھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا کہ انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔ اتفاقاً مجھے اُس شام نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت گلہ اس اور بوتل ہاتھ میں لیے مجھے دوا پلا رہے ہیں۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ چند منٹ بعد پھر نیند آگئی۔ اور دوبارہ وہی حالت دیکھی۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گونڈ طاقت بھی آگئی ہے۔ فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دوسرے روز صبح کے وقت سداواں ریلوے اسٹیشن پر حضرت کی قندوبوسی کے لیے کھڑا تھا حضرت تشریف لائے تو دُور ہی سے فرمایا: سنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو۔ میں نے عرض کیا: آپ نے بے توہی جو فرمائی تھی بیمار کیوں نہ ہوتا؟ فرمایا: کیا تو مجھ سے نہیں کی باتیں نے عرض کیا: تو بیمار کیا میں حاضر نہیں ہو گیا؟

معانین سے حسن سلوک

مخلصین سے زیادہ معانین کے ساتھ حسن سلوک کی عادت کر لی تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ایک روپیہ نذر رکھ کر مناسب مہتم پر بیٹھ گئے۔ جب نذر بردار نذر اٹھانے کے لیے آیا تو آپ نے غلاب عادت اُسے فرمایا کہ اس روپیہ کو پڑا رہنے دو جب تمام لوگ اپنی حاجات پیش کر کے چلے گئے تو اُن صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ہیں۔ اُنہوں نے عرض کی کہ فلاں تحصیلدار جو آپ کا مخلص ہے اُس کی طرف سفارش نامہ لکھوانا ہے۔ آپ نے کاغذ قلم منگو کر اپنے ہاتھ سے اُن تحصیلدار کی طرف خط لکھ کر انہیں دیا اور ہدایت فرمائی کہ یہ خط انہیں گھر پر جا کر دیا جائے کچھری میں نہیں۔ جب وہ صاحب اُنہوں نے لگے تو فرمایا یہ اپنا روپیہ بھی لیتے جائیں۔ اُنہوں نے بہت معذرت کی مگر آپ نے اصرار فرمایا چنانچہ وہ روپیہ لے کر چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد میں نے روپیہ کی واپسی کا سبب پوچھنے کی جرأت کی۔ فرمایا کہ یہ ہمیشہ مجھے بُرے الفاظ سے یاد کیا کرتا ہے اور معاند ہے۔ اب ضرورت کے وقت اُس نے یہ خیال کر کے روپیہ پیش کیا تھا کہ اس سے سفارش نامہ لکھوانے میں مدد ملے گی میں نے اس لیے روپیہ واپس کر دیا اور سفارش نامہ بھی خود لکھ کر دیا۔

سخاوت بہت پوشیدہ طور پر کرتے۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ملنے والے رخصت ہو کر چلے گئے میں اکیلا پاس بیٹھا تھا۔ مجھے قریب بلا کر ایک کاغذ کی پتیلی سی دی کہ اُس شخص کو دے دو جو لنگر کے دروازہ پر کھڑا ہے میں جا کر دے آیا۔ میں اُسے پہچانتا نہیں تھا مگر کوئی سفید پوش حاجت مند معلوم ہوتا تھا۔

دنیا سے بے توجہی

دنیا کی طرف سے بے توجہی حضرت کی ذات مبارک کا خاصہ تھا۔ مسجد میں حضرت اجمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مختلف اوقات میں بیٹھا کرتے۔ زائرین کی طرف سے نذرانہ اور ہدایا کا سلسلہ بارش کی طرح جاری رہتا۔ لیکن جب آپ اٹھ کر تشریف لے جاتے تو ادھر اٹھ اٹھا کبھی نہ دیکھتے اور میاں محمد صاحب یا کوئی دوسرا بزرگ اُن نذرانوں کو اٹھا کر غلام محمد صاحب لانگری کو دے آتا۔ اسی طرح سفر میں بعض اسٹیشنوں پر گاڑی رکنے کے دوران یہی کیفیت ہوتی تھی آپ کی طرف سے کوئی حساب یا نگہداشت ان چیزوں کی نہیں ہوتی تھی۔ جو کچھ اکٹھا ہوتا لانگری اپنے پاس رکھتا اور لنگر وغیرہ پر خرچ کرتا رہتا۔

دوستی اور دشمنی کے متعلق نظریہ

جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنے قلمی مسودات میں حضرت کی ذات اور خاندان کے ساتھ غلط فہمی یا حسد کی بناء پر لوگوں کی مخالفت اور پرخاش کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بتانا ہے کہ دوستی اور دشمنی کے متعلق اس گھرانے کا نظریہ کچھ مختلف ہے۔ ان کی نظروں میں اصل دشمن انسان کا اپنا نفس ہے اور اصل دوست اللہ تعالیٰ کی ذات۔ یہ اپنا وقت نفس پر فتح حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوست اور دشمن ہمارا دوست ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ اس بارہ میں اپنے والدِ کریم کے ارشادات کی وضاحت میں فرمایا کرتے ہیں کہ جنہیں تم لوگ ہمارا دشمن

سمجھتے ہو وہ ہمارے لیے فائدہ کا موجب بنتے ہیں۔ تمہاری قصیدہ گوئی اور مبالغہ آمیز تعریف میں فتنہ میں مبتلا کرتی ہے اُس کے برعکس دشمن ہمارے نقائص اور عیب گنوا تا ہے۔ اگر درست ہوں تو ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر غلط ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ دشمنوں کی ایذا رسانی پر ہم صبر کرتے ہیں اور اجر پاتے ہیں۔ باوجود اُن کی مخاصمت کے ہم انہیں اپنے خدا کی مخلوق سمجھ کر اپنی دعاؤں میں شامل رکھتے ہیں اور اس طرح بھی خدا اللہ ماجور ہوتے ہیں۔

حضرت مانی صاحبہ کی برکات کے خصوصی اثرات

حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے ایک مرتبہ اپنی اہلیہ محترمہ کے اوصاف حمیدہ کا اظہار فرماتے ہوئے اعتراف فرمایا تھا کہ مجھے علم و فقر میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اُس کے اسباب میں اس خاتون کے صبر و قناعت اور خدا پرستی کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے مجھے طلب مولیٰ کی راہ میں آزاد چھوڑ دیا اور کبھی اپنے مطالبات سے میرے راہ میں حائل نہیں ہوئی۔ حضرت کے وسیع حلقہ ارادت کی مستورات میں حضرت مانی صاحبہ کی بے نشی، خدا پرستی اور قبولیت دُعا کے تذکرے آج تک زبان زدِ خلق ہیں۔ وہ قبلہ عالم قدس برہ کے وصال کے بعد تھوڑے عرصہ تک ہی زندہ رہیں مگر اُن کی تربیت کا اثر اس گھرانے میں ابھی تک جاری و ساری ہے۔

حضرت کی خوراک

شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں:-

”عادت مبارک تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک دو لقمے تناول فرما کر وضو کر کے بظاہر سو جاتے تھے۔ مگر دراصل جاگتے رہتے اور پاس انفاس میں رات گزار دیتے۔ میں نے ایک رات آپ کے گھوٹ کے قیام کے دوران دیکھا کہ عشاء کی نماز ادا کر کے وضو فرما کر بظاہر سو گئے۔ میں تمام رات دروازہ پر بیٹھا رہا۔ آخر شب قریب چار بجے آپ نے اٹھ کر اُسی وضو سے نماز تہجد پڑھی۔ اور اکثر یہی معمول تھا۔ باوجود کم خوری کے جسمانی قوت اس قدر تھی کہ باید و شاید۔ ایک روز ایک پہلوان خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں کشتی لڑنے جا رہا ہوں میرے لیے فتح کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ذرا میرے پاؤں دالو کہ تمہاری طاقت کا اندازہ کروں۔ اُس نے پاؤں دابنے شروع کیے۔ سردی کا موسم تھا مگر دو منٹ بعد ہی اُس کا پسینہ ہنا شروع ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا۔ تم تو شاید بہت زور لگا رہے ہو مگر مجھے محسوس بھی نہیں ہو رہا کہ میرے پاؤں دالے جا رہے ہیں۔ قلتِ خوراک کے باوجود اتنی طاقت اور برداشت محض اللغات خداوندی سے تھی۔“

آخر عمر میں جب آپ صاحب فراش ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ چھتیس سال سے میں نے غذا زیادہ تر ترک کر رکھی ہے۔ میری مجموعی خوراک غالباً دو تین چھٹانک فی ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اب معدہ کو ہضم کی عادت نہیں رہی جو چیز معدہ میں جاتی ہے وہیں رکھی رہتی ہے۔

اس کے باوجود جسم مبارک اتنا مضبوط تھا کہ فولاد کا معلوم ہوتا تھا۔ پاؤں دابنے کے وقت اگر لقمہ آتا یا تھک بسم مبارک پڑ جاتا تو ایسے معلوم ہوتا کہ لوہے یا پتھر پر پڑا ہے۔ دابنے سے جسم مبارک دبنا نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھرتا ہے۔“

استاد زادوں کا احترام

استاذہ اور اُن کی اولاد کے احترام کے متعلق شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں :-
 میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جہاں جہاں حضرت نے تعلیم پائی وہاں کے تمام باشندوں کا آپ بے حد احترام فرماتے تھے۔ استاد زادگان کے احترام کی تو حد ہی نہ تھی۔ موضع بھونی کے مولوی صاحبان کے ساتھ حضرت کا سلوک ضرب المثل تھا۔ انکے استاد حافظ سلطان محمود صاحب کے صاحبزادے مولوی شمس الدین صاحب کو آپ خود بخاری شریف پڑھایا کرتے اور جب اُن کا انتقال ہوا تو اُن کی تعزیت کے لیے انکے تشریف لے جا کر وہاں اپنے خرچ سے وسیع پیمانے پر طعام پکوا کر تقسیم فرمایا۔ اُس کے بعد مدت العمر تمام کنبے کی خبر گیری فرماتے رہے۔ انکے کا کوئی آدمی ملنے آتا تو اُس کا خاص خیال فرماتے۔ بلکہ وادی سون کا تمام علاقہ حافظ سلطان محمود صاحب کی وجہ سے حضرت کے نزدیک قابل احترام ہو گیا تھا۔

حضرت کا حلیہ مبارک

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا حلیہ مبارک اس طرح بیان کیا گیا ہے :-
 رنگ گندم گوں۔ پیشانی بلند اور چمک دار۔ آنکھیں سنہرا اور رعب آفرین، ناک ستواں، ابو و گھنے اور کماندار، لب متوسط، دہن منداخ، دندان روشن اور جدا جدا، ریش گھنی اور تاجہ سینہ، گیسو گھنگھریالے اور کانوں تک دراز، سینہ کشادہ، بطن خمیدہ، رُخسار کم گوشت، انگشت ملائم اور باریک، کھٹ دست کشادہ، قدم مبارک میاں مگر مجلس میں بیٹھے ہوئے بلند و بالا معلوم ہوتے تھے۔
 قدم شریف نرم اور نازک جسم گھٹا ہوا اور متوسط۔
 حضرت کے فوٹو بھی ملتے ہیں جو عقیدت مند اور عشاق حضرات آپ کی عمر کے مختلف ادوار میں لیتے رہے۔ ان میں سے ایک حضرت خواجہ محمد دین صاحب (حضرت ثانی) سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سیال شریف کے عرس کے موقع پر لیا گیا اور دوسرا آپ کے زمانہ استغراق کا ہے۔ اول الذکر فوٹو میں حضرت ثانی صاحب سیالوی اور دوبار شریف کے کئی خلفائے کرام بھی موجود ہیں۔ حضرت خود تو ویرکشی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور شدت سے روکتے تھے۔ چنانچہ یہ چند تصاویر بھی آپ کی اجازت یا علم کے بغیر ہی لی گئیں۔

حضرت کا لباس

آپ کو سفید لباس پسند تھا جس کی نظافت اور لطافت قابل دید ہوتی تھی۔ لٹھے کی شلوار، موسم کے لحاظ سے خاصہ یا عمل کا کھلی آستینوں والا کرتہ، اور سفید عمل کی لمبی مایہ لگی ہونی پگڑی پہنتے تھے۔ دستار مبارک بخاری قسم کی نوکدار کلاہ پر بندھی ہوتی تھی۔ کرتے کے اوپر اسکاٹ اور لمبا کھلے کالر والا فراک کوٹ یا چھتہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات دھوپ میں پگڑی اور دوش مبارک پر گنگی یا چادر ڈال لیتے تھے۔ پاؤں میں گھیبی نمونہ کی نفیس اور نعت طلا دار پالوش استعمال فرماتے تھے۔ ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی گھوٹے کی سواری کے وقت بھی چھڑی کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے تھے۔ شہریت سے شہر بگھوڑا بھی حضرت کے قریب آتے ہی رام ہو جاتا۔

سوار ہونے سے پہلے آپ اپنی تسبیح ویسی زین کے اُٹھے ہوئے ہوتے تھے اور پھر سوار ہوتے گھوڑائیوں سر جھکا کر کھڑا رہتا جیسے "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا أَوْ مَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ" کے معنی سمجھتا ہے۔

حضرت کے لباس اور استعمال کی تمام دوسری چیزیں مثلاً تسبیح بنگلی اور مسواک وغیرہ آپ کے حجرہ مبارک میں بطور تبرک نشینہ دار الماریوں اور میزوں میں رکھی ہیں۔ آپ کا بستر اپنے اصلی مقام پر اسی طرح لگا ہے اور چھپر کھٹ اور پتھر دانی تھی ہوتی ہے آپ کے عرس اور عیدین کے موقع پر اراکات مندان تبرکات کی زیارت بڑے شوق اور عقیدت سے کرتے ہیں اور آپ کے ہم عصر کی آنکھوں کے سامنے وہی پُرانا نقشہ پھر جاتا ہے۔ اس کمرہ کے برابر والے مجلس خانہ میں لائبریری ہے جس میں ہر فن کی کافی کتب ہیں موجود ہیں۔

آواز و گفتار

آواز مبارک شیریں، پرسوز اور بادت رقی۔ یوں مقامات سے گفتگو فرماتے کہ ایک ایک لفظ گنا جاسکے اور یاد رہ جائے۔ اکثر لوگ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے انہیں کافی طویل اور او اور وظائف تلقین فرمائے جو ایک ہی بار سن لینے سے دماغ نہیں شوش ہو گئے۔ اور پھر کبھی فراموش نہیں ہوئے۔ یہ چیز حضرت کی کرامات سے شمار ہوتی تھی۔

چال اور رفتار

رفتار اور چال و چال میں اہل علم کو وقار اور سلامت رومی نظر آتی تھی اور اہل دل کو ایک بانگین اور محبوبیت۔ جب آپ کسی گروہ یا جمعیت میں تشریف لاتے تو تمام فضا میں عقیدت اور محبت کی خوشبو پھیل جاتی اور دیکھنے والوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ اکثر لوگ دست بوسی کے لیے جھوم کر کے آجاتے اور بعض لوگ دُور کھڑے ہی قربان۔ قربان کہہ کر اپنی پیاس بجھا لیتے جھوم کور وکنے کے لیے خدا کو ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر حضرت کے گرد حلقہ بنا پڑتا۔ کئی اشخاص صرف حضرت کے لباس کو چھو کر ہی اپنے ہاتھ جھوم لیتے۔ پشاور کے ایک جوان الطاف الہی رنگین نے ایک روز حضرت کو گھوڑے پر سوار اُڑدھام خلق میں گھرے ہوئے دیکھ کر یہ شعر پڑھا تھا ہے

تم شہسوارِ حسن ہو لگ جائے گی نظر گھوڑے سے اُترو آنکھ بچا کر رکاب کی
حضرت کی شان میں اسی شاعر کا کہا ہوا ایک اور مصرعہ ہے :- جان الطاف الہی صادقہ جانِ شما

حضرت کی اسپ سواری

آپ اطباء کے مشورہ پر بعد نماز عصر اسپ سواری کی غرض سے نکلا کرتے تھے اور دیہات میرا بادیہ اور میرا کوئٹہ بعض اوقات قصبہ راولپنڈی اور رکھ پوٹی کے مضافات سے ہر کر عشاء کے بعد واپس تشریف لایا کرتے۔ ایک مخلص سید صدیق شاہ نے آپ کی حفاظت کے خیال سے عرض کی کہ ایک خادم کو ہمراہ رکھا کریں اور اپنی اس استدعا کو تقویت دینے کے خیال سے فرمانِ خداوندی خُذْ وَاحِذْ دُکُھُ یعنی اپنی حفاظت کا سامان کر لیا کرو۔ کا حوالہ بھی دیا حضرت نے فرمایا، شاہ صاحب، وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تعالیٰ آپ کو انسانوں سے محفوظ رکھے گا) بھی تو اُسی ذات

عالی کا ارشاد ہے شاہ صاحب نے عرض کی، حضرت یہاں لفظ یَعِصُمُکَ میں حرف کاف صیغہ واحد حاضر ہونے کی وجہ سے صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شان میں وارد ہو کر محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی حفاظت کی ضمانت کا اظہار کر رہا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا، شاہ صاحب، ہم بھی تو اسی کاف کی ادب میں ہیں۔ گویا جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بحیثیت مجبوری پناہ بے کساں ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے معتمد فانی الرسول کی طرف بھی ایک لطیف پیرا میں اشارہ فرمایا۔

ایک مخلص کے دلی خطرہ کا از خود جواب

یہی سید صدیق شاہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں سے گولڑہ شریف آ رہا تھا جب چکوال پہنچا تو کسی کی زبانی سنا کہ حضرت نے ایک گھوڑی خرید فرمائی ہے۔ میرے دل میں وقتی طور پر خیال گزرا کہ میرے شیخ تو دلی کامل ہیں انہیں ان دنیا دار یوں سے کیا غرض۔ جب حاضر خدمت ہوا تو خود بخود فرمانے لگے۔ شاہ صاحب مجھے اظہار نے مجبور کیا ہے کہ گھوڑے کی سواری کا التزام کیا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر میں نے گھوڑی خرید کی ہے۔ چنانچہ میں اپنا وہ دلی خیال یاد کر کے بے حد نام نہوار۔

اس کے بعد حضرت کے اصطل میں بہترین گھوڑے آتے رہے۔ آپ کی شاہ سواری کا بھی اپنے والد محترم حضرت اجمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ عالم تھا کہ سرکش سے سرکش جانور بھی رام ہو جاتے تھے۔ ایک بار ملک احمد خان ٹوانہ نے ایک بیش قیمت گھوڑی جو ان سستے ایام میں بھی مبلغ چار ہزار روپے میں آئی تھی، آپ کی نذر کی۔ آپ سیال شریف سے رخصت ہو رہے تھے کہ یہ گھوڑی آپ کے سامنے لائی گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے سوار ہو کر چھتری مانگی۔ ملک صاحب نے عرض کی کہ حضرت، گھوڑی نئی ہے چھتری کو برداشت نہیں کرے گی اور ڈرے گی۔ آپ نے فرمایا، چھتری بند کر کے مجھے دے دو۔ پھر آپ نے چھتری کھول کر گھوڑی کو دوڑایا اور موضع مانگو وال تک دوڑاتے آئے۔ گھوڑی نے بدکنے کا نام بھی نہ لیا۔ بلکہ بعد میں بسنگر شریف کا کوئی بھی خادم اس پر باسانی سواری کر لیتا تھا۔

حضور نام گھوڑے کا اظہار ادب

حضرت کی سواری کے ایک گھوڑے کا نام حضورؐ ہو گیا تھا۔ جب تک آپ اس پر وظائف پڑھتے رہتے یہ آہستہ خرام رہتا۔ مگر جب آپ فارغ ہو جاتے تو یک لخت تیز رفتار ہو جاتا۔ ایک روز سواری کے دوران آپ کی لنگی نیچے گر گئی۔ گھوڑا اگر آگے قدم رکھتا تو اس پر پڑتا۔ اس لیے گھوڑا ایک دم رُک گیا اور ہانکنے پر بھی نہ چلا۔ حضرت نے خادم سے فرمایا کہ دیکھو گھوڑا کیوں رُک گیا ہے۔ اُس نے دیکھا تو آپ کی لنگی نیچے گری پڑی تھی اور گھوڑے نے بے پاس ادب اپنا وہ پاؤں جو اُس پر پڑنے والا تھا اٹھا رکھا تھا۔ سبحان اللہ! مَنْ لَهُ السَّوْلَى فَلَهُ الْكُلُّ (جس کا خدا ہے، اُس کا سب کچھ ہے)

پاک پن شریف میں ایک گھوڑے کی سرکشی

حضرت دیوان سید محمد تاجہ نشین پاک پن شریف نے جو حضرت قبلہ عالم قدس سرف سے بے حد عقیدت و محبت

رکھتے تھے، حضرت کی سواری کے لیے ایک گھوڑا مختص کر رکھا تھا جس پر تمام سال کوئی شخص سوار نہ ہوتا۔ اور فقط آپ ہی حضرت بابا صاحب کے ٹرس شریف کے دوران اُس پر سواری فرماتے تھے۔ سال بھر زین نہ ڈالنے کی وجہ سے گھوڑا سرکش ہو جاتا اس لیے احتیاطاً حضرت کی تشریف آوری سے کچھ روز قبل دیوان صاحب اپنے بھائی جناب میاں غلام رسول سے فرماتے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ حضرت اس کی سواری میں کوئی تکلیف محسوس نہیں فرمائیں گے۔ تاہم بہتر ہے کہ آپ اسے کچھ رداں کر لیں۔ ایک مرتبہ حضرت اس گھوڑے پر سوار تھے کہ موتی محل کے قریب کچھ ایسے اندازیں کودا کر زین کا ٹانگ نیچے سے ٹوٹ گیا اور آپ زین سمیت اُوپر کو اُچھلے۔ لوگوں میں شور مچ گیا کہ آپ گر گئے اور ایک شخص دوڑتا ہوا دیوان صاحب کی خدمت میں اطلاع کے لیے پہنچا لیکن دیوان صاحب فرمانے لگے تم غلط کہتے ہو حضرت نہیں گر سکتے اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے اور دیوان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ غلط نہیں کہتے ہیں واقعی زین سمیت گھوڑے سے کافی اُوپر اُٹھ گیا تھا لیکن پھر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعد زین گھوڑے کی پشت پر آکر مستقر ہو گیا۔ دیوان صاحب عموماً سال میں ایک دو اچھے گھوڑے آستانہ عالیہ گولڑہ شریف بھجوا دیا کرتے تھے۔ چونکہ اُن ایام میں موٹر کاریں ابھی عام نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے اصطبل میں اچھی قسم کے نرمادہ گھوڑوں کی کثرت تھی۔ مگر کبھی کسی جانور کے دوسرے کے ساتھ لڑنے کی نوبت نہ آتی اور نہ کسی قسم کا شور و شغب ہوا۔ اکثر لوگ یہ صورت حال دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور اسے صرف آستانہ عالیہ کی خصوصیت قرار دیتے تھے۔

ڈھیری شاہان کی بارات کا واقعہ

جناب شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ گولڑہ شریف سے ایک بارات مونی ڈھیری شاہان گئی۔ وہاں کے رواج کے مطابق نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ لڑکی والوں نے شرط عائد کی کہ جب تک گولڑہ شریف کے سوار میخ اکھاڑ کر باہر نہیں پھینکیں گے اُس وقت تک نکاح نہیں ہوگا۔ تین روز تک نیزہ بازی ہوتی رہی مگر گولڑہ شریف و اُس کے مضافات کا کوئی سوار میخ اکھاڑ کر باہر نہ پھینک سکا۔ آخر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ اب آپ ہی اس مشکل کو حل فرمائیں۔ چنانچہ حضرت اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں تشریف لے گئے۔ پہلے جا کر میخ کا بغور معائنہ فرمایا اور پھر نیزہ ہاتھ میں لے کر گھوڑا دوڑایا اور میخ کو اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میخ کے ساتھ عام گھریو آنا پسینے والی چکی کا ایک پتھر ملا پٹ بھی نکل کر باہر آں گرا۔ جس کے سوراخ میں میخ کو پھنسا یا گیا تھا۔

معنوی جمالیات کے علاوہ صوری محاسن پر نظر

حضرت کی نگاہ لطف اور شفقت بھری مکی مسکراہٹ میں ایک عجیب کیفیت اور انداز تھا۔ جسے محسوس تو کیا جاسکتا تھا مگر بیان کرنا ناممکن تھا۔ آپ کی پہلی نظر میں شکار ہونے والے آج بھی سینکڑوں باقی ہیں۔ نجرہ شریف کا نام ہی عشق آباد پڑ گیا تھا جو ابتداً دیوان صاحب پاک پتن سے تجویز فرمایا تھا۔

سلسلہ چشت اہل بہشت کے مجدد بزرگان کرام معنوی جمالیات کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی مالا مال ہوتے تھے اور اُن کے باہمی تعلق اور نسبت میں نظر کیا جائے تو ایک غالب عنصر شامل ہوتا تھا جو حضرت کی ذات جسے ازل سے اس سلسلہ قدس کی سرداری منت رہی تھی۔ اپنے شیخ پر عاشق ہو کر مرید ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اب میں جب کسی کامل شیخ طریقت

کی تلاش تھی تو دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو معنوی حُسن کمال کے ساتھ ظاہرہ خوبی اور جمال سے بھی مالا مال ہو چنانچہ سیال شریف میں جب اپنے اُستاد مولوی سلطان محمود صاحب کے ہمراہ حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت خواجہ صاحب پر نظر پڑتے ہی دل فریفتہ ہو گیا۔ درحقیقت یہ نسبت اُس صفت خداوندی کا کرشمہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "اللَّهُ جَمِيلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ" حضرت صدیق اکبر سے سوال ہوا تھا کہ آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے۔ تو فرمایا النَّظَرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

نہی کا مصحف پر نور ہے کلام اللہ	یہ خط یہ رُخ یہ جبین لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
جو ایک عارضِ انور ہے والضحیٰ تنویر	تو دوسرا بھی ہے وَالْفَجْرُ سے جمال اللہ
ادھر کی زلفِ معنبر ہے سورتِ حم	ادھر کی طُورہ وَاللَّيْلُ ہے کلام اللہ
حضورِ عارضِ انور کا خال ہے وَالنَّجْم	جبین پاک ہے وَالشَّمْسُ خوش جمال اللہ
یہ بسمِ نور ہے واللہ اور مُطلق نور	یہ دل کلیم تو دل کی زباں کلام اللہ
اسی طرح سے پھپھائے ہوئے ہے دلِ حق کو	الف کو جیسے چھپائے ہوئے ہے بسمِ اللہ

ادب سے درد کی جانب سے اے صبا کہہ دے

ببارگاہِ رسولِ کریم صَلَّی اللہ

درد کا کوردی

باب ششم

وَصَالِ أَوْلَادِ وَأَحْفَادِ أَوْرَمْتَوَسَلِينَ

پہلی فصل

بیماری اور ضعف

خواب خور سے بے نیازی

یہ حقیقت ہے کہ کم خوردن، کم خُلق و کم گفتن ابتداء ہی سے حضرت کے مولات سے رہے۔ دائمی ذکر اور پاسِ انفاس کے شغل نے آپ کو خواب و خور سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں بھی کئی دنوں تک کچھ نہ کھاتا تھا۔ لیکن بھوک کی چنداں تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ غالباً اسی وجہ سے آخر عمر میں معدہ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور کچھ شروع ہو گئی تھی۔ یہ بے چین کر دینے والا مرض کبھی کبھی دورہ کرتا اور بعض اوقات نفقوں پچھانہ چھوڑتا۔

ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس

بایں ہمہ اکثر بہتر سال کی عمر تک حضرت کی صحت خاصی اچھی رہی مگر ۱۹۲۸-۲۹ء سے ضعف کے آثار بڑھنے لگے۔ اس کا باعث محض بیماری ہی نہ تھی۔ کثرتِ مشاغل اور لوگوں کے دکھ درد کے روز افزوں احساس کو بھی اس میں کافی دخل تھا۔ گولڑہ جکشن پر کوئی گاڑی ایسی نہیں آتی تھی جس میں دس پندرہ زائرین دُور دراز سے پہنچتے ہوں۔ اور نواحی علاقہ جات سے تو آنکھوں سے ٹیکوں اور موٹر کاروں سے آنے والے ارادت مندوں کا تاننا بندھا رہتا تھا۔ ہر شخص کچھ اُمید لے کر حاضر ہوتا اور پوری توجہ حاصل کر کے واپس جاتا۔ کوئی غم دنیا پیش کر رہا ہے تو کوئی فکر عقبتے۔ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں دکھ بھرے خطوط روزانہ موصول ہوتے جو من و عن پیش کر دیئے جاتے۔ وحدت الوجود کے مسلک کے باعث مخلوق کے مصائب ذاتی مصائب بن کر رہ گئے تھے۔ کسی کی بے وقت موت یا غم و اندوہ کی کہانی پیش کی جاتی تو طبع مبارک بے چین ہو جاتی اور بار بار سر د آہیں بھرتے رہتے۔

منظرِ رحمتِ عالم

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت بہت اچھی تھی۔ آخر میں اُمت کے غم نے اس قدر ڈھال کر دیا تھا کہ بٹیکہ کو نوافل پڑھنے لگے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نمازیں یہ آیت پڑھتے اور روتے رہتے۔

(ترجمہ) اگر تو ان کو عذاب کرے تو یرے ہی بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بے شک تیری ذات عزیز و حکیم ہے

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (سورہ بقرہ - ۱۱۸)

وَلِلّٰهِ دَرُ الْعَالَمِ جَوَاسِ غَوَارِی کو مد نظر رکھ کر کہتا ہے ۔

تُو غَنّی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را تو بیسنی ناگزیر
از نگاہِ مُصْطَفٰی پنهان بگیر
آخری عمر میں حضرت کی کیفیتِ قلبی حضورِ رحمتِ عالم کی محبتِ اُمت کا کامل مظہر تھی۔

افزونہ مشاہدہ

حضرت کا سن شریف جوں جوں بڑھ رہا تھا مشاہدہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ خلوت ہو یا جلوت ایک وجدانی کیفیت طاری رہتی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک آہ بھر کر سر اٹھا لیتے اور باطنی کیفیات کے ورود کے باعث چہرہ مبارک کا رنگ کبھی زرد، کبھی سبز اور کبھی سُرخ مائل ہو جاتا اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اپنے نظامِ اوقات کے تحت مجلسِ خانہ میں بدستور گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے تشریف لاتے مگر محفل پر خاموشی طاری رہتی۔ حاضرین میں سے بعض پر یہ کیفیت دیکھ کر گریہ طاری ہو جاتا اور بعض حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے اور سوچتے رہ جاتے کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ اُن دنوں اکثر یہ شعر فرماتے تھے ۔

نعمتِ گفتگو ہے نہ محلِ جستجو ہے

دل بے نوائے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

نوادرا زائرین کے لیے حضرت چپ چاپ اپنا دست مبارک مصافحہ کے لیے بڑھا دیتے۔ البتہ سلام کا جواب دیتے۔ اور کبھی کبھی اپنا یہ پیارا دستور ہی فقرہ فرمادیتے کہ خیر آئے دے۔ (آپ خیریت سے آئے ہیں؟)

بشارات

اس زمانہ میں بعض صاحبِ عرفانِ مُخلصین اور مجتہدین کو خوابوں میں آپ کی اس کیفیت کے بارے میں تسلی دلائی گئی چنانچہ ملتان میں ایک سید صاحب نے استخارہ کے بعد کہا کہ اُنہیں حضورِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جنہوں نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک ایسا مقام طے کر رہے ہیں جہاں مشائخ کی امداد نہیں پہنچتی۔ مگر اس مرحلہ پر بھی ایک ایسا شخص ہے جو برابر اُن کی مدد اور رہنمائی کر رہا ہے (اس سے مراد اُن کی اپنی ذاتِ مقدّس تھی جن کا فرمانِ قدّسِ ہدیہ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللّٰهِ ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما وعلیہم اجمعین)

ایک شکوہ آمیز گزارش

اس زمانہ میں ملکِ سلطان محمود خان صاحب ثوانہ منصرم مراسلات کے چھوٹے بھائی میجر ملک غلام حسین خان

لے الہ العالین اُن دنوں عالم سے بے نیالے اوریں محتاج ہوں۔ اول تو قیامت میں میرا عذر گناہ قبول فرما کر بخش دے لیکن اگر ضرور حساب ہی لینا ہے تو حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے پوشیدہ لینا۔
(فیض)

حاضر خدمت ہوئے۔ دربار میں مختلف النوع خوابوں اور مکاشفات کے باعث یہ چرچا عام تھا کہ آپ کی یہ حالت کسی بیماری کے باعث نہیں بلکہ آپ کے اپنے مسلسل مجاہدہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ملک صاحب مجرہ شریف میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: سرکار نبوت تو آپ کو طے سے رہی۔ اُسے تو اللہ تعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر شہم فرمادیا تھا۔ اب اس سے نیچے اور کون سا ایسا بلند مقام رہ گیا ہے جس کے لیے آپ نے اپنی جان کو اس قدر تکلیف میں ڈال رکھا ہے اور اپنے غلاموں کو دن رات رُلا رہے ہیں؟ اگر اپنے آپ پر رحم نہیں آتا تو مخلوق خدا پر ہی رحم فرمائیے۔ اس پر آپ نے مسکرا کر ملک سلطان محمود سے فرمایا: دیکھو یہ تمہارا بھائی کیسی باتیں کرتا ہے۔ اور پھر اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔

بطی مشوروں پر ہوا خوری کا التزام

اُس زمانہ میں ضحیف جسمانی کے باعث سواری ترک ہو چکی تھی مگر ڈاکٹروں کی تاکید تھی کہ تفریح اور ہوا خوری کا التزام ضروری ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے لیے نماز عصر کے بعد تھوڑی دُور پہل قدمی فرمانے لگے۔ مگر جب اس میں بھی دُشواری ہوئی تو حضرت ثانی سید غلام محی الدین المعروف جناب بابو جی صاحب مدظلہ العالی نے بطی مشورہ کے تحت موٹر کار خرید لی جس میں ہوا خوری کے لیے روزانہ دس بارہ میل باہر تشریف لے جایا کرتے۔

کار کا حادثہ

ایک مرتبہ سواری کے دوران کار کو حادثہ پیش آیا۔ شاہراہِ اعظم پر رنگ جانی کی طرف سے واپس آتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ نماز مغرب کا وقت قریب ہے۔ کار کو روک کر کہیں نماز ادا کر لیں۔ ایک ہمارے نے عرض کیا کہ ابھی سونچ غروب نہیں ہوا۔ نماز کے وقت تک گولڑہ شریف کے موٹر پر واقع خانقاہ تک پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ سفر جاری رکھا گیا۔ تھوڑی دُور آگے چل کر جھنگلی سیتلاں کے قریب اچانک کار ٹرک سے اتر کر اُلٹ گئی۔ حضرت صاحب اور بابو جی تو باہر گرے مگر دیگر ہمارے یعنی مولوی محبوب عالم صاحب اور لال خان ڈرائیور کار کے نیچے آ گئے۔ اُس وقت بابو جی صاحب نے اُمیٹے ہی اُن کو باہر نکالا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تکلیف نماز مغرب میں تاخیر کا خوف نہ کرنے پر غیرت الہی کے باعث پیش آئی ہے اور انشاء اللہ سُو دست ثابت ہوگی۔

لسگر غوثیہ کا بذل و سخا

مہمانوں کی جو کثرت دربار گولڑہ شریف میں دیکھنے میں آتی ہے کہیں اور کم ہی نظر آتی ہوگی۔ حضرت کے زمانے میں دو بڑے عرس منائے جاتے تھے۔ ایک حضور غوث الاعظم جیلانی کا اور دوسرا حضرت خواجہ غریب نواز امیر می کا۔ ان اعراس پر اُس زمانہ میں بھی ہزاروں کا اجتماع ہوجاتا تھا۔ اس کے علاوہ خدام اور اُن کے متعلقین اور مدرسین اور طلباء جن کی تعداد اڑھائی تین سو سے کم نہ ہوگی۔ دربار شریف سے متقل طور پر بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ لشکر کی آمدنی زیادہ تر نذر و نیاز پر منحصر تھی۔ تاہم بذل و سخا دریا کے پانی کی طرح جاری ہی رہتی تھی۔ اس لیے آپ کبھی صاحب زکوٰۃ نہ ہوئے بلکہ غلط طبعیات میں مذکور ہے کہ حضرت بعض اوقات اس چیز پر اظہارِ شکر فرماتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر

کی بھی یہی کیفیت تھی کہ کبھی قرضدار ہو گیا اور کبھی مالدار، مگر مستوجب زکوٰۃ نہ ہوا۔ یہ اوّل اور تیسیموں کے وظیفے مقرر نہ رکھے تھے۔ پشاور کے بعض متمول مریدین جو کابل، بخارا اور وسط ایشیا کے ممالک میں تجارت کرتے تھے۔ جب انقلاب روس کے باعث مفسس ہو کر رہ گئے تو سالہا سال تک لنگر غوثیہ سے اُن کی پرورش ہوتی رہی۔ ایسے متعدد اور خاندانوں کے وظائف بھی مقرر تھے۔

تصفیہ مابین سُنی و شیعہ کی تالیف

اس زمانہ میں شیعہ سُنی مباحثات کا ایک نیا دور چلا تھا۔ فریقین کے بعض متشدد مصنفین نے ایسی کتابیں شائع کیں، جن میں تعصب زیادہ اور انصاف کی رعایت کم تھی۔ حضرت کم تھی حضرت کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو تصفیہ مابین سُنی و شیعہ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور کچھ روز تک اپنے منصرم مراسلات خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری ریٹائرڈ پولیس کلکٹ گلگت کو چند ابواب لکھواتے بھی رہے۔ مگر بیماری اور روز افزوں کیفیت استغراق کے باعث قیمتی افادات کا حقہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر اُن کے کاغذات میں سے اس تالیف کے جو مضامین دستیاب ہوئے اُن میں سے چند اقتباسات انشاء اللہ باب التّصانیف میں ہدیہ ناظرین کیے جائیں گے۔

علامہ اقبال کا عریضہ

زمانہ استغراق کے اوّل میں جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کا ایک عریضہ موصول ہوا جس میں زمان و مکان پر حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتوحات مکیہ" کے ایک باب کی وضاحت کے لیے استدعا کی گئی تھی۔ یہ خط ملک سلطان محمود صاحب ٹوانہ نے جو خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر مراسلات کی خدمت پر مامور ہوئے تھے، ایک خاص وقت میں حضرت کو متوجہ کر کے پیش کیا آپ نے غور فرما کر سنا اور ارشاد فرمایا کہ کسی وقت جب میری طبیعت میں افادہ ہو، پیش کرنا تاکہ جواب لکھوا دیا جائے۔ جب کئی روز بعد ملک صاحب نے پھر یہ خط پیش کیا تو بوجہ علالت و تکلیف فرمایا کہ لکھ دو میں بیمار ہوں اس لیے جواب سے معذور ہوں۔ چنانچہ ملک سلطان محمود صاحب نے جواب میں لکھا کہ اقبال صاحب آپ اپنے ہی مشہور قول کے مصداق اس مکتب میں دیر سے پہنچے ہیں۔ علامہ اقبال کو کیمبرج یونیورسٹی میں زمان و مکان (TIME AND SPACE) کے متعلق حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ پر لکچر دینا تھا لیکن انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔ اُن کے عریضہ کی نقل "اقبال" جلد اول میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم یہاں بھی درج کی جاتی ہے۔

لاہور، ۱۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم

الرحمۃ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے، تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعتِ اخلاق پر پھر دوسرے کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے دانشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربیؒ پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظریاتِ حالِ چمنؒ اور دریافتِ طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا۔ اگر سوالات کا جواب ثانی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اَدل یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیمِ حقیقتِ زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہٗ متقدمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اَدل کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

۳۔ حضراتِ موفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو اُن بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید نور شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے مجھے عربی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اُس کا نام تھا درایۃ الزمان۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تاہل تھا۔ لیکن مقصود چونکہ خدمتِ اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے۔ باقی التماسِ دُعا۔

مخلص محمد اقبال

دوسری فصل

عالمِ استغراق

دریائے ناپیدائنا توحید

محویت و استغراق کی حقیقت تو کچھ دہی حضرت جان سکتے ہیں جو اس وادی سے گزرے ہوں البتہ بزرگانِ دین کے احوال و سیر سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ تجلیاتِ الہی کے درود سے توحید کے دریائے ناپیدائنا میں عشاقِ الہی پر کچھ ایسی محویت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ تمام ماسوا سے توجہ اور شعور اٹھ جاتا ہے۔

عشقِ آلِ شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ بجز معشوقِ باقی بجز سوخت (رُومی)

استغراق میں عذرِ نماز کا استفسار

ویسے تو ہر دور کے مستانِ بادۂ توحید کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں لیکن قرونِ وسطیٰ کے بزرگانِ دین میں حضرت قدوة العارفین مولانا رومی قدس سرہ اور متاخرین میں سے حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ پر وصال سے کچھ مدت پہلے کو اَلْفِ استغراق وارد ہوئے کچھ اسی قیم کے حالات حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہ کی ذاتِ گرامی میں بھی زمانہ وصال سے قبل نظر آتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ حضرت عارفِ رومی قدس سرہ کے فلسفہ تصوف کو اس آخری دور میں جس حد تک آنجناب نے سمجھا اور سمجھایا مشائخِ کرام میں اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ اور حضرت قطب العالم گنگوہی کی ذات سے تو آنجناب کو ایک خصوصی نسبت ہے۔ آنجناب کے جدِ امجد حضرت میراں شاہ قادری قدس سرہ کی حضرت قطب العالم گنگوہی سے نسبت اور استفادہ کے واقعات تفصیلاً اسی کتاب کے پہلے باب میں ناظرینِ کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔

بہر حال اس عجیب و غریب کیفیت کا درود حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ پر ۱۹۳۲ء میں ہوا۔ اور ۱۹۳۵ء تک انتہا کو پہنچ گیا۔ پہلے نماز کے لیے مسجد کا جانا متعذر ہوا۔ پھر بستر پر نماز پڑھنے لگے۔ پھر اشاروں سے نماز ادا ہونے لگی اور آخر اشاروں سے بھی معذوری ہو گئی اور کائناتِ استغراق کی کیفیت رہنے لگی۔ ایک روز صومیں اگر علماء آستانہ کو بلوایا اور فرمایا۔ مجھ سے اب نماز پوری طرح ادا نہیں ہو سکتی درمیان میں ہی رہ جاتی ہے۔ آپ صاحبان میرے معاملہ میں غور کر کے فتویٰ دیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ علماء حضرات ابدیدہ ہو کر چلے گئے۔ ایک روز پھر بلوایا اور فرمایا مجھے آپ کے شرعی فتویٰ کی حاجت ہے۔ اگر نماز اشارہ سے بھی پڑھنا شروع کروں تو خواں و شعور جواب دے جاتے ہیں۔

اُستاد العلماء جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو خاموش رہے جب آپ نے دوبارہ یہی سوال فرمایا تو انہوں

نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو جانتے ہی ہیں کہ استغراق اور سکریں نماز میں ہوتی کیونکہ انسان مجبور و معذور ہوتا ہے۔ پھر اَللّٰهُ كُفِيَ الْأَوْسَعُ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلف بھی نہیں ٹھہراتا۔ میں کہ فرمایا اجزا کُم اللہ خیر الجزا یہ چیز آپ کے کمال پابندی شرع کی دلیل ہے کہ استغراق کامل میں بھی علماء دین کا شرعی حکم حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس میں اصحابِ سلیم انھو اس مذہبان جذب کے لیے بڑا سبق ہے۔

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ أَوْ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ کا باطنی مدلول

جناب مولانا محمد غازی صاحب عالم بھی تھے اور عارف بھی۔ لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ کے ظاہری معانی کے علاوہ علم اعتبار کے ماتحت اس فرمانِ نبی کے باطنی مدلول پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے۔ بھلا پچاس برس اس پایہ کے ایک مقبول خدا کی جلو میں رہ کر عالم مشاہدہ کے سکری کی کیفیت اور ع

بخلوت کے منہم یاد و دست بے ادبی ست

کے تقاضوں سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے؟ اگرچہ ارباب تحقیق کے نزدیک شراب عشق و توحید کے مستوں کا معصوم اور حکمِ امّ النبیات کے نشہ اور مدہوشی کے احکام سے کہیں مختلف اور بلند و بالا ہے مگر قوی حسیہ کا تعطل دونوں میں قدر مشترک ہے اور اسی وجہ سے شرعاً جس طرح مجنون غیر مکلف ہے ویسے ہی مجذوب صاحبِ سکری بھی پابندی احکام سے آزاد ہے۔ صاحبِ جذب و استغراق یوں بھی هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ کے باطنی مفہوم کی بنا پر بوقت نماز ہی میں ہوتا ہے

مَلَتْ عَشَقُ از ہمہ ملت جُدا ست

عاشقان را مذہب و ملت حُدا ست

عرض و معروض کی کیفیات

ابتداء میں جب حالت صحو کے وقفے طویل ہوتے تھے۔ حاضر ہونے والوں کی معروضات سن کر ہاتھ اٹھا کر دعا فرما دیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ صاحبِ خاص جناب مولوی محبوب عالم صاحبِ عرض کرتے حضورِ فلاں صاحبِ حاضر ہیں۔ ان کے مقصد کے لیے دعا فرمائیے۔ اور یہ کہہ کر خود دعا مانگ کر بلند آواز سے آمین کہتے اور حضرت بھی آمین فرمادیتے۔ بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ صاحبِ حاجت کچھ عرض کر تا آپ اُسی جملے کو دہرا دیتے اور اُس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ چنانچہ ایک شخص کو ناف کی تکلیف تھی جسے اس علاقے میں گھن کہتے ہیں۔ اُس نے حاضر ہو کر عرض کیا: گھن داکھ دیو پاک تعویذ: یعنی گھن کا ایک نمید لکھ دیجئے۔ آپ نے تین دفعہ یہی الفاظ دہرا کر دم فرمادیا اور وہ شخص فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اسی طرح سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) دانتوں کے درد میں مبتلا تھے۔ حاضر ہو کر عرض کیا: ڈاڈھی پٹیر ہے۔ یعنی سخت درد ہے۔ حضرت نے ڈاڈھی پٹیر ہے کے الفاظ تین دفعہ فرما کر دم کر دیا تو درد جاتا رہا۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبید اللہ بود

(اُس کا کہا ہوا اللہ کے کہنے ہوئے کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے ادا ہوتا ہے)

مجاذیب اور اہل سکر کی کثرت حاضری

زمانہ استغراق میں ارباب سلوک اور صاحب منزل حضرات طبعی مقامات کے لیے دور دور سے کھینچے چلے آتے تھے۔ ان میں مجاذیب اور اہل سکر کی کثرت ہوتی تھی۔ بیشتر حضرات حجرہ شریف میں جو عشق آباد کے نام سے مشہور ہو گیا تھا داخل ہو کر پلنگ کی پانہنی کو بوسہ دیتے۔ کچھ دیر چپ چاپ آپ کو دیکھتے رہتے۔ اور پھر خود ہی دعا مانگ کر رخصت ہو جاتے۔ بستر مبارک پر باریک جالی کی چھڑانی لگی ہوتی تھی۔ اور جبین مبارک سے عرفان الہی کی تجلیات کا عکس اس میں سے چھن چھن کر آ رہا ہوتا تھا۔ نہ سوال ہوتا تھا نہ جواب ہے

اے لقاے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
(اے محبوب! تیرا دیدار ہی ہر سوال کا جواب ہے، تجھے دیکھ لینے سے ہی کچھ کہے سنے بغیر ہر مشکل حل ہو جاتی ہے)

گمشدگی سایہ کی اطلاع

حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاول پور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ حضرت کے ابتدائے استغراق کے زمانہ میں ایک روز میں ایک غیر معروف راستہ سے جامعہ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک سنان گلی میں ایک مجذوب لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اچانک سر اٹھا کر مجھے مخاطب کر کے کہا: "مولوی جی، تمہارے پیر کا کیا حال ہے؟" میں نے جواب دیا حضرت کی طبع مبارک آج کل کچھ ناساز ہے۔ کہنے لگا: "تمہارا پیر مگر کرتا ہے۔ دراصل اُس کا سایہ گم ہو گیا ہے۔ اور اس بات کو چھپانے کے لیے وہ چار پائی لے کر حجرہ میں پڑ گیا ہے۔ بیماری وغیرہ کچھ نہیں۔" مقام فنا فی الرسول پر فائز ہونے والے حضرات کے لیے ایسے آثار کا پایا جانا کچھ مستبعد نہیں ہے

سیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ

تلوار عشق میں کہ دو کس را یکے کند (حافظ)

(میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار ایک چیز کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ لیکن تلوار عشق کا تماشا دیکھو کہ دو کو ملا کر ایک کر دیتی ہے۔

"تفریح الخاطر" کے مقدمہ میں حضرت بلالؓ اور

حضرت اویسؓ قرنی کے بے سایہ ہو جانے کے متعلق بھی ثبوت ملتا ہے۔

تیسری فصل

کوائف وصال

[اس فصل میں حضرت کے استغراق، علالت اور وصال سے متعلق جو حالات بیان کیے گئے ہیں، انہیں پیشتر مولوی عبدالرحمن صاحب، بنگو ضلع کیسل پور کے تحریر کردہ اُن حالات سے حاصل کیا گیا ہے جو رسالہ منادی دہلی میں وصال کے کچھ عرصہ بعد شائع ہوئے تھے۔]

مقبولانِ خدا کے وصال کی باطنی کیفیات تو صاحبِ حال لوگ ہی جان سکتے اور بیان کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف وہ واقعات درج کیے جاتے ہیں جو اس عالم اسباب میں آپ کے وصال سے کچھ عرصہ قبل ظہور میں آئے۔

ابتداءً تعمیرِ حال میں حضرت نے اپنے نفسِ زکیہ کو ریاضاتِ شادہ اور مجاہداتِ شدیدہ میں ڈال کر خود کو ترکِ غذا کا عادی بنالیا تھا۔ رفتہ رفتہ بعدہ غذا سے غیر مانوس ہو کر لطیف اور نازک ہو گیا۔ چنانچہ آخری عمر میں تقاضائے بشری کے تحت اور طبی نقطہ نگاہ سے جب جسمانی طاقت کے تحفظ کے لیے ادویات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُن کے قلیل استعمال سے ہی مستقل طور پر دورۂ پچکی (فواق القلب) لاحق ہو گیا۔ اس کے بعد ایک ایسا مرض عارض ہوا جس کی تشخیص سے حکمتِ لسانی اور اکٹری فن کے ماہرین عاجز رہ گئے اس نامعلوم کیفیتِ مرض کی وجہ سے جم مبارک کمزور سے کمزور ہوتا چلا گیا یوں تو تقریباً دس برس تک مختلف شکایات رہیں لیکن چار پانچ سال تک تو حضرت مسلسل صاحبِ فراش رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرتِ حضرت کے مجاہد اور معتدین کو آنے والی بلائے جبر و منہاق کا ٹوکر بننا ہی ہے پچکی کے شدید دورہ اور دیگر تکالیف کی شدت کے باوجود حاضرِ آستانہ ہونے والے تمام زائرین کو حسبِ معمول سابقہ اوقاتِ مقررہ پر باریابی کا شرف بخش کر فردا فردا تسلی بخش جوابات اور اطمینانِ وہ و ماؤں سے فیض یاب فرماتے رہے اور کسی کو توجہ سے کبھی محروم نہ رکھا۔ دریائے فیضانِ شدید سے شدید تکلیف میں بھی جاری رہا۔

خلقِ خدا کی ہر حال میں حضرت کے مدِ نظر رہی۔ اگرچہ حضرت باوجودی صاحبِ مظلہ العالی کو عرصہ سے ارشاد و ہدایت کے لیے مجاز و مأمور فرما چکے تھے اور حضرت باوجودی بھی وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت و مجبوری متنائے اہل طلبِ خدا کو مستفیض فرماتے رہتے تھے۔ تاہم شفقتِ کاملہ اور بہتِ عالیہ کی بناء پر سلسلہٴ ارشاد کو آخر وقت تک (سوائے علالت کے ایک دو مواقع کے) خود بذاتِ اقدس انجام فرماتے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت باوجودی احتراماً، اور شیخِ کامل کے مقامِ طریقت کی نگہداشت کے باعث بیعت کرنے سے حتی الوسع استراذ فرماتے تھے۔

عالمِ استغراق میں ایک دعا کی تلقین

تقریباً دو اڑھائی سال تک استغراق اور محویت کی حالت طاری رہی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جنابِ مولوی محبوب عالم

صاحب زائرین کے معروضات کو متعدد مرتبہ پیش کرتے تب آپ کسی وظیفہ کے ارشاد یا دعا سے مستفید فرماتے راقم الحروف نے حضور کی زبان فیض ترجمان سے یہ دعا سنی ہے :-

اللَّهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ
أُمُورِنَا بِالْخَيْرِ حُرِّمَتْ سَيِّدُ الْبَرِّ
الہی ہمارا آغاز خیر پر کیجیے اور خاتمہ خیر پر کیجیے اور ہماری عاقبت
امور کو بہتر بنائیے بقصدق حضور سید البر صلی اللہ علیہ وسلم۔
عالم استغراق میں کبھی کبھی کلم کی طرف بھی رجوع فرماتے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔
البتہ صبح کی طرف رجوع فرمانے اور پھر اعادہ استغراق کے وقت نسبتاً زیادہ شدت کی تکلیف محسوس فرماتے جس کی
اصلیت صرف سیاحان منازل طریقت و سالکان حرم حقیقت ہی جانتے ہوں گے ہم مجوبان اسافل تنزلات کو کیا معلوم
ہاں اتنا موہوم سا خیال آتا ہے کہ ارواح مقدسہ کو منفیات بشریت سے تعلقات منقطع کر کے پرواز حقیقت میں نزع کی سی
کیفیت محسوس ہوتی ہوگی۔ واللہ اعلم

سورہ یوسف کی تلاوت میں چار رقت انگیز مقامات

ایک دفعہ صبح کی کیفیت میں حضرت نے مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم کو یاد فرما کر سورہ یوسف سنانے
کے لیے ارشاد فرمایا۔ دوران تلاوت چار مقامات پر حضرت ابدیدہ ہو گئے۔ ان میں سے پہلا مقام وَمَا أَبْرَأُ لِنَفْسِي
أَوْ دُورِ مَمْتَم لَا تَرْيِبُ عَلَيْكَ الْيَوْمَ تھا۔ باقی دو مقامات راقم الحروف کو یاد نہیں رہے۔ ایک دفعہ حضرت
نے صبح کی طرف رجوع فرمایا تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے مجھ شریف (عشق آباد) کے دروازے کھلوائیے تاکہ تمام حاضرین
مشاہدہ فیضان سے مستفیض ہو سکیں۔ راقم الحروف کو یاد نہیں کہ اس موقع پر سورہ یوسف استماع فرمائی تھی یا سورہ مزمل۔
بعد استماع دعا کے لیے دست مبارک بارگاہ رب العالی میں اٹھائے تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے حاضرین - غائبین -
متوسلین - غیر متوسلین غرض سب اُمت مرحومہ کے لیے دعا کی استعا فرمائی۔

آئندہ عرس پر صبح کی طرف رجوع کا وعدہ

ایک دفعہ جب صبح ہوا تو گیارہویں شریف کا عرس غوثیہ قریب تھا۔ حضرت بابو جی نے عرض کیا کہ عرس شریف قریب
ہے اور خلق خدا دُور دُور سے عرس میں شرکت اور حضور کی زیارت کے لیے حاضر ہوگی۔ براہ کرم وعدہ فرمادیں کہ ان ایام
میں صبح کی طرف رجوع فرمائے رکھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وعدہ وفا ہوگا۔ چنانچہ گیارہ ربیع الثانی
کے روز صبح سویرے آپ نے حسب وعدہ رجوع فرمایا۔

”بہار ڈے جیویں پھلاں تھیں حق تیویں سنسار کنوں“

اُس روز صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی حاضر ہوئے تو حضرت (احسن تقویم کے مطابق زینت ظاہری میں)
چنبیلی کے چھوٹوں کا ہار پہنے تشریف فرما تھے۔ آپ کی طبع لطیف کو چھوٹوں کے ساتھ خاص اُلفت تھی۔ اس موقع پر
معمدہ المراسلات ملک سلطان محمود صاحب کی زبانی سنا ہوا حضرت کا ایک مصرعہ یاد آ گیا ہے۔

ع "بہار ڈسے جیویں پچھلاں تھیں حق تیویں سنسار کنوں"
یعنی جس طرح پھولوں سے بہار نظر آتی ہے اسی طرح جہان سے حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ہار نہیں جیت ہے

صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی کے بھائی صاحب زادہ عبداللہ صاحب نے ازراہ انبساط عرض کیا کہ آج تو آپ ہار پہنے بیٹھے ہیں متبسم ہو کر فرمایا کہ "ہار نہیں جیت ہے"

اچھا یار! میں وعدہ کرناں

قاضی نور عالم صاحب خوشنویس بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے عرس کے انتظام کی خوش اسلوبی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا تو بالوجہ مدظلہ العالی نے شکریہ ادا کر کے عرض کیا کہ وعدہ فرمائیے کہ ہمیشہ آپ کے زیر سایہ ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بہتر انتظام رہے گا۔ فرمایا۔ جس طرح منظور خدا ہو گا۔ مگر حضرت بالوجہ کے پختہ وعدہ کے اصرار پر فرمایا "اچھا یار! میں وعدہ کرناں" (یعنی وعدہ کرتا ہوں) پھر ایک ارادت مند نے عرض کیا کہ ہم مُریدوں پر بھی ہمیشہ سایہ رہے۔ فرمایا "میں وعدہ کرتا ہوں" پھر محفل ختم شریف کے وقت حضرت کے لیے مسند مقدس بالا خانے پر لگائی گئی۔ تو آلوں نے آپ کی اپنی مشہور و مقبول نعت "آج سک ہتراں دی دھیری اسے" پڑھنی شروع کی جب اس مصرع پر پہنچے ع

ادہا مٹھیاں گالیں الاو مٹھن جو ہر اودا دی سن کریاں

تو فطرت شوق سے آبدیدہ ہو گئے۔ عشا کے وقت راقم الحروف بھی حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت حضرت نے قصیدہ ابن الفارض کے یہ اشعار ذوقیہ زبان فیض بیان سے پڑھے۔

سَائِقُ الْأَطْعَانِ يَطْوِي الْبَيْدَ طَيَّ
مُنْعِمًا عَزَّجَ عَلَى كُثْبَانِ طَيَّ
لَسْتُ أَنْسِي بِالشَّيْءِ نَائِيًا قَوْلَهَا
كُلُّ مَنْ فِي الْحَيِّ أَسْرَى فِي يَدَيْهِ

پھر ان اشعار کا اپنا فرمایا تو پنجابی ترجمہ ترجم سے پڑھتے رہے۔

سار باناں مسد باناں راہیا	شالا جیویں خیمہ بھوی ماہیا
اگھیں جا انہاں پیاریاں دل جاناں	گوہڑے نیناں دالیاں مستانیاں
بن تساڈے بک گھڑی سوسال دی	یہہ ٹھکانے پتی تساڈے بھال دی
لاپریتاں دے کے لارے اوہ گئے	اوہ گئے اوہ دل دے پایے اوہ گئے
سارا عالم صدقے آکھاں بول توں	داراں سر میں اُس آلو کھڑے ڈھول توں
بجھلے نہیں اوہ بول ٹھٹھڑے ڈھول دے	بول سا نول یار روہی رولہ دے

اس کے بعد آپ اپنے شیخ حضور حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر فرماتے رہے۔ پھر وادی حمر میں مشائخ سنتوں کے زچر نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بالشاذ تمناطیب کے ثروت سے سرفراز فرمانے کا ذکر فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "آل رسول کو میری سنت ترک نہیں کرنا چاہیے"

صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟

حضرت کے عالم استغراق کا ایک واقعہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب بڑی ہمشیرہ صاحبہ بغرض زیارت حاضر ہوئیں۔ فرمایا کون ہو؟ عرض کیا غلام محی الدین کی ہمشیرہ۔ فرمایا غلام محی الدین کون ہے؟ عرض کیا آپ کا فرزند۔ فرمایا آپ کون ہیں؟ عرض کیا مائی صاحبہ کی ہر عرض پر اسی قسم کا جواب فرمایا۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ حضرت کے بھتیجے سید عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دانتوں کے درد میں مبتلا ہوا۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دم فرمانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا۔ سید عبدالقادر۔ ارشاد ہوا کون عبدالقادر؟ عرض کیا گیا آپ کے برادر سید محمود شاہ صاحب کے فرزند۔ فرمایا کون محمود شاہ؟ یہ سن کر میں واپس آگیا۔ بعد میں ایک روز چانک اس طرف توجہ فرمائی اور حافظ سراج دین صاحب کو بھیجا کہ جا کر سید عبدالقادر سے کہو کہ فلاں آیت سات دفعہ پڑھ کر دم کرے۔ چنانچہ اطلاع ملنے پر صرف تین مرتبہ آیت پڑھنے کے بعد یہ پُرانی تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔

تجدید بیعت و ارشاد

ایک دفعہ صومیں ہوئے تو لوگوں میں شور برپا ہوا کہ آپ بفضلہ بالکل خیریت سے ہیں اور باتیں فرما رہے ہیں خود بابو جی فرماتے ہیں کہ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ بالکل پہلے وقتوں کی طرح علمی مباحث جاری ہیں۔ مختلف کتب علوم کی عبارتیں نوک زبان سے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے تجدید بیعت کی استدعا کی جسے قبول فرمایا اور کافی دیر تک مختلف زبانوں میں تلقین فرماتے رہے۔ (بابو جی نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شرف بیعت متعدد دفعہ حاصل کیا ہے۔) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا لیکن لحظہ بہ لحظہ حالت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجتا رہا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب کچھ ہماری تسلی کے لیے ہی نہ ہو اور یہ الوداعی ملاقات ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس کیفیت پر استقرار شکل ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ آپ پر پھر وہی کیفیت استغراقیہ طاری ہو گئی ہے۔

ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی

حضرت بابو جی حضرت کے وصال کے متعلق ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۹۲۹ء میں پہلی مرتبہ حج پر گیا تو شیخ الجامعہ صاحب مرحوم بھی وہاں تھے ایک روز مسجد نبوی میں ایک دُبلا پتلا شخص عربی لباس پہنے آکر مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ پھر لمبی سانس لے کر کہنے لگا کہ ۱۹۳۷ء میں ایک بہت بڑا انقلاب آئے گا۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ اُس وقت میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ غالباً یہ حضرت کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ اُس شخص نے بہت کے لفظ کو نہایت لمبا کر کے کہا تھا۔ اس لیے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ظاہری اور باطنی انقلاب ہوگا۔ بندہ مؤلف نے عرض کیا کہ حضور نبی الحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو حضرت کا انتقال ہوا۔ اور ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کو، جب کہ آپ کا جسم اظہر پیر دمزار ہوتا تھا، تو ایدورڈ ہشتم نے تخت و تاج چھوڑ دیا اور اُن کی جگہ جارج ششم نے لی۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد دوسری جنگ عظیم اور آزادی ہند وغیرہ کے انقلابات بھی رونما ہوئے۔

کیفیت وصال کا واقعہ

مارچ۔ اپریل ۱۹۳۷ء میں حضرت قبلہ عالم قدس بترہ نے متعدد مرتبہ سورہ یسین، سورہ یوسف، سورہ لقمان، سورہ ناک، سورہ مزمل، درود مستغاث شریف، سلسلہ شریف مشایخ گرام، درود کبریت احمد اور دعائے کبیر مولانا مولوی قادی غلام محمد صاحب مرحوم خطیب جامعہ سے استماع فرما کر حاضرین، غیر حاضرین، متوسلین، غیر متوسلین اور تمام امت مسلمہ مرحومہ کے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائی۔ سن وصال کے ماہ محرم میں زائرین کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ حتیٰ کہ چھ سات سو یومیہ تک پہنچ گئی۔ ماہ صفر میں حضرت کوڑکام اور میعادوی بخار کا عارضہ لاحق ہوا جس سے بالآخر مائوس کن اثرات کا ظہور ہوا۔ آخری تین روزہ کیفیت رہی کہ بار بار دست حق پرست دعا کے لیے اٹھاتے۔ پھر اپنے چہرہ مبارک کے سامنے تک سے جاتے کبھی صفحہ پیشانی تک اٹھکیاں پہنچاتے۔ اس کے علاوہ مکمل سکوت کبھی کبھی نیاز مندوں کی بار بار کی التجا پر چشم حق میں دافرماتے۔

۲۹ شنبہ ۲۹ صفر

یوم شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کی صبح کو نبض کی یہ حالت تھی کہ دابنے ہاتھ کی نبض رک رک کر چلتی تھی۔ اور بائیں طرف یعنی قلب مبارک کی طرف کی نبض حسب معمول جاری تھی۔ پھر پھر پہلے ۹۵ ہو کر پھر ۹۸ ہو گیا۔ گیارہ بجے حضرت کو مسند لگا کر تھوڑی دیر کے لیے بٹھایا گیا۔ پھر ٹہا کر حسب دستور سُرہ لگایا گیا۔ بوقت عصر ساڑھے پانچ بجے دونوں ہاتھ اٹھا کر اشارہ فرمایا جس کی تعمیل میں آپ کو سہ رادے کراٹھایا گیا اور آپ تکبیر پر سہارا لیے بغیر سیدھے بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت نے اپنی گردن مبارک کو ذرا سا ایک طرف مٹھا کر متمم فرمایا جس کے تاثرات اور تنویات کی کچھ تفصیل حضرت کے ایک دیرینہ مرید حاجی محمد خدابخش ٹوانہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے جو اُس وقت حاضر خدمت تھے۔ اُن کا بیان درج ذیل ہے :-

مسرت، حیا، نیاز

میں بزرگ مبارک کی پائنتی کی طرف مسرت و یاس میں رُخ انور پر نظر جمائے بیٹھا تھا اور درود شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں متمم فرمایا اور میرے قلب و نظر کی گہرائیوں میں بجلی کوند گئی۔ اس دنواز اور ایمان افروز لیسینی متمم میں مسرت، حیا اور نیاز کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ بے ساختہ زبان پر سبحان اللہ کا ورد جاری ہو گیا اور اُس وقت پردہ تصور پر تین مختلف مناظر کے نقوش ابھر آئے۔ (اولاً) قرآن مجید کی وہ بشارت یاد آگئی جس کی تفسیر خود حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی زبان مبارک سے گھوڑ ضلع ملتان کی ایک مجلس میں سنی گئی تھی۔

بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا پروردگار ہے اور اس بات پر ثابت قدم رہے اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں جو کہتے ہیں مت خوف کرو اور مت غم کھاؤ اور بشارت سُنو اس جنت

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ عَمَّ يُذَكِّرُ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ۚ نَزَّلْنَاهُ مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ۝ (لحم السجده آیات ۳۰ تا ۳۲)

کی جس کا تم نے عدا کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور وہاں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی تمہارے جی خواہش کریں اور جو کچھ تم مانگو اللہ غفور رحیم کی مہمانی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت ملائکہ رحمت اور مشائخ عظام کی ارواح طیبہ ارمغانِ بشارت نچھاور کر رہے ہیں۔ آپ کو مسرت ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی مثنوی شریف کا وہ سبق یاد آ گیا جب حضرت ریشہ پڑھتے تھے۔

اَذْكُرُوا اللَّهَ كَارِهٍ اَوْ بَاشٍ نَيْتِ اِرْجِعِي بِرِپَائِي هَرَقْلَاشِ نَيْتِ

تو ہر اوباش نیت پر ایک عجیب ادا سے ہاتھ اٹھا کر جھٹک دیتے تھے

(ثانیاً) جیہا کے ضمن میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مائیں اور سہیلیاں کسی دامن کو بنا سجا کر وفور شوق میں بلاتیں لے ہی ہوں اور وہ بجا کر مسکرا رہی ہو۔

اور (ثالثاً) نیاز۔ گویا حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حضرت کو عالمِ ناسوت کی کامیاب زندگی پر شاباش اور مبارک باد دے رہے ہیں اور آپ اپنے عجز و نیاز کا تحفہ پیش کر کے عرض گزار ہیں کہ یہ سب حضور کا ہی صدقہ ہے۔

ساتھ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت کا دائمی عجز و نیاز یاد آ گیا۔ عادت مبارک تھی کہ جب کسی اہل ذکر اراد مند کو سلسلہ شریف کی اجازت عطا فرماتے تو اپنے اہم گرامی کے سامنے اپنے قلم مبارک سے یہ الف ناطق تحریر فرمادیتے۔ "الہی بعجز و نیاز مہر علی شاہ عاقبتِ فلاں محمود گرداں"

اسم ذات کی برق انگیر، طویل اور عمیق گونج

تھوڑی دیر کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سترۃ العزیز کو آپ کے اشارہ پر لٹا دیا گیا۔ ملک سلطان محمود صاحب معتمد صیغہ مرسلہ جو اُس وقت خدمتِ عالیہ میں حاضر تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے دستِ راست کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ رُک رُک کر چلتی تھی لیکن بائیں ہاتھ کی نبض پوری طرح جاری تھی۔ بعد ازاں شاہباز اوجِ روحانیت نے اسم ذات شریف اللہ ایک دفعہ ہی آہستہ مگر ایسی طویل اور عمیق آوازیں زبانِ شوق اور قلبِ عرفان سے ادا فرمایا کہ اس کی گونج آپ کے دماغِ عالی سے لے کر قدم مبارک کے ناخنوں تک سارے بدنِ اطہر میں رگ و ریشہ اور سینہ مجلیٰ کی وسیع گھاٹیوں میں پھیل گئی۔ اُس وقت ایک صاحبِ مسمیٰ کرم شاہ قریشی سکنا غوث پور قریشیاں ضلع ملتان حضور کے قدم مبارک دبار سے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ قدم مبارک میں بجلی کی کرنٹ سی محسوس ہوئی اور میرے ہاتھ اٹھ گئے۔ یہ کیفیت عالمِ نمود کی الوداعی جھلک تھی جس میں آلِ مجسمہ نورانیت سلطانِ الواحیلین نے قاصدِ محبوب حقیقی، داعی وصال کا روحی لبیک سے خیر مقدم فرمایا۔ بہارِ نمود نے نمود بہار سے منتقل ہو کر چمنستانِ بزرخ اعلیٰ کی طرف توجہ منقطع کی اور مظہرِ نمود صحیفہ کرخ نور پر زعفرانی رنگ مشاہدہ ہوا۔ چہرہ مبارک کیف وصال سے مجسمہ نیاز نظر آیا۔ پھر دوبارہ بتولین کو الوداعی تلقین میں اسی طرح اسم ذات شریف کا اعادہ فرما کر رو بہ قبلہ ہو گئے۔

صُورَتِ اَز بے صُورَتِی آند بُرُوں باز شَدْنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ (رُومی)

جب قاری مولیسنا غلام محمد صاحب مرحوم خطیب نے پیشانی مبارک کو الوداعی بوسہ دیا تو خدام کی یہ حالت تھی کہ کوئی بے ہوش گم صُحُم تھا، کوئی چیخ رہا تھا، کوئی نقوش دیوار سکوت حیرت۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت بابو جی دامت برکاتہ کا حوصلہ اور ضبط اس وقت توفیق الہی سے عملی صورت میں نمودار نہ ہوتا تو اس سہمہ جانگاہ سے حاضرین کا وہ حشر ہوتا کہ لازم تجزیہ و تکفین مشکل ہی سرانجام پاسکتے۔

حضرت بابو جی صاحب عین وصال کے وقت اُس کمرہ میں موجود نہ تھے۔ نیچے مہمان خانہ میں ملک سلطان محمود صاحب کے کمرہ میں تشریف فرما تھے اور بار بار آدمی بھیج کر خبر مگوارہ لے رہے تھے۔ خاندان حشمت اہل بہشت میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے، جیسا کہ کتب مقدسہ بہشت بہشت وغیرہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور ان سے پہلی کتابوں میں بھی کہیں اشارات ملتے ہیں شیخ کریم کے وصال کے وقت نعمت کبریٰ اور عطیٰ کا وارث پاس نہیں ہوا۔ اور یسنت اس سلسلہ شریف میں سلسل جلی آرہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابو جی مظلّم کا اپنے عظیم المثل اور شفیق والد قدس سرہ سے حقیقی نیاز ایک باخلاص مُرد کی حیثیت سے بھی تعلق کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ جب کبھی حضرت کو شدت کی جسمانی تکلیف ہوتی تو وہ تاثیر احساس اور فورالم کی بنا پر اس تکلیف کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت بابو جی نے کمال ضبط و حوصلہ سے تجزیہ و تکفین کا مناسب ترین انتظام کر لیا اور جائے وصال پر پہنچ کر غمزدہ حاضرین کو اپنے تسلی بخش کلمات سے صبر کی تلقین فرمائی۔ یہ بلاشبہ توفیق ربّانی سے ممکن ہوا ورنہ آپ کے حسّاس اور مغموم قلب سے ایسے نازک وقت پر اتنے حوصلے سے سعی عمل کی کسی کو اُمید نظر نہ آتی تھی۔

سجادہ نشین اور مشائخ کرام کو اور ان مخلصین کو جن سے نماز جنازہ میں شرکت کی توقع ہو سکتی تھی برقی پیغامات ارسال کیے گئے۔ کئی متعلقین و متوسلین خود حضور صاحب الوصال قدس سرہ کی روحانی کشش کے باعث اور بعض دوسرے سعادت مند حضرات رُویائے صادقہ کے ذریعہ شرکت نماز جنازہ کی نعمت سے مستفیض ہوئے۔ چنانچہ مزار اقدس کے پہلے محب اور صوفی غلام سرور صاحب ساکن لوطی تھا نہ مندرجہ ضلع راولپنڈی کو حضرت نے وصال سے ایک روز پہلے خواب میں فرمایا کہ آج ہم بہت خوش ہیں کیونکہ کل بارگاہ رب العزت اور رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

مستورات کے اوایلا چہین مبارک پر انقباض

حضرت کے جسدِ اطہر کو شرعی غسل دے کر آخری زیارت جسمانی کے لیے اہل بیت شریف کے پاس پہلے حرم سرا سے میں پہنچایا گیا۔ بعض مستورات سے جو اُس وقت حاضر تھیں نہ لگایا ہے کہ باہر سے آنے والی کچھ مستورات نے حسب عادت اوایلا وغیرہ شروع کر دیا جس سے چہرہ مبارک پر ناز و غمی کا اثر پیشانی کے انقباض کی صورت میں ظاہر ہوا جب اوایلا بند کر لیا گیا تو یہ انقباض مسرت میں تبدیل ہو گیا۔

آخری زیارت، جنازہ اور تدفین

دوسرے دن بروز جمعہ یکم ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء ایک بجے سے چھ بجے شام تک حضرت کی چارپائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں ایک اونچی جگہ تخت پر رکھا گیا تاکہ زائرین آسانی جسدِ قدس کی آخری

زیارت سے مستفیض ہو سکیں۔ بعد نماز عصر ساڑھے چھ بجے شام مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب آستانہ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ایک انداز سے کے مطابق جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ پونے دو لاکھ افراد شریک ہوئے جن میں غیر مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں شامل ہو کر سب سے پیچھے کی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔ وہ کہتے تھے آپ جگت گرو ہیں اہل حدیث حضرات بھی کافی تعداد میں شریک نماز ہوئے۔ اس موقع پر محکمہ ریلوے کی طرف سے سپیشل ٹرینیں چلانے کا انتظام کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسری تمام گاڑیوں پر بھی جہاں کہیں ریلوے والوں کو زائرین کا ہجوم اسٹیشنوں کے درمیان پیدل سفر کرتے ہوئے نظر آتا تو گاڑی کو روک کر انہیں سوار کر لیتے اور گولڑہ اسٹیشن پر اتار دیتے۔ اس طرح زائرین کی کثیر تعداد کو نماز جنازہ میں حاضری کا موقع نصیب ہو گیا۔

آٹھ بجے شام آل قبلہ رُوحانیت، محبوب الہی، تشریف فرمائے وطن اصلی عالم قدس ہوئے حضرت کا جسم اطہر مسجد کے جنوبی باغ میں اُس جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کے لیے حضرت نے بیماری کے دوران متعدد بار اظہارِ اشتیاق فرمایا تھا۔ (یعنی عالم استغراق میں جناب مولینا محبوب عالم صاحب سے فرمایا کرتے تھے ”مجھے باغ میں لے چلو“ پھر فرماتے۔ ”کب لے چلو گے“ اور اُس وقت خدام اور حاضرین کی سمجھ میں نہ آتا کہ یہ کیا پیغام ہے۔ فیض)

حضرت کے مجبور متوسلین اب داغ مفارقت صوری کا ناقابلِ برداشت صدمہ اٹھا رہے ہیں مگر آپ کی یاد ہر وقت تازہ ہے۔ اور فیوضِ روحانی کی بارش روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہرگز نہیں د آں کہ دلش زندہ شد بعشق
جس کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرتا۔

ثبت است بر جسمیدہ عالم دوام ما
دفترِ عالم پر ہماری دائمی زندگی لکھ دی گئی ہے

چوتھی فصل

ملکی اخبارات و رسائل کے تاثرات

حضرت کے وصال پر قریباً تمام ہم عصر مشائخ کرام نے اظہارِ تعزیت فرمایا حضرت سید احمد عطاء صاحب مدنی بجاوہ نشینان صاحبزادگان دربار ہائے پاک پتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، بسال شریف، میرا شریف و دربار حضرت موسیٰ پاک شہید دہشت بہا و الحق صاحب گمان حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی، پیر جماعت علی شاہ صاحب و حافظ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری اور متعدد دیگر حضرات خود تشریف لائے اور فاتحہ پڑھی۔ تعزیت ناموں کے انبار لگ گئے اور برصغیر کے اخبارات و رسائل نے تعزیتی مقالے شائع کیے، چونکہ ان تاثرات کی طرف توجہ بہت دیر سے کی گئی اس لیے صرف چند ہی رسائل اور اخباروں کے اندراجات دستیاب ہو سکے ہیں۔ ورنہ اُس وقت غالباً اس وسیع برصغیر کا کوئی بھی ایسا رسالہ اور اخبار نہ ہو گا جس نے اس موضوع پر اظہارِ خیال نہ کیا ہو حضرت کے وصال کے حالات پر ایک طویل مضمون صورتِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے تقاضا پر یہاں سے آستانہ عالیہ کے ایک متوسل ولیک ناصر الرحمن صاحب بنگوی نے ارسال کیا تھا جو خواجہ صاحب موصوف نے اپنے اخبارِ مٹاوی دہلی میں نمایاں طور پر شائع فرمایا تھا اس باب کی تیسری فصل اسی مقالے کے افادات پر مشتمل ہے۔ چند دیگر اخبارات و رسائل کے چیدہ چیدہ اقتباسات درج ذیل میں :-

۱۔ اخبارِ معین - اجمیر شریف ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

... حضرت علامہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے شیخِ کامل اور عالمِ باعمل کی رحلت عالمِ اسلامی کے لیے ناقابلِ تلافی صدمہ ہے خصوصاً اس لیے کہ سرزمینِ ہند میں اب ایسی جامعِ برکات اور بزرگ شخصیتیں پیدا نہیں ہوتیں کہ ایک طرف علومِ اسلامی میں متجربانہ و جہتِ شان نظر آئے اور دوسری طرف فیوض و برکات باطنی، مدارج و مراتب روحانی میں عرفان حضرت سید احمد عطاء صاحب مدنیہ عالیہ کے متاز سادات کرام میں سے تھے اپنی زندگی میں حرمِ نبوی کی مجلسِ انتظامیہ کے نائب صدر رہے۔ آپ کے والد بزرگوار ترکوں کے وقت میں حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نوادرات کے عازنِ اعلیٰ تھے ترکوں کے چلے جانے کے بعد آپ کچھ عرصہ حالاتِ زمانہ کی ناسازگاری کی وجہ سے محاکم سے باہر رہے اور ہندوستان میں بھی کچھ عرصہ قیام فرمایا یہاں گولڑہ شریف مانہ ہوئے تو حضرت کا اُس وقت زمانہ استغراق تھا۔ ایک روز قیام کے بعد واپس کاٹھیاوار تشریف لے گئے۔ وہاں احمد آباد میں تھے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آستین مبارک اُونچا کیے ہیں جیسے مضمون فرمائے گا ارادہ ہے انہوں نے عرض کیا کہ حضور پانی لاؤں ارشاد ہوا انہیں میں گولڑاؤں و ٹٹوکوں کا یہاں مجھے دیگر اخبارِ علیہ السلام کے ساتھ سید مہر علی شاہ کا جنازہ پڑھنا ہے۔ یہ سو کر اُسے تو پریشان ہوئے خواب اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔ دوسرے روز اخبارات میں حضرت کے وصال کی خبر پڑھی اور کچھ عرصہ بعد خود تعزیت کے لیے حاضر ہوئے۔ اُن کی زندگی کے چند اہم واقعات اس کتاب میں کچھ اور جگہوں پر بھی درج ہیں۔

کابلین کا نمونہ ہو.....

۲۔ روزنامہ زمیں سدا لاہور۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ مسند آرائے گولڑا شریف (ضلع راولپنڈی) مرحوم.... کے عقیدت کیشوں کی تعداد کئی لاکھ تک ہے۔ آپ ان مشائخ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے جو صاحب بصیرت و تحقیقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی فاضل بالکل تھے... ہم اس حادثہ جانکاہ کو سلسلہ چشتیہ کے لیے ناقابل تلافی صدمہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ پین اسرحد ہری پور ہزارہ۔ ۱۷ مئی و ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

ہندوستان کا آفتاب علم و فضیلت غروب ہو گیا

... حضرت صاحب مرحوم صوبہ سرحد و پنجاب و ہندوستان کے بہت بلند پایہ عالم، فاضل اور خاندان چشت کے بلند ترین بزرگ ہادی و رہنما تھے۔ بلحاظ علم و عمل آپ کی نظیر اور ہمسر ہندوستان بھر میں نہ تھا۔ آپ کی روحانی برکات سے ہزار پابندگان خدا ہندوستان مصر شام، افغانستان میں فیضیاب ہو چکے ہیں جو آپ کے حلقہ عقیدت و ارادت و بیعت میں داخل ہو ا تقویٰ روحانی اُس کے ہم آغوش رہی۔ آپ کے چہرہ مبارک میں لمعات فیض تاباں رہتے تھے۔ آپ کے دیدار سے دل کو کیف و سرور حاصل ہوتا تھا آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔ مذاکرہ علمیہ و فن مناظرہ میں بلند پایہ تھے۔ مفسر تھے۔ محدث تھے۔ فقیہ تھے۔ صائم الذہر اور قائم القیل تھے۔

حضرت کو علم لدنی حاصل تھا۔ اجتہاد کا رتبہ رکھتے تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات و انتقال پر طال سے طول و عرض ہندوستان میں قائم ہو رہا ہے۔ ایسی جلیل القدر ہستی کا دنیا سے اٹھ جانا ملک، قوم اور ملت کی بد نصیبی کا موجب خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کے نورانی چہرہ میں ایک خاص ملاحظہ تھی جو کہ میں نے آج تک کسی فرد بشر میں نہیں دیکھی۔ وہ سب خوبیاں اور نیکیاں موجزن تھیں جو صحابہ کرام میں موجود رہتی تھیں۔ حضرت دنیا سے ناپائدار سے سفر اختیار کر گئے۔ مگر آپ کی نورانی شعاعیں آپ کی محترم اولاد اور مریدوں میں ابد تک چمکتی رہیں گی۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔.....

۴۔ روزنامہ وحدت۔ دہلی۔ ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا

... حضرت پیر صاحب کا انتقال نہ صرف مسلمانان پنجاب بلکہ کل مسلمانان ہند کے لیے ایک غم انگیز حادثہ ہے۔ اُن کے انتقال سے ہندوستان کے مسلمان ایک ایسے عالم ربانی اور بزرگ ہستی سے محروم ہو گئے جو علم و فضل کا آفتاب اور پابندی شریعت، ریاضت، عبادت الہی اور تقدیس ذاتی میں فی زمانہ اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت مرحوم کے علم و فضل کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبد الکافی صاحب مفتی اعظم کانپور (مرحوم)، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم، حضرت مولانا عبد الرحمن مہاجر کی آبادی، حضرت مولانا شاہ محمد غازی مہاجر کی مدرسہ صولتیہ وغیرہ جیسے علماء کرام آپ کے حلقہ مریدین میں شامل تھے... آپ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کے خلاف آواز اٹھائی اور

سید چشتیائی "جیسی مدخل و مبسوط کتاب تحریر فرما کر مسلمانان ہندوستان کو قادیانی عقائد سے آگاہ کیا اور ان کا رد فرمایا۔ قرآن مجید قصیدہ ابن فارض، مثنوی مولینا روم اور دیوان حافظ کا درس بھی دیا کرتے تھے اور حاضرین مجاہد بس پر سوز و گداز و عشق الہی کی عجیب کیفیات روحانی طاری ہو جاتی تھیں لیکن اب تقریباً دس سال سے آپ نے تمام مشاغل علمی کو ترک کر دیا تھا اور ریاضت الہی و عبادت الہی کے سوا کسی اور طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔

۵۔ روزنامہ وحدت دہلی۔ ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت مرحوم کی ذات گرامی منبع فیوض و کرم ہونے کے سبب اس زمانہ قضا الرجال میں مسلمانوں کے لیے موجب خیر و برکت تھی۔ اس لیے ردیل کھنڈ علماء پولیٹیکل کانفرنس کا یہ اجلاس آپ کے انتقال پر ملال کو ایک ناقابل تلافی قومی و مذہبی نقصان سمجھتا ہے۔

۶۔ ترجمان سرحد پشاور۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت پیر صاحب ... عرصہ سے بے حد کمزور بلکہ عملاً صاحب فراش تھے۔ بہت بڑے پایہ کے عالم اور متقی بزرگ تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں ہے جو پنجاب و سرحد اور دوسرے صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات پر بے حد رنج و الم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

۷۔ روزنامہ سیاست لاہور۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء

مولانا بہار الحق قاسمی کا بیان

... حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ دورِ حاضر کے اکابر علماء اور اعظم صلحائیں سے تھے۔ یوں تو آپ کو اکثر علوم عقلیہ و نقلیہ میں تبحر حاصل تھا لیکن علم تصوف کے ساتھ خاص شغف اور طبعی لگاؤ تھا۔ بڑے بڑے علماء و صوفیاء تصوف کے دقائق و غوامض کو حل کرنے بلکہ تصوف کی دقیق کتابوں کو درسا پڑھنے کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ تدبر و وقار اور حکام سے استغناء آپ کے خاص اوصاف تھے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور تکفیر سے متعلق وسیع احراز فرماتے تھے۔ البتہ مرزا غلام احمد صاحب کی تکفیر کے باب میں علماء اسلام کے ہم نوا تھے۔ بلکہ مرزا آغہ بانی کی زندگی میں ان کے خلاف کلمہ حق کہنے والے بزرگوں میں حضرت پیر صاحب قدس سرہ کو خاص درجہ حاصل ہے۔ ان کے خلاف بعض لاجواب فاضلانہ اور کفر شکن تصنیفات آپ کی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ غرض حضرت کا وجود گرامی اس قضا الرجال میں نعمتات روزگار سے تھا۔

۸۔ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور۔ ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء

... لاکھوں بندگان خدا کو آپ کی ذات سے عقیدت کا فخر حاصل تھا۔ اس زمانہ کفر و الحاد میں آپ کا وجود نعمتات سے تھا کیونکہ اس شہ فیض سے ہزاروں لاکھوں ارادت مندوں کو فیضان اور ربمانی برکات حاصل ہوئیں۔ آپ کا آستانہ عالی منبع فیوض تھا۔ دینیات کی تعلیم کا بھی انتظام موجود تھا۔ انگریزی جاری تھا۔ آپ کی ذات مقدس کے طفیل گورنر جیسے معمولی گاؤں کو

سارے ہندوستان میں شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کی وفات حسرت آیات سے طبقہ صوفیاء اور طبقہ علماء دونوں کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا ہے۔ عالم دین کی موت ایک جہان کی موت کا حکم رکھتی ہے۔ گو لڑائی سرزمین آج ایک باعمل درویش کامل اور صوفی بزرگ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئی ہے۔ ایسے بالکمال حضرات ہمیشہ پیدا نہیں ہوتے۔ سچ ہے ے

قرن ہا باید کہ تا صاحب دے پیدا شود بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن
نہ قرن میں دوسرا اویس قرنی پیدا ہوا نہ ببطام نے آج تک دوسرا بایزید پیدا کیا۔ گو لڑا کو بھی دوسرے مہر علی شاہ کی ہمیشہ
آرزو باقی رہے گی لیکن سلسلہ سموت و حیات لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو بعت نہیں۔ یہ دنیا و مافیہا
سب فنا فی ہیں ے

بہاں کہ زاد بنا چار بایدش نورشید زجام دہر مے کل مہن علیہا فان

پانچویں فصل

شعرا و اہلکار کا اظہار عقیدت مرثیہ اور قطعہات تارخ وصال

امیر شیریں کو صال حضرت قبلہ عالم گوروی

ان حضرت شیخ محمد علی مدنی رفاعی برقی غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر علی شاہ قدس سرہ العزیز
شیخ محمد علی مدنی رفاعی حضرت غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر علی شاہ قدس سرہ العزیز کا مرثیہ کہتے ہوئے
فرماتے ہیں :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْبَاكَ نَصْرُ مَنْ اَدَّاهُ وَفَتْحُ قَرِيبٍ ۱۳۵۷ ہجری

۵۵ ۳۲۹۰ - ۹۰ ۶۶ ۲۹۲ - ۳۱۲

لِفَقْدِ مِثْلِكَ مَهْرٌ عَلَى شَاهِ تَبْكِي الْعُيُونِ وَلِعُرْسِكَ الشَّرِيفِ قَدْ حَضَرَ الْمُحِبُّونَ
اے خواجہ مہر علی شاہ آپ جیسی ذات کے گم ہونے پر آنکھیں ہمیشہ روتی ہیں اور آپ کے عرس پر آپ کے پڑنے حاضر ہیں
لَقَدْ خَانَنَا فِيكَ هَذَا الزَّمَانُ فَلَا كَانَ هَذَا الزَّمَانُ الْخَوْنُ
آپ کے معاملہ میں اس زمانے نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا اب خدا کرے یہ دھوکے باز بھی نہ رہے
فَوَا اَسْفَى كَمْ سَهَرْتَ اللَّيْلَ اِلَى وَ اَظْهَرْتَ بِمِرَّ الْجَمَالِ الْمُصُونِ
آپ کی وفات پر افسوس ہے آپ نے کتنی راتیں بیداری میں گزاریں اور باری تعالیٰ کے جمال
مستقر کا راز ظاہر نہ کیا۔

وَاَوْضَعْتَ لِلطَّالِبِينَ الْهُدَى وَ بَيَّنْتَ لَهُمْ مَا يَجْهَلُونَ
اور ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے صراطِ مستقیم (میدارِ راستہ) اور وہ ہر چیز جس سے کہ وہ جاہل مطلق تھے
آپ واضح اور بیان فرماتے رہے

وَكَمْ رَدَدْتَ عَلَى الزَّالِمِينَ أَهْلَ الْبِدْعِ وَالضَّلَالِ وَالْفُتُونِ
اور بدعتیوں اور گمراہوں کی اور فتنہ بازوں کی کس قدر آپ نے تردیدیں فرمائی ہیں
وَذَلِكَ لِنَصْرِكَ هَذَا الدِّينِ وَلِكَيْتُمْ قَتْلُكُمْ لَا يَفْقَهُونَ
مذکورہ بالا تمام کا تمام محض اس دین کی مدد کی غرض سے تھا لیکن کیا جانتے کہ وہ ساری قوم ہی بے سمجھ ہے

سے یہ مرثیہ کی تارخ نظم ہے۔

وَلَقَدْ رَمٰتَكَ الْمُنُوْنَ بِسَهَامِهَا فَمَا اَخْطَاكَ سِهَامُ الْمُنُوْنَ
یقیناً موت نے اپنے تیروں سے آپ کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا۔ پس وہ موت کے تیر نہ پر بیٹھے
ظَنَّاكَ لِنَفْعِ الْعِبَادِ تَبَقَى فَنَابَتْ بِمَوْتِكَ تِلْكَ الظُّنُوْنَ
ہمارا گمان تھا کہ آپ کی ذات کریم بندوں کے فائدہ پہنچانے کے لیے زندہ رہے گی۔ مگر آپ کی اچانک
موت نے ہمارے تمام گمان غلط ٹھہرائے۔

اَرَدْنَا بَقَاءَكَ وَلَكِنَّا اَرَدْنَا مِنَ الدَّهْرِ مَا لَا يَكُوْنُ
خُلاَسَہم نے آپ کا زندہ رہنا مانگا تھا لیکن ہمارا یہ ارادہ حقیقتاً اس چیز کا ارادہ تھا جو سراسر نہ ہونے والی
ہو۔ لہذا ہم کامیاب بھی نہ ہوئے۔

اِنَّمَا سِرُّنَا بِقَوْلِهِ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
یقیناً ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک نے خوش کیا ہے کہ اے لوگو معلوم کر لو کہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی
خوف ہے اور نہ کسی قسم کا غم ہے۔

وَلَقَدْ تَرَكْتَ لَنَا سِرًا جَامِضِيْدًا فَكَمْ لَهٗ مِنْ اَسْرَارٍ وَشُؤُوْنَ
اور بخدا آپ نے ہمارے نفع کے لیے ایک ایسا چمکتا روشن سورج چھوڑا کہ اس کے رازوں اور بھیدوں کی
انتہا کوئی معلوم نہیں کر سکتا یعنی اپنا جان شین فرزند ارجمند مدظلہ العالی

وَاَزٰكِي صَلَوةٍ عَلٰی النَّبِيِّ مَا هَبَّ رِيْحٌ وَّمَا لَتْ غُصُوْنٌ
اور بہترین صلوٰۃ اور سلام خدا کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے رہیں جب تک کہ وہائیں چلتی رہیں رشتیاں چھوٹی رہیں
وَاعْفِرْ ذٰرِبَ لَنَا ظِيْهَا عَبِيْدِكَ مُحَمَّدٌ عَلٰی وَاَوْصِلْهُ مَدِيْنَةَ الْمِيْمُوْنَ
اے اللہ اپنے کترین بندہ یعنی اس مرثیہ کے شاعر محمد علی کو بخش دے اور بہت جلد اسے مدینہ مبارکہ میں پہنچا دے۔

۲۔ بروصال پر ملا حضرت قبلہ عالم گولروی قدس سرہ

اَزَقَلَمُ الْاَوْفَلُ مَوْلَانَا مَوْلَايَ كَرَمِ الدِّیْنِ صَا مَرْجُوْمٍ وَبِیْرُصْنَفِ تَصَانِیْفِ کَثِیْرَةٍ وَبَلَّغَ وَمَنَاظِرِ اِلٰہِیْنِ تَوَابِحِیْنِ سَکَنَ بَحِیْنِ۔ خَلَعَ جِلْمِ

آسمان را حق بود گر خوں بسا در بر زمین
بر وفات پر سیاہ ما شاہنشہ دنیا و دین
شد غروب آں مہر عالم تاب شد گیتی سیاہ
بر فلک گریاں ملائک جن و انس بر زمین
رخت بستہ زین سراچوں رفت در دار السلام
گفت رضواں خیر مقدم فادخلوها خالدا دین
خورد غلماں صف کشیدہ منتظر بہر جمال
جسم شد محبوب از مایک رُوح پاک او
طالب دیدار آرواح عباد الصالحین
ہر زمان نگراں حال طالبان صادقین

باشد از بہر مریداں حضرت اقدس در تیر

روز محشر مشیل جد خود شفیع المذنبین

۱۔ اس سے مراد آنجناب کے خلف صدق قبلہ باوجودی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے۔

نوحۂ وفاتِ حسرتِ آیاتِ قبلۂ عالم گولڑہ شریفِ قدس سرہ

از جناب مآلِ صدیقی پشاور

اللہ اللہ انقلابِ چرخِ رکیں
 داسے دیلا چھپ گئی زبرِ زیں
 اٹھ گئی وہ شہِ نشینِ عارفین
 اٹھ گئی افسوس وہ فردِ وحید
 اٹھ گئی ماہرِ کلامِ اللہ کا
 آہ سونا ہو گئی ہندوستان
 اٹھ گئی وہ مردِ میدانِ عمل
 انتقالِ خواجہ مہر علی
 مرگ عالم ایک عالم کی ہے موت
 کر گئی پرواز جب رُوحِ حضور
 بہرِ استقبال آئیں دوڑ کر
 گولڑہ کل تک جو تھا رشکِ جنات
 صدمہ جانکا ہے میرے لیے
 کیا کہوں کس سے کہوں کیونکر کہوں
 چہ تم گریاں جسمِ لرزاں ہوشِ گم
 تھے مرے استاد کے استاد وہ
 تھے تسلیمِ الطبعِ عالیِ حوصلہ
 حاضر و غائب سے تھا یکسر سلوک
 عالم و فاضل بھی تھے درویش بھی
 تھے نہایت نرم دل سادہ مزاج
 التجا ہے اب ہماری اے خدا
 ڈھانپ لے مرحوم کو رحمتِ تری
 اٹھتے جاتے ہیں جہاں سے صاحبیں
 آسمانِ علم کا مہرِ بھیں
 اٹھ گئی وہ صدرِ بزمِ ساکین
 بزمِ اہلِ علم کا کرسیِ نشین
 کس سے پوچھیں رمزِ قرآنِ بھیں
 اٹھ گئی ہندوستان کا فخرِ دیں
 خواجہ مہر علی سلطانِ دیں
 ہے نصیبیت بہرِ قومِ مسلمین
 کم نہیں یہ حادثہ اے مسلمین
 چل بسی جب جانبِ خلدِ بریں
 جنتِ الفردوس سے حورانِ عین
 آج ہے ماتم کدہ وہ سرزین
 کیوں نہ ہوں میں مضطرب اندویش
 مجھ پہ جو گذرا ہے صدمہ ہم نشین
 دل پریشاں مضطرب جانِ حزیں
 پیرو مُرشد راہنمائے راہِ دیں
 فیضِ بخش و خندہ رُوروشِ جہیں
 ظاہر و باطن میں تھے سب کے قریں
 صاحبِ عرفانِ ربِّ الغلیں
 تھے وہ اک تصویرِ سلفِ الصالحین
 رسمِ فرما بہرِ ختمِ المرسلین
 صبر دے ہم سب کو ربِّ الغلیں

مآلِ مخلص کو ہو یارب نصیب

عرصہِ محشر میں قُربِ مخلصیں

انبار رہبر پشاور مورخہ یکم جون ۱۹۳۷ء

وصالِ حُزنِ مالِ پرِلالِ حضرتِ پیرِ سیدِ مہر علی شاہ صاحبِ گو لڑوی

بارِ شاہِ حضرت مولائی اُستادی مولوی گل فقیر احمد صاحبِ پشاور

نتیجہٴ فکرِ جنابِ ماسٹر عبدالحق صاحبِ علوی شیخوپورہ معلمِ مشن سکول پشاور

شبِ فراقِ تو تنہا نہ خانِ دامنِ سوخت
یقینِ بدم کہ مرا روزِ وصلِ خواہد ماند
فغانِ ز ابریکِ ریزد بہ دامنِ غولِ ہا
قرارِ و صبر و تحمل نہ ماند درِ حسدِ من
سبکِ برفقی ز ما و سخنِ بسانِ زدی
ز ضبطِ گریہِ پسندارِ آلِ کہ خاموشم
مرا نہ شیوہِ ریا باشد و نہ اطمینانِ

چہ روزِ وصلِ تو آمد کہ جانِ جانم سوخت
بلائے کُنہِ ایں طسِ ز آسمانم سوخت
اماں ز برقِ تجسّی کہ دیدگانم سوخت
شرارِ آتشِ فرقتِ بہیں چنانم سوخت
ز رفتنِ تو چہاں جبرِ دگرانم سوخت
ز بسِ گریستنم در دہاں ز بانم سوخت
عیانِ بسوختم و ہم نہاں نہانم سوخت

شبِ فراقِ تو تنہا نہ خانِ دامنِ سوخت

چہ روزِ وصلِ تو آمد کہ جانِ جانم سوخت

برفتِ مہر علی زُودیش از بہاں پوشید
بروزِ سلخِ صفرِ رختِ سفرِ بر بستہ
وصالِ احمد و چہلم ز خواجہ جیثانی
فرازِ مسندِ ارشادِ خواجہ محی الدین
ز بے نصیبِ فلکِ کو بکام او گردد
حُشا بباردش انوارِ رحمتِ باری
ثوابِ ختمِ کلام و درودِ پیمبرِ
مباد آنکہ گریبانِ خود نہ چاک کند
ہر آنکہ معتقدِ خاکِ پائے آل باشد

جوارِ رحمتِ حقِ دامنِ جوارش باد
قیامِ منزلِ حضرتِ بے گوارش باد
قادرِ جنتِ بوصلش کہ ہر دو یارش باد
نشستہ بر فرشِ حیرتِ تاجدارش باد
طوافِ کوچہٴ خواجہ اگر مدارش باد
ہجومِ لطفتِ ایزدِ سرِ مزارش باد
بُروحِ اقدسِ انوارِ چل ہزارش باد
بمیدِ آنکہ نہ دامنِ تارِ تارش باد
دلیلِ مغفرتش نزدِ حقِ پیارش باد

شہا معاوضہ علوی ز تو نمی طلبد

خزانِ عقلتِ اورا بَدَلِ بہارش باد

ہفتہ وار رہبر پشاور ۱۰ جون ۱۹۳۷ء مطابق ۳۱ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

نوائے غم

چشکِ مجبورِ قلبہ و کعبہ حضرت صاحبزادہ صاحبِ حبِّ الارشاد اُستادی مولائی حضرت مولانا

گل فقیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد

برضال حضرت قبلہ عالم قطب القادری صاحب سید السالکین زیدۃ العارفین حاجی سید مہر علی شاہ صاحب

چشتی قادری صدر نشین خانقاہ گولڑا شریف ضلع راولپنڈی پنجاب

(پیش کردہ جناب سید ضیاء جعفری القادری صدر دائرہ اودیہ پشاور)

ساقیا امروزی بے کیف است جام زندگی
مادر گیتی سیاه پوش است چوں شب تار
سرزمین گولڑا امروزی ماتم حنا شد
مہر عالم تاب از پیش نظر بہیات رفت
حاصل کون و مکاں بچتا گم کردہ ایم
دید بے خواب است آن چشم غزالۃ اچہ شد
شد لباس فقر از خون تمسک لاله زار
آہ اے مہر علی اے سپیکر صدق و صفا
تا نمودی پردہ از چشم ظاہرین ما
بسکہ انجم ریخت چشم اشکبار کشتاں
اے کہ ذات پاک تو سرمایہ اسرار عشق
اے حبیب دل اے سحر جان ما
آستین جلوة منکرت دید بھیناستے
از چراغ قلب تو گشتہ بے دہا چراغ
بود نطق گوہر نیت آئیہ فردوس گوش
بود از ہجری ہزار و شصت و پنجاہ و شش
بست و نیم از صفر در یوم وصل مصطفیٰ
حق دید صبر و سکون با خواجہ محی الدین سعید
اے شہنشاہ ولایت اے امیر روزگار
تاجدار معرفت اے معنی برتر حیات
اے تو شمس الدین تبریزی و مولائے ما
دیدہ ہائے گل فقیر احمد ہمہ طوفاں گرفت
آن فقیر در گمت استاد مامولائے ما
آنکہ از بحر تو یک چو بہت در گلزار عشق
آتش در سینہ غم پرور اور اگر گرفت

خار غار رنج و سہ ماں گام گام زندگی
جز کف افسوس نبود حاصل لیل و نہار
گولڑا ویراں چہ شد علم ہمہ ویرا شد
چشمہ آب بہت اندر دل ظلمات رفت
چشمہ داریم لیکن ما نظر گم کردہ ایم
نالہ بے تاب است آن روح بلالی اچہ شد
علم و عرفان و عمل با مرکب حسرت ہم کنار
از وصال شد زمین و آسمان ماتم سرا
داغ بادل آتشا شد گریہ با چشم وفا
نیلوں در ماتم تو شد قبائے آسمان
اے کہ مہر جلوة ات شد مطلع انوار عشق
جان ما جانان ما اے دین مایان ما
سینہ بے کینہ ات ہم طور و ہم سیناستے
وز داغ روشن تو شد منور صد داغ
گشت آن رنگینی گفت از تصویر خموش
روز سہ شنبہ سفر کرد از جہاں آن مہروش
در جوار رحمت حق رفت آن نور خدا
زینت سجادہ زیب مسند و خلیف رشید
نور چشم غوث اعظم اے شہ گرد دل قادر
شش جہت آئینہ از جلوة ذات و صفات
ما کجا بے جلوة رویت رویم اے وائے ما
ہاں دل بے اختیارش آتش سوزاں گرفت
بے تو رفت از خوشنقش اے وائے وائے ما
گشت از مہر تو چوں آئینہ اسرار عشق
داستان خاک پاک گولڑا از سر گرفت

ذَرّہ و اماندہ حیراں از غروب آفتاب
عالم معنی ہر تار یک شد دل با غراب
از سروش آمد ندا کے بسندہ و ہم دگمان
بہرہ از روح پاکش گیرد ایں آیت بخوان
گفت حق جان شہیداں را مسلم شد حیات
کشتہ تسلیم را پس کے بود خوف ممات
مرگ بہر او یا وصل جہاں و زندگیت
زاں کہ روح شاں ہمہ تابندگی پائید گیت
بر آئید یک نگاہ آں دو چشم شرمہ سا
لالہ با بر مرقدش کارید اشک غول ضیا

برو صال پر ملال حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس برہ

از نیازمند در گاہ مہر فیض احمد غنی عنہ (مؤلف)
دوش از مصمم قلب بگو شمع کے نواخت
کال شیخ وقت قطب زماں ایں جہاں گذشت
آں شاہباز قدس نشین کہ در زمین
دلہا شکار کردہ علم و جہاں فراشت
آں نور ذات حق کہ بیک پر تو نگاہ
ذرات خاک سجدہ گہ آفتاب ساخت
آں مرد کاہے کہ بعد فان و عشق حق
در وقت غولش مثل خود اند بہاں نہاشت
آں محبت خدا کہ بہر جا قدم نہاد
باطل بصد خجالت و ذلت ازاں شافت
مردان راہ گرد ازاں جا نیافتند
آنجا کہ اسپ فضل و کمالش دوید و تاخت
سبط جناب حیدر و ولند غوث پاک
فرزند شاہ کون و مکان آں مصطفیٰ است
فیض از نگاہ لطف خدا کے شود جدا
آں کس کہ قدر مہر علی شاہ بدل شناخت

انتقال پر ملال

قطب قطاب سیدی مولائی اعلیٰ حضرت حضور پر سید مہر علی شاہ صاحب پستی قادری گولڑوی قدس برہ
از جناب شیخ ذاکر اللہ داتا صاحب طائب نقشبندی گنجابی
از چہ تار یک است در چشم جہاں
وز چہ می نیمزد ز قلم ایں فعال
از چہ شد غولبار چشم دوستاں
وز چہ شد ماتم کدہ ہند و ستاں
از چہ در دستم بلرزد حسامہ
وز بیانش در دہن سوزد زباں
چیت ایں شورے کہ در عالم فدا
در نواح گولڑا آہ و فغاں
سید ما حضرت مہر علی
آفتاب معرفت قطب زماں
منظر فیض عظیم مصطفیٰ
سید السادات بس عالی نشان
پیشوائے اصفیاء و اقیان
ناقصاں را پس شمس کا ملال

مہر چرخ زہد و ورع و اتقت
 دور گیتی چوں مشتالش کم برزاد
 از قدم بوسیش محمد دم بساخت
 حیف و دادیلا درین حسرتا
 دیدنش کفارہ عصیان ما
 موت عالم موت عالم گفتہ اند
 بہر تارخ و حالش این بگفت
 روز سہ شنبہ صفر بست و نہم
 از صد بستم برفتنہ سی و ہفت
 مرجہاے گفت رضواں مرجہا
 زانکہ سوئے حق روی اسے حق نہا
 یادم آری از کرم بس عاصم
 ہمت مرد خدا گردد فنڈوں
 رحمت حق بر مزارست تاابد

در علوم شرع بحسبے کراں
 چشم بہر و ماہ ندیدہ ہم چہناں
 رفت از دارِ محن سوئے چہناں
 شد جدا از مایہ بیکناں
 بود مرد حق پرست و حق نشان
 بود در علم و عمل جان چہناں
 طالب از کجہاہ باورد و فناں
 قبلہ عالم چو شد جنت رواں
 یازدہ از منی بحق واصلان
 مفتدش را ایستادہ خوریاں
 لب کشائی چوں بحق دوستان
 زانکہ لطف بیشتر بر عاصیاں
 چوں شوند از بہمن بیدوں مومناں
 قبر تو در وسط گلزار چہناں

دیگر

(از مولانا مولوی سلام اللہ خان صاحب بنس چاکے)

چہ گویم ز بے ہمدی چرخ دُوں
 نہ شاید ز داستان مکش گریخت
 ز دنیارواں گشت قطب زماں
 مسیحا دم و خضر فرخندہ پے
 ز اولاد پیغمبر پاک دین
 ہم نامداران رُوسے زمین
 بتبیح و تبلیل یاد خدا
 ز ماہ صفہ بود بست و نہم
 بافق ظلمت شدہ رونا

ز دستش کسے شادمانی ندید
 نہ خواہد کسے از بلایش رہید
 چو معروف و ذوالنون چوں بازید
 مبارک بسیرت ہمایوں پدید
 چہراغ شہستان شاہ شہید
 بصدق و ارادت مطیع و مرید
 بذکر خداوند عرش مجید
 سفر کرد و دامن زیاراں بچید
 چو بہر از جہاں مہربانی کشید

بہنک مزارش خداوندگار

وہدیں و برکت ز لطف مزید

تاریخِ مائے وفاتِ اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چو آن مہر سپہر اوج رفعت نہاں شد عیساں وقتِ زوالش
سیاہی گشت در عالم ہویا جہاں بے نور شد از انتقالش
بروج پاک اود بارانِ رحمت الہی نیک گردانی مالش
بگو نورِ ہدایت رفت بحسری اگر خواہی زمین سال وصالش

۱۳۵۶ مہجری سال آن قطب یگانہ
بگو ہے ہے چراغِ حشت سالش

دیگر

جناب پیر صاحب فخر سادات چو از دُنیا بخت رفت ناگاہ
اسیر قیدِ عنم گردید ہر یک جہاں تاریک شد چوں رُوئے بدخواہ
بگو فخرِ زمان و قطبِ دُوران
بتاریخ وصالش از سر آہ

دیگر

(از جناب مولوی محمد فاضل صاحب صابر از ٹھیکریاں)

از ازل رسمِ قدیم آمد کہ مہر آسمان
لیک اے حسرت نصیب گشتہ و بختِ بگوں
خویش تن و ساز شد با عنم گسارِ خویش تن
الغیاث از مکر ہائے آسمانِ حیلہ ساز
آں کہ بر اعداء چوں سیفِ چشتیائی بر کشید
آں کہ در میدانِ محیب کوں جنگی را نواخت
بعد ازیں ہرگز نباید داشت اُمید بقا
لیک آہ آں آبِ حواں رفت در زیرِ زین
طالبانِ راتِ لب بگذاشت ز آبِ فیضِ خویش
ہائے آں شاہِ ولایت سرگردہ اولیا
چوں ازیں دُنیا برائے سفرِ خستِ خویش بست
بر دلِ مردم رسیدہ آں چنناں دروِ فراق
مے بود محبوب تر اندر زمستان بے گماں
مہر ما گردید در آغازِ تابستان نہاں
کوہِ عنم انداختہ بر قلبِ ما پس ماندگان
الاماں از بازیِ چرخِ ستم گراں اماں
سر بُریدہ صد ہزاراں را بہ تیغِ جانتان
بند گردانید سخنِ تدعی و تادیان
نیست در ایں خاکدانِ گنجینہ امنِ اماں
کیست آں واپس بیارہ از برائے تشنگان
ماکنون از قطرہ فیضش نکرده تر زبان
بود یکتاے زمین اہل صفِ قطبِ زمان
در ہمہ عالم بپاشد سر بسر آہ و فغان
گر نہی بر کوہِ نزار دتاب ایں بارِ گراں

بود آں بحسب علوم ظہری و باطنی
 از وجودش گولڑا گلزار بودہ سرسبز
 آہ آں گلزار زیب گشت پامال خزاں
 جامہ خود چاک کردہ غنچہ از رنج درویش
 ہست نبی و منہ بنغم نیل پیرا ہن زدہ
 بسکہ بار ہجر اور اساخت بے تاب توں

صابر از سن وصال شان بگو آمدند

بے ضیاء ماندہ جہاں چوں ہستہ عالم شد نہاں

۱۸۳۷ + = ۱۹۳۷ - ۶

راقم الحروف (مؤلف) کی استخراج کردہ تاریخ وصال، تُوُفِی وَدَّوْدُ اللّٰہُ جَبَدٌ دُطِرَ یَقِیَّتْہِ یعنی اللہ کا دوست
 طریقہ الہیہ کا مجدد فوت ہوا قبل ازیں بھی تحریر ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ رام پور، لکھنؤ، دہلی وغیرہ کے عقیدت مندوں کے
 مرثیہ جات و تاریخ ہائے وصال بخوف طوالت درج نہیں ہو سکے۔

بعض کوائف بعد از وصال

چھٹی فصل

حجابِ برنخ کی کیفیت

حضرت بابو جی مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں کہ وصال کے چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مزار شریف والی جگہ پر ایک مکان میں پلنگ پر موجود ہیں۔ اُس پلنگ کے ایک جانب نہایت باریک سیاہ رنگ کا پردہ لٹک رہا ہے۔ میں متعجب ہوتا ہوں کہ حضرت کا تو وصال ہو چکا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کو بھی بلاتا ہوں کہ آؤ زیارت کر لو۔ اس پر آپ اس پردہ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ہم ادھر سے ذرا اُدھر ہو جائیں تو یہی ہمارے لیے موت کی کیفیت ہے۔ سچ ہے۔ اَوَّلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوتُوْنَ بَلْ يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ اٰخِرٰى۔ (اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ اس دار سے دیر آخرت کو منتقل ہو جاتے ہیں)۔

ایک مہجور ارادت مند کا خواب

وصال مبارک کے بعد عقیدت مندوں پر جو کیفیت گزری وہ بیان سے باہر ہے۔ اس صدمے سے مہینوں روتے رہے۔ کھانے پینے کو بھی نہ چاہتا۔ اور نہ کسی محفل میں جی لگتا۔ ایسے ہی ایک غمزدہ نیاز مند نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نے اسے گولڑہ شریف میں طلب فرمایا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ حضرت سنگ مرمر کے تخت پر تشریف فرما ہیں اور خیر و عافیت دریافت فرمانے کے بعد اُس کے رات دن آنسو بہانے کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو تمہاری حالت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پانے کے لیے یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ یہ خواب اُس نے حضرت کے وصال کے چوتھے روز اپنے شہر میں دیکھا۔ اس پر اُسے ایسا جوش گریہ طاری ہوا کہ تین چار ماہ بعد جا کر اس میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ سنگ مرمر کا روضہ اور تخت جو اُس نے خواب میں دیکھے تھے تقریباً بیس برس بعد جا کر تیار ہوئے۔ اس ناشاد کا نالہ غم اس طرح منظوم ہو گیا تھا۔

یادِ ایام کبھی دہریں آباد تھے ہم	باعثِ رونق کاشائے اہلباد تھے ہم
بزمِ گلزار تھی وہ یار تھا اور ابر بہار	گلِ دہل تھے کبھی شمری و شمشاد تھے ہم
جان پروانہ تھی اور سامنے وہ شمعِ جمال	نشہ دید میں ہر سر سے آزاد تھے ہم
روحِ قربان تھی اور نذرِ دلِ جاں کا خراج	جلوہِ حسن میں مسرور تھے و نشاد تھے ہم
ناگماں چھوڑ کے وہ یارِ طرحِ دار گیا	ناگماں دور تھے، مہجور تھے، برباد تھے ہم

ظلمتِ غم کی سیاہ رات ہے اے مہرِ منیر
تیری فرقت میں بہت روتا ہے یہ تیرا فقیر

مولوی عبدالرحیم صاحب (تختی) کا غش

حضرت قبلہ عالم قدس ہترہ کی نمازِ جماعت کے بعد ایک درویشِ مخلص مولوی عبدالرحیم صاحب مکہ تختی ضلع کیمیل پور سرگرم پر بے ہوش پڑے پائے گئے کچھ لوگ انہیں ہوش میں لانے کے بعد ملک سلطان محمود صاحب منہم ماسلات کے کمرہ میں لے آئے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ نمازِ جنازہ سے واپسی کے وقت میں حضرت کے حجرہ مبارک (عشق آباد) کے بالائے پر نظریں جمائے رہا ہوا آ رہا تھا کہ آپ اپنا کمرہ میرے پاس سرگرم پر آکر کھڑے ہو گئے اور مسکراتے گئے۔ میں اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

حضرت بابو جی کی داستانِ غم

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی ذاتِ اقدس پر جو کیفیت گزر گئی اُس کی داستانِ طویل ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے حضرت کے وصال کے وقت حیرت انگیز ضبطِ اُردو وقار کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ لیکن انتظام اور تجہیز و تکفیل کے فوری فرائض سے فراغت پانے کے بعد گریہ کا طوفان ایسے اُٹھ آیا جو کبھی تھمتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ خدام اور مخلصین میں آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر نئے سہرے سے کُراہم برپا ہو جاتا تھا۔ اپنے سلسلہ کے بزرگان اور ملک بھر کے ہم عصر مشائخ دستار میں ساتھ لیے تشریف لائے رہے لیکن دستار بندی کا ذکر آتے ہی آپ پر شدید رقت طاری ہو جاتی۔ فرماتے: وہ اپنی جگہ آپ ہیں۔ میں تو صرف خدمت کے لیے ہوں۔ یہ بات سن کر ان حضرات پر بھی گریہ طاری ہو جاتا۔ چنانچہ آج تک مجلس کے مقام صدر میں حضرت قبلہ عالم قدس ہترہ کے لیے مصلنے بچھتا ہے اور بابو جی مدظلہ العالی ایک جانب دو زانو بیٹھا کرتے ہیں۔ حجرہ مبارک میں حضرت اعلیٰ کا بستر بستہ اور سجایا ہوا ہے اور چھپکھٹ لگی ہے۔ ارد گرد آپ کی تسبیح، جائے نماز، مسواک، رُومال، کُلاہ، جُتہ، مختلف پارچا پوشینی پاؤش، کھڑاؤں، شیشہ والی الماریوں میں اور میزوں پر بطور تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی زیارت اعراس اور عیدین کے موقع پر کرانی جاتی ہے۔ حضرت کی نشست گاہ کو آنجناب کی لائبریری بنا دیا گیا ہے اور حضرت بابو جی نے اپنی نشست کے لیے علیحدہ ایک مختصر سی جگہ مخصوص فرمائی ہے۔ طالبین کا کثرت سے رجوع ہے۔ اور حضرت اعلیٰ کے سب ارشاد بے شمار لوگ داخل سلاسلِ عالیہ ہو رہے ہیں لیکن حضرت کے مُردِ جب بابو جی سے تجدیدِ بیعت کی درخواست کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تمہارے شیخِ زندہ ہیں۔ وہاں حاضری دو۔ اُدھر مزارِ شریف پر حاضر ہونے والوں کو حضرت کی طرف سے حکم ہوتا ہے بابو جی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ چلیوٹ کے ایک صاحب کشفِ خطیب صاحب کہتے ہیں کہ میں مزارِ شریف پر متوجہ ہوا تو اتفاقاً ہوا کہ بابو جی کو جا کر ملو۔ مجھے دریافت پر معلوم ہوا کہ آپ حضرت صاحب ثانی کو اس نام سے یاد فرماتے تھے۔ تاہم حضرت کے بعض خوش نصیب مُردِ باعِصرا ارستہ ما تجدیدِ بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

ساتویں فصل

روضہ شریف کی تعمیر

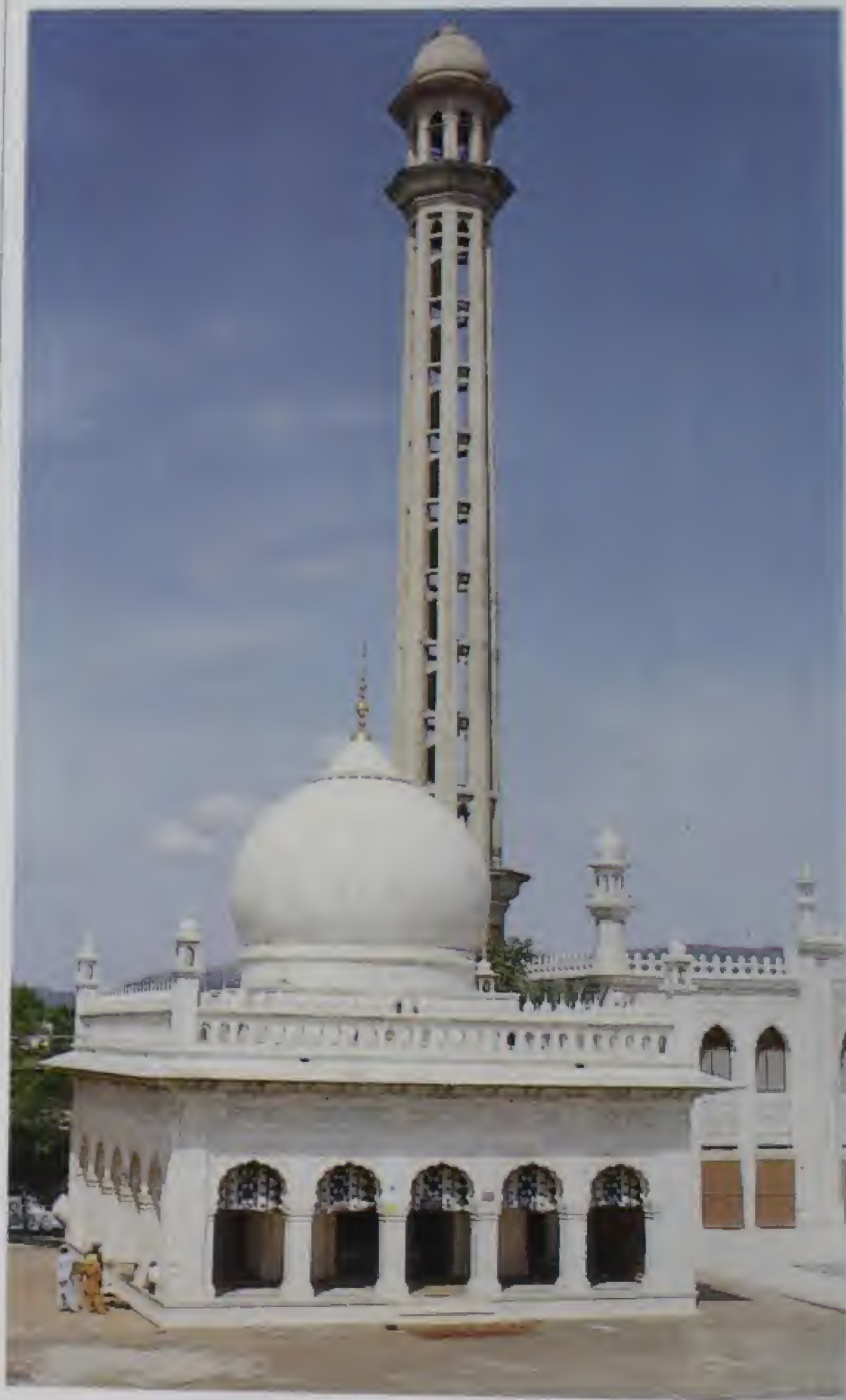
وصال شریف کے بعد حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی نے خدام حاضرین کا یہ مشورہ پسند فرمایا کہ مدینہ منورہ کے نقشہ پر حضرت قبلہ عالم قدس برہہ کامر قد پاک بھی مسجد کے متصل بائیں طرف ہو چنانچہ اس مقصد کے لیے باغ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا جو مسجد کے جنوب میں کچھ نشیب میں واقع تھا جب روضہ شریف کی تعمیر کے لیے باغ کا یہ حصہ کاٹ کر اس کی سطح مسجد کے فرش کے برابر کر دی گئی تو حضرت نے خواب میں بعض متوسلین سے فرمایا کہ مجھ پر اس قدر بوجھ کیوں ڈال دیا گیا ہے۔ اس پر انجسینر مہتمم تعمیر بابو لعل محمد صاحب چغتائی سابق اسسٹنٹ چیف آرکیٹیکٹ، گورنمنٹ پنجاب نے جنہیں حضرت سے شرف بیعت بھی حاصل تھا مشورہ دیا کہ تابوت شریف کو نکال کر نئے تعویذ میں رکھا جائے جس کی گہرائی چھ فٹ سے زیادہ نہ ہو جب کہ موجودہ صورت میں گہرائی بیس فٹ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

تابوت شریف کی برآمدگی

چنانچہ یہ مبارک تقریب وصال شریف سے تقریباً تین سال بعد اس طرح عمل میں آئی کہ ایک شام تابوت مبارک کو نکال کر حضرت اچھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت کے والد محترم) کے مزار مقدس کے پاس رکھ دیا گیا۔ جہاں رات بھر دوسرے روز اور آئندہ شب مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ پروگرام تو یہ تھا کہ اسی رات صبح سے پہلے یہ کام مکمل ہو جائے اور کسی باہر والے کو اس کا علم نہ ہو لیکن تابوت مبارک کی برآمدگی سے فضا اس قدر معطر ہوئی کہ قصبہ اور نواحی آبادیوں کے مرد و زن سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اور اگلے روز تو حضرت کے جنازہ کے مجوم کی سی شان پیدا ہو گئی۔ پھر باطنی فضائیں کچھ اس طرح منور ہوئیں کہ جب اگلی صبح بساں شریف سے حضرت مولانا محمد جعفر صاحب گولڑہ شریف پہنچے اور حضرت بابو جی نے اذراہ تعجب دریافت فرمایا کہ آپ کو پچاس میل دور کیسے خبر ہو گئی تو عرض کیا میں تہجد کے لیے بیدار ہوا تو اس طرف سے ایسی خوشبودار مہک آئی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور چل پڑا۔

بخدا کہ رشکم آید و چشم روشن خود

جب تابوت شریف شام کے وقت باہر نکالا گیا تو اس میں ایک دراڑ نے نمایاں ہو کر حضرت بابو جی کو دعوت نظارہ دی۔ آپ نے جھانک کر دیکھا تو پیشانی میں سے ایک ایسا نور نکلتا نظر آیا جس کی مثال کسی دنیاوی روشنی یا چمک سے نہیں دی جاسکتی۔ بہت عرصہ پہلے آپ نے حضرت قبلہ عالم قدس برہہ سے حضرت حافظ کے اس شعر کا مفہوم دریافت کیا تھا۔



روضہ مبارک حضرت پیر مهر علی شاہ صاحب از جانب مشرق



روضہ مبارک حضرت پیر مر علی شاہ صاحب از جانب شمال



روزِ مبارک حضرت سید پیر مر علی شاہ صاحب کا اندرونی منظر مرقہ مبارک جناب پیر صاحب و بابو جی۔

حضرت بابو جی کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر۔



مزار مبارک سیدنا غوث الاعظمؒ کے اندر سلام عرض کرنے کا منظر
حضرات مدنی صاحب متولی صاحب اجیر شریف صاحبزادہ غلام فرید صاحب پاکپتن شریف کے ہمراہ
(بکریہ: محمد حیات خان اسپنٹ کشنراکم ٹیکس)



قونیہ شریف مزار مبارک سیدنا مولانا روم کے باہر جمعہ اپنے افراد قافلہ۔

بخدا کہ رشک آید بدو چشم روشن خود کہ نظر درینغ باشد پنچیں لطیف رؤے
تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اس شعر کے معنی تم پر خود بخود واضح ہو جائیں گے حضرت بابو جی
فرماتے ہیں کہ اس کیفیت کو دیکھ کر اچانک یہ شعر میری زبان پر جاری ہو گیا اور حضرت کے اُس ارشاد کے انوار دل و دماغ
میں کوند گئے۔

روضہ مبارک پر کندہ آیات احادیث اور اقوال

حضرت کے حسین سنگ مرمر میں روضہ پاک کی تیاری میں سبیل بس گئے ہیں۔ سنگ مرمر جو بدھ پور ریاست میں مکرانہ کی
مشہور عالم کان سے نگوایا گیا۔ معمار بھی وہیں سے آئے اور بالا خرہ گولڑہ شریف میں رہائش اختیار کر کے پاکستانی شہری بن گئے
ہیں۔ روضہ شریف کے اندر اور باہر بلندی پر سنگ سیاہ سے آیات، احادیث اور اُن کے ہم معنی اشعار اس خوبصورتی سے
کندہ کیے گئے ہیں کہ باید و شاید۔ ان کی تفصیل زائرین کے بڑھتے ہوئے اشتیاق کی بدولت اب ایک علیحدہ ٹریکٹ میں شائع
ہو چکی ہے بعض مثالیں درج ذیل ہیں :-

آیت شریف :- اَللّٰهُ يَجْتَنِبُ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِي اِلَيْهِ مَنْ يَّيْتِبُ ۝

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ چُن لیتا ہے اپنے لیے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو اُس کی طرف رجوع کرے۔

حدیث شریف :- اِنْ قُلُوْبُ بَنِي آدَمَ كُلُّهَا بَيْنَ اَصْبَعَيْنِ مِنْ اَصْبَاعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ
يُصِرُّ فَهَا كَيْفَ يَشَاءُ

ترجمہ :- تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں مثل ایک دل کے (قابو و قبضہ میں) ہیں
وہ پھیرتا ہے اُن کو جیسا چاہے۔

شعر :- بیچ کے بخوشتن رہ نہ بُرد بسوئے او بلکہ سپائے او رُود ہر کہ رُود بسوئے او

ترجمہ :- کوئی شخص خود بخود اُن کی طرف نہیں جاسکتا بلکہ جو بھی اُن کے دُک جاتا ہے اُنہی کی مرضی سے جاتا ہے۔

شعر :- تا بُود ازو طلب طالب او کے نہ شد ایں ہمہ جستجوئے ماہست ز جستجوئے او

ترجمہ :- جب تک اُن کی طرف سے طلب نہ ہو کوئی اُن کا طالب نہیں ہو سکتا۔ یہ ہماری جستجو اُنہی کی مہربانی کی بدولت ہے

حدیث شریف :- لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَىٰ بِالنَّوْافِلِ حَتّٰى اَكُوْنَ مَمْلُوْعًا لِّذِي يَسْمَعُ ۝

ترجمہ :- ہمیشہ بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے جتنی کہ میں اُس کی شوقانی ہو جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ سُنا ہے۔

شعر :- گفتمہ او گفتمہ اللہ بُود گرچہ از خلقم عبد اللہ بُود

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کے بندوں کا کہنا اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے اگرچہ وہ بظاہر انسان کے مُندہ و زبان سے ہو۔

شعر :- گر جُدا بینی ز حق تو خواجہ را گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

ترجمہ :- اگر تو اپنے مُرشد حق تعالیٰ سے جُدا سمجھے گا تو متن اور دیباچہ بظاہر و باطن سب کھو بیٹھے گا۔

۱۔ واللہ مجھے اپنی ان دو آنکھوں پر رشک آ رہا ہے کہ ایسے حُسن لطیف کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا ہی غیرت کا
مقام ہے۔ (فیض)

آیت شریف :- وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ط

ترجمہ - اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تیرے پاس آتے اور پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے حق میں طلبِ معافی فرماتے تو بالبتہ اللہ تعالیٰ کو مُعاف کرنے والا مہربان پاتے۔

حدیث شریف :- سَلِّ تَعَطُّ وَاسْتَفْعُ تَشْفَعُ

ترجمہ - سوال کرتے ہوئے دعا کی جائے گا۔ شفاعت کرتی شفاعت قبول کی جائے گی۔

شعر ————— گویم ز کمال تو چہ غوثِ انفتدینا محبوبِ خدا ابنِ حسن آلِ حسینا
ترجمہ ————— اے دونوں جہاں کے غوث آپ کے درجہ و کمال کے کیا کہنے (بہتر اور مختصر یہ ہے) کہ آپ خدا کے محبوب اور ابنِ حسن اور آلِ حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

شعر ————— ماعاجز و حیران باندیم بگرداب لاخْطَصَ إِلَّا بِكَ يَا اللَّهُ لَدَيْنَا

ترجمہ ————— ہم گرداب میں حیران و پریشان بھنسے پڑے ہیں۔ خدا کی قسم تیرے سوا ہمارا کوئی ذریعہ نجات نہیں۔

آیت شریف :- وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ ط

ترجمہ - اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چھانت لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

حدیث شریف :- فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ

ترجمہ - تمام اشیاء مجھ پر ظاہر کر دی گئیں اور میں نے ان کو جان لیا (علمِ غیب کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے)

شعر ————— کا ملاں از دور نامت بشنوند تا بقعر تار و پودت در روند

ترجمہ ————— کاہلین دور سے تیرے نام کو سُن کر تیرے حقائق و دقائق کا پتہ کر لیتے ہیں۔

شعر ————— بلکہ پیش از زادن تو سا ہوا دیدہ باشندت ترا با حواس

ترجمہ ————— صرف یہ نہیں بلکہ تیرے پیدائش سے بھی سالہا سال پہلے تجھے تیرے احوال سمیت دیکھ چکے ہوتے ہیں۔

آیت شریف :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ط

ترجمہ - اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور سچوں کے ساتھ رہو۔

حدیث شریف :- أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحَبَبْتَ - الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

ترجمہ - سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اُن کے ساتھ رہے گا جن کے ساتھ تیری محبت ہے۔ آدمی اُن کے

ساتھ ہوتا ہے جن سے محبت ہو۔

شعر ————— ہر کہ با ایشان نشیند یک دمے روز فردا او کج بادارد غمے

ترجمہ ————— جو اُن کے پاس ایک لمحہ بھی بیٹھے گا۔ تو قیامت کے دن اُس کو کوئی فکر و غم نہ ہوگا۔

آیت شریف :- وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ط

ترجمہ - اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اُنہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اور تم نہیں جانتے۔

حدیث شریف :- إِنَّ الشَّهَدَاءَ أَحْيَاءُ وَأَسْمَاءُ يُنْقَلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ ط

شعر ————— مثل محبوب الہی کردہ اسی مارا مرید
 وقت بیعت بے تامل دست را بگرفتہ
 ترجمہ ————— آپ نے حضرت خواجہ محبوب الہی کی طرح مجھ ناچیز کو مرید کیا ہے۔ اور بیعت کے وقت بے تامل میرا ہاتھ تھا لیا ہے
 آیت شریف۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاحْزَنُوْنَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ترجمہ۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں نہ ڈرتے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اِن کو کوئی خوف و ہراس نہیں۔
 حدیث شریف۔ هُمْ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْتَقِي جَلِيسُهُمْ
 ترجمہ۔ وہ ایسے مجلس والے ہیں جن کا ہم مجلس کبھی بدبخت اور ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔

شعر ————— اولیاءِ را ہست قدرت ازالہ
 تیر جستہ باز گرداند ز راہ
 ترجمہ ————— اولیاءِ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہی طاقت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی واپس کر سکتے ہیں۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
 جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

آیت شریف۔ نَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ
 ترجمہ۔ ہم زیادہ قریب ہیں اُس کی شہ رگ سے بھی یعنی بہت ہی قریب اور ہر وقت ساتھ ہیں۔
 حدیث شریف۔ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَى شَيْءٍ اَتَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا
 ترجمہ۔ اگر انسان ایک بالشت میرے قریب آوے تو میں ایک ہاتھ اُس کے قریب آتا ہوں۔
 آیت شریف۔ لَا تَدْرِيْكَ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِيْكَ الْاَبْصَارُ وَهُوَ اللّٰطِيفُ الْخَبِيْرُ۔
 ترجمہ۔ اُس کو آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے۔ اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

شعر ————— اے بڑوں از وہم و قال و قیل من
 خاک برفرق من و تمشیل من
 ترجمہ ————— اے ہمارے قیل و قال اور وہم و گمان سے باہر تیر کیا بیان ہو۔ ہمارے سر اور مثال دینے پر خاک پڑے۔
 آیت شریف۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔
 ترجمہ۔ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔

آیت شریف۔ مَنْ اَذَى لِّىْ وَلِيًّا فَقَدْ اَذْنَتْهُ بِالْحَرْبِ
 ترجمہ۔ جو میرے دوست کو ستاتے ہیں اُس کو اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

آیت شریف۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ ط
 ترجمہ۔ اب ہم دکھلائیں گے اُن کو اپنی نشانیاں دُنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں۔

شعر ————— حق پیدا است از میانِ دیگر اں
 ہجومِ ماہِ اندر میانِ اختِ اں

ترجمہ ————— حق غیروں میں ایسا ظاہر ہے جیسے چاند ستاروں میں ظاہر چمکتا ہے۔
 جلوة حق یوں نمایاں صورتِ انساں میں ہے
 نورِ خورشیدِ فلک جیسے مہتاباں میں ہے

لا اسراف فی الخیر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی روضہ شریف کی تعمیر کے بارے میں متردد تھے۔ علمائے اہل سنت کی ایک کثیر تعداد نے اس کے حق میں زبانی اور تحریری فتوے دیے۔ مگر ایک صاحب نے لکھ بھیجا کہ اگرچہ شرعاً بنا علی القیور پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تاہم تعمیر میں اس قدر خرچ ہوگا کہ اسراف کی شق میں آسکتا ہے۔ اس پر آپ نے تصوف کی ایک کتاب غالباً فوائد الفوائد کھولی تو یہ لکھت نظر آیا کہ حضرت نظام الدین اولیا سے کسی نے سوال کیا کہ اسراف کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ بڑا خرچ رکھتے تھے۔ کسی نے آپ کی خدمت میں یہ حدیث پڑھی۔ "لا خیر فی الاسراف"۔ شیخ ابوسعیدؒ نے جواباً فرمایا کہ "لا اسراف فی الخیر"۔ اس کے بعد حضرت بابو جی نے عالم رویار میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نہایت ذوق کے عالم میں تشریف لارہے ہیں۔ اور تسبیح مبارک کو ہر دو دو شش مبارک پر پڑھتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں :-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا
یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے جائے امن و امان بنایا۔
پھر پانچ آپ نے اس سے یہی تعبیر اخذ کی کہ تعمیر روضہ مطلوب ہے۔

آٹھویں فصل

اولاد و احسان

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے صاحبزادہ صاحب اور جانشین حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو اپنی ذات کے متعلق تعریف و توصیف کا ایک لفظ تک سنا گوارا نہیں۔ اختصائے حال اور خودی کی نفی اس قدر منظورِ خاطر ہے کہ ایک بار ایک شخص نے علامہ اقبال کے اس شعر کی تعریف کی ہے

میں جیجی تک تھا کہ تیری جلوہ پسندی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

تو فرمایا کیا کہا میں جیجی تک تھا۔ ارے میں تو کبھی تھا ہی نہیں :-

چونکہ حضرت قبلہ عالم کی سیرت کا کوئی موقع آپ کی ذات اقدس کے اس منظر اتم کے حالات کے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتا تھا۔ اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ آپ کے متوسلین کی طرف سے ان حالات کی تالیف بارِ خاطر کا باعث ہوگی۔ اس لیے حاجی مصباح الدین صاحب نقشبندی دہلوی (حالِ مقیم راولپنڈی) کا یہ مقالہ پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں۔

حاجی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے حتی الوسع قلم کو روک کر اور اپنے احساسات کو دبا دبا کر یہ شذرات قلم بند کیے ہیں۔ (فیض)

دو تیسیم حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی

الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا فیض عام اُن کے اکلوتے صاحبزادے اور خلف الصدق، سیادت پناہ، جانِ ایتان و کانِ عرفان، حضرت ثانی قبلہ شاہ غلام محی الدین المعروف بہ بابو جی، صاحب مدظلہ العالی کے دستِ حق پرست پر جاری و ساری ہے۔

اس دو تیسیم حضرت بابو جی مدظلہ پر اَلْوَلَدُ سِتْرٌ لَا یَبِیْہُ کی اصطلاح صحیح معنوں میں صادق آئی۔ نقاشِ ازل جل جلالہ نے اس نقشِ ثانی کی ذاتِ بابرکات کو ایک ایسا صاف اور روشن آئینہ بنایا جس میں حضرت اعلیٰ کے فضائل و خصائل کی جُہو تصویر اور تمثیل نظروں کے سامنے آگئی۔ اور یہ ایک ایسا عظیم احسانِ الہی ہے جس کے لیے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے متوسلین اور حجتِ ام حق تعالیٰ شانہ کی جس قدر حمد و بجا لائیں کم ہے :-

گر برقِ من زباں شود مہرِ مُو
یک شکر از ہزار نتوانم کرد



حضرت بابو جی

بٹے کے حنیفہ اعظم ہونے کی روایات

مکمل حقیقت میں یہ بلا موقع نہیں کہ بٹے نے باپ کی سزا کو چار پانچ لگاتے ہوئے اور خلافت طہمی کا استحقاق اپنے لیے ثابت کیا ہو بلکہ سلسلہ حاکمیت کا یہ اور حقیقت میں ابتداء سے یہ شاندار روایت پہلی آدمی سے باختر و من چشتیہ پشتیہ میں حضرت محمد ابن حضرت احمد اہل حضرت قطب الدین محمد ابن حضرت ابو یوسف حضرت عمر الدین ابن حضرت سراج الدین حضرت جمال الدین ابن ابن حضرت محمود ابن حضرت محمد ابن حضرت حسن محمد اور حضرت مولانا محمد الدین ابن حضرت قطب محمد الدین اور تک آبادی رحمت اللہ علیہم اربعین کی ذوات قدسیہ اس حقیقت کی روشن مثالیں ہیں۔

اللہ اللہ کرنے والی رُوح

حضرت بابو جی کی ولادت بمبرست ۱۸۵۹ء ۱۸۶۰ء میں ہوئی حضرت اعلیٰ کو شہر زمانہ کے مطابق اس ولادت باسعادت کی خوش خبری مبارک کے لحاظ سے دی گئی تو پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے مبارک کے لفظ سے بھی کر شاید مجھے خدا مل گیا ہو لیکن فرمایا کہ شخص کو زینہ اولاد کے پیدا ہونے سے خوشی ہوتی ہے لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں ایک اللہ اللہ کرنے والی رُوح کا درود ہوا ہے۔

چنانچہ سفر ہو کر حضرت جمست ہو کر علالت حضرت بابو جی مدظلہ العالی کسی وقت بھی اپنے مالک کی یاد سے غافل نہیں رہتے تھے ان کی اس کیفیت کو خود حضرت اعلیٰ نے بار بار ہمارے مالک محمد خدا بخش کو انرا دہی ہیں کہ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس ہنرہ بالا نکلنے پر تشریف فرما تھے کہ دور سے حضرت بابو جی گھوڑے پر سوار اور پلندی کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے حضرت نے انہیں دیکھ کر فرمایا: غلام محمدی الدین ہے۔ پھر تہمت ہو کر گوہر نشاں ہوئے۔ دیکھو گھوڑا دوڑا رہا ہے مگر اپنے کام یعنی یاد دہی میں برابر مشغول ہے آریات ذکر حق میں ہمیشہ منہمک رہنے کی تعین اور ترفیب حضرت اعلیٰ کے مفعولات ہیں اس شعر کی تکرار میں بھی پاتے ہیں۔
مٹی گویم کہ از منم جدا باش بہر بنائے کہ باشی با من جدا باش

تعلیم و تربیت

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی تعلیم و تربیت حضرت قبلہ عالم قدس ہنرہ کے زیر سایہ علم و فضل کے گواہی سے میں ہوئی حضرت نے اول دن سے ہی بہ نور فراست جانچ لیا تھا کہ یہ نہال گلشن نبوت اس دور قیام الرعایا میں ارشاد و ہدایت کا نور بنے گا اس لیے آپ کو ظاہری و باطنی علوم سے مزین کرنے میں کوئی دقیقہ فراموش نہ فرمایا۔ یوں تو ہر نامی و نامی اخلاق حسنہ کا ایک نمونہ ہوتا ہے اور اسے شرح صدر راست راہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا سینہ علوم کا کعبہ بنتا ہے۔ اس سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ حضرت اعلیٰ نے آپ کے لیے اتالیقی بھی وقت کے صاحب کمال حضرات مقرر فرمائے۔

آپ کے اتالیق

حضرت بابو جی نے علم و قرات (تجوید) حضرت استاد القراءہی عبدالرحمن صاحب جو پوری سے حاصل فرمایا قاری صاحب

اپنے فن کے یگانہ روزگار تھے۔ اور ان اضلاع میں فن تجوید کی قدیل سب سے پہلے اُن ہی کے دم قدم سے روشن ہوئی۔ دیگر علوم دنیویہ کی تحصیل حضرت بابو جی نے حضرت مولانا محمد غازی صاحب سے کی۔ حضرت مولانا کے تبحر علمی اور طریقہ تعلیم کی خوبی پر حضرت کے وہ الفاظ دال ہیں جو آپ نے بابو جی قبلہ کو ایک خط میں تحریر فرمائے تھے یعنی ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم کے زیر تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے۔ فی الحقیقت مُشفق اور محقق اُستاد کا میسر آجانا شاگرد کی خوش نصیبی ہے۔ پھر اس شاگردِ رشید نے بھی پوری طرح منتفع ہونے اور اُستاد کی قدردانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

فیضانِ نظر

بابو جی قبلہ نے علوم اسرارِ باطنیہ حضرت اعلیٰ کی مجلس اور فیضانِ نظر سے حاصل کیے اور ذاتی استعداد و علم و ہمتی کے سبب قرب و کمال کی بلند و بالا منزلیں طے فرمائیں۔ حضرت اعلیٰ نے آپ کی تعلیم پر ہمیشہ کڑی نظر رکھی۔ حضر ہو یا سفر، کسی حالت میں بھی توجہ خاص میں کمی نہ آنے دی۔ اس کا کچھ اندازہ اُن خطوط سے لگتا ہے جو حضورؐ نے بابو جی قبلہ کے نام وقتاً فوقتاً ارقام فرمائے۔ اُن میں سے کچھ خطوط کے اقتباس یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

آپ کی طرف حضرت اعلیٰ کے خطوط کے اقتباسات

خط ۱۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَ زِيدَنَّكَ وَرِغْوَرُ دَارِ غِلَامِ مُحَمَّدٍ الدِّينِ حَفْظُ اللَّهِ وَوَفْقُهُ لِمَا يَحِبُّ اللَّهُ وَيَرْضَى دُعَاؤُ سَلَامٍ۔ ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم حفظہ اللہ کے زیر تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے ایسے اُستاد کے حسب ہدایت کار بند ہونا موجب حصولِ مدعا ہے۔ ہر کام اور ہر حال اُسی لطیف قبل از لطیف کی طرف دھیان رکھو اور اُسی کے دستِ نگر ہو۔ درجہ اُتھات اُس کی بے عوض عنایت نے کیا کچھ کم کیا ہے جو آئندہ نہ کرے گا۔ صرف اسی ایک نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ باوجود اطلاع علی المعاصی عفو و رحم و دستداری سے معاملہ فرما رہا ہے۔ ایسے سارِ رحیم سے ہر حال کامل اُمید کامیابی کی ہو سکتی ہے۔ مگر رکھتا ہوں کہ ہر حال اُسی کے دروازہ پر گڑ گڑانا اور اُسی سے محفوظ ہونا اصل الاصول ہے حصولِ سعادت داریں کے لیے۔ خالص بندہ کو حصولِ مطلب سے چنداں حظ نہیں ہوتا جس قدر کہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور اظہارِ نیاز سے۔ اول لالچ ہے اور ثانی عبادت۔ عالم، فاضل، متصف باوصافِ کاملہ ہمہ شہید مگر بندہ اونشہد کہ در بندِ خوشیم خواہ از عالمِ دنیا یا از عالمِ عقبی۔ بندہ از بند گانش فرمودہ ہے

غبارِ خاطرِ عشاق مدعا طلبی است بخلوئے کہ منم یادِ دوست بے ادبی ست

لے ترجمہ ہم عالم فاضل اور اوصافِ کاملہ سے متصف سب کچھ ہوئے مگر اُس کے بندے نہ ہوئے۔ کیونکہ اپنے آپ میں گرفتار ہیں۔ خواہ دُنیا کی وجہ سے یا عقبی کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کے بندگانِ کامل میں سے ایک بندہ نے فرمایا ہے کہ مدعا طلب کرنا عاشقوں کے لیے دل کا غبار ہے۔ جس خلوت میں اس وقت میں ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی یاد بھی بے ادبی کا حکم رکھتی ہے۔ (فیض)

علیہ شہر حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو آپ نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا تھا۔ (فیض)

خط ۲

اے غلامِ نبوت! غلامِ نبوت! فکر کن! فکر کن! در خلقت پس شکر کن
 ترجمہ - اے غلامِ محی الدین! شکر کر اپنی پیدائش میں اور شکر کر
 جمع گشتہ در تو علمِ خلق و امر جسم تو خلق است و دست بستہ امر
 (تیرے اندر عالمِ خلق و امر جمع ہیں۔ تیرا جسم عالمِ خلق سے ہے اور روح عالمِ امر سے)
 دست در تو جملہ از عالمِ کبیر زیں جست شد نام تو عالمِ صغیر
 ترجمہ میں عالمِ کبیر کی نظیر ہے۔ اس لیے تیرا نام ہی عالمِ صغیر ہے۔
 جستہ تو کل شد ملائک جبر او زیں سبب آمد خطاب اسجد و
 (تیرے جبرائیل ہوئے اور ملائک جبر و غمہ سے اس وجہ سے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم آیا)
 تیسرے بیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ والسلام

برخوردار غلامِ محی الدین حفظك الله مع المحقة و فقط لما يحب و يرضى
 بعد دعا و سلام ائمہ تم کو چاہیے کہ انور ذیل کے پابند رہو :-

- ۱۔ شغل سبق میں بخیل اوقات سامی رہو۔
- ۲۔ رات کا سونا حسب ہدایت مکان پر میری آرام گاہ میں مع رُفقا بالترام ماوجب آرام کرنا۔
- ۳۔ ختم نمود کو بدستور قائم رکھو۔
- ۴۔ بعد فراغت ہر روز ضرور گھر میں جایا کرو۔
- ۵۔ نماز باجماعت کو اہم المہمات سمجھو۔
- ۶۔ سب طلباء کے بر طرح خبر گیری رہو۔

خط ۳

برخوردار غلامِ محی الدین حفظك الله عما يكره و عما تسوء

بعد دعا و سلام اس کے سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا۔ مجعد و جماعت کا التزام رہے۔ اپنے استاد صاحب
 کا حسب ہدایت خیال رکھنا۔ اُن کی ضروریات کو قبل از وقت ہتیا رکھنا۔ اُن کی صحبت کا خیال چاہیے نہ صرف اپنے سبق اور طلب
 کا۔ ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبر گیری رکھو یعنی کوئی وطنی نا تراشیدہ حسب عادت اہل وطن پیش آنے نہ پادے۔ ایسا علیم
 نہ ہونا چاہیے کہ ضروریات میں نقصان ہو اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بیزار ہو۔

خط ۴

برخوردار غلامِ محی الدین و فقط الله لموجبات رضائہ و لقاہ

دعا و سلام۔ اما بعد۔ یہاں پر بغض نہ سجانا۔ من کل الوجوہ خیریت ہے۔

۱۔ یہ تشریح باب ملفوظات و مکتوبات میں زیر عنوان فصول احکم کا ایک سبق ملاحظہ فرمائیں۔

مئے گویم کہ از عالم جدا باش بہر جائے کہ باشی با خدا باش
 ایوم نیز تاکید اور بارہ شراب دوشینہ یعنی محافظت نسبت و سائر امورِ مسطورہ قلمی نمودہ مے آید۔ (آج بھی شراب دوشینہ یعنی نسبت
 مع اللہ کی حفاظت اور دیگر جملہ امورِ مسطورہ کے متعلق تاکید کی جاتی ہے) جہان میں سخن گو ایک ہی ہے۔ پادسی، ہندی، عربی سب ایک
 ہیں۔ اس دارِ وجود میں کون بسنے والا ہے سوائے اُس حکیم و دود کے اور کوئی نہیں اُس کا جلوہ ہر شے میں نمایاں ہے اور اُس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔

نوعمری سے توجہ الی الحق

حضرت بابو جی مدظلہ میں بچپن ہی سے رشد و ہدایت کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ دیکھنے والوں
 سے سنا گیا ہے کہ آپ نوعمری ہی سے متوجہ الی الحق ہو گئے تھے۔ قیادتِ نظم و ضبط اور جذب کی جھلکیاں نمایاں ہونے
 لگی تھیں۔ ملک سلطان محمود صاحب ثوانہ سے نقل ہے کہ آپ نے صغر سنی میں ایک مبارک خواب دیکھا جسے سن کر حضرت اعلیٰ
 نے فرمایا تھا کہ ہم کو بھی اس عمر میں ایک ایسا ہی خواب آیا تھا لیکن غلام محی الدین کا خواب ہمارے اُس خواب سے کچھ فرقیت لیے ہوئے ہے۔

میری راہ اختیار کرنی ہے تو تین باتوں پر کار بند رہنا

ملک فضل قادر صاحب مرحوم راوی ہیں کہ ایک دن ضلع شاہ پور کے دو معمر بزرگ جو حضرت کے پیر بھائی تھے حضرت سے
 ملنے کے لیے تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو ان بزرگوں نے فرمایا: ماشاء اللہ آپ کا یہ سنہری دور ہے۔ اپنے صاحبزادے صاحب
 کے حال پر خصوصی توجہ رکھیں۔ حضرت اعلیٰ نے لفظ سنہری سن کر ازراہ تواضع فرمایا کہ جس زمانہ کو سنہری کہا جاسکتا ہے وہ تو
 حضرت قبلہ عالم سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت کے مُرشد) ہی کا تھا۔ جسے آپ حضرات نے خوب دیکھا ہے اب وہ
 بات کہاں؟ ان حضرات نے جواب میں کہا کہ جناب ہیں تو آج وہی رنگ یہاں بھی نظر آ رہا ہے۔ اُس وقت حضورؐ نے
 اس قدر غماہ فرمایا کہ غلام محی الدین ابھی چھوٹی عمر میں تھا کہ ایک روز میرے پیچھے میرے قدموں کے نشانوں پر اپنے قدم
 رکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے کہا کہ اگر میری راہ پر چلنا ہے تو تین باتوں پر مستقل
 کار بند رہنا ہوگا۔

اول۔ ہر وقت با وضو رہنا

دوم۔ اپنی خودی کو مثاکر مخلوق خدا کی خدمت میں مشغول اور احَدٌ مِّنَ النَّاسِ بن کر رہنا۔

(تیسری بات کا ذکر آپ نے اُس وقت نہیں کیا)

پھر فرمایا: آج تک تو یہ ان باتوں پر کار بند چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر دُنیا نے دیکھ لیا کہ اس سعادت مند شخص نے
 اپنے مقدس باپ کے نصائح پر عمل پیرا ہو کر ایک امتیازی شان پیدا کی اور اپنے آبا و اجداد کا نورانی علم بلند سے بلند تر رکھا۔
 گورنہ کا وہ سنہری دور آج بھی خدا کے فضل و کرم سے بدستور سنہری ہے۔

حضرت اعلیٰ کی نظر میں حضرت بابو جی کا مقام

حضرت بابو جی کے مقام کی نسبت یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جن دنوں حضرت اعلیٰ پر استغراق کا غلبہ شروع ہوا تھا۔ اُس زمانہ

میں سرسخت رجیات مرموم وزیر اعظم پنجاب نے حضرت بابو جی کی خدمت میں ایک خط کچھ اس مضمون کا لکھ کر بھیجا تھا کہ حضرت اعلیٰ کے استعراق کی وجہ سے آپ اب باہر کا آنا ناممکن کر دیں اور آسانہ شریف پر زیادہ قیام فرمایا کریں۔ آپ کو یہ بات کچھ ناگوار گزری۔ تاہم اس کا اظہار کیسے بغیر آپ نے یہ خط حضرت اعلیٰ کے گوش گزار کر دیا۔ اسے سن کر حضورؐ نے فرمایا جو لوگ تمہیں ایسی باتیں لکھتے ہیں وہ تمہارے حال سے بے خبر ہیں۔ سچ ہے جوہر کی قدر جوہری ہی جانتا ہے، بے خبر کیا سمجھیں کہ ان حضرات کے سفر میں کیا رنڈ غنمی ہوتے ہیں۔

صاحبزادگی کی فضا کا تذکرہ

ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ مجار سے دل میں خیال گذر کہ برنورد غلام محی الدین کی بیعت اپنے پر خانہ سیال شریف میں کرادیں۔ لیکن اس امر نے باز رکھا کہ صاحبزادگی بڑا نازک مقام ہے مبادا یہ اس بار کو نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ اپنے ہی پاس رکھنا بہتر خیال کیا۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ بزرگوں کی اولاد میں ایک طرح کا محب پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں مریدوں کی نیاز مندی اور ادب جگت کو بڑا دخل ہے۔ ہر مرید شیخ کا قریب حاصل کرنے کی خاطر شیخ کی اولاد کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہے۔ اس محب کی وجہ سے اکثر صاحبزادگان کسب کمال سے محروم رہ جاتے ہیں لیکن اس طبیب حاذق اور فرض شناس والد نے اپنے عزیز فرزند کے تربیتی نسخے میں ابتدا ہی سے اس متعدی بیماری کا پرہیز شامل کر دیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ خودی کو مٹائے رکھنا مشغول خدمت خلق رہنا اور احسن حق الناس بن کر رہنا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت بابو جی ایک طرف تو دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت سے محروم نہیں ہوتے۔ اور دوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے انسان پر بھی شفقت میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے۔ اگرچہ اکلوتے بیٹے تھے سب کی توجہ کا مرکز، ہر ایک خوشنودی حاصل کرنے کا خواہاں۔ غرض بگاڑ کے سارے سامان موجود، مگر اللہ سے استقامت کہ طبیعت ہمیشہ فقر ہی کی طرف مائل رہی۔ خود تو کیا بگڑتے بفضلہ تعالیٰ اپنے دونوں صلحبرادروں رفیع اللہ قدر ہما کو بھی صاحبزادگی کی خودیوں سے محفوظ رکھا۔ سچ ہے ترک دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ کمی مال و اسباب سے۔

بے خون جگر چشیدن نتواں

حضرت اعلیٰ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں بڑی شقیں جھیلی تھیں۔ فقر کی صعوبتیں اٹھائی تھیں۔ حضرت کے ایشار کا یہ عالم تھا کہ جو قومات ذاتی اغراجات کے لیے گھر سے وصول ہوا کرتی تھیں وہ بھی اپنے ہم سبق طلباء کی ضرورتوں پر صرف کر دیتے تھے اور خود فاقہ کش رہتے تھے۔ ادھر حضرت بابو جی کی نظر جب اپنے تعلیمی ماحول پر گئی تو معاملہ بالکل برعکس پایا۔ گھر میں رہتے تھے۔ طرح کا آرام موجود۔ ہر قسم کی آسائشیں۔ چنانچہ اس طالب علم بلکہ طالب مولیٰ نے مشقت اور جفا کشی کو الزماً اپنا شیعہ بنایا۔ کم خودی کی عادت ڈالی۔ لہذا اور تن آسانیاں ترک کر دیں۔ اور سفر کی صعوبتیں اٹھانا معمول بنالیا۔

ایں شربت عاشقی ست خسرو بے خون جگر چشیدن نتواں

دینی طلباء کو عموماً جن شقیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ایک انوکھی ترکیب نکالی جمہور کی شام کو پست دم جوہیوں کو ساتھ لے کر کسی نواحی بستی میں چلے جاتے اور وہیں کسی مسجد میں شب بسر کرتے۔ ہم اسی رُوح کے

سُکھے ٹکڑے طلباء کی طرح گداگری کر کے جمع کرتے اور مسجد میں لے آتے۔ آپ سب کے ہمراہ انہیں تناول فرما کر خُدا سے دُعا بجالا کر شکر ادا کرتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ دُکھے سُکھے ٹکڑے کس نورعین کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ٹکڑوں کی بجائے پُر تکلف کھانے آنے شروع ہو گئے۔ جب دیکھا کہ یہ بھید کھل گیا تو شبِ باہشی اور بوریائشی کا یہ انداز ترک کرنا پڑا۔

فکر و نظر کی بلندی

نظر و فکر زمانہ طفلی ہی سے بلند و اعلیٰ ہو گئے تھے۔ علمی بات ہو یا فنی، کسی کام سے متعلق ہو یا کھیل سے، آپ اس کی گہرائیوں تک پہنچتے۔ اور حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس بات کا وہ نتیجہ نکالتے جو حقائق و معارف سے لبریز ہوتا۔ اور جسے سننے والے حیرت زدہ رہ جاتے۔ آپ کے فکر و ذہن میں حضرت مولانا رومؒ کا رنگ بہت غالب ہے جس کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حضرت مولانا کی ذاتِ گرامی سے آپ کو گہری نسبت اور عقیدت ہے۔ چنانچہ اُن کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے قونیہ شریف (ترکیہ) کے کئی سفر اختیار کر چکے ہیں۔

بچپن میں ریلوے انجن سے شغف

زمانہ طفولیت سے آپ کو ریلوے انجن سے خصوصی شغف ہے۔ اُس زمانہ میں انجن ڈرائیور عموماً آگمریز ہوا کرتے تھے۔ جو آپ کی خوش اخلاقی اور معصومیت کی وجہ سے آپ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے۔ ان ڈرائیوروں نے آپ کا شوق پورا کرنے کے لیے آپ کو انجن چلانا تک سکھا دیا تھا۔ یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ اکثر اوقات گولڑہ ریلوے اسٹیشن پر گزار دیتے خالی اوقات میں گھر پر بھی اس کھیل کی طرف مائل رہتے۔ یہاں تک کہ اپنی بھینک کی چھت پر ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل آویزاں کرادیا۔ جب کوئی ریل گاڑی رات کے وقت گولڑہ اسٹیشن سے گذرتی تو آپ کے جاننے والے ڈرائیور انجن کی سیٹی بجا دیتے۔ جس کی آواز سن کر آپ اپنی بھینک کا سگنل گرا دیا کرتے۔ سیٹی کی آواز سے بھی آپ کا درد مند دل متاثر ہوتا اور رقت طاری ہو جاتی۔ اسی کھیل کی وجہ سے شبِ بیداری کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس خصوصی وابستگی کو دیکھتے ہوئے بہت سے مخلصین نے زہرِ شست گاہ کی زینت کے لیے انجنوں کی تصاویر اور نقشے بنانا کر پیش کیے۔ اور جناب شاہ عبدالولی صاحب گوالیار نے تو ایک ماڈل انجن جس میں کوئلے کی بجائے مٹھائی اور پانی کی بجائے شربت بھرا تھا، پیش کیا تو آپ بہت محفوظ ہوئے۔ آپ کی اس دلچسپی کو دیکھ کر حضرت اعلیٰ نے آپ کو بابو جی کا خطاب عطا فرمایا جو اس قدر مقبول و معروف ہوا کہ سب لوگ آپ کو بابو جی ہی کہنے لگے۔ وضع داری اور تعلق کا یہ حال ہے کہ بچپن کا یہ خوش نصیب دوست انجن آج تک نظر التفات کا مورد چلا آ رہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ریلوے کا سارا محکمہ ہی منظورِ نظر ہے۔

ایک مرتبہ کسی بے تکلف دوست نے آپ سے کہا کہ کیا کالے کلوٹے پر آپ کا دل آیا ہے اور کسی بھونڈی شکل والی شے کو آپ نے محبوب بنایا ہے۔ جواب میں حضرت بابو جی نے فرمایا کہ مجھے اس کی چارادائیں بہت پسند ہیں :-
ایک تو اس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔

دوسرے اس کی وفا کہ اس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں لے جائے گا۔

فولوانجھن جو گوالیار میں حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کو پیش کیا گیا (صفحہ ۳۶۶)





حضرت ابو عمر بن عبد الله بن مسعود

تیسرے ایثار کو خود جلتا ہے مگر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزل مقصود پر لے جاتا ہے۔ اور چوتھے استقامت کو اپنی متعینہ راہ (لائق) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔ غالب نے کہا ہے ۵

وفاداری بشرط استواری عین ایناں ہے
مرے بت غلظ میں تو کعبہ میں گاڑو برہن کو

مرشدِ راہ کے لیے انجن کی چار خصوصیات کا سبق

آپ کے یہ الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ ان میں جہاں ایک طرف بلند نگاہی کا مظاہرہ ہے تو دوسری طرف مرشد کی خصوصیات کی وضاحت ہے۔ صاحب ارشاد کے لیے ضروری ہے کہ

- ۱۔ وہ بلند جملہ ہو۔ مے عرفان کے خم کے خم پی جائے مگر اُس کا ظرف عالی چھلکنے نہ پائے۔
 - ۲۔ باوقار ہو کہ اپنے جملہ صاحب نسبت مبالغین کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں منزل مقصود تک پہنچا دے۔
 - ۳۔ صاحب ایثار ہو کہ دوسروں کے نفع کے لیے خود ضرر تک اٹھائے۔
 - ۴۔ استقامت (نصرت کرامت) پر ایسا راسخ ہو کہ کسی حالت میں جاوہ حق نہ چھوٹے۔
- اس وحید العصر شخصیت نے عملی طور پر ان تمام خصوصیات کو بدرجہ اتم اپنایا۔ الحمد للہ والمنہ علی ذالک ۷
- ہر کے راہر کار سے ساختہ میل آں اندر دلش انداختہ

سکس کا کرتب ایک اہم مسئلہ کے حل کا باعث ہوا

قبلہ بوجی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اثنائے تدریس میں سلسلہ جبر و قدر اور کسب و اختیار پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ تقریر فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ممکن کا اختیار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لے دے کے آخر وہی جبر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر حضرت نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بندہ کو فی الجملہ اختیار حاصل ہے۔ گو وہ اختیار میں مجبور ہے تاہم جبر یہ خیال کے مطابق جبر (پتھر) کی طرح نہیں اور اسی موہوم اختیار پر مدار تکلیف ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دن یہ سلسلہ خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کافی مدت کے بعد ایک دفعہ بعض احباب کے اصرار پر یہی میں ایک سکس دیکھنے کا اتفاق ہوا اس میں ایک شخص کو بہت بھاری بوجھ اٹھاتے دیکھا گیا۔ جو عادت ممکن نہ تھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص اس شخص کے کسب اور ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اس وقت مجھے اچانک حضرت کا مذکورہ بالا ارشاد یاد آگیا۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ واقعی انسان میں کسب و اختیار کی نعمت موجود ہے اور اگر وہ اس کو استعمال کرے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گو یہ سب مشیت الہی کے ماتحت ہی ہے۔

بُحان اللہ حضرت اہل اللہ کی نظر بصیرت کا کیا عجیب عالم ہے، جو چیز لوگوں کے نزدیک ایک کھیل تماشہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان حضرات کی نگاہ نکتہ رس اُس سے کیسے باریک نتاج اخذ کر لیتی ہے۔ سچ ہے۔ ع

فکر ہر گھن بخت در بہمت دوست

اجازت بیعت و ارشاد

قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت بابو جی صاحب کی علمی و روحانی تکمیل سے ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی چونکہ بابو جی طبیعتاً منکسر المزاج واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے اپنا سلسلہ ارشاد جاری فرمانے سے ایک عرصہ تک گریز کرتے رہے مگر حق تعالیٰ نے تو آپ کو اس منصب کے لیے ازل سے ہی چن لیا تھا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا جب یہ بارگراں آپ کو اٹھانا پڑا۔ حضرت اعلیٰ جن آیام میں علیل تھے قبلہ بابو جی نے پاک پتن شریف جانے کا قصد فرمایا۔ حسب دستور حضرت کی خدمت میں رخصت کے وقت سلام کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی اخلاص سے اصرار کرے تو بیعت لے لیا کرو۔ قبلہ بابو جی نے اس حکم پر عرض کی کہ اگر بیعت لینے کے لیے اہلیت ضروری ہے تو بندہ میں اس کا کیسہ فقدان ہے۔ اور اگر اس سے غرض رونی کھانا ہے تو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کی جوتیوں کا صدقہ کسی کی محتاجی نہیں۔ وقت عزت و آبرو سے گزر رہا ہے۔ نیز یہ بھی تو آپ ہی کا ارشاد ہے کہ بیعت لینے کا استحقاق اس شخص کو حاصل ہے جس کی نظر اعیان ثابتہ تک ہو اور میں تو ظاہری نظر کے لیے بھی عینک کا محتاج ہوں۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا۔ دوسرے لوگ کون سے ولیوں کی اولاد ہیں۔ قبلہ بابو جی نے عرض کیا۔ جناب دوسروں کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صرف اپنا حال عرض کر رہا ہوں۔ کچھ خاموشی کے بعد حضرت نے تیسری مرتبہ پھر اپنا حکم دہرایا تو بابو جی نے عرض کی کہ تعمیل حکم کے لیے تیار ہوں لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ جسے میں بیعت کروں گا اُس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ غالباً یہ شرط آپ نے اس وجہ سے لگائی کہ حضرت ایسا وعدہ فرمائیں گے اور نہ انہیں بیعت کا بار اٹھانا پڑے گا۔

جواب میں حضرت نے فرمایا۔ ذمہ داری جن کی ہے وہی ذمہ دار ہیں۔ میں بیچارہ کون ہوں ذمہ داری اٹھانے والا۔ اس پر بابو جی کو یہ عرض کرنے کا موقع مل گیا کہ اگر جناب بھی بے چارہ ہیں تو پھر میری بے چارگی کا کیا کتنا۔ مجھ میں یہ بارگراں اٹھانے کی تاب کہاں۔ بالآخر کچھ سکوت کے بعد حضرت نے فرمایا۔ اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کا میں ذمہ دار ہوں۔

ذمہ داری کی کیفیت کا ظہور

اس ذمہ داری کی کیفیت بھی وقتاً فوقتاً علانیہ طور پر ظاہر ہوئی ہے۔ ایک شخص محمد دین نامی سنگمر کی زمین میں ہل چلاتے پر پاموہ تھا۔ سادہ لوح مگر بہت باادب انسان تھا۔ اس کے ادب کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ قبلہ بابو جی باہر سفر پر تشریف لے گئے۔ دیوان غلام رسول صاحب نے محمد دین سے کہا کہ بابو جی کی خالی بیٹھک میں رات کو سو رہا کرو۔ لیکن وہ بے ادبی کے خیال سے بیٹھک میں نہ سوتا اور باوجود ضرورت تمام رات جاگ کر گزار دیتا تھا۔ جب سفر سے واپسی پر حضرت بابو جی کو یہ علم ہوا تو انہماک ناراضگی سے فرمایا کہ اس غریب کو کیوں مُغت میں مُصیبت میں ڈالا۔ کسی اور کو سلا دیا ہوتا۔ قصہ ایک دن حضرت اعلیٰ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد یہ شخص قبلہ بابو جی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ پیغام پہنچایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ غلام محمد دین سے کہو وہ دل گرفتہ نہ رہا کرے اور کھلے دل سے بیعت لے لیا کرے۔ اُس وقت حضرت بابو جی نے یہ حقیقت ظاہر فرمائی کہ میں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں بیعت تو لینا شروع کر دی تھی لیکن ہر وقت دل گرفتہ رہتا تھا اور رہ رہ کر خیال آیا کرتا کہ حضرت نے ذمہ داری تو اٹھائی ہے اور سلسلہ طریقت کے اکابرین کی ذیل میں مجھ نااہل کا نام بھی لگایا ہے لیکن اپنے

گناہوں کی وجہ سے یہاں اور وہاں بجز شرمساری کیا حاصل ہوگا۔ یہ ایسی بات تھی جسے کبھی زبان پر نہ لاسکا۔ اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ اس شخص کے چہنم سے حیرانی تو ہوتی ہے مگر ساتھ ساتھ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ بات سچی ہی کہہ رہا ہوگا۔ کوئی دوسرا شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ اس لیے نہ تو یہ ممکن تھا کہ اس نے اپنے پاس سے یہ بات بنائی ہوگی اور نہ یہ کہ کسی نے اسے سکھادی ہوگی۔

مے پذیرند بدار را لطیفیل نیکان رشتہ را پس نہ بد ہر کہ گنجیدہ گوہر

حضرت مدنی صاحب کی بیعت

اسی قسم کا ایک واقعہ خود میرے تجربہ اور علم میں آیا ہے۔ میں نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت سید احمد العطار المعروف بہ مدنی صاحب سے استفادہ کیا کہ جناب کے تعلقات قبلہ بابو جی صاحب سے کس طرح استوار ہوئے۔ جناب مدنی صاحب نے اس کی تفصیل یوں بتائی کہ میں ایک مرتبہ گولڑہ شریف میں حاضر ہوا۔ میری دلی تمنا تھی کہ حضرت قبلہ عالم سید مہر علی شاہ قدس سترہ العزیز سے شرف بیعت حاصل ہو لیکن حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ ایک دن میں صبح کی نماز کے بعد کمرہ بند کیے ہوئے اپنے خاندانی اُرداد پڑھنے میں مشغول تھا۔ حضرت اعلیٰ کی زیارت سے محرومی کے باعث بڑا قلق تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اچانک حضرت اعلیٰ بنفس نفیس وہاں تشریف لے آئے۔ مجھے تسلی و دلاسا دیا اور ارشاد فرمایا: میں اور غلام محمد الدین دونوں میں اس سے میری تشفی ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد بغداد شریف کے قیام کے دوران حضرت بابو جی صاحب سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

کیفیت ذمہ داری کا ایک اور واقعہ

حضرت بابو جی کے مباحین کی حفاظت اور ذمہ داری کا جو وعدہ حضرت کی طرف سے فرمایا گیا تھا اُس کے ظہور کا ایک اور واقعہ آپ کے ایک مخلص ملک محمد خدابخش ٹوانہ کی زبانی رسالہ سلطان العارفین ”گلشن بابت مہی“ ۱۹۵۸ء میں ضرورتِ شیخ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ جس کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ میں گولڑہ شریف میں حاضر تھا۔ حضرت ثانی صاحب مظلہ العالی صبح کے اُرداد پڑھ رہے تھے اور لوگ آکر سلام بھی کر رہے تھے۔ ایک نوجوان بچان کھڑکی کے سامنے آیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ حاضرین سے شرماتا تھا۔ بالآخر کہنے لگا کہ میں موکل جاہل کرنے کے لیے عرصہ سے وظیفہ پڑھ رہا ہوں اور بار بار ناکام رہتا ہوں وظیفہ بتانے والا کتاب ہے کہ جب کلام کی تاثیر کا وقت آتا ہے تو ہر مرتبہ غیب سے ایک ہاتھ تمہارے ہاتھ پر آکر اس اثر کو ضائع کر دیتا ہے۔ پھر میں جلال آباد (افغانستان) میں ایک بڑے عامل کے پاس گیا۔ جس نے اپنے سامنے مجھ سے چلہ کروایا اور کہا: یہ وہ ہاتھ ہے جس پر تم نے بیعت کی ہے۔ پیر کی اجازت کے بغیر عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ لہذا میں اجازت لینے آیا ہوں۔

حضرت بابو جی نے پوچھا کیا تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ ایف۔ اے کے دوسرے سال میں تعلیم پڑھا ہے۔ اور اس عمل کے شوق میں کئی سال سے فیل ہو رہا ہے۔ یہ وہ ماں اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ اور کچھ زرعی جائداد ہے جس پر گذر اوقات ہے۔ آپ نے فرمایا: طریقہ

میرا اور میرے شیخ کا نہیں۔ عملیات میں عمر ضائع ہو جاتی ہے اور آخری وقت میں پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ علم پڑھو اور ماں اور بھائی کی خدمت کرو۔ مگر اُس لڑکے نے اصرار کیا۔ بابو جی صاحب نے پوچھا کیا جو کچھ میں نے بتایا تھا اُسے پڑھا کرتے ہو؟ اُس نے کہا: اکثر پڑھ لیتا ہوں کبھی نامہ بھی ہو جاتا ہے: آپ عوام کو بیعت کرتے وقت بالعموم یہی بتاتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز نہ چھوڑنا اور ہر نماز کے بعد دس دفعہ کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ اور دس مرتبہ دُرود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ پڑھا کرنا۔

فرمایا: تو اچھا اس وظیفہ کو چھوڑ دو: لڑکے نے خوش ہو کر کہا کہ عمل کے پورا ہونے پر پھر پڑھنا شروع کروں گا۔ آپ نے فرمایا: تمہاری مرضی۔ اس دوران میں ہم حاضرین میں سے بعض نے اس لڑکے کے حال پر افسوس کر کے اسے سمجھانا چاہا جس پر آپ نے فرمایا: تم میں سے خود کہتے ہیں جنہیں میں اُن کے شوق کی چیز سے روکوں تو رُک جائیں گے؟

باہر آنے پر میں نے اُس جوان سے کہا کہ اگر تم نے حضرت کے بتائے ہوئے وظیفہ کو ترک کر دیا تو پھر کبھی نہیں پڑھ سکو گے۔ اس پر وہ کچھ ناراض ہو گیا۔ سہ پہر کے وقت میں نے مجلس میں اس واقعہ کا ذکر حضرت بابو جی سے کیا تو آپ نے جلال اور ملال کے بلے جملے لہجے میں فرمایا: ہاں۔ پھر پڑھ لینا کوئی آسان چیز نہیں ہے؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق پیر کو بظاہر معلوم ہی نہیں کہ وہ اُس کا مُرید ہے صرف بیعت کے سلسلہ میں شامل ہو جانے کے بعد وہ کون سا دستِ غیب ہے جو اُس کی حفاظت کر رہا ہے جو اُسے گمراہی یا شاید کُفر اور شرک پر منتج ہونے والی ضلالت سے بچا رہا ہے؟ کیا یہ وہی ہاتھ تو نہیں جس کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۷

دستِ پیر از غائبان کو تاہ نیست دستِ اوجہ از قبضۃ اللہ نیست

اور قرآن فرماتا ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

ترجمہ:- بے شک جن لوگوں نے (یا رسول اللہ) آپ سے بیعت کی یقیناً اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

حضرت قبلہ بابو جی کی شادی

حضرت قبلہ بابو جی کی شادی خانہ آبادی سالہ ۱۹۱۷ء میں وقوع پذیر ہوئی۔ اس مبارک تقریب میں ہر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔ عوام و خواص کے علاوہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام بھی کثرت سے شریک ہوئے۔ حضرت سید محمد صاحب قبلہ لیوان پاکستان شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ مسعود صاحب تونسہ شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین صاحب سیال شریف۔ حضرت مولیٰ نامیاں شیر محمد صاحب شرق پور شریف۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب اور حضرت جماعت علی شاہ صاحب ثانی علی پور شریف خصوصی مہمانوں میں تھے۔

خطبہ نکاح نمازِ ظہر کے بعد حضرت قبلہ اجی صاحب کے مزار شریف کے قریب پڑھا گیا۔ دُعا کے بعد مجلسِ سماع منعقد ہوئی اور ایسا عجیب سماں بندھا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کی خواہش پر گھڑ سواری کے کرتب دکھانے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ کسی سوار نے نیزہ بازی کے ہنر دکھائے تو کسی نے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اُسے دوڑایا۔ کسی

نے شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ غرض سب حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ حضرت اعلیٰ بھی بنفس نفیس شریک اجتماع رہے۔ اس مبارک موقع پر ایک حادثہ بھی پیش آیا۔ علاقہ پوٹھوڑ کے ایک سید صاحب جو ایک مرتبہ اپنے جوہر دکھا چکے تھے دوبارہ بغیر باری اور اجازت نیزہ بازی کے لیے تیار ہو گئے۔ دوڑ میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ سید صاحب بھی دوڑ جا کر گرے۔ جب گھوڑے کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی تو صاحبزادہ محمود صاحب نے حضرت اعلیٰ سے فرمایا کہ اب آپ ہی اس گھوڑے کا کوئی علاج کریں۔ حضرت گھوڑے کے قریب تشریف لے گئے اور حکم فرمایا کہ گھوڑے پر ایک سفید چادر ڈال دو اور اسے یوں ہی پڑا رہنے دو۔ کچھ دیر کے بعد گھوڑے پر سے چادر اُتر دانی گئی تو وہ بھلا چنگا کھڑا ہو گیا۔

برکریاں کار ہاؤ شواری نیست

سید موصوف سے حضرت نے بس اتنا فرمایا کہ اپنی باری کے بغیر سبقت نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت اعلیٰ نے شادی کی تقریب میں کوئی کام خلاف شرع عمل میں نہیں آنے دیا اور تقریب کے بخیر و خوبی اختتام پر فرمایا کہ اولاد کی شادی کی خوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے تاہم میں اس امر سے خوشی ہوئی ہے کہ اس بہانے سے اتنی ذی مت شعور شخصیتیں بیک وقت یہاں جمع ہو گئیں۔ اجباب سے ملاقات اور ان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ انہیں بڑے پیر صاحب (حضرت اجمی) رحمۃ اللہ کی میہنیت کہ غلام محمد الدین کی شادی بڑے اہتمام سے کرنا بھی پوری ہو گئی۔

تواضع اور انکسار

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا۔ حضرت بابو جی کے مزاج پر تواضع اور انکسار کا بہت غلبہ ہے۔ اپنی تعریف و توصیف کسی رنگ میں بھی پسند نہیں فرماتے۔ اگر مجلس میں کوئی ایسا تذکرہ چھڑ جائے جس میں آپ کی مدح کا پہلو ہو تو آپ ایسے لطیف انداز میں گفتگو کا پہلو بدل دیتے ہیں کہ مخاطب کو احساس بھی نہیں ہوتا اور توصیف کا موضوع بھی نکل جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ لوگ تو جھوٹی تعریف کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک سچی تعریف بھی ضرر سے خالی نہیں ہوتی۔ اس سے عجب پیدا ہوتا ہے اور نفس کے قوی ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل نفس کے خلاف بات سے طبیعت میں انکسار اور تواضع الی اللہ پیدا ہوتی ہے۔

تو مباحث اصلاً کمال این است و بس زود و گم شود حال این است و بس

ایک مرتبہ آپ مبہمی میں حکیم شمس الدین صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ دورانِ گفتگو ایک ایسے شخص کا ذکر آگیا جو آپ کے خاندان سے حسد و عناد رکھتا تھا۔ اُس کی گستاخی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ لوگوں میں کہتا پھرتا تھا کہ یہ سادات کا خاندان نہیں ہے حکیم صاحب نے اس شخص کی مذمت شروع کر دی۔ اس پر قبلہ بابو جی نے حکیم صاحب کو منع فرمایا اور ساتھ ہی کہا: حکیم صاحب! کیا خبر ہے کہ ہم اس عظیم و خمیر ذاتِ جل شانہ کے نزدیک اہل سیادت ہیں بھی یا نہیں؟ ان کلمات کو سن کر حکیم صاحب تڑپ اٹھے۔ ملک سلطان محمود صاحب نواز کہتے تھے کہ ایک روز حکیم شمس الدین صاحب نے اس واقعہ کا ذکر کر کے کہا کہ اگر میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز سے بیعت نہ کی ہوتی تو اُس روز آپ کے اس عظیم صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

اخلاقِ فاضلہ

ان ہی حکیم صاحب کے یہاں قیام کے دوران ایک سفید ریش صاحب حضرت بابو جی سے ملنے آئے اور دعوتِ طعام

کی پیش کش کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب درحقیقت جواب دہ تھے لیکن اپنے تئیں حضرت اعلیٰ کا بھائی ظاہر کر کے پیری مریدی کا دھندلایا کرتے تھے حکیم صاحب اس شخص کے حال سے واقف تھے اس لیے اُس پر برس پڑے اور اُسے مکار، کذاب وغیرہ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت بابو جی نے حکیم صاحب کو روکا اور فرمایا: ”سفید داڑھی کا لحاظ کریں اور انہیں کچھ نہ کہیں“ بلکہ اپنے آبائی حلم سے کام لیتے ہوئے اُس کی دعوت بھی قبول فرمائی۔ اُس دعوت میں کچھ عمائدین شہر بھی شامل تھے۔ دوران گفتگو اس شخص نے حضرت اعلیٰ کی توصیف میں کہا کہ حضرت کی خدمت میں بہت لوگ حاضر ہوتے ہیں حکیم صاحب مرحوم بڑے تیز طبع تھے۔ بول اُٹھے لوگوں کا جمع ہونا بھی کوئی کمال کی دلیل ہے؛ بھیر تو وہاں بھی لگی رہتی ہے جسے بازارِ سخن کہتے ہیں تو کیا یہ زبانِ بازاری ولی اللہ ہوتی ہیں؟ پھر حکیم صاحب نے حضرت کے حسب و نسب، علم و فضل، زہد و تقویٰ پر ایک بصیرت افروز تقریر کی اور شانِ ولایت کا ایسا مرقع کھینچا کہ حاضرین بے حد متاثر ہوئے۔

جو دوسخا

جو دوسخا خاندان نبوت کا فطری کمال ہے۔ ہر دور میں اس خاندانِ عالی کے مقدر افراد اس وصف میں امتیازی شان کے مالک رہے ہیں جس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ قبلہ بابو جی مدظلہ العالی اس وصف میں بلا مبالغہ ایک خصوصی شان رکھتے ہیں جس کی تفصیل حد بیان سے باہر ہے اور خود قبلہ بابو جی کا مسلک بھی اس کے ذکر سے مانع ہے۔ پوشیدہ طور پر، اندرون اور بیرون ملک دینی مدارس، مدارس اسلامیہ اور غرباء اور مستحقین کی فیاضانہ امداد فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ آستانہ عالیہ میں روزمرہ زائرین کے قیام و طعام کا انتظام آپ کے جو دوسخا کی سب سے بڑی دلیل ہے جسے خواہش ہو ملاحظہ کر لے۔ درحقیقت یہی داد و دہش اور خلقِ خدا کی خدمت ہی ولایت کی رُوح ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کیا ہی خوب فرما گئے ہیں ۷

کرامتِ جواں مردی و ناں دہی ست مقالاتِ بے ہودہ طبلِ تہی ست

دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کے قریب ۱۹۴۳ء میں جب برصغیر ہند اور جنوب مشرقی ایشیا بلکہ حجاز مقدس سے سمنڈ پر کے تمام ممالک کے مسلمانوں پر حج بیت اللہ شریف کا راستہ دوبارہ کھلا تو حضرت قبلہ بابو جی نے عرب میں تشریف لے جا کر ایسی بے نظیر داد و دہش فی سبیل اللہ کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال شاید دلیان ملک کے لیے بھی پیش کرنا مشکل ہو۔ کئی برس تک حج بند رہنے کی وجہ سے عرب شریف کے غرباء و مساکین، طلباء، اساتذہ مدارس، مشائخ اور خدامِ حرمین بیرونی ممالک کی اقتصادِ ی اعانت سے محروم رہے تھے۔ مارکیٹ کا حال مندا ہونے کے باعث بڑے بڑے تاجروں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی حضرت نے جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے اثنائے راہ کے قریوں اور آبادیوں سمیت ہر درجے اور صنف کے مستحقین کی امداد کی اور اُن کی ضروریات کی کفالت فرمائی۔ کثیر تعداد میں پہننے کے کپڑے سلوا کر بغرض تقسیم ہمارا لے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب تیار شدہ فہرستوں کے مطابق علما، مشائخ، اساتذہ اور خدامِ حرم میں زراعتِ تقسیم ہو چکا تو اعلان فرما کر فقراء اور مساکین کو ایک ٹھی حویلی میں جمع کرایا اور اُن میں خیرات تقسیم فرمائی۔ بعد ازاں جب پتر چلا کہ مقامی پولیس (شرطہ) کو سال کے بیشتر حصہ میں تنخواہیں نہیں ملیں۔ تو پولیس کے سپاہیوں کی بھی امداد فرمائی اور اُن کے افسروں کو اُن کے گھروں پر عطیات بھجوائے۔ شرفائے سادات کے ایک عمر سیدہ بزرگ مدینہ شریف کے ایک بیرونی محلے میں رہتے تھے حضرت بابو جی خود اُن کے

پاس تشریف لے گئے۔ وہ کرایہ کے مکان میں رہائش رکھتے تھے اور کئی برس کا کرایہ اُن کے ذمہ واجب الادا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کافی مقروض بھی تھے جب آپ اُن کی تمام حاجات پوری فرما کر واپس لوٹنے لگے تو انہوں نے بتایا کہ چند روز پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی مالی بے بسی کی حالت عرض کی تھی تو اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ تمہارا ایک دوست آنے والا ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔

حویلی کے اندر فقرا اور غریبائیں تقسیم اعانت کے دوران حضرت بابو جی کے حکم سے روپوں اور ریا لوں سے بھرے ہوئے ٹوکروں کو کپڑوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ روپے کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالے جائیں اور کپڑے کو ٹوکروں کے اوپر سے نہ اٹھایا جائے۔ آپ کے ایک مخلص رفیق میاں غلام قادر صاحب کا بیان ہے کہ تقسیم شروع ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد اس خیال سے کہ روپے اب ختم ہونے کے قریب ہوں گے، میں نے ایک ٹوکروں سے روپے کپڑا اٹھا کر جھانکا تو دیکھا کہ ابھی ایک چوتھائی روپے بھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ سمجھ گیا کہ برکت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ فوراً کپڑا دوبارہ ٹوکروں کے منہ پر ڈال دیا۔ ادھر ایک تقسیم کنندہ نے غلطی سے ایک ٹوکروں سے روپے کپڑا اٹھ دیا تو دیکھا گیا کہ روپوں کی تیزی سے اُترنے لگی اور تھوڑی دیر میں ٹوکرا خالی ہو گیا۔ اس کے برعکس حویلی کے دوسرے دروازہ پر جو ٹوکرا استعمال ہو رہا تھا اور جس پر سے کپڑا نہیں اٹھایا گیا تھا اُس میں سے بہت دیر تک تقسیم جاری رہی اور وہاں کے تمام تھقین کے لیے وہی روپیہ کافی ثابت ہوا۔ اس واقعہ کو سب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شمار کیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بابو جی کی واپسی کے موقع پر حضرت مدنی صاحب نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بابو جی کی اس جود و سخا پر اظہارِ خوشنودی فرماتے دیکھا۔

حضرت مدنی صاحب کا مکتوب

حضرت قبلہ سید احمد العطار صاحب مدنی دامت برکاتہم کے افادات بعنوان "مبشرات مدنی" سے حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کے سفر حج (۱۳۶۳ھ) اور وہاں کے صدقات و خیرات کے متعلق ایک بیان ملاحظہ ہو:-

(ترجمہ) اور ۱۳۶۳ھ میں جیسا کہ مجھے یاد ہے اور اُمید ہے کہ باوجود بہت سال گزرنے کے میرا حافظہ کسی چیز کو نہیں بھولا۔ میرے سردار اور مرشد سید غلام محی الدین حج اور زیارت کے ارادہ سے تشریف لارہے تھے۔ اور آپ ہمراہیوں سمیت جدہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کہ مجھے خواب میں حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور میں آپ کے قریب کھڑا تھا۔ آپ نے منہ مایا جا میرے فرزند کا استقبال کر اور اُسے میرا سلام پہنچا۔

اور دوسری بار میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھے میرے نام سے پکار کر فرماتے ہیں کہ میرے فرزند غلام محی الدین

فہی سنة ۱۳۶۳ھ علی ما ذکر واصل
بان ذا کرتی مانسیت شیئا وقد مضت علی
ذالک سنون عدیدة۔ کان قاصد الحج والزیارة
سیدی ومرشدی سید غلام محی الدین
وکان قریبا ویصل الی جدہ ومن یرفقه من
الاخوان رائیت فی المنام حضرت سیدی
الرسول الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم وانا
واقف بالقرب منه وهو یقول لی اذهب الی
انبی فقابلہ وبلغہ السلام۔

وللمرة الثانیة رائتہ صلی اللہ علیہ وسلم
ینادینی باسمی ویقول لی بلغہ سلامی لابنی

غلام محی الدین والجماعة واخبره بانى راض
عنه وهو من المقبولين .

(الامر بالقضاء من المحارب)

وفي تلك السنة لما جاء سيدى سيد
غلام محی الدین الى المدينة المنورة ووزع
وقدم الكثير من الخيرات والصدقات والزكاة
كان في ذلك الوقت فصل من كثير من الناس
اوراق مكتوبة يطلبون فيها ويذكرون حاجاتهم
وكنت كل يوم اجمع ما يجي من هذه الاوراق
في جيبى حتى يجي الوقت لاسلمها واقترعها
لسيدى غلام محی الدین وكان في ذلك اليوم
من جملة الاوراق ورقة جاءت من محارب
السجن والمتهم بتهمة القتل وضعت في جيبى
من جملة الاوراق وقد جلست على دكة
داخل البيت وكنت تعباً كثيراً جداً فمضت
وانا جالس على الدكة رايت حضرت رسول الله
صلی الله علیه وسلم وهو يقول لى ابن الاوراق
ففتشت في جيبى واخرجت ورقة فاذا هو التى
جاءت من محارب فقال لى صلی الله علیه وسلم
تل غلام محی الدین يقضى عن هذا .

وامتثلاً لامرہ صلی الله علیه وسلم
قد اجري كل مالزم من جهة الحكومة
وذوى الامر واطلق سراح محارب وبالضمن
كل من هو في السجن وقضى عنه وعن الجميع
واطلق سراحهم من السجن جميعاً و
قد علم باليقين بان محارب متهم
ظلماً كان فرحاً عظيماً بكل الوجوه
في المدينة المنورة لذلك الامر .

اُس کی ہمراہی جماعت کو میرا سلام پہنچا اور اُس کو خبر دے کہ میں
اُس سے راضی ہوں اور وہ مقبولوں میں سے ہے۔
(ایک قیدی کے قرضہ اُتارنے کا حکم)

اور اسی سال جب سیدی سید غلام محی الدین مدینہ منورہ
میں تشریف لائے اور بہت خیرات و صدقات اور
مال زکوٰۃ تقسیم فرمائے تو بہت لوگوں کی طرف سے
خطوط آتے تھے جن میں وہ اپنی حاجات کا تذکرہ کرتے
تھے اور امداد مانگتے تھے اور میں روزانہ وہ خطوط جمع کر
کے جیب میں رکھتا تاکہ وقت آنے پر آپ کے پیش
کروں اور آپ کے سامنے پڑھوں۔ انہیں دنوں میں
ایک قیدی کی طرف سے خط آیا جو بوجہ تہمت قتل جیل میں
بند تھا۔ میں نے وہ رقعہ دوسرے رقعوں کے ساتھ
جیب میں رکھ لیا اور گھر کے اندر تخت پوش پر بیٹھ
گیا اور بہت تھکا ہوا تھا۔ بیٹھتے ہی نیند آگئی۔
دیکھتا ہوں کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ رقعے کہاں ہیں؟ میں
نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک رقعہ نکالا اور
دیکھا تو وہی قیدی والا رقعہ تھا۔ پس حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام محی الدین سے کہو کہ اس کی
طرف سے ضمانت ادا کر دے۔

چنانچہ سیدی غلام محی الدین نے اُس کی طرف سے
وہ تمام چیز ادا کر دی جو حکومت اور حکام کی طرف
سے اُس پر واجب تھی اور قیدی کو چھڑا دیا۔ اس کے
علاوہ تمام قیدی جو اُس کے ساتھ تھے اُن کی طرف
سے بھی بطور ضمانت سب کچھ ادا کر دیا اور اُن کو بھی
جیل سے رہائی دلائی۔

حالانکہ یہ یقیناً معلوم تھا کہ وہ قیدی ظلم کے ساتھ متہم
سے اور مدینہ منورہ میں اس امر پر بڑی خوشی کا اظہار کیا

گیا۔ حتیٰ کہ بہت لوگوں کے وجوہ اس امر کو دیکھ کر خیرہ ہو گئے۔

اختلافِ حال

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت قبلہ بابو جی اظہارِ کمال سے انتہائی اجتناب فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ نذریہ بھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لاتے جس سے ان کے بے اندازہ ظاہری اور باطنی علوم کا پتہ چل سکے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو عرفان کے سمندر پہنچ جائے مگر خوف کا یہ عالم ہو کہ سب کچھ جذب کر لے۔ سچ ہے دریا سے عقیق کی خاموش پانی کو دعوئے سے کیا عرض ہے۔

گرداب واریا ریتیرے صدقے جانیے دریا کا پھر پانیے تیرا نہ پانیے
حضرت نور ہمایاں صاحبِ شجادہ نشین مہار شریف نے ایک مرتبہ فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب گولڑوی کی ذات میں دیگر کمالات کے علاوہ جو نیاز اور نفی دعویٰ ہے وہ کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

جناب راز رام پوری اپنے رشحاتِ قلم میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابو جی رام پور شریف لائے تو آپ کی مجالس میں وہاں کے ایک بڑے عالم بھی شریک ہوئے تھے۔ جب حضرت واپس تشریف لے گئے تو ان مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہم نے تمہارے شیخ کو ہر رنگ میں کامل پایا۔ پہلے تو ہم ان کے کمال درویشی سے متاثر ہوئے۔ اس کے بعد چونکہ آپ نے اُس سے اُس وقت تک کسی علمی موضوع پر گفتگو نہیں فرمائی تھی اس لیے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ معلوم نہیں انہیں علم ظاہری میں بھی دسترس ہے یا نہیں۔ اُس وقت نمازِ مغرب ادا ہو چکی تھی۔ ہمارے دل میں اس خطرہ کے آتے ہی حضرت نے نماز کا ذکر درمیان میں لا کر عشا کی نماز کے وقت کے موضوع پر فقہاء کے اختلاف کے متعلق ایک سیر حاصل تبصرہ فرمادیا جس سے ثابت ہو گیا کہ آپ علوم ظاہری سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔

اسی تواضع اور انکسار کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو اپنے زمانہ میں وہ رفعت بخشی ہے جس کی نظیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حدیث صحیحہ میں وارد ہے کہ مَنْ تَوَاضَعُ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو شخص خالص خدا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رفعت عطا فرماتا ہے) اپنی زبان فیضِ ترجمان سے اظہارِ کمال کا تو حضرت کے یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب کبھی کسی عقیدت مند نے بھی آپ کی کرامت اور کمال کے متعلق بنا بر مشاہدہ اظہارِ خیال کرنا چاہا تو آپ نے اس شدت سے منع فرمایا کہ سننے والوں کو عبرت ہوئی۔

محبتِ فی اللہ

احادیثِ مبارکہ میں محبتِ فی اللہ کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مومن کے لیے سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ پھر جس چیز کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قدر زیادہ نسبت ہوگی محبتِ فی اللہ کا مقتضایہ ہے کہ انسان بھی اُس چیز کے ساتھ اتنی ہی زیادہ محبت رکھے۔ اس انتساب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام سب سے پیش پیش ہیں۔ ان کے بعد اولیائے عظام کا کادر ہے۔ حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی خدائے تعالیٰ اور اُس کے محبوب بندوں کی محبت کا پسیر ہے تقریباً بیس دفعہ حج بیت اللہ شریف اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل فرما چکے ہیں۔ علاوہ ازیں نجف

اشرف، کربلائے معلیٰ، کاغین شریفین، بغداد شریف، قونیز شریف (ترکیہ) مزار شریف و ہرات (افغانستان) مصر شام، بیت المقدس وغیرہ اور دوسرے اسلامی ممالک میں مختلف مقبولانِ خدا کے مشاہد مبارک کی زیارت کے لیے متعدد بار سفر فرما چکے ہیں خصوصاً حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ اور سرکارِ بعثتِ اقدس سترہ کی ذاتِ مبارکہ سے تو آپ کو انتہائی والہانہ عقیدت ہے تقسیمِ ہند سے پہلے تھتہ ریہا ہر سال اجیر شریف اور ہندوستان کے دیگر مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی اجیر شریف کی چند مرتبہ حاضری دی۔ توحید و جود کی کا ذوق ایسا غالب ہے کہ تمام خلقِ خدا پر شفقت و رحمت عادتِ شریفہ بن چکی ہے۔ ہر فرقہ و ملت کے لوگ، حتیٰ کہ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ غیر مسلم بھی آنجناب سے عقیدت رکھتے ہیں تقسیمِ ملک سے پہلے لاہور میں مقیم ایک ہندو سستی دوار کا سنگھ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں فقط میرا تعلق خدا سے ہو جائے۔ اُس کے اس جذبہ سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب بھی وہ سماع وغیرہ کی مجلس کے انعقاد کی درخواست کرتا آنجناب عظیم الفرستی کے باوجود اُس کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے اور توحید کے موضوع پر مجالسِ سماع منعقد ہوتی تھیں تقسیم کے بعد بھی آپ نے ایک مرتبہ امرتسر اور دہلی میں ہندوؤں اور سکھوں کے مجمع میں مجالسِ سماع منعقد کرائیں رفائے سفر سے معلوم ہوا کہ ان مجالس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ ایک مجلس میں آپ کے قوال محبوب علی صاحب نے توحید کے متعلق مضمون بیان کرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

تمہارے بڑے بن میں شک ہے کے

اور ساتھ ہی اللہ اکبر کہا۔ بس پھر کیا تھا۔ تمام مجمع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا گونج اُٹھی۔ اُس میں شریک سب ہندو اور سکھ بے ساختہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ دہلی کی مجلس سے پہلے کئی سرکاری اور غیر سرکاری افراد نے مشورہ دیا تھا کہ مجلس منعقد کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم آپ نے محض اس خیال سے کہ پنجاب کے ان ہندو اور سکھ تارکینِ وطن سے وعدہ ہو چکا تھا۔ اور وہ خدا کی تعریف سُننا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ مجلس ضرور ہوگی۔

الغرض خلقِ اللہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کے ساتھ حسبِ مراتب آپ کا تعلق ہے خلقِ خدا کی ایذا رسانی سے اتنی شدید نفرت ہے کہ اس قسم کے واقعات کا سُنا بھی برداشت نہیں فرماتے۔ گویا بتم شفقت و رحمت ہیں اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ کرامت دیر پا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

عفو و درگزر

عفو حق تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اس صفت کا حقیقی نظارہ تو میدانِ حشری میں حاصل ہوگا۔ تاہم عالمِ شہود میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اس صفت کی مظہرِ اتم بن کر آئی اور نہ صرف آپ کے اہل بیت اطہار کو اس کا دامنِ عفو ملا بلکہ آج تک آپ کی ذریتِ طیبہ میں بھی اُسی شانِ عفو کا ظہور ہو رہا ہے۔

حضرت قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند شیخہ حضرات حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کیا یہ زیادہ مناسب نہیں ہے کہ یزید پر لعنت کر کے وقت ضائع کرنے کی بجائے آلِ نبی پر درود شریف پڑھا جائے، اس کے بعد قبلہ بابو جی نے فرمایا کہ نبوت کا گھرانہ بھی کیسا عظیم گھرانہ ہے کہ اس میں لفظ نہ کا تو جود ہی نہیں۔ جود و سخا اور رحم و کرم ہی ہے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ حضرت امام زین العابدین سے یزید نے

عرض کیا یا امام اہل بیت کے خون سے ہاتھ رنگ کر میں نے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ اب خدا کوئی نجات کی سبیل بتائیں۔
 امام صاحب نے بتائی فرمایا کہ مغرب کے بعد دو رکعت نماز نفل فلاں ترتیب سے پڑھ لیا کرو۔ حضرت امام زین العابدین سے
 بڑھ کر واقعہ شہادت کا رنج کسے ہو گا۔ وہ نہ صرف شہید کر دیا حضرت امام حسینؑ کے فرزند جگر بند تھے بلکہ اس سانحہ عظیم
 کے وقت خود وہاں موجود بھی تھے۔ علاوہ ان کے بعد میں جو مظلوم ڈھائے گئے انہوں نے وہ بھی سب دیکھے اور سنے تھے یوں مہر
 یزید جیسے دشمن کی بھی صحیح رہنمائی فرمائی۔ مگر ذات خداوندی چونکہ بے حد غیور ہے اس لیے اُس نے یزید کو یہ توفیق ہی نہ بخشی کہ امامؑ
 کی بتائی ہوئی دو رکعت اپنی زندگی میں ادا کر سکتا۔ پھر باوجودی نے فرمایا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر قیامت کے روز ان بزرگوں سے ریت
 کیا گیا کہ تمہارے دشمنوں سے کیسا سلوک کیا جائے تو لاریب وہ اُن کے لیے رحم اور بخشش ہی کی استدعا کریں گے آخر اسی مقدس
 ہستی کے گھرانے سے ہیں جس نے ہر ظلم و ستم سننے کے بعد بھی زبان مبارک سے صرف اتنا فرمایا کہ اے بار الہامیری قوم کو ہدایت
 دے۔ یہ ناتجربہ ہیں۔

حضرت قبلہ بابو جی نے بھی ہمیشہ اسی شان عفو و کرم کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ کئی مرتبہ قاتلانہ حملے ہوتے رہے لیکن باوجود علم ہونے
 کے دشمنوں سے تعرض نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے پٹنگ کے نیچے چھپا ہوا دشمن پکڑا گیا مگر آپ نے اُسے چھڑوا دیا۔
 حامد دشمنوں نے آپ کی کار کا راستہ روک کر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ گولیوں کی اُس بارش کے وقت آپ کے فرمان پر
 محبوب علیؑ تو ال نے جو ہمراہ تھا مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت پڑھنا شروع کر دی۔

نیما جانب بطل گذر کن ز احوال محمد راجسہ کن

دوستوں نے آئندہ کے لیے حفاظتی تدابیر سے متعلق کچھ تجاویز پیش کیں مگر آپ نے یہ جواب دے کر ٹال دیا کہ
 اللہ تعالیٰ خود حافظ و ناصر ہیں۔ موت کا ایک دن معین ہے۔ اُس سے پہلے نہیں آئے گی۔ اور جب وقت آگیا تو جو بہانہ یا مقام
 مقرر ہو گا اُسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکے گی۔

وفا اور آشناپوری

وفا اور آشناپوری حضرت بابو جی مدظلہ کا امتیازی خاصہ ہے۔ ان کے یہاں قطع تعلق پر بے مہری نہیں ہے۔
 موجودہ دور میں ان کا یہ وصف اس شعر کا صحیح مصداق ہے۔

تو جنس محنت ہے، قیمت ہے گراں تیری

کم مایہ ہیں سوداگر اس دیس میں آرزائیں ہو

کوئی لاکھ تعلق توڑے یہ ہمیشہ اُسے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخلاص کی قدروں تو کم و بیش سب کو ہوتی ہے، لیکن
 حضرت بابو جی کے یہاں صاف گوئی، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو اور صاف فطرت، خواہ مخالف ہی میں ہو اے حد پسندی ہے
 چنانچہ حکیم شمس الدین صاحب مرحوم کی مذکورہ بالا خصوصیات ہی کی وجہ سے آپ کو اُن سے بہت اُنس تھا۔

ایک تہہ انہی حکیم صاحب نے حضرت اعلیٰ کو خط لکھا کہ باوجود آپ سے بیعت کے میری فلاں عورت سے محبت میں کمی نہیں
 آئی۔ ایسی بیعت سے بھلا کیا فائدہ ہیں اپنی بیعت فسخ کرتا ہوں۔ ساتھ ہی قبلہ بابو جی کو خط لکھا کہ میں آپ کے والد سے قطع تعلق
 کر رہا ہوں۔ لہذا آپ بھی مجھ سے تعلق منقطع کر لیں حکیم صاحب حضرت اعلیٰ سے بیعت کے علاوہ آپ کے اُستاد بھائی بھی

تھے یعنی حضرت اعلیٰ کے اُستاد مولانا طیف اللہ صاحب علی گڑھی کے شاگرد تھے۔ لہذا قبلہ عالم قدس سرہ نے جواب میں لکھا کہ تم شوق سے قطع تعلق کر لو مگر ہماری طرف سے آشنائی اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اُدھر بابو جی صاحب نے حکیم صاحب کے خط کا جواب یہ دیا کہ جب آپ نے حضرت سے تعلق پیدا کیا تھا تو اُس وقت میں نے وکالت نہیں کی تھی۔ اب اس تعلق کا توڑنا آپ کا اور حضرت کا باہمی معاملہ ہے۔ یہ ہمارے تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

حضرت بابو جی کے بچپن کے بھولیوں میں سے جب ایک ساتھی کا انتقال ہوا تو آپ نے ابدیدہ ہو کر فرمایا دل چاہتا ہے کہ جب میرا وقت آجائے تو اس ساتھی کے پہلو میں قبر بنے۔ اُس دوست کے صاحبزادے پر بڑی عنایت اور شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔

”ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست“

ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک مخلص کے اچانک انتقال کی اطلاع ملی۔ صدمہ ہوا۔ جنازے میں شرکت کے لیے اُن کے یہاں تشریف لے گئے۔ متوفی لاو لہ تھے۔ اور اُن کی اپنے اعزاء سے شکریہ رنجی رہتی تھی۔ جب قبلہ بابو جی واپس تشریف لانے لگے تو مرحوم کے اُن اعزاء نے پانچ سو کے نوٹ بطور نذرانہ پیش کیے۔ مگر آپ نے اس رقم کو یہ فرما کر واپس کر دیا کہ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں اپنے آشنا کے مخالفوں کا ہدیہ قبول کروں۔ بعد میں اُن لوگوں نے وہ نوٹ پُرزے پُرزے کر کے بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں گولڑہ شریف کے پتے پر روانہ کر دیے لیکن آپ نے انہیں نئے نوٹوں میں تبدیل کر کے واپس فرما دیا۔

ہندو ہیں بُت پرست، مسلمان خُدا پرست، ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی حیات مبارکہ کے تفصیلی حالات کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں تَبَرکاً صرف چند ایک باتوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حجاز مقدس، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران وغیرہ ممالک اسلامیہ کے متعدد سفر، تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے آنجناب کی مساعی، جہاد کشمیر ۷۸-۱۹۷۷ء و ۱۹۷۵ء میں آپ کی ملی خدمات، تحریک ختم نبوت میں جمہور اہل اسلام کے ساتھ تعاون وغیرہ کے متعدد ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اُجائے تصوف و روحانیت میں جو قابلِ قدر خدمات آپ نے انجام دی ہیں وہ ایسے نازک دور الحاد و مادہ پرستی میں آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ اسی اخلاص اور مساعی اُجائے دین و تصوف کی برکت ہے کہ جب محکمہ اوقاف نے ۱۹۶۲ء میں دربار گولڑہ شریف کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو جناب بابو جی مدظلہ کی قانونی چارہ جوئی پر سید محمد حسن ترمذی سیشن جج راولپنڈی کے حکم سے بالآخر اسے واکدار کر دیا گیا۔ اس محنت و کوشش کا فیصلہ اُردو اور انگریزی میں شائع ہو چکا ہے جس میں خود حضرت قبلہ بابو جی کا حقیقت ان کے زبان قابلِ مطالعہ ہے۔

(جناب حاجی مصباح الدین صاحب کا مقالہ ختم ہوا)

دینی و ملی خدمات

خدمتِ دین و ملت کے اہم فریضہ کی جو مستحکم بنیاد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے رکھی تھی اس کی تعمیر و ترقی میں آپ کے

خلف الصدق قبلہ بالوجہ مدظلہ العالی نے قابل قدر خدمات انجام دیں چنانچہ آستانہ عالیہ پر تمام علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے قائم شدہ جامعہ غوثیہ میں ساٹھ ستر طلباء کے قیام و طعام اور تعلیمی ضروریات اور مدرسین کی کفالت کا مکمل انتظام ہے۔ تقریباً چھ ہزار مطبوعہ اور قلمی کتب پر مشتمل کتب خانہ دارالافتاء حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تصانیف کی اشاعت اور اعراض مبارکہ کے علاوہ محرم الحرام، میلاد شریف اور معراج شریف وغیرہ کی تقریبات پر اہل سنت والجماعت کے مسک کے اشاعت کے لیے علماء کرام کی تعاریز اور مجالس سماع کا آپ نے باقاعدہ انتظام فرما رکھا ہے جس سے ملک بھر کے ہزاروں حاضرین مستفیض ہوتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے زمانہ میں سب سے بڑا اجتماع حضور غوث اعظمؒ کے عرس شریف منعقدہ ۹-۱۰-۱۱ ربیع الثانی کے موقع پر ہوا تھا جس میں شمولیت کے لیے آنجناب خاص طور پر تاکید فرماتے تھے۔ اُس وقت حاضرین کی تعداد ہزاروں تک ہوتی تھی مگر آب لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس عظیم سالانہ تقریب کے علاوہ حضرت قبلہ عالم کا اپنا ختم شریف ہر سال ۲۹ صفر کو ہوتا ہے۔ اور دوسرے دن شام کو چارہ چڑھائی جاتی ہے۔ ۱۲ ربیع الاول کی رات کو میلاد شریف کی مجلس بڑے تزک و احتشام سے منعقد کی جاتی ہے۔ اول شب سے درود خوانی شروع کی جاتی ہے۔ آدھی رات کے بعد تقریریں اور نعت خوانی ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین وقت ولادت کے مطابق قیام و سلام ہوتا ہے اور ایک سو ایک گولوں کی سلامی دی جاتی ہے جس کا منظر عجیب روح پرور ہوتا ہے۔

قبلہ بالوجہ مدظلہ العالی کے دور میں آستانہ عالیہ پر تدریس و افتاء اور خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے والوں میں مولینا قاری نعمت اللہ صاحب الہ آبادی مرحوم، مولینا سید محمود شاہ صاحب تقیم راولپنڈی، مولینا محبت البٹی صاحب بھوئی، ضلع ہزارہ، مولینا حافظ عطاء محمد صاحب پدھر اڑ علاقہ سون، مولینا قاری محبوب علی صاحب لکھنوی، مولینا محمد عبدالرازق صاحب گوبہ، ضلع راولپنڈی، مولینا فرید الدین صاحب بھوئی، مولینا فتح محمد صاحب مرحوم راولپنڈی، مولینا اللہ بخش اور مولینا خدا بخش صاحبان مٹھیال، ضلع کیمبل پور اور مولینا محمد فاضل صاحب گوجرانہ کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ الحمد للہ کہ اپریل ۱۹۶۷ء سے بندہ راستہ المحروف کو بھی اس سعادت میں شمولیت کی توفیق حاصل ہے۔

جامعہ غوثیہ میں تعلیم پانے والے طلباء کو دورہ حدیث کے بعد سند دی جاتی ہے۔ یہاں کے بعض فارغ التحصیل طلباء نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے انتہائی درجات میں داخلہ لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان میں سے اکثر مختلف دینی شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ راقم المحروف کے یہاں پر قیام کے بعد سے اس وقت تک حسب ذیل طلباء کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ راقم المحروف کے برادر غور و مولوی مشتاق احمد صاحب

۲۔ مولوی محمد اشرف صاحب ضلع میانوالی

۳۔ مولوی محمد حق نواز صاحب تحصیل کوٹہ

۴۔ مولوی عبدالحمید صاحب ساکن عبدالحکیم ضلع ملتان

۵۔ مولوی احمد نواز صاحب بھکر ضلع میانوالی

۶۔ مولوی محمد سعید صاحب اور

۷۔ مولوی غوث سبحانی صاحب علاقہ گوبہ و ضلع راولپنڈی

۸۔ مولوی محمد سکندر شاہ صاحب ضلع ہزارہ

- ۹۔ صاحب زادہ مولوی عبدالحمید شاہ صاحب سوہا دہ شریف۔ آزاد کشمیر
- ۱۰۔ صاحب زادہ رفیع الدین صاحب اٹل شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان
- ۱۱۔ مولوی ممتاز احمد خان صاحب بھکر ضلع میانوالی۔ اور
- ۱۲۔ مولوی غلام نصیر الدین صاحب ریاست دیر

حضور غوث الاعظم قدس سرہ کے عرس مبارک اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ختم شریف کی مجالس میں متواتر کئی سال تک پاکستان کے مشہور واعظ مولانا عبدالغفور ہزاروی مرحوم اپنے مواعظ سے حاضرین کو مستفیض کرتے رہے۔ مجالس سماع میں دیگر قوالوں کے علاوہ آستانہ عالیہ کے قوال حاجی محبوب علی صاحب اپنے خاص انداز میں حاضرین کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے طرز بیان میں حیدر آباد کن کے مشہور و معروف علی بخش واعظ قوال مرحوم کا بھی خاصہ رنگ ہے۔ صوفیاء کے علاوہ علمائے کرام بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ قبلہ بابو جی کی ہمرکابی میں انہوں نے کئی مرتبہ بھارت کے شہروں میں ہندوؤں اور سکھوں سے اللہ اکبر کے نعرے لگوا دیئے ہیں۔

مقامی طور پر مست ذکرہ بالادینی و ملی خدمات کے علاوہ ملک اور بیرون ملک میں جہاں اور جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس میں دینی نقطہ نظر سے تعاون کی ضرورت تھی وہاں حضرت بابو جی سیاسی اور ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر محض رضائے الہی اور مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر حتی الوسع امداد فرماتے رہے ہیں۔ استقرار پاکستان پر آپ مسلم لیگ کی حمایت میں پیش رہے۔ ۲۸۔ ۱۹۴۷ء میں جہاد کشمیر کے موقع پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر ممکن طور پر نقد و جنس سے بھرپور امداد فرمائی۔ تحریک ختم نبوت میں جمہور اہل اسلام کے ساتھ پورا تعاون فرمایا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ مابین بھارت و پاکستان میں ذاتی طور پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر قسم کی امداد کے علاوہ اپنے متوسلین کو بھی خاص طور پر اس جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب اور تاکید فرماتے رہے چنانچہ خلافت معمول و مشرب اس موقع پر ایک تقریر بھی ریکارڈ کرائی جو ۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان سے نشر کی گئی۔

نویں فصل

قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی اولاد امجاد

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تین صاحبزادیاں اور ایک فرزند قبلہ بابو جی مدظلہ العالی تھے۔ آنجناب کا نسب مبارک فقط حضرت بابو جی سے ہی فروغ پذیر ہوا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبزادی اور دو فرزند ارجمند عطا فرمائے۔ بڑے صاحبزادے حضرت شاہ غلام معین الدین شاہ صاحب (جن کا عرف لالہ جی) صاحب مشہور ہو گیا ہے، اور چھوٹے شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالی۔ دونوں صاحبزادے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی حیات مبارکہ میں بالترتیب ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو آنجناب کی خصوصی نوازشات سے بہرہ اندوز ہونے کا کافی موقعہ عطا فرمایا۔ حضرت کے وصال کے وقت جناب شاہ غلام معین الدین صاحب کی عمر سترہ برس اور جناب شاہ عبدالحق صاحب کی عمر گیارہ برس تھی۔

صاحب زادوں کی تعلیم و تربیت

ہر دو صاحبزادگان کو جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر عالم سے ابتدائی تعلیم کا شرف حاصل ہوا جب حضرت مولانا محمد غازی صاحب ۱۹۳۹ء میں انتقال فرما گئے تو انہوں نے جامعہ بہاول پور میں داخلہ لے کر کئی سال تک جناب شیخ انجم المعری تربیت میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ حضرت غلام معین الدین شاہ صاحب نے مولوی فاضل کاکورس بھی پاس کیا۔ علاوہ ازیں آپ ایک نغمہ گو شاعر بھی ہیں۔ "مشتاقی" تخلص فرماتے ہیں۔ کلام میں درد اور رقت کا غلبہ ہے۔ مجالس میں ان کے اشعار اکثر پڑھے جاتے ہیں۔ اور ہمیشہ کیف اور ثابت ہوتے ہیں۔ بعض اشعار درج ذیل ہیں :-

مثنوی سیر توحید۔ نمونہ کلام حضرت لالہ جی مدظلہ العالی

ذات حق چوں قابل حمد و ثناءست	پس محمد گفتن او را ہم رواست
یاد کن او را بصد عجز و نیاز	تا شوی از یاد او تو سرفراز
نیست جز ذاتش کسے در شمش جہات	منظر او ہست مجملہ کائنات
ناظر او باش در جہد صور	در حقیقت او ست ظاہر سیر
ہستی موبہوم را محدود ساز	فانش گردد آنچه در فہست راز
جملہ موجودات عکس یک وجود	بود مطلق شد مقید در شہود
چوں تنزل کرد آں ذات قدیم	گشت او در صورت انساں کلیم

سر وحدت را نداند ہر کسے
 داند اور آں کہ قلبش پاک گشت
 تا توانی محرم این راز شو
 محرم این راز بس آنگہ شوی
 در تقیت ما و تو گفتن رواست
 چشم دل و اکُن ہیں در کش جہات
 منطقی و فلسفی در حیرت اند
 اوست خود اندر زمین و آسمان
 باش دائم در خیال یک وجود
 در تکرار گشت وحدت جلوہ گر
 مرده دال اورا کہ اورا ذوق نیست
 کُن تصور دم بدم من نیستم
 در حصول مدعی دیوانہ باش
 ہر چہ بینی در جہاں این عکس اوست
 نیست کثرت را بجز وحدت نشان
 فیکر کُن در بود خود اے بے خبر
 تو دال اورا کہ اوست از تو دور
 این وجود من وجود من کجاست
 بشنو از من اے برادر یک شبہ
 باش مشتاقش کہ یابی زود تر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی صاحبزادہ صاحبان کی قربیت کا ہمیشہ خاص اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ بہاول پور میں قیام
 کے دوران جو پُر از حکمت و نصائح مکتوبات آپ نے ان حضرات کو ارسال فرمائے وہ قابل دیدار بصیرت افزا ہیں۔ تبرکاً
 یہاں ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے۔

حضرت بابو جی کا مکتوب شریف

۷۸۶

آباد حیدر کھٹے مے خانہ محمد کا

ریوے دفتر گولڑا
از گولڑا

بنی آدم از علم یابد کمال
نہ از حسمت و جاہ و مال و مال

پئے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نتوان حشر را شناخت
خردمند باشد طلب کار علم کہ گرم است پیوستہ بازار علم
طلب کردن علم شد بر تو فدا و گر واجب است از پیش قطع ارض

عزیزی غلام معین الدین و شاہ عبدالحق حفظکما اللہ تعالیٰ

بعد دعائے ترقی درجات کے واضح ہو کہ آل عزیزیان کا مکتوب پہنچ کر کاشف مایہا ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس ظاہری منزل مقصود پر تم کو پہنچایا۔ اسی طرح باطنی منزل مقصود پر جلد تر پہنچائے۔ عزیزا، تم بخوبی جانتے ہو کہ تمہارے اس سفر کرنے سے، علاوہ گھر کے لوگوں کے، احباب بھی سخت تنگ ہیں۔ مگر چونکہ ہمیں تمہاری یہ چند روزہ زندگی، جو کہ بالکل عارضی ہے اُس کی بہت سی منظور ہے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے رنج اٹھانے سے تمہاری یہودی کو محنت نہ رکھ کر یہ فراق چند روزہ اختیاریا کر لیا۔ خدا تمہیں اپنے اس کام میں شوق دے اور خوب محنت سے کام کرو۔ اور اصل جو علم حاصل کرنے کا مقصد ہے وہ ہاتھ سے نہ دو۔ عزیزا، یہ جو تم نے لکھا ہے کہ ہم غریب الوطن ہیں۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ اگر تم یہاں گولڑا میں رہو تو پھر غریب الوطن نہ ہو گے (نہیں) عزیز تمہارا اور ہمارا دراصل اصلی وطن اور ہے جس طرف ہم نے آخر ایک دن ضروری جانا ہے۔ اس عالم شہادت میں جہاں بھی ہم رہیں غریب الوطن ہی ہیں۔ ہم سب مسافر ہیں۔ اصلی وطن کی طرف جانے کے لیے ہمیں بروقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور اسی لیے تو تمہیں حصول علم کے لیے لگایا گیا۔ تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں اُس طرف کے لیے آسانی ہو جس طرح تمہارا اصلی وطن اور ہے اسی طرح تمہارا اصلی مقصد بھی اور ہے جس کا بیان کچھ تھوڑا سا میں نے اجمیر شریف دارِ خیر میں اُس رات کو کیا تھا۔ اُس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دو۔ اُس کی مخلوق کی خدمت کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں بھی رہو باخدا رہو اور مسافرانہ زندگی اختیار کرو۔ اپنے آپ کو ہر ایک کا صحیح معنوں میں خادم سمجھو۔ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو سب سے مقدم سمجھو۔ چونکہ دل محنت م اسی کا ہے اس لیے اُس میں بغیر اُس کے کسی اور کو جگہ مت دو۔ اُسے ہی اپنا حقیقی مالک و کارساز ہر حال میں سمجھو۔ اصلی تعلق اُسی اپنے مالک سے پیدا کرو اور عارضی تعلق اُس کی مخلوق سے، مگر یہ بھی اس حیثیت سے کہ یہ مخلوق اُسی کی مخلوق ہے۔ مالک الملک سے تعلق پیدا کرنے سے ہمیشہ آرام میں رہو گے۔ دائمی زندگی حاصل کرو گے۔ اصلی زندہ اُس وقت کہلانے کے مستحق ہو گے کہ جس وقت تم نے اُس زندہ سے تعلق پیدا کر لیا غرض کہ بہر حال وہ بہر کیف اُسے نہ چھوڑو۔ اُسے اپنی کسی غرض کے لیے یاد نہ کرو۔ جب یاد کرو تو اُسے اپنا مالک اور رب سمجھ کر یاد کرو۔ وہ دانا ہے۔ باحکمت ہے۔ ہماری سب ضرورتیں وہ جانتا ہے جو ہمارے مناسب ہوتی ہیں وہ ہمیں دے دیتا ہے۔ عزیزا تم اُسی کے ہو جاؤ جس نے تمہیں نابود سے بنگ بؤد کر کے ظاہر فرمایا۔ جو تمہاری سب ضرورتوں کا فیصل ہے۔ تم کو رات دن اُسی کے خیال میں رہنا چاہیئے۔ تم زندہ رہو تو اُسی کے لیے، تم مرد ہو تو اُسی کے لیے، تم کھاؤ تو اُسی کے لیے، تم پہنو تو اُسی کے لیے غرض کہ جو کچھ بھی کرو اُسی کے لیے۔ اُسی کی یاد سے اپنے قلب کو شاد کرو۔ اُس کے مقبول بندوں کی غلامی ہمیشہ کے لیے اپنا فرض سمجھو۔ اپنی خدا داد عقل کو قال اللہ اور قال الرسول کے مطابق کام میں لاؤ۔ سلف صالحین کے طریقہ ہی کو صراطِ مستقیم سمجھو۔ اسی پر چلنے کو فلاح دارین یقین کرو۔ غرض کہ جو کچھ ہے وہی ہے۔ اُسی کے ہو کر رہو۔ اچھا میں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اُسی اپنے حقیقی مالک کے سپرد کرتا ہوں جس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں اور نہ کوئی دانا ہے۔ وہی تمہیں توفیق دے تم اس کے ہی ہو جاؤ۔ میں اس سے بڑھ کر تمہارے حق میں

کوئی ٹھیکہ اور بہتر خیر خواہی نہیں تصور کر سکتا۔ خدا انھیں خوش رکھے۔ اپنے کام میں برکت دے آمین زیادہ دعائے ترقی درجات۔
 تمھارے استاد اور میرے مکرم و واجب التحظیم شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں نیاز مندانہ نیاز۔ خدا انھیں دایم
 میں خوش و محترم رکھے۔ آمین۔ میرے حضرت کے وفادار غلام حافظ صاحب و جمیل مولوی خدا بخش کو بہت بہت سلام۔ گھر
 میں خیریت ہے۔ تمھاری یاد سب کو تازہ رہی ہے۔ مگر خیر چونکہ تمھاری بہتری کو سب مقدم سمجھتے ہیں۔ اس لیے صبر سے کام
 لے رہے ہیں اور تمھیں دعائیں دیتے ہیں۔ عزیز عبدالحق کی صحت کا خیال رہے۔ جس طرح کی ضرورت ہو، اطلاع دینا۔

وَالسَّلَامُ رَاقِمٌ وَہی تمھارا دلی خیر خواہ از گولڑا

اسی تربیت اور فطری شرافت کا اثر ہے کہ آستانہ عالیہ کے یہ صاحبزادے بہت سی خصوصی صفات فاضلہ
 کے حامل ہیں، دونوں حضرات متاہل اور ذی اولاد ہیں۔ حضرت لالہ جی کا رشتہ اپنے ہی عالی گھرانہ میں ہوا ہے اور حضرت
 شاہ عبدالحق صاحب کا حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ کے خاندان عالی شان میں۔ حضرت لالہ جی مدظلہ العالی کے تین
 فرزندان ہیں غلام نصیر الدین شاہ صاحب غلام جلال الدین اور شاہ غلام حسام الدین۔ اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالی
 کے دو بیٹے ہیں: شاہ غلام معین الحق اور شاہ غلام قطب الحق۔ یہ سب صاحبزادگان خود بھی ماسوا اللہ صاحب اولاد ہیں جن کی
 تفصیل اسی فصل کے آخر میں شجرہ ندر میں دی گئی ہے۔ حضور بالو جیؒ نے اپنے دونوں بیٹوں کو سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھ کر
 باہمی اتفاق اور دینی و دنیوی اور روحانی تربیت فرمائی جس کے نتیجے میں اس وقت آستانہ عالیہ کے معاملات کا انتظام نہایت
 خوش اسلوبی سے انجام پا رہا ہے۔ تمام متوسلین، متعلقین اور محامدان کی خدمت اور ان کے قیام و طعام کا انتظام انھوں نے
 حرز جان بنایا ہوا ہے۔ حضور لالہ جی مدظلہ العالی کے فرزند اکبر شاہ غلام نصیر الدین متولدہ ۱۹۴۹ء اپنے ہی دربار عالیہ سے درس نظامی
 کی تکمیل کے بعد قاری محبوب علی لکھنوی سے علم تجوید بھی حاصل کر چکے ہیں۔ فارسی، عربی، اردو اور پنجابی میں نہایت ہی ارفع شعر
 کہتے ہیں اور آپ کی رباعیات اور غزلیات کے کئی مجموعے شائع ہو کر مشاہیر سخن اور ناقدان سے خارج تحسین حاصل کر چکے
 ہیں۔ اردو نثر میں بھی کئی کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ ان کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

نمونہ کلام صاحبزادہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب

رباعیات

اَنْوَارُكَ فِي الدُّجَى دَلِيلُ الْخَيَاطَاتِ الطَّافُكَ لِلْعَبْدِ سَحَابُ الْبَرَكَاتِ
 لَوْ نَدْرَسُوْكَ مَوْسَا فِي الْبَسْكَوْطِ مَنْ غَيْرُكَ فِي الْوَرْدِ مُجِيبُ الدَّعَوَاتِ

نمونہ فارسی کلام

از شوق جمال در گذارم چه کنم گر جاں بہ رخ دوست نہ بازم چه کنم
 در کلبہ مشت خاک طوفان بہار یارب بکجای روم، چه سازم، چه کنم

از بے بصری ہوس پرستیم ہم خود را بہ فریب عقل بستیم ہم
 گرچہ در ناموس کشند از بر ما شرمندہ شویم زانچہ بستیم ہم

نمونہ اُردو کلام

ہرگز نہ چلن اپنا بدن سیکھا ہر گام نئے قدم میں ڈھلنا سیکھا
گل چیں نے کب آداب گلستاں سیکھے سیکھا بھی تو پھولوں کو مسنا سیکھا

افادِ غم و درد کی ٹل جائے گی جو دل میں چُھن ہے وہ نکل جائے گی
دیکھو گے جو تم چشمِ کرم سے مجھ کو سچ مچ مری تقدیر بدل جائے گی

رُہاؤ کو جنت کی فضا راسِ آئی رندوں کو مئے ہوش رُبار اس آئی
جنت سے غرض نہ میکدے سے مطلب ہم کو ترے کوپے کی ہوا راسِ آئی

حضرت بابو جی کی ایک ہی صاحبِ زادی تھیں جن کا اوائلِ عمر میں انتقال ہوا اور حسبِ وصیت ان کا روضہ قبلہ عالمِ قدس سترہ کے روضہ شریف کی پائنتی کی طرف مستورات کی زیارت گاہ ہے اور بفضلِ تعالیٰ اجابتِ دعا کے لیے تریاق کا محکم رکھتا ہے۔ ملکِ خدا بخش ٹوانہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ٹوٹی ہو اسیر کا شدید مرض تھا۔ میں نے ایک روز باہر سے آستانِ چوم کر یہ الفاظ کہے: ”فاطمۃ الزہرا کی بیٹی کو سلام، مجھے بواسیر کی سخت شکایت ہے۔ اُس وقت کے بعد آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی پھر یہ شکایت نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ میرا خاندانی اور موروثی مرض تھا۔

اللہ تعالیٰ بطویلِ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سرکارِ بعدِ اقدس سترہ اس خاندان کو متوسلین کی ہدایت و عافیت کے لیے تابعدار قائم رکھے اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے۔ (آمین!)

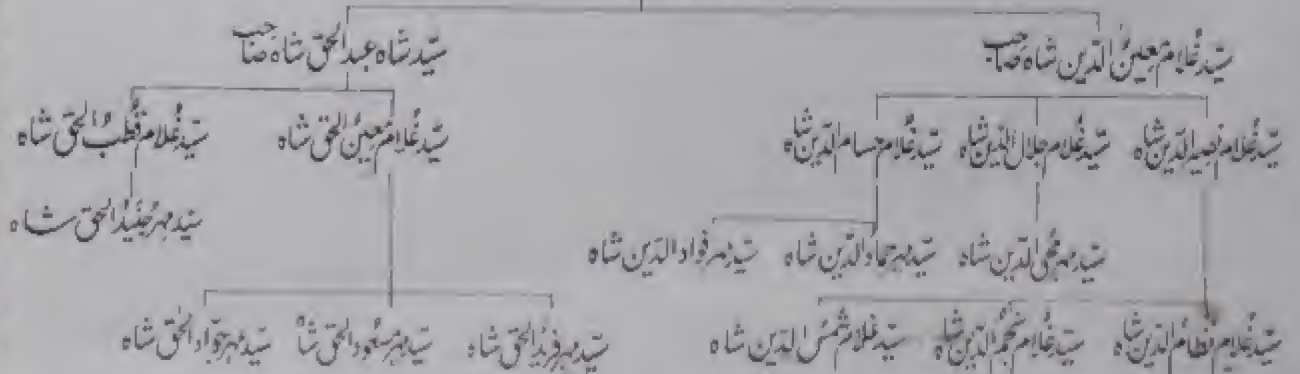
اس دُعا از من و از جملہ ہاں آمین باد

شجرۂ مہرِیہ

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ ضائقین کی اولاد و اتحاد کا نقشہ شجرۂ نسب درج ذیل ہے

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب

حضرت سیدنا پیر غلام محی الدین شاہ ضائعین بابو جی



دسویں فصل متوسلین

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ارشاد نہایت وسیع تھا۔ اگر سب متوسلین کا تذکرہ اختصار سے بھی کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ اس علم و فضل اور معرفت الہی کے دریائے ذخائر سے بے شمار تہ نہ کام سیراب ہوئے۔ آپ کے دستِ حق پرست پر ہزاروں افرادِ اُمت نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے مریدوں میں علمائے کرام اور سادات عظام کثرت سے شامل ہوئے۔ آپ کی نظرِ کیمیا اثر سے نفس کی اصلاح ہو کر عاداتِ رذیلہ کا ازالہ ہو جاتا تھا اور صفاتِ محمودہ، بالخصوص اخلاص، ایثار اور محبتِ الہیہ کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ بقول ۷

آہن کہ پارس آشنانشد فی الفور صورت طراشد

حضرت کے مخصوص رنگ یعنی توحید و جود کی تاثیر سے آپ کے صحبت یافتہ حضرات کی مجالس بھی کیفِ انشا ہو ا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر وابستگانِ پرزگیہ نفس کے ساتھ ساتھ ظاہری خیر و برکت کے ابواب بھی کھول دیئے تھے تاکہ یادِ حق کے لیے کیونٹی اور ماسومی اللہ سے استغنا حاصل رہے۔ حلقہ گوشِ علماء اور فقراء بحرِ حقیقت کے شہسوار بنے اور شیخ کے فیض و توجہ سے معرفت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ اوسط درجہ کے اہل علم و ہنر نے بھی واعظ، مدرس، مدیر، ادیب، اور مصنف بن کر اپنے اقران و امثال میں خاص شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔

متوسلین کا خاص رنگ

حضرت کے دستِ حق پرست پر جس نے بھی اخلاص سے رضائے الہی کے لیے بیعت کی وہ اپنی استعداد کے مطابق بیعت کے آثار اور ثمرات سے بہرہ مند ہو کر رہا۔ آپ کے متوسلین میں غرباء اور فقراء ہی نہیں بلکہ اکثر اربابِ دولت بھی نظر آتے ہیں جنہیں دنیوی کمالِ عروج بھی صلاح و تقویٰ، صوم و صلوة اور شب بیداری سے غافل نہ کر سکا۔ بالعموم اخلاص و استغنا حضرت کے مبایعین کا خاص رنگ شمار ہوتا ہے اور حفظِ دامن خاص نعمت۔

حضرت کے بعض مُنت از مُسترشدین

بہت سے طالبانِ مولیٰ نے آپ کی تربیت سے روحانی مدارج طے کر کے بلند مقام حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت استادِ علمائے مولانا محمد غازی صاحب (ضلع کیمبل پور) مولانا قاری عبد الرحمن صاحب جو پوری، مولانا قاری غلام محمد صاحب پشاور، مولانا محبوب عالم صاحب ہزاروی، مہیمان آستانہ عالیہ مولانا شیر محمد صاحب لاہوری، مولانا شیخ الجامعہ غلام محمد صاحب گھوٹوی، مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی، مولانا عبدالحق صاحب سرالوی اور مولانا گل فقیر صاحب پشاور کے اسمائے گرامی خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤقر الذکر دونوں حضرات نے آپ کے مطبوعہ ملفوظات جمع فرمائے۔

حضرت کے باخلاص مُستَرشدین میں رسمی خلافت اور اوائلی مشیخت کا وجود نہیں۔ البتہ بعض سالک اور صاحب نسبت متوسلین کو حضرت اُن کی درخواست کے بغیر اس قدر فرما دیا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ذکر و فکر اور شغل کا شائق ہو اُسے مناسب طریقہ بتا دیا کریں۔ ان میں مسند درجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

حضرت سید چان شاہ صاحب (جانب ضلع کیسل پور) حضرت سید ممتاز علی شاہ صاحب (ریاست پونچھ) حضرت مولیٰ سنا فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) حضرت مولیٰ نادر علی صاحب (باندی ضلع ہزارہ) حضرت مولیٰ محمد علی صاحب اور اُن کے صاحبزادے مولیٰ غلام سرور صاحب (پکوڑی شریف ضلع گجرات) حضرت مولیٰ مہر الدین صاحب (وڈ پگہ ضلع سرحد) حضرت سید صدیق شاہ صاحب (مانگو وال تحصیل خوشاب) حضرت سید دلایت شاہ صاحب (نوشہرہ تحصیل خوشاب) حضرت مولیٰ حافظ حمید الدین صاحب (کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ) حضرت سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) اور حضرت سید عبد الولی صاحب (گوالیار ہندوستان)

حضرت کے متوسلین کی امتیازی شان

حضرت قبلہ عالم کے خصوصی مُستَرشدین میں یہ امتیازی شان نظر آتی ہے کہ انہوں نے حتی الامکان اپنے متعلقین اور مستفیدین کو آسانہ عالیہ گولڑہ شریف سے مُسَلِّک کرنے اور یہاں کے صاحب سجادہ سے بیعت کرانے کو ترجیح دی اور یہ چیز اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت کی علامت ہے۔

مدعیان مشیخت

یہ عجیب واقعہ ہے کہ جتنا ہی زمانہ کی نزاکت اور منصب ارشاد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس معاملہ میں احتیاط سے کام لیا اتنا ہی آپ کی مقبولیت عامہ اور شہرت تادمہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض مدعیان مشیخت نے آپ سے خلافت ملنے بلکہ بعض لوگوں نے تو آپ کے اہل قرابت ہونے کا بھی دعویٰ کر کے عوام میں سستی اشہرت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن آخر کار اس دُھول کا پول کھل کے رہتا ہے۔

اہل علم حضرات پر یہ عمل بخوبی روشن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیاوی مناصب کے متعلق یہ خصوصی ہدایت فرمائی تھی کہ ایسا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طلبکار اور متلاشی ہو، تو منصب ارشاد جو ایک خالص دینی چیز ہے کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا کب درست ہو گا جو خود ہی مشیخت کا لبادہ اوڑھنے اور لوگوں میں شیخ مشہور ہونے کا شوق رکھتا ہو۔ بزرگان دین کے تذکروں سے یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ انہوں نے یہ اہم ذمہ داری اپنے مشائخ کے اصرار فرمانے پر بھی بڑی مشکل سے قبول فرمائی۔ یہ رفعت اور بلندی تو اُن ہی حضرات کے حصہ میں آتی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مٹایا۔ یہاں تک کہ سوائے ذات حق جل شانہ کے اُن کا مطمح نظر اور کچھ نہ رہا۔ اور اُن ہی کی تلقین و ارشاد کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان سے صحیح نسبت رکھنے والا لا الہ الا اللہ یعنی لا معبود الا اللہ سے ترقی کر کے لا مَطْلُوب الا اللہ پر فائز ہوتے ہوئے لا مَوْجُود الا اللہ کے اسرار و معارف کا سراغ پالیتا ہے۔ اور پھر اُس محبوب حقیقی کے مقابلے میں دُنیا و آخرت ذرہ بے وقعت نظر آنے لگتی ہیں۔

بَابِ سَم

معاصرین کرام

معاصرین کرام

ہم عصر مشائخ کرام سے جن حضرات کے ساتھ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے تعلقات یا ملاقات کی اطلاع ملتی ہے ان کے مختصر کوائف پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کا ذکر دیگر ابواب میں بھی آگیا ہے حضرت کے اپنے پشویان عظام اور اساتذہ کرام اس پر مستزاد ہیں اور ان کے اذکار عالیہ بھی متعلقہ ابواب میں گزر چکے ہیں :-

۱۔ حضرت دیوان غیاث الدین صاحب اجمیر شریف (وصال ۹۲۲ھ)

۲۔ حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پتن شریف (وصال ۹۲۳ھ)

۳۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دُربار حضرت سلطان المشائخ دہلی

یہ تینوں حضرات درحقیقت حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے متفیضین کی سلسلہ میں شامل ہیں چنانچہ ان کے مختصر حالات مسند ارشاد کے باب میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ تاہم چونکہ ان حضرات کا تعلق حضرت کے مشائخ کرام کے مبارک خانوادوں سے ہے اس لیے انہیں حضرت کے معاصرین کرام میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسہ شریف (۸۲۳ھ تا ۹۰۱ھ)

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت کی ملاقات اور باہمی تعلقات کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ تونسہ شریف میں حضرت سے اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ہی ۹۰۱ھ میں خواجہ صاحب وصال فرما گئے۔ اس عرصہ میں باہم خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ ”مہرِ حِشْتِیہ“ میں خواجہ صاحب کی طرف حضرت کے ایک خط کی نقل درج ہے جس میں اسرارِ سلوک پر گفتگو کے علاوہ مرزا صاحب قادیانی کے اُس عدالتی اقرار نامہ کا ذکر بھی فرمایا ہے جو ۲۴۔ فروری ۱۸۹۹ھ کو بدین پانی لیا گیا تھا کہ آئندہ کسی مخالف کے حق میں ہلاکت یا عذاب کی پیشگوئی نہیں کی جائے گی۔ خط کا متن عربی اور فارسی میں ہے اُس کا ترجمہ پیش خدمت ہے :-

حضرتی و مولائی۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے کیونکہ دراصل وہی مقصودِ حقیقی ہے۔ مگر ابی کے صحر اور غیرت کی رات کی تاریکی سے رہائی پانے کا اور اس مستیِ مومِ بوم کے جہنم کی پستیوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے عنایتِ ازلیہ کی رہبری اور ہدایت سے

ولولاشذ اھا ما اھتدیت لھا نفھا ولولاسناھا ما تصورھا الوھم

(اگر اُس کی خوشنودہ تھی تو اُس کے نیماز کی طرف راہ نہ پاتا۔ اور اگر اُس کے جلوے نہ ہوتے تو اُس کا تصور بھی وہم میں نہ آتا)

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں بھی اُسی عنایت کے ساتھ تعلق اور برزخ کے احوال کی طرف اشارہ ہے :-

ان کا حق نہ اذیت نہ ہم غرض شہ ز ادیشہ احوال و عہد
 یہ جگہ جہاں شہ ز ادیشہ ہم سے آتا تھا احوال و عہد کے ادیشہ سے غرض ہے
 یہ غرض شہ ز ادیشہ ہم سے آتا تھا احوال و عہد کے ادیشہ سے غرض ہے
 ان کی بات کی دنیا پستی پر یہ جگہ ہے کہ اس سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے

نظر کہ ان کی دنیا پستی پر یہ جگہ ہے کہ اس سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے

سینا کی پستی پر یہ جگہ ہے کہ اس سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے

ان کی بات کی دنیا پستی پر یہ جگہ ہے کہ اس سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے
 قبل یہ جگہ ہم سے آتا تھا احوال و عہد کے ادیشہ سے غرض ہے
 اس کے حق پر یہ جگہ ہے کہ اس سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے
 غرض کی جگہ ہے کہ اس سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے

ایک اس جگہ کی کیفیت سے بے خبر نہیں۔ اگر شرف غرض سے غرض ہے کہ یہ ہم سے غرض ہے

حضرت خواجہ صاحب توفیق شریف

حضرت خواجہ صاحب توفیق شریف کے صاحبزادہ والا تبار حضرت خواجہ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے
 درمیان گہرے قربانیاں تھیں جن کی کچھ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے اور کچھ مکتوبات خطبات میں مندرجہ اس خط و کتابت کے
 محال سے واضح ہوتی ہے جو تقریباً ایک فیہر قطعہ مسلسل کے ساتھ مکرر جاری رہی تھی کہ مجھ کو پال کے مختصر اور مخفی سفر سے بھی
 خواجہ صاحب کو باخبر رکھا اسی کا ایک خط حضرت کو وہاں بھی ملا۔ دونوں طرف سے خطوط کا انتظار رہتا تھا، اگر کسی وجہ سے
 توقف ہوتا تو خواجہ صاحب شکایت فرماتے تھے۔

یام فی کئی دن یاد م نے روی
 اور حضرت توفیق شریف فرماتے کہ

ہے پابند طاعت بقیدت ہماری
 یہ باعث ہے خط کے توقف کا صاحب
 کہیں حضرت خواجہ محمود صاحب عنوان میں لکھتے تھے

غیر تا از در نے مناز کشا سے طلیم
 اشک آلودہ ما گر چہ روان است وے
 اور ادھر سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ عنوان خط میں یہ تاثرات ثبت فرماتے تھے
 برید باد صبا دوشم آگئی آورد
 کہ روز محبت غم زو بکو تھی آورد

بظربان صبحی دہیم جسامہ پاک بایں نوید کہ بادِ سحر گئی آورد

حضرت خواجہ محمود صاحب اپنے روحانی اور باطنی کمالات کے علاوہ اپنے علمی، ادبی اور علمی فضائل کی وجہ سے بھی ہم عصر مشائخ میں بڑی مقبول اور دلنواز شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ ۹۲۸ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت بیمار تھے اور اس خبر و حشر اثر سے آپ کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کو تحریر فرمایا کہ اس مقدس اور شریف محسن مہستی کی مفارقت نے بھر دو غم میں ڈال دیا ہے۔ نیاز مند بوجہ ناگفتہ بہ عوارضِ معدہ و دماغ و قلب قادر پور حاضر نہیں ہو سکا۔ کسی قدر افاقہ ہونے پر حاضری کا ارادہ ہے، اور حضرت خواجہ صاحب کے جانشین صادق جناب خواجہ نظام الدین صاحب علیہ الرحمۃ کو چند روز بعد ان کی طرف سے بیمار پرسی کے جواب میں تحریر فرمایا۔

کوچہ نسیم کے نیچے دبے ہوئے کی یاد فرمائی۔ جناب کے اخلاق موروئی اور بہت محمودی کا عکس ہے۔
مکرمات حضرت مرحوم نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عرصہ سال کا ہوا ہے کہ بذریعہ تحریر نیاز مند کو اطلاع بخشی رہے جتلا یا گیا ہے کہ میں اس سال میں دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا۔

عوارضِ معدہ و دماغ و قلب کی حالت معرض تحریر میں نہیں آسکتی جس نے آج تک حاضری سے محروم رکھا ہوا ہے۔ مزید براں عوارضِ استساعِ خیر اس حادثہ جانکاہ نے بالکل مضمحل کر دیا۔... خدا کرے کہ کسی صورت حاضری نصیب ہو۔

چنانچہ قدرے افاقہ ہونے پر آئندہ سال یعنی ۹۲۹ء میں فاتحہ خوانی کے لیے حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کے پاس قادر پور (ضلع ملتان) تشریف لے گئے اور یہ آپ کا گولڑہ شریف سے باہر جانے کا آخری سفر تھا۔

۶ حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیال شریف (وصال ۱۹۲۹ء)

حضرت خواجہ محمد دین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جن کا ذکر خیر اس کتاب میں حضرت ثانی صاحب سیالوی کے لقب سے جا بجا آپکا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مرشد زادہ تھے اور اوائل ہی سے باہمی رابطہ محبت استوار ہو کر عشق کی نوبت کو پہنچ گیا تھا کہ حضرت اس طرف سے

آکھیں خواجہ شمس دیں سے لعلِ نوں

گوڑھے نیناں والے سے بچ پال نوں

قسم کے فراقیہ اشعار و زوڑوں فرماتے رہتے تو اس طرف حضرت ثانی صاحب قبلہ اقبال کو اس شعر سے

پیت کا وعدہ کر کے پیانے پیت نبھانا چھوڑ دیا

مہر کی اکھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

میں اصلاح دیتے کہ کو

مہر نے اکھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

حضرت شیخ انجم صاحب کے مودات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ثانی صاحب سیالوی کے ارشاد ہی پر ہمارے حضرت تونسہ شریف گئے تھے، انہی کے ایام پر ابتدا از پاک پن شریف کا سالانہ سفر اختیار فرمایا اور انہی کے فرمان کی تعمیل میں

جناب دیوان غیاث الدین صاحب اجیمیری کی معادنت و تائید میں مقام پشاور سرحدی علماء کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ فرمایا۔ حضورؐ کے ملفوظات طیبات۔ مکتوبات شریف موصوفہ مہرِ چشتیہ اور منظوم کلام میں حضرت ثانی صاحبؒ کے ساتھ آپ کے اس خاص تعلق کے واضح نشانات ملتے ہیں۔

حضرت ابوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق روایت مشہور ہے کہ آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ محبوب الہی قدس سرہ سے نعمت ولایت سلب کر لی تھی۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے ارشاد پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس مسئلہ پر محققانہ بحث سے یہ ثابت فرمادیا کہ مذکورہ روایت خلاف واقعہ ہے بلکہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ مفصل بحث مکتوبات مطبوعہ میں درج ہے۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی ہمارے حضرت سے عمر میں چالیس برس بڑے تھے۔ کتاب انوار شمس میں آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ، سجادہ نشینی ۲۴ صفر ۱۲۳۵ھ اور وصال ۱۲ صعب ۱۲۳۶ھ (۱۹۰۹ء) درج ہے۔ آپ کا شمار اپنے زمانہ کے کثیر الکرامات اور وسیع القیوضات اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی بیماری کے ایام میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بیمار پڑی کے لیے اکثر حاضر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۷ جمادی الاول کے خط میں سیال شریف سے حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو تحریر فرماتے ہیں:-

"شب جمعہ قریب دو بجے خوشاب اتر کر اُسی وقت دریا کو عبور کر کے آرام کیا۔ علی الصبح وہاں سے نماز پڑھ کر سواری لگھی فوراً چھاؤنی پہنچے۔ حضرت صاحب عم فیوضہم اس قدر خوش ہوئے کہ تحریر سے باز رہے آپ کو کئی روز کا سخت انتظار تھا۔ ہر ایک شخص اس انتظار کی عجیب کیفیت بیان کر رہا ہے۔ بالخصوص میرے اشعار متعلق فارضیہ۔"

بھلے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے

بول سانول یار روہی رول دے

نہایت رقت طاری کیے ہوئے تھے۔ پہنچتے ہی میں نے انتظام سیال شریف لے جانے کا کیا۔

اُس روز آپ کو لب دریا کنارہ خوشاب سے کشتی پر سوار کیا۔ علی الصبح بروز شنبہ سیال شریف پہنچنے پر سب کو

از حد خوشی ہوئی اور دُعائیں دینے لگے۔ حضرت صاحب کو ضعف از حد ہے۔ غذا نہیں۔ مجھ کو ایک لحظہ

آنکھوں سے غائب نہیں چاہتے۔"

پیش آنے والی جدائی کے احساس اور تصور نے جو کیفیات دل میں پیدا کر رکھی تھیں انہیں حضرت ابن فارضؒ کی دو فراقیہ اشعار کی لئے اور تضمین میں اس طرح ثبت فرمایا ہے کہ آج بھی ان کی عنم انگیز و پُرورد اُسی، بے بسی اور بے چسپائی دلوں میں مجھان پیدا کر دیتی ہے۔

سَائِقَ الْأَطْعَانِ يَطْوِي الْبَيْنَ دَ طَيَّ

مُنْعِمًا عَزَّجَ عَلَى كُتُبَانِ طَيَّ

شالاجیویں خیمہ تھیوی ماہیا!

گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں

اوہ گئے اوہ دل دے پایاے اوہ گئے

ساربانان! مہربانان! راہیا!

آکھیں جا اُنہاں پیاریاں دلجانیان

لا پرستان دے کے لارے اوہ گئے

سارا عالم صدقے آکھاں بول توں
واراں سر میں اُس انکھڑے ڈھول توں
بن تھڈے بک گھڑی سو سال دی
بہہ ٹھکانے پئی تھڈے بجال دی
اک وچھوڑا دوجھے طعنے جگ دے
پیراں بھیس سر تک البے اک دے
بالدی ڈیوے پئی خانقہاں تے
آوندا دیکھاں ڈھولا انہاں راہاں تے
چشماں فرش وچھاواں خاطر ڈھول دی
مرجباں یا مرجباں پئی بول دی
پنپنیں جد توں سو بنیاں دی جھوک تے
خیر ہو دی انہاں توں ذرا روک تے
جائیندا دیوے انہاں جانیاں
گورھے نیناں والیاں ستانیاں

لَسْتُ اَنْسَى بِاللَّيْلِ نَائِيًا قَوْلَهَا
كُلُّ مَنْ فِي الْحَيِّ اَسْرَى فِي يَدَيَّ

بُھل دے نہیں ادھ بول مٹھڑے ڈھول دے
بول سا نول یار رو ہی رول دے
رات ساری گزری تارے گسندیاں
یاد کر کر قول میں اں ہندیاں

دراصل محبت ہی حضراتِ چشت اہل بہشت کا اصل خزانہ اور مستلح ہے اور ان کے حال کے مطالعہ کے وقت اپنی
کا مقولہ بار بار یاد آتا ہے کہ

در غمیں کائنات چوں کر دیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ گاہ

۷۔ حضرت خواجہ فضل الدین صاحب سیالوی (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت ثانی صاحب سیالوی کے برادرانِ عزیز حضرت خواجہ فضل الدین صاحب اور حضرت خواجہ شجاع الدین صاحب
رحمۃ اللہ علیہما بھی حسب تصریح کتاب "انوارِ شمس" اپنے والدِ کریم حضرت شمس العارفین سے خلافت یافتہ اور مجاز ارشاد تھے۔
انوارِ شمس میں مذکور ہے کہ اول الذکر صاحبزادہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے زبردست جسمانی قوت عطا فرمائی تھی۔ اور ثانی الذکر کو
اُن کے نام کی رعایت سے قوتِ احساس کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ چنانچہ جناب خواجہ فضل الدین صاحب چوہی سیخ کو
ہاتھ سے دبا کر زمین میں گاڑ دیتے۔ چھت کے شہتیرے بازوؤں اور کندھوں کی ٹیک دے کر چوہی ستون بدلوالیتے۔ تب سچ بڑے
ڈبل موٹے دانوں کی تیرا کر دانی جاتی مگر پھر بھی دو ایک مہینے کی گردش کو مشکل برداشت کرتی۔

۸۔ حضرت خواجہ شجاع الدین صاحب سیالوی (وصال ۱۹۰۴ء)

حضرت خواجہ شجاع الدین صاحب بے حد لطیف الاحساس تھے۔ کھیتوں کی طرف سے ہوا چلتی تو بعض اقسام کے پھولوں
اور پودوں کی بو سے انہیں گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی ناکام کی شکایت ہو جاتی۔ ایک بار بیمار پڑے اور دوا کی تیاری کے لیے کچھ دوا بڑاؤ توٹے
جانے لگے۔ کوئی کر ڈا بھلا تو بُو پاکہ وہیں سے فرما دیتے کہ کر ڈا ہے، الگ کر دو۔ کوئی دس کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں شادی
کی تقریب پر پتھار سے بچ رہے تھے یہیں سے بتانے لگے کہ اب فلاں گت بچ رہی ہے حضرت ثانی صاحب نے سوار

دوڑا کر پتہ کروایا تو جو گئیں آپ نے بتائی تھیں نقارچوں نے اُن کی تصدیق کی۔ رات کو گھر کے اندر کانوں میں روئی ڈال کر سوتے کہ مسجد اور محروں میں درویشوں کے وظائف اور ذکر کا شور کچھ دیر سولینے دے۔

مہاراجہ کشمیر نے ایک زمانہ میں دونوں صاحبزادوں کو بلوا کر اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا تھا۔ بہت عرصہ بعد خواجہ شجاع الدین کا کسی شہر میں گذر ہوا۔ وہاں چند لوگ ایک مرض کے لیے اس عقیقہ سے پانی دم کروانے کی غرض سے حاضر ہوئے کہ جتنی سستی کا دم آب حیات کا کلمہ رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: شاید میں جتنی سستی کھلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ جب میں مہاراجہ کشمیر کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک روز اُس کے محل میں طوائف گارہی تھیں جس کی آواز مجھے سنائی دے گئی اور بجلی معلوم ہوئی تھی۔

اب ذرا اس نسبت سے حضرت ثانی صاحب کے اُن روحانی کمالات کا اندازہ لگائیے جن کی بناء پر حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنی مسند نشینی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

۹۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

حضرت ثانی صاحب موصوف کے صاحب زادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب کا ہمارے حضرت کے ساتھ تحریک خلافت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا تھا جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ یہ اختلاف جو بہر حال مسلمانوں کی سر بلندی اور نصاریٰ کی سرکوبی کے جذبات کی پیداوار تھا، دراصل طریق کار سے متعلق تھا اور بعد ازاں واقعات کی روشنی میں خود بخود رفع ہو گیا۔ ابتداء میں باہم بڑا ارتباط تھا۔ چنانچہ مکتوبات طیبات کے ایک جوابی خط مورخہ ۸۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں حضرت انہیں سیدی و سندی سے خطاب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: الحمد للہ کہ از اولاد حضرت من دین راضیائے واللہ را عبادتے بظہور آمد لازال کذا لک آئین: پھر عید سے پہلے سیال شریف کی حاضری کے ارادہ کا ذکر فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت دیوان صاحب پاک پتن شریف عنقریب یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ اگر اُن کے انتظار کی وجہ سے عید پر حاضری نہ ہو سکی تو ہمیں جاؤ گے سپید اہن یوسفی را در مشام یعقوبی شمیمہ از خود در خود خواہم سراپید۔

عید شد ہر کس زیار سے عید سے وارد ہو س
عید ما و عید ہی ما دیدن روئے تو بس
عید مردم دیدن مر عید ما دیدار تو
ایں چنیں عید سے نہ بند درد و عالم ہیچ کس
خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب مجاہد اور مصلح ہونے کے علاوہ اہل قلم بھی تھے۔ قادیانیت کے خلاف ایک سالہ معیار المسیح (مطبوعہ ۱۳۲۹ھ) آپ کی تصانیف میں قابل ذکر ہے۔ ان کے صاحبزادہ اور جانشین صادق حضرت خواجہ حافظ محمد تسم الدین صاحب دامت برکاتہ بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

۱۰۔ حضرت صاحبزادہ محمد عبداللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے بھی کسی زمانہ میں اشعار کے اندر باہمی اختلاف کا شکوہ کیا تھا مگر پھر حضور کے عالم استغراق کے دوران عرس پر گولڑہ شریف آئے۔ اور ایک روز جب کہ حضرت حالت صحو میں تھے اور بچوں کا بار پینے ہوئے تھے حضور کے گلے میں بچوں کے ہار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: واہ۔ و آج تو ہار پہن رکھا ہے۔ حضرت اعلیٰ نے جواباً مسکرا کر فرمایا: ہار نہیں جیت ہے۔ یعنی میرے شیخ زادہ آج میرے مہمان ہیں۔ گویا

فرما ہے ہیں ے

شکر اللہ میسان من و تو صلح فتاد
خواریاں رقص گناں ساعت و پیمانہ زند

۱۱۔ حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی

۱۲۔ حضرت صاحب زادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے جناب خواجہ محمد سعد اللہ صاحب سلا اللہ ہمارے حضرت
کو نہایت عزیز تھے اور اس پیار میں دونوں جانب سے کبھی فرق نہیں آیا۔

۱۳۔ حضرات پیر حیدر شاہ صاحب جلاپور۔ ۱۴۔ خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف

۱۵۔ خواجہ معظم دین صاحب (مرثہ شریف)۔ ۱۶۔ خواجہ فضل دین صاحب (چاچڑاں شریف)

رحمۃ اللہ علیہم

حضرات پیر حیدر شاہ صاحب جلاپوری (وصال ۱۲۸۹ھ)، خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف (وصال
۱۲۹۰ھ)، خواجہ معظم دین صاحب مرولہ شریف (وصال ۱۲۹۱ھ) اور خواجہ فضل الدین صاحب چاچڑاں شریف (وصال
۱۲۸۸ھ) حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم خلفائے میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب جلاپوری آپ کے
سب سے پہلے اور ہمارے حضرت سب سے آخری خلیفہ ہیں۔ مولوی امیر بخش صاحب خوشابی نشی دربار سیال شریف نے
”انوار شمس“ میں ہمارے حضرت کا ذکر خیر کرتے ہوئے کیا برجستہ کہا ہے ے

معدن انوار ہستہ عالمیں آخر آمد گشت فخر الاولین

جزاہ اللہ خیر الجزا۔ یہ سب حضرات علم و فقر میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے اور وسیع حلقہ ارشاد
کے مالک تھے۔ سیال شریف میں اس کے ایام میں باہم فکر و نظر کی علمی اور روحانی صحبتیں رہتیں۔ بعض اوقات کسی
مسئلہ میں باہم اختلاف رونما ہوتا تو حضرت ثانی صاحب ہمارے حضرت کو ثالث مقرر فرماتے۔ قادیانی معرکہ لاہور میں ان
آستانوں کے صاحبزادے اور علماء مولوی محمد چراغ صاحب چکوڑی شریف، مولوی عبد العزیز صاحب چاچڑاں شریف اور
مولوی شہاب الدین صاحب مرولہ شریف وغیرہم حضرت قبلہ عالم قدس برتر کے ناصرین اور مجاہدین میں شامل ہو کر آپ کے
ساتھ لاہور گئے تھے۔ اور اسی ملک میں

۱۷۔ حضرت خواجہ عبد الخالق صاحب جہاں خیلان

۱۸۔ حضرت خواجہ عبد الفاتح صاحب باجھ خیلان بھی ملک میں۔

مفتی اعظم نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے۔

سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کے لیے یہ تھا کہ ایک طرف تو اس کے ہاتھ سے حکومت کی بھاری
قوی اور دوسری طرف دارالہدایت کی بنیاد، باقاعدہ میں چھ لکھوں کی بے بسی کا سب سے بڑا سبب بنی،
پناہ جو لوگوں کی پسلیں سے لگے کہ یہ عقوبت نہایت سے لکھوں کی بے بسی میں سے ہے۔
جو فتنہ بھی تھے یہ مفتی اعظم ان کے لئے اس کے احباب سے تھے حضرت مولانا شاہ صاحب کے بعض
ضیقت سے اسلام قبول کیا اور ان کے مفت میں شاہ نام لکھا گیا، ایک مسجد میں کے نام سے آج تک آگروہ میں
موجود ہے۔

اس منظرہ کے کوئی نہ تو مولانا صاحب کی کتاب انہماک الہدایت، ۱۳۲۰ھ میں طبع ہوئی اور مصر میں
جسے شائع ہوتے تھے جس کے حاشیہ پر ڈاکٹر زیدخان صاحب کا تحریری منظرہ اور وہی مولانا صاحب کی کتاب میں شائع کیا گیا
تھا مولانا صاحب نے پوری فتنہ کی شکست پر تحریری دستاویز لکھی جس میں اس کا یہ فقرہ بھی شامل تھا کہ آئندہ مسائل پر بحث پر
مولانا صاحب سے کبھی منظرہ نہیں کرے گا۔ کئی سال بعد فتنہ نے مولانا صاحب کے استنبول کو انہیں مسائل پر منظرہ لکھی و موت دی مولانا
اس زمانہ میں ہجرت کر کے کوئٹہ میں مقیم ہو چکے تھے سلطان عبدالحمید خان نے اپنا خاص اکبریت میں آپ کو قتل نہ کیا بلکہ
آپ کی آمد کی خبر پر فتنہ زد پوش ہو گیا۔

مولانا صاحب کی ہجرت کی سبیل یہ بنی کہ منظرہ آگرہ کے تین برس بعد فتنہ کی جنگ آزادی میں مولانا نے
بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی فتنہ سرگندہ شہادت آپ کے بھائی کے ایک پوتے مولانا محمد عارف عثمانی صاحب نے اس مسودہ تحریر
ذرا مانی ہے۔

مطلع منظرہ کے پرگزہ شامی میں زمیندارہ شیوخ اور گوجروں کے ہاتھ میں تھا جن میں دست داری کے
ساتھ ہوش بھی تھا پناہ پر تھا نہ جھوٹا اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا اور مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ
کرتی رہی۔ شامی کی تحصیل پر حملہ کیا گیا اور پرگزہ کے چاروں طرف اس مجاہدانہ تحریک کا اثر عام ہو گیا بہت جھجھکاؤ
کے درمیان مجاہدین اور حضرت عباسی امداد اللہ صاحب وغیرہ کے علاوہ فوج کیرانہ میں حضرت مولانا صاحب کی مدد
گورہ فوج کا مفت بل کر رہے تھے۔

اس زمانہ میں مصر کی فتنہ کے بعد مجاہدین کی تنظیم اور تربیت کے لیے کیرانہ جامع مسجد کی سیر میں پر نظر
بجایا جاتا تھا جس کی آواز سن کر وہاں کے لوگ جمع ہو جاتے اور اعلان کیا جاتا تھا کہ اللہ کا اور حکم مولوی
رحمت اللہ کا اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا عوام کو سنایا جاتا تھا۔

کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا مگر بعض ایسے وطن کی زمانہ سازی اور فتنہ کی سازش نے
حالات کا رخ بدل دیا کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ
نصب کیا گیا اور گورہ فوج نے دربار کا محاصرہ کر لیا۔ گھر کی کاشی کی گئی اس لیے کہ کسی فتنہ نے اطلاع دی
تھی کہ مولانا دربار میں روپوش ہیں کیرانہ کے قریب پنجٹہ مسلمان گوجروں کا ایک گھاؤں ہے۔ وہاں حضرت مولانا
اپنی باقی جماعت کے ساتھ پہنچے۔ بعد اس گھاؤں کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ اس دوران میں گورہ فوج

کے ایک گھوڑا سوار دستہ نے پنجٹیہ کا رخ کیا۔ کیرانہ اور تمام قرب و جوار کے حالات کی اطلاع مولینا کو ملتی رہتی تھی۔ چنانچہ پنجٹیہ کے گھسیا کو جب فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے فوراً جماعت کو منتشر کر دیا اور مولینا سے عرض کی کہ کھرپے کر کھیت میں لگاؤ۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ گورہ فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری جہاں میں لگاؤ کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کھسکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں۔

انگریزوں نے قابض و متصرف ہو کر حضرت مولینا کے خلاف فوجداری مقدمہ چلانے کا حکم دیا آپ کی گرفتاری کے لیے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا گیا۔ آپ کی تمام مزدورہ جائیداد اور املاک ضبط کر کے کورڈوں کے مول نیلام کر دی گئی۔ حتیٰ کہ پانی پت میں جو آپ کا آبائی وطن تھا ایک مخبر کمال الدین کی اطلاع پر وہاں کی ساری مورتی جائیداد بھی ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء کو نیلام ہوئی۔

مولینا اپنا نام مصلح الدین رکھ کر کچھ عرصہ ہندوستان اور راجپوتانہ کے مختلف مقامات پر مجاہدین کی از سر نو تنظیم کی کوشش میں مصروف رہے اور بالآخر مائوس جو کرسٹورت کے راستے جہاز پر عرب شریف پہنچ گئے اور وہاں کچھ عرصہ بعد مدرسہ صولتیہ کی صدارت اختیار فرما کر عرب و عجم کو علوم دین سے بہرہ ور کرنے میں عمر گذاری۔ کیرانہ کی مجاہدانہ زندگی میں دہلی شریف لے گئے تھے وہاں علمائے کرام نے بہادر شاہ ظفر کی بادشاہی اور جہاد کا جو فتویٰ مرتب کیا تھا اس پر مولینا رحمۃ اللہ صاحب کے دستخط بھی ثبت تھے۔ "ہمارے حضرت سے مولینا صاحب کے تعلقات اور باہمی علمی مذاکرات کا مفصل ذکر باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

مولینا کے دوست ڈاکٹر وزیر خان اور ایک مغل شہزادہ فیروز بخت بھی مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں شریک رہ کر بالآخر ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب شریف پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خان نے مکہ مکرمہ میں چودہ برس طبابت کر کے ۱۸۷۳ء میں وفات پائی۔ انگریزوں نے ترکی حکومت سے ڈاکٹر صاحب کے وارنٹ گرفتاری منتقلی حاصل کر لیے تھے مگر بدوی قبیلہ کے ایک طاقتور شیخ نے انہیں پناہ میں لے کر بالآخر حکومت ترکیہ سے یہ وارنٹ منسوخ کروا دیئے۔

۲۔ حضرت باو افضل دین صاحب کلیم (وصال ۱۸۹۲ء)

حضرت کے معاصرین کرام میں حضرت باو افضل دین صاحب کلیم بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ کلیم اوان اولپنڈی سے قریب پندرہ سولہ میل دور لاہور کی شہر کے قریب واقع ہے۔ باوا صاحب کا سلسلہ پشتیہ صابریہ تھا۔ آپ کے پیر طریقت حضرت حافظ محمد شریف خان دہلوی بابر بادشاہ کی اولاد سے تھے اور ان کا مزار بھی کلیم شریف میں ہے۔ کثرت جذب و شکر کے باعث حضرت باوا صاحب سے ظاہری طور پر نماز چھوٹ گئی تھی۔ ایک دفعہ مقامی علماء نے کہا ہم آپ کا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ فرمایا میرا جنازہ علم شریعت کا آئینہ اثر ہے اگر پڑھائے گا کہ تم لوگوں کو مجبوراً شامل ہونا پڑے گا۔ آپ نے بہت عرصہ پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز سے کہہ رکھا تھا کہ یہ مولوی لوگ میرے حال سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں تمہارا جنازہ نہیں پڑھائیں گے چنانچہ آپ کو آکر میرا جنازہ پڑھانا ہوگا۔ اُدھر اپنے خدام کو بھی وصیت کر دی تھی کہ میرا جنازہ پیر صاحب پڑھائیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ جس رات ان

کا شعلہ نہ انہوں نے خواب میں اگر محبت فرمایا ہے یہی میں مر گیا ہوں مگر جنازہ پڑھا ہوا ہے پھر پھر میں شعلہ جلتے سے گھوڑا
سوار کی کے لیے تیار کر لیا ایک دم مہرہ فصل دین کو جو اسے کہیں سے شیشی گواڑہ پر پہنے کر گاڑی چھت ہانے کے ہارٹ
سوار کی گھوڑا دوپٹہ ہی ہا کر دین گاڑی میں سوار ہوتے گواڑہ شریف دیوت شیشی پر باوصاحب کے شعلہ کے تعلق پر آیا دیکھا
تھا اور دوپٹہ ہی کے قریب ہی شہر پہنچانے کے لیے قیام شریف کا ایک سوار بھی آتا ہوا ہے احتیاج ہو گیا تھا کہ اسے
تلا وقت پر نہتے جہان سے میں اس قدر شام کو طوق تھا کہ نہتے گھوڑے پر سوار ہو کر سینے دست کرانی چلیں پھر پھر میں
مولوی صاحبان بھی پیشہ پر فرجناہ میں شریک تھے بلکہ جن میں سے بعض حضرات اس شہر میں باوصاحب سے بیت ہی
کر چکے تھے ویسے ہی متعدد مشن گھوڑا آپ کے مسئلہ اہانت میں شامل تھے اور چنانچہ ایک حضرات کے علاوہ آخری مشن میں
مذہب ہو گئے آپ کے نام ٹھکانہ اور قدامت پانچ سو م و سطر اور خط و کتابت و اوراد و شہیدہ صاحبہ پر پھر نہتے آپ کے شہر رخصت
کے اہل گرامی یہ ہیں۔

۱۔ شیخ ابیہ علی شاہ صاحب کلیم (اصول شریف)

۲۔ سائیں محمد حسین صاحب گھوڑی دانے (اصول شریف)

۳۔ جناب مولوی عبد الستار صاحب کلیم (اصول شریف)

حضرت باہر الفضل دین صاحب کا وصال یکم جنوری ۱۹۶۰ء کو بروز جمعہ ہوا آپ کے دربار کے زکوٰۃ و سجادہ نشین جناب
سائیں مولانا بخش صاحب ہیں۔

یہ احمد شاہ صاحب ساکنی پنڈر پر پورہ اعلیٰ جھنگلی سیتیاں جو حضرت قبلہ عالم گواڑی قدس سرہ کے فرید ہیں حافظ فضل الدین
صاحب مرقوم کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں جناب باوصاحب کی نماز جنازہ کے لیے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ہمراہ
کلیم شریف گیا تھا جب باوصاحب کو قبر میں رکھا گیا تو آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا قوال سادگی بجا تار با جس پر ہمارے
حضرت قبلہ عالم گواڑی قدس سرہ کو غائب و جہد ہوا۔

روایت ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو جناب باوصاحب بستی کلیم کے باہر زندہ ہی نظر آئے تھے جب آپ نے
پوچھا کہ باوا امی آپ تو یہاں پھر رہے ہیں میں جنازہ کس کا پڑھاؤں گا؟ فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ آل رسول میرے گھر میں آئے
اور میں اُس کا استقبال نہ کروں۔

کہتے ہیں حضرت باوصاحب وصیت فرماتے تھے کہ ہماری موت پر کوئی نہ روئے بلکہ گاؤں کی عورتیں شادی سیہ
کی طرح خوشی کے گیت گائیں۔

باوصاحب سے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی داد و رسم زمانہ طالب علمی سے حتیٰ اُس زمانہ میں ان کے بعض خواہرین
مذہب حضرت سے سوال کرتے تھے کہ باوصاحب کی آپ پر اس قدر توجہ ہے تو آپ کی نماز بھی تک کیوں نہیں چھوٹی؟ حضرت بول
میں فرماتے تھے کہ اگر باوصاحب خود بھی مجھے ترک نماز کے لیے کہیں تو میں تمیل نہ کروں گا اور نہ ان لوگوں کی بات ہی مانوں گا جو
ان کی ملاقات پر اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے نفس میں انہیں جہنم مقام حاصل تھا پھر چنانچہ ایک روز حضرت سے فرمایا پھر بھی رویشی مجاہدہ
کا نام ہے کتنی برس سے نفس خنڈ پانی باگتا ہے۔ لیکن میں اسے گرم پانی دیتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کس پھل کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے

اور میٹھا کسے کہتے ہیں۔ خوراک کے طور پر دال کے چند گھونٹ دوسرے تیسرے وقت پی لیتے تھے۔

بادا صاحب نفس کشی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ گرمیوں کی دھوپ میں پتھر کی ایک سل پر پڑے رہتے۔ اور سردی میں سقے کو چھت پر کھڑا کر کے ٹھنڈے پانی کی دھار اپنے سر پر ڈالتے اور عشق الہی کے سوز میں ہائے کرتے رہتے۔ ایک رات کمرے میں سو رہے تھے۔ پاس ہی چار پائی پر ستار رکھی تھی۔ ایک چوہا جو اوپر سے گذر تو تاروں سے ایک جھنکار مچا۔ تڑپ کر چار پائی سے دوڑ جا کرے۔ کہتے تھے۔ ہائے سڑی گیاں۔ ہائے ملی گیاں۔ یعنی ہائے جل گیا۔ سماع کا شوق نہایت غالب تھا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ مجھے حالت حیات بابرکات بادا فضل الدین صاحب کلیامی میں گاہے گاہے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا ہے جس قسم کی ریاضات شاقہ نفسانی راحت کو توڑنے والی انہوں نے کی ہیں اہل زمانہ نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ اہل ظاہر ان کے اندر دنی درد اور شغل باطن سے بے خبری کے باعث ان پر معرض ہوتے تھے۔ ان کا کوئی نفس اسم ذات کے ذکر سے خالی نہ گزرتا تھا اور کمال استغراق حال سے اشغال ظاہری کی طرف توجہ کرنے سے معذور تھے۔

ایک دن بادا صاحب کی مجلس میں کسی شخص نے پڑھا۔ قریاں چمن فرید سرید۔ تو آپ کی ہڈیوں سے تڑاق تڑاق کی آواز آئی۔ اگر اس مجلس میں کوئی وجد کا منکر شخص ہوتا تو وہ بھی حیران ہو جاتا۔ بادا صاحب کی نظر میں ناموس ظاہری کی کچھ وقعت نہ تھی۔ لوگوں سے بے نیاز ہو کر مظاہر صوری میں جمال مطلق کا مشاہدہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے نیت ستیقم چاہیے۔ قوال کو وصیت فرمائی تھی کہ میری نعش قبر میں رکھ کر میرے کان کے قریب چنگ خوب زور سے بجانا اور کسی کے منع کرنے سے ہرگز نہ نہ کہنا جب قوال یہ وصیت بجا لایا تو سب حاضرین میں بے حد ذوق و شوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔

حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفع میں اور بادا صاحب پاک پتن شریف کے عرس پر اکٹھے گئے تھے۔ جب بہشتی دروازہ کے کھلنے کا وقت قریب آیا تو بادا صاحب نے کہا پیر صاحب! دیکھنا جب بہشتی دروازہ کھلے گا تو حضرت گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ پر جو کس ہے وہ گھوم جائے گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا تو واقعی کس گھوم گیا۔ حضرت نے ۱۳۲۶ھ ہجری (۱۹۰۸ء) میں دروازہ کھلنے سے پہلے ایک مجمع کے سامنے یہ راز ظاہر فرمایا۔ چنانچہ بے شمار لوگوں نے (جن میں نواب محمد حیات صاحب قریشی اور حضرت شیخ الجامعہ صاحب بھی شامل تھے) اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس قول کی تصدیق کی۔ اُس روز حضرت نے کس کے گھوم جانے کی حکمت یہ بیان فرمائی تھی کہ اس وقت حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار اور مشائخ عظام تشریف لاتے ہیں اور یہ سلامی ہے۔

ایک سال بادا صاحب پاک پتن شریف کے عرس پر دیوان صاحب کی حسب فرمائش ان کے لیے ایک قیمتی چپہ تحفہ لیے جا رہے تھے۔ اثنائے سفر میں ایک سید زادہ صاحب مصر ہوئے کہ مجھے دے دیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ دیوان صاحب نے یہ چیز منگوائی ہے۔ وہ حضرت گنج شکر کی اولاد ہیں۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اگر دیوان صاحب حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے ہوں۔ یہ سن کر بادا صاحب تڑپ گئے اور وہ چیز اسی وقت ان کے حوالے کر دی۔ پاک پتن شریف پہنچے تو دیوان صاحب سخت ناراض ہوئے۔ رات کو خواب میں حضرت گنج شکر نے حکم دیا کہ بادا صاحب سے معافی مانگو۔ انہوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بذریعہ ریل گاڑی سفر سے واپس آ رہے تھے۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ صبح سویرے جب

کلیام شریف قریب آیا تو فرمایا اداہر کی کھڑکیاں کھول دو کہ باو افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ سے عشق الہی کی ہوائیں چلتی ہیں۔
پنہر ضلع شاہ پور کے مشہور عالم اور قاری جناب قاضی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں چھاؤنی راولپنڈی میں
امام مسجد تھا تو اکثر کلیام شریف حاضر ہوا کرتا تھا۔ باوا صاحب کے ایک مرید مولوی صاحب انہی دنوں حج اور مدینہ منورہ کی زیارت کو
گئے اور واپس آکر باوا جی سے عرض کیا کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں زیارت سے شرف فرما کر ارشاد فرمایا کہ
اپنے بدعتی پیروں کو ہمارا اسلام کہنا یہ سن کر باوا صاحب کو بڑی کیفیت ہوئی اور عرصہ تک اس پر وجد کرتے رہے۔

باوا صاحب پر توحید اور ربوبیت کا ایسا غلبہ تھا کہ غیر مسلموں تک سے نہایت نہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے
بے وعاسے خیر فرماتے تھے۔ مگر کا ایک بندہ درگرا آپ کا مرید تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر منع اہل و عیال مسلمان ہونا چاہا کہ قیامت کے دن
بھی آپ کے دامن سے وابستہ رہیں۔ فرمایا میں نے تمہیں مسلمان کر لیا ہے۔ قیامت کے روز اگر میں کسی فتبل ہوا تو تمہیں
پہچان لوں گا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ امور علم ظاہر کی دسترس سے باہر ہیں اور کسی اور ہی عالم کی خبر دیتے ہیں۔ علاوہ بآں یہ شرع شریف
میں حجت بھی نہیں کہ ان کا تعاقب کیا جائے۔ تاہم جب اس قسم کی باتیں حضرت قبلہ عالم گولڑوی، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی
یا حضرت مولانا جلال الدین رومی جیسے بلند پایہ بزرگان اور عالمان شریعت کی زبان اور قلم سے نکل جاتی ہیں تو دل کی دھڑکنیں تیز
ہونے لگتی ہیں۔ "نعمات اللہ" میں حضرت معشوق طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ اُن سے نماز چھوٹ گئی تھی، علمائے وقت
کے اصرار پر آپ نے نماز شروع کی تو آیات "لَعَبْنُ مَکَسَیَہِ" پینچنے پر ہر نبی موسے خون جاری ہو گیا۔ فرمانے لگے اب تو مجھے معذور
سمجھو گے؟

بعض کتابوں میں ایک مجذوب کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ وہ بھڑ بھونکتے تھے۔ ایک سالک راہ تعمیل ارشاد باطنی
اُن سے یہ دریافت کرنے گئے کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ فرمایا کل آنا۔ اگلے روز جب وہ پہنچے تو بھٹیادان نے انوس کے ساتھ بتایا
کہ بے چارہ جاموسی کے الزام میں قتل کر دیا گیا ہے اور لاش کے ٹکڑے فلاں جنگل میں پھینکوا دیئے گئے ہیں کہ جانور کھالیں۔ یہ ہاں
پہنچے اور کہا۔ "واہ صاحب انجوب ایفاے وعدہ کیا۔ آواز آئی کہ میاں یہی تو تمہارے سوال کا جواب ہے۔ سرکار کا ہمارے حال
پر بڑا کرم تھا۔ مگر عمر بھر ہم سے بھڑ بھونکوا۔ بھوکا پیاسا رکھا۔ نماز روزہ اور ارکان اسلام سے محروم رہے۔ اور اب یہ حال کیا جو دیکھ رہے
ہو پس اُس سے درد اور عشق نہ مانگنا اور جو چاہو مانگ لو۔"

دی شب زہر صدق و صفائے دل من
دہیکہ آں رُوح فزائے دل من
جائے من اور در کستان و بنوش
گفتم مخورم۔ گفت برائے دل من

شرائع سابقہ میں اس کی نظیر حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات میں موجود ہے لیکن آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کی شریعت مطہرہ میں سلامتی عقل و حواس ایسے قطعی خلاف شرع امور کے ارتکاب کے لیے کوئی شرعی حوالہ نہیں۔ تاہم بعض مستان
بادۂ توحید اہل جذب و سکر سے ایسے واقعات کا ظہور ایک امر واقع ہے جن کا ثبوت کتب سیرت میں بکثرت ملتا ہے۔ ہاں
اصلی اور بنیادی مجذوب کے درمیان امتیاز نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے عوام کے حق میں ارباب ارشاد و اصحاب صوفیائیں
اس کی حیثیت مفید نہ کہ مضر سمجھتی ہے ورنہ غلط فہمی اور غلط روی کا سخت اندیشہ ہے۔

۲۱۔ حضرت خواجہ احمد صاحب میروی (وصال ۱۹۱۲ء)

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی (وصال محرم ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء) حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے آپ کا اصلی وطن بلوچستان تھا۔ تخریج کی زندگی بسر فرمائی۔ زہد و اُلفت میں سلف صالحین کا صحیح نمونہ اور وسیع حلقہ ارشاد کے مالک تھے۔ خلفاء کی تعداد چالیس کے قریب بتائی جاتی ہے۔ آپ کے بعد حضرت فقیر احمد صاحب ثانی سجادہ نشین ہوئے اور موجودہ جانشین جناب فقیر عبداللہ صاحب ہیں۔

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے حضرت کے ساتھ ارتباط تھا۔ باہم آمد و رفت اور خط و کتابت بھی تھی۔ حضرت کے ساتھ اثنائے گفتگو میں آپ کو بڑے پیارے انداز میں "لاؤ" کہہ کر بولتے، جو زبان پنجابی بھائی کے مترادف ہے۔ ایک دوسرے کو لڑہ شریف بھی تشریف لائے۔ قاضی عطاء الرسول صاحب سکند بدھو بیان کرتے ہیں کہ خواجہ صاحب بالوچی مدظلہ العالی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے جو اُس وقت کم سن تھے اور صرف کی اہستہ دانی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ حضرت قاری عبدالرحمن صاحب جو پوری کے درس میں بالوچی سے قرأت سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں بازو سے پکڑ کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے پاس لے گئے اور فرمایا: "لاؤ تو مجھے فرمائیے کہ یہ کچھ ہو جائے" حضرت نے فرمایا: "آپ دعا کریں کہ یہ کچھ نہ ہو"۔ اس پر خواجہ صاحب ہاتھ ہلا کر منع کرنے لگے کہ "نہیں لاؤ نہیں"۔ ایسا نہ کیئے۔ دعا کیجئے کہ یہ بہت کچھ ہو۔ بہت اچھا ہوا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر کچھ نہ ہوگا تو بہت کچھ ہوگا۔ کیونکہ اس کوچہ میں کچھ نہ ہونا ہی سب کچھ ہونا ہے۔

تو مباحث اصلاً کمال این است و بس رو درو گم شو وصال این است و بس
پھر دونوں حضرات نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الہی میں ان کے حق میں دعا فرمائی جس کی قبولیت کا اثر آج ایک عالم پر آشکار ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فِیْہِ زَیْداً

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قادیانی معرکہ لاہور کے بعد حضرت خواجہ صاحب میروی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی حضرت پر صاحب گو لڑہ شریف کے روبرو آجائے تو پیر صاحب اپنی کرامت کے زور سے اُس شناس کو جو گونا گوں وساوس کا باعث ہو رہا ہے زمین کے اندر دھنسا دیتے۔

۲۲۔ حضرت مولوی اکبر علی صاحب میانوالی (وصال ۱۹۵۶ء)

حضرت مولوی اکبر علی صاحب خطیب میانوالی (وصال ۲۷ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء) حضرت خواجہ احمد صاحب میروی کے اعظم خلفاء میں سے تھے اور ہمارے حضرت کے ساتھ اُن کا گہرا روحانی رابطہ تھا۔ مستند عالم تھے۔ تصوف، کشف اور روحانیت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ چودھری اورنگ زیب صاحب ڈپٹی کمشنر سے جو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے دامن گرفتہ ہیں ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ اور اُن سے بعض اوقات خاص اسرار کی باتیں بھی بیان فرمادیتے۔ مثلاً یہ کہ آج سبق کے دوران فلاں بزرگ کی روح تشریف فرما ہوئی۔ گو لڑہ شریف عرس کے موقع پر بھی کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عرس کی مجلس ختم ہوئی تو چودھری صاحب سے منہ بایا کہ آج روحانی مجلس میں آواز بلند ہوئی کہ غوث کی عمر ایک برس اور بڑھادی گئی ہے۔ چنانچہ پورے ایک سال بعد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا وصال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی غلام حیدرانی صاحب اب میانوالی کے

خطیب اور اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر متمکن ہیں۔

۲۳۔ حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وفات ۱۹۳۹ء)

حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وفات ۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۹ء) حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ مجاز تھے۔ کچھ عرصہ تک اُن کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود صاحب کے پاس امامت کی خدمت پر سر فراز رہے۔ ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحب موصوف کے ہم کاب گولڑہ شریف آئے تو حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی مجلس میں صفتِ نعال میں بیٹھ گئے۔ حضرت کی دریافت پر بتایا گیا کہ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کے ہمراہیوں میں سے ہیں۔ فرمایا اس شخص سے اللہ اللہ کی خوشنوازی ہے۔ بعد میں جب بسال شریف میں آکر مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے تو اکثر گولڑہ شریف آمد و رفت رہی۔ دربار عالیہ گولڑہ شریف کے موجودہ امام مسجد تونسوی اللہ بخش صاحب کچھ عرصہ بسال شریف میں ان کے پاس بھی امامت اور تدریس پر قیام پذیر رہے۔ انہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے اجازت لے کر آپ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ صاحب کشف و کرامات اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ جنت کے سادات کا ایک گھرانہ ان کی تسلیم اور توجہ سے راہِ راست سے ہم کنار ہوا۔ حالانکہ ان لوگوں کی اہلسنت و اجماعت کے ساتھ دشمنی اور اصحابِ کرام کی شان میں اعلانیہ تبرّازی اس نواح میں مشہور ہو چکی تھی۔ ان میں سے سید محبوب شاہ صاحب نے حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں منسلک ہو کر علم دین حاصل کیا اور اہلسنت و اجماعت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنالیا۔

حضرت صاحب بسالوی کا حلقہ ارشاد پشاور سے بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے اور ملک کے اندر متعدد خلفاء ان کے انوارِ باریت پھیلانے میں سرگرم ہیں۔ سیماں آباد (بسال شریف) میں ان کے جانشین جناب میاں محمد صاحب اس وقت سجادہ نشین ہیں۔ کثرتِ مراقبہ اور شغل کے باعث حضرت اعلیٰ بسالوی آخر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کے وصال پر ٹیکسٹریس میں بیٹھ کر گولڑہ شریف کا سفر اختیار فرمایا اور وصال کے بعد اگلی ہی رات مزار شریف پر حاضری دی۔ مزار شریف کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتے تھے۔

۲۴۔ حضرت سلطان نور احمد صاحب دربار سلطان العارفین بابو

سلطان العارفین حضرت سلطان بابو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین حضرت سلطان نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے تعلق اور روحانی نسبت کے متعلق ایک روایت ہے کہ سلطان صاحب موصوف نے ایک سیدزادہ کو اُن کے سوال پر ایک گھوڑا عطا کرنا قبول فرمایا۔ ان شاہ صاحب نے اھطل میں حضرت موصوف کی ذاتی سواری کے بیش قیمت گھوڑے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ اگر کیا تو یہ گھوڑا اُن کا ہوگا۔ چونکہ سلطان صاحب سید کا سوال رد فرمانا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نے وہی گھوڑا اُن کو دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد ہی سید صاحب سیال شریف کے عرس میں ہمارے حضرت کی مجلس میں اشد ہام خلق دیکھ کر سوال کے ارادہ سے یکایک آپ کی طرف آئے۔ آپ نے اُن کے سوال سے پہلے ہی کچھ رقم جیب سے نکال کر حوالے کی اور سلطان صاحب کے گھوڑے کا ذکر فرما کر بطور تنبیہ فرمایا کہ یہادت اعلیٰ شرف ہے اسے حقیر دنیا کے لیے استعمال کرنا زیب نہیں دیتا۔ سید صاحب سخت متعجب ہوئے کہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ کا حضرت سلطان باہو صاحب کے ساتھ جو روحانی تعلق تھا اس کے متعلق میرے والد مرحوم یہ چشم دید واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ غلام رسول خان کھر پیٹنڈنٹ پولیس کی دعوت پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کوڑھ ضلع مظفر گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں قاضی فقیر محمد صاحب سکنتہ بستی قاضیاں آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت تعظیماً گھڑے ہو گئے اور معاف فرمایا۔ چونکہ قاضی صاحب موصوف حکمت کا کام کرتے تھے اور اس نوح میں کئی غریبوں کی حیثیت یا شہرت کے مالک نہیں سمجھے جاتے تھے اس لیے حاضرین کو اس بات پر تعجب ہوا چنانچہ ایک ذی وجاہت آدمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو اس علاقہ کے ایک طبیب ہیں۔ اس پر آپ نے قدرے جوش کے لہجہ میں فرمایا کہ میں طبیب غیرہ نہیں جانتا۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ یہ حضرت سلطان العارفین (سلطان باہو) رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ قاضی صاحب کو اس سے پہلے حضرت کے ساتھ کوئی تعارف حاصل نہیں تھا۔

۲۶۔ ۲۵۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ ضار (وصال ۱۹۵۱ء) حافظ جماعت علی شاہ ضار علی پوری (وصال ۱۹۳۹ء)

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب (وصال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۵۱ء) اور حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب لاثانی (وصال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء) علی پور شریف ضلع سیالکوٹ خاندان عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگان طریقت کی حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ساتھ راہ و رسم کی روایات موجود ہیں۔ ہمارے ایک برادر طریقت شیخ فضل قادر صاحب سکنتہ علاقہ حضور بیان کرتے تھے کہ ۱۹۱۱ء میں یہ دونوں حضرات جناب بابو جی مدظلہ العالی کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت کے وصال پر جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب اور جناب حافظ جماعت علی شاہ صاحب یکے بعد دیگرے فاتحہ خوانی اور زیارت مزار کے لیے گولڑہ شریف آئے تھے۔ اور اول الذکر نے فرمایا تھا کہ مجھے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ حضرت موصوف قادیانی مہر کہ لاہور میں ہمارے حضرت کے ناصرین و معاونین میں شامل تھے اور جلسہ شاہی مسجد میں تقریب بھی منہ مانی تھی۔

دونوں حضرات نے خلافت حضرت بابا جی خواجہ فقیر محمد صاحب فاروقی نقشبندی، تیراہی، چورہ شریف ضلع کیبل پور سے پائی تھی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب حسنی شیرازی اور حضرت حافظ جماعت علی شاہ صاحب حسینی جعفری سید تھے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب برصغیر ہند و پاکستان کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔ آپ نے ایک سو دس برس کی عمر مائی۔ ساٹھ حج کیے۔ ۱۹۰۵ء میں بمقام لاہور مرزا صاحب قادیانی کو مباہلہ کی دعوت دی اور انکار ہونے پر برسر عام مرزا کی موت کی پیشین گوئی کی۔ جو ایک ہفتہ کے اندر صحیح ثابت ہوئی۔ حجاز ریلوے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خلافت فنڈ، سمرنا فنڈ، انگورہ فنڈ میں دل کھول کر چنہ دیا۔ تحریک ہجرت کی مخالفت کی۔ اگرہ میں آریوں نے فتنہ ارتداد کھڑا کیا تو آٹھ اضلاع میں تبلیغ کروائی۔ بے شمار مساجد تعمیر کروائیں اور درس جاری کروائے۔ علمائے اہلسنت اور ان کی جمعیتوں اور کانفرنسوں کی جابجا رہنمائی فرمائی۔

شیعہ اور غیر متدین کے ساتھ مناظرے کیے اور کروائے۔ اور کتابیں تالیف کروائیں۔ آپ خلفاء اور مریدین کا ایک بڑا سلسلہ چھوڑ گئے ہیں جو خدمت اسلام میں مصروف ہیں۔

حضرت قبلہ حافظ صاحب نسبتاً ایک گوشہ نشین بزرگ تھے جن کی زیادہ تر توجہ باطنی تزکیہ نفوس اور ذکر و اذکار پر

۲۷۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری (۱۸۶۴ء تا ۱۹۲۹ء)

کتاب خزینہ معرفت تذکرہ مشائخ نقشبندیہ میں درج ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پشاور سے واپسی پر گولڑہ شریف اتر کر حضرت قبلہ عالم قدس ہترہ سے ملاقات کی۔ اس کے علاوہ پاک پتن شریف میں حضرت بابا صاحب کے عرس پر باہم ملاقاتوں کی بھی روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ شیخ فضل قادر صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب شرقپوری حضرت بابا صاحب کے مزار شریف کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس ہترہ تشریف لائے تو میاں صاحب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت کے فرمانے پر کہ آپ یہ تکلیف نہ کیا کریں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں تو یہاں حضرت بابا صاحب کی زیارت کے علاوہ آپ کی ملاقات کی غرض سے بھی حاضر ہوتا ہوں۔ آپ اپنے زمانہ میں خاندان عالیشان نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے سلسلہ مجددیہ محصومیہ کے ایک شیخ حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی تھی جن کا آستانہ کوٹلیہ پنجاب یک نزد چوہدری کاہنہ ضلع شیخوپورہ میں مرجع خلافت ہے۔

حضرت میاں صاحب طریقت کے ایک بڑے شیخ شریعت کے علمبردار اور سنت نبوی کی پیروی پر انتہائی تاکید فرمانے والے بزرگ تھے۔ آپ کی تربیت اولاد نہ تھی۔ آپ کے بھائی حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، اور ۱۹۵۷ء میں ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان جناب میاں غلام احمد اور جناب میاں جمیل احمد صاحبان سجادگان سے طریقت اور شریعت کا یہ مقدس سلسلہ سلوک شرق پور میں اور دیگر خلفائے کرام کے ذریعے پاکستان میں جاری و ساری ہے۔ آپ کے خلفائے کرام میں سے حضرت سید اسماعیل صاحب کراماں والے سابق ضلع فیروز پور رحال ضلع ساہیوال اور حضرت خواجہ محمد عمر صاحب بیر بل ضلع سرگودھا کے کمالات علم و فقر کا کافی چرچا ہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک مخلص مولوی محمد ابراہیم صاحب قصوری سے سوال کیا کہ کلمہ طیبہ میں لفظ لا غیر الذی نفی ہے یا عین الذی ہمعرض کیا غیر الذی نفی کی جاتی ہے۔ فرمایا۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے معنی کیا ہوئے کہ جب اللہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے تو کسی نے کہا لا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کیوں نہیں کہتے تو نعرہ مار کر فرمایا کہ اس غوث سے کہ مباد الا کہنے پر ہی میری زبان بند ہو جائے اور دم نکل جائے۔

ہمارے حضرت نے بھی ایک سفر میں اسی قسم کے سوال پر فرمایا تھا کہ درویش کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کا نام لینے میں لا اِلٰهَ اِلَّا کے الفاظ کی تاخیر برداشت نہیں کر سکتا اور جس دانی کے اس لمحہ بھر وقفہ کو بھی گھٹا دینا چاہتا ہے۔

حضرت شبلی کو وصال کے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تھی جس پر فرمایا کہ جب غیر ہے ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟ اور حضرت شیخ حکیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہ العزیز نے بھی آخری وقت میں یہ شعر کہا تھا۔

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی ست

بخلوئے کہ نعم یاد دوست بے ایلی ست

رحمة الله عليهم اجمعين

۲۸۔ حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈفرہ (وصال ۱۹۵۲ء)

حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب قادری المعروف حضرت صاحب ڈفرہ والے رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۳۷۲ھ۔ نومبر ۱۹۵۲ء) جن کا مزار زراعت فارم راولپنڈی مری روڈ کے پاس ہے، ہمارے حضرت کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے اکتساب فیض بھی فرمایا۔ عالم طفولیت سے ادھیڑ عمر تک ممالک اسلامیہ میں سیر و سیاحت کر کے اولیاء اللہ مشہورین و مستورین اور سبقتہ بزرگان دین سے فیض حاصل کیا۔ گولڑہ شریف میں اپنی پہلی حاضری کے متعلق ملک غلام فرید خان ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ میں بچپن میں گولڑہ شریف پیدل جا رہا تھا۔ راستہ میں کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ اور میں اس ڈر سے ایک کھڈ میں چھپ گیا کہ شاید کسی پولیس افسر کی سواری آ رہی ہے لیکن ایک سوار اپنا راستہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا جس کی دریافت پر میں نے بتایا کہ پیر صاحب کی زیارت کے لیے گولڑہ شریف جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سوار خود حضرت قبلہ عالم پیر صاحب ہی تھے۔ آپ نے بڑی مہربانی سے رات لنگریں ٹھہرایا اور صبح کئی وظائف عطا فرمائے۔ حزب البحر پڑھنے کا طریقہ بتایا اور اس کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

ملک غلام فرید خان صاحب سے یہ روایت بھی ہے کہ فرمایا جب میں نے راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی تھی تو ایک دفعہ تریاق دماغ کی ایک محرب معجون تیار کر رہا تھا کہ ایک رات حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے خواب میں فرمایا کہ اس معجون میں ہمارا حصہ بھی رکھیں۔ چنانچہ جب تیار ہو گئی تو میں نے کچھ حضرت کی خدمت میں پہنچا دی۔ پھر فرمایا کہ دوران سیاحت بعض اوقات پہاڑوں کی جڑی بوٹیاں اپنی تاثیر سے مجھے خود آگاہ کر دیتی تھیں اور میں انہیں استعمال میں لے آتا تھا۔ خواجہ صاحب مختلف امراض کے لیے شوقیہ طور پر ادویات تیار کرتے رہتے تھے جو ہمیشہ مفید اور زود اثر ثابت ہوا کرتی تھیں۔ اس چیز کو آپ نے خدمت خلق کا ظاہری سبب بنایا ہوا تھا۔

ان کے ایک مرید قاضی عتیز الرحمن صاحب سکنہ قاضیاں علاقہ گوجرانہ انسپکٹر مدارس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مولوی صاحب کے ساتھ جو کشف قبور کا ملکہ رکھتے تھے، ایک مرتبہ سیال شریف حاضر ہوا۔ جب روضہ شریف سے باہر آئے تو ان مولوی صاحب نے بتایا کہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری بیعت کے متعلق دریافت فرمایا تھا کہ کہاں ہے۔ جب میں نے لا علی کا اظہار کیا تو معاً ایک بزرگ ہوا میں دوزانوٹھے ہوئے آگئے اور حضرت کے پاس جا بیٹھے۔ اور مولوی صاحب نے اس بزرگ کا حلیہ اور وضع قطع، لباس اور طریقہ نشست بعینہ وہی بیان کیا جو حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں کا تھا۔

ملک محمد نواز خان نوشہروی کا بیان ہے کہ کوہ مری میں ایک شخص نے ان کے سامنے حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ آپ نے پوچھا۔ پہلے تو کہیں بیعت نہیں ہوئے۔ کہا پیر صاحب گولڑہ شریف سے بیعت تھی مگر ان کا وصال ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے سخت ناراضی کے عالم میں فرمایا۔ اوبے نصیب تو نے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کو مردہ سمجھ لیا ہے۔ اس مرتبہ و شان کے اولیاء اللہ ہمیشہ زندہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں۔

۲۹۔ حضرت حافظ عبدالکریم صاحب راولپنڈی

حضرت حافظ عبدالکریم صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا جی فقیر محمد صاحب تیرابی پورہ شریف کے خلیفہ تھے۔

عرب البحر کا وظیفہ ہمارے حضرت سے حاصل کیا تھا جس کی روایت مولوی عبداللہ صاحب گنجاہی آپ کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک اجنبی بزرگ کی رہنمائی میں حضرت قبلہ عالم گوڑہ شریف قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس اجنبی بزرگ نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے کہا کہ اسے عرب البحر کی اجازت دیجئے اور اس کا طریقہ بھی سمجھا دیجئے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ چلے گئے۔ اگلے روز حضرت نے اجازت دی اور طریقہ و رد عطا فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ بزرگ خود حضرت علیہ السلام تھے۔

۳۰۔ حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی ملتان

ہمارے حضرت کے ساتھ ملتان کے مشہور پیر طریقت حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب قادری گیلانی، سجادہ نشین دربار حضرت سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید (رحمۃ اللہ علیہما) کی دوستی عقیدت کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت کا پاک پتن شریف کا سفر ملتان کی راہ سے ہوتا اور ہر سال باجم ملاقات رستی اختلافی مسائل میں مخدوم صاحب کا مدار آپ ہی کے مسلک پر ہوتا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق لفظ بشر اور حاضر ناظر کے مسائل پر ان کے استفتاء کے جواب میں حضرت کا ایک مکتوب گرامی باب مکتوبات میں درج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مخدوم صاحب کو ملتان اور نواحی اضلاع میں روحانی قیادت اور عظمت عطا فرمائی تھی۔ قطع نظر اس تقدس اور احترام کے، جو اس آستانہ عالیہ قادریہ کو حاصل ہے اور جس کی وجہ سے اس کا نام دربار پیران پیر پڑ گیا ہے۔ اور اس کے دو قریبی شہر سپاہ کے دروازوں کو بھی لوگ صدیوں سے پاک دروازہ اور حرم دروازہ کہتے چلے آ رہے ہیں، خود حضرت مخدوم صاحب کی ذات کے ساتھ عوامی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جب ۱۹۲۷ء میں آپ فریضہ حج سے واپس آئے تو اس خطہ کے لوگوں نے ایسا شاندار استقبال کیا کہ ملتان میں شاید کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ جب ریوے اسٹیشن کے وسیع اور طویل پلیٹ فارموں پر قتل دھرنے کو جگہ زرتی تو لوگ لائن کے کنارے دونوں طرف پھیلتے گئے اور یہ قطاریں سگھل کے قریب تک چلی گئیں۔ بہت پہلے جب ایک دفعہ ملتان میں ہندو مسلم فساد کا خطرہ پیدا ہوا اور بازار بند ہو گئے تو یہ سن کر کہ مخدوم صاحب خود سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ دوکاندار، کیا ہندو کیا مسلمان، خود بخود دوکانیں کھول کر بیٹھ گئے۔

۳۱۔ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ملتان

حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی بھی حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہید کی اولاد سے ہیں۔ دربار پیران پیر ملتان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت مخدوم کے بڑے صاحبزادے کی اولاد سے بیان ہوتے ہیں جن کو اپنے والد کی املاک تفویض ہوئی تھی اور چھوٹے بھائی کے حصہ میں آپ کا سجادہ طریقت آیا تھا۔ گوڑہ شریف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فرمایا اور حضرت نے انہیں تخلیہ میں بجا کر کلمہ طیبہ کی تلقین فرمائی۔

۳۲۔ حضرت سید غلام عباس شاہ صاحب سجادہ نشین مکھڑ شریف

مکھڑ شریف کے خاندان قادریہ کے مشہور سجادہ نشین حضرت غلام عباس شاہ صاحب حسنی جیلانی کے دو خطوط دربار علیہ گوڑہ شریف میں محفوظ ہیں۔ جو حضرت کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک پر ۱۹۱۲ء کی تاریخ ہے اس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو شیعی شتی مناظرہ موضع جند ضلع کمیل پور میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ۱۴

اساڑھ کو وہاں شیعہ اور اہل سنت جماعت کے درمیان خلافت کے موضوع پر بحث ہونے والی ہے۔ اہل سنت کی طرف سے مناظر مولوی سلطان محمود گنجوی مدرس ڈیرہ غازی خان ہیں۔ اور شیعہ صاحبان کی طرف سے مخدوم صاحب بلوٹ والے متمم ہیں نیازمند کو بھی اہل سنت کی طرف سے مجبور کیا جا رہا ہے کہ اس بحث میں شریک ہوں۔ فقیر چاہتا ہے کہ جناب والا بھی شریک ہوں۔ اور سب اہل سنت کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن اس خط و کتابت کا علم محض فقیر تک محدود ہے۔ دوسرے خط میں جو ۱۹۱۲ء کا ہے، فرماتے ہیں :-

”نوازش نامہ نے فقر و مہابت بخشی امید ہے کہ جناب تو جہ تام کو مبذول فرمائے رکھیں گے۔ فقیر نہایت ہی جناب کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہے جو کہ آپ نے اپنی غوثی شفقت سے بندہ کو ان امورات سے آگاہ فرمایا جو فقیر کے لیے مناسب امور تھے

یہ امر بویا ہے کہ آج کل مسلمانوں کی جو نازک حالت ہے وہ ہرگز اس امر کے قابل نہیں کہ خانہ جنگیاں شروع رہیں مگر آفرینش سے انسان طینت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی عمر کا ایک حصہ انہی کاموں میں گزارنا چاہتا ہے۔ معرکہ شیعہ کے خیال حضور پر محبوب سبحانی قدس سترہ العزیز کے حق میں بہت ہی بڑا اثر پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو یہ آپ کے جذبات کی برکت ہے کہ کسی کو اس ملک میں حضور کی نسبت گفتگو کا موقع نہیں ملتا اور انشاء اللہ نہ ملے گا۔ مگر تاہم احتیاط امر لا بدی ہے۔ مولوی صاحب (سلطان محمود گنجوی) کے خط سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب سید جماعت علی شاہ صاحب بھی شریک ہوں گے۔ فقیر کا ارادہ اس صورت میں جانے کا ہو سکتا ہے جب جناب بھی تشریف لاویں۔ مخدوم بلوٹ والوں کی طرف سے بڑی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ امر لا بدی ہے کہ اگر بندہ یا حضور اس موقع پر حاضر نہ ہوئے تو دین اللہ کی کمزوری کے ماسوا دشمنان دین سے ایک محل طعنہ کا ضرور ہوگا۔ فقیر نے ابھی تک بغیر رائے جناب کوئی پختہ رائے اپنے کسی استفسار کنندہ کے آگے ظاہر نہیں کی۔ جیسے رائے ہو اس سے آگاہ فرمایا جاوے۔ دوئم امر اگر یہ خیال بھی کیا جاوے کہ ہمارے منصب اس امر کے متقاضی ہیں کہ کسی شخص کا دل رنجیدہ نہ کریں لیکن بعض گروہ ایسے ہیں کہ وہ کسی حال میں شکر گزار نہیں رہ سکتے۔ مزید خیال فرما کر اور سارے وجوہات پر نظر ڈال کر اپنی رائے مبارک سے سرفراز فرمادیں گے کہ اُسی کے مطابق طرز عمل رہے۔“

اس خط کے مضمون سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے جواب کی منشا پر واضح اشارات ملتے ہیں کہ حضور ان فرقہ وارانہ مناظرات کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب مکھڑ شریف کے اصرار اور حالات کے تعاضول کو نظر رکھ کر بالآخر شمولیت پر آمادگی کا اظہار فرمادیا تھا۔ کیونکہ حسب روایات جب حکومت نے اس مناظرہ کی ممانعت کر دی تو آپ نے فرمایا۔ ”مرداں من دیاں من بچ رہیاں۔ شیعہاں نوں من دیاں بائیں نہ کیاں۔“

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی ایام میں جب کہ جنڈ میں مناظرہ کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں ایک سید محمد عالم شاہ نامی جو کبھی کبھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آئے اور عین اُس وقت جب کہ ہم سبق پڑھ رہے تھے حاضر ہو کر باتوں باتوں میں یہ سوال کیا کہ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے خلاف شیعہ علماء یہ دلیل پیش کرتے ہیں :-

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۚ قَالَ وَمِنْ

دَرِیَسَتِی . قَالَ لَا یَمُنُّ اِلَّا عَقِلُی الصَّبِیْنِ ۝ وَالْمَرْءُ ۱۰۴

ترجمہ۔ اور جس وقت آزمائش فرمائی ابراہیمؑ کی اُس کے پروردگار نے ساتھ کئی باتوں کے میں پورا کیا اور ابراہیمؑ نے اُن کو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُسے شریک میں تجھے انسانوں کے لیے امام بنائے والا بنوں عرض کیا اور میری اولاد سے بھی۔ فرمایا میرا مخلص لوگوں کو نہیں پہنچے گا

پس معلوم ہوا کہ خلیفہ امامت کے لائق نہیں۔ اور قرآن مجید نے شریک کو ظلم عظیم فرمایا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ اور اصحاب شکیہ اسلام لانے سے پہلے مذہب بُت پرستی پر تھے۔ حضرت یحییٰ بن کریمؑ نے اور فرمایا کہ شاہ جی ابو لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں انہیں شاید ایسا غوی بھی نہیں آتی۔

انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ قضیہ مشروط عام ہے جس میں موضوع پر حکم تا وقت وصفت ہوتا ہے لہذا جب تک وصفت ظلم رہے گا حکم رہے گا والا خلاف۔ شاہ صاحب یہ سُن کر حیران رہ گئے اور واپس جا کر شیعہ علماء سے ذکر کیا اور یہ بھی جا کر کہا کہ اگر یہ شخص مناظرہ میں شریک ہوا تو ہماری شیر نہیں۔ بابو بھی فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ بعض وجوہ کی بنا پر مقبوض ہو گیا تھا۔ تعجب ہے کہ جن لوگوں نے اس مناظرہ جند کی تحریک کی تھی اور شیعہ حضرات کے قائم تھے وہ اپنا شجرہ نسب حضرت سیدنا میرزا محمد شاہ مروج دریا بخاری (لاہوری) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۹ھ تا ۱۲۸۱ھ) ہجری تک پہنچاتے تھے حالانکہ آنجناب کے متعلق تاریخ مشائخ لاہور اور کئی دیگر معتبر کتب میں یہ واقعہ درج ہے کہ کسی شیعہ نے آنجناب کے اہلسنت والجماعت ہونے پر حرج کیا تھا کہ کاٹھ دی گئی نہیں اور سید یحییٰ نہیں۔ اور آپ نے اس تحدی کو قبول فرما کر کاٹھ دی گئی (مکڑی کی دھمکی) بنوائی اور شیعہ سُنی کے ایک بڑے مجمع کے اندر اُس میں چاد لپکا کر کھلا دیئے تھے۔

۳۳ حضرت پیر قطب شاہ صاحب سندیلوی (وصال ۱۹۲۶ء)

حضرت پیر سید قطب شاہ صاحب قادری (سندیلو شریف۔ ضلع لائل پور) (وصال ۱۹۲۶ء۔ ۲۷) بھی ہمارے حضرت کے ساتھ تعارف اور عقیدت رکھتے تھے جس سال حضرت نے اس علاقہ کے غلصین کی درخواست پر بغداد علاقہ قبہ اور حضرت صوفی علی حیدر شاہ صاحب کے مزار قاضی غائب کا سفر فرمایا تھا تو جناب پیر قطب شاہ صاحب کی دعوت پر سندیلو والی میں بھی ان کے یہاں ایک روز قیام فرمایا تھا۔ ان کے دو مشہور خلفاء حضرت مولوی شیر محمد صاحب (فتح پور، ضلع ساہی وال) اور حضرت میاں اللہ یار صاحب کلاں (ضلع جھنگ) سے ان علاقہ جات کے اکثر لوگوں کی عقیدت وابستہ ہے۔ ایک کتاب بعنوان اسرار معرفت اور ایک رسالہ حیات النبی حضرت پیر قطب شاہ صاحب کی تصانیف سے یادگار ہیں۔ شاہ صاحب قبلہ کے سلسلہ کے ایک دیش جناب سائیں غلام محمد صاحب کے ملفوظات بطور میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا کافی تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ بعض روایات کی نسبت حضرت کی طرف درست معلوم نہیں ہوتی۔

۳۴ حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ

حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ مال سالک آباد علاقہ حسن ابدال موثرہ شریف والوں کے خلیفہ اور حسن ابدال لے ایسا غوی موم منطق کے ایک ابتدائی رسالہ کا نام ہے۔ فیض

نقشبندیہ میں ایک بڑے حلقہ کے پیشوا ہیں۔ انہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ ہمیشہ بہت عقیدت رہی۔ حضرت قبلہ علم قدس سترہ کے متعلق ایک سائل کی دریافت پر فرمایا۔ ہر شخص کو اپنے پیر کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف چاند ہیں اور باقی سارے۔

۳۵۔ حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوہرہ شریف

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب قادری (چھوہرہ شریف ضلع ہزارہ) حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ہم عصر تھے اور غالباً باہم ملاقات بھی تھی۔ ان کے متوسلین میں سے کسی صاحب نے ایک رسالہ موصوفہ صلوٰۃ الرسول شائع کیا ہے جس میں انہیں غوث الاعظم کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس سترہ نے انہیں ایک وظیفہ بتایا تھا جس کا مقصد حصول مال و زر تھا مگر انہوں نے اس کے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب یہ رسالہ نظر سے گذرا تو راقم الحروف نے موجودہ سجادہ نشین صاحب زادہ محمود صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط ارسال کیا جس پر انہوں نے ازراہ نوازش اپنے صاحبزادے کو حضرت بابو جی مدظلہ العالی کے پاس بھیج کر اپنی لاعلمی اور ان غیر واقعی تحریرات کی اشاعت پر معذرت کا اظہار فرمایا۔

نقل خط متعلق بعض اندراجات رسالہ صلوٰۃ الرسول

”مکرمی واجب الاحترام جناب صاحبزادہ محمود صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد از تحیات مسنونہ گزارش بخد مت عالیہ انیکہ کچھ روز ہوئے کتاب مجموعہ صلوٰۃ الرسول کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ ابتداءً کتاب میں آپ کے حضرت علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات بھی کسی متوسل نے تحریر کر دیئے ہیں۔ میری ناقص رائے میں غوث اعظم ہونا تو ایک ایسا مقام ہے جسے حضور سرکار بغداد قدس سترہ کے بعد کسی کے لیے ثابت کرنا سوراوی ہے۔ فقط آنجناب کا ارادت مند ہونا وہ کمال ہے جس کے سامنے بڑے بڑے مدعیان فقر و ولایت کے کمالات بیچ ہیں۔ جیسا کہ قصیدہ عالیہ غوثیہ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے۔“

سگ درگاہ جیلاں شوچوں خواہی قُرب ربّانی

کہ بر شیراں شرف دارد سگ درگاہ جیلائی

بہر حال کسی متوسل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے شیخ کی تعریف و توصیف ایسے انداز میں کرے جس سے کسی دوسرے خداسیدہ و خداساں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ جب فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذات بابرکات نے اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ لَا تَفْضَلُونَنِي عَلَى يُونُسَ ابْنِ مَتَّى کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ أَنَا سَيِّدُ دُنْيَا أَمْرًا وَلَا تَخْذَرُ مِنِّي تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں جس کی تطبیق علمائے کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے ارشاد سے آنجناب کی وہ فضیلت ہے جس سے کسی دوسرے پیغمبر کی توہین کا پہلو نکلتے۔ تو پھر کسی اور انسان کو ایسی مدح و ثنا جس سے دوسروں کی تنقیص مترشح ہوتی ہو کہاں درست ہوگی۔

بندہ خاص طور پر آپ کی توجہ اس روایت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے جو کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵ پر موجود ہے جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ حضرت اقدس گوڑوی قدس سرہ نے حضرت صاحب چھوردی کو ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرمایا تھا جس کا مقصد حصول مال و زر تھا۔ جس پر حضرت موصوف نے پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ حالانکہ جن لوگوں کو حضرت گوڑوی علیہ الرحمۃ کے مسلک سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ کسی بھی مسلمان کے لیے کلام الہی اور وظائف کا اوراد کا بغرض حصول مال و زر پڑھنا نہایت ہی میسب خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ آنجناب کے مخطوطات مطبوعہ کے متعدد مقامات اس امر کی بین دلیل ہیں خصوصاً صفحہ ۱۵۳ پر عبارت ذیل ملاحظہ ہو:-

شیوہ فقیر محمدی کفایت شکاری است و ترک تکلف۔ فرمودہ ادا سے اوراد و خواندن وظائف و سورہ قرآنی محض برائے حصول اغراض دنیاوی کا خوب نیست۔ بلکہ نفاق است و ازیں سبب فائدہ حاصل نہ شود و ہمہ عمر ضائع مے شود و کلام اللہ را محض برائے غرض ثواب و رضائے حق خواندہ شود و خود خدا سے عز و جل مستبک بنا کار ساز است۔ در حدیث آمدہ است مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ لِلّٰهِ لَهٗ۔ چہ طور تسبیح کر دہ شود کہ بندہ ہر گاہ بندہ خدا باشد باز در ہمہ حالات مطمئن نہ باشد۔ حافظ علیہ الرحمۃ در دیوان مے فرماید:-

توبہ بندگی چوں گدایاں برائے مزد ممکن!

کہ خواجہ خود روض بندہ پروری داند

پس جب آنجناب کے نزدیک کسی بھی مسلمان کا اوراد و وظائف بغرض مال و زر پڑھنا نفاق ہے تو ایک ہستی کو جن کے متعلق کتاب مذکور میں غوثیت عظمیٰ کا منصب اعلیٰ تک ثابت کیا گیا ہے، کس طرح آنجناب ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرما سکتے ہیں جس کا مقصد ہی حصول مال و زر ہو۔

امید ہے آپ اس غلط روایت کے متعلق خود ہی کوئی مناسب اقدام فرما کر ہم متوسلین درگاہ عالیہ گوڑہ شریف کو مطمئن فرمائیں گے۔ ورنہ مجبوراً ہمیں خود کسی قدم اٹھانے پر معذور تصور فرمائیں گے۔

نیز اسی کتاب میں صفحہ ۱۶ پر ایک صاحب حال ستار بجانے والے شخص کا واقعہ مذکور ہے جس کے خلاف ایک مولوی صاحب نے کفر کا فتویٰ صادر کیا ہوا تھا۔ تنگ آکر صاحب حال ستار نو از مذکور نے حضرت صاحب چھوردی اور آپ کے رفیق سفر ایک پیر صاحب سے امر مذکور کی شکایت کی جسے سن کر پیر صاحب نے ستار بجانے والے کو اس فعل سے روکنا چاہا۔ مگر حضرت چھوردی نے ایسا تصرف کیا کہ خود مولوی صاحب نے ستار بجانے شروع کر دی۔

بعینہ اسی واقعہ کو آپ کے متعلقین میں سے کسی شخص نے ایک اخبار میں شائع کیا۔ اور پیر صاحب سے مراد حضرت اقدس گوڑوی علیہ الرحمۃ کی ذات لی گئی۔ حالانکہ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح حضرت گوڑوی کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ مشائخ چشت کے نزدیک سماع وغیرہ اہل حال کے لیے بالاتفاق درست ہے۔ پھر آپ کس طرح ایک صاحب ذوق کو منع فرما سکتے تھے۔ اور طذیب ہے کہ روایت مذکورہ حضرت چھوردی کے مسلک کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی قادری سلسلہ کے بزرگ کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ تصریح

کر کے کسی کو طریقہ عالیہ قادریہ کے خلاف عمل پر یعنی ساز بجانے پر پابند کرے۔
امید ہے ان شکوک کے جوابات سے مشرت فرما کر شکر یہ کا موقع دیں گے۔

۳۶۔ حضرت مولینا وصی احمد صاحب محدث پبلی بھیت

حضرت مولینا وصی احمد صاحب محدث سورتی پبلی بھیتی ہمارے حضرت کے ہم سبق اور ہم مشرب بزرگ تھے۔ سہارن پور میں حضرت مولینا احمد علی صاحب محدث کے درس میں حضرت کے ساتھ ان کے ہم درس ہونے کا ذکر ابتدائی ابواب میں گذر چکا ہے۔ وہاں اکثر دوسرے طلباء غیر محققانہ خیالات رکھتے تھے اور باہمی عقائد کی بحث میں ان دونوں حضرات کا پلہ ہی ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے اجلاس میں حضرت کی تقریر کے بعد ان کی تقریر کا وقت مقرر تھا۔ منبر پر جا کر صرف ایک حدیث شریف پڑھی اور یہ کہہ کر اتر آئے کہ حضرت پیر صاحب کی تقریر کے بعد منہ کھولنے کی جرات نہیں ہوتی۔ لیکن تعمیل امر میں ایک حدیث شریف پڑھ دی ہے حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا مولانا موصوف سے گہرا رابطہ تھا اور انہیں الاسد یعنی اہل سنت والجماعت کا شیر فرمایا کرتے تھے۔

۳۷۔ حضرت سیدعل شاہ صاحب دندہ شاہ بلاول

حضرت سیدعل شاہ صاحب نقشبندی (دندہ شاہ بلاول، ضلع کیمبلپور) قدوة السالکین حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری کے خلیفہ مجاز اور حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب موسیٰ زئی شریف کے پیر بھائی تھے۔ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں آپ کا حضرت قبلہ عالم کے متعلق رئیس الحجاج ہونے کا کشفی مشاہدہ باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

۳۸۔ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواروی

پھلوارہ شریف صوبہ بہار کے حضرت شاہ سلیمان صاحب مشاہیر بزرگان ہند سے ہوئے ہیں۔ آپ گیلانی سید اور حضرت میراں شاہ قادری کے دوسرے صاحب زادہ کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے ہمارے حضرت کے یک جدی بھائی ہیں۔ حضرت قبلہ عالم گولڑوی سے آپ کا تعلق اس اعلامیہ سے واضح ہوتا ہے جو حضرت کے وصال پر جناب سجادہ نشین صاحب پھلوارہ شریف نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو ارسال کیا تھا۔ اور ان کے رسالہ منادی (جون ۱۹۳۷ء) میں شائع ہوا۔ اس کی نقل یہاں دی جاتی ہے:-

”تعریت پھلوارہ شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کی فاتحہ“

”گذشتہ جمعہ ۹ بجے صبح کو حضرت مولینا سید شاہ غلام محی الدین صاحب کا ایک تاد بنام حضرت مولانا سید شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین کے پہنچا جس میں مینخوس اطلاع درج تھی کہ شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ صاحب نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ اس خبر وحشت اثر کو سن کر حضرت سجادہ نشین صاحب کے علاوہ خانقاہ شریف کا ہر شخص تصویر غم و الم بن گیا اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت قبلہ مولانا قاری سید شاہ سلیمان صاحب اور غفران مآب حضرت پیر صاحب کے درمیان باہمی گہری محبت تھی۔ اور

حضرت شاہ صاحب پھلواڑی، حضرت پیر صاحب کے علم و فضل، وسعت نظر، ان کے زہد و اتقا اور باخوص علم تصوف پر ان کے غایت عبور کو اکثر اپنی مجلسوں میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع مسجد پھلواڑی شریف میں نماز جمعہ سے پہلے حضرت مولانا شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین مدظلہ نے پیر صاحب کے اوصاف اور ان کی اسلامی خدمتوں کو بیان فرمایا۔ لوگوں نے فاتحہ پڑھی۔ پھر بعد نماز بھی دعائے خیر کی گئی۔ پھلواڑی شریف کے لوگوں کو اس حادثہ کا سرخ دالم ہوا۔ والسلام

۳۹۔ حضرت سید سید علی شاہ صاحب سہاؤ (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت سید سید علی شاہ صاحب چشتی سجادہ نشین سہاؤ تحصیل باغ ریاست پونچھ کو حضرت مولوی محمد فاضل صاحب چشتی سیلمانی (گرٹھی افغاناں) سے خلافت حاصل تھی۔ لیکن آپ حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سترہ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ متعدد بار ملاقات ہوئی اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان کے پوتے اور موجودہ سجادہ نشین سید نظیر حسین شاہ صاحب کی بیعت ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت قبلہ عالم کے خادم خاص محمد خان برادر مولوی غلام محمد خان نذر بردار نے اپنے گاؤں دھیر کوٹ تحصیل باغ میں بیمار ہو کر وفات پائی تو حضرت نے میرے دادا صاحب کو خط لکھا کہ محمد خان کی لاش وہاں امانت ہے اُسے نکلو اگر گولڑہ بھجوا دیں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی اور یہ نامہ مبارک ہمارے یہاں بطور تبرک رکھا ہوا ہے۔ حضرت سید علی شاہ صاحب نے بحالت سجدہ وصال فرمایا۔ ان کے انتقال پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے جو تعزیت نامہ ان کے فرزندوں کو لکھا تھا اُس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

سیادت و شرافت پناہ نیاز علی شاہ صاحب و مخدوم شاہ صاحب و فیروز شاہ صاحب سلامت باشند
و علیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ اما بعد از ملاحظہ خبر انتقال جناب شاہ صاحب مرحوم و مغفور بہر خیر و خیریت و مستحق
عارض حال گردیدہ انا محمد بن محمد و مننتہ کہ بحالت اقرب الاوضاع شربت وصل چشیدہ۔ برائیں جنیں وضع انتقال
بجی نمودن نعمتے است کہ ارباب سعادت از لیبہ رائے بخشند۔ در د فراق و ہجر مقبولان حق مزید برائیں بحیثیت ابوة
و قومیت حادثہ ایست جانکاہ و واقعہ ایست ہوش ربا نامجز استرجاع و اضطبار چارہ نہ۔

باید کہ اعداد ثواب نعمات و صدقات روح مبارک اوشان را مسرور دارند و ایں کمینہ ترین عباد اللہ الصمد
را دعا گوئے و خیر خواہ خاندان تصور فرمایند۔ جمیع بر خور داران را سلام و دعا۔

الراقم الملتجی الی اللہ الصمد اللہ غوبہ مہر علی شاہ از گولڑہ۔ مورخہ ۲۷۔ شوال ۱۳۲۱ھ

۴۰۔ حضرت مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل

جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا محمد قیام الدین عبد الباری فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اپنے دور کے
علماء و مشائخ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ مولانا محمد علی جوہر آپ کے ہی مرید تھے۔ تخریک خلافت کے دوران میں
اس کے بعض شرعی پہلوؤں پر ہمارے حضرت کے ساتھ خط و کتابت فرمائی تھی جس کی تفصیل باب مسند ارشاد میں گذر چکی ہے۔

باب هشتم

بعض مذاکرات و مناظرات

مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت

جیسا کہ گذشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے، یام طالب علمی سے ہی حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت کی شہرت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ برصغیر کے ہر محکمہ منکر کے اکابر علمائے کرام مثلاً مولانا فضل حق صاحب رام پوری، اُستاد العلماء مولانا لطیف اللہ صاحب علی گڑھی اور اُن کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، مولانا شاہ وحی احمد صاحب محدث پٹی بھتی، شمس العلماء مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولانا عبد الباقی صاحب فنی علی، مولانا محمد دیدار علی شاہ صاحب لاہوری، مولانا نظام الدین صاحب وزیر آبادی صاحب فتاویٰ سلطان الفقہ، مولانا علی گوہر صاحب تونسوی، مولانا سید غلام حسین صاحب مظفر گڑھی، علمائے دیوبند میں سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الحدیث علامہ انور شاہ صاحب کشمیری اور غیر تقلیدین کے مشہور مولوی عبد الباقی صاحب غزنوی اور مولوی شمس الدین صاحب امرتسری اور کئی دیگر علمائے عظام نے، جو آپ کے ہم درس رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں ہندو پنجاب کے کسی اور بڑے درس میں زیر تعلیم رہے تھے آپ کی اس شہرت کی اُس وقت تصدیق کی جب آپ مسند ارشاد پر بیٹھ کر مجمع خلائق ہوئے یا آپ کی تصانیف عالیہ کا شہرہ دنیائے علم میں بلند ہوا یا پھر جب قادیانی مذہبی تبوت سے مقابلہ ہوا۔

بحث کے دوران حضرت کے سوالات کی بندش عجیب کو متحیر کر دیتی تھی۔ آپ کی طرف سے اعتراض کا جواب ہمیشہ فی البدیہہ اور جامع ہو کر آتا تھا۔ اکثر معترض کے سوال ہی کا کوئی پہلو گرفت میں لے کر اس طرح لوٹا دیتے تھے کہ وہ لا جواب ہو جاتا۔ عام مسائل میں سوالات اور استفسار کے جوابات اس قدر بلیغ اور تسلی بخش ہوتے کہ سائل اور حاضرین مجلس کے دلوں میں اُتر جاتے۔ مقابلہ پر اعتراض کی یہ تحیر خیزی اور مسائل پر جواب کی اثر پذیرائی گویا کَلِمَاتُ النَّاسِ عَلٰی قُلُوبٍ عَظِيمَاتٌ کی تفسیر کا حکم رکھتی تھی۔ جب گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی تو تحقیق حق اور ابطال باطل کی گرمجوشی میں تسلیح ہاتھ سے رکھ دیتے اور استہینا چڑھالیتے۔ پھر کیا تھا، موج در موج دلائل کا ایک سمندر جاری ہو جاتا۔ بعض دفعہ ایسے موقعہ پر فرمادیتے: ”ہم نے بھی طالب علمی کی ہوئی ہے۔“ جس سے آپ کی فطری تواضع اور انکسار کا پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہ پاتا۔

حضرت کی عام گفتگو نرم اور دلپذیر ہوتی تھی۔ بلند اتنی کہ مجلس کے ہر گوشہ میں صاف سُنانی دے اور خوشگوار اتنی گویا چاندی کی گھنٹی بج رہی ہو۔ سبت پاک کی تمہیل میں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ ایک ایک لفظ الگ الگ کیا جاسکتا تھا۔ دوران گفتگو کسی وقت قدرے سکراہٹ اور کسی وقت آہ سرد کا سوز و ساز، تقریر کی لذت کو دوبالا کر دیتا تھا۔ دلالت کلام، استفہام، استعجاب اور دیگر نکات کی لوانیکی میں کسی وقت دست مبارک بڑے لطیف اور دلکش پیرائے میں خفیف سی حرکت میں آ جاتا اور یہ اشارات بے حد پیارے اور بھلے معلوم ہوتے۔ اس چیز کو بالعموم حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے کمالات لدنیہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ کی مجلس سے ہر سائل مطمئن اور ہر مناظر ساکت اور صامت ہو کر لوٹا تھا۔

قبل اس کے کہ آپ کے مشہور مناظرات کی کیفیت تفصیلاً تحریر کی جائے بعض سوالات کے مختصر، دلنشین اور مسکت جوابات جو جمائے علم میں آئے ہیں یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان مسائل کے متعلق آنجناب کی مکمل تحقیقات آپ کی تصانیف

یعنی لوگوں کی سمجھ کی سطح پر کلام کر دے۔ (فیض)

اور فتاویٰ میں ملاحظہ کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں مختلف مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ بعض مسائل پر آپ کے مکالمات اور شیعہ غیر مقلدین اور قادیانی حضرات کے ساتھ تقریری و تحریری مناظرات کا ذکر سابقہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے حبیب کا علم

ایک محنت فکر کا یہ مقولہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا کہنا بعید از صواب ہے۔ ارشاد الہی وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اِس کی نفی کر رہا ہے۔

تَصْدِيقُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ

ایک مولوی صاحب نے مناظرانہ رنگ میں سوال کیا کہ قرآن مجید فرماتا ہے میں کتب سابقہ کا مُصَدِّق ہوں (مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ) مگر کتب سابقہ بھی کلام الہی ہیں اور قرآن کریم بھی۔ جس سے تَصْدِيقُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کا اشکال لازم آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا قرآن مجید اور کتب سابقہ میں تو زمان و مکان اور نعت اور محل نزول کا اختلاف موجود ہے۔ آپ کے لیے موجب اشکال تو یہ چیز ہونی چاہیے کہ قرآن شریف کی محافظت الہیہ کی مثبت فقط ایک ہی آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحجر - ۹) ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (وارد ہوئی ہے جو اپنی محافظت کی دلیل بھی آپ ہے۔ پس فرمائیے آپ کے اعتراض کی روشنی میں اس محافظۃ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کے اشکال کا حل کیا ہوگا؟

دُعَائِحِی وَبُحْرَمَتِ اَوْلِیَا اللہ

ایک تہ سوال ہوا کہ صوفیائے کرام اپنے وظائف میں الہی حق فلاں اور الہی بھرمت فلاں کے کلمات سے کیوں دُعائیں لگتے ہیں جب کہ خدائے تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے؟ فرمایا۔ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر از خود کسی کا کچھ حق نہیں۔ لیکن اگر وہ تبارک و تعالیٰ خود ازراہ فضل و کَانَ حَقًّا عَلَیْکُمْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (مومنوں کی نصرت ہم پر حق ہے) (سورہ روم، آیت ۴۷) ارشاد فرما کر کسی کو حق عطا کر دے تو کیا اعتراض باقی رہتا ہے؟ پھر فرمایا۔ اگرچہ مشیت حق مخلوق کی آرزوؤں کی پیروی نہیں ہے لیکن مخلوق اپنے خالق کے حضور میں مُنَاجَات اور دُعائے حاجات کے وقت ایسے الفاظ سے اپنے عجز و الحاح کا اظہار کرتی ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

نص میں سید کی تعظیم کا ثبوت

سوال کیا گیا کہ آیات سید کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت ہے؟ فرمایا۔ نسب کا شرف قرآن سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

قُلْ اِنْ كَانَ لِلّٰہِ حُسْنٌ وَّلَکَ فَاَنَّا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ (زخرف، آیت ۸۱) (یا رسول اللہ! جیسائیوں سے)

فرمادیجئے۔ اگر اللہ کا کوئی فرزند ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا۔

حیات النبی پر سوال

ایک غیر متقلد نے اعتراض پیش کیا کہ پیغمبر صاحب کو زندہ کیونکر مان لیا جائے جب قرآن فرما رہا ہے کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ (آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی)۔ حضرت نے اس شخص پر سوال کیا کہ یہ قضیہ مطلقہ عام ہے یا دائمہ مطلقہ؟ مگر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ یہ مجملہ مطلقہ عام ہے جس کے صدق کے لیے تین زمانوں میں کسی ایک زمانے کے اندر موت کا تحقق کافی ہے۔ دوام موت ضروری نہیں۔ کیونکہ مناطقہ کے نزدیک دائمہ مطلقہ وہ قضیہ ہے جس کا حکم دائمی ہو۔ اور مطلقہ عامہ وہ جس کا ثبوت حکم کسی زمانہ میں ہو جائے یعنی موت کی شرط قنوط سے غرض کے لیے پوری ہو جائے۔

جمعہ فی القریٰ پر سوال

ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ گولڑہ شریف میں جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے جب کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ کے لیے مصر (یعنی بڑا شہر) شرط ہے؟ آپ نے فرمایا: "مولینا! یہ شرط موصحہ لد دخول الفاء ہے یا از قبیل لولاہ لا متنع ہے؟ سائل اس ایک ہی استفہامیہ فقرہ سے خاموش ہو گیا۔

موصحہ لد دخول الفاء وہ شرط ہوتی ہے جس کے وجود پر مشروط کا تحقق ہو سکتا ہو لیکن اس کے عدم سے مشروط کا عدم ہونا ضروری نہ ہو۔ لولاہ لا متنع میں شرط مشروط کے لیے بمنزلہ علت ہوگی کہ جب تک شرط نہ پائی جائے مشروط کا پایا جانا غیر ممکن ہوگا۔ اس سوال کا مقصد محض کا مبلغ علم معلوم کرنا تھا ورنہ گولڑہ شریف پر بعض اقوال کے مطابق "شہر" کی تعریف صادق آتی ہے۔

یا شیخ عبد الفتادر جیلانی شیدائے اللہ پر اعتراض کا جواب

ایک فہم اعتراض تھا کہ یا شیخ عبد الفتادر جیلانی شیدائے اللہ کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگنا چاہیے کہ یا اللہ مجھے شیخ عبد الفتادر جیلانی کا صدقہ کچھ عطا فرما۔ حضرت نے فرمایا: حق تعالیٰ جلّ شانہ سورہ نسا میں فرماتے ہیں:-

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ (ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو) حق تعالیٰ نے یہاں اپنے نام کے واسطہ سے سوال کرنے کو اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہ ہوتا تو اس پر اپنا احسان نہ جاتے بلکہ ایسا کرنے سے منع فرمادیتے۔ لہذا مجملہ مذکورہ جس کا مفاد اللہ کے نام کے واسطہ سے سوال کرنا ہے درست ہوگا۔

انسان کامل کے مقامات کی وسعت

ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس برہنہ ملتان میں ایک کتاب کا درس دے رہے تھے۔ دورانِ درس یہ مسئلہ آیا کہ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں: اے فرزند! انسان جب انسانِ کامل کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر سے بشری قیود اٹھ جاتی ہیں۔ حضرت کے ایک غلیص مصاحب اور شاگرد خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب سابق اسسٹنٹ پولیٹیکل انجینئر

گہلیت درس میں حاضر تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: مولوی خان بہادر صاحب! کیا وجہ ہے کہ آپ یہاں بیٹھے ہوئے اس سامنے والی کوٹھڑی میں موجود نہیں ہیں؟ آخر کوئی بشری قید ہی تو ہے جس نے آپ کو مجبور کر رکھا ہے کہ آپ ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوں۔ جب آپ انسان کامل بن گئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق آپ پر سے یہ بشری قید اٹھ گئی تو پھر آپ جیسے یہاں موجود ہیں ویسے ہی بیک وقت اس کوٹھڑی میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح امیر میں بھی اور مدینہ شریف میں بھی۔ پھر یا رسول اللہ! اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنے میں کیا حرج ہے؟

ایک آیت کی غلط تاویل کا جواب

سوال ہوا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل بنی آدم میں قیامت تک آتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ حضور خاتم النبیین کے بعد بھی، کیونکہ یہاں بنی آدم کے الفاظ میں تمام نوع انسانی سے قیامت تک کے لیے خطاب ہے۔
 يَا بَنِي آدَمَ اِمَّا يَنْذِرُكُمْ وَمِنْكُمْ يَصْطَلِحُ عَلَيْكُمْ اٰيَتِي فَمَنْ اَنْفَىٰ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (اعراف - ۳۵)
 اے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں۔ میری آیات بیان کرتے ہوں۔ پس جو لوگ خدا سے ڈرے اُن پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا: یہاں دو عموم ہیں، ایک عموم افراد انسانی اور دوسرا ہر زمانہ میں انبیاء اور رسل کا ایسا ن (تشریف لانا) اور ظاہر ہے کہ پہلا عموم دوسرے عموم کو مستلزم نہیں بلکہ امکان وقوعی کی بنا پر ممکن ہو گا کہ ایک رسول قرون کثیرہ کے افراد انسانی کو کفایت کرے۔ مثلاً مشیت الہی نے امت عیسویہ کے تمام افراد کے لیے ایک وقت میں ایک ہی رسول کافی سمجھا۔ لہذا ممکن ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد باری خاتم النبیین اور انقطاع سلسلہ نبوت و رسالت کی رو سے قیامت تک کے افراد انسانی کے لیے کافی قرار پائیں۔

قصیدہ غوثیہ میں وَاَفْعَلْ مَا لَشَأْ کا حوالہ

ایک صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ قصیدہ غوثیہ کس کی تصنیف ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ کہنے لگا: وہ عالم تھے۔ ایسا کلام اُن کی شان سے بعید ہے کیونکہ اس میں آتا ہے: وَاَفْعَلْ مَا لَشَأْ قَالَ اِنَّكُمْ عَلٰی (اے مرید جو چاہے سو کر میرا نام بلند ہے)

حضرت نے فرمایا آپ کے اس اعتراض میں دو چیزیں مراد ہیں۔ ایک نبوت تصنیف اور دوسری وجہ استبعاد۔ اب ان دونوں کا جواب شیخ نے پہلی چیز کی دلیل سے تواتر کیا۔ کیونکہ ہر زمانہ کے اندر جم غفیر اس چیز کے قابل چلے آئے ہیں کہ یہ قصیدہ شریف حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ اور تواتر دلیل قطعی ہے۔ اب رہی وجہ استبعاد۔ سو آپ نے صحیح بخاری میں دیکھا ہو گا،

اِنَّ اللّٰهَ فَتَنَ الْاَهْلَ بِدِيْنٍ فَقَالَ اَعْمَلُوْا مَا يَشَئْنُكُمْ فَكَذَّ عَصَرْتُمْ لَكُمْ
 اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر مطلع ہو کر فرمایا جو چاہو سو کرو ہم نے تمہیں بخش دیا۔
 پس فقرہ اَعْمَلُوْا مَا يَشَئْنُكُمْ آیت لَا تَقْرَبُوا الزَّيْنٰ (زنا کے قریب مت جاؤ) کے ساتھ کیونکہ درست آسکتا ہے؟

یہاں وجہ استبعاد آپ بیان کر دیں وہاں میں بیان کر دوں گا۔ اس جواب پر وہ صاحب ششدر رہ گئے۔

حضرت نے پھر فرمایا: علمائے ظاہر اس حدیث کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے غایت مافی الباب یہی کہہ دیں گے کہ ایک کلمہ ہے جو خوشنودی کے اظہار میں کہہ دیا جاتا ہے اور حقیقتہً مراد نہیں ہوتا لیکن دراصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی پر نظر رحمت ڈالتے ہیں تو اُسے زمرۃ ان عبادی کیسے لکے عیدہم سلطان (یعنی اُسے ابلیس میرے خاص بندل پر تجھے کچھ دسترس حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل ۶۵) میں داخل فرما کر خود اُس کے حافظ و ناصر بن جاتے ہیں کہ وہ اول تو ارتکاب معاصی پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی حکمت کی بنا پر ارتکاب گناہ ہو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق نصیب فرمادیتے ہیں۔ پس لاجرم جملہ افعُل مائنات میں تخصیص مراد ہوگی نہ کہ تعمیم۔

حدیث مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پُر ایک اعتراض

حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسوی ایک روز حدیث شریف من قال لا اله الا الله دخل الجنة (جس نے لا اله الا الله کہا وہ جنت میں داخل ہوا) بیان فرما رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ خواہ وہ شخص فرائض کا منکر ہی کیوں نہ ہو؟ حضرت قبلہ عالم قدس سترۃ اس مجلس میں موجود تھے مگر یہ مولوی صاحب آپ سے متعارف نہیں تھے۔ حضرت نے صاحبزادہ صاحب سے اجازت لے کر جواب دیا کہ یہاں مَنْ قَالَ سے لا محالہ یہ مراد ہے کہ اُس شخص نے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو حق سمجھ کر پڑھا۔ چونکہ یہ کلمہ حضور محمدؐ سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں لائے ہیں لہذا وہ شخص اپنے اس قول سے حضورؐ کی صداقت اور رسول برحق ہونے کا اقرار کر رہا ہے اور جس نے حضورؐ کی صداقت کا اقرار کیا وہ حضورؐ کے لائے ہوئے فرائض کا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ جو منکر ہو گا وہ من قال لا اله الا الله کی منشا اور مصداق میں داخل نہ ہوگا۔ مولوی صاحب تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کہنے لگے: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس مجلس میں ایسا فاضل بھی موجود ہے تو یہ اعتراض کر کے شرمندہ نہ ہوتا۔

تصویریں حضرات نقشبندیہ سے وحدت وجود و شہود پر گفتگو

ایک دفعہ جب آپ تصویر میں تھے تو جماعت نقشبندیہ کا جم غفیر جو کسی عرس کی تقریب پر جمع تھا آپ کے پاس آیا ایک صاحب نے خود بخود وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر تقریر شروع کر دی کہ وجودیہ اور شہودیہ کے درمیان نزاع لفظی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کے اس کلام سے حضرت مجدد صاحبؒ کی کسرتان کا پہلو نکلتا ہے کیونکہ نزاع لفظی کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دو معنی کلام میں دو فرقی اختلاف کریں اور ہر ایک کی مراد علیحدہ علیحدہ معنی ہوں اور دونوں ایک دوسرے کی مراد سے بے خبر ہوں اور یہ چیز قلت فہم پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ نزاع لفظی محققین کی شان سے بعید ہے۔

پھر اُس شخص نے وحدت الشہود پر آیت کریمہ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہاں

”علیٰ“ بمعنی ”فی“ ہے۔ لہذا معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں شہود ہے حضرت نے فرمایا: ”علیٰ“ بمعنی ”فی“ بطور شاہد
 مستد آن کریم سے پیش کیجئے جس پر وہ الاجواب ہو گئے۔ اور جب حضرت نے وحدت الوجود پر دلائل پیش کیے
 جن کا ذکر حضرت کی تصانیف تحقیق الحق و ملحوظات شریف میں مفصل موجود ہے تو انہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔
 آخر میں نہایت مخطوط اور شاکر ہو کر رخصت ہوئے۔ کچھ دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ دوسرے روز آکر
 اظہارِ انوس کرنے لگے کہ ہم اس نعمت سے محروم رہے۔

بعد ازاں ان حضرات نے حضرت کے توسط سے اپنے چند شکوک رفع کیے۔ ایک شبہ مشنوی شریف کے
 اس شعر کے مطلب کے متعلق تھا۔

علم حق در علم صوفی گم شود ایں سخن کے باور مردم شود
 حضرت نے فرمایا یہاں گم بمعنی فانی نہیں بلکہ مستور ہے یعنی صوفی کے علم میں علم حق مستور ہوتا ہے اور صوفی کی ذات
 سے ظہور پاتا ہے۔ کیونکہ صوفی کی ذات، ذات حق کا منظر اور اس کے صفات، صفات الہیہ کے منظر ہوتے ہیں۔
 دوسرا شبہ یہ پیش کیا کہ مقولہ ذیل: **اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَكْبَرُ** کے معنی کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ علم بھی مہجہ حجابات
 وصول سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ذی حجاب ہمیشہ حجاب کے پیچھے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس حجاب علمی کو اٹھاتا کہ
 حق سبحانہ کا مشاہدہ کر سکے یہ مطلب نہیں کہ علم وصول الی اللہ سے مانع ہے۔ کیونکہ علم حاجب ہے مانع نہیں۔ اور ان دونوں
 میں بے فرق ہے۔

جنابہ سیدہ کے مطالبہ فذک کی ایک حسین توجیہ

واقعہ فذک میں جنابہ سیدہ علیہا السلام کے سوال میراث پر آپ یہ توجیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جنابہ سیدہ کے سوال
 سے اہل اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا معاملہ واضح ہو گیا، کیونکہ اگر آپ یہ تحرک نہ فرماتیں تو صحابہ کرام کے
 مجمع عام کے سامنے حضرت صدیقؓ یہ حدیث پیش نہ فرماتے، جس میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام مال و اسباب بطور وراثت
 نہیں چھوڑتے، ان کی وراثت علم ہے۔ اور اس حدیث کی تصدیق تمام حاضرین صحابہ کرامؓ نے فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ اور
 حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔

خلفائے اشدین کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج

حضرت فرماتے تھے کہ آیت **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ** الخ میں اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے خلفائے اربعہ علیہم السلام کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے چنانچہ **وَالَّذِينَ مَعَهُ**
خَلِيفَةُ أُولَ الْأَشِدَّاءِ عَلَى الْكُفَّارِ سے حضرت خلیفہ ثانیؓ، **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** سے حضرت خلیفہ ثالثؓ اور **تَرَاهُمْ**

۱۔ سورہ فتح آخری آیت حضور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو ان کے اصحاب ہیں وہ کافروں پر شدید اور باہم
 رحم ہیں۔ آپ انہیں رابع اور ساجد اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا کا طلب گار پائیں گے۔ (فیض)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاصہ محبت اور عقیدت رکھنے والے ہیں۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے کئی نعمتیں ایسی ہیں جو ان کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ ان میں سے کئی نعمتیں ایسی ہیں جو ان کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ ان میں سے کئی نعمتیں ایسی ہیں جو ان کے لئے ہی مخصوص ہیں۔

مختلف اشدہین کی خلاف ورزی کا افسوس قرآنی سے ثبوت

ایک شیعہ عالم نے ایک مرتبہ قرآن مجید کی بغاوت کا حق صحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کوینہ فرمایا۔ حضرت نے فرمایا: اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَقَدْ أَتَى الْبَنِيَّانِ لَمَّا عَمِلُوا سُبُوًّا ضَلِيلِيًّا
لِيَسْتَحْيِيَهُمَا فِي الْأَرْضِ (سورة اعراف ۷۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے جسے محبوب انہوں
جو لوگ بیان لاتے ہیں وہ انہوں نے اپنے عمل کیے ہیں
انہیں نہیں کے اندر عداوت میں فرماتے ہیں۔

لہذا اس آیت کی روش سے اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحاب رسول کو جو اس آیت کے نزول کے وقت یمنین صحابہ کے زمرہ میں موجود تھے خلافت فی الارض کا مستحق قرار دیا ہے اور ان سے اس خلافت کے لئے کامیاب و فایز ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق واقعات عمل میں آئے۔ اگر شیخ حضرت امام حسن علیہ السلام کی کشش و بر خلافت بھی شمار کریں تو ان کے مسابک کے مطابق خلافت فی الارض جو قرآن مجید کے جوہر میں حکومت کو شامل ہے، کو دہرا دہرا یعنی حضرت رسول مجیدؐ کو دہرا دہرا ہے یعنی حضرت علیؑ اور حضرت حسن علیہ السلام۔ آیت میں خطبہ جمعہ کے قاعدہ کو پورا کرنے کے لیے کم از کم ایک اور غنیہ جو حق کس شخص کو قرار دیں گے،

اُس شخص نے کہا حضرت علیؑ کے فضائل کے بارے میں جو دُن کو آخری خلیفہ کیوں رکھا گیا، فرمایا خاتمِ انجمن ہونا بھی خود ایک نیکی ہے جیسا کہ بالائے صفحہ خاتمِ انجمن لکھا ہے۔

عُلَّائے اہل سنت کو شانائے اہلبیت کرام کی مقین

ایک مرتبہ جنس ٹھکانے عرض کیا کہ فلاں مہتمم پر شیعہ اور سنی باہم مناظرہ کرنے والے ہیں۔ شیعہ صاحبان لکھنؤ سے مجتہد
عبارتے ہیں۔ اہل سنت کی طرف سے آپ تشریف لے چلیں۔ فرمایا۔ آپ لوگ منبر پر جا کر شاذ و نادر ہی اہل بیت کرام کی توصیف
بیان کرتے ہیں جس سے عوام کے اندر خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جو عالم اہل بیت کرام کی تعریف کرے وہ مائل بہ تشیع ہوتا ہے
اگر میں جاؤں گا تو سب سے پہلے ان حضرات کی توصیف کا حق ادا کروں گا جس پر شیعہ کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب
شیعہ ہیں یقینہ کر کے سنی بنے ہوئے ہیں۔

امیر کن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے

ایک امیر کن پوری گورنہ شریف آیا اور مجلس میں داخل ہوئے ہی سوال پیش کیا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن شریف میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے حالانکہ حضرت امام حسینؑ جن کی زندگی میں قرآن چھ برس تک نازل ہوا پر ان کا نام تک قرآن میں موجود

نہیں حضرت امام حسینؑ نے اسلام کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ ایسے خادمِ اسلام کا ذکر تو قرآن میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔
 حضرتؑ نے دریافت فرمایا کہ پادری صاحب کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ کہنے لگائیں نے قرآن پڑھا ہے اور اس
 وقت بھی میری جیب میں موجود ہے۔ فرمائیے کہاں سے پڑھوں؟ آپؑ نے اپنے علمائے کی طرف دیکھا اور فرمایا سبحان اللہ
 پادری صاحب کو بھی قرآن دانی کا دعویٰ ہے۔ یہاں حج عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ مگر اس دعوے کی مجال
 نہیں پھر پادری سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اچھا پادری صاحب! قرآن پڑھیے کہیں سے پڑھ دیجیے، وہ مودب ہو کر بیٹھ گیا اور
 عربی لہجے میں ترتیل سے پڑھنے لگا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 قبلہ عالم قدس برہ نے اشارے سے روک کر فرمایا کہ بس۔ اَعُوْذُ تو قرآن کا حصہ نہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 ہے۔ اور بقاعدۃ ابجد اس کے عدد ۷۸۶ ہیں۔ اب ذرا لکھیے:-

۲۱۰	عدد ہیں	=	امام حسینؑ
۴	" "	=	سن پیدائش
۶۱	" "	=	سن شہادت
۲۶۱	" "	=	کرب و بلا
۲۰۰	" "	=	امام حسنؑ
۵۰	" "	=	سن شہادت

میزان ۷۸۶

حضرتؑ نے فرمایا۔ پادری صاحب! قرآن مجید کی جو پہلی آیت آپ نے پڑھی۔ اس میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ
 عنہ کا نام، سن پیدائش، سن شہادت، مقام شہادت، اُن کے بھائی صاحب کا نام اور سن شہادت اور دونوں بھائیوں
 کے امام ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ آگے چلیے تو شاید ان کی زندگی کے کئی واقعات بھی مل جائیں۔
 اس پر اس امر کی پوری نے کہا۔ عربوں کے علم ہندسہ اور جفر وغیرہ کا ذکر مستشرقین یورپ کی کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے
 لیکن معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں نے ان علوم کے اندر اتنی گہری ریسرچ (تحقیق) کی ہوئی ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے فرمایا۔ جب مسلمان کہتا ہے کہ قرآن شریف کے اندر ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو اس بات
 کا ایک ظاہری مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہر اس چیز کا ذکر موجود ہے جو مذہبِ حقہ اسلام کی ضروریات میں داخل ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی
 غلط نہیں کہ ہر وہ چیز جس سے اسلام کا ذرا سا اور دور کا تعلق ہے قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے ایسی چیزوں کے لیے اس یک جلد کتاب
 کے اندر اظہارِ معنی کے طریقے لامحالہ متعدد متصور ہوں گے۔ آپ کو اُستاد نے بتایا ہوگا کہ حروفِ مقطعات کے اندر معانی اور
 مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اسی قسم کی کیفیت دیگر حروف و الفاظِ قرآنی کی بھی ہے۔ اگرچہ ان معانی پر انسان اپنی کوشش
 اور تحقیق سے پوری طرح مطلع نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کے باطنی رموز اور معانی پر اطلاع تحقیق اور تفتیش سے زیادہ خدا سے تعالیٰ
 کے فضل اور انسان کے نیک عمل پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے حسب حاجت ان اسرار پر مطلع فرمادیتا ہے۔
 سبحان اللہ! اسلام کے اسی ورثہ ماہتاب اور اسی زندہ جاوید شہید یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے والدِ گرامی باب
 علم سیدنا مولائے علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تھا کہ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو کئی ضخیم جلدوں میں ایک دفتر

اللہ اللہ بے بسم اللہ پیر معنی ذبح عظیم آمد پیر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی ایک کتابی واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک تہہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سواری سے گر پڑے اور اٹھ کر کچھ دیر اسے پڑے ہوئے آنکھیں بند کر کے کھڑے رہے۔ خادم نے پوچھا حضرت! چوٹ تو نہیں آئی؟ فرمایا: نہیں چوٹ نہیں آئی۔ میں غور کر رہا تھا کہ اس وقت میرے سواری سے گرنے کا ذکر قرآن مجید میں کہاں آیا ہے۔ چنانچہ اب معلوم ہو گیا ہے کہ کہاں موجود تھا۔

ایک ہندو سادھو سے مسئلہ توحید پر گفتگو

حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ یہاں گولڑہ میں ہندوؤں کا ایک بڑا سادھو وارد ہوا۔ ہندوؤں نے اُس کی بہت تعظیم و تحکیم کی۔ میں ایک دن باغیچہ میں طلباء کو سبق پڑھا رہا تھا کہ ناگاہ وہ سادھو اپنے چند حواریوں کے ساتھ آیا اور شہنشاہ کے درخت کے نیچے بہت دیر تک کھڑا رہا۔ جب میں فارغ ہوا تو میرے قریب آیا اور خود بخود توحید کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ طرفہ یہ کہ یہ لوگ اہل اسلام کو ان باتوں سے بے خبر جانتے ہیں۔ جب وہ کلام سے فارغ ہوا تو میں نے کہا۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اہل اسلام بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ لیکن قابل توجہ سوال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بالاتفاق جمل اور لاعلمی سے مبرا اور منزہ ہے اور اُس کی مخلوق دو فرقہ ہے ایک سادھو اور دوسرا گڑھستی ہندوؤں کی اصطلاح میں صاحب تجرید کو سادھو اور صاحب تعلق دنیوی کو گڑھستی کہتے ہیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ سادھو میں تو اُس سبحانہ و تعالیٰ کا علم ہے کہ غیر نیست ہمہ دوست۔ اور غیر سادھو میں اُس کے ہمہ دوست ہونے کا علم نہیں ہے؟ چاہیے تھا کہ ہر دو فرقہ کو اس امر کا شعور اور وقوف ہوتا ورنہ جمل لازم آتا ہے۔ سادھو دریائے حیرت میں غرق ہو کر لا جواب ہو گیا۔ بعدہ حضورؐ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لاعلمی تشنل کی صفات سے ہے نہ کہ اطلاق سے۔ جیسا کہ باقی لوازم بشری۔ پس جیسے باقی لوازم بشری مثل اکل و شرب وغیرہ سے مقید ہو کر اُس سبحانہ تعالیٰ کی روئے تقدس آلودہ نہیں ہوتی یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔

ایک نجومی برہمن سے مکالمہ

ایک دن مجلس برہمنوں سے ہونے کے وقت ایک فال بین برہمن حاضر ہوا۔ اور اہل نجوم کی باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگا حضورؐ کا طالع اوج کمال پر ہے اور ستارہ تیسرے پایہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے پوچھا کیا آخر موت نہیں؟ اُس نے کہا کہ اس سے چارہ نہیں۔ فرمایا ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے اور نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں، جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے پس بعد اور بخش کے جاننے سے کیا فائدہ؟ جب آخر فنا ہے تو پھر شادی و منہم برابر ہیں۔

برہمن بھو فنا منتظیم اے ساقی فرستے داں کہ زلب تابہاں ایں ہمہ نیست
(اے ساقی! جو بھو فنا کے کنارے منتظر منتظر ہے کہ کب چھانے عمر لبریز ہوتا ہے۔ اس وقت کو فرصت شمار کر کہ یہ سب حقیر سلسلہ کوئی دم میں فنا ہوا چاہتا ہے)

پھر برہمن نے کہا کہ شمال مغرب میں غوغا اور فساد نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری یہ بات بھی قرآن کی تقریب سے درست ہے۔ کیونکہ اس طرف کے افغان لوگ ہمیشہ آمادہ فساد رہتے ہیں پوٹھوہاریوں میں ایسے کاموں کی طاقت نہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ حضرت کے کمال اتباع شریعت کی دلیل ہے ورنہ عام طور پر لوگ ان چیسوں کو معیار کمال خیال کرتے ہیں۔

علم الحروف کے خواص

”ملفوظات طیبہ“ میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت نے علم حروف کے خواص کا تھوڑا سا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر ان کی کچھ تفصیل بیان کروں تو تم لوگ باقی علوم کو چھوڑ کر اسی طرف متوجہ ہو جاؤ گے۔ حاضرین مجلس میں سے مولوی فضل حق صاحب شاہ پوری نے عرض کیا کہ براہ کرم کچھ تشریح فرمادی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک علم عجیب ہے کہ جس کی تحصیل کے لیے مولوی غلام جیلانی صاحب پشاور می جیسے متبحر عالم نے عرب کا سفر اختیار کیا تھا۔ جب اُن کی نظر سے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف گزریں تو متاسف ہو کر کہا کرتے تھے کہ علم تو دہل ہی تھا۔ ہم نے علوم رسمہ کی تحصیل میں بیجا عمر صرف کی۔ اُن کے ایک شاگرد مولوی عبداللہ ہزاروی بوالہ اپنے استاد صاحب کے ایک مخلص برأت علی کے جو سفر حجاز میں ساتھ گیا تھا، بیان کرتے تھے کہ ایک روز بیت اللہ شریف میں مولوی غلام جیلانی صاحب کو خبر ملی کہ ایک مغربی عالم مکہ شریف میں آئے ہوئے ہیں جو علم حروف میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور مزج خلافت بنے ہوئے ہیں پچنانچہ مولوی صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حروف کی تعلیم کے لیے مستعدی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔ کل اس کا جواب دوں گا۔ مولوی صاحب نے وجہ توقف دریافت کی تو کہنے لگے یہ علم اہلیت کرام کے خواص سے ہے۔ آج رات استخارہ کر کے اجازت طلب کروں گا کہ آپ کو پڑھاؤں یا نہ پڑھاؤں۔ اگلے روز مولوی غلام جیلانی صاحب اُس بزرگ کی خدمت میں اس خوف سے نہ گئے کہ اگر اجازت نہ ملی ہو تو عمر بھر مایوسی کا سامنا ہو گا۔ اب اُمید تو رہے گی کہ شاید کہیں سے حاصل ہو جائے۔ کیونکہ محبوب کی تمنا میں مرنا مایوسی سے بہر حال بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو علم الحروف سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا جس کا اظہار کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی اپنی شان تو بہت ہی بلند تھی۔ آپ کے بعض متوسلین، جن کو آنجناب نے اس علم کا کچھ حصہ عطا فرمایا تھا۔ اُن کے حالات سن کر بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ خان صاحب غلام رسول خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی دہلی، جو آپ کے نہایت مخلص عقیدت مند تھے، کا بیان ہے کہ جب میں پہلی دفعہ حاضر ہوا تو عرض کیا کہ مجھے غیر ممالک کی سیر کرنے، واقعات کو نیہ کے قبل از وقوع معلوم کرنے اور نسخہ کیمیا کے حاصل کرنے کا شوق ہے۔ آپ نے مجھے ایک ہفتہ قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اور اس دوران میں حروف مقطعات کا ایک قاعدہ سمجھا دیا۔ جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے کئی واقعات پہلے سے معلوم ہو جاتے تھے۔ انہی ایام میں مجھے سنٹرل انٹیلی جنس بورڈ میں، جو ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی سی۔ آئی ڈی شمار ہوتی تھی، لے لیا گیا۔ اس کی وجہ سے ایشیا اور یورپ کے اکثر ممالک کی سیر کا موقع ملا۔ اور نسخہ کیمیا بھی حاصل ہو گیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس کا عمل ناپسند تھا کیونکہ اس کی تکمیل میں اس قدر محنت اور اخراجات صرف ہوتے تھے کہ میں اسے استعمال میں نہ لاسکا۔ خان مذکور کا بیان تھا کہ میں نے ایک رسالہ لکھ کر ایک انگریز افسر کے حوالے کیا تھا۔ جس میں انگریزوں کے متعلق ہندوستان

میں آئندہ ہونے والے واقعات اور ان کی حکومت کے انتظام تک کا ذکر تھا۔ اور وہ سب واقعات بعد میں اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جس طرح میں نے خروفت مذکورہ کے قاعدہ سے استخراج کیے تھے۔ خان صاحب غلام رسول خان کے بعض واقعات کی تفصیل انشاء اللہ باب کرامات میں بدیہ ناظرین کی جائے گی۔

اذا دخل السنين في الثنين ظهر قبر محي الدين

حضرت بابو جی فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک روز علم الخروفت کا ذکر فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس علم میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کیمائے روزگار گذرے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابن عربی کی قبر ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد معدوم ہو گئی تھی لیکن آپ اپنی قبر کے عاروم ہو کر پھر ظاہر ہونے کے متعلق خود ہی ارشاد فرما گئے تھے کہ اذا دخل السنين في الثنين ظهر قبر محي الدين۔ جب سلطان سلیم شام میں داخل ہوا تو آپ نے اُسے خواب میں فرمایا کہ میری قبر فلاں جگہ پر ہے۔ چنانچہ سلطان نے اس کو برآمد کر کے اُس پر قبہ بنوایا۔ اور اُس وقت آپ کے اس قول کے معنی واضح ہو گئے۔

۱۹۶۲ء میں بندہ راقم الخروفت نے ایک روز مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ملفوظات حصہ اول میں اُن کا یہ ارشاد پڑھا کہ میں نے یہ دونوں واقعات یعنی ۸۴۰ ہجری کے قریب سلطنت اسلامیہ کا زربنا اور ۱۹۱۹ء میں حضرت امام مہدی کا ظہور سید الکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کیے ہیں۔ راقم الخروفت نے حضرت قبلہ بابو جی کی خدمت میں اس امر کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام سے قبل کئے مانہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بعض اوقات آیت کریمہ ظہر الفساد فی البز و البخیر پڑھ کر قسم فرمایا کرتے تھے۔

بعض طنز یہ اشعار کی تقلید

راولپنڈی کے ایک پادری صاحب حضرت سے ملاقات کے لیے آئے اور واپس جا کر بائبل کا ایک نسخہ تحفہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت نے شکریہ کے ساتھ یہ شعر لکھوا کر واپس فرما دیا۔

ہمہ شہر پُر زخوباں منم و خیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم خوشو نگوئند بحس نگا ہے
(سارا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے لیکن میں کسی چاند کے خیال میں مگن ہوں۔ کیا کروں میری خوش مزاج آنکھ کسی اور طرف دیکھنے کی روادار ہی نہیں ہے)

اصل شعر میں شاعر نے چشم بد خو باندھا تھا مگر حضرت نے خوشو لکھ کر اسے نہایت ہی حسین کر دیا ہے۔

اپنی بعض مناظر از تصانیف میں غالیوں کے طنز یہ اشعار اور مطاعن کو نہایت خوبصورتی سے اُسی پر منتقل فرما دیتے جس کا پورا لطف اُن کے مطالعہ ہی سے مل سکتا ہے۔ قادیانی مولوی محمد احسن امروہی صاحب نے اپنی کتاب شمس بازغہ میں یہ شعر چیت کیا تھا۔

چہ ہیبت یا بدادند این جوان را
کہ ناید کس میدان محمد

(اس جوان کو کیسی ہیبت ملی ہے کہ کوئی میدان محمد میں مقابلے پر نہیں آتا)

لے ترجمہ: جب سین (یعنی سلطان سلیم) شین (یعنی شام) میں داخل ہوگا تو محی الدین کی (یعنی ہماری) قبر ظاہر ہوگی۔ (فیض)

حضرت سیفِ چشتیؒ میں جو اباجلسہ لاہور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
 چہ ہیبتِ رُو نمود ایں میہ زارا کہ نامد او بمیدانِ محمد
 بہ لاہور ادریدے حسبِ دعوت چہ ایدیدے زِ غلمانِ محمد
 (اس مرزا پر کیسی ہیبت سوار ہوئی کہ وہ میدانِ محمد میں مقابلہ پر نہ آیا۔ اگر حسبِ وعدہ لاہور
 میں آتا تو غلامانِ محمد کے کمالات دیکھتا)

قادیانی مولوی صاحب حضراتِ چشتیہ کے سماعِ پڑھنے کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 قدع صاحب المزمار والدف والغنا وما اختاراً من طاعة الله مذهباً
 ويعلم ما قد كان فيه حياته اذا حصلت اعماله كلها
 ترجمہ - بانسری دف اور راگ والے کی بات چھوڑ جس نے ان چیزوں کو اور دیگر طاعات کو مذہب بنا رکھا ہے
 اُسے زندگی بھر کے اعمال کا انجام اس وقت معلوم ہوگا جب کہ آخرت میں سب برباد ہو جائیں گے ۔
 حضرت جواب میں فرماتے ہیں :-

فدع صاحب التحریف والطمع والهوى
ويعلم ما قد كان فيه حياته
ترجمہ۔ اُس کی بات چھوڑ جس نے آیات الہیہ کی تحریف، طمع و خواہش نفسانی اور فراہمی زر کو اپنا مذہب
پسند کر لیا ہے۔ اُسے اپنی زندگی کے کرتوتوں کا اُس وقت علم ہوگا جب کہ میدانِ حشر میں اُس کے سب
اعمال ہباء منثورا کر دیئے جائیں گے۔

پاک تین شریف کے ہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

حضرت تقریباً ہر سال پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر حاضر ہوتے تھے۔ قصور اور ریاست بہاول پور کے غیر متقلد علماء تو اکثر کئی سال وہاں پہنچ کر آپ سے سوال کرتے رہے کہ کیا آپ عالم ہو کر اس بات کو درست مانتے ہیں کہ جو شخص بابا صاحبؒ کے روضہ کے بہشتی دروازہ سے گزر جائے وہ جنت کا سزاوار ہو جاتا ہے؟ حضرت جواب میں ہر سال نیا استدلال پیش فرماتے۔

مولوی غلام قادر چکو کہ تحصیل مخن آباد نے یہی سوال کیا تو فرمایا: کیا یہ حدیث صحیح نہیں کہ مومن کی قبر روضۃ من ریاض الجنۃ ہوتی ہے؟ اُس نے کہا: صحیح ہے۔ فرمایا: جب لفظ جنت کا اطلاق مومن کی قبر پر صحیح ٹھہرے تو اُس کے دروازے کو ہشتی دروازہ کہنے پر کیا اعتراض ہے؟ مولوی صاحب نے کہا: اس لفظ کا جواز تو درست ہوا مگر یہ فرمائیے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے مقبرہ کے اسی ایک دروازے میں کیا خصوصیت ہے کہ اسے ہشتی دروازہ کہا جائے؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب النہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں نے بحشم ہر عالم ظاہر میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یکسہم اظہر مبعہ چار بار کبار ۶۔۷ محرم کی درمیانی رات کو اس دروازہ سے گزر کر مقبرہ کے اندر تشریف لے جاتے دیکھا ہے اور حضور کا یہ ارشاد سنا ہے کہ مَنْ دَخَلَ هَذَا الْبَابَ فَقَدْ آمَنَ (جو اس دروازے

میں داخل ہوا وہ اس میں آگیا اور مومن ہوا۔ مثل غلام کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ ان تین ذیل فریدہ کیوں لکھتے ہیں، اللہ کیوں نہیں کہتے حضرت نے فرمایا کہ غرض کے موقع پر ان تین کا پورا نعرہ یہ ہوتا ہے۔

اللہ۔ محمد۔ پیار یا۔ حاجی۔ قطب۔ منیر

وہ لفظ فریدہ کو گزرا کر رکھ دیتے ہیں اور اس چیز کے جو ازیں قرآن مجید کی ایک آیت موجود ہے۔ مولوی صاحب نے چونک کر کہا کہ وہ کونسی آیت ہے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَاذْكُرْ ذِیْ اٰذْكُرْ كُفْرًا شُكْرًا وَاٰی وَ لَا
پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو
مَشْكُرًا وَاٰی (پارہ ۲۔ بقول آیت ۱۵۲) کرو اور کفر ذکر کرو۔

اور فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دم تک اللہ کا ذکر کیا۔ اب اللہ اپنی مخلوق کی زبان سے اپنے پیارے بندے فریدہ کا ذکر کر رہا ہے۔ آج سات سو سال سے اذکُرُکُم کا وہ پورا پورا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ یونہی ہوتا ہے۔ ہر سال خلد و ہزار مخلوق یہاں جمع ہو کر فریدہ فریدہ کے نعرے لگاتی ہے گی لہذا تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہے اور یہ اس کے ذکر کرنے کی ایک ضرورت ہے۔

مصور کے ایک مولوی صاحب سے بھی قبلہ عالم نے یہی فرمایا تھا کہ میں تو یہاں (یعنی پاک پن شریف میں) فاذکُرْ ذِیْ اذکُرْکُم کا نقشہ دیکھنے آتا ہوں۔ ایک اور موقع پر آپ نے اُس حدیث پاک سے استدلال فرمایا جس میں ارشاد ہے کہ مجمع ذکرین پر ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی کسی دنیوی غرض کے لیے اس مجمع میں شامل ہو گیا ہو، اُسے بھی ثواب اور مغفرت میں داخل کر لیا جائے کیونکہ لَا یَسْتَعْفِفُ جَبَلٌ مِّنْ اَنْ لَّوْگُوں کے پاس بیٹھنے والے شقی نہیں ہوتے) اس موضوع پر رسالہ عجائب برد و سال میں آپ کے نظریہ کو حضرت مولانا محمد غازی صاحب نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بیعت طریقت پر اعتراض کا جواب

اس کے بعد بیعت کی بحث چلی۔ مولوی غلام قادر نے کہا میری بیعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ یہی حال ہر مسلمان کا ہونا چاہیے۔ بزرگوں کے ساتھ خاہری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت نے فرمایا۔ اس طرح تو ساری اُمت کی اصل بیعت اور متابعت حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کی ذات پاک سے درست ثابت ہوتی۔ لیکن یہ جو تیرہ سو سال سے اُمت کے لاکھوں کروڑوں اولیاء، علماء اور صالحین بیعت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا وہ تمام غلطی پر تھے اور تم اکیلے حق پر ہو؟ اس مناسبتہ کا یہ اثر ہو کہ مولوی غلام قادر صاحب نے اُسی وقت اصرار کر کے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

حضرت شمس تبریزی کے ایک شعر کا حل

ایک مرتبہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کے معنی دریافت کیے گئے۔

از ہفت مادر زادہ ام اذ نہ پدر اُفتادہ ام
ایک رنگ خواہم ہر دور امن عاشق دیرینہ ام

منہ پایا۔ ہفت مادر سے اربعہ عناصر (آب و باد و خاک و نار) اور موالید ثلاثہ (جمادات۔ نباتات اور حیوانات) مراد ہیں۔ اور نہ پدر سے نو آسمان کیونکہ تمام علوم علوی اور معنوی انسان کے وجود کے اندر موجود ہیں۔

خلافا للزجاج کی ترکیب

حضرت شیخ الجامعہ بہاولپوری (مولینا غلام محمد سابق گھوٹوی) اپنی ایک قلمی یادداشت میں لکھتے ہیں:-
 اللہ۔ اللہ۔ حضرت کی ذہانت کا کیا کہنا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ ہو یا مشکل سے مشکل اشکال پہلی تو جہ میں حل ہو جاتا تھا مطالعہ اور تفکر کے کیا معنی محض تو جہ کی دیر ہوتی تھی۔ بڑے بڑے فضلاء کو دیکھا کہ ان سے جو مقام سخت مطالعہ اور محنت سے حل نہیں ہو سکتا تھا حضرت نے ایک بار نظر ڈالتے ہی حل فرما دیا۔ حضرت کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ قوت قدسیہ بنایا تھا۔ مناظرہ میں اور اسکاٹ خصم میں اس قدر کمال تھا کہ مناظرین کے سوال سے جواب نکالا کرتے تھے اور ان کی اپنی کلام سے انہیں الزام دیا کرتے۔
 ایک دفعہ اُستادی مولانا حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریافت فرمایا کہ خلافا للزجاج کی کیا ترکیب ہے۔ خلافا للزجاج کی ترکیب جنوبی علاقہ والے علماء کے نزدیک یہ ہے کہ خلافا مفعول مطلق ہے فعل محذوف خالف کا اور خالف کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو ہذا القول کی طرف راجع ہے۔ اور للزجاج جار مجرور متعلق کاٹنا کے ہے جو صفت ہے خلافا کی۔

حضرت نے یہ ترکیب بیان فرما کر اس پر اعتراض کیا۔ کہ ہذا القول جو جمہور کا مذہب ہے اُس کی طرف مخالفت کی صراحتہ نسبت کرنا دلالت کرتا ہے کہ اصل قول زجاج ہے اور جمہور کا قول اس اصل کے خلاف ہے جیسا کہ باب مفاعله کا مقتضی ہے حالانکہ اصل جمہور کا قول ہے جو مذہب اور معمول یہ ہے اور مخالفت زجاج نے کی ہے لہذا مرجح قول ہے اور اس پر عمل نہیں ہے مناسب تو یہ تھا کہ مخالفت کی صراحتہ نسبت زجاج کی طرف ہوتی۔ حضرت اُستاد صاحب اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے۔
 آپ نے فرمایا کہ خالف محذوف کا فاعل زجاج اور لام جو زجاج پر داخل ہے وہ تقویتِ عمل کے لیے ہے۔ اس واسطے کہ جو فعل محذوف ہو یا مؤخر ہو تو معمول پر لام تقویتِ عمل کے لیے لایا جاتا ہے۔ سب علمائے جنوبی پنجاب حیران رہ گئے کہ کیا اعلیٰ ترکیب فرمائی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں کسب اور اکتساب کا فرق

میں کافیہ پڑھتا تھا کہ پشاور کی طرف سے دو بڑے فاضل آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (الایہ) میں کسبت اور اکتسبت کا فرق کیوں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ یکساں کیوں نہیں فرمایا حضرت نے فرمایا کہ زیادہ معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ لام انتفاع کے لیے ہے اور علی ضرر کے لیے۔
 ترجمہ۔ اُس کے فائدے کے لیے ہے جو اُس نے کسب کیا۔ اور اُس کے نقصان کے لیے ہے جو اُس نے کما لیا۔

ہے یعنی عبد جو نیک کام کرے چاہے عذا کرے یا خطا یا سنا بہر کیفیت نیک کام جس پنج سے بھی ہو وہ نافع ہے اور بد کام اُس وقت پر مُضر ہے جب عذا کیا جائے پس اکتساب میں تعدد کے معنی زاید ہیں اور کسب میں تعدد نہیں بلکہ تقسیم ہے۔

قصہ خضر و موسیٰ میں الفاظ آیت کی تشریح

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ قصہ خضر و موسیٰ علیہما السلام میں فَأَرَادَ رَبُّكَ أَرْدُتْنَا اور أَرْدُتْنَا اور أَرْدُتْنَا کے فرق کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ جہاں خضر شخص ہے وہاں نسبت جناب باری تعالیٰ کی طرف ہے جہاں شر ہے جیسے أَرْدُتْنَا أَنْ أَعْلِيَّهَا وہاں نسبت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ جہاں دونوں ہیں وہاں تکلم مع الغیر کا صیغہ ارشاد ہوا ہے تاکہ خیر کی نسبت اُدھر ہو جائے اور شر کی نسبت اپنی طرف تاکہ بآمع اللہ تعالیٰ درعیۃ الرجائینہ جل جلالہ۔

الغرض حضرت اگرچہ اخیر میں کتب درسیہ کی تدریس و تعلیم کا شغل نہیں رکھتے تھے مگر پھر بھی نہایت اوق سے اوق مقام یا مشکل سے مشکل عبارت کی وضاحت فرما فرمادیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معقول اور ریاضی دان آپ کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے تھے۔

حُرمتِ ذبح فوق العقدہ کی تشریح

مولانا محمد الباقی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک سال جب پاک پن شریف سے واپسی پر لاہور میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو چند علمائے لاہور نے حاضر ہو کر حضرت کی تصنیف اعلاء کلمۃ اللہ میں سُنہ حرمتِ ذبح فوق العقدہ کے متعلق تشریح چاہی۔ آپ نے حوالہ جات فقہ پیش کرنے کی بجائے لاہور کے ایک لائقِ حکم کو بلوایا اور کہلا بھیجا کہ کتاب تشریح الابدان بھی لیتے آئیں حکیم صاحب کتاب لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک ذبح شدہ بکرے کا سر منگوایا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ لے متعلقہ آیات یہ ہیں۔ اَمَّا السَّعِيَّةُ فَكَانَتْ لِلسَّحِيكِ يَغْمُزُونَ فِي الْبَعْرِ فَارْدَتْ أَنْ أَعْلِيَّهَا وَكَانَ ذَرَاءَهُ هُوَ قَبْلَكَ يَأْخُذُ كُلُّ سَفِيئَةٍ غَضَبًا وَأَمَّا الْفُلُ فَكَانَ أَبَدُهُ مُؤْمِنِينَ فَخَشِنَا أَنْ يُزْهِقَهُمَا طُغْيَانًا دَكْفَرًا فَارْدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيُفْتَحِرَا فَجَاوَزَهُمَا نَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْدِيلُ مَا لَكُمْ تَسْتَبْطِئُوا عَلَيْهِ صَبْرًا (صعق ۹ تا ۸۶)

ترجمہ۔ رہی کشتی سو مسکینوں کا مال تھا جو دریا میں محنت کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے دے ایک بادشاہ ہے جو تمام کشتیوں کو زبردستی کچل لیتا ہے۔ اور دھال کا (جسے قتل کیا تھا) تو اُس کے والدین ایماندار تھے سو میں اندیشہ ہوا کہ انہیں کشتی اور کفر میں گرفتار نہ کر دے سو ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا پروردگار اس سے بہتر (میتا) بدل دے پاکیزگی میں اور نزدیک تر مہربانی میں اور رہی دیوار (جسے بلا اجرت تعمیر کر دیا تھا) تو شہر کے دو قیم بچوں کی ملکیت ہے اور اس کے نیچے اُن کے لیے خزانہ دفن ہے اور ان کا والد نیک بخت تھا پس تیرے بے ارادہ فرمایا کہ وہ جوان ہو کر اس خزانے کو خود نکالیں اپنے پروردگار کی رحمت باعث اور میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا یہ تمہی حقیقت اُس چیز کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تشریح الابدان سے بحث عروق پڑھیں چنانچہ انہوں نے سر کی رگیں دکھا کر اور کتاب پڑھ کر واضح کیا کہ وہ دس (دو شہ رگیں) دماغ تک پہنچتی ہیں اور دو دیگر رگیں (حلقوم اور مری) عقدہ کے نیچے حصہ سے متصل ہوتی ہیں۔ جب مشاہدہ کی بنا پر مری اور حلقوم کا انتہا معلوم ہو گیا کہ وہ عقدہ کے نیچے آکر ملتی ہیں تو آپ نے جماعت علماء سے فرمایا کہ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ آیا فوق العقدہ ذبح کی صورت میں چاروں رگیں قطع ہو جاتی ہیں یا دو۔ اور علماء نے عرض کیا کہ اب ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جو آپ نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔

کلید شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق ایک مکتوب

ایک مرتبہ آپ حضرت مخدوم علامہ الدین علی احمد صابر قدس سرہ العزیز کے عرس پر کلید شریف میں حاضر ہوئے جس کے لیے دیوان صاحب کلید شریف نے دعوت دے رکھی تھی۔ حضرت کی تشریف آوری کی قبل از وقت اطلاع ملنے پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور اُمراء بھی خصوصیت سے آپ کی زیارت کے خیال سے کلید شریف پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ عوام و خواص کے ایک بڑے اجتماع میں انیسٹھ کے ایک مشہور مناظر مولوی نذیر احمد صاحب اپنی ایک جماعت لے کر آگئے جن میں ان کے چند معتقد اُمراء بھی شامل تھے اور آتے ہی عرض کی کہ میں ایک اعتراض کا جواب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا اعتراض ہے؟ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے "فصوص الحکم" میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خواب دیکھا تھا اُس میں مینڈھے ہی کی قربانی کا حکم تھا۔ انہیں خواب کی تعبیر میں غلطی ہوئی کہ اپنے صاحبزادے کی قربانی کا حکم سمجھا پس جب نبی کو خواب کی تعبیر میں غلطی ہو سکتی ہے تو حضرت شیخ اکبر کا یہ خواب کہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب "فصوص الحکم" عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اولیائے امت تک پہنچاؤ اپنی تعبیر میں کیونکر لازمی طور پر صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ پھر جس کتاب کی اصلیت ہی مشکوک ہو گئی ہو وہ صوفیاء کے نزدیک کیوں کر حجت مانی جاسکتی ہے؟

مولوی صاحب نے تقریر کو خاصہ طول دیا اور اس کے احاطہ میں حضرت شیخ اکبر کے کئی نظریات، بالخصوص وحدت الوجود پر معقولی اور منقولی اعتراض کیے۔ اس طوالت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب وہ تقریر ختم کرتے تھے تو حضرت فرمادیتے: کچھ اور؟ چنانچہ اس دوران میں آپ تسبیح پڑھتے رہے اور ان کی تقریر بھی سنتے رہے۔ جب مناظر صاحب نے فرمایا کہ بس۔ تو حضرت نے تسبیح مبارک ہاتھ سے رکھ دی اور آستین چڑھا کر پہلے سوال کیا: کیا آپ نے "فصوص الحکم" پڑھی ہے؟ کہا: نہیں۔ حضرت نے فرمایا: "فصوص الحکم" اس طرح شروع ہوتی ہے: الحمد للہ المنزل للکلم علی قلوب الکلم۔ اس کا معنی فرمائیے۔ انہوں نے الحمد للہ کے معنی کیے: سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ آپ نے پوچھا: سب کس لفظ کا معنی ہے؟ کہا: الف لام کا۔ حضرت نے فرمایا: تعریف تخصیص کے لیے ہوتی ہے اور لفظ سب تعمیم کے لیے ہے کہ بمعنی کل ہے تو جو لفظ تخصیص کے لیے موضوع ہو اُس پر تعمیم جو اُس کے مدلول کی نقیض ہے کس طرح دلالت کرے گی؟ جواب میں مولوی صاحب خاموش تھے۔

اس کے بعد حضرت نے ان کے اعتراضات کے جواب میں مفصل تقریر فرمائی جس پر مولوی صاحب نے برسر مجلس اپنے عجز کا اعتراف کیا اور استدعا پیش کی کہ اپنی شاگردی میں قبول فرما کر حضرت شیخ اکبر کے علوم سے بہرہ افروز نہ مائیں جب حضرت عصر کے وقت جناب سجادہ نشین صاحب کلید شریف کی ملاقات کے لیے گئے تو یہ مناظر وہاں موجود تھے۔ ایک معزز نوادہ نے انہیں مولوی صاحب کہہ کر ایک سیلک کیا جس پر اُس باانصاف نے کہا: صاحب! آج کے بعد کوئی شخص مجھے مولوی

نکے : اور حضرت کی حوت اشارہ کر کے کہ سووی آؤ بیٹے میں جی کے متا بد میں میں مولیت کی ہر جی نہیں گئی :-
حضرت شیخ ابوسعید صاحب نے اپنے مسوات میں لکھا ہے کہ میں میں وہی امیر انیسٹ میں ہوئے فضل الحق
صاحب دہرہ مدینہ سے پڑھا تھا اور وہاں مولوی تھریا احمد صاحب شیخوئی کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ شخص میرا منکر و مکر تھا
کہ صاحب کو بات نہیں کرنے دیتا تھا اور انشت میں متبادل کو چپ کر دیتا تھا۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہنہ اس کے اصل اعتراض کے بارے میں مولوی غلام علی صاحب چشتی صاحب انجمن تہذیب و ہدایت
فادری میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کے متعلقہ حضرت کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

جنت نہ مشتعل ہو اور ذمہ اشتیاق راہیں انجمن تہذیب و ہدایت اللہ عن اللہ و تعلق و بارہ مصل
شریف جلتہ متبرک پر پہنچا لیکن قصہ نظر دیگر مواقع کے جی میں سے ہر ایک کافی ذاتی ہے بعد کی عارضی سے
مندرجہ ذیل نصیب میں زیادہ تر مبالغہ ہوا ہے۔

فہمایا ایسے اجتماعوں میں گفت و گو کے لوگ شریک ہوتے ہیں کہ جی کی موافقت میں ان کی
تصویب اور تعلیم پر بالخصوص قائلین و مددات انہوں کے متعلق و متمعات عادیہ سے ہے اور نماز و کلمات کے
استماع پر جو اس دیوانگی ہائے عشق کے جوہر کا گواہ ان حضرات شاہبازان عالم قدس کی ذات کے ساتھ ہے
سکوت مشکل ہو جاتا ہے اور رجوات غلط بھی مناسب نہیں ہوتی کیونکہ اس موضوع پر بحث عالم عقل کی سرحدات
جوہر کر جاتی ہے۔

ہرگز درمیش و کم نے باید زد از صد بیرون قدم نے باید زد
عالم ہر مرآت جمال ازلی ست سے باید دید و دم نے باید زد
چنانچہ چشم دید احباب ہے کہ اس سال پیران کھیر شریف میں جب غلامی کے عصر سے ایک صاحب نے
نعتہ الہی الحق شیخ اکبر کی ذات پر جناب مولانا فضل حق مرحوم کی تحویں اور تعقید میں اعتراض کیا۔ حتی کہ
مشتہ سخی کو معاذ اللہ کفر پر پہنچا دیا تو فقیر کی یہی دیوانگی چمک اٹھی۔

حاصل اعتراض یہ تھا کہ صاحب خصوص نے چونکہ فقہ حنفی میں سنیانا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی
تعلیل کی ہے اور اسے قبیل و ہم سے شمار کیا ہے تو یہ خصوص خود کو غیر قابل اعتبار ہو سکتی ہے کہ وہ بھی سب
بیان شیخ عالم رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو ملی ہے۔

ایسے حضرات کے کلام پر اس قسم کے شکوک اور اعتراضات کی وجہ جہالت اور بے خبری کے سوائے
اور کچھ نہیں ہوتی۔ میں نے اس اعتراض کے جواب میں عرض کیا کہ اس شخص میں شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصور
خوابوں کی ترتیب اور تقسیم ہے یعنی بعض خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب
میں شیر نوش فرمانا اور پس ماندہ شیر کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ فرمانا اس میں شیر کی تعبیر حضور نے علم
سے کی اور بعض خواب تعبیر طلب نہیں ہوتے۔ بلکہ خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے بعینہ وہی چیز بیداری میں
واقع ہوتی ہے مثلاً کوئی دو شنبہ کی رات کو خواب میں دیکھے کہ فاضل گروہ میں آیا ہے اور اس روز فاضل

لے یعنی خدا امتداد سے قدم نہیں بڑھا ہوا بیٹے عالم کائنات جمال حق کا عزیز ہے پس دیکھتے رہو اور دم نہ مارو۔

واقعی کو لڑھ پھینچ جائے۔

سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا کہ اپنے فرزند حضرت اسمعیل بقول مجبور (اور بقول شیخ حضرت اسمعیلؑ) کو ذبح کر رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ میں حضرت اسمعیلؑ کو ذبح نہیں کیا گیا۔ بلکہ گو سفند کو ذبح کیا گیا۔ لہذا یہ خواب قسم اول میں سے ہے یعنی تعبیر طلب ہے کہ آپ نے خواب میں گو سفند کو فرزند کی صورت میں دیکھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غلطی اور دہم اس جگہ یہی ہے کہ انہوں نے اس خواب کو قسم ثانی یعنی معنی سے سمجھ لیا۔ لہذا فرزند کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور مفسرین اور علمائے ظاہر کی بھی یہی رائے ہے بدیل قولہ تعالیٰ وَكَذَٰلِكَ يَنَّاہُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ یعنی اُن کے فرزند کے عوض اور بدل میں ہم نے گو سفند ذبح کر لیا۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دندیناہ کا اطلاق اس جگہ حضرت ابراہیمؑ کے فہم اور شان کی رعایت سے ہے۔ محرز مطور معنی عنہ کہتا ہے کہ حضرت شیخؑ اس قسم کی تفسیرات کی مثال میں اپنے کیف و شہود کے تابع اور پیرو ہیں اور انہی کے اظہار کے لیے مامور و معذور ہیں۔

اور اس بے بیچ کے ذہن میں حضرت شیخؑ کی تفسیر کی وجہ وجہ یہ ہے کہ یہ چیز مسلمات سے ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی کی قسم سے ہوتے ہیں اور وحی کے اندر خطا اور دہم کا امکان اور مجال نہیں۔ البتہ وحی کی تعبیر میں خطا کا ہونا شان نبوت کے منافی نہیں۔ کیونکہ تعبیر وحی کی قسم اور قبیل سے نہیں ہے بلکہ تعبیر کا منشا اجتہاد ہے۔ وہو قد یخطی وقد یصیب۔ اس میں خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی چُننا خود حدیث فذہب دہلی انہا الیہ امامہ (میرا گمان گیا کہ شاید ہجرت کا مقام میامہ ہے) اور خواب میں مکہ معظمہ کے دخول سے اُسی سال داخل ہونے کی تعبیر لے کر مکہ معظمہ کو روانگی وغیرہ مثال اس کی شاہد ہیں۔

ہاں خطا پر بقا شان نبوت کے منافی ہے پس حضرت شیخؑ کے کشف و شہود کی بنا پر وحی میں خطا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اجتہاد میں غلطی کا سوال ہے کہ خواب کو تعبیری کی بجائے عینی خیال فرمایا اور مخالف کے زعم کے خلاف اس چیز کے درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ یہ ہے شیخ اکبر قدس سرہ الاظہر کا مطلب۔

اب میں اصل مطلب پر آتا ہوں اور صاحب فصوصؒ کے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسخہ فصوص عطا فرمانے پر اعتراض کو رفع کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جیسا کہ فصوص کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ خواب معنی ہے۔ تعبیر طلب نہیں۔ کیونکہ خواب کے مطابق اس کا خارج میں وقوع ہوا۔ اور وقوع کذا فی دلیل ہے ہر شخص کے خواب کی صداقت پر لیکن جو لوگ متبعان وحی اور ارباب تقویٰ ہیں انہیں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی علامات بھی عطا فرمائی جاتی ہیں اور غلطی پر متنبہ ہونے کی بھی۔ بدیل قولہ تعالیٰ اِنَّ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّکُمْ ذُرِّیَّۃً قَانًا اگر اللہ سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہیں حق و باطل میں منسق کرنے کی تمیز عطا فرمائے گا) اور اَدْعُوا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِ (دعوت دیتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت پر میں اور میرے تابعین) بصیرۃ اور فارق ابین الحق والباطل۔ اور انہیں علامات دی جاتی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے خوابوں اور رویا کے ربانی۔ ملکوتی یا نفسی اور شیطانی ہونے میں متیسرہ کر لیتے ہیں۔ اور اصلیت کے اندر شبہ نہیں رہتا لیکن جو لوگ خود ان منازل عالیہ پر نہیں پہنچتے

اور ان مستفیدانِ قدس کی ان کیفیات سے انکار کرتے ہیں وہ اپنے جمل سے مجبور ہیں۔ البتہ ہر مدعی، صاحبِ ہوا و ہوس اس چیز کا سزاوار نہیں کہ ان صاحبانِ دولت کی ہمسری میں لاف زنی کرے۔ اور خطابی التبعیر کو اپنے غلط مکاشفات اور پیشین گوئیوں کے لیے سپر بنائے۔ کیونکہ تعبیر میں بھی بقا علی الخطا صاحبِ وحی اور اُس کے متبعین سے براصل دور اور بعید ہے۔ چنانچہ بعض متنبیانِ زمانہ حال حضور نبی کریم کے مکاشفِ نزولِ مسیح ابن مریم کو خطابی التبعیر کی قبیل سے گمان کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مصموم اپنی موت تک بھی خطائے آگاہ نہ ہوا اور خطا پر قیامِ مصمومیت کے منافی ہے۔ الغرض حضرت شیخ نے خوابِ ابراہیمی کو غلط اور وہم نہیں فرمایا بلکہ تعبیری کی بجائے عینی سمجھ لینے میں اجتہاد کی ہنگامی غلطی کا ذکر کیا ہے۔ (جس غلطی پر وہ آگاہ کر دیئے گئے اور جو غلطی برکات کا ایک جہان اپنے جلو میں لائی)
داعی بہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

مولوی حسین علی صاحب (واں پچھراں) کے ساتھ مناظرہ

مولوی حسین علی صاحب واں پچھراں کے مناظرہ کی کیفیت حضرت شیخ الجامعہ صاحب بہاولپور کی مندرجہ ذیل تحریر سے بہتر نہیں مل سکتی۔ وہ خود اس موقع پر حاضر تھے۔ بلکہ اس مناظرہ کے لیے ایک فریقِ شمار کیے گئے تھے، لکھتے ہیں :-
"میانوالی میں ایک موضع ہے واں پچھراں، وہاں ایک مولوی صاحب گذرے ہیں جن کا نام حسین علی صاحب تھا۔ وہ مولانا سلطان احمد صاحب تلمیذی کے شاگرد تھے۔ بعد میں مولوی احمد حسن صاحب کا پنواری کے یہاں جا کر تحصیل تمام کی اور حدیث کا دورہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے یہاں کیا۔ اور پھر وطنِ اہلس آگرددس مدرس شروع کی حضرت عمدة الواصلین خلیفہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاجدہ نشین موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے مگر اعتقادات غیر مقلدِ اذ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور مذاکے سخت منکر تھے اور اس کو کفر و شرک قرار دیتے تھے ایسے ہی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ اللہ کی بد کو کفر و شرک کہتے تھے۔ اور سلسلہ چشتیہ کے سخت مخالف تھے۔

ہمارے حضرت کی عادت مبارک تھی کہ سال میں دو دفعہ سفر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے شیخ طریقت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس مبارک کی حاضری کے لیے اور دوسری دفعہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس شریف کے لیے ایک مرتبہ آپ پاک پتن شریف جانے کے لیے تیار تھے۔ کہ ملک مظفر خان فرزند ملک محمد امیر خان ساکن واں پچھراں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس دفعہ واں پچھراں میں ہماری دعوت قبول فرمائی جائے۔ آپ نے بوجہ اس کے کہ ملک محمد امیر حضرت کا پیر بھائی تھا دعوت قبول فرمائی اور جب آپ پاک پتن شریف پہنچے تو مولوی حسین علی صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک جسطری لفاظی بھیجا کہ اگر آپ واں پچھراں میں ملک صاحب کی دعوت پر تشریف لائے تو آپ کو میرے ساتھ مناظرہ کرنا ہوگا۔ اور مناظرہ علمِ غیب کے مسئلہ میں ہوگا۔ اور ندائے یار رسول اللہ، یا شیخ عبدالقادر جیلانی پر اور سماع موتی پر ہوگا حضرت نے وہ خط محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔

جب حضرت مظفر گڑھ کے اسٹیشن پر تشریف لائے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ غلام محمد، واں بھچراں میں کوئی مولوی صاحب ہیں۔ وہ مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تم بھی مولوی ہو وہ بھی مولوی ہیں۔ مناظرہ کر کے میں بھی واقف کر دینا تاکہ ہم اُس پر عمل کریں۔ یہاں آپ نے ایسے لفظ انکار کے فرمائے کہ جن کے لکھنے سے شرم آتی ہے۔

حضرت وہاں سے شاہ عالم تشریف لے گئے۔ شاہ عالم کے قریب حضرت کا ایک مخلص مولوی نور محمد ڈورا (بہرا) سکونت پذیر تھا۔ حضرت کو اُس کے حال پر بہت توجہ تھی۔ اُس کی خاطر شاہ عالم اسٹیشن پر چوبیس گھنٹے قیام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ عالم سے روانہ ہو کر آپ میاںوالی کے بعض مخلصین کے عرض کرنے پر میاںوالی تشریف لے گئے۔

مولوی حسین علی صاحب ہیں آدھکے اور یہیں مناظرہ کے طالب ہوئے حضرت نے اس کے حوالوں سے فرمایا کہ میں اپنے اشغال میں مصروف ہوں اور واں بھچراں تک دو گھنٹے بچا سکوں گا۔ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو حسب تحریر اور حسب وعدہ واں بھچراں میں اس کا انتظار کریں اور یہاں میرے وقت کو ضائع نہ کریں۔ ایک سبجے کے قریب گاڑی میاںوالی سے واں بھچراں کو روانہ ہوئی حضرت وہاں تشریف فرما ہوئے۔ ملک مظفر خاں کے بنگلہ میں نزول اجلال فرمایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مولوی حسین علی کے مریدوں نے حضرت کے رفعتائے سفر کے ڈیروں پر چکر لگانا شروع کر دیا اور سماع موتی کے انکار اور عذاب قبر کے متعلق تقریریں شروع کر دیں۔ حضرت کے رفقاء نے بھانپ لیا کہ مقصود ان کا فساد کرنا ہے۔ انہوں نے نہایت حوصلہ اور حلم سے کام لیا تاکہ جب رات کے بارہ بجے کا وقت ہو تو معلوم ہو کہ مولوی حسین علی صاحب منادی کر رہے ہیں کہ صبح تمام قصبہ کے لوگ میرے مناظرہ میں شریک ہوں جو میں (حضرت) پر صاحب سے کرنے والا ہوں۔ اور اپنے دنیوی کاموں کو اگلے دن پر چھوڑ رکھیں۔ حضرت کا ارادہ پہلے بذات خود مناظرہ کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ نے مجھے صراحت فرمایا تھا کہ مناظرہ تم کرنا اگر آپ کا ارادہ بدل گیا اور فرمایا کہ بہت مشکبہ ہے۔ اس کا تکبر دور کرنا ضروری ہے۔

صبح ۹ بجے مولوی حسین علی صاحب کے ایک مشہور شاگرد جواب تک زندہ ہیں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے مولوی حسین علی صاحب نے شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ۔ اُس نے کہا کہ مناظرہ تمہاری طرف سے کون ہوگا؟ میں نے کہا کہ احقر غلام محمد گھوٹوی۔ پہلے تو اُس نے انکار کیا اور کہا کہ مناظرہ (حضرت) پر صاحب ہوں گے لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ مان گیا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا منشا شروع سے ہی یہی ہے دوسری شرط یہ تھی کہ مسئلہ علم غیب پر دلائل محض فقہ حنفی کی کتابیں ہوں گی قرآن شریف اور حدیث شریف کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ کیا قرآن شریف اور حدیث شریف اب منسوخ ہو گئے ہیں؟ نیز فقہائے حنفیہ، فقہ کی کتابوں میں قرآن شریف کی آیات اور حدیث شریف سے استناد کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور قرآن و حدیث کا انفاک ہی مقصود نہیں۔

ہم یہ باتیں کر رہے تھے اور تقریباً دس سائے دس کا وقت تھا کہ حضرت کی طرف سے پیغام آیا کہ مجھ سے کسی صاحب نے اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہو یا کوئی اور بات کرنی ہو تو ملک مظفر خان کے بنگلہ پر چلے آئیں۔ یہ سن کر تمام جمع بنگلہ کی طرف دوڑ پڑا۔ وہاں حضرت ایک مصلیٰ پر تشریف فرما تھے۔ تمام حاضرین کے لیے قالینیں بھی پھینچی ہوئی تھیں۔ حضرت کا روئے مبارک بنگلہ کے دروازہ کے مخاضہ جنوب کی طرف تھا۔ یہ احقر حضرت کے متصل بائیں جانب بیٹھا تھا۔ مولوی حسین علی صاحب کا انتظار تھا۔ مولوی صاحب کا آدمی آیا کہ بنگلہ ملک صاحبان کا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو میری ہتکثرت کی جائے گی۔ حضرت نے ملک محمد امیر صاحب کو فرمایا کہ تم خود جاؤ اور میری ذاتی ضمانت پیش کرو کہ اگر آپ کا بال بھی بیکا ہو تو میں ذمہ دار ہوں گا۔ ملک محمد امیر خان بعد ازاں مولوی صاحب کو لے آئے۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل کریم صاحب حضرت سے جنوب مغرب کے گوشہ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت نے مولوی صاحب کا اکرام فرمایا اور پھر مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ان مولوی صاحب کے ساتھ کس بارہ میں نزاع ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب سماع موٹی کے ٹنکر میں اور میں قابل ہوں مولوی حسین علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں سماع موٹی کا ٹنکر ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ تین چار دن سے کئی گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے ایک سالہ انکار سماع موٹی لکھ کر آپ نے فلاں طالب العلم کو دیا تاکہ مولوی فضل کریم صاحب کے پاس پہنچ جائے۔ وہ طالب العلم کل رات مولوی اکبر علی صاحب کے یہاں مہمان تھا۔ میں نے اُس سے وہ رسالہ لے کر نقل کر لیا ہے اور نقل میرے پاس موجود ہے۔ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم مولوی حسین علی صاحب کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد ان کے پاس جا بیٹھا۔ مولوی حسین علی صاحب کے دائیں جانب مولوی فضل کریم صاحب اور بائیں جانب میں تھا۔ حضرت نے مولوی صاحب کی طرف منہ مبارک پھیر کر فرمایا: مولوی صاحب آیت مبارکہ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبُ اِلَّا اللّٰهُ پُر آپ کا ایمان ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ایمان نام ہے تصدیق بما جاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور تصدیق کی چھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک مقبول ہے اور پانچ مردود۔ وہ کیا کیا ہیں؟ اس کے بعد حضرت نے اسی موضوع پر مختصر تقریر فرمائی۔

جواب دینے کی بجائے مولوی صاحب سر نیچا کیے خاموش بیٹھ رہے۔ تقریباً پانچ منٹ گزر گئے اس پر میں نے اور مولوی فضل کریم نے کہا کہ آپ خاموش ہیں اور میدان مناظرہ گرم ہے۔ کچھ مُنہ سے بولیں۔ چپ کا وقت نہیں۔ مولوی صاحب نے سر اٹھایا۔ حضرت نے پھر تقریر شروع فرمائی۔ مولوی صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے۔ حضرت نے تقریر ذرا سب سے فرمائی مگر مولوی صاحب کو جیسے سانپ سونگھ لیا ہو۔ آخر ہم دونوں نے پھر انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تو مولوی صاحب نے حضرت کی خدمت میں

عرض کیا کہ میں معمولی ملّا ہوں۔ موٹے موٹے مسائل جانتا ہوں۔ ان باریکیوں کو میں نہیں جانتا۔ اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے میں نے اور حافظ فضل کریم نے بٹھانا چاہا۔ مگر مولوی صاحب نہ رُکے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

حضرت کے مُردین میں سے ایک مشہور اور محقق عالم مولانا غلام محمود صاحب (پہلاں ضلع میانوالی) نے مسائل علم غیب اور ندائے یار رسول اللہ وغیرہ پر ایک رسالہ نجم الرحمن تحریر فرمایا تھا جس میں مولوی حسین علی صاحب کے مسلک کی نہایت مدلل تردید کی تھی اس رسالہ کی ابتدا میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق تین مذاہب کا ذکر کیا ہے جن میں سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح افضل المخلوق ہیں اسی طرح علم المخلوق بھی ہیں یعنی ساری مخلوقات سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ حضرت علم غیب ذاتی و محیط کی نفی کے ساتھ قائلین علم ماکان و مایکون کی تکفیر اور تشنیع کے سخت خلاف تھے اور مولوی حسین علی صاحب سے مناظرہ کا مقصد بھی اسی تشدد کی تردید تھی۔ چونکہ اس واقعہ کو مولوی صاحب کی پارٹی نے بعض رسائل اور کتابوں میں توڑ موڑ کر بیان کیا ہے اس لیے یہاں قدرے تفصیل کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ویسے بھی یہ واقعہ مشہور عام ہے اور اب بھی بہت سے افراد ایسے موجود ہیں جنہوں نے بحیثیت خود اس کا مشاہدہ کیا مسائل مذکورہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مسلک آئندہ ابواب میں تفصیلاً پیش کیا جائے گا۔

تأویل قرآن پر اعتراض کا جواب

وزیر آباد کے ایک غیر مقلد مولوی صاحب نابینا تھے اور علم کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے زیارت مولانا غلام الدین صاحب راولپنڈی پر بغرض ملاقات حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ پیر صاحب! میرے چند سوال ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جواب

۱۔ حضرت کی تقریر کا حاصل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ماکان و مایکون کے قائلین آپ کے نزدیک اگر مسلمان ہیں تو نزاع ہی نہیں اور اگر کافر ہیں تو کفر ایمان کی ضد ہے اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق چھ قسم کی ہے جن میں سے ایمان شرعی میں فقط ایک قسم مقبول ہے اور باقی مردود ہیں۔ ان اقسام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ قائلین علم ماکان و مایکون میں کونسی قسم نہیں پائی جاتی۔ اور آپ میں وہ قسم موجود ہے جس کی بناء پر آپ انہیں کافر کہتے ہیں؟ حضرت نے آیت مندرجہ بالا قُلْ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا إِلَّا كَمَا تَشَاءُ أَوْ هُمْ يَعْلَمُونَ آیت کے معارض آیات عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَظْهَرُ عَلَيْهِ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ مِنَ الرَّسُولِ وغیرہ بھی تلاوت فرمائیں۔

جامعہ غوثیہ کے سابق صدر مدرس مولانا محمد النبی صاحب کا بیان ہے کہ تصدیق کے اقسام سترہ بعد میں بعض متوہمین کی درخواست پر آپ نے حسب ذیل بیان فرمائے تھے جن کا ماخذ حضرت شیخ اکبر کی تصنیفات فتوحات مکیہ وغیرہ ہیں۔

(۱) تصدیق بذاتہ یعنی کسی صفت یا دلیل کے بغیر مان لینا (۲) تصدیق بنعت ذاتہ: مثلاً ذَکِیْن سَمِعْتَهُمْ مِنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَيَعْلَمُنَّ أَنَّ اللَّهَ فِي نَعْتِ خَلْقِ كِي وَجْهٍ سے تصدیق ہوئی (۳) تصدیق بحالہ: مثلاً اَیْکَ تَبْلِغُ مِش آتی جو خدا کے نام لینے سے مل گئی۔ یہ ایک حال پیدا ہو گیا جس میں دل خود بخود اپنے اس حال کی وجہ سے تصدیق کرنے لگا۔ (۴) تصدیق برتبہ: عالم کی پرورش اور ربوبیت عامہ کو دیکھ کر تصدیق (۵) تصدیق بنعت ربہ: اُس کی ربوبیت خاصہ کو دیکھ کر تصدیق، ذاتی احسان کا خیال یا احسان کے زیر تجربہ آنے پر تصدیق (۶) تصدیق بامر ربہ: اللہ کے حکم کی وجہ سے تصدیق۔ یہی تصدیق مقبول ہے۔ پہلی پانچوں جبری ہیں فقط چھٹی اختیاری ہے اور ایمان اختیاری ہی مقبول ہے۔ (فیض)

دیتے وقت قرآن کے معانی میں تاویل سے کام نہیں لیں۔ کیونکہ میں مُنفا ہوں کہ آپ آیات کی تاویل کر دیا کرتے ہیں۔
 حضرتؑ نے فرمایا مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ بھی اپنی اس شرط پر قائم رہیں۔ اور فرمایا پہلے ذرا اس آیت کے معنی
 بیان کر دیں:-

مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى
 وَاصْبِلْ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل ۷۲)
 (ترجمہ) جو اس دُنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا
 ہوگا اور سخت گمراہ۔
 ماقط صاحب چُپ چاپ اٹھ گئے اور اُس روز سے اس نواح میں اُن کا نام ہی حافظ اعلیٰ پڑ گیا۔

باب نهم

إرشادات (ملفوظات و مکتوبات)

ملفوظات مہرۂ و مہرِ چشتیہ

حضرت کے ملفوظات اور مکتوبات عرصہ ہوا دو الگ کتابوں کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب ملفوظات طہات پہلے فارسی میں شائع ہوئی تھی جس میں مولانا گل فقیر احمد صاحب پشوری اور مولانا عبدالحق صاحب سسرالوی کے جمع کردہ ملفوظات درج تھے۔ اب یہ کتاب اردو زبان میں ترجمہ ہو کر ملفوظات مہرۂ کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ اسی طرح مکتوبات شریف بھی بہت سے جدید اضافوں کے ساتھ مہرِ چشتیہ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

سیرت کے اس اہم باب کی تکمیل کے لیے ان دو کتابوں سے چیدہ چیدہ اقتباسات تین فضلوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فصل اول مکتوبات عالیہ۔ فصل دوم ملفوظات طہات اور فصل سوم کلام منظوم پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں میں جو مضامین زیر بحث آئے ہیں وہ چونکہ علمی اور مذہبی نوعیت کے ہیں اس لیے عربی اور فارسی زبانوں کا زیادہ استعمال ہوا ہے۔ گوشہ نش کی گئی ہے کہ حاشیہ میں ترجمہ اور مطلب درج کر کے مضامین کو عام فہم اور سہل بنایا جاسکے۔ تاہم نفس مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے اصل متن بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ علماء اور فارسی و عربی دان حضرات نہ صرف محفوظ ہو سکیں بلکہ حضرت کے تبحر علمی کا بھی قدر سے اندازہ لگا سکیں۔

پہلی فصل

مکتوبات عالیہ

ایک مخلص کی بیماری پر دعا نامہ

عزیزی غلام دستگیر حفظہ اللہ وشفاک

بعد سلام و دعا آنکہ حاملہ دعا نامہ سے منظرانہ حالت آل عزیز میں کراہی نظر آج ہوا۔ **يَا اَعْيَانَنَا عِنْدَ كُلِّ كَرْبَةٍ**
يَا مَعَاذَنَا عِنْدَ كُلِّ مَشَدَّةٍ يَا حُجُبَنَا عِنْدَ كُلِّ دَعْوَةٍ۔ **يَا مُوَلِّسَنَا عِنْدَ كُلِّ وَخْشَةٍ**۔ **وَيَا رَجَائَنَا**
حِينَ تَنْقَطِعُ حُجُبُنَا۔ **صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ دَائِمًا عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِالْمُصْطَفَىٰ وَآلِهِ وَ**
صَحْبِهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ اَوَّلًا وَآخِرًا۔ سب کو ما واجب۔

العبد الملتجئ والمشتكى إلى الله المدعو المبر على شاه قلم خود از گورہ

ایک طالب طائف کو تلقین

مہربان من جناب فخر الدین سلامت باشند، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

مہربان من: سورۃ اخلاص نہ صرف دفع ہم و غم کے لیے ہے بلکہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب کی دوا ہے
 دفع ہم و غم، مغفرت گناہاں، رضائے الہی، عشق الہی، اخلاص، توکل وغیرہ وغیرہ، جن کو مفصل لکھنا محال ہے۔ یہ وہ
 نعمت عظمیٰ ہے جس سے اعراض کر کے کشف و استخارہ کی طرف متوجہ ہونا، عاشق کے لیے موت کا سامنا ہے۔

معذور دارمست کہ تو اور اندیدہ

شرفہ استغفار کی بھی اجازت ہے سورۃ اخلاص اگر ہزار دفعہ نوافل رات میں ہو تو اپنی قسمت و رزق سبھی سہی۔ اس کا
 نتیجہ وہ مقام ہے جس کے پہنچنے کے لیے **قُلْ بَلَّغْ مَلَكًا اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا** فرمایا گیا ہے۔ اس کا ثر وہ سیری و غنا ہے
 جس سے **مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ** پتہ دے رہا ہے۔ کہاں وہ استخارہ و استکشاف اور کہاں یہ دولت شہود ہے

۱۔ اے بھرتی میں ہمارے فریاد رس، اور ہر شدت میں ہماری جائے پناہ اور ہر پکار پر دعا قبول فرماتے والے اور ہر دشت میں ہمارے ٹونس اور جب سب
 تدابیر ختم ہو جائیں تو ہماری آخری امید، تو محمد مصطفیٰؐ اور آپ کے آل و اولاد اور اصحاب پر درود و سلام نازل فرما۔ اللہ کے لیے ہی حمد ہے اقل و اکثر۔
 ۲۔ فرما دیجئے میں ملت ابراہیم کا مشیع ہوں جو بسوئے حق متوجہ تھے۔

۳۔ نہ تو آنکھ ٹیڑھی ہوئی اور نہ تجاؤز کیا یعنی ذات کی محبت اور مشاہدہ میں صفات و افعال اور آثار و خلال مطمح نظر نہ رہے۔

نہ شہم نہ شب پر تم کہ حدیث خواب گویم چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
حق، حق، حق، کجا رفتم و چہ مے نویسم۔ برادر خیر الکلام مَاقُلٌ ذَکُلٌ، مطلب خود را ازیں چند سطور دریاب ورنہ تو
معذوری کہ مجوری و مار است گوئیم کہ بردیدہ خود پوئیم، از خود نہ گوئیم کہ ہمہ اوئیم، من بعد معذور دارند کہ بدیں مأمورم۔ والسلام
الراحم نیاز منداہل اللہ المدعو بہر شاہ عفی عنہ

طریقہ وقوف زمانی و عددی

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ

- ۱۔ وظیفہ وقوف زمانی اور وقوف عددی کس طرح کیا جاتا ہے اور اس میں کون سا اسم پڑھا جاتا ہے؟
 - ۲۔ عورت اپنے گھر میں نفی اثبات کا جہر کر سکتی ہے یا نہیں؟
 - ۳۔ بعد انتقال رہنما کے دوسرے پیر طریقت سے بیعت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟
- حضرت جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام آنکہ

- ۱۔ قلب مجازی (مضغہ صنوبری) پر توجہ رکھ کر اللہ اللہ کہا کریں اور زبان کو بند رکھیں۔
- ۲۔ عورات ذکر جہر کر سکتی ہیں۔
- ۳۔ بعد انتقال شیخ طریقت دوسرے شیخ سے بیعت کرنی جائز لکھتے ہیں۔ فقط
دعا گو دُعَا جومہر علی شاہ قلم خود

ایک عارفانہ رباعی کی تشریح اور تفسیر

ریاست بہاول پور کے کمشنر مال اور ملک کے مشہور ادیب علامہ عبد المالک صاحب نے مندرجہ ذیل رباعی
کی تشریح دریافت کی۔

خود را بہ نظر ارہ نگارم صفت زد یک خال سیاہ بر آں رخ مٹوف زد
رضواں ز تعجب کہ خود بر کف زد ابدال ز ربیم۔ چنگ در مصحف زد

حضرت جواب میں فرماتے ہیں:-

فخلصی فی اللہ معظمی للہ جناب مولوی عبد المالک صاحب دام غنائکم وحفظکم اللہ تعالیٰ
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ غنایت نامہ کا شیف مافیہا ہو کر باعث بر تعمیل ارشاد یعنی تحریر معنی و مراد ہر دو شعر
مندرجہ کے ہوا۔ میری ناقابل کے علاوہ عدم رسائی بھی بمذاق شاعر کہ عارف تھا یا غیر عارف مانع از جرات بر تحریر مراد
تھی مگر تعمیل بھی واجب جان کر عارض ہوں۔
ہر دو شعر مندرجہ غنایت نامہ مستفسرہ۔ قَالَ ۛ

خود را بنظر آراء نگارم صفت زد

أَقُولُ یعنی برائے نظارہ دیدن خود نگار و محبوب من آمادہ و جلوہ گر شد۔ گو سبحانہ و تعالیٰ قبل ایجاد موجودات حسن کمال ذاتی خود را در خود می دید و بطور کثرت کثرت الخفیفاً۔ لکن بمقتضای حسن و جمال معنی کمایندل علیہ (فأجبت أن أعرف) خواست که جمال و کمال خود را در مرآی آئینہ ہائے کثرت و حجاب منظر ہر تماشا کند۔ فإن رؤیة الشئ نفسہ فی نفسہ کیست کرویۃ الشئ نفسہ فی المروۃ
قال شاعر

یک خال سیاہ برآں رخ مطوف زد

أَقُولُ۔ رخ مطوف ترکیب توصیفی مطوف بمعنی اسم مفعول از باب تفعیل یعنی این چنین چہرہ کہ گردانیدہ شدہ است حمد عالم طالع و طواف کنندہ بہ گرد او۔ خال سیاہ را در لحاظ است و بادی نظرداغ و عیب گفتش بے جانہ باشد و در نظر ثانی موجب زینت و طور جمال و کمال فہمیدہ شود۔ خال سیاہ این جا کنایہ است از داغ کثرت بر چہرہ وحدت۔ و داغ و عیب شمردن عروض کثرت بر وحدت بہ نسبت محجوب است نہ بہ لحاظ عارف۔ چہ عارف کامل محمدی المشرّب را در شہود می باشد۔ یکے شہود وحدت در کثرت، دوم شہود کثرت در وحدت۔ و کلّ من الشہودین لا یستغنی الاخر بخلاف محجوب کہ از ہر دو شہود محروم است و مجذوب کہ بہ سبب استہلاک در شہود اول ناقص ماندہ۔

قال ۛ رضوان از تعجب کہف خود بر کہف زد

أَقُولُ۔ رضوان یعنی محافظ و ناظر باغ کثرت کہ عبارت است از عارف کامل محمدی المشرّب از تماشا سئ حسن و

لہ ترجمہ کلام فارسی و عربی) — یعنی میرانگار اور محبوب اپنے جمال ذاتی کا نظارہ کرنے کے لیے آمادہ اور جلوہ گر ہوا اگرچہ حق سبحانہ و تعالیٰ موجودات کے پیدا کرنے سے پہلے بھی اپنے ذاتی حسن اور کمال کو اپنے اندر کثرت کثرت الخفیفاً کے لطف میں دیکھ رہا تھا لیکن بہ دلیل فأجبت أن أعرف حسن و جمال معنی نے تعاضد کیا کہ کثرت اور حجاب اور مظاہر کے آئینوں میں اپنے جمال اور کمال کا تماشا اور نظارہ کرے (حدیث قدسی کثرت کثرت الخفیفاً فأجبت أن أعرف۔ میں ایک گنج نہاں تھا پس میں نے پسند کیا کہ چھپانا جاؤں) کہ کسی کا اپنے تئیں دیکھنا اور چہیز ہے اور اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا اور۔

لے رخ مطوف بلحاظ ترکیب توصیفی اسم مفعول باب تفعیل سے ہے یعنی ایسا چہرہ کہ تمام عالم کو اس کا طواف کرنے والا بنا لیا گیا ہے خال سیاہ میں دم ہیں بادی نظر میں خال سیاہ کو داغ کہنا بے جانہ ہو گا اور خال سیاہ ایک لحاظ سے زیب و زینت اور اظہار جمال و کمال کا باعث بھی سمجھا جاتا ہے یہاں خال سیاہ کنایہ ہے چہرہ وحدت پر داغ کثرت سے اور عروض کثرت کو وحدت پر عیب اور داغ سمجھنا عارف کی نسبت سے نہیں بلکہ محجوب کی نسبت سے کیونکہ عارف کامل محمدی المشرّب کو در شہود حاصل ہوتے ہیں شہود وحدت در کثرت اور شہود کثرت در وحدت اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں بخلاف محجوب کے جو ہر دو شہود سے محروم ہے یا مجذوب کے جو شہود اول میں استغراق کے باعث ناقص رہ گیا ہے۔

سہ باغ کثرت کا محافظ و ناظر رضوان یعنی عارف کامل محمدی المشرّب حق تعالیٰ کے حسن و جمال لم یزلی کے تماشا سے حظ وافر اور نصیب کامل حاصل کر کے محو حیرت ہے جیسو رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الہی اپنی ذات کے عرفان اور مشاہدہ میں میری حیرت کو زیادہ کر۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اور اک کمال اس کا عاجز نہ جانا ہے۔ ایک عارف نے کہا ہے عشق بازی فقط گریہ و زاری کا نام نہیں بلکہ حسن معشوق کو عیاں دیکھنا

جمال لم یزلی خطاً وافر و نصیب کامل برداشت کہ حیرت مے باشد۔ قال علیہ السلام۔ رَبِّ زِدْنِي فَيْدًا تَحِيْرًا۔
 قال الصديق رضي الله تعالى عنه كَمَالُ الْإِذْرَاكِ الْعَجْزُ عَنْ الْإِذْرَاكِ۔ عارف نے گفتہ ہے
 عشق بازی نہ ہمیں زاری و گریاں شُدن است
 حُسن معشوق عیال دیدن و حیراں شُدن است
 و وجہ محافظہ بُودن عارف کامل در بارغ کثرت را از حدیث لَا تَقْوُمُ السَّاعَةُ إِلَّا بِخَيْرِهِ و از فضل آدمی
 فصوص محکم باید جست۔

قال ے ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد

أَقُولُ ے مراد از ابدال رہروان طریقت کہ از لغزش پائے دریں راہ بسلامت مانده اند۔ نہ بوجہ استغراق و
 استہلاک در مشاہدہ وحدت مثل مجاذیب یا بوجہ نارسائی بمغز سخن و از وحدت وجود رشتہ سخن را بہ سرحد الحاد و زندہ
 رسانیدہ و مثل متوقفہ از نقص و لغزش محفوظ باعث چنگ زدن بمصحف و اتباع شرعی شدہ اند۔ نہ مشاہدہ تجلی تنزیہی
 (لیس کمثلہ شیء) در حق او شان مانع از شہود تجلی تشبیہی (هو الظاہر) گشتہ و نہ بالعکس۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ
 تُحِبُّونَ اللَّهَ ے ذَالِكَ فَضَلُّ اللَّهُ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

والحمد لله أولاً و آخراً و الصلوة والسلام علی رسولہ سیدنا محمد و علی آلہ و
 صحبہ ظاہراً و باطناً۔

ایں است اجمال آنچہ مأمور شدیم باظهار آں۔ و العلم عند اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور حیران رہ جانہ ہے۔ اور بارغ کثرت میں عارف کامل کے محافظہ ہونے کا ثبوت حدیث پاک لَا تَقْوُمُ السَّاعَةُ إِلَّا بِخَيْرِهِ اور کتاب فصوص الحکم
 کی فص آدمی میں ملاحظہ کرنا چاہیے۔

ۛ ابدال سے مراد وہ رہروان طریقت ہیں جو اس راہ میں لغزش پائے محفوظ رہ گئے ہیں۔ نہ تو مجاذیب کی طرح مشاہدہ وحدت میں
 غرق ہو گئے ہیں اور نہ اُن لوگوں کی مثل ہیں جو مغز سخن اور وحدت وجود کے راز کو نہ پہنچ کر رشتہ سخن کو الحاد کی سرحد پر پہنچا دیتے ہیں۔
 بلکہ صوفیائے کرام کی طرح نقص اور لغزش سے اس لیے محفوظ رہے ہیں کہ مصحف قرآن کریم اور اتباع شرع شریف کو اپنے ہاتھوں
 میں مضبوط تھام لیا ہے۔ اِن کے حق میں نہ تجلی تنزیہی کا مشاہدہ (جو لیکن کمثلہ شیء) کا مصداق ہے (تجلی تشبیہی کے مشاہدہ کا مانع ہے اور
 نہ مشاہدہ تجلی تشبیہی (جو هو الظاہر کا مصداق ہے) تجلی تنزیہی کے شہود سے روکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
 فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ کا نتیجہ ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

نوٹ۔ تنزیہ سے لیس کمثلہ شیء یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور تشبیہ سے هو الظاہر یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر ہے
 (بذریعہ مظاہر صفات) مراد لیتے ہیں۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ ے۔ یا رسول اللہ فرمادیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت
 رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ (آیت)

تحریک خلافت اور بیعت امامت کے متعلق مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی محلّی کا خط اور

اُس کا جواب

حضرت کا تعلق دارالعلوم فرنگی محلّی سے اپنے زمانہ طالب علمی سے تھا اور مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی محلّی سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے مولانا جمعیت العلماء ہند سے بھی منسلک تھے جو مسلمانان ہند کی ایک سیاسی جماعت تھی۔ اُن دنوں تحریک خلافت کا بڑا چرچا تھا۔ مولانا نے حضرت کی خدمت میں اسی تحریک کے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اُس وقت کے حالات کے تحت بیعت امامت کے شرعی جواز یا عدم جواز کے متعلق استفسار تھا۔ مولانا کا خط من و عن درج کیا جاتا ہے تاکہ حضرت کا جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس خط کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کے اپنے خیال میں ایسی بیعت خلافت سنت تھی مگر اُن کی جماعت کے لوگوں کی رائے مختلف تھی۔

دفتر جمعیت العلماء و کتوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مورخہ ۲۶۔ شوال ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً و مصلياً و مسلماً

مکرمی دام مجدداً۔ السلام علیکم۔ چند امور اشترکاً اِلتماس کیے جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ان کے جواب سے سرفراز کیا جائے گا۔ مقصد صرف اصلاح ہے، نہ فساد، نہ کسی منصب کی طلب، نہ کسی شخصیت سے عناد ہے۔ اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہیے۔

میں اس جگہ اُن خطابت و شبہات کا بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالت مجبوری کے پیش آنے والے ہیں۔ نہ اُن افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قیم کے سرزد ہوئے نہ اُن تجربات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں غدر کے وقت حاصل ہوئے اور جن پر نظر کر کے یہ تحریک دینی رہی اور علماء نے اس کے احرار پر حرّات نہ کی میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

سوال اول: مسلمانان ہند میں جس قدر مذہبی سیاسی انتشار ہے اُس کے رفع کرنے کے لیے کیا جمعیت علماء ہند کافی نہیں ہے اور اُس کی اصلاح پر اُدھر استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ تعداد و عبادات میں کسی مرکز کا قائم ہو جانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟

سوال دوم: بیعت امامت جب بھی کسی غیر مقلد نے کی ہے۔ اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر ناکامیاب ہوئے تو ایک جدید فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونہ ہندوستان میں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے بلا ضرورت اِستدام اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

سوال سوم: مجھے جہاں تک علم ہے اِستِلائے کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلافت سنت ہے بلکہ

لہذا بیعت کے لیے اُس شخص جو شرعی طریقوں کے بغیر بیعت امامت ہو اُسے غلبہ

دارالحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جناب کو ثبوت ملا ہو تو اس سے ضرور ایما فرمائیے۔
میں بیعت ہجرت اور جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفا کر لوں گا۔ اس واسطے کہ مقصد ان بیوع کا مشترک ہے۔ اگر اس قسم کی بیعت ثابت ہو گئی تو بلا توقف میں قبول کر لوں گا۔ ورنہ خطرات اور شہادت کے ہوتے ہوئے اور تجربات اکابر پر جو رائے مبنی ہے اُس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے۔ باوجود اس کے جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا قصد نہیں ہے۔ فقط

فقیر محمد قیام الدین عبدالباری، فرنگی محل، لکھنؤ

حضرت نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مولانا عبدالباری صاحب کی علمی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا۔ اُس کا مختصر مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہندوستان میں اُس وقت انگریز کی حکومت تھی اس لیے خلافت یا امامت اسلامیہ کا وہاں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اندریں حالات بیعت امامت یا بیعت خلافت بھی غیر متصور تھی۔ اور اگر مولانا اپنی جماعت کے اصرار پر ایسا کر بھی لیں گے تو ثبوت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا اقدام غیر شرعی اور غیر دانشمندانہ ہوگا۔
حضرت کا جواب مندرجہ ذیل ہے:-

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبی بعدہ

اما بعد۔ جناب کے سوالات ثلاثہ مُرسلہ بذریعہ ڈاک موصول ہوئے تعمیلاً للارشاد ما حضر پیش خدمت ہے۔ ورنہ بوجہ بضاعت علمیہ و کم فرصتی میں اس قابل نہیں کہ جوابات کے لیے مجھے مخاطب بنایا جائے۔ جناب نے فرمایا ہے کہ میں تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

(یہاں مولانا صاحب کے تین سوالات درج کیے گئے ہیں)

الجواب وهو الموفق للصواب

میں جناب کے سوالات ثلاثہ کا صرف ایک ہی جواب فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔ وہ ہذا:-

امامت یا خلافت چونکہ عبارت ہے ریاست و تسلط عام سے تصدی میں اقامت دین کے لیے جس کے تحت میں کئی انواع مندرج ہیں مثلاً احیاء علوم دینیہ و اقامت ارکان اسلام و قیام بالجہاد و ما يتعلق بہ چنانچہ ترتیب جیوش و فرض للمقاتلہ۔ یعنی فنی میں سے ان کو دینا اور قیام بالقضاء اور اقامت حدود و رفع مظالم و امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیابتاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو صورت استیلاء کفار یا دار حرب جب امامت ہی متصور نہیں تو بیعت امامت کے کیا معنی اور طریق چہاں گانہ امامت کا کیا ذکر ریاست عامہ کے مفہوم میں سلیم علماء مسلمین جو علوم دینیہ کی اشاعت فرماتے رہے اور قضاء قضائہ امتصار و تعمیلات امر جیوش بعد خلافت و امامت داخل نہ تھیں تو آج کل بحالت استیلاء کفار جمعیت علماء کی کارروائی یا نام کی مدافعت کے لیے تسلط اور ریاست کے مفہوم میں داخل ہونے کا کیا استحقاق ہے۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ زمانہ میں علماء کی

لے متعرض ہونا ۱۱۱ لشکر ۱۱۱ وہ مال جو حکومت اسلامیہ کو بلا متبادلہ کفار سے حاصل ہو ۱۱۱ شہر

کاروائی نہ خلافت ہے نہ امامت تاکہ مجملہ طرق اربعہ انعقاد بیعت کو بھی فی الجملہ ضروری سمجھا جائے اور نہ کوئی شخص در صورت استیلاء بیعت لینے کا مستحق ہے۔ اور نہ اس کے لیے جائز کیونکہ در صورت عدم مکافات بر تصریح فقہار کرام امام کے لیے قتل و مقاتلہ مباح نہیں۔ مذہبی سیاسی انتشار کی مدافعت میں جمیعت العلماء کی غیر معتزہ و کور و کرا نہ تحریکات نے بغیر اس کے کہ محرک و متحرک الی الکابل کو مضحکہ و محل تمسخر کفار بنایا ہو کیا فائدہ بخشا۔

معروض بذمیں تدبیر فرمانے کے بعد جناب خود ہی اپنے ارشاد مندرجہ سوال سوم (میں بیعت ہجرت و جہاد کے ثبوت پر اکتفا کر لوں گا) شرطیہ صادقہ بصدر الربط الایجابی ٹھہرائیں گے نہ یہ کہ اس کو بصدر الطرفين او احدہما صادق مابین تجربیات اکابر بقول حافظ علیہ الرحمۃ ہے بشنو کہ پسند پیراں بیعت زیاں نہ دارد

بنی علیہ لا آراء ہونے کے مستحق ہیں اور یہی دانشمندی ہے۔ ہذا ما عندی والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاد آخراد الصلوٰۃ والسلام منہ باطنًا علیہ ظاہرًا وآلہ وصحبہ طرًا۔

العبد المبتقی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود از گولڑہ

حضرت کا مکتوب شریف بحواب حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی

حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی نے بھی اسی موضوع پر ایک خط حضرت کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کا جواب مندرجہ ذیل ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکرمی و معظمی سجادہ نشین صاحب دامت عنایتکم

تسلیمات تعمیلًا للارشاد بحواب سوالات ثلاثہ گذارش ہے۔

سوال اول۔ جناب کے خیال میں شریعت اسلامی کی رُو سے مسلمانان ہند کو کیا کرنا چاہیے۔ اگر حمایت اسلام ان پر فرض ہے تو بے دست و پا مسلمان جو مادی قوت نہیں رکھتے، بے دست و پا حمایت کا کیا طریقہ اختیار کریں؟

جواب اول۔ بلحاظ مصائب دائرہ نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ کل اہل اسلام کو حاکم سے محکوم تک منشاء مصائب کا ازالہ کرنا چاہیے۔ یعنی تہ دل سے بخضوع و خشوع رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا الْاَیْمِ بِجَنَابِ بَارِی عَزَّ اسْمُہُ عَرْض کریں اور اپنے نامشروع افعال سے تائب ہوں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ اللّٰهُ لَا یُعْیِزُ مَا یَقُوْمُ حَتّٰی یُعْیِزُوْا مَا یَاْفِئُہُمْ الْاَیْمِ اِذَا مَا سَتَکَہُ بِرَاسَتَ ظَہَرُ الْفَسَادِ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ تَاکَہُ یَاْ اَیْہَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُتَافِغِیْنَ وَ اَغْلُظْ عَلَیْہُمْ کی تعمیل میں حسب وعدہ صادقہ کہ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی گمبائی

لہ حضرت آدم و نوح اور توہین کی دُعائے مقبول قرآنہ اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (وَ اِنْ لَّمْ تَعْفُ رَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ) اور اگر تُو نے ہمیں مُعاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

۱۱۔ خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ جو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۱۲۔ کہ نبی آدم کے ہاتھوں وہ افعال سرزد ہوئے کہ بحر و بریں فساد پر پا ہو گیا تھے اسے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر پوری شدت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم پر حق ہے کہ مومنین کی نصرت فرمائیں۔

ہو۔ آیہ استخلاف میں قید دَعَمُوا الصُّلَحَاتِ واجب الحماط و مدارِ حکم لَيْسَتْ خِلْفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ ہے اور ظاہر ہے کہ ارشادِ جہادِ کریمہ سیف کا تعلق سلاطینِ اسلام و اصحابِ جمعیت سے ہے۔ خدا کرے کہ سلطنتِ مظلومہ اسلامیہ ظالموں کے پنجہ سے (خذ لهم الله تعالى) نجات پا کر بعد حصولِ جمعیت و استطاعت جس کی مدارِ قلت و کثرت نہیں بلکہ تقویٰ اور قوتِ ایمانیہ ہے تعمیل کریمہ مذکورہ بالا کا اعزاز حاصل کرے بغیر اس کے امام کو بھی قتالِ مباح نہیں مسلمانانِ ہند کی ہستی تو بیچ ہے۔ مصرحہ و مسلمہ فقہاء کرام ہے ہذا اذا غلب ظنه انه يكا فيهم والا فلا يباح قتالهم

سوالِ دوم۔ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ نصرت و حمایت کے تعلقات رکھنا جن پر حکومت کو قوت و شوکت حاصل ہے حرام ہیں یا نہیں؟

جوابِ دوم۔ ایسے تعلقات جن میں اعانتِ کفر و معصیت ہو مسلم سے بھی حرام ہیں فضلا عن الکافر بغیر ان کے دنیوی معاملات جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو۔ بغیر مرتد کے کسی کافر سے مطلقاً نہ تصریح فقہاء حرام نہیں۔ البتہ بلحاظِ مظالم دائرہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کٹی بندش ہو سکے تو کسی قدر انتقامی تدبیریں شمار کی جاسکتی ہے وَمَا هَذَا عَلَى اللَّهِ بِعَسِيرٍ مگر اصلی طریق ازالہ منکرات دائرہ کا وہی ہے جو آیہ کریمہ بالا میں ہے۔

سوالِ سوم۔ دنیوی لحاظ سے جو معمولی ہستیاں تھیں لیکن ان کے دل درودِ اسلامی سے معمور تھے انہوں نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دی ہے عوام کو مطلع کرنے کے لیے۔ تحریر سے تقریر سے وہ فریضہ تبلیغ انجام دینے میں سرگرم نظر آتی ہیں لیکن جو ہستیاں اسلام کے علم بردار اور مخلوق کی نظر میں باوقار اور مؤثر تھیں وہ ساکت ہیں کہ گویا ان میں جس ہی نہیں۔

جوابِ سوم۔ جناب خیال فرما سکتے ہیں کہ جب معمولی ہستیوں کا یہ حال ہے تو علم بردار ہستیاں ازالہ مظالم وار دہ میں ساکت و بے حس کیسے ہو سکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ بوجہ اختلافِ آراء دربارہ مدلولاتِ آیاتِ بینات و مشروعات و نامشروعات خصوصیات و کیفیات جلسات و در صورتِ شمولیت بوجہ تفرقہ اصلی مدعا فوت ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حسبِ طرزِ مشائخ کرام حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی و حضرت خواجہ اللہ بخش و سیدنا حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بفضلہ تعالیٰ و توفیقہ تبلیغ میں دریغ نہیں فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیق استقامت بر صراطِ مستقیم عنایت فرما دے زیادہ زیادہ۔

نیاز مند از گولڑہ

۱۔ سورہ نور آیت ۵۵ بمعنی "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے (دَعَمُوا الصُّلَحَاتِ) اور اچھے کام کیے، وعدہ کیا ہے کہ (لَيْسَتْ خِلْفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ) البتہ ان کو زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور البتہ ان کے واسطے ان کا دین، جو ان کے لیے پسندیدہ کر دیا ہے، ثابت کرے گا اور ان کے دُر کو امن میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ شریک نہیں لائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کریں وہ لوگ فاسق ہیں۔"

یعنی سلطنتِ عثمانیہ ترکہ جس کے ساتھ انگریز بربر جنگ تھے یہ اس وقت مباح ہے جب تک کہ کو خیال ہو کہ وہ جہاد کے لیے کفار کے مقابلہ میں کافی مضبوط ہے درنہ قتالِ مباح نہیں۔ ۲۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے

جامی علیہ الرحمۃ کی ایک رباعی کی تفسیر

حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی مستدرجہ ذیل رباعی کو مضمون وحدت الوجود کا خلاصہ فرمایا کرتے تھے۔
 نہ بشر خوانم آسے دوست نہ خور و نہ پری ایں ہمہ بر تو حجاب اند تو چیزے دگری
 بیچ صورت نتواند کہ گنبد بند ترا در صورت ظاہری اما نہ اسیر صورتی
 یعنی یہ سب تعینات و اشکال گویا لباس کی طرح ہیں تیری حقیقت ان میں بند نہیں جیسے انسان کسی مخصوص لباس
 میں بند نہیں ہوتا اگرچہ ہزاروں لباس پہن لے۔ ایسے ہی ان سب تعینات جلوہ گری کے باوجود حق تعالیٰ ان سب سے
 دوری ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حقیقت اُس کے حسب ارشاد لیس کمثلہ شئی بے مثل بے مثال ہے اور کوئی شے اُسے
 احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اُس کے حسب ارشاد اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطٌ۔ وہی ہر شے کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگرچہ یہ
 احاطہ بھی ہمارے علم و ادراک سے بلند ہے اور اُس کی گتہ میں معلوم نہیں جیسا کہ حضرت مولانا روم کے شعر ذیل میں ہے۔
 در تصور ذات حق را کنج کو تا در آید در تصور ذات او
 تصور میں ذات حق کی گنجائش کہاں کہ اس کی مثل تصور میں آ سکے۔

حضرت مولانا جامی کی مذکورہ بالا رباعی سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم ظاہر کی بنا پر اس سب جلوہ گری
 کے باوجود اپنے اسم باطن کے اعتبار سے ہر چیز سے دوری اور ہر فہم و دہم سے بلند ہے تاکہ تشبیہ اور تنزیہ و ذیل پر ایمان
 مکمل ہو اور یہی صوفیائے کاملین کا مسلک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر ناظر ہونے کے متعلق تنفسا کا جواب

مُلَکَان سے دربار پیران پیر کے مشہور بزرگ اور سجادہ نشین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
 نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق بعض علمائے وقت
 کے باہم اختلاف پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مسلک دریافت کیا تو جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حاصلاً و مصلیاً از نیازمند اہل اللہ المدعو بہر علی شاہ الی سید المکرم جناب مخدوم صدر الدین شاہ صاحب ملکانی
 حفظہ اللہ تعالیٰ دامت عنایتہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اما بعد عنایت نامہ مشتمل بر تنازع علمائے کرام در بارہ ہوا از اطلاق بشر بر آنحضرت
 علیہ الصلوٰۃ و عدم آں و حاضر ناظر ہون حضرت سید البشر و امتقائے آں ملاحظہ سے گزرا۔

میں اس قابل نہیں ہوں کہ اہل علم و فضل کے مابین محاکمہ و مداخلت کروں مگر امتثالاً لامر السامی ما حاضر عرض کرنے پر مجبور ہوں۔
 مخدوم! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لیے ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تحکیم و تعظیم واجب اور ضروری
 ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں محسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت میری ناقص راستے

میں لفظ بشر مفہوم آدم و مہدیٰ متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں کھتا
لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ انحصار خواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت
لفظ وال تعظیم ناجائز۔ (توضیح) آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا وعلیہ السلام
کو شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے (وَمَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ) چونکہ ملائکہ اس کمال آدم
سے بے خبر تھے۔ ایسا ہی ابلیس بھی فقالوا ما قالوا۔ فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتنا نے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالفقو
ہوئے۔ فقالوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اور ابلیس کو علاوہ تصور جہل کے غرور بھی تھا۔ لہذا آئی د
اُسْتُكْبِرَ الْإِنْسَانُ هَكَذَا قَالَ الشَّيْخُ الْاَكْبَرُ قَدْ سَرَّهَ الْاَاطَهَرُ بِمَالِهِ وَمَا عَلَيْهِ فِي جَوَابِ سَوَالِ حَكِيمِ الدَّرَمِذِيِّ۔
۲۔ بشری کو کمال استعلا کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص منظریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر و
مراہ کمال استعلا سے ازگروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابوالقاسم آنحضرت اصالتہ وازجماعت اولیائے کرام وارث
مصرع وَاِنِّي عَلَى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرُ الْكَمَالِ۔ سیدنا عبد الفت در و امثالارضی اللہ تعالیٰ عنہم وراثتہ مظہر اکمل
اتم لاسمہ الاعظم ٹھہرے۔ بشری کے لیے تنزل اخیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئت اجتماعیہ و ترکیبات
اسمائیہ و اتصالات و اوضاع اتی خمرت طینتہ آدم سے لے کر تا ظهور جسد غرضی صلی اللہ علیہ وسلم و اتباعہ من اکمل کو متوجہ
کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تاکہ مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ کَاآئِنِہٖ وچہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق منسب ہو۔
قصہ مختصر بشری ہے کہ جس کو ۷

خواہی کہ خدا بینی در چہرہ من بسنگ

من آئینہ ادیم او نیست جدا از من

ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کا بشر کہنا از قبیل ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاسماء المعظمہ
ہوا بخلاف غیر عارف کے کہ اس کے لیے بغیر انصاف کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ
میں بشر کے بعد یوحنا آئی اور تہمید میں عبدہ کے بعد رسول۔ اور کلام اہل عرفان میں ہے فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ
وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كَلِمَتِهِمْ۔

میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت و الجماعت سے ہیں اور ذکر آنحضرت کو بالاسماء المعظمہ
واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔ لہذا ان سے ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ معاذ اللہ فرقہ ضالہ نجدیہ و ہابیہ کی طرح صرف
لفظ بشر کا اطلاق جائز کہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ بقصد تحقیر لفظ بشر کا استعمال ناجائز اور بغیر اس کے جائز۔ مگر میری رائے

۱۔ آیت فرمان الہی ابلیس کو: اور کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

۲۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے دے رکھا ہے۔

۳۔ شیطان نے انکار کیا اور تکبر اختیار کیا ۴۔ اور میں نبی بدر الکمال کے قدم شریف پر ہوں (قصیدہ غوثیہ)

۵۔ جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا۔ (الحديث)

۶۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے (قرآن) ۷۔ بے شک حضور بشر ہیں اور بے شک اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

وہی ہے جو اوپر بیان کر چکا ہوں کہ صرف لفظ بشر کا اطلاق بغیر انعام کلمات تعظیم نہ چاہیے کہ بوجہ شیوع عرف و قصہ نہ صرف خدا صرف بشر کہتے ہیں ایہام امر ناجائز کا ہے۔

۱۳۔ رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحمد العنصری ہر مکان و ہر زمان میں حاضر ناظر ہونا۔ تو یہ امر مختلف فیہ ہے۔ فَقَائِلُ وَ مُنْكَرُ دَلِيلُ وَ جَهَنَّمُ میرے خیال میں ظہور و سر بیان حقیقت احمدیہ ہر عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند المحققین من الصوفیہ ثابت ہے۔ اس کو حقیقت الحقائق کہتے اور کہتے ہیں۔ فَهُوَ نُورٌ دَاخِلٌ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا۔ جو بصورت معنویہ قلب تعقی نقی اور جسد شریف عنصری کے ظاہر ہوا۔ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصورت مثالیہ شریفہ علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و ہر زمان میں احادیث صحیحہ میں ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے۔ کافی حدیث البخاری فی کتاب الایمان۔ اہل تجربہ کو ظہور کذا فی مثالی کا کثر تا مراً اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ البتہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحمدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ سے ملتا ہے اور بلحاظ واقعہ معراج شریف و خصائص و لوازم محققہ جسد شریف علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام سے متبعہ بھی نہیں۔ هَذَا مَا عِنْدِي وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ۔

آخری معروض۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا تھا کہ ابنی ہذا اسید لعل اللہ یصلحہ یہ بین المفتئین من المؤمنین۔ آپ بھی چونکہ سید حسنی ہیں فریقین کو تحریر بذاتنا کر آپس میں ملا دیں۔ اور ہدایت کریں کہ ایک دوسرے کو بُرا نہ کہیں اور ایسا ہی عوام کو بھی۔

۱۴۔ اس کار از تو آید و مرزاں چنیں کند

الماتجی والمشتکی الی اللہ المدعو ابھر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کے غلط اعتقاد کی تردید

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کا اعتقاد صحیح ہے یا غلط حضرت قبلہ عالم قدس بتدرہ جواب میں فرماتے ہیں۔

فخاصی فی اللہ مولوی فضل احمد صاحب

بعد سلام دُعا آنکہ۔ بوجہ علالت طبع بجواب مکتوب توقف ہوا۔ مکرما مسئلہ افضلیت میں حق بجانب آپ ہیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کا معتقد ہے وہ سراسر لسان شریعت اور لسان حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ فقہاء اور محدثین و سائر علماء اسلام کا معتقد یہ مجمع علیہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل المخلوقات ہیں حتیٰ کہ مساجد و سائر ائمہ متبیین کے عرش و کرسی سب سے۔ اور بحسب لسان حقیقت ایمان و اسما سب ظہورات ہیں حقیقت محمدیہ کے بنائلیہ افضلیت اس کی سائر صفات پر ٹھہری صفت میں جو یا غیر اس کا۔ لہذا واعظ صاحب کو بوجہ عدم رسائی مبنی علیہ دوسرے ثبوت افضلیت علی القرآن میں بھی جاہل کہنا نامناسب نہیں۔ هَذَا مَا عِنْدِي وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

۱۵۔ بعد ۱۶۔ یہ میرا فیما سدا ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی ہمتوں میں شمع پیدا فرمائے گا۔

اَدْلًا وَاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْهُ بَاطِنًا عَلَيْهِ وَظَاهِرًا دَالَةً وَصَحْبِهِ .

دعاگو، از گولڑہ (۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء)

سجدہ تعظیمی کی ممانعت

۱۹۲۲ء میں نظام المشائخ اور خطیب دہلی کے ایڈیٹر نے ایک صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں دو مشائخ کے باہم سجدہ تعظیمی کے متعلق بحث چل رہی ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ سجدہ لکھنا جائز ہے اور اس کی تمام اشاعت کرنی چاہیے اور دوسرا اس کو ناجائز کہتا ہے اور روکنا چاہتا ہے۔ دونوں نیک نیت ہیں جس کی غلطی ثابت ہو جاوے گی وہ ہرگز ہرگز ہٹ دھرمی نہیں کرے گا۔ انتخاب اگر توجہ فرمادیں تو قصہ باسانی طے پاسکتا ہے چنانچہ حضرت کے مندرجہ ذیل جواب کو واحدی صاحب نے کئی اخبارات میں شائع کروادیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُخْلِصِ فِی اللّٰہِ اَیْڈِیٹر خطیب صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

بعد سلام و دعا آنکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ کو عبادت مختصہ بالخالق عز اسمہ ٹھہرایا گیا ہے اور اسی پر ہے تعامل صحابہ و تابعین و تبع تابعین و من بعدہم الی یومنا ہذا علیہم الرضوان۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مقبول سے جس وقت اُس کی چشم شہود میں غیب اللہ نہ ہو سجدہ مخلوق کی طرف وقوع میں آئے۔ غایت مافی الباب از رُفے نظر بجانب مستی و غلبہ کہ وہ مقبول خدا میں عند ارباب تحقیق مانو و مجرم نہ ٹھہرایا جاوے گا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم و علمہ اتم۔

الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بہر علی شاہ عفی عنہ ربہ لعلم خود از گولڑہ

ایک آیت کریمہ کے متعلق تفسیر تبصیر الرحمن کی تشریح

حضرت کے ایک مخلص مولوی غلام محمد صاحب نے ایک آیت کی تفسیر دریافت کرتے ہوئے لکھا:-

سیدی و سندی و مولائی دام ظلمکم

بعد سلام مستون معروض خدمت سراپا برکت اینکہ پارہ چہارم سورہ النسا تحت آیت کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہِ وَالْاَرْحَامِ عَلٰی اَلْمَہْمٰی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی در تفسیر تبصیر الرحمن سے فرمائیے۔ ہذا علی قرۃ الجبر بحذف المعطوف من الاصل والمعطوف علیہ من الفرع۔ فہما مطلب عبارة الشيخ المرحوم وتفسیرہ المنکور عند کھ موجود۔ فقط والسلام علیکم

غلام محمد عفی عنہ از پشاور

جواب میں حضرت فرماتے ہیں:-

اے اُس خدا سے ڈرو جس کے نام سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے اجتناب کرو۔

قولہ۔ بعد من المعطوف من الاصل ای و اتقوا الله والارحام والمعطوف علیہ من القرۃ ای باللہ تقدیر الکلام۔ و اتقوا الله الذی تساءلون بہ والارحام۔ یہ حمد اصل ہے
والذی تساءلون باللہ والارحام۔ یہ حمد فرع ہے۔

پہلے جملہ میں معطوف علیہ یعنی اللہ مذکور اور معطوف یعنی والارحام معترض۔ دوسرے جملہ میں معطوف علیہ یعنی باللہ معترض اور معطوف یعنی والارحام بالآخر مذکور۔

واعی و مستدعی مہر علی شاہ بقلم خود و السلام

موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بہ موتے

الطاف حسین صاحب اور راجہ شیر محمد خان بھیروی نے موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بہ موتے کے متعلق سوالات کیے تھے حضرت نے حسب ذیل جوابات تحریر فرمائے :-

سوال الطاف حسین صاحب۔ مردہ کی روح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے۔ آیا جواب دہی میں ماخوذ ہو جاتی ہے یا دنیا میں اپنے جسم عنصری کے اوپر پرواز کرتی رہتی ہے جیسا کہ بعض اہل ہنود کا خیال ہے۔

جواب۔ زمین کی روح افلاک سبع سے اوپر علیین میں اور کفار کی اسفل السافلین میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ صرف جوابی کے لیے بدن عنصری کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے جس کا اثر دگر گونہ حیات ہے۔ نہ حیات دنیوی جو مشاغل تغذی اور چلنے پھرنے کا ہے۔ جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا۔

نوٹ :- دنیا میں روح حقیقی کو جو قدس الذی من امر ربی سے مراد ہے روح ہوائی کے ساتھ راکب اور مرکب کا تعلق ہے بعد الموت روح ہوائی بعنوان دیگر بخار لطیف معجم عنصری کے فنا ہو جاتے ہیں اور روح حقیقی کو بجائے روح ہوائی کے ایک اور روح برزخی سواری کے لیے ملتا ہے جو عالم مثال میں سے ہے۔ دنیا میں بھی اور بعد الممات عالم مثال میں بھی یہ مرکب جسے نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں روزن ہے قبول فیضان کے لیے روح حقیقی سے جو عالم قدس میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی ان اوراق میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

سوال ۱۔ راجہ شیر محمد خان :- والدین یا مولود فوت ہو جائیں تو کیا فریق پس ماندہ انہیں تحفہ تحائف یا کلام اللہ یا شایے خورد و نوش یا پارچات وغیرہ پہنچا سکتا ہے؟

جواب۔ محتاج کو طعام و پوشاک دینے کا ثواب اور کلام اللہ پڑھنے والے کو کلام اللہ دینے کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ ایسا ہی درود وغیرہ و کلام الہی اور فعل خیرات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔

سوال ۲۔ تقدیر و پیاز یوریا کوئی خاص پارچہ جو اس اہل عدم نے حیات میں طلب کیا ہو اور میسر نہ ہوا ہو اب وہ نقد دیا جاوے تو کس طرح سے؟ اگر پارچہ ہے تو اس کی قیمت دی جائے گی یا خود کسی کو دیا جائے یا کس طریقہ سے جو اس کو پہنچے؟

جواب۔ وہ اشیاء جن کو متوفی نے بعینہ طلب کیا ہو۔ گو ان کی قیمت کا دینا محتاج کو متوفی کے لیے مفید اور جائز ہے مگر

ان اشیائے مطلوبہ بعینہ کا دینا مناسب تر ہے۔

سوال ۳۔ اگر پسماندہ کا خیال ہو کہ قبر پر جا کر اس کو بخشے تو کس طرف بیٹھے گا اور کس کلام مبارک کا ختم شریف کر کے اس کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرے گا۔ کس تعداد تک، آیا اس کے واسطے کوئی خاص مقدار ہے یا جس دن چاہے؟

جواب۔ میت کے مرنے اور سینہ کے مقابل پشت پر قبلہ ہو کر الحمد شریف مع الحمد ذالک الْکِتَابُ لَا رَيْبَ فِیْهِ۔ مُفْلِحُونَ تک ایک مرتبہ اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اخیر تک گیارہ مرتبہ پڑھے اور ثواب میت کو بخشے یا جو کچھ کلام اللہ یا کلمہ شریف یا دُرود شریف پڑھنا ہو سب کا ثواب بخش دے۔

سوال ۴۔ اگر پس ماندہ چاہیں کہ اُس دوست گم شدہ کا دیدار کریں یا کہ وہ مجھے دیکھے تو کس کلام شریف کے ذریعہ سے؟ ظاہری دیکھنا تو غیر ممکن ہے مگر خواب میں دیکھا جائے تو وہ کلام کون سی ہوگی؟ اور کس تعداد تک پڑھی جائے گی اور کس وقت پر؟

جواب۔ رات کو سورۃ الشمس، والیس، والفحی، الم نشرح، ہر ایک سورہ سات سات مرتبہ پڑھ کر ان کا ثواب میت کو بخشے اور پھر کسی سے کلام نہ کرے، سو جائے۔

سوال ۵۔ ارواح کا آنا اپنے گھروں میں ہو سکتا ہے تو کس عرصہ تک، ہر روز یا کسی خاص دن، اگر خاص دن ہے تو کون سا ہے؟

جواب۔ ارواح کا تعلق کسی قدر بدن سے چالیس روز تک ایسا ہی ہر شب جمعہ درو جمعہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اس تعلق خاص کو آنا سمجھئے نہ یہ کہ عالم ارواح سے نکل کر جسم کی طرف انتقال مکانی کرتے ہیں۔ البتہ ان کا دو ایام مذکورہ خاص تعلق ایسا ہی اثر رکھتا ہے جیسا کہ وہ خود آگئے ہیں یعنی بحیثیتِ مشیتِ ایزدی یا خبر ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بروز عید و عاشورہ، ماہِ رجب کا پہلا جمعہ اور ماہِ شعبان کی پندرھویں رات اور شب قدر اور ہر جمعہ کی رات میں ارواح قبروں سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اپنے پسماندگان سے سوال کرتے ہیں کہ اس مبارک رات میں ہمارے ساتھ کسی صدقہ یا طعام سے امداد کرو کہ ہم محتاج ہیں (کتاب در السبحان للسیوطی و کتاب دقائق الاخبار امام عبد اللہ ص ۲) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح موتے ایام مذکورہ میں اپنے گھروں کے دروازہ پر آتے ہیں۔

سوال ۶۔ اگر پس ماندہ مہجور شدہ چاہے کہ مجھے صبر حاصل ہو تو کس کلام شریف کے ذریعہ کس وقت اور کس تعداد سے ورد کرے۔ اگر اذنبے بہت ہو تو کس قدر پڑھے گا۔

جواب۔ اسمِ یاسجی یا قیوم ایک ہزار مرتبہ بوقتِ اذان فجر پڑھے۔ اگر اس قدر نہ ہو سکے تو تین سو مرتبہ پڑھے۔ بعد ازاں دل پر دم کرے۔

سوال ۷۔ دوست مہجور شدہ کا مطلب ہو کہ دوست گم شدہ کا خانہ سکونت کی جس میں وہ مدفون ہے وہ منور ہو اور اعلیٰ قسم کی رحمتیں خداوند کریم جل شانہ سے اُس پر نازل ہوں تو کس کلام شریف کا کس قدر اور کس وقت اور کس دن میں اس کا ذکر کرے؟

جواب۔ اُس جگہ کلام اللہ شریف پڑھے اور پڑھوئے، ایسا ہی دُرود شریف جس قدر ہو سکے۔

سوال ۸۔ اگر دوست گم شدہ مہجور شدہ میں کسی چیز خورد و نوش کی زیادہ خواہش رکھتا تھا۔ اب اُس کو دوست مہجور شدہ

کس طرح سے پہنچا دے ہر دن یا کسی خاص دن میں اور اس کی تجویز کیا ہوگی؟
جواب۔ ہر دن یا شب جمعہ یا جس دن اور جس وقت چاہے پہنچا سکتا ہے۔ البتہ ہر شب جمعہ و ایام عید و عاشورہ وغیرہ ضرور طعام یا کلام یا کسی خیرات، کپڑا وغیرہ کا ثواب پہنچانا ضروری ہے۔
سوال ۹۔ کلمہ شریف یا کہ درود شریف کا ثواب بخشا کسی کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟ سنا گیا ہے ناجائز ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب۔ جائز ہے۔

سوال ۱۰۔ اگر دوست گم شدہ کسی قہر موشی کی خواہش رکھتا ہو از قہر عام موشی یا کہ از قہر پرندگان۔ اب ان کا پہنچانا کس طرح سے ہوگا۔ آیا وہ چیز زندہ دی جائے یا اس کی قیمت اگر زندہ دینے کی خواہش ہو تو کس کو دی جائے اور کس طریق سے دی جائے؟

جواب۔ زندہ دینا محتاج کو بہ نسبت قیمت کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال ۱۱۔ ملا جو قبر پر بٹھائے جاتے ہیں وہ کس عرصہ تک پڑھتے رہیں؟ قرآن شریف ہی پڑھتے رہیں یا کوئی اور کلام؟
جواب۔ چالیس دن تک قرآن شریف پڑھایا جاوے مگر بلا شرط اُجرت کیونکہ قرآن شریف کی اُجرت یعنی دینی حرام ہے ہاں اگر پڑھنے والے کو لالچ نہ ہو اور دینے والا اُجرت سمجھ کر نہ دے تو جائز ہے مگر مشکل ہے۔ لہذا اچھا ہے کہ دوست یا خویش و اقارب جو بلا اُجرت پڑھنے والے ہوں پڑھیں۔

احترام سادات کے متعلق حضرت کی ایک قلمی تحریر

سید مرزا حسین شاہ صاحب کوٹ فتح خان ضلع کیمیل پور قلندرانہ روش رکھتے تھے۔ ان کے پاس ان کے عقیدت مند ملنگ بھی رہتے تھے کسی نے سردار محمد علی خان صاحب گھجہ رئیس کوٹ فتح خان سے شکایت کر دی کہ شاہ صاحب کے پاس جو ملنگ رہتے ہیں وہ بھنگ پیتے ہیں جس پر سردار صاحب نے ناراض ہو کر حکم دیا کہ وہ تکیہ جہاں یہ ملنگ رہتے تھے اٹھا دیا جائے چنانچہ اُسے گرا دیا گیا اور درویش وغیرہ شاہ صاحب کے ساتھ واپس شاہ صاحب کے گھر پر آگئے۔ شاہ صاحب تو خاموش رہے مگر ان کی برادری والوں نے کہا کہ یہ ہماری توہین کی گئی ہے لہذا آپ سردار صاحب کی اس حرکت کی شکایت ان کے پر حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ سید مرزا حسین شاہ صاحب نے ایک دستی لفاظہ اپنے ایک ملنگ کے ذریعے حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قلمی تحریر سردار صاحب کو بھجوائی اور آپ کے حکم کی تعمیل میں سردار محمد علی خان صاحب نے شاہ صاحب سے اپنی غلطی کی معذرت کی، گرایا ہوا مکان از سر نو تعمیر کروا دیا اور جو سالانہ نذرانہ انہیں دیا کرتے تھے وہ بھی دوبارہ جاری کر دیا۔

حضرت کی یہ تحریر مبارک سید مرزا حسین شاہ کے فرزند سید حسین شاہ صاحب نے ۶ نومبر ۱۹۶۷ء کو حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کی جس کی نقل بحسنہ درج کی جاتی ہے۔ اس کا کچھ آخری حصہ کاغذ کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا جاسکا۔ تاہم قبلہ بابو جی مدظلہ العالی نے تصدیق فرمائی ہے کہ تحریر حضرت ہی کی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ حَامِدٌ ۝ وَ مَصلیٰ

مرجع العلماء و الصالحین و ملاذ الغریب و الفقرار سر دار صاحب سلمہ ربہ

از درویش دل ریش محبت الفقرار مہر علی شاہ گولڑوی۔ السلام علیکم مطالعہ نمایند۔ اما بعد۔

قادِ مُطلق و حکیمِ برحق جل و علا شانہ نے خلق کو زوج زوج یعنی جُفت جُفت پیدا کر کے خود کو فردیت اور یکتائی میں وحدۃ لاشریک کہا۔ پھر بعض کو بعض پر فضیلت دے کر سب کو فقر آ اور اپنے کو غنی ٹھہرایا۔ کو اکب سے آفتاب اور ایام سے یوم جمعہ علیٰ ہذا القیاس حتیٰ کہ انبیاء سے باعثِ ایجادِ عالم صاحبِ تاج لولاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز فرمایا۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا ارشاد پہنچا کر آدم و من دُونِہ تحتِ یوائی یوم القیامۃ سنوایا۔ پھر بواسطہ جمیلہ اُس حبیبِ انزل اور شہدِ یزلی کے اپنے کلام پاک کو نازل فرما کر عہدِ دیرینہ یومِ ميثاق بحوابِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ جس کو ہم باعثِ تمادی قرونِ کثیرہ کے بھول گئے تھے یاد دلایا اور اطاعتِ اوامر و اجتنابِ نواہی کو دلیلِ استقامت اور پختگی عہدِ کون کی ٹھہرایا۔

مُخْلِئُ اَنْ اِوَامِرُ شَرِیفِہ کے امر قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی یعنی کمالِ دوستی اور خلوصِ محبت اہلیتِ پاک کے ساتھ رکھو جن کے حق میں اِنْتَمٰی رُیْدُ اللّٰہِ لَیْذْہِبْ عَنْکُمُ الرِّجْسُ اَہْلُ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرْکُمْ تَطْہِیْرًا فرمایا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوْنِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ اس وقت میں جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے وہ تو کسی کو بالاصلاتہ اور کسی کو بالتبعیۃ معلوم ہے۔ اس واسطے اُس کا لکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ کچھ کلام شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر کی جو پیشوائے اہل کشف و شہود ہیں فتوحاتِ مکیہ بابِ اُنتِیسُل میں بے نقل کی جاتی ہے:-

قال قدس سرۃ قد دخل الشرفاء اولاد فاطمة کلہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن ہو من اهل البیت مثل سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی یوم القیامۃ فی حکم ہذ الایۃ من الغفران فہم المطہرون اختصاصاً من اللہ وعنایتہ بہم لشرف محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعنایت اللہ بہ ولا یظہر حکم ہذ الشرف لاهل البیت الا فی الدار الآخرة فانہم یحشرون مغفوراً لہم واما فی الدنیا فمن اتی منہم حدّا اقیم علیہ کالتائب اذا بلغ الحاکم امرہ وقد زنی أو سرق أو شرب اقیم علیہ الحد مع تحقق المغفرۃ کما عذر و امثاله ولا یجوز ذمہ و ینبغی لکل مسلم یؤمن باللہ وبما انزلہ ان یردق اللہ تعالیٰ فی قولہ لَیْذْہِبْ عَنْکُمُ الرِّجْسُ اَہْلُ الْبَیْتِ وَ یُطَہِّرْکُمْ تَطْہِیْرًا و یعتقد فی جمیع ما یرصد من اهل البیت ان اللہ تعالیٰ قد عفا عنہم فیہ فلا ینبغی لمسلم ان یردق المذمۃ بہم ولا ما یشاء اعراض من قد شهد اللہ تعالیٰ بتطہیرہ و ذهاب الرِّجْسِ عنہ لا یعمل عملہ ولا یخیر قد مودہ بل بسابق عنایتہ من اللہ تعالیٰ بہم ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوْنِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝

ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے۔ اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو قیامت تک ہونے والی ہے آیتِ تطہیر میں داخل ہے یعنی پاک اور مغفور ہے گو بظاہر اُن سے گناہ بھی صادر ہو، تاہم بعد احرارے حدودِ شرعیہ مغفور ہیں۔ اُن کی توہین اور

ذمت کسی اہل اسلام کو جائز نہیں۔ اس گروہ پاک کے پاک ہونے کی مدد کسی عمل پر نہیں بلکہ یہ اصل حاصل تھا کہ جس میں کو چاہتا ہے وہی ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں :-

لِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ فَمَنْ أَسِيءَ إِلَى اللَّهِ فَلَا يَحْصِي عَذَابُهُمْ هَٰذَا هِيَ الْحَقَّةُ هُوَ فِي رَحْمَةِ ظَنُّوا
لَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ أَنِ حَصَصَ عَلَيْهِ ظَهْرُ الشَّرِّ بِمَا لَانَتْ بِهِ حُكْمُ ظَنُّهُمْ لِيَأْتِيَ فِي نَفْسِ
الْأَمْرِ يَنْتَبِهَ حُرَى الْمَقَادِيرِ عَلَى مَا عَلَى مِنْ جَدَّتْ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ وَنَفْسِهِ بَعْدَ بَقِيَّةٍ وَبَعْدَ بَقِيَّةٍ
لَا يَحْصِي مَا لَمْ يَكُنْ -

خواصہ: اہل اسلام کی ذمت کرنے والا تو وہ عمل ذمت ہوتا ہے اگرچہ ان سے گناہ بھی صادر ہو
جو شخص اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اس پاک فرقہ کے عقول کو بھی برسرِ بارہان تھا
قدیم کے معنی اہم کو بھی ان کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ واقعی ہو کر مستحق کہے۔ اگر اس قدر ایمان قوی نہ ملتا
ہو تو یہ نصیحت میں جو اس کو اپنے مال یا جان یا عزت میں اہل بیت سے پہنچے صبر کرے۔ اہل اسلام شریعت
بے شک ان پر جاری کیے جائیں گے مگر اہل اسلام کو ان کی ذمت نہ کرنی چاہیے اور اپنے حقوق کو ترک کرنا
ان کی تعظیم کے واسطے آوی ہے۔ اور کیوں کر ایسا نہ ہو جب کہ صیب کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل اسلام سے
اپنی اہل قربت کے واسطے دوستی رکھنے کا سوال فرماتا ہے میں بوجیب اس آیت کریمہ کے قائل ہوں کہ
عَلَيْكُمْ بِالْإِخْوَانَةِ إِلَى السُّوءَةِ فِي الْقُرْبَانِ۔ پھر ان کے ساتھ بغض رکھنے کے بعد کل حشر کے دن ان کے ملنے
کس طرح ممکن رکھا نہیں گئے اور شفاعت کی امید رکھیں گے۔

پھر شیخ اکبر آگے چل کر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے اگر تو صاحب حق سے صاحب مملکت کو کہہ اہل بیت
سے اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر کسی طرح نہ ہو سکے تو پھر حکم شریعی کو اختیار کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس فرقہ پاک کا قدر
مترتبہ جو عند اللہ ہے اگر تجھ کو معلوم ہو تو ان کے غلاموں کی غلامی کو قیمت سمجھے۔ غوث طوالت کے واسطے حضرت شیخ کی اہل بیت
بلاستیعاب تحریر نہیں کی جارہی جس صاحب کو تحقیق منظور ہو اسے باب انتیسویں فتوحات مکیہ میں ملاحظہ کرے۔
سوال :- جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا ہے چونکہ تحت ذیل آیت تعلیم ہے اس کا مصداق بحجز قطعی صحیح النسب کے نہ ہو گا تو
پھر کیا حکم ہے سادات ابنائے زمان کے لیے؟

جواب قطعی صحیح النسب تو داخل شرف تعلیم ہے اور جو متعبد ہے یعنی جن کے آباؤ اجداد کسی اور قوم سے ہوں اور وہ دعویٰ
سیادت کا اقرار کرے اور اس کا یہ اقرار معلوم بھی ہو جائے تو وہ داخل شرف مذکور نہیں بلکہ رحمت خاصہ سے دور
ہونے کا مستحق ہے۔
دعا گو از کوثر

ایمان ثابتہ اصطلاح صوفیائیں ولی کی تعریف اور اسلام میں صوفیا کی حیثیت پر سوالات کے جواب
محمودان شریف خلیع نواب گنج بارہ بکری سے ایک صاحب سید علی نے بذریعہ خط یہ تین سوالات تحریر کیے :-

۱۔ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ مِيْنْ لَهُ كِي ضَمِيْر كَامِرَج كُون ہے؟ اگر شَيْئًا مانا جائے تو اُس کو خدا نے تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا قبل از تخلیق وہ مرجع نہیں ہو سکتی۔ ابھی تو اس کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

۲۔ ولی اللہ کے معنی اصطلاح صوفیاء میں کیا ہیں؟ یا یوں کہیے کہ طریقہ سلوک میں کونسا مرتبہ ہے جسے طے کرنے کے بعد سالک ولی اللہ کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟

۳۔ فرقہ صوفیاء کی اسلام میں کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ احکام شرعیہ اور ارکان اسلام کی تبلیغ تو بذریعہ قرآن شریف پیغمبر خدا نے فرمادی ہے اور اس کی اشاعت علمائے اسلام بذریعہ درس و تدریس و تحریر و تقریر کر رہے ہیں جو نجات کے واسطے کافی ہیں صوفی ان احکام شرعیہ کے سوائے کیا بنا سکتے ہیں اور نجات کے سوا اور کیا ہے جو ان کی تعلیم کے سلسلہ میں مل سکتا ہے؟

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا۔
۱۔ مکروہات اشیاء موجودہ کے لیے قبل از تخلیق علم باری عز اسمہ میں ثبوت ہے۔ اس مرتبہ میں اعیان ثابتہ کہلاتے ہیں ارجاع ضمیر یوں کہیے خطاب کن کے لیے ثبوت علمی کافی ہے۔

۲۔ سالک سائر الی اللہ بعد مشاہدہ و تجلیات (ہو الظاہر) اور نیز تجلیات (ہو الباطن) اولاً بحسب خصوصیات و تمیزات اپنے کے اور ثانیاً بافکار بعض تمیزات ان کے مرتبہ جمع میں اور بالکلہ فنا کے مرتبہ جمع الجمع میں ولی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ اور ظاہر ہے کہ تجلیات افعالیہ اور صفاتیہ اور ذاتیہ کا مشاہدہ بحسب مراتب بعضہا فوق بعض درجہ اور تدریس علم ظاہری سے نہیں ہوتا۔ والسلام

دعا جو ددعا گو مہر علی شاہ بقلم خود

آیت تطہیر کے مصداق کون ہیں؟

حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین دربار حضرت موسیٰ پاک شہید صاحب ملتانی (رحمۃ اللہ علیہما) نے دریافت فرمایا تھا کہ آیت تطہیر کے مصداق کون ہیں؟ جواب میں یہ خط تحریر فرمایا:-

مظلمی مکرمی جناب مخدوم صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

و علیکم السلام و رحمۃ اللہ تعالیٰ جو اباً معروض ہے کہ آیت تطہیر میں لفظ اہلبیت اُمتات المؤمنین علیہن الرضوان و آل عبا علیہم السلام دونوں کو شامل ہے۔ سیاق آیت و احادیث کثیرہ اسی پر دلالت ہیں۔ والسلام

العجب

الملتجی و المشتکی الی اللہ المدعو بہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

لعن یزید پر آپ کا مسلک

لعن یزید کے جواز پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مسلک آپ کے مندرجہ ذیل خط سے واضح ہوتا ہے:-

حامداً و مصلياً و مبسلاً

بعد سلام اگر آیت (إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) اور نیز آیت (فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ) اور نیز متفق علیہ حدیث (فاطمہ بضعة منی) میرا کمرہ (یو ذی بنی ما اذکھا) اور نیز حدیث (مَنْ أَحَبَّ الْحُسَيْنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي) اور نیز حدیث (حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا) اور نیز حدیث (إِنَّ ابْنِي هَذَا يَعْنِي الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِأَرْضٍ مِنْ أَرْضِ الْعِرَاقِ يُقَالُ لَهَا كَرْبَلَا فَمَنْ شَهِدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَنْصُرُوا) سب آیات و احادیث صحیحہ زید شعی اور اُس کے تابعان کے مستحق لعنت ہونے پر شاہد ہیں۔ کوئی اہل ایمان اس گروہ اشقیاء کی غیر معنویت کا قائل نہیں۔ جن لوگوں نے لعن زید سے منع کیا ہے۔ زید کو اچھا سمجھ کر نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال سے کہ بجائے اس کے اللہ صلی علی محمد و علی و حسین و حسین و فاطمہ پڑھنا ستر ہے شیطان کو اگر کوئی رات دن لعن کرے بجائے اس کے تلاوت، ذکر اور درود پڑھنا مفید ہے۔

آیت استخلاف (وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى آخِرِهِ) کا آخری جملہ (وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) اور نیز زید شعی کا بعد شہادت سید الشہداء علیہ السلام کے کمال خوشی میں اگر یہ کہنا کہ آج ہم نے آل محمد سے روزِ بدر کا انتقام اور بدلہ لے لیا۔ کما قال ہے۔

وَلَسْتُ مِنْ جَنْدِ ابْنِ لَعْنَتِهِمْ مَنْ ابْنِ أَحْمَدَ مَا كَانَ قَدْ فَعَلَ
زید کے کفر پر دال ہے کما صرح بہ القاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ الغرض زید کے مستحق لعن ہونے میں بہ تصریح ثقات کوئی شک نہیں اگرچہ بے سود امر ہے۔ مگر اہل ایمان بمقتضائے (الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبَغْضُ فِي اللَّهِ مِنَ الْإِيمَانِ) ان گروہ اشقیاء پر لعنت بھیجنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بفضلہ ہم بوجہ اعتقاد حقیقت خلافت خلفائے اربعہ علیہم الرضوان و محبت اہل بیت علیہم السلام روافض یا غوارج سے علیحدہ ہیں۔ والحمد لله أولاً و آخراً و الصلوة و السلام منہ باطناً علیہ و ظاهراً و آلہ و صحبہ۔

اے جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں خدا نے انہیں دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ اے پس کیا تم قریب ہو کہ اگر اعراض کرو تو زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی کرو۔ یہی لوگ ہیں جن پر پٹھانے لعنت کی اور انہیں بہرہ کر دیا اور انہیں اندھی کر دیں۔
اے فاطمہ میرا کمرہ ہے۔ جو چیز اُسے تکلیف دیتی ہے مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔
اے جس نے حسن و حسین سے محبت کی اُس نے میرے ساتھ محبت کی جس نے اُن سے دشمنی کی اُس نے میرے ساتھ دشمنی کی۔
اے حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں جو حسین کو دوست رکھے خدا اُسے دوست رکھے۔
اے میرا حسین زمین عراق یعنی کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ جو شخص اُس موقع کو پائے اُس کی مدد کرے۔
اے جس نے اس کے بعد ناشکری کی وہ لوگ فاسق ہیں۔

دوسری فصل

ملفوظاتِ طیبات

تقریر جلسہ انجمن نعمانیہ لاہور

ذیل میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی اُس مشہور تقریر کا خلاصہ دیا جاتا ہے جو آپ نے ۱۹ محرم ۱۳۳۱ھ مطابق (دسمبر ۱۹۱۲ء) کو انجمن نعمانیہ لاہور کے پچیسویں سالانہ جلسہ میں مشاہیر علماء و فضلاء اور مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے فرمائی تھی اور جسے تنظیمین جلسہ نے "کلام الملوک ملوک الکلام" کے عنوان سے طبع کروا کر ملک میں نشر کیا تھا اس موقع پر اہلسنت کے مشہور عالم و محدث مولانا وصی احمد صاحب سورتی نے فرمایا تھا کہ سبحان اللہ حضرت نے ابستدائیں ایسی بلند پروازی فرمائی کہ اباب علم کو بھی محیرت کر دیا اور آخر میں اس قدر عام فہم مسائل فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کروا دیا۔

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - سُبْحَانَ مَنْ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ - وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ أَنْزَلَ فِيهِ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَعُتْرَتِهِ الْمُطَهَّرِينَ بِتَطْهِيرِهِ وَأَصْحَابِهِ وَاجْتِبَاءِهِ الَّذِينَ مَعَهُ أَشْدَّ عَلَى الْكَفَّارِ رَحْمَاءَ بَيْنَهُمُ الْفَارِزَةُ مِنْهُ بِفَضْلِ جَسِيمٍ وَعِلْمٍ عَمِيمٍ - فَأُولَئِكَ فِي الْآخِرِيَّةِ وَالْآخِرِيَّةِ كَمَا أَنَّ ظُهُورَهُ فِي بَطُونِهِ وَبَطُونُهُ فِي ظُهُورِهِ - بِشَيْئَتِنَا الثَّبَوِيَّةِ فِي قَوْلِهِ إِذَا ارَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ وَهُوَ جُودِيَّتُهُ بِقَوْلِهِ فَيَكُونُ - ذَوَاتِنَا مَعَ مَكَانٍ اسْتَعْدَادَتْهَا فِي الْحَضْرَةِ الْعِلْمِيَّةِ خَزَائِنُهُ وَفِيضُهُ الْأَقْدَسُ كَمَا أَنَّ جُودَاتِنَا مَعَ لَوْ أَحَقْنَا فِي عَرِصَةِ الْعَيْنِ الْمَكْتَسَى كَسَاءً وَمَا نَزَلَتْ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ - فِيضُهُ الْمَقْدَسُ مَا عَلَيْنَا لَمْ نَمْنَحْهُ كَمَا أَنَّ مِنْهُ لَا مَنَامَ لَنَا وَأَوَّلَ ظُهُورَاتِهِ حِينَ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ثَانِي شَيْوَنَاتِهِ الْمُبَشِّرِ بِمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ كَمَا أَنَّ أَخْرَاجَ رَحْمَاتِهِ إِذَا مَا يَشْفَعُ عِنْدَهُ الْإِبَادَةُ أَوَّلَ أَذْنَاتِهِ - فَهُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورَهُ كَمَا أَنَّ آخِرَ بِخَاتَمِ النَّبِيِّينَ ظُهُورَهُ وَمِنْ هُنَا امْتَنَعَ مَثَلُهُ وَنَظِيرُهُ - فَإِنَّ الْأَوَّلَ لَيْسَ بِثَانٍ وَكَمَا أَنَّ الثَّانِي لَيْسَ بِأَوَّلٍ - فَامْتَنَعَ شَرِيكَ الْبَارِي عِزَّاسْمَةِ مَنْ ذَاتَهُ كَمَا أَنَّ عَدَمَ امْكَانِ نَظِيرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ بَعْضُ صِفَاتِهِ - فَظَاهِرُ الْمَقْدُورَاتِ غَيْرُ مُحِيطَةٍ بِالْمَعْلُومَاتِ فَاتَّضَحَ الْأَمْرُ بِإِضْحَاحٍ الدَّلَالَاتِ بِغَيْرِ مَدْخَلٍ مُسْأَلَةِ امْكَانِ الْكَذِبِ وَامْتِنَاعِهِ اللَّهُمَّ

ارنا حقیقۃ الاشیا كما هي

حمد بے حد اُس رب کریم و رحمان و رحیم کے لیے کہ جس نے بعد الوجود ہم کو اشرف مطالب اور افضل مرغب یعنی علم کی نہایت اظہارِ فضیلت سے بقولہ تعالیٰ (قل هل يستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) وقولہ تعالیٰ (وما یعلمہا الا العلمون) وقولہ تعالیٰ (انما یحیی الله من عباده العلماء) وقولہ تعالیٰ فی جوابہ (لبراہیم علیہ السلام) (صدیث قدسی) (انی علیکم احب کل علیم) متعارف فرمایا۔ اور دُرود بے حد اُس رُوف و رحیم پر کہ جس نے اپنی مجسمہ رحمت اور مکملہ عنایت و شفقت سے بقولہ علیہ السلام (فضل العالِم علی العابد کفضل علی ادناکم رجلاً) علما کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اس میں شرک نہیں کہ شرف صفت بحسب شرف موصوف ہو اگر تا ہے اور علم مقابل جہل چونکہ صفات الہیہ و احببہ سے ہے لہذا فضیلت علمی پر کوئی بُرمان قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی جس و قبح اشیا شرعی ہو یا عقلی بہر کیف بیان مذکور بنا بر مسلک ہر دو فریق اہل نقل و عقل علمی فضیلت کے لیے کافی ثبوت ہے۔

۱۔ پاک اور بلند ہے وہ ذات کہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ اور دُرود اور سلام اُس ہستی پر جس کی شان میں نازل ہوا "عَزِيزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ" اگر گراں ہے اُس پر وہ جو تمہارے لیے نقصان کا باعث ہو اور وہ نہایت خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا۔ رُوف و رحیم ہے مومنوں کے حق میں (اور حضور کی اہل بیت اور عترت پر جو حضور کی تطہیر سے مطہر ہیں۔ اور آپ کے اصحاب اور احباب پر جو آپ کی محبت سے شرف ہیں۔ سخت ہیں کفار پر اور مہربان ہیں باہم حضور کے استفادہ سے اور حضور کے فضل جیم اور علم معیم کی بدولت حضور کی اولیت آپ کی آخرت میں اور آخرت اولیت میں مندرج ہے۔ جس طرح آپ کا ظہور بطون میں اور بطون ظہور میں مندرج ہے۔ ہماری ہستی کا ثبوت حق تعالیٰ جل شائے کے قول "کُن" سے اور وجود ارشاد "فیکون" سے ثابت ہے۔ ہماری ہستیاں اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں اپنی غنی استعداد کے ساتھ اُس کے غنی خزان اور فیض اقدس میں حاضر ہیں۔ اور ہمارے خارجی وجود اپنے لوازمات کے ساتھ عالم دنیا کے میدان میں اندازۃ الہی کے مطابق وجود کا لباس پہن کر اسی کے فیض مقدس سے قائم ہیں پس اُس کے فیض مقدس کا منشأ ہماری استعداد میں جو ہم پر ظہور پذیر ہوتی ہیں نہ کہ اُس کی ذات پر۔ اُس کا اولین ظہور استونی علی العرش ہے اور اُس کی شان ثانی وہ ہے جس کی بشارت اُس کے ارشاد "وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ" ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر عالم کے لیے رحمت ہیں موجود ہے۔ اور اُس کی آخری رحمت کا ظہور اُس وقت ہوا جب کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کوئی سفارش نہیں کرے گا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی توری مخلوق میں سب سے اول ہیں اُسی طرح اذن شفاعت میں بھی سب سے اول ہوں گے۔ باعتبار ظہور خارجی آپ خاتم النبیین ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی مثل اور نظیر ناممکن ہے کیونکہ جس طرح اول ثانی نہیں ہو سکتا۔ ثانی بھی اول نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کا شریک ہو ناممکن حیث الذات ممکن نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی ہو ناممکن حیث الصفات ناممکن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر معلوم الہی تحت قدرت نہیں جیسے کہ خود ذات و صفات واجب الوجود پس نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ امکان و امتناع کذب کی مداخلت کے بغیر حضور کی نظیر کا امتناع واضح و لائق سے ثابت ہوا۔ الہی ہیں حقائق اشیا کما حقہ و کھلا دے۔

۲۔ فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور وہ جو علم نہیں رکھتے ۱۔ ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں جانتا ۲۔ بے شک خدا سے علم والے ڈرتے ہیں ۳۔ میں علم والا ہوں اور ہر صاحب علم کو دوست رکھتا ہوں ۴۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری تم میں سے سب ادنیٰ پر۔

جمع علوم کا احاطہ خارج از قدرت عباد و ناممکن ہے۔ لہذا ہم العلوم اور مہتمم با نشان علم یعنی علم دین کی طرف توجہ
اولاً ضروریات میں سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس اشرف الانواع، مجبور الوطن حضرت انسان کا اپنے اصل تک رسائی کا
یہی ذریعہ ہو سکتا ہے نہ علوم عقلیہ محض۔ مثلاً مبداء فیاض حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس غریب مسافر سب سے پس ماندہ و مجبور تر
کو وطن اصلی میں پہنچنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ خبردار کہاں تو اور کہاں ہم۔ گناہستی اور گناہیستی۔ تاہو کو کیا مجال ہے کہ
بالذات خود کچھ دکھا سکے یا حق مولیٰ ادا کر سکے۔ وہ خود ناچیر ہے بغیر امداد و توفیق ہماری کے کیا کر سکتا ہے؟ اگر کچھ توفیق خدا داد
کے بعد تم سے ہو سکے تو صرف اپنی کارروائی کو اکیلا ہر ایک شخص عابد حضرت سلطان یعنی ہماری جناب میں مت پیش کرنا۔
کیونکہ ناقص اور ردی متاع بالذات خود در علیحدگی اس قابل نہیں ہوتا کہ حضرت سلطان میں پیش کیا جاوے۔ البتہ عیب پوشی
کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتاتے ہیں۔ اس معیوب اور ردی رخت اپنی کو عمدہ اور جید متاعوں کے ضمن میں ہمارے پیش
کر۔ یعنی اپنی ردی اور ناقص عبادت اور بندگی کو انبسیا، اولیاء اور ملائکہ کی عبادت میں شامل کر کے بصیغہ جمع ایات
نعبد و ایات نستعین (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب تجھی سے مدد مانگتے ہیں) عرض کرو۔

ہماری شریعت منزلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناس مختلفہ کو ایک عقد میں بیع کیا جائے اور پھر بعض اشیاء کا عیب
ظاہر ہو تو اس صورت میں مشتری یا ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے نہ یہ کہ ردی کو واپس کرے اور اچھی کو رکھ لے
جب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف ردی اور معیوب کے واپس کرنے کا فیصلہ نہیں دیتی تو سلطان الکمل اور
مولی الکمل کی شان خداوندی سے زیبا نہیں کہ ردی عبادت کو واپس کیا جائے بلکہ ہی زیبا ہوگا کہ سب کو منظور کیا جائے۔
حضرات سامعین! یہ ایک تمثیل بطور نمونہ از خرواز دیکھے از ہر ادھر اس غرض کے لیے پیش خدمت کر دی گئی
ہے کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ بغیر علم دین و تعلیم شارع ایسے راستے کا معلوم کر لینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے
یا وطن اصلی تک پہنچا جائے ناممکن ہے۔ بغیر علم کے انسان گویا مردہ ہوتا ہے ولنعم ما قیل

وفي الجہل قبل الموت موت ولاہلہ
فاجسامہم قبل القبور تبور
وان امرء لہ یحیی بالعلم میت
ولیس لہ حتی النشور نشور

دینی علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ طلب العلم فریضۃ علی
کل مسلم۔ قال اللہ تعالیٰ قُلُوا لَا تَقْرَءُ مِنْ کُلِّ ذَرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّینِ وَلِيُنْذِرُوا
قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دو مجلس مجلس اہل ذکر و مجلس تعلیم و تعلم کے
ملاحظہ فرمانے پر ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی اور سلسلہ تعلیم والے گروہ کو ذاکرین پر ترجیح دی اور فرمایا کہ اِنَّمَا
بُعِثْتُ مُعَلِّمًا یس بہ حیثیت و منصب معلّمی مبعوث ہوا ہوں اور گروہ اہل علم کو شرف شمولیت بخشا اور ان کے پاس

لے قبل میں موت سے پہلے موت ہے اور جہلا کے اجسام قبروں سے قبل قبر میں ہیں اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت کے
اُٹھے تک اُس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔ اے ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔ اے ان مسلمانوں کے ہر فرقہ سے ایک گروہ کیوں جہاد پر
نہیں نکلا تا کہ (باقی ماندہ) دین حاصل کرتے اور اپنی قوم کو واپس آنے پر ڈراتے تاکہ وہ احتیاط کریں۔

جسٹس فرمایا۔

فمن ابن مبروہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یخیر عادیہ ولا شراب لرجل ولا من
یرد بہ خیر یفقهہ فی الدین . (ایضاً بخیر امتی علماءکم و خیر علماءکم فقہاءکم بہترین اہانت
علماء میں اور علماء سے برگزیدہ اہل فقہاءست و فہم میں . آیت مذکورہ و حدیث مذات ثابت ہوا کہ اہل قرآن و اہل حدیث
میں سے برگزیدہ گروہ اہل فقہاءست فقہائے کرام کا ہے یعنی بن کو قرآن و حدیث میں سمجھ اور فقہاءست جو بخلاف خیال اہل زمانہ
موجودہ کے کہ فقہاء کو مقابل اہل قرآن و حدیث ٹھہراتے ہیں ۔

بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا التفقہ فی الدین حق
على كل مسلم الا تعلموا و علموا و تفقهوا و لا تموتوا اجهل الا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا عِنْدَ اللَّهِ بِشَيْءٍ أَفْضَلُ
مَنْ فُقِيَ فِي الدِّينِ - فُقِيَةً وَاحِدًا أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْعَبِيدِ - وَلَكِنْ شَيْءٌ عَمَادَةُ عَمَادِ الدِّينِ
الْفَقْه - وَالْيُسُوءُ الْعُلَمَاءُ وَرِثَةُ الْأَنْبِيَاءِ - وَالْيُسُوءُ لِلْأَنْبِيَاءِ عَلَى الْعُلَمَاءِ فَضْلٌ دَرَجَتَيْنِ وَلِلْعُلَمَاءِ عَلَى الشُّعْرَاءِ
فَضْلٌ دَرَجَةٌ

سید عالمی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ العلم خیر من المال۔ العلم یحرسک وانت تحرس المال
 العلم حاکم علیک والمال محکوم علیہ۔ وات خزان المال وبقي خزان العلم۔ اعیانہم مفقودۃ
 واشخاصہم فی القلوب موجودۃ۔

طالب علم دینی کا شان۔ قولہ علیہ السلام ان المسئلة لتضع ارجلتہا الطالب العلم رضی بہما اطلب۔ طلبہ کو فن کتابت سے کافی حجتہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ قولہ علیہ السلام: قیّد العلم بالکتاب ایضا۔ مستعمل یدک۔ کاتب کو اشکال حروف کی درستی اور ضبط بالنقطہ محل اشتباہ میں ضروری ہے۔ ہر دایت مختصہ ثابت ہے کہ عربی زبان میں پہلے کاتب آدم علیہ السلام اور بعد طوفان ارمیل علیہ السلام تھے۔

عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ پہلے کاتبِ متعین میں سے وہ لوگ تھے جن کے اسما بحسب ذیل ہیں:-
ابجد۔ ہوز۔ جطی۔ کلن۔ بعض۔ قرشت۔ یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے۔

اشکالِ حُرُوف کو معمولی نظر سے نہ دیکھنا چاہیے۔ یہی اشکالِ الفاظ پر اور الفاظِ معانی پر اور معانیِ اُمِّ مَحَلِّ سببِ باطن پر دال ہے۔

۱۔ خیر عادت ہے اور شر بجاہت اور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اُسے فقہائیت فی الدین حاصل ہوتی ہے۔ میری اُمت کے خیار علماء میں کو علماء کے خیار فقہاء ہیں۔ ۲۔ اُسے فقہائیت فی الدین ہر مسلمان پر واجب ہے۔ خبر دار علم پڑھو اور پڑھاؤ اور فقہ حاصل کرو اور جاہلی جو کمرست مرو۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقہائیت فی الدین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عبادت سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کے لیے علماء پرودہ درجے ہیں اور علماء کے لیے شہداء پر ایک درجہ۔ ۴۔ علم مال سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور ثمال کی جگہ تجھ پر حاکم ہے اور مال محکوم مال کے خزانے مٹ گئے اور علم کے خزانے باقی رہ گئے۔ ۵۔ اہل علم کے احرام منقود ہیں لیکن اُن کے ذوات دلوں میں موجود ہیں۔ اُنہ کو کعبہ علم کی راہ میں پہنچاتے ہیں اُن کے علم کو کاتبت میں تھیکہ کر دینے ہاتھ سے لکھو

اور وہی امر بیضی باطنی معانی بعد ازاں الفاظ بعد ازاں شکل و نقوش سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا عالم نقوش و الفاظ و معانی متکثرہ میں اسی کا ظہور ہے جس کی جلوہ گاہ باقی عوالم ہیں بنظر اعتبار و تدبیر جس عالم کو دیکھا جائے ہو الاول۔ ہو الآخر۔ ہو الظاہر۔ ہو الباطن کا درس ہو رہا ہے۔ عارف نے فرمود ہے۔

نخبیں بادہ کا ندر جام کردند
مزاجش عکس آں کُلفِ م کردند
اس پر از جانب فقیر

بہ مہر آنکہ غیرش نیست موجود ز خود آفت ز وہم انجم کردند
حضرات طلباء! آپ صاحبان میں سے کسی صاحب کو اگر جذبہ ازلی نے یہاں تک رسائی نصیب فرمائی تو پھر طبعاً خود بخود ہی نیاز مند کے پہلے سوال منجملہ سوالات مندرجہ رسالہ فتوحاتِ صمدیہ متعلق لمیتہ ترتیب حروف تہجی الف۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ کا جواب منکشف ہو جائے گا۔ جملہ اہل اسلام پر بدیل قولہ تعالیٰ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ طلباء علم دینی بما یتعلق بہ کی خدمت حسب توفیق واجب ہے۔

آخری معروض بھرت طلباء! آپ صاحبان نے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات کو بخوبی سمجھا ہوا ہے اس کی تعمیل نہایت ضروری سمجھیں۔ مبادا کہ خدا نخواستہ فسادِ نیت (جدلِ مراد) منہی فی الاحادیث کی وجہ سے اس عذرِ قصویٰ و ربوہ علیہ سے گرجاویں۔ والسلام

حضرت کی اس تقریر کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کی امداد کے لیے سابقہ معمول سے بہت زیادہ چندہ جمع ہونے کے علاوہ تعمیدِ سلیم یافتہ لوگ جو نمازیں بدیں خیال سستی کرتے تھے کہ جب ہم کامل نماز نہیں پڑھ سکتے تو ناقص نماز پڑھنے سے کیا فائدہ، باقاعدہ نماز کے پابند ہو گئے۔ علماء سے لے کر عوام تک سب آپ کی تقریر سے محفوظ و متاثر ہوئے۔

شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب

حضرت کے ملفوظاتِ طیبات میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ "فصوص الحکم" مصنفہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے سبق کے دوران کتاب کے الفاظ (الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَوْجَدَ الْاَشْیَاءَ وَهُوَ عِندُهَا رَسْبٌ تَعْرِیْفٌ مَرْوٰی) ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ایجاد فرمایا اشیاء کو اور وہ عین ہے ان کا) کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ لوگوں کو حضرت شیخ کی اس عبارت سے وہم ہوا ہے کہ اس سے خالق و مخلوق کا اتحاد لازم آتا ہے مگر حاشا وکلاً۔ شیخ کی مراد ہرگز یہ نہیں کیونکہ لفظ عین کے دو معانی ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کہا جائے کہ فلاں چیز اپنا عین ہے مثلاً الانسان انسان اور دوسرے یہ کہ کسی چیز کا قیام اور تحقق کسی اور چیز سے ہو کہ اگر وہ نہ ہوتی تو اس کا کوئی وجود نہ ہوتا اور یہاں شیخ نے یہی معنی لیے ہیں کہ اگر اوجہ و کائنات کا تعلق مخلوقات سے قطع تصور کیا جائے تو مخلوق کافی نفسہ کوئی وجود نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مجددی حضرت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب النہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر مراقب ہو کر بیٹھا تھا میں نے دیکھا کہ عالم مثال میں حضرت محبوب النہی فصوص الحکم کا درس دے رہے ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ اوجہ و کائنات سے بظاہر خالق و مخلوق کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے حضرت موصوف نے ایک لمحہ تامل فرمایا کہ ناگہاں حضرت شیخ اکبر کی روح پرفتوح تشریف لائی اور حضرت محبوب النہی صاحب سے فرمایا کہ

آپ کیوں یہ جواب نہیں دیتے کریں نے وہو عینہا کہا ہے نہ کہ وہی عینہا یعنی یہ نہیں کہا کہ اسے اللہ تعالیٰ کا میں ہیں۔ بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کا میں ہے۔

توحید و جودی کے متعلق انصاف و انصاف کے عقیدہ کا بیان

حضرت فرماتے ہیں کہ ظاہر میں حضرات جنہیں قدرت نے نور بہن سے نہیں نوازا اپنی کم فہمی کی وجہ سے شیخ اکبر کے مسئلہ توحید و جودی کو عقیدہ ملول سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ حضرت شیخ نے اپنی تحریروں میں صریحاً اس عقیدہ کا انکار اور رد فرمایا ہے۔ فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں کہ ظاہر میں گروہ کا عقیدہ جود و اعلیٰ ظاہر و پرہیزی ہے۔ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نسبت اپنی مخلوق کے ساتھ ایسے ہے جیسے صنایع کی مصنوعات کے ساتھ۔ و یسبغی بھن مسلمان یعقودا اور ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے مگر خاص انصاف لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیاء کا مظہر ان کا میں ہے یعنی اشیاء اسماء کے خلق کے مثل ہیں۔ اور خلق کی کوئی حقیقت نہیں ماسوائے اس نمود بے بود کے۔ اس مضمون کا ثبات کی روشنی دراصل آفتاب ذات واحد کے فیوضات کا عکس ہے پس غیر حق کہاں سے ہوا اور کیا ہے؟ کان اللہ ولعلیٰ معہ شئی والکن کما کان (مخلوقات کی خلق سے پہلے اللہ ہی تھا اور اُس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ اب خلق کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا) اور حضرت شیخ سب مسلمانوں کو اس عقیدہ پر مجبور و مکلف نہیں فرماتے بلکہ ان کے خیال کے مطابق یہ عقیدہ نفوس قدسیہ کے مشاہدات اور تجلیات خاص سے ہے جو ان پر گزیدہ ہستیوں کو بحکم ذوق عرفان حاصل ہوتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عالم من حیث المجموع ذات مع الصفات کا خلاصہ ہے۔ اور شیخ یہاں اصح الزوہدین کو اور بارگاہ نبوی میں جبریل علیہ السلام کے شکل و حیثیہ حاضر ہونے کے واقعات کو شاہد لاتے ہیں وہاں قوم کو تو وہ وحیہ بھی نظر آ رہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ جبریل ہیں۔ حالانکہ نہ تو وہاں جبریل وحیہ بھی میں ملول کیے ہوئے تھے اور نہ یہ بات حق جبریل ہی موجود تھے اور وحیہ بھی تھی۔ دراصل جبریل علیہ السلام اپنی حقیقت ملکیت پر باقی رہتے ہوئے عالم شہادت میں بصورت وحیہ بھی متشکل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت مبارک میں وہ اپنی حقیقت ملکیت ہی میں نظر آ رہے تھے مگر قوم کی رویت کی رسائی ان کی صورت متشکل ہی تک تھی اور چونکہ صحیح ترین رویت، رویت محمدی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی صحیح تھا کہ ذالک جبریل (یہ جبریل ہیں)

پھر اس مقام پر حضرت قبلہ عالم قدس ہر طرف نے فرمایا کہ مجھے ابتداء حال میں اپنا وجدان اس مسئلہ توحید میں آئیہ کر میرے فہم مثل لہا بشر اسو یا کی طرف راہ دکھاتا تھا جس میں فرشتہ آکر حضرت مریم علیہ السلام کو لڑکے کی بشارت دیتا ہے، حضرت مریم کی رویت میں وہ بشر تھا مگر وہ خود کہتا ہے انما انزل رسول ربک یعنی میں فرشتہ ہوں مطلب یہ ہوا کہ حقیقت ملکیت ملکیت انسان متشکل ہو کر ظاہر ہوئی جب حقیقت ملکیت کا یہ حال ہے کہ اُسے اپنے آپ کو ادراک کرانے کے لیے متشکل ہونا پڑتا ہے تو کمال تجلیات حق کو محو علوم انسانی کیسے احاطہ کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے تو خود حق سبحانہ تعالیٰ کا اپنا علم جو اتم اور اعلیٰ العلوم ہے وہی انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اور اس علم الہی کے ورود کا مقام انسان کی زبان نہیں کہ قیل و قال سے درست ہو سکے بلکہ وہ جو ہر نورانی ہے جس سے کمال انسانی متحقق ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دیکھنے والا اپنی بینش کی استعداد اور اندازہ کے مطابق ادراک کرتا ہے اور عقائد کے مدارج میں تفاوت بوجہ تفاوت ادراک کے ہے تو پھر وہ اعتراض کہاں رہ جاتا ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ

حضرت شیخؒ کے اس عقیدہ کے مطابق خدا حجر ہے یا شجر ہے یا پہاڑ یا آسمان۔ دراصل شیخؒ کے اس عقیدہ عینیت کی مدار اُن نفوس قدسیہ کی صحیح ترین رویت اور مشاہدہ ہے جنہیں قدرت کی طرف سے یہ شرف اختصاص کیا گیا ہے۔ نہ کہ عوام ظاہریں کی رویت جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ پھر حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے فرمایا کہ ”کان الشیخ آية من آیات اللہ“ (حضرت شیخ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے)

راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت قدس برہ کا یہ ملفوظ توحید و جود کی کسبش بہا اسرار و رموز کے بیان میں ہے لیکن اس سے وہی شخص صحیح مستفید ہوگا جسے اُردِ احاطہ کی توجہ سے اس مسئلہ کے ساتھ مناسبت ہو ورنہ شیخ ابن تیمیہ جیسے جلیل العلماء ظاہر اس معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے اور توحید و جود کی کو حلول سمجھ کر حضرت شیخ اکبرؒ اور دیگر اکابر مشائخ و جود پر کے خلاف اپنی تصانیف میں سخت نامناسب کلمات تحریر کیے۔

اِس جَانِ حُلُولِ اسْتِ نَہْ اِنْکَارِ شَرِعیّتِ
گوئیہ زَمَنِ مدّعیِ عِلْمِ وِہْمِنْدِ رَا
تَارِذِ سُبُکْشِ نَہْ شُودِ شِیْخِ چَہْ دَانْدِ
اِس بے خُودِی و ذوقِ دِلِ اہْلِ تَطَلُّا

رویت الہی کے بارے میں حضرت شیخ اکبرؒ کے مسلک کی تشریح

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ بعض مشائیر سے منقول ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ اس دُنیا میں رویت الہی کے مُنکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ”ما رآی اللہ الا اللہ (خدا کو خدا کے سوا کسی نے نہیں دیکھا)۔ اور اگر رویت نہیں ہو سکتی تو پھر درویشوں اور عشاق کی کوششیں اور سوز و طلب و تعب کس واسطے ہے۔ یہ حضرات بھی شاید شیخؒ کے اصل مقصد کو نہیں پہنچے۔ شیخؒ رویت کے مُنکر نہیں بلکہ فتوحاتِ مکیہ میں فرمایا ہے ۷

اِذَا مَا تَحَلَّى الْحَبِيبُ بَايَ عَيْنِ ارَاہْ بَعِیْنِہ اِری لَا بَعِیْنِی اِسْرَاہْ
یعنی محبوبِ حقیقی جب تجلی کرے تو اُسے کس آنکھ سے دیکھوں۔ اُس کو اُسی کی آنکھ سے دیکھوں گا نہ اپنی آنکھ سے۔
خواص اس مقام میں شاید مشہور کو آلائشِ غیرت سے پاک اور بجز حق کے نہیں جانتے۔ وہی ذکر وہی مذکور، وہی شاید وہی مشہور۔ ”لیس فی الدار غیرہ“ (اُس کے سوا گھر میں کوئی نہیں) حدیثِ قدسی نے اس معنی کو یوں بیان فرمایا ہے ”بِیْ یَسْمَعُ دَبِیْ یَبْصُرُ“ (مجھ سے دیکھا اور مجھ سے سُنتا ہے) اس مشاہدہ میں شاید کاسبِ تن بمنزلہ چشم ہو جاتا ہے اور بہرہٗ تنِ جمال حق کو دیکھتے ہیں۔ ۸

ہم دیدہ گشتہ چوں ز گس تنش
(اُس کا سارا تن ز گس کی طرح آنکھ بن جاتا ہے)

اور یہ مقام حضرت شیخؒ کے مستفیضین شیخ ابن الفارض وغیرہ کو بھی حاصل ہے اور حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں بھی اسی چیز کو بیان کیا ہے ۹

بے منزل آمد ز من تا بتو شاید ترا یافت الا بتو

یعنی تیرے اور میرے درمیان ہست منازل ہیں اور تجھے تیرے بغیر پانا ممکن نہیں۔
 تجھے کچھ بھی جاننا ہے تو ہی تجھ سے پوچھ۔ کہیں تیرا جتنی غلطی کہیں میری کم بلکہ ہی

ایک شبہ کا ازالہ

اور یہ جو شیخ سے منقول ہے کہ خاتم الانبیاء تمام ولایت میں خاتم الاولیاء سے انکار کرتے ہیں بظاہر یہ کلام منکرین پر گراں گزرتا ہے لیکن اہل معنی پر اندوہ سے معنی گراں نہیں کیونکہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں اس طرح کا سلسلہ اتصال و اشعوبہ ہوتا ہے کہ نبی کے لیے ولی بمنزل اعداد و آلات ہو جاتا ہے مثل ہاتھ پاؤں کان آنکھ و غیرہ کے۔ انسان کو اگر کوئی چیز کمزوری ہو تو ہاتھ استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ تو پاؤں سے ودیعتا ہے۔ دیکھنے کے لیے آنکھ سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سننے کے لیے کان سے۔ گمان باقوں سے اعداد کو انسان کے نفس بظہر پر فوقیت حاصل نہیں ہو جاتی۔ ایسا ہی جبہ ثعلی علیہ السلام کو باوجود واسطہ بننے علوم و وحی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت نہیں۔ پس خاتم الاولیاء کو خاتم الانبیاء پر کس طرح فضیلت ہو سکتی ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ سُہروردی اور شیخ اکبر

حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سُہروردی اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہم عصر تھے ایک روز بازار میں آئے سامنے گذرتے ہوئے نظریں دو چار ہوئیں حضرت شیخ الشیوخ سے ان کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا رَجُلٌ مَقْبُولٌ حَضَرَہُ ذَا السُّرَّارِ الشَّيْخُ الْمُتَعَالَى کی حکمتوں اور اسرار کا خزانہ ہے حضرت شیخ اکبر نے حضرت شیخ الشیوخ کے بارہ میں فرمایا۔ رَجُلٌ مَقْبُولٌ اِثْبَاتًا وَ سُنَّةً اِیْ شَيْخٍ اَتْبَاعٍ اور سُنَّتِ نَبَوِیِّ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے منسوب ہے۔

پھر فرمایا حضرت شیخ الشیوخ اپنے مُردوں کو شیخ اکبر کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے جب شیخ کا دھماکا ہوا تو شیخ الشیوخ نے سخت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ شیخ ابن عربی کی زندگی میں تو آپ ہمیں ان کی صحبت سے منع فرماتے تھے اب اس عزم و اہم کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ شیخ کا کلام نہایت بلند اور عمیق ہوتا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم لوگ اپنے قصور و غم کے باعث معترض ہو کر بے دینی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت شیخ اکبر ایک مخالف کے جنازے پر

ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر اپنے ایک مخالف کے جنازے پر تشریف لے گئے۔ یہ شخص آپ پر روزانہ لعنت کیا کرتا تھا۔ اُسے مُعتلائے عذاب دیکھ کر توقف فرمایا اور اُس کی قبر پر پتھر بار بار نفعی اثبات کا ذکر کر کے اُس کے لیے استغفار کیا۔

حضرت شیخ اکبر کا کشف

ایک اور موقع پر فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر کے کشف کی کیفیت تھی کہ کسی شخص پر تین مرتبہ نظر فرما کر روزِ ميثاق سے شریک اُن کے احوال پر مُفصل طور پر مطلع ہو جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت غوث الاعظم حبیبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی معنوی اولاد تھے۔ ان کے والد کی عرضداشت پر حضور غوث پاکؒ نے فرمایا تھا کہ تمہاری تقدیر میں اولاد نہیں مگر میری صُلب میں ایک فرزند موجود ہے۔ میری پشت سے اپنی پشت ملاؤ۔ چنانچہ پشت ملائے پر یہ فرزند انہیں منتقل کر دیا۔

حضرت شیخ اکبر کا ایک مُرد کو تجلی دائمی ابدی کا عطیہ

حضرت کا ارشاد ہے کہ صوفی دو قسم پر مشتمل ہوتے ہیں ایک متعلق باخلاق اللہ اور دوسرے متعلق باخلاق اللہ حضرت شیخ اکبر قسم ثانی سے تھے کہ اِحیاء اور اِماتت اور تبدل اشکال وغیرہ پر قادر تھے حضرت شیخ کے ایک مستفیض شاگرد شیخ صدر الدین قنویؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں بعض معارف و حقائق بیان کیے جس پر آپ مخطوطہ مسرور ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب آنجناب کے ہی تصدیق اور افاضہ کی بدولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو تحقق بالاسماء کا رتبہ عالیہ عطا فرما رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ پر تجلی دائمی ابدی وارد فرمائی جائے جس سے ایک ساعت بھی محجوب ہوں حضرت شیخ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مجھ سے بارہا وصف اِحیاء و اِماتت کا ظہور ہوا ہے اور خلق خدا کو گونا گوں قسم کے فوائد پہنچتے رہے ہیں لیکن یہ نعمت عظمیٰ آج تک مجھ سے کسی کو نہیں ملی۔ اب تمہیں عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت تجلی دائمی ابدی میرے حال پر وارد ہو گئی۔

فصوص الحکم کا ایک سبق

”فصوص الحکم“ کے سبق کے دوران ایک روز حضرت آدمؑ (فص حکمت الہیہ فی کلمۃ آدمیۃ فاوّل ما لقاہ الممالک) کی تشریح میں حقیقت عالم پر اس طرح تقریر فرمائی کہ فص لغت میں نگین کو کہتے ہیں اور یہاں خلاصہ اور لبّ لباب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ حکمت سے مراد ہے حقائق اشیاء کا علم واقعی جس میں تغیر و تبدل کو راہ نہیں مثلاً حقیقت انسان حیوان ناطق ہے۔ پس زمانہ ماضی۔ حال اور استقبال میں اس کے لیے یہی حقیقت قائم رہتی ہے۔ لفظ الہیۃ اللہ کی طرف منسوب ہے جو ذات کے مراتب ثلاثہ میں مرتبہ ثانیہ کا نام ہے۔

پہلا مرتبہ ہے ذات بحت جسے ہُویت صرفہ بھی کہتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ ہے ذات بحیثیت اسماء و صفات اجمالاً جسے احدیت الجمع بھی کہتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ ہے ذات بحیثیت اسماء و صفات تفصیلاً جسے واحدیت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اعیان ثابتہ

فی کلمۃ کلمات اس قوم کی اصطلاح میں موجودات کے معنی میں آتا ہے۔ اور چونکہ کلمات مرکب ہوتے ہیں حروف اور مبادی سے لہذا یہ حضرات اعیان ثابتہ اور حروفِ علمیہ کو حروفِ اصلیہ کہتے ہیں۔ ارادۃ الہی بمنزکہ قلم ہے جس سے اولاً موجودات کی صورتیں شکل حروفِ اصلیہ (یعنی اعیان ثابتہ) صادر ہوئیں۔ پھر وہی حروفِ اصلیہ خلعت وجود خارجی سے تعلق اور ترکیب پا کر کلمات بنے۔

فیض اقدس

ایمان ثابتہ فیض اقدس کے اثر کا نتیجہ ہیں جو صفات جبرییہ سے ہے اور عبارت ہے تجلی ذاتی سے جو اسٹیا کے وجود اور استعداد کے لیے ظاہر ہوئی۔ فیض اقدس غیر مجعول ہے ماہیات اور ان کی استعداد کی طرح، کیونکہ ذات اور ذاتیات کے مابین جعل کو دخل نہیں۔

ایمان ثابتہ عبارت ہیں اُن خصوصی علوم الہیہ سے جو کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق علم ازل میں ممکن ہیں۔

فیض مقدس

فیض اقدس کے علاوہ ایک فیض ہے فیض مقدس جو صفات اختیاریہ سے ہے اور عبارت ہے تجلی اسمائی سے جو خارج میں مقتضائے استعداد کے طور کا موجب ہے اور مجعول ہے اور یہ استعداد حاصل نہیں ہو سکتی مگر قبول روح الہی سے اور یہی چیز ہے فیض مقدس۔ اصطلاح صوفیہ میں خارج سے مراد ہے وجود ذات من حیث الظہور فی التعیینات پس خلقکم کے معنی ہوں گے تعین بتعییناتکم۔

آدم کے وجود میں علوم الہیہ کا ظہور

آدمیتہ آدم کی طرف منسوب ہے اور اس میں کل کی اضافت جز کی طرف ہے اور عام کی خاص کی طرف کہ وجود آدم جز ہے کل موجودات کا اور خاص ہے باقی مخلوقات کی نسبت۔ حاصل کلام پہلی چیز جو مالک یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر اس کتاب مثالی سے العافرانی وہ ہے خلاصہ علوم الہیہ جو آدم کے وجود میں ثابت ہیں اور آدم علیہ السلام کے وجود میں ان علوم کی ودیعت کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسب استعداد و قابلیت چند علوم ودیعت فرمائے اور چونکہ آدم کی استعداد ان علوم الہیہ کے قابل تھی بوجہ منظر اتم اور جمع اسماء و صفات کا آئینہ اور خلیفۃ اللہ ہونے کے، اس لیے ان جمیع علوم کی ودیعت اُن کے وجود میں فرمائی گئی۔

انسانی وجود میں عالم علوی و سفلی کے حقائق و نظائر

۱۔ عالم علوی اور سفلی کے مجملہ حقائق اور نظائر آدم کے وجود میں موجود ہیں۔ عالم اعلیٰ جس میں ہرگز تغیر و تبدل نہیں ہوتا مثلاً قلم کہ حکماء اُسے عقل اول سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ اکبر کی اصطلاح میں عبارت ہے حقیقت محمدیہ سے۔ اُس کی نظیر انسان کے وجود میں روح قدس ہے۔ عرش عظیم کی نظیر جسم انسان، کرسی کی نظیر نفس انسان بیت المعمور کی نظیر قلب انسان۔ یہ تینوں اگرچہ متحد بالذات ہیں مگر مغائر بالاعتبار۔ ملائکہ جنہیں حکماء عقول عشرہ سے تعبیر کرتے ہیں ان کی نظیر جسم انسان میں قوائے انسانیہ ہیں۔ اسی طرح رُحل اور اُس کا فلک اُس کی نظیر ہے نفس میں قوت علیہ۔ مشتری اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے قوت ذکرہ (فی مؤخرۃ الدماغ)، مرتنج اور اُس کا فلک۔ قوت عاقلہ جو دماغ کے حجرہ یا فوخ میں ممکن ہے۔ اس موقع پر حضرت نے فرمایا کہ بعض حضرات کو جب معراج رُوحی ہوتا ہے تو یہی قوت

عقل اپنے مقام سے خارج ہوتی ہے اور اُس کے لیے براق مثالی لایا جاتا ہے اور وہ اُس پر سوار ہو کر عالم ملکوت کی سیر کرتا ہے میں نے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے کہ یہ خیال اُن کے اندر وارد تھا مگر بوجہ بے علمی اس کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

شمس اور اُس کا فلک اُس کی نظیر قوتِ منکرہ وسط دماغ کے اندر۔ زہرہ اور اُس کا فلک۔ قوتِ دہمیہ روح حیوانی میں۔ عطارد اور اُس کا فلک اس کی نظیر قوتِ خیالیہ مقدم الدماغ میں۔ مریخ اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے انسانی جوارح میں قوتِ حسیہ۔

۲۔ آبِ عالمِ اعلیٰ کے بعد عالمِ استحالہ کو بھیجے جس میں تغیر و تبدل کو راہ ہے۔ کمرہٴ نار جس کی روح ہے حرارت و یبوست۔ وجودِ انسانی میں اس کی نظیر صفر ہے جس کی روح قوتِ ہاضمہ ہے۔ کمرہٴ ہوا جس کی روح ہے حرارت و رطوبت۔ اس کی نظیر ہے دم جس کی روح قوتِ جذبہ ہے۔ کمرہٴ مار جس کی روح ہے برودت و رطوبت۔ اس کی نظیر ہے بلغم اور روح قوتِ دفعہ۔ کمرہٴ خاک جس کی روح ہے برودت و یبوست۔ اس کی نظیر سودا اور روح قوتِ ماسکہ۔

۳۔ عالمِ تعمیر (روحانی) اس کی نظیر قولے انسانیہ (حیوانی) اس کی نظیر احساساتِ انسانیہ۔ (نباتی) اُس کی نظیر وجودِ انسانی میں نمو۔ (جماد) انسانی وجود کے وہ حصے جن میں جس کو دخل نہیں۔ سبع طبقات الارض (طبقاتِ زمین) سودا۔ غنبر۔ حمرا۔ صفرا۔ بیضا۔ زرقا۔ خضرا۔ انسان میں ان کے نظائر ہیں۔ جلد۔ شحم۔ لحم۔ عروق۔ عصب۔ عضلات۔ عظام۔

۴۔ عالمِ نسب۔ یہ عبارت ہے مقولاتِ تسبیح سے۔ عرض اُس کی نظیر اسود و ابیض (کالا گورا)۔ کیفیت اُس کی نظیر احوالِ صحت و سُقم ہے۔ کم۔ مثلاً پنڈلی بازو سے لمبی اور موٹی ہے۔ این۔ مثلاً گردن سر کو اٹھائے ہوئے ہے اور پنڈلی ران کو۔ زمان۔ مثلاً حرکتِ راس بوقتِ تحریکِ دست۔ اضافہ اس کی نظیر ہے کہ فلاں میرا باپ ہے اور میں اُس کا بیٹا ہوں۔ وضع بالائے زید تحت اُد یعنی جسم کا کچھ حصہ بالائی ہے کچھ زیریں۔ فعل مثلاً کھانا۔ افعال مثلاً کھا کر سیر ہو جانا۔

عجائب نسخہٴ ذاتِ الہی عیان در قسے ہمہ اسرارِ شاہی

جہاں انسانِ انساں شد جہانے ازیں پاکیزہ تر نبود بیانے

سبق کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان العارفين بايزيد بسطامي رحمۃ اللہ علیہ ایک کوچہ میں گذر رہے تھے۔ ناگہاں ایک گتا سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ اُس کے لیے راستہ چھوڑ کر نہایت ادب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ بعض خواص نے جو ہمراہ جا رہے تھے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضرت! انسان کے سر پر تو لَقْدُ کَرَمُنا بَخِي اَذَمَر کا تاج کرامت رکھا گیا ہے پس ایک گتے کی اس قدر تعظیم و تکریم کا باعث کیا تھا؟ فرمایا۔ یہ گتا زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اُسے بايزيد تم نے روزِ ميثاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا نیکی کی تھی کہ تمہیں اس لباس اور تعین میں پیدا فرمایا اور میں نے کیا بدی کی تھی کہ اس تعید اور شکل میں مخلوق ہوا؟ گویا گتا زبانِ حال سے کہہ گیا تھا۔

عذیب یک گمتا نیم از مارِ خِستاب

گرچہ الطافش ترا گل کرد مارا خار ساخت

پھر فرمایا جب حضرت بايزيد بسطامي مقام وصل میں سرفراز ہوئے تو حکم ہوا کہ اب مخلوق کی ہدایت اور ارشاد کی طرف متوجہ ہوں۔

آپ کو اس سخن سے بُرے فراق آئی اور توجہ الی الخلق کو توجہ الی الحق کے منافی تصور کر کے ایک لغو مارا اور بے ہوش ہو گئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ رُدُّ ذَٰلِکَ عَبْدٌ عَنِ فِائِهِ لَا یُطِیْعُ عَلٰی فِزَاقِ (میرے بندے کو میری طرف واپس لوٹاؤ کہ وہ مجھے سے فراق کی طاقت نہیں رکھتا)

فصوص الحکم کا ایک اور سبق

ایک روز فصوص الحکم کے سبق میں مراتب وحدت و احدیت اور حضرات اسما کے فرق اور امتیازات کے ذکر میں فرمایا کہ عالم تمام اسمائے الہی کی تجلی کا ظہور ہے۔ ہر عین ثابت کے لیے ایک اسم ہے جو اُس عین ثابت کا رب ہے پس وہ رب اس عین ثابت کو حکم مَاصِنِ ذَٰلِکَ اِلَّا هُوَ اِخِذْ بِمَنَا صِیْدَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (کوئی چلنے پھرنے والی مخلوق نہیں مگر رب تعالیٰ پکڑنے والا ہے اُس کو اُس کی پیشانی سے بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے یعنی جو سیدھی راہ چلے اُس سے بڑے) اپنی گرفت میں لے کر اپنے راستہ پر جا رہا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ واقعات کو نیرہ خارج میں ظاہر ہوں کبھی حضرات اسماء میں باہمی تنازع واقع ہوتا ہے اور جو اسم غالب آئے خارج میں اُسی کا ظہور ہوتا ہے۔

ایک صاحب کشف فقیر جو بوجہ لغزش علمی گمراہ ہو گیا

یہاں گولڑہ میں ایک سفید ریش شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا وہ ایسے مقام پر تھا کہ حضرت اسما کا مشاہدہ کر کے واقعات کو نیرہ سے مطلع ہو جاتا تھا مگر بوجہ لغزش دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا تھا اور کہتا تھا جو کچھ ہے یہی عالم ہے۔ نہ اس سے پہلے کچھ تھا نہ پیچھے کچھ ہو گا۔ میں اُس سے کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ تجھے ہدایت دے اور اس مقام سے خارج کر کے تیری نظر ارادۃ الہی اور فَعَالَیٰ تِمَایِ رِیْنِ پر نہیں۔ وہ ایک روز میرے پاس آکر کہنے لگا۔ بھئی دیکھ کے ہوندا ہے "یعنی اب دیکھ کیا ہوتا ہے" تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ قوم کلال کے درمیان سخت لڑائی اور جنگ و جدل واقع ہوئی۔ چونکہ حضرت اسما کے درمیان تنازع مشاہدہ کیا تھا اس لیے قبل از وقت آگاہ ہو کر اطلاع دی۔ میں نے کہا تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوا۔ تم اور وہ شخص جو اس چیز پر قبل از وقوع مطلع نہیں ہوا برابر ہو۔

عبادت سے ملائکہ کی تولید

ایک روز میں باہر سے آ رہا تھا مجھے راستہ میں جاتا ہوا ملائکہ جب قریب آیا تو آہستہ سے کہنے لگا۔ آج تھوڑے نظر آنے ہیں "یعنی آج تھوڑے نظر آ رہے ہیں) یہ ملائکہ کی طرف اشارہ تھا۔ میں نے اُس روز اسمائے جلالیہ کا درود کیا تھا جن سے ملائکہ کا تولد اجمالی ہوتا ہے لہذا اُسے پہلے کی نسبت تھوڑے نظر آ رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ آج تمہاری عبادت سے ملائکہ کم پیدا ہوئے ہیں۔

ترکِ اشغال بمعنی عدمِ تخت نشینی

پھر فرمایا یہاں ایک اور مجذوب رہتا تھا جو فیون پانی میں گھول کر پیا کرتا تھا اور درجہ میں متذکرہ بالا سفید ریش سے اونچا

تھا۔ وہ ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا آج تخت توں لہ کے تنے بیٹھے ہو یعنی آج تخت سے اتر کر نیچے بیٹھے ہو اس روز میں اپنے اشغال ترک کر کے بعض آدمیوں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک اور درویش یہاں رہتا تھا اور سنگر کے برتن صاف کیا کرتا تھا۔ وہ ان دونوں کی نسبت بلند پرواز تھا۔ ایسے لوگوں کی طرف کسی شخص کی توجہ نہیں ہوتی اور حقیقت میں وہ بڑے روحانی مرتبوں کے بابک ہوتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بختارتِ مہنگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے

پھر اپنے ایک درویش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علم حقیقت میں اسے کہتے ہیں نہ وہ جو تم پڑھتے ہو۔ اور یہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک چار کتابیں نہ پڑھی جائیں۔ پہلی کتاب ہے خود حضرت انسان۔ دوم عالم یعنی تمام عالم کو اپنے وجود میں مشاہدہ کرنا۔ سوم حضرت اسماعیلی ہر اسم کا ارتباط ایمان ثابتہ کے ساتھ اور چہارم ذاتِ بحت۔ اگر یہ چار کتابیں پڑھ لے تو انسان مولوی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ورنہ نہیں ہے۔

مولوی گشتی و آگاہ نیستی خود کجاذ از کج و کیستی
اے عالم دانا کہ بدیں علم ضروری نزدیک مطلوبِ نئی بلکہ تو دوری
تاخانہ دل را نہ کنی مخزنِ توحید حق را نہ شناسی تو بدیں کفر و قدری

ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا

ایک روز فرمایا کہ خوشاب میں ایک فقیر شادانامی دیکھا گیا۔ جس پر ایسی حالت تھی کہ از خود رفتہ ہو چکا تھا۔ اپنے آپ کو تلاش کرتا تھا مگر نہیں پاتا تھا۔ چنانچہ اپنے تئیں آواز دے کر پکارتا تھا کہ "اوشادا۔ اوشادیا۔" پھر کچھ دیر بعد خود ہی جواب دیتا تھا کہ "شادا نہیں۔ شادا نہیں۔"

سخنِ رفیضیتِ اہلبیتِ کرامؑ

ایک روز اہلبیتِ کرامؑ کی شان میں سخن جاری ہوا تو فرمایا حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی روایت کی ہے کہ مَنْ اَمَنَّ بِمُحَمَّدٍ وَ لَعْنُوْهُ مِنْ اِبْنِ اَدَمَ فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ (جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا مگر آپ کی آل کو نہ مانا وہ مومن نہیں) اور شیخ عطار وہ بزرگ ہیں جن کی شان میں مولانا نے رُوم کا ارشاد ہے کہ ہے
ہفت شہر عشق را عطا ارگشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

حسینؑ کے انبائے رسول اللہؐ ہونے کا قرآنی ثبوت

فرمایا نبی امیہ میں سے کسی نے ایک روز تعریضاً حضرت امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کو ابنِ رسول اللہ کیوں

کہتے ہیں (انہی میں کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارا یہ لقب قرآن سے ثابت ہے۔ ہمیں چونکہ قرآن کی سمجھ نہیں اس لیے یہ اعتراض لائے ہو۔ آیت مَبَاطِلُنَّ لَعَنَ الْوَالِدُ اَبْنَاءُ نَادِیْنِ اُنْکَرُوْا کہیے آدم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو لاتے) میں اَبْنَاءُ نَادِیْنِ ہمارے بیٹے) کون تھے؟ کیا اُس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹوں کی سبکیں میں میرے اور میرے بھائی حسین کے سوا کسی اور کو میدانِ مباح میں لے گئے تھے؟

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے

فرمایا ایک روز حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار جا رہے تھے ایک متلائے غربت یہودی نے سوال کیا کہ آپ کے عظیم المرتبت نام نے فرمایا تھا اَلْاٰیْمَةُ السُّوْمِیَّةُ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ (دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت) لیکن اس دنیا میں آپ مومن کہلا کر شاندار لباس میں ملبوس اور قیمتی گھوڑے پر سوار ہیں اور میں آپ کے نزدیک کافر ہو کر ذلت اور مسکنت میں مبتلا ہوں۔ پس یہ دنیا مومن کے لیے دوزخ اور کافر کے لیے جنت کیوں کر ہوئی؟ حضرت امام نے فرمایا کہ میرے جدِ پاک کا ارشاد میں حق ہے لیکن تجھے کفر اور جہالت محیط ہے اور فہم اور علم نصیب نہیں۔ اب اس ارشاد کا بیان میری زبان سے سن۔ تو جس فانیہ آسودگی میں مجھے دیکھ رہا ہے یہ اُن نعماتِ الہیہ کے مقابلے میں جو آخرت میں میرے لیے تیار کی گئی ہیں یعنی انواعِ منازلِ مقامِ کریم جناتِ الفردوس اور دیدارِ پروردگار کی لذت گویا زندانِ کالم رکھتی ہے اور تیرے لیے جو درکاتِ آخرت میں تیار ہیں یعنی عذابِ شدید اور مایہِ صمد اور غضبِ خدا اور عرمانِ مدید۔ اُن کے مقابلے میں تیری یہ موجودہ زندگی بھی جنت کا حکم رکھتی ہے۔

ایک روز فرمایا کہ جب خارجی حدیث شریف اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا مِنْ عِلْمِ کَاشِرُوْنَ اور علی اُس کا دروازہ ہے کی صحتِ عقلی سے انکار نہیں کر پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہاں علیؑ کے معنی ہیں بلند یعنی علم کے شہر کا دروازہ بہت بلند ہے۔

حضرت مولا علیؑ کا انبیائے کرام سے تعلق

ایک روز تمثیل کے پیرایہ میں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ مرتبت کے شہنشاہ ہیں اور دیگر انبیاء علیہم السلام نبوتِ تامہ میں حضور کی طرف سے ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ اور اُن کی مثال بادشاہوں کی ہے حضرت امیر المومنین علیؑ کرم اللہ وجہہ کا تعلق حضور نبی کریمؐ کے ساتھ گویا وزیرِ دربار اور میرِ مٹھی کا ہے اور اگرچہ بادشاہ مرتبہ میں وزیر اور میرِ مٹھی سے فوقیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ شہنشاہ کے ساتھ اُن کے رابطہ میں وزیرِ دربار کا واسطہ رہتا ہے لہذا بادشاہوں کو بھی اُس کی ذات کے ساتھ خاص رابطہ اور تعلق رکھنا پڑتا ہے اور اُن کے دلوں میں اس کے لیے ایک امتیازی وقعت اور توقیر پیدا ہو جاتی ہے۔

کیا جانیں گے اُسے ذوقِ بحرِ خواص عوام
اعلیٰ جو علیؑ کی امامت کا ہے مقام
جو لوگ صفتِ اولیٰ شائق میں تھے
پوچھے کوئی اُن سے کہ وہ کیسا تعالیٰ امام

اہلِ اور نقباء کی منازل اور کیفیات کا بیان

ایک روز منوعاتِ کثیرہ کے سبق میں اہل کے متعلق فرمایا کہ ہر زمانہ میں سات اہلِ موجود ہوتے ہیں جو اعلیٰ سبب کے قطب

ہوتے ہیں۔ صاحبِ اقلیم اول بر قدم خلیل علیہ السلام۔ دوم بر قدم کلیم علیہ السلام سوم بر قدم ہارون علیہ السلام چہارم بر قدم ادریس علیہ السلام پنجم بر قدم یوسف علیہ السلام ششم بر قدم عیسیٰ علیہ السلام اور ہفتم بر قدم آدم علیہ السلام۔ اور شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ کبھی نقباء کو ابدال بنایا جاتا ہے اور وہ تعداد میں بارہ ہیں نہ کم ہوتے ہیں نہ زیادہ اور ان کی خاصیت بروجِ افلاک میں کواکب کے خواص اور اسرار اور تاثیرات کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ انسانی افکار اور احوال کو متاثر کرتے ہیں شیطان ان کے سامنے کشوف ہوتا ہے اور وہ اُس کے حالات سے اس قدر باخبر ہوتے ہیں کہ شیطان کو خود اپنے نفس میں اُس کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ سعید اور شقی کے نقش قدم کو شناخت کرتے ہیں اور کبھی رجبیوں ابدال کہلاتے ہیں اور ان کی تعداد چالیس ہے۔ اور یہ سارا سال سفر میں رہتے ہیں مگر رجب کے مہینے میں قیام اختیار کرتے ہیں جب رجب آتا ہے تو ان پر ثقلِ عظیم وارد ہوتا ہے جس میں پہلے روز وہ ایک انگلی تک نہیں ہلا سکتے۔ دوسرے روز ثقل کم ہونے لگتا ہے اور تیسرے روز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس ماہ میں ان پر خاص کشف وارد ہوتا ہے جو بعض اوقات سال بھر باقی رہتا ہے۔

حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ایک صاحب سے ملائی ہوں، جن کا کشف سال بھر باقی رہا تھا۔

دیوانِ حافظ کے دواشعار کی تشریح

حضرت نے دیوانِ خواجہ حافظ کے دواشعار کی تشریح سبق کے دوران ایک مرتبہ اس طرح فرمائی :-

۱۔ شبے تاریک و بیم موج و گردِ ابے چُنیں حائل

کجا دانستد حالِ ما بسبک ساراں ساحلِ با

یعنی ہمارا حال مشاہدہ تجلیاتِ لطیف و قہر و درد اور حالاتِ رجا و خوف میں اُس شخص کی طرح ہے جو ایک تاریک رات کے اندر بحرِ محیط کے گردِ ابِ بلا میں گھر پڑا ہو پس اُس کی حالت کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو ساحل پر کھڑے ہوں اسی طرح بسکساراں ساحل یعنی مجذوبانِ محض اور زاہدانِ غیر مجذوب ہمارے حال سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس سخن کی تفصیل یہ ہے کہ

درویشوں کی چار قسمیں (مجذوبِ محض زاہدِ خشک مجذوبِ ساک اور ساکِ مجنوب)

درویش چار قسموں کے ہوتے ہیں۔ اول مجذوبانِ محض جو جاذبِ غیب کی کشش سے مغلوب حال ہو کر اوامر و نواہی سے بے خبر ہو گئے جیسے کوئی شخص بادشاہ پر عاشق ہو کر اُس کے جمال کی دید میں مستغرق ہو جائے اور بارگاہِ سلطانی کے آداب کی بجا آوری کا کچھ خیال اُس کے دل میں باقی نہ رہے۔ یہ منزلِ مسلکِ انبیائے کرام کے عدمِ توارث کے باعث ناقص ہے۔ دوم زاہدِ خشک بلا جذبِ اثرِ عشق جو محض زہد اور عبادت میں مصروف رہے اُس شخص کی مانند ہے جو صرف آدابِ شاہانہ کی پاسداری میں مشغول ہے اور جس نے وسیلے کو مقصود سمجھ رکھا ہے اور جو بادشاہ کے جمال جہاں آرا سے بے حظ اور بے بہرہ رہتا ہے۔ تیسرے سوم مجذوبِ ساک جس کا جذبِ سلوک پر مقدم ہو اور تہم چہارم ساکِ مجذوب جس کا سلوک جذب پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ دونوں اقسامِ انبیائے کرام کے وارث ہیں اور یہ درجاتِ مشائخِ عظام کو نصیب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں کا حصول

قطع نظر دیگر اسباب کے سلاسل فقر پر منحصر ہوتا ہے۔ خاندان نقشبندیہ میں جذب سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔ انہیں اول قلب شد کی توجہ سے جذب حاصل ہوتا ہے اور اُسی کی کشش سے منازل سلوک طے کرتے ہیں لیکن اس جذب کو زوال کا خطرہ لاحق رہتا ہے کیونکہ اس کا حصول قلب مرشد کی توجہ پر منحصر ہے جس وقت یہ توجہ علیحدہ ہو جائے معنی مفقود ہو جاتا ہے۔ خاندان چشتیہ اور قادریہ میں جذب آخر میں آتا ہے اور اُسے اپنی مشقت اور کسب سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ پس یہ جذب بطور ملکہ مزاج میں راسخ ہو کر خطرہ زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۲۔ حضورِ گریہ خواہی از غائب مشوا فقط

مٹی ماتنق من تھوئی درج الدنیا وامہلہا

اُسے حافظ اگر حضورِ دوام چاہتا ہے تو خود اُس سے غائب نہ ہو اور کسب اور مشقت سے دل کو دوست کے ذکر میں مشغول رکھ۔ اور دنیا کو چھوڑ دے۔

انواع ذکر (دل غافل اور زبان شاغل غفلت اور شغل مساوی غفلت کم اور شغل زیادہ)

ذکر اور یاد چھند نوع پر مشتمل ہے۔

اول دل غافل اور زبان شاغل۔ یہ ذکرِ لسان ہے اور اہل دل کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں۔ کیونکہ زبان محض آلہ تعبیر ہے اور مدارِ کارِ معانی کے ورو پر منحصر ہے اور وہ ہے قلب۔

دوئم کہ غفلت اور شغل مساوی ہوں یعنی کسی وقت دل ذکر ہو کسی وقت نہ ہو۔ اسے ذکرِ قلبی کہتے ہیں اور قلب کو اسی وجہ سے قلب کہتے ہیں کہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ مقلوبت اور تبدیلی احوال میں ہوا کے اندر درخت کے پتے کی طرح ہے۔

یہاں قلب سے مراد دل معنوی ہے جو حقیقت جامعہ اور نفسِ ناطقہ کا حکم رکھتا ہے نہ کہ دلِ صنوبری جو ایک مضغہ گوشت ہے اور حضورِ دل معنوی کے بغیر بیچ ہے اور اس پر اکتفا اور انحصار فضول۔

سوم کہ غفلت کی نسبت دل کا ذکر اور توجہ زیادہ ہو اس کو ذکرِ روح کہتے ہیں اور یہی ذکرِ بتائیں کج ذکرِ بزرگنی اور ذکرِ اخفی نامک پہنچتا ہے۔

اس شعر کے مصرعہ اول میں بظاہر خلل ہے جس کا ذکر شارحین نے بھی نہیں کیا حضورِ اور از غائب نہ ہو دن۔ ایک ہی چیز ہیں یعنی اگر تو حضورِ کا خواہش مند ہے تو حضورِ کر۔ یہاں شرط اور جزا کے معنی ہیں جو تغافل ضروری ہے وہ نہیں رہتا۔ اس خلل کا دفع ان معنی میں ہو سکتا ہے کہ حضورِ سے مراد ہے حضورِ دوام کا ملکہ۔ اور ملکہ اُس قوتِ راسخ کو کہتے ہیں جو کسب اور مشقت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ایک طالب علم نحو کے مسائل جزئیہ کو نوکِ زبان یاد کرتا ہے اور انہیں ورد بنالیتا ہے اور رفتہ رفتہ اس شغل میں اُسے ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور ہر وقت ان قواعد کا اجرا کیا جاسکتا ہے اسی طرح جو حضورِ ریاضات سے پیدا ہوتا ہے دوامی ہوتا ہے۔

صحائبہ کرام کا حضورِ دوام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حصولِ صحبتِ نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ قلب کے عکس سے منور

ہونے کے باعث حضور دوام کی نعمت حاصل تھی۔ اُس زمانِ سعادت اِقتران کے ختم ہونے پر اُس معنی کے حصول کے لیے جیسے
 اور طریقے استخراج کیے گئے۔ اور ولی اگرچہ وارث نبی ہے اور اُسی شمع سے نور حاصل کرتا ہے مگر یہاں ظلیت کا تنزل حاصل
 ہے اور ظاہر ہے کہ عین اور ظل میں بڑا تفاوت ہے۔

مصرعہ ثانی میں مثنیٰ مَا تَلَقَّی سے مراد ہے مثنیٰ تَرَدُّدُ لِقَائِهِ (جب تُو ارادہ کرتا ہے اُس کی لقا کے لیے) گویا ترک دنیا
 بمنزلہ شرط ہے لقاے محبوب کے لیے، اور ایسا کرنا لقا سے قبل اتنا ہی ضروری ہے جیسا نماز کے لیے وضو۔

تصویرِ شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ

تصویرِ شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ کے متعلق ایک قلمی استفسار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

مکرمی حفظک اللہ۔ دُعا و سلام

اس قصہ کا طے ہونا بحالات کُتب ناممکن ہے۔ لسانِ شرع حسب ظاہر تصریح تصویر سے ساکت ہے اور عند التحقیق
 اس پر کوئی قباحِ شرعیہ لازم نہیں خصوصاً تصویر برقعہ پر یعنی بعد خلع تعین خود صورتِ شیخ کو برقعہ کی طرح اپنے پر لے لینا کہ
 اس صورت میں متعین و مقصود تعین صورتِ شیخ عابد ہوگا نہ معبود۔ چنانچہ تعادل میں بھی حسب کُودُومَعَم الصَّادِقِیْنِ معیت اور
 مصاحبت ہی ہے نہ معبودیت۔ زیادہ دُعا و استمدعا۔

مسائلِ معجزات و کرامات

مسائلِ معجزات و کرامات کی بحث میں فرماتے ہیں کہ ان مسائل کو عقلِ فلسفی کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔

اس جہان میں احکامِ الہی دو وجہ پر جاری ہوتے ہیں۔ ایک موافقِ عادت جو کثرت سے ہوتے ہیں اور دوسرے
 خلافِ عادت جو کم ہوتے ہیں۔ اہل اللہ کے تصرفات کی حقیقت کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے
 تو انکار کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ اسمائے حسنیٰ یعنی نانائے اسمائے الہی سالک کی صفت بن جاتے ہیں پس وہ بطور
 ظلیت صفاتِ رزاقیت، رحمانیت اور قہاریت وغیرہ پر متصرف ہوتا ہے۔ ان حضرات پر عالمِ اسباب کے اسباب کا
 بدل دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا پس سالک پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اُس کی نظر سمومِ دوزخ کو حرام کر دینے کا باعث ہو جاتی ہے
 اس کی مؤید وہ حدیثِ قدسی ہے جس میں ارشاد باری ہوتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے اتنا قُرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اُس کی
 سمع اور بصر ہوتا ہوں۔ بلکہ میں اُس کا داہنا ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے گرفت کرتا ہے۔

باہمی اخلاص اور آشنا پرستی

فرمایا ہم اخلاص اور محبت و اُلُفّت کا ہونا اہلِ اسلام کی اعلیٰ صفات میں سے ہے بلکہ دوستی اور شفقت کے سلسلہ کا
 قیام سب سے پہلے اسلام میں پیدا ہوا ہے۔ ہمارے نبی حضور سید الکونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آشنا پرستی
 کا وصف دیگر انبیاء علیہم السلام سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ اپنی اُمت کے افراد کے لیے دُنیا میں کثرتِ استغفار اور آخرت میں اُن
 کی شفاعت حضور کی اسی کمالِ شفقت و عنایت کی وجہ سے ہیں۔ جب پُطرط پر انبیاء علیہم السلام رُب سَلَام رُب سَلَام

کیس گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی و اُمّتی فرمائیں گے۔ افسوس کہ اس زمانہ میں بوجہ غریبت اسلام یہ صفت مسلمانوں میں مفقود ہو گئی ہے۔

جلال کعبۃ اللہ

فرمایا: سبحان اللہ۔ کعبۃ اللہ کی کیا عظیم شان ہے کہ وہاں پہنچ کر خواص اولیاء اللہ بھی ایک عام انسان کی طرح غلطہ آتے ہیں جس وقت اولیاء اللہ مکہ معظمہ کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو کعبہ شریف کے جلال اور انوار کے استیلا کے باعث اُن کے انوار اس طرح مہتمم پڑ جاتے ہیں کہ دلی اور غیر دلی کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ وہاں ہزار ہا اولیاء اللہ کی قبور ہیں مگر کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور یہ چیز باعث کمال استیلائے اجلال کعبہ ہے۔

پیرانِ کلیر پر جلال کی کیفیت

پیرانِ کلیر شریف کے عرس سے واپسی پر فرمایا کہ حضرت خواجہ علاء الحق والدین صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جلال کی وہ کیفیت ہے کہ عقل اور حواس تحیر میں آ جاتے ہیں۔ ایسا جلال اور کہیں نظر نہیں آیا۔ بجز مدینہ شریف کے مگر وہاں جلال اور جمال دونوں وارد ہوتے ہیں اور یہاں جلال غالب ہے کسی شخص کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ ہر شخص گریہ و زاری اور آہ و نالہ میں مبتلا نظر آتا ہے۔ بلکہ عوام پر بھی سوز و گداز کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور یہ سب حضرت خواجہ کے جذبہ عشق کا اثر ہے۔

ایک رویش کی سرکار بغداد کے ارشاد پر بیعت

غالباً ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے ایک سفید ریش بزرگ آئے اور بیعت کے لیے عرض کیا۔ اُس وقت آپ عصر کی نماز کے بعد حسب معمول سواری کے لیے باہر تشریف لے آئے تھے اور گھوڑا تیار تھا۔ فرمایا: آپ بزرگ آدمی ہیں کسی باخداستی سے تعلق پیدا کیجئے میں تو ایک چابک سوار آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا: میں سیدھا بغداد شریف سے آ رہا ہوں اور سرکار بغداد کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یہ جگہ دکھانی گئی آپ کا نام بتایا گیا۔ آپ کی صورت دکھائی گئی۔ اب اگر جناب کی مرضی نہیں تو واپس جا کر عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت نے یہ سن کر بیعت فرمایا اور وظائف بتائے اور فرمایا: خدا جانے میرے ساتھ بیعت کرنے سے آپ کو فائدہ ہو گا یا نہیں مگر مجھے آپ سے فائدہ حاصل ہو گیا ہے الحمد للہ سرکار بیعت دادیں یہاں کی یاد تو ہے۔

آپ سے ایک کسان مُرید کی گفتگو

شاہ پور کا ایک کسان مُرید حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا پچھلے سال آپ کا مُرید ہو گیا تھا اگر آپ یہاں نہیں پہچانیں گے تو اگلے جہان میں کیسے پہچانیں گے؟ مُسکرا کر اُسی کی زبان میں فرمایا: جے تُوں مینوں پہچان لیا تاں میں دی مینوں پہچان لیاں (یعنی اگر تم نے مجھے پہچان لیا تو میں بھی تمہیں پہچان لوں گا) پھر اہل مجلس کی طرف دیکھ کر آہستہ

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ اَوْ حَدِيثَ الْمَرْءِ مَعَ مَنْ اَحَبَّ تِلَاوَتِ فرمائی (ترجمہ آیت تم مجھے یاد کرو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا)
(ترجمہ حدیث انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)

سورۃ یسین کے وظیفہ کی ترکیب

پشاور میں ایک نابینا حافظ صاحب نے حاضر ہو کر تسخیر کے لیے کوئی عمل طلب کیا۔ فرمایا کہ تسخیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "هُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ فَا فِي السَّمٰوٰتِ وَفَا فِي الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے تسخیر فرما دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) پھر فرمایا کیا بستان پڑھی ہے؟ اور یہ شعر پڑھا ہے

تو ہم گردن از حکم داور پیچ

کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ

(تو خدا کے احکام سے گردن نہ موڑ تا کہ تیرے حکم سے کوئی چیز گردن نہ موڑے)

پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے کوئی وظیفہ مانگتے ہو تو نماز فجر کے بعد سورۃ یسین شریف پڑھا کرو۔ اس طرح کہ کلمہ یسین پانچ مرتبہ پڑھنا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ الرَّحْمٰنِ سولہ مرتبہ اور آخری آیت فَسُبْحٰنَ الَّذِي يَبْدِئُ مَلٰكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ (الی آخرہ) تین مرتبہ پڑھا کرنا۔

ایک پسر زادہ کو نصیحت

پیران عظام کے خاندان میں سے ایک بزرگ زادہ کو بیعت اور تلقین وظائف سے شرف فرما کر اس طرح ہدایت فرمائی جب تک اپنے سر سے بزرگی کی بو نہیں نکالو گے بارگاہ بزرگ حقیقی میں کبھی باریابی حاصل نہیں کر سکو گے۔ انسان کے شرف کا اعتبار حسب میں ہے نہ محض نسب میں۔ درویش کبھی اپنی ذات میں نظر نہیں کرتے بلکہ ہر کہ و مہ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں جدو شرعیہ کی پاسداری کو نگاہ رکھنا۔ نماز پچگانہ اور وظائف قضا نہ کرنا۔ بہتیرے لوگ محض اس لیے خالی اور خشک رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنی خودی اور فخر پر نظر رکھتے ہیں۔

در شاہراہ جاہ و بزرگی خطہ بے است

آں بہ کزیں گریوہ سبک سار بگذری

سورۃ یسین و منزل اور چہل کاف کے وظائف کی ترتیب

ایک طالب کو حسب ذیل ترتیب سے سورۃ یسین شریف اور چہل کاف کے ورد کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ سورۃ یسین شریف سات بار یومیہ پچیس اول سات بار۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ الرَّحْمٰنِ سولہ بار۔ آیت۔ اَذْكُرْ يٰۤاِنْسَانُ اِنَّا خَلَقْنٰہُ سے آخر سورۃ تک تین بار۔

چہل کاف۔ گیارہ بار قبل از وتر۔ اور اگر برائے چلہ ہو تو چالیس روز یومیہ اکتالیس بار پڑھا جائے اس کے بعد روزانہ گیارہ بار ورد رکھے۔ ایام چلہ میں روزہ رکھے۔ اور گوشت وغیرہ ثقیل غذا سے پرہیز رکھے۔

اور سورہ شریف منزل کی اجازت ایک درویش کو اس ترتیب سے عطا فرمائی کہ بعد از نماز فجر تین بار پڑھے آیت رَبِّ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ ذِكْرًا کاتین بار تکرار کرے اور بعد از ختم چھیاسٹھ مرتبہ یاد کیل پڑھے۔

فرمایا قصیدہ بردہ شریف کا یہ شعر جناب نبوت میں بہت مقبول ہے جو شخص بعد نماز فجر اسے سات بار صدقِ دل سے
پڑھا کرے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

هُوَ الْمُنْجِي الَّذِي تَرْتَجِي شَفَاعَتُهُ لِكُلِّ هَوِيلٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ

ترجمہ: وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ جو آئے والے خوف ہیں اُن میں سے ہر خوف کے وقت اُن کی شفاعت کی امید ہے۔

اوراد اور دم برائے شفا سے بخارِ مزمنہ، وجعِ مفاصل، کرمِ دماغ وغیرہ

فرمایا امراضِ مزمنہ بخار وغیرہ کے دفعیہ کے لیے نمازِ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان سورۃ فاتحہ بمسب اللہ کا پڑھنا بہت
محبوب ہے وجعِ مفاصل اور کرمِ دماغ کی امراض کے لیے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سات بار سورۃ فاتحہ شریف پڑھ کر دائیں ہاتھ پر
دم کر کے مقامِ مرض پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے سینے میں سوزش رہتی ہے۔ فرمایا ہر نماز کے بعد تین مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا کرو چنانچہ
یہ شخص چند ہی روز میں اچھا ہو گیا۔

ایک دائمی اور مائوس بیمار حاضر ہوا۔ فرمایا کہ مقامِ مرض پر انگشتِ شہادت رکھ کر یہ کلام پڑھ کر دم کیا کرو انشاء اللہ شفا
پاؤ گے۔ اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

تعویذ برائے جملہ حاجات

ضلع کوہاٹ کے گروہ علماء و صوفیائیں سے ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک ایسے تعویذ کی اجازت دیجئے جو
جملہ امراض اور حاجات کے لیے مفید ہو فرمایا یہ نقشِ مثلث از اسم ذات ہر حاجت کے لیے مفید ہے۔ اس کی اجازت ہے۔

یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ

وظیفہ برائے فراغتِ معاش

ایک شخص نے فراغتِ معاش کے لیے وظیفہ پوچھا۔ فرمایا نمازِ عشاء کی دو رکعت سنت اور وترِ دل کے درمیان
ایک ہزار بار "يَا ذَهَابُ" پڑھا کر دو۔

دُرودِ مستغاث شریف کا ورد

دُرودِ مستغاث شریف کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس کلام میں عجیب اثر ہے اور بہت مفید ہے اور اس کے

روزانہ ورد کے لیے تاکید فرماتے تھے۔

وظیفہ برائے حفظ و امان

ایک طالب کو مندرجہ ذیل کلمات کی تلقین فرمائی تھی جو صبح و شام ایک یا چند مرتبہ پڑھ لینے سے حفظ و امان کے لیے مجرب ثابت ہوئے ہیں۔ ایک کتاب میں ان کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ چوری اور ہر قسم کے نقصان مال اور حادثات سے حفاظت رہتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا یَسُوْقُ الْخِیْرَ اِلَّا اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ
مَا یَصْرِفُ السُّوءَ اِلَّا اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ مَا یَبْکُرُ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنْ اللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ

ورد خاص

ایک روز ایام سفر میں ایک خاص تاثیر کے وقت از خود حاضرین کو اس کلام کے ورد کی عام اجازت فرمائی اور فرمایا کہ حاضرین اسے غائبین تک پہنچادیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ ؕ

محبت الہی کے لیے وظیفہ

ایک مُبتدی کاروباری آدمی کو محبت الہی کے حصول کے لیے تلقین فرمائی کہ سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص سات مرتبہ، اول آخر ایک ایک بار درود شریف، نماز فجر کی دو سنت سے پہلے اور نماز عصر کے بعد پڑھا کر و اور کاروباری مصروفیتوں میں چلتے پھرتے ہوئے پڑھ لو تو مضائقہ نہیں۔

کلام اللہ کے وظائف حصول ثواب اور رضائے حق کی نیت سے پڑھنے چاہئیں

فرمایا بعض لوگ سورۃ یوسف شریف کو دنیوی ثروت و جاہ کے حصول کے لیے وظیفہ بنا لیتے ہیں لیکن فساد نیت کی وجہ سے فائدہ کم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کا اقتضاء محض دنیوی حاجت براری نہیں۔ انہیں حصول ثواب اور رضائے حق کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔ پھر دنیوی حاجات کے حصول میں بھی ضمناً خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔

مرگی کی مرض کے لیے دم

ایک شخص کو مرگی کے لیے یہ علاج بتایا کہ سات بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر نمک پر دم کریں اور اسے اس طریقہ سے بجا استعمال کرے کہ ہر روز طعام نے پہلے اور بعد اور سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد گویا روزانہ چھ بار کچھ لیا کرے۔ اگر مرض میں افاقہ نظر آئے یا بالکل جاتی رہے تو بھی نمک کا استعمال تین ماہ جاری رکھا جائے۔ فرمایا۔ اگر مرض اس عمل پر مداومت رکھے تو نشانہ

اس مرض سے خلاصی پاجائے گا۔

مجموعہ وظائف و اُوراد

حضرت قبلہ کے سلاسل شریفین قادریہ و چشتیہ کا مجموعہ وظائف ایک عرصہ سے طبع ہو چکا ہے اور آستانہ عالیہ کے کتب خانہ سے معمولی ہدیہ پر مل سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں یہ وظائف اور اُوراد شامل ہیں :-

اسماء اللہ الحسنیٰ، لعلۃ التوحید (شیخ الشیوخ شہاب الدین شہروردی وغیرہ مشائخ العراق رحمہم اللہ تعالیٰ) دُعائے کبیر۔ ہفت روزہ اسبوع شریف سیدنا امام زین العابدینؑ و سیدنا غوث الاعظمؑ۔ درود مستغاث شریف (شیخ احمد رفاعی) سلسلہ مشائخ چشتیہ نظم امیہ۔ قادریہ امامیہ۔ قادریہ جدید (عربی و اردو منظوم) مستغاث عشر۔ اسماء التسع (من اوراد سیدنا غوث الاعظمؑ) درود شریف کبریت احمر (قادریہ) درود اکبر اعظم (قادریہ) قصیدہ غوثیہ۔ حزب البحر۔ چمک کاف۔ قصیدہ مضریہ۔ مستجابات (فارسی رباعیات درمیان اعتصام سیفی) ادعیہ نماز اشراق۔ استعاذہ۔ شکر الہام۔ حق والدین۔ ناد علیٰ ترتیب آدائے وظائف و نوافل تہجد۔ اشراق۔ سنن عصر۔ ادائیں صلوة العاشقین و ذکر جہر۔ دلائل انخیرات۔

حضرت قبلہ عالم کے سلاسل فقر

حضرت قبلہ عالم کا سلسلہ شریفین چشتیہ نظامیہ

- ۱۔ حضور سرور کائنات سید المرسلین خاتم النبیین ابوالقاسم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وصال ۲ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ)
- ۲۔ حضرت مولائے کائنات شاہ ولایت امیر المؤمنین ابوالحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم (وصال ۱۱ رمضان ۱۲۸۱ھ)
- ۳۔ حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۲۸۱ھ)
- ۴۔ حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷ صفر ۱۲۸۱ھ)
- ۵۔ حضرت خواجہ ابی العیض فیصل ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ) مزار جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ)
- ۶۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادھم مخفی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶ جمادی الاول ۱۲۸۱ھ) مزار بلاذیر روم)
- ۷۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴ شوال ۱۲۸۱ھ)
- ۸۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷ شوال ۱۲۸۱ھ)
- ۹۔ حضرت خواجہ مشاد علود دینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۲۹۹ھ)
- ۱۰۔ سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مزار شریف ملک شام، وصال ۳۳ ۱۲۸۱ھ)
- ۱۱۔ حضرت خواجہ سید ابی احمد ابدال ابن سلطان فرسافہ چشتی سید حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۱۲۶۷ھ وفات ۷۵۵ھ جمادی الثانی ۱۲۵۵ھ مزار قصبہ چشت)
- ۱۲۔ حضرت خواجہ سید ابی محمد ابن خواجہ ابی احمد ابدال حسنی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ مزار چشت)
- ۱۳۔ حضرت خواجہ سید ناصر الدین ابی یوسف نقوی چشتی خواہر زادہ حضرت ابی محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال

۵۹ھ مزارِ چشت)

۱۲- حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود ابن حضرت ابی یوسف نقوی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶۰ھ رجب

۶۰ھ مزارِ چشت)

۱۵- حضرت خواجہ مختار محمد حاجی شریف زندانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۰- رجب ۶۱۲ھ بم ۱۲۰ سال)

۱۶- حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۵- شوال ۶۱۷ھ مزارِ مکہ مکرمہ)

۱۷- حضرت خواجہ بزرگ سید معین الدین حسن بنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶- رجب ۶۳۲ھ

اجمیر شریف)

۱۸- حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار اوشی کاکی تقوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴- ربیع الاول ۶۳۳ھ

مہرولی شریف - دہلی)

۱۹- حضرت خواجہ سید الدین مسعود گنج شکر ابو حسنی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۴۲ھ تا ۶۵۹ھ محرم

پاک پتن شریف)

۲۰- حضرت خواجہ سلطان المشائخ سید نظم الدین محمد بدایونی بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۳۴ھ تا ۶۵۲ھ

۱۷- ربیع الثانی مزارِ مضافات دہلی)

۲۱- حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ اودھی دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۷۷ھ تا ۷۰۷ھ ۱۳- رمضان مزارِ دہلی)

۲۲- حضرت خواجہ کمال الدین علامہ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۶۶ھ مزارِ شریف دہلی)

۲۳- حضرت خواجہ سراج الدین بن خواجہ کمال الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۸۷ھ مزارِ پیران پٹن برکات پورہ گجرات)

۲۴- حضرت خواجہ علم الدین بن خواجہ سراج الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۹۵ھ مزارِ پیران پٹن گجرات)

۲۵- حضرت خواجہ محمود راجن بن خواجہ علم الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۰۹ھ مزارِ پیران پٹن گجرات)

۲۶- حضرت خواجہ جمال الدین جمن بن خواجہ محمود راجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۰۸ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۷- حضرت خواجہ جمال الدین حسن محمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۸۲ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۸- حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۴۱ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۹- حضرت خواجہ یحییٰ مدنی نبیرہ خواجہ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۲۲ھ بم ۱۱۲ سال مزارِ جنت البقیع مدینہ منورہ)

۳۰- حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴- ربیع الاول ۸۴۲ھ مزارِ دہلی)

۳۱- حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۴۲ھ مزارِ اورنگ آباد دکن)

۳۲- حضرت خواجہ فخر الدین بن خواجہ نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۲۲ھ تا ۸۹۹ھ ۱۷- جمادی الثانی - مزار

مہرولی شریف مضافات دہلی)

۳۳- حضرت خواجہ نور محمد قبلہ عالم ہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۴۳ھ تا ۹۰۵ھ ۳- ذی الحجہ مزارِ چشتیاں شریف بہاولپور)

۳۴- حضرت خواجہ محمد سیمان تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۸۳ھ تا ۹۶۷ھ ۷- صفر - مزارِ تونسہ شریف ضلع ڈیر غازیخان)

۳۵- حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۸۱۳ھ ۲۴- صفر مزارِ سیال شریف ضلع سرگودھا)

۳۶۔ حضرت خواجہ سید پیر علی شاہ قبلہ عالم گولڑہ شریف حسنی گیلانی (۱۲۷۵ھ تا ۱۳۵۶ھ ۲۹ صفر گولڑہ شریف قلعہ پلندی)

سلسلہ شریف قادریہ امامیہ

- ۱۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- ۲۔ حضرت مولائے مشکل کشارم اللہ تعالیٰ وجہہ
- ۳۔ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ وعلیٰ اہلبہ وعلیٰ وجہہ الصلوٰۃ والسلام (ولادت ۱۵۔ رمضان ۳ھ وصال ۵ھ۔ مزار شریف جنت البقیع مدینہ منورہ)
- ۴۔ حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا علیہ السلام (ولادت شعبان ۴ھ شہادت ۱۰۔ محرم ۶۰ھ کربلائے معلیٰ)
- ۵۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ وعلیٰ آباءہ السلام (ولادت ۱۵۔ جمادی الاخریٰ ۳۸ھ وصال ۱۸۔ محرم ۵۰ھ۔ جنت البقیع مدینہ منورہ)
- ۶۔ حضرت سیدنا امام باقر علیہ السلام (ولادت جمعہ ۳۔ صفر ۵۷ھ وصال ۱۳ھ۔ جنت البقیع)
- ۷۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام (ولادت ۷۔ ایبغ الاول ۸۳ھ وصال ۱۵۔ رجب ۱۴۸ھ۔ جنت البقیع)
- ۸۔ حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (ولادت یکشنبہ ۷۔ صفر ۱۲۸ھ شہادت ۲۵۔ رجب ۱۸۳ھ کابل شریف قلعہ)
- ۹۔ حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام (ولادت جمعہ ۱۱۔ ذی الحجہ ۱۴۸ھ بقولے ۱۵۳ھ وصال ۲۳۔ مشہد۔ ایران)
- ۱۰۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۰ یا ۲۱۔ محرم ۳۲۷ھ مزار۔ بغداد کُندہ)
- ۱۱۔ حضرت خواجہ بربری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳۔ رمضان ۳۵۷ھ گورستان شونیز۔ بغداد)
- ۱۲۔ حضرت خواجہ سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷۔ رجب ۳۹۷ھ یا ۳۰۲ھ بغداد)
- ۱۳۔ حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۲۵۵ھ وصال ۳۴۲ھ بغداد)
- ۱۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶۔ جمادی الثانی ۴۲۵ھ بقولے اپنے والد کے مرید تھے اور وہ حضرت شبلیؒ کے مرید تھے۔)
- ۱۵۔ حضرت خواجہ ابی الفرح علاء الدین طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۔ شعبان ۴۴۷ھ طرطوس۔ شام)
- ۱۶۔ حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمود القرشی النکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۴۸۹ھ وصال ۴۸۹ھ تونس)
- ۱۷۔ حضرت خواجہ ابی سعید بن علی المبارک الخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۔ شعبان ۵۱۳ھ مزار مدرسہ غوثیہ اعظمیہ بغداد شریف)
- ۱۸۔ حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سیدنا ابی محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت یکم رمضان ۴۷۱ھ بمقام گیلان وصال شب شنبہ ۱۱۔ ربیع الثانی ۵۶۲ھ مدرسہ باب الانج بغداد شریف المعروف باب الشیخ)
- ۱۹۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابی النجیب عبدالقادر سرور دی صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۷۔ جمادی الثانی ۵۶۳ھ بغداد)

- ۲۰۔ حضرت خواجہ عماد الدین بن یاسر اندلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۶ ربیع الاول ۵۸۲ھ)
- ۲۱۔ حضرت خواجہ ابوالمختار نجم الدین احمد الکبریٰ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بمقابلہ تاتاریاں بقم خوارزم ۶۱۸ھ)
- ۲۲۔ حضرت خواجہ ابوسعید محمد الدین شرف بن المود بن ابی الفتح بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بعنبدیہ خوارزم شاہ بدریائے خوارزم ۶۱۶ھ)
- ۲۳۔ حضرت خواجہ رضی الدین علی بن سعید لاغر نومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۶۲۲ھ)
- ۲۴۔ حضرت خواجہ نور الدین عبدالرحمن اسفرانی کسرتی المعروف بکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴ جمادی الاول ۶۲۷ھ بغداد)
- ۲۵۔ حضرت خواجہ رکن الدین احمد بن محمد علاؤ الدولہ سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۶۵۹ھ وصال ۷۳۶ھ سمنان ترکستان)
- ۲۶۔ حضرت خواجہ شرف الدین محمود بن عبداللہ المزدقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۱۔ رجب ۷۳۶ھ مزار حطیسہ عماد الدین عبدالوہاب)
- ۲۷۔ حضرت خواجہ امیر سید علی بن شہاب بن محمد الہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۸۶ھ مزار ختلان سرحد بدخشان)
- ۲۸۔ حضرت خواجہ سید اسحاق ختلانی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵ ذی الحجہ ۷۸۸ھ ختلان)
- ۲۹۔ حضرت خواجہ سید محمود نور بخش اسیری بن یحییٰ بن علی گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۳۔ رجب ۸۵۷ھ پشاور)
- ۳۰۔ حضرت خواجہ سید محمد غوث نور بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۵۔ شوال ۸۹۸ھ کربت پور گجرات)
- ان کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد گجراتی پر اس سلسلہ شریف کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے اتصال ہو جاتا ہے جس کی تفصیل اور آئندہ مشائخ کرام کے اسمائے گرامی کا اندراج سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں گزر چکا ہے۔ یہ سلسلہ شریف انا لیسویں کڑی پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی ذات گرامی پر منسلک ہوتا ہے۔
- ان کے علاوہ سلسلہ عالیہ قادریہ مجددیہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ اور سلسلہ رفاعیہ میں بھی آپ مجاز تھے۔ ان سلاسل کی تفصیل بوجہ طوالت یہاں نہیں دی جاتی۔

تیسری فصل

کلام منظوم

حضرت قبلہ عالم قدس پیر پنجابی اور فارسی زبان کے ایک نغز گو مخنور تھے۔ آپ کا کلام جو نعت مستجابات اور تصوف پر مشتمل ہے اپنی سلاست اور انوکھے انداز کی وجہ سے غلبہ حال کا مرقع معلوم ہوتا ہے۔ کئی طویل نظمیں فی البسیہ لکھتے یا لکھا دیتے تھے۔ واردات غیبی کی تاثیر سے ایک مرتبہ تافیہ وردیف سے بنی ساز ہو کر بھی کلام ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ بالوچی کی طرف ایک مکتوب میں اس قسم کا ایک شعر درج کر کے فرماتے ہیں: "لسان الوقت کو قافیہ وردیف سے غرض نہیں، لہذا مجنونانہ مضامین پر عقلاً کو مواخذہ کا استحقاق نہیں" حضرت کی بعض پنجابی نظمیں متبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ اور بے پناہ تاثیر کی حامل ہیں بالخصوص وہ نعت جس کا مطلع ہے: "جسک مہتراں دی و دھیری ہے کیوں لڑی اود اس گھنیرنی ہے" اور دو اور نعتیں: "اے بھی اودہ پیاں دسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں" اور "دل گزلبے پرواہاں نال" اس ملک میں قوالی کی جان سمجھی جاتی ہیں اور اکثر تہذیب میں اور ریڈیو پر پڑھی جاتی ہیں۔

کبھی کسی استاد کا کلام پسند فرماتے تو طبع عالی پر داذ کر کے اپنے بلند مقام سے جواب کہہ جاتی چنانچہ حضرت سید مجتبیٰ شاہ صاحب نے فرمایا تھا:۔

کُن فیکون جداں اکھیا آہا تاں اساں دی کو لے آہے
کے لامکان مکان اساڈا کے بُت وچ آن پھنسیا سے
کے ملک اسانوں سجدے کر دے کے خاک وچ آن رلیا سے
مجھے شاہ نفس پیت نے پیت کیا کوئی مڈھ نے پیت تاں ناہے
اس زمین میں ہمارے حضرت کا ارشاد ہے:۔

کُن فیکون توکل کی بات ہے ہم نے اُس سے بہت پہلے پیت لگائی تھی
"میں نے اُس وقت گواہی دی جب تیرا میرا نشان بھی نہ تھا۔
اُس وقت کے آثار میں اب بھی نظر آ رہے ہیں۔
اے مہر علی شاہ دل تابوں بیٹھے جداں سک دہاں نوں آہی

(اس رباعی میں حضرت نے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُورِی کے مطالب کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت امام احمد بن حنبلہ نے مسند عبد الرزاق سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے کہ کہا حضرت جابر نے یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تھا؟ فرمایا: سب سے پہلے اے جابر اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ اور یہ نور بقدرت و مشیت

خداوندی پھر تار باجہاں اُس نے چاہا۔ اُس وقت کوئی شے نہ تھی۔ نہ لوح نہ قلم۔ نہ بہشت نہ دوزخ نہ فرشتے۔ نہ آسمان نہ زمین۔ نہ سورج نہ چاند۔ نہ جن نہ آدمی۔ پھر جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ ہوا۔ تو اللہ نے اُس نور کو چار اجزا پر تقسیم فرمایا۔ پہلے جزو سے قلم۔ دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا کیا۔ اور چوتھے جزو کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے آسمان۔ دوسرے سے زمین۔ تیسرے سے بہشت اور دوزخ پیدا کیے۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے زمین کی آنکھوں کا نور۔ دوسرے سے اُن کے دلوں کا نور۔ تیسرے سے نور توحید لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کو پیدا کیا۔ حضرت سید محمد خفادی حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ چوتھے حصے سے ارواح انبیاء پیدا کیے گئے اور باقی کو پشتِ آدم میں رکھا گیا۔

اسی طرح حضرت عراقیؒ کے اشعار سے بھی متاثر ہو کر حضرت نے جو اباجہاں اشعار کہے۔ حضرت عراقیؒ فرما گئے ہیں :-

نخستین بادہ کا نذر جسم کردند
مزا جش عکس آں گل نام کردند
چوں خود کردند رازِ خویش تن فاش
عراقی را چہ ابد نام کردند
اس پر حضرت نے جو اباشاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کے ساتھ کچھ اشعار فرمائے :-

مئے توحید از خم خانہ غیب
بستان الست انعام کردند
چوں غلیم زمستی باہر سو
حرلیں مستی از من وام کردند
ہویدا شد در امکاں صورت حق
بہ آں صورت جہاں را رام کردند
بہر آں کہ غیرش نیست موجود
بخود آغز و ہم انجم کردند
خواجہ حافظ شیرازیؒ کی ایک غزل کا شعر ہے :-

سینہ مالا مال درد است آئے ریغام ہے
دل ز تنہائی بجاں آمد خدا را ہمدے

حضرتؒ نے اسی رنگ میں اس طرح فرمایا ہے :-

سینہ مالا مال درد است و بگوید ہر دے
درد بردردے دیگر زخمے بجائے مر ہے
قرۃ فالش بسنام آدم خاکی زدند
گل بودنے دل کہ بادردے بخوید مر ہے
دل گشت زخمے رفوگر مہرباں دار و طلب
نوک مژگاں را صبا بار دیگر گو مر ہے

حضرتؒ کی یہ غزل ایک سال پاک پتن شریف کے عرس میں ایام محرم کے اندر پڑھی جا رہی تھی۔ حضرتؒ خود رونق افروز مغل تھے۔ ہندوستان کے ایک بزرگ سجادہ نشین پہلے ہی شعر پڑھیں آکر رقص کرنے لگے۔ آداب چشتیہ کے ماتحت ساری مغل اٹھ کھڑی ہوئی۔ روتے جاتے تھے اور لذت فرمادیں ان اشعار کی اس طرح تشریح کر رہے تھے "بسبحان اللہ یہ صاحبؒ نے کیا خوب مرثیہ کہہ ڈالا ہے سنو سنو حضرت امام حسینؑ تہ خنجر کیا فرما رہے ہیں :-

"اے میرے دل و جان اور میری روح کے محبوب! اے میرے ایمان!! اس خنجر کی روانی کو تاقیام قیامت دراز کر دے کہ تیری محبت میں ذبح کیا جاؤں اور زندہ ہو جاؤں اور پھر ذبح کیا جاؤں۔"

اس کلام کیف کے بقیہ اشعار یہ ہیں :-

بستہ شد اندر ازل خاطر بدار شور جہاں
کو نسیم تاب ز لعلش نوریں چہ ہے
العل العینین املح وازجر الحاجبین
سر نہ گیں چشمہ کماں ابرو۔ طبعی۔ ارجمے
رؤئے تاباں و التخی والتیسل مویں ذابھی
وز قناتشش بوئے۔ یسین از مبتسمے

دوش در گو شمر رسیدہ از گلن کوئے دوست

مہر مارا کے سوز ہر خود پرستے بے غمے

۱۹۱۲ء میں ملک سلطان محمود بھی بچپن میں ہی اس چشم سیدہ مدبھری پر سحر و فتن اور اس نوک بڑہ کا شکار ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں انٹرنس
کیا اور عنوان پر یہ شعر لکھا۔

گر چارہ مرے زخم جگر کا نہیں کرتے

اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے

حضرت نے بواپسی اپنے قلم مبارک سے منطوم جواب ارسال فرمایا :-

اُس چشم سیاہ مدبھری پر سحر و فتن سے

بے ساختہ تھا زخم جگر نوک بڑہ سے

کہہ دیوے بھلا کیسے کوئی میرے عرب سے

”اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے“

ہے مہر و فاطمہ زو ادا آل عبا کی

ہرگز نہ کہیں گے کہ ہم اچھا نہیں کرتے

مولوی محرم علی چشتی کے لڑکے مولوی قائم علی جب گولڑہ شریف کے درس دینیات میں داخل ہوئے تو نہایت غبی
طالب علم شمار کیے جاتے تھے۔ اس سے پہلے مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اساتذہ ان پر بہت محنت ضائع کر چکے تھے
اور انہوں نے چشتی صاحب پر جو انجمن نعمانیہ کے صدر تھے اس صاحبزادہ کی تعلیم کے متعلق اپنی قطعی مایوسی کا اظہار کر دیا
تھا لیکن چشتی صاحب بھی بیٹے کو انگریزی سکولوں میں داخل کرنے کے مشورہ کو ٹھکرا کر اُسے عالم دین بنانے کے ارادے پر
مُبصر تھے حضرت قبلہ عالم قدس بڑہ نے قائم علی صاحب کے ذہن نارسا کی شکایات سُن کر اپنے پاس بلوایا اور فاضل لاہوری کا خطاب
بخشا چنانچہ وہ اسم باسٹی ہو گئے اور مگر بھر اسی خطاب سے مشہور رہے۔ ایک روزیہ فاضل لاہوری فادری میں نظم کہہ کر لے آئے اور
حضرت نے انہیں یہ نصحت فی البدیہہ لکھوا دی :-

من کُشتہ ابروئے آل دلبِ عیسا

وز ناوک مژگانش صد خار بہ دل دارم

آشفته مہر دے پُر ناز و ستم گارم

بر یادِ سیدہ چشتی ہمہ روز سیاہم شد

لے یہ ملک سلطان محمود بھی بچپن میں ہی اس چشم سیدہ مدبھری پر سحر و فتن اور اس نوک بڑہ کا شکار ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں انٹرنس
تعلیم تھی۔ بزرگ اچھے سرکاری نمائندے پرستے مگر گھربار اور جائیداد اور نمبر داری چھوڑ کر پہلے کئی سال دیوانہ وار چسک کھاتے رہے۔ پھر ۱۹۲۵ء
میں جواگر بیٹے تو ۱۹۵۶ء میں مرا گئے اور خانقاہ شریف کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

از زلف پریشانش شد خانه بدوش من
در صفِ رُوسے او آیاتِ خدا دارم
عشق آمد و شد ساری چوں بوبگلاب اند
اور در من و من در فے سرسیت زاسرارم
بیرون نہ ز دم قدمے دیں طرفہ متا شاہیں
پُر آبلہ شد پام عمریت کہ سیارم
قَدْ كَانَ وَمَا مَعَهُ مَأْكَانٌ مِنَ الْأَكْوَانِ
الآنَ كَمَا كَانَ مَشْهُودٌ دِل زارم

تایافتہ ام خب سے کہ از بابِ علومِ دل
دلدادہ بہر آں شہِ حیدرِ کرام

اسی زمین میں کچھ عرصہ بعد حضرت نے ایک اور نظم مختلف حالات کے اندر قلم برداشتہ تحریر فرمائی تھی موضع مونی تحصیل بہری پور کے ایک معمر اور ذی علم سید حسین شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کی کسی عبارت پر نواحی علاقہ کے ایک مفتی نے فتویٰ دیا تھا کہ یہ شخص اہلسنت سے خارج ہے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنا حرام ہے حضرت ایک مرتبہ اُس علاقہ میں تشریف لے گئے تو مصنف نے حاضر ہو کر اُس عبارت کے مشکوک پہلوؤں کی وضاحت کر دی اور آپ نے فتویٰ کو خطا سے تعبیر کر کے انہیں ترکِ موالات کی مصیبت سے نجات دلوائی۔ کچھ عرصہ بعد اُن کا عریضہ آیا کہ مفتی صاحب کا تشدد اور بڑھ گیا ہے اور انہوں نے حضرت کو بھی اپنے فتویٰ کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ چنانچہ جو ابابہ اشعار تحریر فرماتے اور لکھ بھیجا کہ اپنے بزرگانِ اہلیت کی سنت میں صبر سے کام لیں :-

گو نامہ سیاہ کردم از بس کہ گنہ گارم
اما نظرے بستہ بر رحمتِ غفارم
اجاب بہ تکفیرم گرفتلم و زباں اندم
حاشا کہ بختِ شال جز عفو روا دارم
در کوئے حُسدِ ایناں زان روز کہ شد گندم
از مذہبِ خود بینی بیدارم و بیزارم
رم کردہ ز غیبر او دارم دیکے شیدا
بے ہوشم و با ہوشم، بے کارم و با کارم
تا ساقیِ مستانم مے ریختہ در کامم
عربان و حسدِ اباتم، رقصانم و سرشارم
الْمَلِكُ لِمَنْ غَلَبَ نَاسِيتُ زَمَنِ بَاقِي
از قرب مع اللہ برتر شدہ زان کارم

از سلسلہ فقرم آئے دست چمے پرسی

دلدادہ بہر آں شہِ حیدرِ کرام

اپنے فرزند ارجمند حضرت اسید غلام محی الدین بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض مکتوبات میں حضرت قدس سرہ نے

عارفانہ اشعار بھی لکھے جو برائے افادہ درج ذیل ہیں :-
اے غلامِ غوثِ اعظم فکر کن
فکر کن در خلقت پس شکر کن
جمع گشتہ در تو عالمِ خلق و امر
جسم تو خلق است و روح تہست امر
ہست در تو جملہ از عالمِ کبیر
زین جہت شد نام تو عالمِ صغیر
جہ تو کل شد ملائک جندِ او
زین سبب آمد خطاب اسجد و اسجد

دیگر

چونکہ در عالم سخن گوئی یکے است
کیست دیار اندریں دار الوجود
یارس و ہندی و عربی یکے است
وَجْهَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يَجْتَلِي
لَيْسَ الْاَمَنُ هُوَ الْحَكْمُ الْوَدُودُ
عِلْمُهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يَحْتَوِي
مے وزد بادے چو از آلا انا
کُلُّ شَيْءٍ يَتَعَدَّمُ مَعَ مَهْرِ شَاهِ
فارسی میں حضرت کی ایک اور مشہور نعت یہ ہے :-

صبا ز طرہ شہزاد ہوش طراز
کیم گدائے در منہی کوتاہ دست
کشود نافہ مشکیں بر دے اہل نیاز
توئی کہ ذرہ صفت را با سماں بردی
چگونہ شکر تو گوید کمیہ بندہ نواز
غرض ادائے نیاز است در نہ حاجت نیست
کمال حشمت محمود را بعجز نیاز
رہین ساقی چشم کہ جگر پشاند
ز جام چہرہ ترکان ہوشان حجاز
بہ برہم بادہ فروشاں بہ نیم خونہ خرد
مراع ز ابد طماع چہ حج و صوم و نماز
مرا پذیر مغال را ز ہائے سر بستہ است
فغان زوا عطا خود ہیں گنجاست محرم راز

اگرچہ سخن تو از مہر غیب مستغنی است

من آں نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

ایکے تہ حضرت ہوض قاضی غالب ضلع لائل پور جہاں ہے تھے جہاں پنجاب کے مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیدر کا مزار
کنار راوی واقع ہے۔ وہاں دریائے راوی پر فی البدیہہ چند اشعار ارشاد فرمائے :-

راوی از جہراں شکایت می کند
گشتہ ام مہجور تر از اصل خویش
از وصال شہم روایت می کند
آدم از جہدے پویم بہ او
تیز تر پویم برائے وصل خویش
رادے و مروی و مروی عنہ ہم
روزگار و صلے جویم بہ او
گشت چوں ہجران و وصل انجیب بہم
و ہم غفلت علم او غفل وجود
داند او کو راست و اچشم شہود

ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے صاحبزادہ جناب بابو جی صاحب
مدظلہ کو خط میں یہ اشعار لکھ بھیجے :-

اے وعدہ فراموش کوں کیوں شکایت
بھولوں گا کبھی تجھ کو نہ میں تا بہ قیامت
تو نے تو یہ وعدہ کیا تھا دم رخصت
گریاد تمہیں ہم تھے تو کیوں از رہ اُلفت

خطے نہ نوشتی و مرا یاد نہ کردی

گا ہے بہ زبان قلم شاد نہ کردی

جناب بابو جی صاحب نے یہ خط قبلہ عالم قدس سرفرازی کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جواب کے لیے یہ اشعار لکھوائے۔

ہوں وعدہ کا پکا نہ کرو میری شکایت میں نے تو یہ وعدہ کیا تھا دم رخصت

بھولوں گا کبھی تم کو نہ میں تا بہ قیامت ہے یاد مجھے آپ کی ہر خط بہ اُلفت

ہے یاد صفت دل کی نہ کاغذ نہ قلم کی

جب یاد ہو دل میں نہیں حاجت ہے قلم کی

قاضی سر بلند خان پشاورمی سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا کہ آپ کو ہمارا کچھ خیال نہیں۔ مدت ہوئی یاد نہیں فرمایا۔ جواب میں صرف ایک شعر تحریر فرمایا۔

خاکساروں سے خاکساری ہے سر بلندوں سے انکسار نہیں

قاضی صاحب نے جواب دیا۔

حلقہ بگوشوں میں سر بلند ہے آج حضرت مہر شاہ کو خیال نہیں

اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

شاعری میں بھی سر بندی ہے قافیہ بھی یہاں بکار نہیں

مہر اور پھر بے ہمد کیا معنی؟ جمع اضداد ناگوار نہیں؟

ایک اور نظم جو مثنوی بوڑا کے نام سے مشہور ہو گئی ہے ایک سفر کے دوران ایک ایک چشم کو چوان کے رویہ سے متاثر ہو کر موزوں فرمائی تھی جس کا گھوڑا بھی اپنے مالک کی طرح ایک آنکھ سے محروم تھا۔ اور دونوں کی رفاقت کا نتیجہ یہ تھا کہ تا نگہ ایک ہی سمت کو غلط چل رہا تھا۔ آپ فی البدیہہ یہ اشعار موزوں فرماتے گئے اور مفتی غلام مرتضیٰ صاحب صدر انجمن عثمانیہ لاہور اور ملک سلطان محمود ٹوانہ جو ساتھ سوار تھے قلمبند کرتے گئے۔ یہ اشعار بے عمل مولویوں، بے عمل صوفیوں اور متعصب دہائیوں اور نیچریوں پر ایک لطیف طنز کا حکم رکھتے ہیں۔

واحد العین است یک سو بنگرد از ہمہ رفت علیحدہ مے رود

ربنا انا ظلمنا۔ الاماں ان نسینا تو ز دستش دار ہاں

یا ملاذ الکمل یا کھف الوریٰ اوست اعور یحنا یا ربنا

گو تمش ہر چند لیکن نشنود ہر کسے بر خلقت خود مے تند

خلقتش یک چشمی است و احولی رب فاسئلک صراطا مستوی

اس دوران میں مفتی غلام مرتضیٰ صاحب اپنے گاؤں کے چوراہے پر رخصت کے طلب گار ہوئے۔ فرمایا۔

مخلصی فی اللہ، غلام مرتضیٰ از شرارت کور باطن قد نجی

آے آماں کہ غلام حیدر اند از دل و جاں شاں رہین صفدر اند

گوئے سبقت مے برند از ہر کسے دارند از مولا علی نصرت بے

کیست مولاے علی مولاے کل ہکذا قد قالہ خیر الرسل

از نفوس ماست اولیٰ تر نبی پس علی را ایں چنیں داں یا خنی

گشت اول از ہمہ نور بنی بود اقرب تر بہ او نور علی
یہاں خیال آیا کہ میں نے اس ہند کو چوان کو کور باطن کا سخت لفظ کہہ دیا ہے فرماتے ہیں :-
کور باطن گفتت اسے بوڑیا بالمت بل سے وجم حالدنا
حق تعالیٰ نور ایمانت دہا د جان وجمت دائمہ در فرح باد
پھر مفتی غلام مرتضیٰ صاحب کی جذباتی کا خیال عود کر آتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

جامع علم و حیا۔ آل بادشاہ
صانہ الرحمن من نار السقر
دل نے خواہد شود از ما جدا
جذبہ عتقت ساری در جہاں
محبی فی اللہ عنہم مرتضیٰ
وقت ما غوش کرد اندر اس سفر
یا علی امیرک غلامک عندنا
اصل کل جذبات فاحببتہا
کنت کثرًا مخفیًا فاحببتہا ان اعرکت کے ارشاد باری کی طرف اشارت ہے
ہست بے صورت جناب قدس حب
قد تجلی فی غیابات الحب
داں جنود مجتہد ارواح را
ما اختلف شتمہ کشا اشباح را

ایک تہ پاک پتین شریف سے واپسی پر جب حضرت علی حیدر صاحب کے وطن میں اقامت فرماتے تو قبلہ بالوجہ کے تعاضد پر ایک
نظم فی البدیہہ قلم بند کرائی جس کے ہر شعر کے پہلے حرف کو لے کر دیوان سید محمد صاحب کا نام لکھ کر آتا ہے جو اس وقت
پاک پتین شریف کے سجادہ نشین تھے۔ پوری نظم ملاحظہ ہو :-

دلا کس کی لگن میں پھرتا ہے وحشی تو بن بن میں
یہاں لا کر کیا قائل فسونِ سحر کا اپنے
وہاں سوئے پڑے تھے خوش عدم کی نیند میں بخود
ارے ساتی ترے منوں میں سب رند و مستانے
نگارے والٹھے روئے و دالیل سجے موئے
سنا کر بیٹھی باتوں کو دکھا حسنی صفت توں کو
یہ کیسا ہے گداز و سوز کیسی ہے یہ بے خوابی
دل جیہاں کی تسکین کو خیال اُن کا غنیمت ہے
مدینے میں بلا بھیجو قریب وادی حرم

(سفر حج میں وادی حرم کے اندر ظاہری زیارت کی طرف اشارہ ہے)

حریف ساغر وئے بوں غریقِ بحرِ عصیاں بوں
مجھے کیا غم ہے محشر کا مرا حامی ہے جب شہ
سہارا ہے فخرِ مثنیٰ کا مجھے محشر مکان میں
کہا لولاک و طہ و مدظل جس کی شان میں

دلالت رد عنہم ہو کر تو محی الدین حبیبی کا
مُرییدی لاکھت بس ہے سہارا ہر دو کون میں

جب ۱۳۱۵ ہجری مطابق ۱۹۰۷ء میں حضرت لاہور میں قادیانی مہر کے سے مظفر منصور ہو کر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالوی کا مبارک نامہ پہنچا۔ اُس کے جواب میں یہ لکھ کر کہ یہ مبارکیں عالم گیر خطہ خاک پاک سیال شریف کو نمایاں ہیں از رہگذر سے خاک سر کوئے شمشاد بود ہر نافر کہ در دستِ بشیم سحر افتاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ یہ بیس اشعار وحدت وجود کے رنگ میں قلم بند فرمائے ہیں اور اُن میں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے وہ اسی شمس نورانی کے نورِ مطلق کی بدولت ہوا ہے جو میرے اندر کارفتہ تھا۔ حضرت نے سیفِ چشتیانی میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں الفت آفرما رہے ہیں۔ اس خط کے آخر میں فرمایا ہے: یہ چند اشعار مذکورۃ الصدر جو لسان الوقت نے بغیر امدادِ عرض و قوائی ہدیہ در دولت کیے ہیں۔ اُمید ہے کہ بہ لحاظ جنوں و بے ساختہ پن محلِ اعتراض بلغانہ ہوں گے۔

شمس نورانی کہ نورِ مطلق است	در ہمہ آفاق نورش مطبق است
گشت خورشید سے نہاں در ذرۃ	شیرِ نر در پوستینِ برترۃ
از پئے رو پوش عامہ در میاں	مہرِ شاہ شد مشترک ہر لسان
چونکہ نور افشاںد بر لاہوریاں	خللِ محرومی خفت فی القادیاں
شب ز روز و روز از شب شد عیاں	فَمَحَوْنَا آيَةَ الْكَيْلِ بَيَاں
ویں عجب کاں شمس از نورِ قسَم	نا تو اں را بُود خود صاحبِ عِلْم
انت تھدی انت فصل من تشا	انت تعز زانت تذلل ہر کرا
طرفة العینی نہ از ما جدا	بس عجب از درِ حجابِ نالہ ہا
چشمِ عاشق بہر جُست و جُستے جاں	شد بخاکِ کوئے تو غوطہ زناں
گزنہ دادے نامِ پاکت دست را	کس نہ دیدے در جہاں میں مست را
از مسمی اسمِ چوں راند نفس	عالی را گوش بر بانگِ جرس
نام دادی از کرم دیوانہ را	نسختہ فیہ الشف مستانہ را
نامِ پاکت ساختہ در دِ زباں	مہر تو را در دِش کردہ نہاں
خاصہ ستانے کہ مست اندر است	مونس جانہائے شان بد سوزِ ثفت
آں مُعتیان سر کوئے کے	واں اسیرانِ خمِ موئے کے
راکبیں بر یادِ ابروئے کے	ساجدیں سرشارِ مہرِ روئے کے
ہر دو عالم در ہواش باختہ	پائے از دیدہ براہش ساختہ
یتما آں سر و بستانِ خدا	شاہبازِ قدس آں شمسِ عدل
طلعتِ رُوز از تجلی فی انجیال	مدرکہ باناطقہ گردند لال
بس کن اے دلِ قصہ بے انفصام	السلام اے بدِ شمس و السلام

ایک عاشق اپنے خط میں حضرت کی آنکھ کو زنگیں بیار اور زلف کو زنجیر کی تار سے تشبیہ دیتا ہے۔ جواب میں لکھتے ہیں :-

حیران ہوئے پریشان ہوں اس زنگیں بیاروں دیکھ کے جی
بن پیتے شراب خراب پھرن اس مست سرشاروں دیکھ کے جی
بن قید زنجیر بن پھنس گئے اس زلف دی تاروں دیکھ کے جی
شالا زنگیں مست نوں مہر پوسے کرے مہر بیاروں دیکھ کے جی
قصید فارسیہ کے بعض اشعار کا ترجمہ پُرسوز پنجابی میں فرمایا جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے :-

سار باناں مہرباناں راہیہ شالا جیویں خیر بھوی راہیہ
یہ ساری نظم معاصرین کرام کے باب میں دی جا چکی ہے۔
ایک اور جگہ حضرت جامیؒ کی یوسف زلیخا کی طرزیں فرماتے ہیں :-

نسیما قاصدانہ دیس لائیں	بوجہ اللہ ماہی دے دیس جا رہیں
ادب سیتی دیویں بوسہ زیں نوں	تے آکھیں اس طرح اُس نازیں نوں
مدت ہوئی نہ بلیا یار پیارا	کیدیں منزل کرے سوہنا آتارا
بہانواں کول۔ اکھاں بول دے ڈھول	ترے بولن اتوں عالم کراں گھول
کے ہوسی چا نوازیں گولڑی نوں	زیادہ نہ کریں گل تھوڑی نوں
دچھوڑا ناں کسے دے پیش آوے	کسے دا یار ناں پردیس جاوے
کیدیں پردیسیاں نوں یاد کرناں	غریب الوطن دا دل شاد کرناں
کوئی ہووے سیو کشتی مہاناں	اساں سر پر سجن دے دیس جاناں
ہوواں میں سگ مدینے دی گلی دا	ایہو رتبہ ہے ہر کاہل ولی دا
دلا سمجھا توں اکھیاں دنیاں نوں	جگر دا خون بھر کھونڈیاں نوں

رہی سمجھاتے آون باز ناہیں

روہن دھوون تے دس راز ناہیں

ہندی خیال جو اکثر قوال بطرز بھوپالی گاتے ہیں -

جب سے لاگے تیرے سنگ نین پیا

نہ گئی آرام نہیں ساری ساری دین پیا

دکھ آئے سکھ بھاگ گئے سب عیش مٹا سا چین پیا

تن من دھن سب تجھ پر واروں وار دیوں کوئیں چپا

جیا تڑپت ہے در سن دیجو صدت حسن حسین پیا

وَصَلِّ عَلَىٰ كَيْشَانِ هے لَامِثَلَكْ فِي الدَّارَيْنِ پیا
مہر علی ہے حُب نبی اور حُب نبی ہے مہر علی
لحمک نمی جبکہ کسی فرق نہیں مابین پیا

جب سے لاگے تو سے سنگ نین پیا
نیند گئی آرام نہیں ساری ساری نین پیا

مناجات: جو بطر اسوری گائی جاتی ہے

اے بھی اودہ پیاں دس دیاں سائوں ماہی الیاں ٹاہلیاں
اے تھیں اودہ ہے اُریے ہے پریے پرے تھیں
رات وچ دینہوں دیکھ سمجھ کل مُٹنی ھالک
جے آکھاں توں دسدا ناہیں تیرے بن پھر کون ہے
ہے جو تنزیہ عین تشبیہ جمع حق مشہود ہے
پاکے گل دل پیچیاں زلفاں دے میں روندی دتاں
رہندیاں پل پل سکاں دم دم اڈیکاں تیریاں
جھات پاکے دل گیوں ساری رین گڈری روندیاں
فِي الْمَسَامِرِ قَدْ تَفَضَّلْتَ عَلَيَّ مَهْنِيَّتِي
دل دا وہڑا خانہ اکھیاں دا دوہاں نوں انتظار
دیکھ لو رُج رُج کے اکھو کچھ دساہ نہیں دم دا

مہر ہے ساری علی دی شک نہ رہیا اک ذرہ
تاہیں اودہ پیاں دس دیاں سائوں ماہی الیاں ٹاہلیاں

نعت

دل لگدا ہے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال صلی علیہ والہ وسلم
روندیان نیناں نوں سمجھا رہی لکھیا پڑھیا سب مجھلا رہی

اے خواب میں تو میری مژد مجھے عطا فرمائی بیداری میں بھی اپنا جمال دکھا کر راحت بخش۔

ہک نام سجن دا گا رہی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 جس دی سبک مینوں ادہ تال آیا نہیں
 پل پل گھڑی دے سو سو سال
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 سو ہنایں توں کیوں چت چا گیا
 قسمت سڑی داواہ پیہ
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 جیندی جسند تی تے دھر رہی
 لکھ واری توبہ پڑھ رہی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 کراں یادیں سوہنی حجات نوں
 اُس حمراد دی دی گھات نوں
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 سارا دن گزاراں بھوندیاں
 پنجواں نال مکھڑا دھوندیاں
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 کیتی بچھ کے وانگ کباب ہوئے
 سرشار اتے بے تاب ہوئے
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 کیتی وچ غماں غلطان ہوئے
 حیران ہوں پریشان ہوئے
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 آدم بھیس تا عیسیٰ مسیح
 اُتے بولسی ہک اُبتی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 ربی الہی صمدی
 فاطمۃ الزہراء علیہ
 دل لکڑا بے پرواہاں نال

رگ رگ تے نوں نوں ساہاں نال
 ہک جھٹ گھڑی سکھ پایا نہیں
 صلی علیہ ذوالجلال
 لگیاں پریتاں بھلا گیب
 تتی ریت عرب دیاں راہاں نال
 گل پڑا منستاں کر رہی
 رُٹھڑا منساں دا خیال
 اُس سفر عرب والی رات نوں
 یا لَیْسَتْنِیْ یَوْمَ الْوِصَالِ
 گھت پڑا مکھ تے روندیاں
 ساری رین سولال تے آہاں نال
 پیتے باجھ شراب خراب ہوئے
 اُنہاں غونیاں مست نگاہاں نال
 اندر یاد سجن ستان ہوئے
 اُنہاں پچیاں زلف سیاہاں نال
 نفی ملیں سب نبی
 احمد نبی صاحب کمال
 صل وسلم علی النبی
 حسین جگ دی پناہاں نال

مہر علی توں کون بچا را
نپٹ لائے تے اوگن ہارا
سر تے چا کے عباں دا بھارا
لاویں پریت توں شاہاں نال
دل لکڑا بے پرواہاں نال.....

لا کے پریتاں کدیں نہ نیے
بھیت دلاں دا مول نہ دیے
اندر روئے تے باہر بیے
یے سداں پے چاہاں نال
دل لکڑا بے پرواہاں نال.....

مہر تلی کیوں پھیرا داسی
آج کل سوہناں آگل لاسی
ہوسن خوشیاں تے غم جاسی
ہساں لمیاں کر کر باہاں نال
دل لکڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال
صلے علیہ ذوا بحمد لال

حضرت کی مشہور نعت جو اکثر بھیم پلاسی یا اساور میں گائی جاتی ہے

آج بک مٹراں دی دھیری اے
کیوں دلڑی اُداس گھیری اے؟
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
آج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
الطیف سَری مِنْ طَلْعَتِہ
وَالشَّدَّ وَبَدَّی مِنْ ذَفَرَتِہ
فَسَكَرْتُ هُنَا مِنْ نَظَرَتِہ
نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں
مکھ چنہ بدر شعثانی اے
کالی زلف تے اکھ متانی اے
دو ابرو توں س مشال دسن
جیں توں نوک مڑہ دے تیر چٹن
چٹے دند موتی دیاں ہن لڑیاں
اس صورت نوں میں جان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جانان کہ جان جہان آکھاں
ایہ صورت ہے بے صورت تھیں
جس شان توں شانیں سب بنیاں
بے رنگ دے اس صورت تھیں
بے صورت ظاہر صورت تھیں
تو بہ راہ کی عین حقیقت دا
وچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں
کوئی ورلیاں موتی لے تریاں
دے صورت راہ بے صورت دا
رہے وقت نزع تے رو بہ شر
ایہا صورت سالا پیش نظر
سب کھوٹیاں تھیں جد ہوسی گذر
ونج قبر تے پل تھیں جد ہوسی گذر

اے خواب میں اُس کی شکل نظر آئی اور زکونوں سے خوشبو مہکی جس کے مشاہدہ سے میں مدہوش ہو گیا۔

يُعْطِيكَ رَبُّكَ دَاسِ تَسَا
 لُج پال کر سی پاس اسان
 لَا يَوْمُ لَكَ تَوَلَّيْ مُنْظَرُ بَرْدِ يَمِنْ
 اودا مٹھیاں گالیں الا و مٹھن
 خُجْرے توں مسجد آؤ دھولن
 دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن
 انہاں سکدیاں تے کو لاندیاں تے
 انہاں بردیاں مُفَت و کاندیاں تے
 مُبْنَحَانَ اَللّٰهُ مَا اَبْحَمَكَ
 کتھے مہر ملی کتھے تیری شرف
 فَتَرَضْنِي تَحِيَّاتِي اَسْ اَسَا
 دَاشَقَعِ تَشَقَعِ صَحْحِ پُحِيَا
 مَن بَحَانُورِي جَحَاك دَحَاوِ سَحْنِ
 جو حُسر وادی سن کیریاں
 فُورِي حِجَاتِ مَے کَارَن مَے سَحْنِ
 سَب اِنْس و مَلِك حُورَاں پَریاں
 لُکھ وادی صدقے بندیاں تے
 تَالَا آوَن دَت بَی اودہ گُھریاں
 مَا اَحْسَنَكَ مَا اَكْمَلَكَ
 گستاخ اکھیں کتھے جا آڑیاں

مرثیہ

قبلہ عالم قدس سرور کے کلام میں غم حسینؑ پر یہ ایک مرثیہ پنجابی مہندی کی صنف میں یادگار ہے :-

لایا مہندی خُونِ اہل دی اے

ایہ مہندی روزِ ازل دی اے

ایہ مہندی فاطمہؑ سین دی اے
 ایہ مہندی نال نہ رلدی اے
 خُونِ پاک شہید حسینؑ دی اے
 لایا مہندی خُونِ اہل دی اے
 فاطمہؑ مائی دا مالِ خُشنا
 فاطمہؑ دا دُرِ یگانہ
 طرفِ مقتل دے تھیا روانہ
 طرفِ مقتل دے تھیا روانہ
 نالے عرشِ عظیم پئی ہلدی اے
 جُنُبش ہوئی زمینِ اسماناں

لایا مہندی خُونِ اہل دی اے

آکھے نبیؐ - علیؑ تے فاطمہؑ زہرا
 سائوئل سک تیری پل پل دی اے
 مہرِ زند حسینؑ تو ویلا آ
 لایا مہندی خُونِ اہل دی اے
 کوئیاں زلِ بل کیستادھاوا
 لایا مہندی خُونِ اہل دی اے
 سو پنیوئی رب نوں غویشِ قبیلہ
 لایا مہندی خُونِ اہل دی اے
 رونا تینوں عالم سارا
 لایا مہندی خُونِ اہل دی اے
 شاہِ تینڈی مہندی دا پترِ پیلا
 تینوں پئی مُصِیبتِ کربل دی اے
 شاہِ تینڈی مہندی دا رنگِ دلارا
 ساری خلقت تلیاں مل دی اے

شاہ قینڈی مہندی دارنگ ہے سُوہا
ساری اُمت جلدی بکدی اے
ایہ مہندی سوہنے باگ دی اے
تاہیں ہوراں نال نہ رلدی اے
اُدھر پاک معصوم پیاسے ترسن
ادھر تیغ حُشیں تے چلدی اے
رب نوں آہا ایہو بھانڑاں
نہیں تاں تھوڑا تھے کیڑی گل دی اک
سُحان اللہ تیرے رنگ الہی
اُج خاک وچ پئی رلدی اے
مہر علی شاہ ایہ جھوک فنا دی
تیری دس دی بھی پل جھل دی اے

حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں یہ ہندی کبت بھی حضرت کے کلام میں ملتا ہے جو ایک سنہ دستانی بھاٹ کے حاضر ہونے پر آپ نے اپنے قول سائیں بخت جمال کو فی البدیہہ لکھوا دیا تھا۔

کب کر کے مدح تمام - امام ہمام ہنام - بھلا جگ سارا
جس فارخ خیبر - ماہ منور - شاہ غضنفر دیں کو سنوارا
وہ نبی کے دھی - اللہ کے ولی - دو جگ میں ملی بر خفی و جلی
وہ جب کہ پڑیں لکار - مریں کفار - ہو دیں ناچار - ٹوٹے ہنکار بھی کا
حیث در کے زور پہاڑ گریں کفار - مریں در خیبر کو اکھاڑا

”کلام منظوم“ کا باب اُس طویل مثنوی پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت نے ۱۳۲۶ھ ہجری مطابق ۱۹۰۸ء میں مولوی محمد علی حسینی مرحوم کے مقالہ ”گو مگو“ سے متاثر ہو کر نظم فرمائی تھی اور جو اب مثنوی گو مگو کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اس مثنوی میں آپ نے فنا و بقا کی حقیقت اور وحدت الوجود کا مسلک بیان فرمایا ہے۔ اس میں بعض اشعار بوجہ مناسبت مثنوی مولانا رومؒ سے بھی مندرج ہیں۔ ان اشعار کو ”میں درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض متفرق اشعار بھی ملتے ہیں جن میں سے کچھ مکتوباتِ طیبہ، مخطوطاتِ طیبہ، اور پنج گنج عرفان میں درج ہیں۔ ایک شعر جو قبلہ عالمؒ نے اپنی ذات کے متعلق بطور تحدیثِ نعمت ایک موقع پر کہا تھا اور جس کے آپ فی الواقعہ صحیح مصداق تھے یہ ہے۔

از لطفِ خلاقِ زماں دارِ یم مُست از جہاں
وضعِ دگر طرز سے دگر - ذوقِ دگر شوقِ دگر

مثنوی المعروف گوگو

مرحبا اے بلبل بستان چشت
 ہر دم از اسلام و اہلش ایں صداست
 فیضیاب از بارگاہ احمدی
 کے معتبابل با تو تاندھ سری
 نور چشم مصطفیٰ و مرثضہ
 نور دیدہ تاجدار انسا
 آل کے گوشہ مقیم کوئے او
 حیات دل داری بخواجہ خواجگان
 پنجتن را بندہ ای از جان و دل
 جرّہ از فیض مستان الست
 کل لھو قولا بیدغائینا
 پس میفشال نور بر ظلماتیاں
 کار شیراں بہمت و سرگرمی است
 جوہ حق کردہ ترا منقص بہ دیں
 جد لھم بالنصح والحسن المقال
 زان شدی موسوم با محرم علی
 چوں محرم با علی ہم خواندہ اند
 یعنی بہ تک عزت کردہ حرام
 از حیریم جمع در بیدائے فرق
 زان حدیث راہ پر خوئی مے کنی
 روح مستان شاہ است نائی و نیت
 گفتہ تو گفتہ آں روح است
 باللب و مساز خود پیوستہ ای
 بلبل بستان چشتی خوش بگو
 بازگو از گوگو آں سر نوشت
 ایں بیان نیک چشتی را سزا است
 جرّہ بر دھریہ ہم فلسفی
 مستد از شیخ عبدالقادر
 سید حسنی حسینی مرمت
 مرثضہ از لا تحف دادہ ہا
 شیر نارد تاب دیدن سوسے او
 مات فی حب اللہ اوراستان
 دہر ہم فلسفی پیش فجل
 ریز بر دوش بتان لکان پست
 و لھو بیتن بیتنا ہیتنا
 از غشاوہ جمل ایشان را رہاں
 کار دوان حیلہ و بے شرمی است
 ذالک فضل من اللہ العظیمین
 وارحمہم عن عقیدات الضلال
 محرمی زان عالم برتر و خفی
 از برایت حال نیکو راندہ اند
 آل علی غالب ذوالاحترام
 ماندہ ای مہجور در غلامے فرق
 قصہ ہائے عشق مجنوں مے کنی
 مے دہی بیرون دیرہ نایت
 گو بظاہر انتابش سویت است
 از تکلف ہائے کلی رستہ ای
 ہاں و ہاں بر گوگو اصلاً بگو

۱۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ پنجتن چشتیہ ۲۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری معین الدین ۳۔ حضرت قطب الدین (۴) فرید الدین
 (۵) قطب الدین (۶) نصیر الدین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ اشارہ بحضرت خواجہ مستان شاہ کابلی پیر مرشد چشتی صاحب ۷۔ علی معنی حق تعالیٰ

"جوڈ محتاج است خواہد طالبے
 "جوڈے جوید گدایان و ضعات
 "رُوئے خوباں ز آئینہ زیبا شود
 "پس ازین فرمود حق در دانش
 "چوں گدا آئینہ جوڈ است ہاں
 "فلسفی در "ماہی" عمرش تیر شد
 "دہریہ در عیش فانی کور و کر
 "مرغ کاب شور باشد مسکنش
 "اے کہ اندر چشمہ شور است جات
 "اے تو نارسہ ازین فانی رباط
 "ور بدانی نقلت از آب و جد است
 "ابجد و ہوز چہ فاش است و پدید
 "تو چہ دانی ستر این را اے عمی
 "راحتے و اکن محنت ال بے را
 "تا بہ او یقل بہ او یطش شوی
 "لوح محفوظ شود مشہود عین
 "غیب از معقولہا معقولہا
 "علم تو علمش و علمش علم تو
 "تو نہ مانی چو نکہ بس گو کیست این
 "این زمان جاں دامنہ بر تافت است
 "من چہ گویم یک رگم ہشیا نیست
 "از ہمد او ہام و تصویرات دور
 "این سخن لاریب حق است اے انخی
 "خاصہ در انساں کہ نوع آخر است
 "زین جہت عالم صغیرش گشتہ نام
 "این سخن را نیست پایاں اے پسر

ہم چسپاں کہ توبہ خواہد تائبے
 ہم چوں خوباں کا آئینہ جوید صاف
 رُوئے احساں از گدا پیداشود
 بانگ کم زن۔ اے محمد برگدا
 دم بود بر رُوئے آئینہ زیاں
 دانکہ جز ماہی است ز آبش سیر شد
 ماندہ در علم کیانی خیرہ سر
 اوچہ داند جائے آب روشنش
 توچہ دانی شط جیون و فرات
 توچہ دانی صحر و سکرو انبساط
 پیش تو این نامہا چوں ابجد است
 بر ہمہ طعنان و معنی بس بعید
 چوں ندانی کل شئی فی کل شئی
 بشنوا ز نے نالہ شبگیر را
 ہم بدو یسمع۔ بدو یصبر شوی
 از چہ محفوظ است محفوظی ز شین
 بینی اندر دل علوم انبیاء
 علم تو علمش و علمش علم تو
 فی مرایا العدم قد ظہر الممتین
 بُوئے پیرایان یوسف یافت است
 شرح آں یارے کہ آں را یار نیست
 نور نوراً نور نوراً نور نوراً
 وجہہ فی کل شئی یجتلی
 کون او جملہ جہاں را حاضر است
 ف العالم اربعہ ہست مگر تمام
 باز گو از گو مگو نعم النجر

اے کلام مولانائے روم

اے نابی یعنی یہ کیا ہے یعنی عالم غفل کی جستجویں عمر گزار دی۔

یعنی اس عقل کہ ماغذ است از عقل بعیر (رسمانے کہ بہ آں زانوئے اشتر بہ بندند)

کیست نے کوئے سراپد و مہدم
 ایں فغان و نالہ ہائے زار او
 بچو نے گشتہ تھی از خویش تن
 دوست فانی از خود و فانی بحق
 بندش چشمے کہ دید از غیر دخت
 دیدن چشم محسوس از شقی
 گفت یسلی را خلیفہ کاں توئی
 از دگر خواباں تو انسدل نیستی
 دیدہ محسنوں اگر بودے ترا
 چیت دانی چہرہ زیبائے دوست
 بالب دمساز خود جفت است او
 سر او نائی است او جز نے نیست
 گفتہ نے گفتہ نائی بود
 نے کہ ہنگام حکایت بردہ
 کز معتم م و حد تم را نیسندہ اند
 کردہ ام جبروت اسما را عبور
 گشتہ ناموت آخر ایں منزل مرا
 چوں نہ گریم در فراقش سر بسر
 در حسیم وصل با شاہ وجود
 گشتہ ام محسوسم از قرب ہمیں
 رسیدہ خواہم شرحہ شرحہ از فداق
 ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
 آل دہم بیدوں کہ او در من دید
 ہاں گو اد چونکہ با حق واصل است
 سوال — پس ز ہجراش شکایت بہر چیت؟
 جواب — زانکہ وصل مطلق است اینجا محال
 راست فرمود ست مولانا بیباں

من نیم واللہ یا را من نیم
 مے رود تا صحن عرش یا را او
 زار و گریان است از حُب وطن
 مَنْ رَاَهُ قَدْ رَاَ اٰی رَبِّ الْفَلَقِ
 مٹمٹ لاغیرہ الآثار کے دوست
 کئے بود چوں دید بوجہ و علی
 کز تو مجنوں شد پریشان و غوی
 گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
 ہر دو عالم بے خطر بودے ترا
 دید حق را آئینہ گویم نہ دوست
 زان چوں نے بس گفتنی گفت است او
 شور ہائے دہوئے او بے وس نیست
 گو ظور کش از دہان نے شود
 از جسدائی ہا شکایت مے کند
 زان ز شورم مرد دزن نالیدہ اند
 عالم ملکوت را کردم مرور
 زیں جسدائی ہا شدہ غول دل مرا
 نیست در عالم ز من مہجور تر
 تھتہ بودم، جسہ را را ہے نہ بود
 در جنیض آوردہ موج پنہیں
 تا گویم شرح درد اشتیاق
 باز جوید روزگار وصل خویش
 آرمیدہ ام بحق از خود رمید
 جملہ مطلوبات او را حاصل است
 وز جسدائی ہا شکایت بہر چیت؟
 تا بود پیوند جسم و جاں بحال
 در دم آخر چوں رفت او زیں جہاں

من شدم عرباں ز تن او از خیال
 تا بود اینجس تشبک جسم و جان
 او ز جان و جان ز او مستور نیست
 مظهر ذاتست روح بے نشان
 بحث جان اندر معتمد دیگر است
 جملہ اسماء را تو مرآت آمدی
 آمدی از دور یک اے خوش لقا
 عَلَّمَ الْأَسْمَاءَ طَرَائِفَ جَانِ تَسْت
 از کمالت گر ملک آگاه بدے
 ناید این اندر لباس صوت و حرف
 چشم بند و گوش بند اے بے نوا
 کن سفر در خود به رجعت قمری
 پائے کوباں تا به بام او رسی
 از وطن بینی و از اهل وطن
 فَمَنْ كُنْ إِنَّ إِلَهَهُ رَاجِعُونَ
 اسم خواندی رو مسی را بجو
 اذکر و اللہ کار ہر او باش نیست
 اذکر و فی راست اذکر در قفا
 با ملائک حق بگوید در سما
 دوست داریدش کہ او محبوب ماست
 داده اسمش شرح صدر و رفع ذکر
 مانہ بے او، او نہ بے ما بالیقین
 مَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ زَيْنَ بُوْد
 ذَاكَ فَضْلُ مِنْهُ - اللَّهُ يَضْطَرُّ
 خاصہ پاکانے کہ از خود رستہ اند
 کردہ با جادو ک نوط اجابتش
 آن دُعائے شیخ نے چوں ہر ماست

مے خند امم در نہایت الوصال
 کئے رُخ جاناں عیساں دیدن توان
 لیک کس را دیدنِ شان دستور نیست
 پہچان کا سماکش را باقی جہاں
 بادۂ جان را قواسم دیگر است
 زان حسیفہ و مظهر ذات آمدی
 گوئے بُردی از ملک یا مرحب
 اُسْجِدُ وَالْأَدَمِ مِمَّ اندر شان تست
 کئے اَجْعَلْ گفتہ خود رسوا شدے
 غوطہ باید خورد در دریائے ژرف
 صحن دل را نیک رعب از ماسوی
 تا ز رمز روح و جانت پے بری
 از خودی خود بیسود آئی در ہی
 جان خود ہیں گر بروں آئی ز تن
 اِستِدا و انتہایت شد ہموں
 مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو
 ارجمی بر پائے ہر قلاش نیست
 ذکرِ تان را ذکر او نعم بحذا
 دوست دارم آل کثیر الذکر را
 وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ راسخ است
 ذکر او ہر جب کہ از ما ہست ذکر
 گفتہ او گفتہ ما شد ازیں
 لیک نے ہر کس سزاے ایں بود
 مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ يَا آخِي
 دیدہ از غیرت بردنش بستہ اند
 از و کو خواں تا رحیم آتش
 فانی است دست او دست خداست

از دهن ماے خلّاق شد عیسا
ظرف اذکر اذنیست کے بود
ذکر کن ذکرے کہ غیر از دل رود
ذکر یاد دل بود نے از سخن
چونکہ رُحمت غرق یاد حق بود
ذکر و مذکور و ذکر ت یک شود
غیر تو هستی، بروں شو از جسم
آل وحید الدبر عارف بازید
بیچ تاں یا بید از شایم نشان
جمله گفتندش که بر ما کن عطا
ما شنیدیم آں که قلب مومن است
یا محیط الكل خلاق الوری
عالی را در تحیت کرده ای
یا محیط الكل و هاب النعم
تو محیطی کنی محاط ما شوی
برتری از منم و قال و قبل ما
کنی تند بر سعد تار موی
مالک اسکی و الله احد
لن یکن احدک کفو او لہ
تو چننستی کہ خود کردی بیان
آنچه با ما در بطون اتمات
گزید سبقت کردی رحمت بر جلال
زین سبب رحمن باللہ متدرین
عالی را از عدم کردی بدر
لیس فی الفیضین یا رب العلا

معنی اذکر کماں اے مہرباں
منی و مذکور ہر گاہ وے بود
غیر منی ذات حق در دل بود
کو بود صوت و ہواے از دہن
جامہ ہستی بکلی شق بود
اندریں دم غیر حق بیشک بود
خود حجاب اکبری۔ تم لاجسم
با ملائک گفت از شوق مزید
عرش جائے دوست خواندم و در آں
گو خبر از آں شبہ ارض و سما
تحت گاہست ز جہاں امین است
ظاہری و باطنی در دوسرا
با ظہور کمالیت در پردہ ای
علم تو هست از علوم ما اتم
عَلِمْنَا کَیْفَ عَلَیْکَ یَحْیَوٰی
خاک بر عفت و بر تمشیل ما
کنی ز کثرت قول راند عاتقے
لَمْ یَلِدْ۔ لَمْ یُولَدْ اَللّٰهُ الصَّمَدُ
لَیْسَ شَیْئًا مِّثْلُکَ یَا ذَا الْکَرَمِ
در صغائف سابقہ ہم در قرآن
کرده ای موسم نہ کردہ بانبات
جملہ عالم ماندے در تیرہ زوال
آمدہ در بسملہ از بہترین
اقتدای جملہ را از خیر و شر
یرجع المشین الیہ لا ولا

لے و اذکر ربک اذنیست الایۃ ۱۱ یعنی تعالیٰ رحمانی۔ ازین جا خواہی فہمید کہ الرحمن علی العرش استوی فرمود نہ انکہ
اللہ علی العرش استوی از برای ہے معنی کہ غیرت جلال ذات ماسوی را اجازت شرکت فی الوجود نہ بخشہ بخلاف رحمت عامہ
سے معنی فیض اقدس و مقدس

لعل جعل الشر شرّاً باطل
 لعل جعل الشر موجوداً بیدان
 علم تابع است مر معلوم را
 گر نه لطفت یا در نظم بدی
 خلقت ما کردی از مآء مهین
 پس عطا کردی ببا عقل و حواس
 از پی لطفت و هدایت و از بسل
 هم ز فضل و رحم خود یا ذوالعلا
 تا که ختم الانبیاء جده احسن
 خواند بر ما روشن و معجز کتاب
 علم وحی آمد دلیلت سرسبر
 عبدة البطن اند ابنائے زمان
 کور و کزانشد بس غافل زیار
 معصده را بگذار سوسے دل خرام
 تا است از دے شنوئی این زمان
 وحدت باشد به کثرت جلوه گر
 تا بدانی سر اطوار وجود
 کل شیء هالک مشهود عین
 را که سرشار از رؤے کس
 بینی او را اندری آیین ما
 بینی عالم را ظهور حق گم
 لا یصح عندک فی ذالشیء
 گاه بینی عین ثابت را عدم
 گاه وجود خاص دانی مرورا
 در تصور ذات او را کنج کو
 آفتاب آمد دلیل آفتاب
 جذب و شوق ببلستان چشت
 سنۃ اللہ چونکه جاری شد بریں
 مدّته این منشوی تاخیر شد

اذ تخلله هنالك عاطل
 خیر ذاتی هست و شر عارض بدان
 کیف زید یتقی زان شد خطا
 کس جواب الست را ملهم شدے
 احسن التقویو کردی ذو الیقین
 تا که از اعمال ما بینی سپاس
 نیست ما را جز اطاعت با رسل
 کرده امی ارسال رسل و انبیاء
 آخر آمد بود فخر انجمن
 داد ما را شرع با فصل خطاب
 عقل مجزوی هست اینجا خیره سر
 که فضیلت مے دهند این را بر آں
 روز و شب در حظ نفسانی دوار
 تا که بے پرده ز حق آید سلام
 هم بلی آرمی مجیباً بر زباں
 پس حسد امی در وصالش سرسبر
 کیست دیار اندری دار وجود
 باشدت آں دم رہی از غین و غین
 صاحب از دید ابروے کس
 شتم وجه اللہ بغضی بے خطا
 گاه حق ظاهر و باطن عالم
 شمت الاعیان راحۃ الوجود
 نیصنع بصفات او اندر قدم
 پس انا الحق در سرانی بر ملا
 تا در آید در تصور مشل او
 گر دلیلت باید از دے رومتاب
 باز نالان گشت بر گل طے کشت
 در بهاراں سبزه روید از زبیں
 هست باست تا خوں شیر شد

ہاں نہ گوئی معجزات انبیا
 سنتش را نیست تبدیلی نہ ضد
 پس خلاف نیچہ و قانون او
 زانکہ این ہم بر وفاق عادت است
 عادی و غیرش وثاق سنتش
 کثرت او قلت این از قدم
 نیچہ می چوں اندرین جاگاہ شد
 صدق طالب جو د آں رب صمد
 یک مختص بذات من یشا
 آں دُعائے شیخ نے چوں ہرماست
 از دہن ہائے خلائق شد عیاں
 شیعہ اللہ شاہ جیلان اعطی
 ہر زباں مے خواند از عشق مزید
 رحم فرما اے سلیمان زماں
 المدد یا شمس دیں غوث جہاں
 چوں حدیثِ رُوسے شمس الدین رسید
 نورِ روحانی دہد شمس سیال
 از افول آمد مندرہ شمس دیں
 شرح احسانات و فیض ستر
 اولیاً صیقل گرانِ رُوم داں
 دل ز غیر دوست چوں صافی کنند
 عکس مہ رُوسے فتد آنکہ درد
 پاک کن بر آت خود از غیمہ حق
 رنگ غیبت ز بر آت بجن
 تابانی علم خود از علم او
 نے نجوم است نہ دل است نہ خواب
 از پئے رُوپوش عامہ دریاں
 تغرافِ غیبی آمد از اساکس
 آنکہ ہتک بغزتش کردہ حرام

شد خلاف نص شرعی این کج
 شاپش بر خواں ز قرآن لنگ بخت
 درشتا صیغی چساں آید تو
 معجزہ ہم در طباق سنت است
 وافر و کم بر وثاق عادتش
 در محاط سنت و جہت القلم
 لاجرم زین نکتہ کم آگاہ شد
 پیش از فضل بہاراں بردہ
 از عبادش انبیا و اولیاد
 قافی است و دست اودست خداست
 معنی اذکر کھ ہاں اے مہرباں
 یا معین الدین چشتی آتشی
 یا فرید و یا فرید و یا فرید
 الہدے اے تو نشان بے نشان
 فضل کن یا فضل دیں کہف الاماں
 شمس چارم آسماں سر در کشید
 کوست حجتانی و باقی بے زوال
 غیرش آفل لا اُحِبُّ الا فیلین
 این زماں بگذارتا وقت دیگر
 نے چوں نقاشان چیں بعت گراں
 ہر دو با خود آئینہ بازی کنند
 کہ مصفی باشد و ہم رُوبرو
 کے تری فیہ وجوہا وجہ حق
 منعکس فیہ علوم ذوالمن
 ذات و اوصافش ہمہ ظاہر نہ تو
 وحی حق واللہ اسلم بالصواب
 وحی دل گویند او را صوفیاں
 گشت چشتی پاس حق راصد پاس
 محترم کردش بہ نزد خاص و عام

آل عیسیٰ - غیور و مستان و صمد
 یا الهی - فیض از و بهسانیه
 انجمن نعمانیه شد دار این
 آں سلیم الطبع و الدین خوش صفات
 راجی خود را کجاست سوا کند
 ز د و باریک انجمن نعمانیه
 تاجدار خدمتش آں تاج دین
 آں سلیم الله مفتی نیک ذات
 حق سلامت داردش از رنج و تائب
 دین و دنیای باشدش خیر المآب

هم چرخ دین احمد خادمش
 الا ماں یا رب ز باد صحرشش

باب دہم

تصانیف

پہلی فصل

تصانیف

”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

حضرت قبلہ عالم کی پہلی مہتمم بالشان تصنیف ”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ ۱۸۹۷ء میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور اپنے لطیف مسائل، دقیق مباحث اور عظیم علمی کردار کے باعث تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ مضمون کتاب کو بیان کرنے سے پہلے مختصر مسئلہ وحدت الوجود اور کلمۃ توحید لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے نفس مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

توحید وجودی صوفیائے اسلام میں سے اکثر مشاہیر کرام کا مسلک روحانی رہا ہے۔ اس کا مجملہ مطلب یہ ہے کہ حقیقاً وجود عینی صرف ذات واجب باری تعالیٰ کا ہے اور اس کائنات کے تعینات اور تنزلاتِ ظل ہیں اسمائے الہیہ کے، یعنی اس کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ صرف ظل ہے اور یہ اصول جمیع کائنات پر بغیر کسی استثناء کے حاوی ہے۔ کچھ اور بزرگانِ عظام توحید شہودی کے قائل ہیں، اُن کے نزدیک حقیقت عالم ایک نمود محض ہے۔ بے بُود اور بے وجود صنعتِ کاملہ خداوندی سے مخلوق ہے لیکن ذات الہیہ اس سے ورارہ اور اسے اس کا عین نہیں۔

مگر یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ چونکہ ان دونوں نظریات کا تعلق آثارِ باطن سے ہے اس لیے عوام الناس انہیں تسلیم کرنے اور ان پر اعتقاد رکھنے کے مکلف نہیں اُن کے لیے صرف توحید شرعی پر جو کلمۃ توحید میں بیان کی گئی ہے، ایمان رکھنا کافی ہے توحید شرعی کا مطلب جو شارعیں بیان کرتے چلے آئے ہیں وہ یہ ہے کہ ایمان لا الہ الا اللہ کی وحدانیت کے ساتھ صفت الوہیت اور استحقاقِ عبادت میں، اور کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک نہ کرو۔

لکھنؤ میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام گرامی مولانا عبد الرحمن تھا۔ وہ نہ صرف علوم ظاہر کے جید عالم تھے بلکہ تصوف میں بھی دسترس رکھتے تھے اور توحید وجودی پر ایمان رکھنے والے صاحبِ حال مرد تھے۔ اپنے سفرِ ارتقاء روحانی کے دوران انہوں نے غایت وثوق اور انہماک توحید وجودی کی بنیاد پر اپنی تصنیف ”کلمۃ الحق“ میں اصنام (معبودانِ باطلہ) کو عین اللہ قرار دے دیا اور کلمۃ طیبہ کے معانی اپنے زعم کے مطابق اور خلافِ قانونِ ادبِ عربی کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کلمۃ توحید میں اللہ سے مراد اصنام ہیں اور خبر مخدوف غیر ہے لہذا لا الہ الا اللہ کے معنی ہیں لا شئی مِن الْاَصْنَامِ غَيْرُ اللہِ الا اللہ نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ مگر اللہ یعنی ہر شے عین اللہ ہے پھر اس پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اس بات پر بھی مُصر ہوئے کہ تمام امت پر لازم ہے کہ وہ اُن کے بیان کردہ مطلب کو صحیح سمجھے اور تمام علماء ملت جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور وہ جو آئندہ ایسا نہیں کریں گے سب گمراہ ہوں گے۔

تاریخ عالم بتاتی ہے کہ کائنات کے ظہور میں آنے کے بعد طبع انسانی اپنی کم فہمی اور محدود نظری کے باعث عبادت اصنام (معبودان باطلہ) کی مرتکب ہوئی اور اُس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیج کر شرائع اور احکام نازل فرمائے تاکہ انسان فرق مراتب کر سکے۔ مولانا عبد الرحمن صاحب کے اصنام کو عین اللہ قرار دینے کا نتیجہ عوام الناس کو پھر اُسی گمراہی میں ڈالنا تھا جس کا راستہ حکمت الہی نے بند کیا تھا۔ بدیں و جب بعض علمائے ظاہر نے اُن کی اس غلط فہمی کو کفر صریح پر محمول کیا۔ نتیجہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ سلسلہ تمام امت کے لیے فتنہ بن جائے۔

اس موقع پر حضرت قدس سرہ نے اپنا قلم مبارک اٹھایا اور یہ کتاب تحقیق الحق فی کلمۃ الحق تحریر فرمائی جس میں مولانا عبد الرحمن صاحب کے مسلک کی نہایت قوی اور مفصل براین اور دلائل کے ساتھ تردید فرمائی اور یہ ثابت فرمایا کہ کلمہ توحید کا وہ معنی جس پر زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہل اسلام متفق چلے آئے ہیں، ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے کافی ہے۔ مگر دیگر علمائے ظاہر کی طرح حضرت نے مولانا کو مستوجب تکفیر و تعزیر نہیں ٹھہرایا بلکہ بوجہ اُن کے غلبہ حال کے انہیں معذور سمجھا۔

موضوع کتاب چنانکہ نہایت نازک ہونے کے علاوہ دقیق بھی تھا اور مولانا عبد الرحمن صاحب نے اپنے مسلک کی تائید نہایت عالمانہ رنگ میں کی تھی لہذا اُس کی تردید کے لیے بھی لازماً عالمانہ براین ہی سامنے لانے ضروری تھے اس لیے حضرت کی اس تصنیف سے صحیح طور پر وہی صاحب علم حضرات مستفید اور محظوظ ہو سکتے ہیں جنہیں عربی زبان اور لغت پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی ذوق بھی ہو اور جو نفس مضمون کو سمجھتے ہوں۔ ارباب تحقیق کے لیے حضرت کا یہ شاہکار ایک نادر تحفہ ہے۔

مفتی محمد حسن مرحوم بیان کرتے تھے کہ اُن کے شیخ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حضرت کی اس کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ صاحب یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہل ظاہر کے لیے کلمہ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ مصنف کلمۃ الحق نے کتاب وسنت اور لغت و بلاغت کے قوی دلائل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم توحید و جود ہی میں مضمر ہے اور وہ بھی وہ مفہوم جو خود انہوں نے بیان کیا تھا اور یہ کہ اُس کے بغیر ایمان شرعی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالم جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علماء ظاہر میں سے شاید ہی کسی کو کتاب مذکور کا جواب لکھنے کی جرأت ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس اصل اصول کلمہ طیبہ میں اہل اسلام کے دبے گرد ہوں میں تصادم ہو جاتا۔

کتاب کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ اولاً بیان لا الہ الا اللہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ الہ سے معنی کلی مستحق للعبادۃ مراد ہے نہ کہ اصنام (معبودان باطلہ) اور خبر غیر مخدوف نہیں بلکہ موجود مخدوف ہے پس لا الہ الا اللہ کے معنی ہوں گے نہیں کوئی مستحق عبادت موجود مگر اللہ۔ ثانیاً بیان توحید حقیقہ عرفائے کرام یعنی توحید و جود ہی کی تشریح اور اُس کے حصول کا طریقہ۔ بعد ازاں بیان سیرت طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمۃ الحق کی دوسری جڑ "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللہ" کی مختصر شرح ہے اور آخر میں تبرکاً احادیث مخصوصہ کشفیہ کا بیان ہے۔

اب اہل علم و تحقیق کے لیے کتاب میں سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں سب سے پہلے حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف دیا جاتا ہے۔

حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف

اگرچہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اصحاب ذوق و دربان سے حاصل کردہ اسرار توحید کے اظہار میں جرأت کر سکوں لیکن دیکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں تدعیان نقابت و تصوف میں سے ہر ایک دوسرے فریق کو کافر اور مشرک قرار دینے کے درپے ہے۔ اور اس کے علاوہ بعض لوگ اصحاب ذوق و دربان کے کلمات نعتیہ کو جو لغات ربانہ کی نسیم جانفزا کے پلنے سے بانغات معارف میں غلو پذیر ہوتے ہیں اصل مُراد کا کم پر سانی نہ پاسکنے کی وجہ سے دوسروں کو مستوجب تحقیر ٹھہرانے اور اپنی خود ساختہ توجہات کو ثابت کرنے کے لیے سند بنا رہے ہیں (چنانچہ مجھے بھی بعض اعتراف و اجاب کی رفاقت میں ایک تقریب کے موقع پر قصہ شاہ پور میں اس قسم کی ایک مجلس میں شمولیت کا اتفاق ہوا جہاں ایسی باتیں سننے میں آئیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے درگزر فرماتے)۔ نیز بعض اہل علم مدعیان تصوف دوسرے فریق یعنی علماء ظاہر اور ان کے ہم مسلک مسلمانوں کی کھیر کے بالے میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن لکھنوی قدس سرہ کی کتاب کلمۃ الحق کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ کتاب مذکور کے مضامین کی تحقیق اور براہین کی تدقیق مؤلف علیہ الرحمۃ کے کمال علم و فہم پر شہادت دے رہی ہے لیکن توحید و جود میں ان کا طرز اثبات بوجہ ان کے اس سلسلہ میں کمال استغراق کے ایک دوسرے رنگ میں ہے جو سلف اور خلف کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ حضرات و جود یہ نے عموماً توحید و جود میں کو کلمۃ طیبہ عند الشارح سے مراد نہیں لیا اور نہ شرعاً ہر شخص خاص و عام کو اس کے ساتھ مکلف جانا اور نہ ان کا یہ مسلک ہے کہ اُمت محمدیہ اور اُمم سابقہ اسی مفہوم کو سمجھنے اور اس پر ایمان رکھنے کے بغیر شرک و کفر سے نہیں بچ سکتے۔ بلکہ انہوں نے توحید فی العبادت (یعنی کوئی نہیں ہے معبود سوائے اللہ کے) کو ہی کلمۃ طیبہ کا مدلول اور مدارِ نجات قرار دیا جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے سب سے پہلا سبق ہے اور توحید فی المحبت کو (یعنی کوئی نہیں ہے محبوب سوائے اللہ کے) کو مدارِ اخلاص قرار دیا جیسا کہ اس فرمان الہی سے ظاہر ہوتا ہے :-

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ بَاقِيَةٌ فَتُشْرَكُوهَا وَبِجَارَةٍ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِمَّنْ آتَاكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (التوبة - ۲۴)

کہہ دیجئے اگر تمہارے اباؤں اور اخوان اور ازواج و عشیرت تمہارے اموال جنہیں تم بڑھاتے ہو اور تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ عزیز نہیں تو.....

اور توحید فی الوجود (یعنی کوئی نہیں ہے وجودی سوائے اللہ کے) کو مدارِ کمال عرفان سمجھا جو کہ آیت كُلُّ شَيْءٍ حَالٍ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر شے اللہ کے سوا ہلاک ہونے والی ہے) اور اس کے مشابہ دیگر آیات سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ لفظ حال لغت عرب میں اتم فاعل کا صیغہ ہے جو کہ حقیقت کسی موصوف پر اُس وقت بولا جاتا ہے جب کہ صفت بالفعل اُس کے ساتھ قائم ہو نہ یہ کہ صفت کا قیام اُس کے ساتھ بعد میں جا کر ہو۔ پس جب ہر شے بالفعل ہلاک اور فانی ہوتی تو ثابت ہوا کہ وجود حقیقی فقط اسی ایک ذات باری تعالیٰ کا ہے اور تمام عالم امکان اُسی وجود حقیقی کا ظل اور پرتو ہے اور توحید کے یہ درجہ مراتب (یعنی توحید فی المحبت اور توحید و جود) اسلام میں داخل ہونے کے بعد علی الترتیب عنایتِ اِذلی سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ توحید فی العبادت کی متعلقہ آیات زیادہ تر کی سورتوں میں وارد ہوئی ہیں (جب دعوت اسلام کی ابتدا تھی)

اور توحید فی المحبت کی متعلقہ آیات و احادیث عموماً مدینہ منورہ میں وارد ہوئیں۔ اور توحید فی الوجود کے لیے اشارات پر اکتفا کی گئی بخلاف ہر دو پہلی قسموں کے جن کے لیے باقاعدہ صراحتہ صبیحہ خطاب سے مخاطبین کو مکلف بنایا گیا۔ اسی وجہ سے محرم بطور نے اظہار حق کے لیے اور علمائے ربانی اور صوفیائے کاملین مثلاً شیخ اکبر اور مولانا عارف جامی وغیرہ علمائے ظاہر کے اعتراضات کو رفع کرنے کی خاطر حسب استعداد کچھ بیان کر دیا ہے اور مؤلف کلمۃ الحق کے استدلالات اور تکفیر کو ان کے غلبہ حال اور استغراق فی التوحید الوجودی پر محمول کر کے معذور سمجھا کیونکہ وہ واقعی کاملین کی جماعت سے تھے اور قال اور حال میں ہر لحاظ سے سچے تھے۔ (خلاصہ مقدمہ تحقیق الحق)

مؤلف کلمۃ الحق کی توجہات

جناب مؤلف کلمۃ الحق کی توجہات حضرت قدس سرہ کے الفاظ مبارکہ میں مختصر اس طرح سے ہیں :-
 "توحید وجودی" کے اعتقاد میں مولانا قدس سرہ دوسرے علماء سلف سے دو امور میں منفرد ہیں۔ (اول) کہ عنہ الشائع کلمۃ توحید سے مراد توحید وجودی (انہ توحید فی العبادت) اور (دوم) کہ تمام ائمہ کے لیے اسی اعتقاد پر ایمان رکھنا ضروری ہے اس باب میں مولانا نے جو بیان فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "الہ" مشترک لفظی ہے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے درمیان اشتراک کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ دونوں معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور ہر معنی کی تعیین کے لیے قرآن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور کلمۃ طیبہ میں الہ بمعنی غیر ہے اور موجود خبر محذوف نہیں۔ بہ ثبوت قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اس نحو کے نظم اَنْ لَا تَنْتَ إِلَّا عَلَى لَا سَيْفٍ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ اور وَهَامُ مُحَمَّدٍ إِلَّا رَسُولٌ اور لَا خَيْرَ إِلَّا الْخَيْرُ وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ۔ علاوہ بریں اُس وقت کے مخاطبین مشرکین عرب تھے جن کا گمان غیرت اصنام پر تھا نہ کہ الوہیت اصنام پر اور ان کا زعم اس مسلک کی دلیل ہے۔ ایک اور دلیل تقریب کا اقتضا ہے کیونکہ بغیر تقدیر غیر کے تقریب نام نہیں ہو سکتی پس کلمۃ طیبہ میں الہ سے مراد اصنام میں بدیل استغراق کے جو کہ قرینہ ہے امکان کا۔ لہذا الالہ إِلَّا اللَّهُ کے معنی ہوئے لَا شَيْءٍ مِّنَ الْأَصْنَامِ غَيْرُ اللَّهِ (نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ) اور احتمالات ثلاثہ یعنی نکرہ الہ سے ارادہ معبود مطلق یا مستحق زعمی یا موجود کی تقدیر (جیسا کہ مشہور ہے کلمۃ طیبہ حق میں) وقوع کذب کا مستلزم ہے۔ اور استثنائاً الشَّيْءِ عَنْ نَفْسِهِ (یعنی کسی شے کو خود اُس سے استثناء کرنا) لازم آتا ہے پس ان مقدمات مسطورہ بالا سے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے مابین عنیت عبارت نص سے ثابت ہو گئی اور مابین اللہ تعالیٰ اور غیر اصنام یعنی دیگر ممکنات کے دلالت نص سے ثبوت مل گیا کیونکہ واجب کی طرف ممکنات کی نسبت میں یہی دو قول ہیں تیسرا قول ثابت نہیں۔

لفظ الہ پر دقیق علمی بحث

حضرت نے مولانا کی اوپر بیان کردہ توجہات کی تردید جس طرح بیان فرمائی اُس کے بعض حصے مختصر ادراج ذیل میں۔
 کلمۃ الحق کے مصنف نے کلمۃ طیبہ میں لفظ "الہ" کو مشترک لفظی کہا ہے مشترک لفظی وہ ہوتا ہے جو متعدد معانی کے لیے وضع کیا جاتا ہے جیسے لفظ "عین" کے معنی آنکھ، چشمہ، سوتا، جاسوس وغیرہ ہیں۔ لہذا مصنف کلمۃ الحق کے نزدیک لفظ "الہ" خدا تعالیٰ معبود حقیقی پر بھی بولا جاتا ہے اور اصنام وغیرہ معبودان باطلہ پر بھی۔ حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ

لفظ "الہ" کا بجا لغت تو ہر اس چیز پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کی پرستش کی جائے واجب ہو خواہ ممکن یا غیر ممکن عقلی اور شرعی کے لحاظ سے صرف معبودِ متہمت کے لیے خاص ہے کیونکہ عقل سلیم ایسی چیز کی پرستش سے انکار کرتی ہے جو کہ صفات کا بلہ سے موصوف نہ ہو جیسے خالق، مجیب المضطر اور نافع و ضار اور لفظ "الہ" کا استعمال اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اصنام دونوں کے لیے قرآن و حدیث میں کہیں بھی واقع نہیں ہوا بلکہ اس کا استعمال اسی مفہوم مخصوص کئی میں ثابت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس مفہوم کی توثیق میں متعدد براہین و دلائل بیان فرمائے ہیں اور ثابت فرمایا ہے کہ اشتراک لفظی پر یہ استدلال کمزور ہے کہ وہ اپنے دلوں معنوں میں سے ہر ایک میں استعمال کے لیے قرینہ کا محتاج ہے یا استعمال میں قرینہ کی طرف احتیاج اشتراک لفظی کی دلیل ہے درست نہیں۔

آگے چل کر حضرت فرماتے ہیں "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کلام قہری ہے از قبیل قصہ صفت بر موصوف تاکہ دو امر کے لیے مفید ہو ایک تو طبیعت و صف یعنی الوہیت اور استحقاق عبادت کی نفی اصنام مثل لات و عزترے وغیرہ سے اور دوسرا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے وصف مذکور کا تحقق یاوریہ قہر حقیقی ہے۔ لہذا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی مستحق عبادت بجز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے معبود نہیں پس تحقیق معلوم ہوا کہ بغیر تقدیر معبود مرد حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہاں بادی النظر میں دو قصے بنتے ہیں ایک سالبہ کلیہ مصورۃ لانشی من الہ بموجود "دوسرا موجبہ شخصیہ اللہ موجود" اور بنظر دقیق دو طبیعہ ظاہر ہوتے ہیں ایک سالبہ ایک موجبہ۔ اس کے بعد آپ نے اس ترکیب پر وارد شدہ اشکالات استثناء الشئ عن نفسه وغیرہ کا ابطال فرماتے ہوئے جمہور اہل اسلام کی تائید میں عقلی و علمی دلائل کا ایک کثیر ذخیرہ پیش فرمایا ہے جس کا اندازہ نفس کتاب دیکھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا کی دوسری دلیل مشرکین عرب مخاطبین کا زعم غیریت اصنام کے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ مخاطب مشرکین عرب کا مرسوم غیر اللہ یعنی اصنام کی معبودیت تھا غیریت اصنام اُن کا مرسوم نہ تھا۔ اُن کے مرسوم کا مال یہ تھا کہ لات الہ ہے یعنی معبود ہے (عزترے) الہ ہے۔ بہل الہ ہے وغیرہ پس شارع سے اس مرسوم کی تردید صحیح یہ ہے کہ اصنام معبود نہیں۔ چنانچہ یہ معنی سورۃ فاتحہ سے الناس تک غاصبہ مشرکین اور ردّ بشرک میں بخوبی واضح ہیں۔ مثلاً :-

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَٰهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا
اور (انبیاء - ۲۲)
فاسد ہو جاتے۔

اللہ کے ساتھ کوئی دیگر الہ نہیں ورنہ ہر الہ اپنی مخلوق کو لے کر
چل کھڑا ہوتا اور ایک دوسرے پر بڑائی کرتا۔

اگر خدا کے ساتھ اُن کے قول کے مطابق دیگر معبود ہوتے تو اس
وقت ضرور عرشِ دالے کی طرف راہ تلاش کرتے۔

اگر یہ اصنام الہ ہوتے تو جہنم میں وارد نہ ہوتے۔

علاوہ ازیں مشرکین عرب اور مشرکین اُمم سابقہ کا زعم مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہے :-

أَجْعَلِ الْإِلَٰهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا - (ص - ۵)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ
وَيَقُولُونَ إِنَّمَا نَتَارِكُوا الْهَيْئَةَ الشَّاعِرَةَ يُجْنُونَ -

اور (الصَّفَتْ - ۳۵-۳۶)

يَا هُودُ مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا خُنَّ بِمَا رَكَّبْنَا الْهَيْئَةَ
عَنْ قَوْلِكَ - (هُود - ۵۳) اور

يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا
أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا - (هُود - ۶۲)

اور قوم نوح کا جواب

لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا سُبُوحًا - (نوح - ۲۳)

پھر قولہ تعالیٰ

وَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (کہف - ۱۱۰)

اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کر
یہ سب صریحاً حق سبحانہ تعالیٰ کی عبادت کے امر اور عبادت اصنام سے نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان سے صاف
ظاہر ہے کہ مزعوم مخاطب ہمیشہ سے شرک فی العبادۃ ہی رہا ہے نہ کہ غیرت۔ اور کل مذاہب اسی تحقیق پر ثابت قدم
رہے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے زعم شرک فی العبادۃ کا رد کیا گیا ہے نہ عنیت کا تا کہ کل اہل اسلام کے دلوں میں تمکّن اور قرار ظاہر
ہو نہ صرف حضرات صوفیہ و مجددیہ کے دلوں میں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتقاد نہیں تھا کہ اصنام عین اللہ ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان
سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی خالق ہے، باوجود اس کے کہ وہ عبادت
اصنام کی کرتے تھے اور اسلام کا مقصد ان کو اسی چیز سے روکنا تھا۔ اب اگر مولینا کی بات مان لی جائے کہ اصنام عین اللہ
ہیں تو مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہی ہمیں تلقین کی کہ اصنام عین اللہ ہیں پھر ہمیں عبادت اصنام سے
کیوں روکنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم نے کسی غیر کی عبادت تو نہیں کی۔ پھر اگر حق سبحانہ انہیں تنبیہ کرے کہ تم نے (در کلام
صوفیاء) اطلاق اور تنزل میں فرق نہیں کیا تو مشرکین یہ غدر پیش کر سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہاں ہمسہ رہتے
ہیں وہاں علم منطق اور فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا۔ ہم کس طرح اطلاق و تنزل میں فرق کرتے۔ غرضیکہ دعوت اسلام کا تمام مطلب
ہی فوت ہو جاتا ہے۔

مولینا عبد الرحمنؒ نے اپنے مسلک کا بیان کرنے کے بعد اعتقاد فرمایا تھا کہ کمال حسرت ہے اس امر پر کہ اکابر علماء شرق و
غرب، سلف و خلف اور مفسرین، محدثین، مجتہدین، مقلدین اور فقہانے کلمہ طیبہ کا صحیح معنی نہ سمجھا اور اسے اپنے موقعہ و محل سے
تبدیل کر کے اس کا مضمون ہی بدل ڈالا اور اس طرح (نعوذ باللہ) مشرک بالقلب ہو گئے۔ پھر دوسری جگہ کہا کہ جمہور علمائے
محکم میں تاویل کی حالانکہ ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اور منکور (اللہ) میں تاویل اور مخدوف میں تحریف کی اور غیر شعوری طور پر کلمہ
باطلہ فی الاشرک لَا إِلَهَ إِلَّا غَيْرُ اللَّهِ کو دل سے قبول کر لیا۔ پس خود گمراہ ہوئے اور متبعین کو بھی گمراہ کیا۔
حضرت قبلہ عالم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مولانا کا فقرہ محکم سے متشابہ کی طرف تاویل کی "خود مولینا پر وارد ہوتا ہے نہ عبادت

علمائے محققین پر بسبب اس کے کہ ایک تو مولینا نے کلمہ توحید میں کہا کہ یہ از قبیل قصر الموصوف علی الصفۃ ہے حکم ثانی میں تاویل کے ساتھ یعنی صغیر موصوف ہے اللہ جو نے سے۔ دوسرے مولینا نے سورہ اخلاص اور آیہ لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ اور ان کے نظائر میں تاویل کی باوجود یکہ وہ حکمت سے ہیں۔ اس کے باوجود حضرت نے مولینا کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ فرمایا کہ مولینا کی یہ تقریر عملاً اُس مقوم کی طرف جذبہ دعوت پر محمول ہے جو مولانا کے نزدیک بوجہ انہماک اور غلبہ حال کے حق ہے۔ مولانا عبد الرحمن کے مسلک کی تردید کے دوران حضرت نے کلمہ توحید کی وجوہ بلاغت کے متعلق بھی بیان فرمایا ہے جو اہل علم کے لیے باعث دلچسپی ہوگا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وجوہ بلاغت

- ۱۔ اللہ کی تخصیص بذکر کی گئی اور لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ اور لَا مَوْجُودَ غَيْرُ اللَّهِ نہیں کہا گیا بوجہ عدم بلاغت ان کلمات کے۔
- ۲۔ "لَا إِلَهَ" میں تناسب وصل خفیف کا خفیف سے یعنی لَا کا اللہ سے اور إِلَّا اللہ میں وصل ثقیل (یعنی الّا مشدّد) کا ثقیل (اللہ مشدّد) سے ہے جس کا لطف فصاحت واضح ہے۔
- ۳۔ خفیف سے ثقیل کی طرف انتقال تلفظ میں زیادہ آسان اور لطیف ہے اس لئے دونوں لفظ جو خفیف ہیں یعنی لَا اور اللہ اول ذکر کیے گئے ہیں اور جو ثقیل ہیں یعنی إِلَّا اور اللہ ثانیاً ذکر ہوئے۔
- ۴۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سارے حروف غیر منقوٹ ہیں اور تعدد اور تغایر موجود نہ ہے بری ہیں۔
- ۵۔ کلمہ طیبہ کے حروف متقارب فی المخرج ہیں۔ لام اور الف ساکن وسط سے اور ہمزہ و هاء ساق سے نیز مطابق حروف کے (یعنی الف، لام، ہا و ہمزہ) الفاظ بھی تعداد میں چار ہیں (لا۔ الہ۔ الّا۔ اللہ)۔
- ۶۔ کلمہ طیبہ کے الفاظ صورتاً متقارب ہیں جیسا کہ اس کے حروف مخرج میں متقارب ہیں۔ اور تقارب صوری صنایع محسنہ سے شمار ہوتا ہے۔
- ۷۔ کلمہ طیبہ کے کلمات معنی میں بھی متقارب ہیں۔ کیونکہ کلمہ لا نفی کے لیے موضوع ہے اور ایسا ہی کلمہ الّا جب ایجاب میں واقع ہو تو نفی کا معنی دیتا ہے اور منسکور (اللہ) کے اطلاق سے بھی وہی ذات مراد لی جاتی ہے جو کلمہ اللہ سے مراد ہے۔ تقارب معنوی محسنات بلاغت سے ہے۔

عالم برزخ کا بیان

توحید وجودی کے مختلف پہلوؤں کی تشریح عارفانہ کے دوران عالم برزخ کے متعلق حضرت اس طرح فرماتے ہیں:-
 "دنیا سے منتقل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت کو بواسطہ عزرائیل علیہ السلام مکمل فرمایا۔ اس نقل و حرکت میں جسم عنصری مادی سے جسم مثالی برزخی میں تبدیلی واقع ہوتی ہے بحکم "بَلِّیْ قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ تُبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ ذُنُوبَکُمْ فَاِذَا لَاقَ الْعُقُلُوْنَ" (ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تمہارے عنصری اجسام کو برزخی مثالی ابدان میں تبدیل کر کے تمہیں ایسے ابدان میں پھر اٹھائیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے، برزخ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ سب ارواح، خلقت ازلیہ کے بعد اجسام میں آنے سے پہلے اُس میں موجود ہیں جو کہ عالم قدس سے تعبیر ہے۔ اور پیدائش اور تکمیل جسم کے بعد برزخ سے منتقل ہو کر دنیوی زندگی کی میعاد مقررہ

تک بسمِ عنصری سے متعلق رہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ارواحِ دارِ دنیا سے انتقال کے بعد اُس عالمِ برزخیہ میں یومِ محشر تک جمع رہتے ہیں اور وہاں سے عالمِ آخرت میں نقل کریں گے اور اس برزخِ ثانی میں بھی جنت و دوزخ میں علاوہ اُس جنت اور نار کے جو عالمِ آخرت میں دائمی قرار گاہ ہوں گے جنت و دوزخ برزخیہ کی انتہا زمین و آسمان کی بقا تک ہے بحکم "فَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَهُمْ فِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ وَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ" پس وہ لوگ جو بعید ہوئے ہیں وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں مگر جو چاہے تیرا پروردگار اور وہ لوگ جو شقی ہوئے ہیں وہ آگ میں ہوں گے۔ اُن کے لیے وہاں پیچ و پکار اور فریاد ہے۔ اور داخل ہوں گے اُس میں جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں، مگر جو چاہے تیرا پروردگار اس جنت و دوزخ برزخیہ سے جنت و دوزخِ آخریہ مراد نہیں علمائے ظاہر چونکہ اس معنی سے بے خبر ہیں اس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی جنت و نار کا ذکر آیا ہے انہوں نے اُسے جنت و نارِ آخریہ پر محمول کیا ہے۔

سجدہ تعظیمی کی ممانعت

مسئلہ وحدت و وجود کی بحث میں حضرت نے دلائلِ قویہ سے سجدہ تعظیمی کو ناجائز ثابت فرمایا ہے۔ اور اگرچہ اولیاء اللہ اور مومنین کی تہنیت کی زیارت کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے مگر علماء اور مشائخ کو اکابر دین کے مزارات کا بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ عوام جو بوسہ اور سجدہ میں فرق نہیں کر سکتے سجدہ تعظیمی کے لیے اُن کے فعل کو حجت نہ بنالیں۔

الغرض حضرت قبلہ عالمِ رحمۃ اللہ علیہ کی اس نادر تصنیف نے اُمتِ اسلامیہ کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف استعدادات عطا فرمائی ہیں۔ بعض محض عقل و فکر کے مدارکات کے سوائے قوتِ قدسیہ اور وجدان کے معلومات سمجھنے سے قاصر ہیں اور بعض کی شان یہ ہے کہ جہاں پر علوم عقلیہ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے اُن کے علوم قدسیہ کی ابتدا ہوتی ہے اور اُن کے بحرِ معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ بعض دیگر طبائع متوسط ہوتی ہیں جن کے فطرتاً کچھ تو عقل و فکر کے پابند ہوتے ہیں اور کچھ عشق و محبت کی وجدانی کیفیات سے متاثر۔ اس لیے اُس حکیم مطلق نے ہر فرقہ کی استعداد کے مطابق اُسے مُکلف بنایا ہے۔ عوام اربابِ عقل کے لیے فقط اسی پر اکتفا فرمائی کہ غیر حُر اسے معبودیت کی نفی کر کے فقط ایک ہی ذات کو پرستش کے قابل سمجھتے ہوئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو معنی لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ اور دِجان بنائیں۔ اور چونکہ اکثریت اسی قسم کے افراد کی ہے لہذا اسی نظریہ پر مدارِ نجات رکھتی۔ اور خواص جن کی فطرت میں کمالِ سعادت اور نعمت وصل و مشاہدہ کی قابلیت رکھی گئی تھی انہیں اس مفہوم سے بالاتر لَا مَحْبُودَ إِلَّا اللَّهُ اور پھر لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ کی حقیقتوں پر رسانی عطا فرما کر توحید کے انتہائی منازل فَنَافِي اللَّهِ اور بَقَا بِاللَّهِ کے مراتب پر سرفراز نہ فرمایا۔ اور چونکہ یہ مفہوم نہایت دقیق اور عقل و فکر کی دسترس سے بالاتر اس لیے قرآن و حدیث میں اس کی طرف صرف اشارات پر اکتفا فرمائی۔ قرآن مجید کا جس طرح ایک ظاہری مفہوم ہے جو بطریقِ تواتر صحابہ کرام سے ہم تک پہنچا ہے اسی طرح ایک باطنی مفہوم بھی ہے جو خواص مقبولانِ خدا کا حصہ

ہے۔ اور حضرت کا سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپؐ نے اسی بات پر زور دیا کہ کسی فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کی تکفیر اور تفسیق کرے۔ حضرتؐ نے اس طرح علمائے ظاہر اور باطن کے درمیان ایک ایسا اشتراک قائم فرمایا ہے جس کے بعد اس اختلاف کی نوعیت صرف فروعی اور اجتہادی رہ جاتی ہے جس کی بنا پر کسی فرقہ کو دوسرے کے خلاف کچھ کہنا شرعاً درست نہیں۔

دوسری فصل

شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح

(۱۳۱ھ مطابق ۱۹۰۰ء)

وجہ تالیف

”تحقیق الحق“ کی تصنیف کے تقریباً دو سال بعد حضرت نے قادیانی تحریک کی تردید میں کتاب ”شمس الہدایت“ تالیف فرمائی۔ اس سے قبل باب مسند ارشاد میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت نے اس تحریک کے ابطال میں معرکہ آلا راکر دار ادا فرمایا۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس تحریک کے بانی اپنی اوائل عمر میں وہی اعتقادات رکھتے تھے جو عامۃ المسلمین کے تھے اور اپنے دعوئے نبوت تک پہنچنے کے لیے انہوں نے کئی مدارج طے کیے۔ اپنے ابتدائی دور میں انہوں نے آریہ سماجیوں اور نصائے کے خلاف دین اسلام کی حمایت میں کئی مناظرے بھی کیے جس سے اُس وقت کے اہل علم کافی متاثر ہوئے سبب سے پہلا قدم جو انہوں نے اپنے دعوئے نبوت کے ارتقاء کی طرف اٹھایا وہ اپنے آپ کو مجددِ ظاہر کرنے کا تھا۔ اس پر عامۃ المسلمین کا ایک طبقہ مشوش ہو کر اس خیال سے خاموش رہا کہ یہ شخص اہل ہنود و نصائے کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ہے اگر بوجہ تفاخر اپنے آپ کو القابات سے مرصع کرنا چاہتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا دوسرا قدم اپنے آپ کو مسیح موعود کہلانے کا تھا۔ یہ قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے اس عقیدہ اجماعیہ اہل اسلام کی نفی کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بحمدِ عنصری اُپر اٹھالیا جہاں وہ اُس وقت تک رہیں گے جب وہ قیامت سے پہلے دوبارہ اس زمین پر اُتائے جائیں گے۔ اور کہا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھایا مگر اُن کی موت واقع نہ ہوئی بلکہ اُن کے حواریوں نے انہیں وہاں سے اُتار کر چھپا دیا اور وہ اپنی عمر طبعی گزار کر ۸۷ سال بعد سری نگر میں فوت ہوئے۔ اور جس مسیح کے قیامت سے پہلے آنے کا ذکر تہذیبِ ان کریم میں ہے وہ مثیلِ مسیح ہو گا اور دعوئے کیا کہ وہ مثیلِ وہ خود ہیں اپنے اس دعوئے کی تصدیق میں انہوں نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی پیش کیں۔ اس موقع پر دیگر علمائے اسلام نے غصوں کیا کہ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں کیونکہ خدشہ تھا کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگ بوجہ اپنی کم علمی دوبارہ اموراتِ مذہبیہ مرزا صاحب کی توجیہات کا رد نہیں کر سکیں گے۔ اس پر حضرت نے اپنی یہ کتاب ”شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح“ تالیف فرمائی۔ کتاب کی ابتدا میں حضرت نے جو وجہ تالیف بیان فرمائی وہ مختصر اس طرح سے ہے۔

”حضرت ناظرین پر پوشیدہ نہیں کہ آج کل فطرتِ انسانی تعصب کی ہواؤں اور جہالت کے بخارات سے متاثر ہو رہی ہے اور ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ ہدایت اور استقامت کا سورج ڈوبنے کے قریب آگیا۔ اور استوا کا زمانہ حکایت بن کر رہ گیا۔ اس وقت بسبب فقدانِ تقویٰ نہ تو اشراقِ نوری ہے اور نہ انشراحِ صدری جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تیز و شوار ہے۔ لیاقتِ علمی

بھی مفقود ہے جس کی وجہ سے احکام شریعہ پر عمل نہ سہی کم از کم اعتقاد تو درست رہ سکتا ہے۔ دنیا میں ظاہر پرستی بہن بازی ہوس بازی اور فتنہ پردازی کا دور دورہ ہے اور سادگی اور راستی جو شعار اسلام میں سے ہیں وہ مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود اہل زمانہ اپنے آپ کو بڑے خود منفق اور مکتائے روزگار سمجھتے ہیں ان کے نزدیک مکاشفات انبیاء علیہم السلام میں تو غلطی فی الکشف یا فی التبعیر ہونا ممکن ہے مگر ان کے اپنے معانیات میں تاویل تک بھی ناممکن ہے۔ ایسا ہی علمائے سلف کے اجتہادات ان کے نزدیک خیالات فرمودہ ہیں اور کوئی وجہ ان کی صحت کے لیے نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ ان حضرات کی رائے اور استنباط پر منطبق ہو جائیں۔

میری توجہ ان محقق و معارف کی طرف دلائی گئی تھی جو تا بیانات مثل ازالہ اوہام و دفع الوسوس اور ایام صلح میں مندرج ہیں۔ مگر میں علمائے کرام کو ان کی معن میں سے بدیں و جبر و کتا رہا کہ خلاف شعار اسلام ہے لیکن اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ہر عقل میں اظہار حقیقت عقیدہ مرزائیہ اور تکذیب و تحمیل بلکہ کفریہ علمائے کرام کی جن کا اعتقاد مطابق سلف کے تھا ہونے لگی ہے جس کے سننے کی برداشت مجھ میں نہیں۔ اور عقیدہ حقہ کا یوں یا فیوماً اضمحلال بھی گوارا نہیں۔ لہذا یہ چند مضامین حسب رائے ناقص لکھتے گئے تاکہ آیات قرآنی اور احادیث کے صحیح معنی اہل زمانہ پر واضح ہو جائیں اور وہ عقیدہ اجماعی اہل اسلام سے بوجہ کم علمی کے انحراف نہ کریں۔

اس کے بعد حضرت نے بانی مرزائیت کے ان دلائل کا ذکر فرمایا جو وہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے وفات پا جانے کے حق میں بیان کرتے تھے۔

آج کل کے تعلیم یافتہ افراد اور ان زعمی مولویوں اور فاضلوں سے اگر پوچھا جائے کہ بتاؤ میاں: آیت یا عیسیٰ راقی مَتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اور ایسے ہی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِي كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْهِمْ جس قرآن کے ساتھ تھارا ایمان ہے اُس میں موجود ہے یا نہیں؟ اور لفظ تَوَفَّی تیس جگہ قرآن کریم میں معنی موت ہی میں مستقل ہے اور افعہ الناس عبد اللہ ابن عباسؓ نے بھی یہی معنی لیا (بخاری اور عباسی تفسیر ابن کثیر وغیرہ) تو حسب قولہ تعالیٰ یا عیسیٰ اِنِّیْ تَمُوتُ فِیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کے وعدہ وفات اور بقضاء فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِي الخ علیہ بن مریم کی موت اور اُس کے بعد اُن کا رفع روحانی ہو چکا اور آیت قَتَلَ اَدْخَلَ الْجَنَّةَ اور ایسے ہی فَاَدْخَلْنِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلْنِیْ جَنَّتِیْ اور ایسے ہی احادیث صحیحہ سب شہادت دے رہی ہیں کہ ارواح مقربین بعد الوفات جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور بعد دخول جنت کے پھر نکلتا اُس سے بحکم آیت وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِیْنَ کے ناممکن ہے۔ ایک فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِي کیا بلکہ آیت تَدْخُلْتُ مِنْ قَبْلِہِ الرَّسُلُ اور اِنَّكَ مِیْتُ وَاِنَّهُمْ مِیْتُونَ اور اَمْواتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ تمامہا اور وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اور وَمَنْ نَعْبُدُ نُتِکْہِ فِی الْحَیْیِ اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور فِیْہَا تَخْبَوْنَ وَفِیْہَا تَسْمَوْنَ اور وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَمَرٌّ وَمَتَاعٌ اِلَیْ حَیْیِ اور کَانَ یَا کُلِّنَ الطَّعَامَ اور وَاصْبِرْ بِالْصَّلٰوَةِ وَالزَّکٰوَةِ مَا دُمْتَ حَیًّا اور کُلُّ سُبْحَانَ رِیِّ هَلْ کُنْتُ الْاَبَشَرُ اَرْسُولًا اور هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاتِیَهُمُ اللّٰہُ فِی ظُلَمٍ مِّنَ الْعَمَامِ وَالسَّابِکَةُ وَفُضِی الْاَمْرُ اور هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ

رَبِّكَ أَوْ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ مَرَاتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا۔ اور وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ شَرًّا لَا يُنْظَرُونَ اور وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ اور حدیث صحیح کما قال العبد الصالح اور حدیث صحیح لایا قی مائتہ سنۃ علی الأرض نفس مئوۃ سنۃ بالیوم۔ یہ سب آیات اور احادیث صحیحہ باور بلند موت ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی خبر دے رہی ہیں۔ علاوہ اس کے عقل انسانی اور قصہ عود ایلیا بھی جو انجیل میں مذکور ہے صعود اور نزول مسیح سے بعینہ مجیدہ العنصری منکر ہیں۔ احادیث نزول ابن مریم اور خروج و جمال وغیرہ منجملہ مکاشفات نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ہیں۔ اور کشف اجمالی مثل دیکھنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عورت پر لگنے والوں کو کہ گرد گرد مدینہ طیبہ کے گھوم رہی تھی وغیرہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ بحالت خواب دیکھنے میں کچھ اور آتا ہے اور ظہور میں کچھ اور ہوتا ہے۔ جیسا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کو دیکھا اور تعبیر اُس کی دبائے مدینہ طیبہ سے (زاد ہا اللہ شرفاً) فرمائی۔ معہذا تعبیر میں خطا بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ خواب میں آپ نے یہی سمجھا کہ امسال مکہ معظمہ کو (زاد ہا اللہ تکریماً) جانا ہوگا اور بعد مراجعت فرمانے کے حدیبیہ سے، معلوم ہوا کہ تعبیر میں تخصیص امسال کی غلطی ہوئی۔ الغرض آیات و احادیث مذکورہ بالا باعث شدید میں ماقول ٹھہرنے پر احادیث نزول مسیح اور خروج و جمال وغیرہ کے یعنی کہ احادیث نزول سے مراد ظہور اُس شخص کا ہے جو مماثل ہو ابن مریم کا جیسا کہ مراد ایلیا کے دوبارہ آنے سے مثیل ایلیا یعنی ظہور یحییٰ کا بشہادت مسیح ابن مریم کے تھا۔ وہ شخص مثیل ابن مریم کا کون ہے؟ میں ہوں! (یعنی مرزا صاحب) کیونکہ الہام منجملہ براہین قاطعہ کے اور حج ساطعہ کے ہے (فتوحات مکہ اور میزان عبدالوہاب شہرانی وغیرہ)۔

حضرت فرماتے ہیں کہ بعد استماع ان دلائل کے آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات طوعاً و کرہاً انہیں صحیح تسلیم کریں گے کیونکہ ان کی تائید کتاب اللہ، سنت انجیل اور عقل سے ہو چکی ہے، نہ کریں تو کیسے؟ قرآن و حدیث سے کیسے منکر ہوں۔ لہذا یہ چند ظرف ریزہ بدیہ ناظرین کرتا ہوں تاکہ ایسی تقاریر کے دھوکے میں نہ آجائیں اور اُسی صحیح راستہ پر چلیں جو مراد ہے اس حدیث سے : لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَ نِي كَاتَمَسَّ كُتُبُ بَا مَرِي كِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّہ (موطا امام مالک) یعنی جب تک کتاب و سنت کو مضبوط رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

آگے چل کر حضرت نے بانی مرزائیت کی اُس تحدی کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ایام الصلح میں بزبان فارسی درج کی تھی اور جس کا ذکر پہلے باب مسند ارشاد میں آچکا ہے کہ اس وقت آسمان کے نیچے کوئی شخص میری برابری کی لاف نہیں مار سکتا۔ میں علانیہ کہہ رہا ہوں اور ہرگز ایسا کہنے سے نہیں ڈرتا کہ مسلمانو تمہارے اندر بعض لوگ ہیں جو محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض نازش ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے۔ ایک اور گروہ ہے جو خدا شناسی کا دم مار کر اپنے تئیں چشتی اور قادری اور سہروردی و نقشبندی اور کیا کیا (چھاوچھا) کہتے ہیں۔ ان سب کو میرے سامنے لاؤ۔

حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-
آپ نے بجا فرمایا۔ وہ لوگ چونکہ مفسر اور محدث اور خدا شناس ہیں تو پھر لاف زنی اور گردن فرازی ان سے کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی لافوں سے بچائے اور فتویٰ کل ذی علیہ علیہم اور بکلی عیند ناخصر کی طرف توجہ دلائے۔

سوال۔ یہ عقیدہ محض بے اصل اور اجماع کو راز ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے یا قرآن و حدیث سے بھی اس کی کوئی سند ہے؟

جواب۔ ارشاد باری ہے "وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ" (یعنی یہود نے حضرت مسیح ابن مریم کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا) یہ نص قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ آپ یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے بلکہ جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے۔

سوال۔ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ سے کیا رفع روحانی مراد نہیں ہے بشہادت محاورہ قرآن "يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عند اللہ معزز و محترم ہوئے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں حسب محاورہ قرآن اور اہل لسان "بَلْ" جس کا ترجمہ بلکہ ہوتا ہے ابطال یا قتل کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زعم یہود کو جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قابل تھے باطل فرماتا ہے اور ماقبل اور مابعد اضرایہ البالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں مناسبت نہیں ہوتے بلکہ پہلے جملہ کا ابطال اور دوسرے کا اثبات کیا جاتا ہے مثلاً وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا بَلْ عِبَادٌ مُّكْتَرَمُونَ میں ولدیت کا ابطال اور عبودیت کا اثبات کیا گیا ہے اور آمُرِیْقُولُونَ بِهِ جَنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ جُنُونَ کا ابطال اور ایتان بالحق کا اثبات ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ زید کو میں نے نہیں مارا بلکہ اُس کو عزت دی عمرو کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کے کھلایا۔ ان سب مثالوں میں لفظ بَل سے پہلی اور پچھلی کلام کے مضمون کا باہم تضاد واقع ہوتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بل اضرایہ کے ماقبل اور مابعد کے درمیان تضاد اور تنافی ضروری ہے۔ پس آیت مذکورہ میں بھی ضروری ہوا کہ مقتولیت اور مرفوعیت میں منافات ہو یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کی طرف اٹھائے جانے کے درمیان تضاد ہوا اور دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قتل اور رفع روحانی کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ دونوں یکجا پائے جاسکتے ہیں۔ مقررہ میں جو قتل کیا جاتا ہے، عالم علوی کی طرف اُس کا رفع روحانی بھی ایک لازمی امر ہے۔ پس رفع سے مراد رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ حضرت مسیح کے قتل جسمی اور دفع جسمی میں ہی تضاد ہو سکتا ہے۔ اگر جسم آپ کا یہود کے ہاتھوں مقتول ہوا تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا۔ اور اگر مسیح اسی جسم ظاہری کے ساتھ بحفظ و امان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھوں مقتول نہیں ہو سکتے۔ بہر حال یہ آیت نص صریح ہے کہ مسیح علیہ السلام اسی جسم ظاہری کے ساتھ اٹھائے گئے۔ اور یہ سوال غلط ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے سے لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لیے بھی کوئی مکان ہو جہاں پر حضرت عیسیٰ کو اٹھایا گیا ہو۔ کیونکہ اس قسم کی تمام آیات میں سلف نے عالم علوی اور سموات کی طرف اٹھایا جانامراد لیا ہے چنانچہ آیت إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وغیرہ دیگر آیات میں تمام مفسرین یہی معنی لیتے چلے آ رہے ہیں کہ اعمال صالح اور کلمات طیب آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں جو عمل قبول خیرات ہے اور مقام علیین اور اعلیٰ الدرجات۔

"الْقَوْلُ الْجَمِيلُ لَصِدِّيقِ الْمُنِثِلِ" کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کے اتباع کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ کے رفع اور نزول کے متعلق قرآن اور حدیث میں لفظ سما نہیں آیا رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَى السَّمَاءِ اور يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ میں وارد نہیں۔ حضرت نے ان سے استفسار فرمایا ہے کہ بھلا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ جس کا مدلول خدا کی طرف مرفوع ہوتا ہے، رفع روحانی ہی سہی، کس طرح متحقق ہوگا؟ اور ایسا ہی ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ میں اپنے رب کی طرف نفس کے

رجوع کی کیا صورت ہوگی؟ اور کھات طیبہ اور عمل صالح کا خدائے پاک کی طرف مرفوع ہونا کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہی ہوگا جیسا سیدہ میں وارد ہے کہ خدائے پاک کی طرف مرفوع ہونا یا رجوع ہونا چڑھ جانا۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ آسمان کو جو عباد مکررین کا محل ہے قرار دیا جائے۔ ان کی بنایا جائے۔ مذکور بجائے آسمان کے زمین میں یا آسمان اور زمین دونوں سے باہر مقرر کیا جائے۔ ایسا ہی دفع جسمی کی صورت میں بھی الیہ کا ملاحظہ فرما کر سمجھا کو مذکور سمجھیں۔ پس رَفَعْنَا إِلَى اللَّهِ اور رَفَعْنَا إِلَى السَّمَاءِ اور رَفَعْنَا إِلَى الْمَرْبِّ اور صُغُوْدَ عَلَى السَّمَاءِ مُسَادِقٌ فی المعنی ہیں۔ اور احادیث میں تو صراحتہ بھی لفظ سَمَاءُ آگیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان اصحاب کے اصول و فروع میں سے تعادل قرآن اور حدیث صحیح بھی ہے کہ اس مخاطب سے بڑے کام نکلتے ہیں۔ جب عوام کا انعام سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میاں خداوند کریم کی کلام پاک مقدم ہے یا بندہ کی؟ مخاطبین سچا ہے حسبِ یاقوت خود بول اُٹھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی کلام مقدم ہے۔ خدا خدا بندہ بندہ یہ کوئی نہیں کہتا۔ اسی حضرت آپ سوالِ تقدیم و تاخیر از راہِ عظمت و منزلت فرما رہے ہیں یا از قبیل تفصیل و بیان؟ اگر من حیثِ اعظمت ہے تو سب اہل اسلام کلامِ الہی کو زائدِ اعظمت مانتے ہیں لہذا نماز کا ذکر کلامِ الہی ہو سکتی ہے نہ حدیث اور اگر بہت تفصیل و تشریح فرماتے ہیں تو حدیث شریف مقدم ہے کیونکہ پہلے مضمون تفصیلی حدیث شریف کا ہمارے اذہان میں آئے گا تب اجمالِ آیت کو ہم سمجھیں گے۔ ہاں محنت میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُس رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکیم مطلق لَا تَنْزِيلُہُ الْاَبْصَارُ نے اس لیے اپنے اور ہمارے درمیان برزخ قرار دیا ہے کہ برزخ کے پرلی طرف کی بات برزخ ہی کے مبارک مُنہ سے بعد تشریح سن لیں۔ جیسا کہ قولِ تعالیٰ

اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدٍہٗ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا۔
اور

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰہُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِيْنَ
خَصِيْمًا۔
اور

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لَتُبَيِّنَ لَهُ الَّذِی
اُخْتَلَفُوْا فِيْہٖ وَهُدًی وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔
اور

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
اِلَیْہِمْ وَلَعَلَّہُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔

اور حدیث شریف

اَلَا اِنِّیْ اَوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَہٗ مَعَّہٗ (یعنی
السُّنَّۃ)

اسی برزخ سے مخصوص ہے۔ ایسا ہی ذمہ داری

اِنْ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقَدْ اِنَّہٗ تَعْلَمُ اَنَّ عَلَیْنَا بَیْآنَہٗ

اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی
نہیں رکھی۔

ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ جو
کچھ اللہ نے آپ کو دکھایا اُس کے مطابق لوگوں میں حکم فرمائیں
اور خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔

اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر اس لیے کہ آپ صاف
طور و چیز بیان کر دیں جس میں انہیں اختلاف ہے اور ہدایت
رحمت اُس قوم کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ چیز
بیان فرمادیں جو اُن کی طرف نازل کی گئی اور شاید کہ وہ فراموش
کیں۔

خبردار میں سُورۃ قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا
گیا جو (یعنی سُنت)

بے شک قرآن کا جمع کرنا، اُس کا پڑھنا اور بیان کرنا ہمارے فرائض

اُسی کو شایان ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ خَلَقَهُ وَاجْمَلَهُ وَاکْمَلَهُ وَعَلَّمَهُ وَادَّبَهُ فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس تقریر میں حضرت نے منکرین حدیث کا منہ بھی بند کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے حضرت مسیح
ابن مریم علیہما السلام کے مجید عنصری رفیع الی السماء اور نزول من السماء پر چالیس کے قریب احادیث اور آثار صحابہ
کی تخریج فرمائی ہے جن میں اکثر کے اندر لفظ "سما" موجود ہے اور جو بائیس صفحات کتاب پر پھیلی ہوئی ہیں جنہیں مجتہد رمی مسلم
مسند امام احمد۔ تفسیر ابن جریر۔ ابن کثیر۔ درمنثور اور کنز العمال جیسی مستند کتابوں میں ذکر کیا گیا اور جن کی روایت مندرجہ ذیل
اٹھارہ صحابہ کبار وغیرہم نے فرمائی۔

حضرت عائشہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابوہریرہ۔ انس بن مالک۔ عبداللہ بن عمرو۔
عثمان بن ابی العاص۔ ابی امامہ۔ جابر۔ سمرہ بن جندب۔ عمرو بن عوف۔ حذیفہ بن اسید۔ حذیفہ بن
یمان۔ عمران بن حصین۔ کیسان۔ ابی شریحہ۔ نواس ابن سمعان اور مجمع بن جاریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
اس کے علاوہ حضرت نے مزید آٹھ وجوہات سے مرزائیوں کے اس دعویٰ کا ابطال کیا کہ رفع روحانی تھا جسمانی نہ تھا۔
اور بلاشبک ان وجوہات کی تشریح کی جائے تو آٹھ جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مرزا صاحب کی اس تاویل کو کہ نزول مسیح سے
میرا ظہور مراد ہے ہوشییل مسیح ہوں بدلائل اس قدر مضحکہ خیز ثابت کیا ہے کہ قادیانیت کی تبلیں کا پردہ یکسر چاک ہو کر
رہ گیا ہے۔ اور یہی حشر اس زعم باطل کا ہوا کہ دجال ایک شخص معین نہیں بلکہ پادری دجال ہے جنہیں میرے لائل نے قتل کر دیا
ہے۔ اور کہ (لَعُوذُ بِاللّٰهِ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال شخصی کے معاملہ میں ابہام رہا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ غلطی پر قیام
نبی کی عصمت کے منافی ہے۔

آیت اِذَا قَالَ اللّٰهُ يُعِيسِيْ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَارْفَعُکَ اِلَیْیْ میں توئی کو موت کے معنی میں لینے کا ابطال صحابہ
اور تابعین کی تفسیر سے کما حقہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر توئی سے موت کے معنی بھی لیے جائیں تو مرزا صاحب کا
مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں متوفی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنی حاصل
ہوگا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دوں گا۔ یہ یہود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور تمام اہل اسلام
اس چیز پر متفق ہیں کہ آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر وفات پائیں گے۔

مرزا صاحب نے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی موت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں اس طرح آیت سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ کے
معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سنت الہی مرچکی ہے اور اِذَا خَلَوْا اِلَیْ شَیْطٰنِیْنِھُمْ کے ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں
کی طرف جاتے تھے تو مرجاتے تھے۔

ان دلائل اور کئی دیگر ضمنی مباحث پر استدلال کا پورا الطف اس کتاب کے دیکھنے ہی پر موقوف ہے جو اپنے نقشِ اول
پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو رہی ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتی ہے۔ اہل حدیث کے نامور
پیشوا مولوی عبدالباق صاحب غزنوی نے اُس زمانہ میں اس کے مطالعہ کے بعد جو تعریفی خط بھیجا تھا اُس کی نقل باب ارشاد میں آ
چکی ہے۔ دیگر علماء و مشائخ کے تحسینی اور توضیفی اور دعائیہ خطوط کا حوالہ مکتوبات شریف میں درج ہے۔ اور غائبین نے جو
صلواتیں سنائیں وہ ان کی تالیفات اعجاز المسیح "تحفہ گولڑویہ" اور قصیدہ اعجازیہ وغیرہ میں درج ہیں۔

تیسری فصل

سیفِ چشتیانی

(۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۲ء)

وجہ تالیف

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے بانی مرزائیت اپنے دعویٰ نبوت تک بتدریج پہنچے تھے۔ پہلے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ پھر مسیح موعود ہونے کا اور آخری منزل اعلان نبوت کی تھی جو انہوں نے سنہ ۱۲۹۱ھ میں ملے کی حضرت نے اپنی تصدیق شمس الہدایت میں (جس کا بیان اُد پر گزر چکا ہے) جہاں اُن کے دعویٰ مسیح موعود ہونے کو نہایت حتمی طور پر قوی دلائل اور بُرہان کے ساتھ باطل قرار دیا تھا، وہاں اُن سے چند سوالات بھی کیے تھے اور ساتھ ہی کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کی دعوت بھی دی تھی قریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد مرزائیوں کی جانب سے مولوی محمد احسن صاحب نے شمس الہدایت کا جواب شمس بازغہ کے نام سے شائع کیا اور خود بانی مرزائیت نے سورہ فاتحہ کی تفسیر اعجازِ مسیح تالیف کی اور اُسے الہامی اعجاز قرار دیتے ہوئے دھمکے کیا کہ اس کا جواب طاقتِ بشری کے لیے ناممکن ہے۔

ان دو کتب کے لکھنے سے پہلے بانی مرزائیت کی طرف سے حضرت کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا جس میں اُن کی ہزیمت کی تفصیل باب ارشاد میں دی جا چکی ہے ان دونوں کتابوں کے جواب میں حضرت نے اپنی تیسری شہرہ آفاق کتاب سیفِ چشتیانی تحریر فرمائی جس کی وجہ تالیف بھی تفصیل باب ارشاد میں دی جا چکی ہے۔ اس میں اعجازِ مسیح پر پورے ایک سو اتر اعتراضات اور اشکال در فرما کر آپ نے یہ آشکارا فرمایا کہ مؤلف نے نہ صرف دُعو کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سورہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان اغلاط کی تفصیل بھی بیان ارشاد میں گزر چکی ہے۔ مرزائیوں کی دوسری کتاب شمس بازغہ میں مؤلف نے کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کے علاوہ حضرت کی تصدیق شمس الہدایت پر مختلف اعتراضات رکھے تھے۔ کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے میں انہوں نے حضرت کی کتاب تحقیق الحق سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر بوجہ اپنی کم فہمی کے اُس کا صحیح استعمال نہ کر سکے اور تمام مضمون بے ربط ہو کر رہ گیا۔ حضرت نے نہ صرف اُن کی اس ناکام کوشش کو عیاں کر دیا بلکہ انہیں کلمہ طیبہ کا صحیح مطلب بھی سیفِ چشتیانی میں سمجھایا اور شمس الہدایت کے خلاف تمام اعتراضات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد فرمایا۔ اس کتاب کو علمائے عصر نے تحریر اور تقریراً ایک علمی شاہکار قرار دیا اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اور مفسرین نے اپنی تصانیف میں بطور حوالہ پیش کیا۔ شعرار نے اس کی شان میں قصیدے لکھے اور مثنویاں مؤردوں کیس جن کی تفصیل باب ارشاد میں بیان ہو چکی ہے اس کتاب کی اشاعت کے بعد علمائے حق میں مرزائیت کی تبلیغ قطعاً غیر موثر ہو کر رہ گئی۔ اور ہزاروں مذہب دین اہل اسلام عقیدہ حق پر مضبوط ہو گئے۔ بلکہ کئی مرزائی اس کتاب کو پڑھ کر مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ چنانچہ کتاب صاعقہ رحمانی بر غل قادیانی کے مصنف

مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے جو مکتوب حضرت کی خدمت میں ارسال کیا اُس میں کہا کہ مرزائیوں کی کتاب غسلِ مصطفیٰ پڑھ کر میرے دل میں قیمِ قیم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے مگر الحمد للہ کہ جناب کی تصانیف سیفِ چشتیائی اور شمسِ ہدایت نے میرے مذبذب دل میں تسلی بخش امرت پکایا اور نیز چند مرزائیوں نے اسے پڑھا چنانچہ حکیم الہی بخش صاحب مرحوم مع اپنے لڑکے کے آخر مرزائیت سے توبہ کر گئے اور اسلام پر فوت ہوئے۔

اب چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں بطور نمونہ اور برائے استفادہ ناظرین پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ کتاب بھی بشکل سوال و جواب ہے اور مقابلۂ سلیس اور عام فہم اردو میں لکھی گئی ہے۔

اقتباسات از سیفِ چشتیائی

بانی مرزائیت نے اپنے ابتدائی دور میں اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے نبی کے آنے کو وعدہ الہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب خود دعویٰ نبوت کیا تو اس طرح کا استدلال لانے لگے کہ میں غلطی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طرح سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اُن تک ہی محدود رہی۔ یعنی جب میں بروزی طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی معہ نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ "مؤلف شمس بازغہ" نے بھی اسی استدلال کا اعادہ کیا اور اپنی تصنیف کے خطبہ میں بھی اُنھیں اُن مُحَسَّنًا خَاتَمِ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ تحریر کیا۔ اور کہا کہ یہاں نبی سے وہ انبیاء مراد ہیں جن کی نبوت اصالتاً ہو۔ مرزا صاحب تو بہ سبب اتباعِ کامل غلطی طور پر نبوت اور رسالت کے مدعی ہیں نہ اصالتاً۔ حضرت نے اس کا رد فرماتے ہوئے یہ ثابت فرمایا کہ بانی مرزائیت نبوتِ اصلہ کے مدعی تھے نہ کہ نبوتِ ظلیہ کے۔ اور ظلیت، بروز اور فنا فی الرسول کے الفاظ کو بظاہر سہ بنا رکھا تھا۔

جواب: اشتہارِ ایک غلطی کا ازالہ۔ "محرر ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کے مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے:-

"چنانچہ وہ کمالاتِ الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں اُن میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (وہ حسب)

جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب ادیان پر اُسے غالب کر دے) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔

یہ آیت سورہ فتح کے رکوعِ آخر میں موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے دینِ پاک کے غالب کرنے کا ذکر ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:-

"اول تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی شخص کو خواب یا بیداری میں یہ آیت سنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ

اور شافعیین کو کثرتِ استعمال و خیال کے سبب ایسا ہوا کرتا ہے۔ یا فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی تو وہ شخص بہت

اس آیت کے رسول کہلانے کا مجاز ہو۔ یا ایسا ہی اَقْبِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ کے سننے سے کوئی

دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نبی اور رسول ہوں اور نبی نماز اور نبی زکوٰۃ کا حکم مجھ پر نازل ہوا ہے۔ لیکن بر تقدیر الہام

بآیت مذکورہ (ہو الذی ارسل الخ) بقرضِ محال اگر رسول کہلانے کا مستحق بنے تو اُسی معنی سے رسول ہو گا جو

یعنی اس آیت میں مراد ہیں اصلی رسول اور نہ دہل و دعوے پر منطبق نہ ہوگی۔ کیونکہ دعوے میں رسول غلطی اور دہل
یعنی آزمائش رسول کے ہیں رسول اصلی اور نیز رسولہ سے رسول غلطی مراد لینے کی تقدیر میں کلام الہی میں
تحریر معنوی لازم آئے گی۔ لہذا استدلال بآیت مسطورہ جلد آواز سے پکار رہا ہے کہ دعوے اصلی نبی
ہونے کا ہے۔

اسی اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں اپنے نبی ہونے کی ایک اور دلیل بانی مرزا بیت نے ان الفاظ میں پیش کی تھی :-

”وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو
خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشین گوئیوں
کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان
لفظ نبی کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے
یعنی فانی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اُس پر غلطی طور وہی نبوت کی چادر
پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لیے اُس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔

اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں :- اگر صرف فانی الرسول کا مقام ہی رسول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو
کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبر جن کی شان میں لو کنت متخذ خلیلاً لاخذت ابا بکر خلیلاً فرمایا گیا اور ایسا ہی مسافر فاروق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود لقب محدثیت کے اور عثمان نے باوجود کمال اتباع صوری اور معنوی کے اور علی مرتضیٰ نے باوجود بشارت
(انت متی بمنزلہ ہارون من موسیٰ) تیرا مقام مجھ سے ایسے ہے جیسا ہارون کا موسیٰ سے) کے اور سید اشباب
اہل الجنتہ حسنین نے جن کا مجموعہ بعینہ جمال بالکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا رسول اور نبی کہلانے پر جرات نہ کی اور
بزار یا اہل اللہ جن کے فانی فی الرسول ہونے پر اُن کا سایہ کا گم جانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسول نہیں کہلوا یا قطب قطب
سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکالمات الہیہ میں سے کسی مکالمہ میں باوجود شان رخصت باعد العرفق علی ساحلہ
الانبیاء ہم نے ایسے سمندر میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء نہ ٹھہرے) کے یعنی فیننانی النسبی الامی الذی
ہو کا البحر فی السخاء۔ نبی اور رسول کے لفظ سے نہ پکارے گئے۔ یہ تو سب اسی قاعدہ مسلمہ میں محدود رہے کہ الولی لا
یبلغ درجۃ النسبی۔ مگر یہ حضرت باوجود اپنے اوصاف کے مقام فنا سے نبوت تک پہنچ گئے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں :- ”مسلمانو! بعد ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب نبی اور رسول کا کسی مسلمان کے لیے شرعی نظر
سے جائز نہیں نہ اصلی نہ ظنی۔ اگر ظنی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فانی الرسول کا مقام مجوز اُس کا ہوتا تو سب سے زیادہ
مستحق مہاجرین اور انصار تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا ذکر خیر کتاب و سنت میں موجود ہے اور جنہیں اللہ جل شانہ
نے قرآن مجید کے سورہ فتح میں ان الفاظ سے یاد فرمایا۔ ”وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ
رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا“ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں
وہ کھٹار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تو انہیں رکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا پائے گا، وہ اللہ کا فضل
اور رضا طلب کرتے ہیں)

اے اگرچہ اسے سوا کسی اور کو غلیل بنانا تو بیکار کو بنانا۔ علم ہم نے اُس نبی امی میں فنا حاصل کی جو سخاوت میں بحر کی طرح ہیں۔ تہہ دلی و جہ نبی کو نہیں پہنچ سکتا۔

معراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت

بانی مہرِ زانیت نے چونکہ اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لرفع جسمانی کی تردید کی تھی۔ اُسی طرز استدلال کا اتباع کرتے ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو بھی معراجِ روحانی قرار دیا تھا۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں: "معراج جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت بیداری آیت ذیل سے ثابت ہے: **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى**۔ کیونکہ لفظ **سُبْحَانَ** کا اطلاق اُسی موقع پر ہوتا ہے جہاں کسی عظیم الشان اور مستبعد اور محالِ عادی کا ذکر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر جب نایا اطرافِ السموات والارض میں سیر کرنا کوئی امر مستبعد اور ممتاز طور پر نبی کا خاصہ نہیں۔ نیز **أَسْرَى** کا استعمال نیند میں نہیں آتا۔ (قاضی عیاض) پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسرارِ مثل اور انبیاء کے کشفی اور روحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالت بیداری ہوئی۔ اس کے بعد حضرت نے متعدد احادیث اور تفاسیر کے حوالہ سے ثابت فرمایا ہے کہ معراج جسمی کے منکرین غلطی پر ہیں۔

معراج جسمانی کے خلاف ایک اور دلیل جو بانی مہرِ زانیت کی طرف سے دی گئی یہ تھی کہ تیار اور پُرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کڑھ زمہریر تک بھی پہنچ سکے پس اُس جسم کا کڑھ ماہتاب یا کڑھ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ افسوس کہ اُن کی غلطی نبوت کی جس پیشگوئی نے انہیں اتنا بھی نہ بتلایا کہ بہت جلد انسان اپنے مادی آلات کی امداد سے ہی اُن کے اس قول اور دلیل کو لغو ثابت کر دے گا۔ تاہم حضرت اس کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح فرماتے ہیں: آیت اور حدیث اور اجماع کے مقابلہ میں ایسے استدلال سے کام لینا مسلمان کا کام نہیں۔ نیز استدلال مذکور موقوف ہے امور ذیل کے ثبوت پر۔ دو نہ خطر القاد۔

۱۔ اتحاد نوعی کل طبقات ہوائیہ کا۔

۲۔ لوازم طبقات ہوائیہ کا از قبیل لوازم ماہیت ہونا۔

۳۔ تبدل فصول کا مؤثر نہ ہونا خصوص کیفیات کے تغیر میں۔

۴۔ لزوم کا ضروری ہونا عادی۔

امور مذکور سے اگر صرف امر چہارم ہی کا خیال کیا جائے تو بہادت (يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا أَوْ سَلْمًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ) اے آگ ٹھنڈی اور سلامت ہو جا ابراہیم پر کے حرارت و برودت وغیرہ کا انفکاک اپنے ملزومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وہ فاعل مختار اور حکیم مطلق جس نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زمہریری کرہ کی برودت کو مثلاً معتدل حرارت سے بہ نسبت اپنے ایک مقبول بندے کے متبدل کر دے؟

آگے چل کر اس اعتراض کے جواب میں کہ آیت مذکورہ بالا (قُلْنَا يَا نَارُ الْخَمِيمِ) بھی عند الخم ماقول ہے حضرت فرماتے ہیں: مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارت مفرطہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اور صحیح ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں۔ لہذا آیت مذکورہ کو امتناع انفکاک الحرارت عن النار کی بنا پر ماقول ٹھہرانا سراسر تعصب ہے۔ الغرض جسم خاکی کے آسمان پر جانے کے محال ہونے کو کوئی دلیل شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی۔ اور جنہوں نے اس پہلو کو اختیار کیا ہے اور صرف

- عقل غریبی کو شعلہ نہ ہوگا نہ نفس میں ہوگی نہ اول نہ اول کیا ہے انہیں اس مسئلہ میں نہیں دہرے دھوکا ہوگا۔
- ۱۔ ایک تو عقل غریبی کے استحقاق پر نفس کا نام قانون ثبوت رکھتا ہے کہ غریبیاں عقل کے اصول پر قائم ہونے سے قادر و عقیدہ مستند ہو نہیں سکتا۔
 - ۲۔ مستبعدات عقیدہ کو محالیت عقیدہ سے شمار کیا اور۔
 - ۳۔ ثبوت و احادیث کو ان معانی پر عقل کیا جو بالکل ہم نفس میں ہیں ان لوگوں کے جنہوں نے تو ثبوت سے بالمشاور معانی نہ ہو۔
- کا استناد ہو گیا۔

تعارض عقل و نقل کا مسئلہ

اسی مسئلہ کی بحث کے دوران حضرت ایک ہم سوال یہ قائم فرماتے ہیں۔

سوال۔ تعارض عقل و نقل کی صورت میں عقل ہی کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ اصل ہے نقل کے لیے اور جب تک عقل عقیدہ کی رو سے وجود صانع نہ مانا جاتا ہے تب تک تصدیق بالنعقل و بعد اجماعات بہ الرسل علیہم السلام تصور نہیں ہو سکتی۔ تصدیق عقل کی وجہ سے بنی خصوص قطعہ میں تخصیص عقل کو ضروری سمجھا جاتا ہے گمانی *إِنِّي لَمَّا عَلِيٌّ لَيْسَ شَيْءٌ قَدْ يُؤْتَى بِنَابِرٍ أَوْ مِعْرَاجٍ رُومِيٍّ أَوْ نَزْوَلٍ بُرْهَنِيٍّ بَلْ كُلُّ مَجْرُوتٍ وَخَلْقٍ كَمَا ذَلَّ مَهْرًا نَزْوَرِيٍّ سَمِجًا مَاتَ ۚ* اس کا جواب حضرت نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

جواب۔ یہ امر قابل غور ہے کہ تفسیر ذیل و العقل اصل بالنعقل میں عقل سے مراد کیا ہے۔ بعد تدبیر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مراد عقل سے جو ہر مدد رک یا قوت عاقلہ نہیں کیونکہ اس معنی کی رو سے عقل اور نقل میں تعارض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو ہر مدد رک یا قوت عاقلہ حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اور سمعیات کے لیے اور ظاہر ہے کہ شرط و کبھی معارض اور منافی نہیں ہوتی مشروط کے لیے پس معلوم ہوا کہ مراد عقل سے وہ معرفت اور ادراک ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا یہ امر ضروری نہیں کہ ہر علم و ادراک عقلی اصل اور دلیل ہوسمی و عقلی کے لیے کیونکہ سمعیات اور عقلیات کی صحت کا وقت صرف انہی عقلیات پر ہے جن کی رو سے تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتا ہے (الصلح موجود) و هو مصدق الرسل علیہم السلام بالآیات والمعجزات۔ اس سے واضح ہوا کہ تفسیر مذکورہ العقل اصل بالنعقل کھینچ نہیں بلکہ اس میں حکم انہی بعض عقلیات پر ہے جو موجب تصدیق بصدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عقل بحث کو یعنی الرفع والنزول بالمعنیین وامثالہما من المحالات۔ رفع اور نزول بمعانی اور ایسے دیگر محالات جو منہجہ عقلیات میں کوئی علاقہ نہیں تصدیق بصدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس طور پر کہ واسطہ فی الثبوت کی طرح تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت نفس الامر میں ان پر موقوف ہو اور نہ اس طریق پر کہ واسطہ فی الایات کی مثل جیسے انہاں میں تصدیق مذکورہ کا حصول ان پر مرتب ہو۔ ثانیاً آنکہ عقل بحث صادق ہی نہیں کیونکہ رفع و نزول جمعی صورت مستبعدات عقیدہ سے ہیں نہ محالات سے۔ چنانچہ آیت *سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَ سَائِرِ الْبَشَرِ* سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

تعارض کے مسئلہ میں احتمالات ذیل تصور ہو سکتے ہیں۔

۱۔ دلیل عقلی و نقلی دونوں قطعی ہوں

۲۔ یا دونوں ظنی

۳۔ یا ایک قطعی اور دوسری ظنی۔

تیسری صورت میں قطعی کی تقدیم ظنی پر اتفاقی ہے خواہ قطعیت عقلی کے لیے ہو یا نقلی کے اور دوسری صورت میں محسب اَدَلہ (دلائل) ترجیح و تعادل (برابر ہونا) عمل کیا جائے گا۔ اور پہلی صورت صرف احتمال ہی ہے۔ فی الواقع محقق اُس کا ممکن نہیں کیونکہ دلیل قطعی اُسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اور ضروری ہو۔ پس اس صورت کے واقعہ ہونے پر جمع بین النقیضین لازم آئے گا۔ جہاں ایسی صورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقعہ بالضرور ایک غیر قطعی ہوگی۔ الغرض دلائل کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے نہ خصوص عقل کو جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں

کتاب آیام الصلح میں مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا کہ "پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع مُلھم کی رائے بھی خلافِ نفس الامر مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع۔" اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں: "ازالۃ الغٹائیں شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تنجوس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا لہذا حکمت الہیہ کا اقتضا ہوا کہ اُن واقعات کے احکام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور اُن کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہو تاکہ نعمت الہی تمام ہو اور حجت قائم۔ پس وہ سب وقائع مُنکشف ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کی نسبت تو اس طرح خبر دی گویا کہ بہ چشم ظاہر دیکھ رہے ہیں اور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تاکہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتِ مرحومہ تاریکی میں نہ رہے۔ اُمتے میں کتابوں احادیث نزول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات اور بیان نشانات سے اس لیے ارشاد فرمایا گیا ہے تاکہ اُمتِ مرحومہ جھوٹے مسیحوں سے بچے اور کشفِ عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے کہ اُن میں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے بخلاف کشفِ اجمالی کے کہ اُن میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ نزولِ مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے اُن کے مناسبات احکام و رضائے و کفر و ایمان نہایت مہتمم بالشان ہیں۔ اُن کو مقیس علیہا ٹھہرانا دوسری اقسام کے لیے جہالت ہے۔

طعامِ اہل ارض و اہل سما

امردی صاحب نے رفعِ مسح کے بیان میں کہا تھا کہ آیت "وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ" اور کانا یا کُلَانِ الطَّعَام سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کا، نبی ہو یا ولی، بغیر طعام غور دینی گندم وغیرہ کے زندہ رہنا ممکن نہیں لہذا علیہ السلام بغیر طعام کے آسمانوں پر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں: "ہم بھی

مانتے ہیں کہ حسب آیت مذکورہ کسی انسان کا بغیر طعام زندہ رہنا نہیں ہو سکتا۔ مگر اہل ارض کے ایسے طعام گنہگار و غیر ہرے اور اہل سما کے ایسے تسبیح و تہلیل جس ملک میں کوئی جاتا ہے اُسی ملک کی غذا سے مایہ حیات حاصل کرتا ہے۔ زمین آدمی جب تک زمین میں ہے اہل زمین کی غذا کھائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اُس کا آسمان پر لے جانا منظور ہے تو اُس کو ملائکہ کی طرح تسبیح و تہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ بلکہ محققین کے نزدیک تو اہل زمین ہی میں سے زمانہ اُتار دین میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح و تہلیل ہوگی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ جس دن کھانے پینے کا سامان دجال کے ہاتھ میں ہوگا اُس دن مومنین کا کیا حال ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا تھا اُس دن اہل آسمان کی طرح اُن کو تسبیح و تہلیل مایہ حیات ہوگی۔ پھر قرآن مجید سے اصحاب کہف کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ بغیر کھائے پئے زندہ رہنا ثابت ہے۔

پڑھیے آیت :-

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَشَدُّ بِمِثْلِ شِعْرٍ وَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِرِيقِكُمْ هَذَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرُوا أَيُّهَا الَّذِي طَعِمَ أَفْلًا تَكُونُ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَسْلُطْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بَكُمْ أَحَدًا (ترجمہ) اور اس طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی مدت ٹھہرے۔ کہنے لگے ایک دن یا کچھ دن۔ کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جس قدر ٹھہرے جو تم اپنے سے ایک آدمی کو چاندی دے کر بھیجو وہ دیکھے کہ لوگوں میں کون شخص پاکیزہ طعام والا ہے پھر تمہارے لیے رزق اسی سے لے آئے اور نرمی اختیار کرے اور تمہارے متعلق کسی کو نہ بتلائے)

غرض کتاب کیا ہے، علم و عرفان کا خزانہ ہے۔ اس کا حجم ۴۰ صفحے ہے اور معارفانہ اور تحقیقانہ دلائل و برہان کا ایک گنجینہ گراں بہا ہے جس میں مذہب مرزائیت کے ہر دعوے اور اعتراض کا تفصیلاً رد موجود ہے۔

چوتھی فصل

اعلام کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ

(۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء)

وجہ تالیف

حضرت نے وجہ تالیف تصریحاً اس کتاب کے خطبہ میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ بزرگان دین کے نام پر نذر مانے ہوئے جانور کی حلت و حرمت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور ہر دو فریقین کے وہ متبعین جو سخن فہمی اور دیانت تقویٰ سے پوری طرح بہرہ ور نہیں ہیں افراط و تفریط کا راستہ اختیار کر رہے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ ایسے جانوروں کو جو بغرض ایصالِ ثواب اور فاتحہ بزرگان دین اُن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یا اُس طعام کو جو اسی غرض ایصالِ ثواب سے اُن کے نام سے تقسیم کیا جاتا ہے مطلقاً حرام اور آیت ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل گردانتے ہیں۔ اگرچہ بوقت ذبح اُن پر خدائے تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے اور ذابح کا مقصد تجر ایصالِ ثواب اور کچھ بھی نہ ہو۔ اور بعض دیگر اصحاب اس قسم کی اشیاء کو مطلقاً حلال کہتے ہیں گو ذابح کا مقصد غیر اللہ کا تقرب ہی کیوں نہ ہو۔ بنا بریں یہ رسالہ تحریر کیا گیا کہ اہل اسلام افراط و تفریط کا راستہ ترک کر کے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ اور برادرانِ اہل انصاف و سادس و اوہام سے محفوظ رہ کر شرِ شیطان سے بچیں۔

حضرت نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل فرمایا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں لکھی گئی جس میں نچوُن اور افغان علماء و عوام کی رعایت بھی مد نظر تھی۔ بعد میں حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کے ایما پرپتن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ پاک و ہند کے عوام کے لیے بھی مفید ہو۔ یہاں صرف مختصر طور پر مقاصد کتاب کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے بعض مقامات پر ارقم مترجم کی طرف سے بغرض تشریح کچھ اضافہ درج کر دیا گیا ہے۔

تفسیر اور تاویل کی تحقیق

مقدمہ میں تفسیر اور تاویل کے متعلق تحقیق فرمائی ہے اور تفسیر بالرائے اور تاویل کے درمیان فرق بیان فرما کر واضح کیا ہے کہ جو تاویل سلف صالحین کی مستند تفسیر کے خلاف یا قواعد عربیہ کے مطابق نہ ہو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جو حسب ارشاد نبویؐ مذکور ہے۔ البتہ جو تاویل نصوص شرعیہ اور قواعد عربیہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو وہ درست ہے۔ گو حضرات سلف صالحین، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے صراحۃً منقول نہ بھی ہو۔

ابدال کے معنی

باب اول میں آیت و ما اھل بہ لغیر اللہ کا معنی اور اُس کی تفسیر کے تمام متعلقہ امور سوالات و جوابات کی صورت

میں دیوں فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق فرمایا ہے کہ حلال کا معنی آیت شریفہ میں یہ ہے کہ نہیں کہ کسی جانور کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کر دیا جائے یا اس کے نام پر چٹھو کر دیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور اسی طرح ہر لوگ شہادت کے قائل ہیں اگرچہ ذبح کا مقصد تعزیر یا غیر تعزیر ہی ہو اور آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کیا جائے وہ بھی حلال ہے نہ وہ حلال پر ہیں۔ تاہم فرماتے ہیں کہ حلال بمعنی ذبح اور تعزیر اللہ بمعنی یا تم غیر اللہ یا تو حیات و قتل کے لئے اور وہ ہے آجماں کا یہ جانور قتل و ذبح سے بچ کر اور ذبح کے ہر باب احکامات اور اسے بچ نہیں دے سکتے۔

ذبح کے شرائط اور اقسام

باب دوم میں ذبح کے شرائط اور اس کے اقسام بیان فرماتے ہیں اور مولانا عبد العظیم خان نے اور مولانا شاہ ولی اللہ علیہ رحمۃ اللہ نے دو طواری کے مابین مسئلہ مذکورہ کے متعلق اختلافات پر تبصرہ فرمایا ہے اور آخر میں تفصیل کے عنوان سے مسئلہ ذبح فوق مقدمہ پر نہایت مفصلانہ بحث فرمائی ہے اور اس کی حرمت کو ثابت دے، دلائل ثابت فرمایا ہے۔

باب سوم میں نذر کے معنی اور اس کے تعلقات کی تشریح منہ ماہر مسئلہ مذکورے غائبانہ تو قتل اور استعانت اور اولیاء اللہ اور صالح موتی پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور ششکریں استعدا اور صالح موتی وغیرہ کے و قتل کے نہایت اعلیٰ معانی بخش جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ان مسائل مختلفہ پر اس مقدار اور احکامات سے آج تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہو گا۔ خصوصاً مسئلہ علم فیہ بنی علی اللہ علیہ وسلم کو ایسے انداز میں منہ مایا ہے کہ فریقین کا اختلاف ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس مفصلانہ تحقیق کے بعد کسی قسم کے نزاع کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ قارئین کرام کے اندوہ کے لیے چند ایک سوالات مع جوابات کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے و مآل فیہ فی

بِإِلَهِ اللَّهِ الْعَسْبِي الْعَظِيمِ ۝

استفتاء جواب طلب العلماء کوٹنجیب اللہ خان علاقہ بہار متعلق نذر و استعدا و ارجاع اولیاء

ما قولکم د امر فضلكم منہ مسطورہ میں کہ

۱۔ ایک شخص نذر مین کرے اس طور پر کہ اگر میرا مرض اچھا ہو جائے یا مسافر میرے گھر میں غیرت سے آجائے تو میں اللہ کے نام کا بکراؤں گا اور ثواب اس کا ولی اللہ کو پہنچاؤں گا۔

۲۔ دوسری صورت ۱۔ اسے ولی اللہ اگر میرا مرض اچھا ہو جائے تو میں تیرے نام کا بکراؤں گا۔

۳۔ تیسری صورت ۱۔ اسے ولی اگر میرا مرض تم نے اچھا کیا یا میرا مطلب تم نے پورا کیا تو میں تمہارے نام کا بکراؤں گا۔

پھر بعد حصول حاجت کے بکرائے کرو ولی اللہ کی قبر کے نزدیک ذبح کرے کہ میرا کام اس ولی اللہ نے پورا کیا ہے یا اپنے گھر میں ذبح کرے۔

کیا ان صورتوں و دفعاتے نذر واجب ہے یا نہ؟ اور ذبح حلال ہے یا حرام؟ اور حرمت کی وجہ ارتداد ہے یا غیر؟ اور وجہ ارتداد کی ولی اللہ کو متصدقہ حقیقی جاننا ہے یا وسیلہ کی صورت میں بھی؟ اور ہر وجہ اول اگر وہ مکرر ذبح ذبح کرے کوئی اور کرے تو پھر بھی ذبح حلال ہے یا نہ؟ بیشواۃ جردار

جواب

- ۱۔ پہلی صورت میں ایفاء نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔
- ۲۔ ایسا ہی دوسری صورت میں بھی اگر مقصود ذبح اور جان کشی للہ ہے اور ایصالِ ثواب ولی کے لیے اور اگر نفس ذبح ولی کے لیے ہے تو ذبیحہ حرام اور ایفاء بالتذکرہ واجب نہیں۔
- ۳۔ تیسری صورت میں اگر ولی کو وسیلہ سمجھ کر ایصالِ ثواب مقصود ہو تو جائز اور ایفاء واجب و نہ ذبیحہ حرام اور ایفاء غیر واجب۔

نذرِ اولیاء اللہ کے متعلق فتاویٰ عزیزی کا حوالہ

خاتم المحدثین شاہ عبد العزیز دہلوی اپنے والد ماجد سے (رضی اللہ عنہما) فتاویٰ عزیزی میں نقل فرماتے ہیں :-
(ترجمہ) ارواح سے مدد مانگنا اس اُمت میں بہت واقع ہوا ہے۔ اور وہ جو جہاں اور عوام کرتے ہیں کہ ان ارواح پر ہر کام میں مستقل اعتقاد رکھتے ہیں بلاشبہ شرکِ جلی ہے اور نذرِ اولیاء اللہ حاجات کے پورا ہونے کے لیے معمول ہے اور رسم ہے اکثر فقہاء کو اس نذر کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے نذرِ اولیاء کو نذرِ خدا پر قیاس کر کے ارتداد کا حکم لگا دیا کہ اگر نذر بلا استقلال اُس ولی کے لیے ہے تو باطل ہے اور اگر خدا کے لیے ہے اور اس ولی کا ذکر محض مصرف کا بیان ہے تو صحیح ہے۔

لیکن اس نذرِ اولیاء اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور مال کے خرچ کرنے کا ثواب کسی اہل اللہ کی رُوح کو ہدیہ کرنا۔ اور یہ امر سنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُمّ سعد وغیرہ کا حال صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور ایسی نذر لازم ہو جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اس نذر کا ثواب فلاں ولی کی رُوح کو ہدیہ کرتا ہوں اور ولی کا ذکر اس عمل مندور کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے۔ اور مصرف اس نذر کا نذر کنندگان کے نزدیک اُس ولی کے رشتہ دار اور خدام اور برادرانِ طریقت اور ان جیسے لوگ ہیں۔ اور نذر کنندگان کا بلا شک یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفا واجب ہے۔ اس واسطے کہ یہ قربتِ شرع میں معتبر ہے۔

ہاں۔ اگر اُس ولی کو مستقلاً مشکلات کا حل کرنے والا اعتقاد رکھیں یا اس کو شفیع غالب سمجھیں تو یہ عقیدہ

شرک اور فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر دوسری چیز۔

اسی سے دوسری اور تیسری صورت کا حکم معلوم ہو گیا۔ یعنی ایفاء نذر واجب اور ذبیحہ حلال کیونکہ (میں تیرے نام کا بکرا دوں گا) عمل مندور کے معین کرنے کے لیے ہے۔ پس نذر اللہ کے لیے اور ثواب طعام رُوح ولی اللہ کے لیے ہو گا۔ اور یہ قول بیانِ مصرفِ گوشتِ ذبیحہ کے لیے نہیں، تاکہ یہ بہیہ اور قلیل لغو اور بے جا سمجھ کر اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام کہا جائے۔ بحر الرائق اور بعض دوسری معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے (خلاصہ) کہ اگر کوئی شخص کھانا وغیرہ کسی بزرگ کی قبر پر اس کے تقرب کی خاطر لائے تو یہ درست نہیں اور حرام ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ اس کھانے وغیرہ کو زندہ مسلمانوں کو دے گا اور طعام دینے کا ثواب صاحبِ قبر کی رُوح کو پہنچائے گا تو جائز ہے۔ اور غالباً ایسے امور کے منع کا سبب یہ ہے کہ

صاحب قبر کو ان چیزوں سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اور بے جا اسراف ہے۔ معہذا مردہ کے لیے بہہ اگر اُس کے تقرب کی غرض سے ہو تو وہ کفار کے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو بتوں کے سامنے اُن کے تقرب کے لیے حلو اور موتیں بھوک وغیرہ رکھتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ بُت نہیں کھا سکتے۔ اور یہ تشبیہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فهو منهم کی ذیل میں آتی ہے جیسا کہ فوائدِ باریہ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

رہا نذر کا یہ قول اگر مریض تم نے اچھا کیا، سو اگر مقصود اُس کا اس نسبت سے شفیعاۃ طور پر ہے تو مضائقہ نہیں نسبت و سائل کی طرف است آن کریم سے ثابت ہے مثلاً لَا هَبْ لَكَ غُلَامًا ذَكَرَ تَاكِيًا تَحْتَهُ اِيك فَرْزَنْدِی دُوں۔ قول حضرت جبریل علیہ السلام، ہاں اگر ہر دو فقرہ مذکورہ بالا میں یعنی میں تیرے نام کا بچہ دوں گا۔ اور اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا، استقلالِ طور پر نسبت ہے یا شفیع غالب سمجھ کر تو بے شک نذر مَرْتَدَ ہے اور ذبیحہ اُس کی ذبیحہ مَرْتَدَ کی ہے اور اگر نذر مَرْتَدَ نہ ذبح کرے بلکہ دوسرے مسلمان سے خُذ کے نام پر ذبح واقع ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ عالم گیری میں ہے کہ مسلمان کسی آتش پرست کی بکری آتش کدہ کے لیے یا کافر کی بکری اُس کے بتوں کے لیے ذبح کرتا ہے تو اُس کا کھانا اس واسطے جائز ہے کہ اُس نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔ ہاں مسلمان کے لیے مکروہ ہے اور کہ اہلیت کی بنا تشہیر اور انساب نام غیر نہیں بلکہ عدم تعمیل ارشاد مالک کی وجہ سے ہوگی۔ فتاویٰ تاتارخانیہ اور جامع الفتاویٰ اور فوائدِ باریہ میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ اور جناب خاتم المحدثین فرماتے ہیں :-

”اور اسی طرح حلال نہیں جب ذبح کرے بکری کو کسی تھان یا قبر پر اور قصد اس صاحبِ قبر یا تھان والے کے تقرب اور عبادت کا ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذبح کے وقت ذکر کرے تو بھی حلال نہ ہوگی اور مدار اس کانتیت عبادت اور تقرب ہے یا ذبح کے مشہور طریق کا بدل دینا۔“ (ترجمہ)

خلاصہ آنکہ صورتِ مسطورہ فی السؤال میں ایفاء سے نذر واجب اور ذبیحہ حلال بشرطیکہ اس ولی کو مُسْتَقْبَل اور شفیع غالب نہ مانا جائے اور ذبح اور جان کشی اللہ جل شانہ کے لیے ہو نہ اُس ولی کے لیے جِکُمُ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حاجی الحرمین مفسرِ اصولی۔ فقیہ مصنف تفسیر احمدی اور مولانا بڑہان الدین وغیرہم محققین نے عوام کی مراد کو صاف واضح کر دیا ہے۔ رہے قرائن کہ آیا ان کی رو سے بھی عوام کی وہی مراد ثابت ہوتی ہے جو محققین نے اُد پر بیان کی ہے یا نہ۔ سو اس کو ناظرین اسی رسالہ سے مختلف موقعوں پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علماء کرام پر واجب ہے کہ جہاں کو مجلس وعظ میں ایسے الفاظ میں ہدایت فرمایا کریں کہ کسی مستسم کا ابہام نہ ہو۔ نذر کے مختلف اقسام مع احکام بھی اس رسالہ میں تفصیلاً درج ہیں۔

نذر کردہ چیز کی تخصیص کا بیان

اس کے بعد حضرت نے مذکور کی تخصیص پر کتاب بوارق مجہد میں مندرج استفتاء مولوی رفیع الدین۔ وصیت نامہ لانا عبد اللہ گجراتی مہر شیخ عبدالحی سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو لکھتے ہیں کہ فاتحہ دلوانا اور طعام بھلوانا بلاشبہ امر مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اُس کے کھانے والوں کا شخص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے پس یہ تخصیص امر مستحب کے منوع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی اور یہ تخصیصات رسم و رواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتداء ان کی کسی خاص مصلحت اور منفی نشار کی وجہ سے ہوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہو گئیں صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانور ذبح فرماتے تھے اور بالتخصیص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اُس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بزرگانِ طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے۔ اُس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُور اور آیات پڑھی جاتی ہیں تخصیص اور تعین نیک رسوم اور عاداتِ حسنہ کی قبیل سے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ تخصیصات اور تعینات اُن مشائخِ عظام اور اولیائے کرام کے معمول ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

چند سوالات دربارہ استعانت و امدادِ ارواحِ کاہلین

اس استفتاء میں چونکہ صاحبِ قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اُس سے مدد طلب کی گئی ہے لہذا اگر استدعا کے مسئلہ اور اُس کے مالہ و ماعلیہ کو کسی قدر ذکر کیا جائے تو ناظرین کے لیے باعثِ آسانی ہوگا۔

سوال۔ چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز کو سُنتے ہیں، ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں اور اس سُننے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں حق تعالیٰ کو کسی کے توسل کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب کرنا، چاہے وہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جِن بے معنی بات ہے اور مشکلات اور حاجات میں بزرگوں کو اُن کے نام سے پکارنا، جیسے اے میرے پیر میری مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر، سراسر بے معنی چیز ہے۔ بلکہ نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظلم ہے۔ آیات :-

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تعلیم کے لیے فرماتے ہیں :-

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ یہاں عبادت اور استعانت کو اپنی ذات میں حصر فرما دیا ہے۔

۲۔ وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۚ إِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۖ فَمِنْ أَيْنَ مَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أَشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۖ

(ترجمہ) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے واسطے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہوا بندہ خدا کا اُس کی عبادت کے لیے تو یہ کافر لوگ اُس پر بیٹھ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۳۔ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۖ

(ترجمہ) وہ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر مؤنثات (لات و منات) کو۔ وہ لوگ حقیقت شیطانِ مردود کو پکارتے ہیں۔

۴۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ۖ

(ترجمہ) اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوائے کسی اور کو پکارتا ہے جو روزِ قیامت تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا اور جو ان کی پکار سے محض بے خبر ہیں)

۵۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۖ

(ترجمہ) اور اللہ کے سوائے کسی اور کو نہ پکارو جو تجھے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

احادیث شریف :-

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيْ ذَنْبٌ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ إِلَهًا سِوَاهُ خَلْقِكَ (بخاری و مسلم) ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک پکارے۔ اور حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ حضرت جبریلؑ مطہر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا جانیں سختی میں پڑ گئی ہیں عیال مصیبت میں مبتلا ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگیے۔ ہم اللہ کو آپ پر شفیع لاتے ہیں اور آپ کو اللہ پر شفیع لاتے ہیں۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ اور بڑی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے یہاں تک کہ اپنے صحابہ کے چہروں کی طرف دیکھا پھر فرمایا۔ افسوس تجھ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اعظم ہے اس بات سے تجھ پر افسوس۔ کیا تو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کون ہے؟ اُس کا عرش اُس کے آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہ الفاظ تجھ پر افسوس اللہ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ ان سے یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ شیعۃ اللہ کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ پس فرمایا اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرتا رہو وہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اُسے پہنچ ڈھو تجھے پہنچے گا۔ اور جب کسی چیز کا سوال کر تو اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب مدد مانگ تو اللہ ہی سے مدد مانگ (مشکوٰۃ باب توکل۔ ترمذی)

ان سوالات کے جوابات

آیات (۱) اِيَّاكَ تَسْتَعِيْنُ کا معنی اور مدلول صرف یہ ہے کہ مدد طلب کرنا اس طرح کہ مستعان مبنیٰ کو خالق عون و مدد یقین کیا جائے جو صرف جناب باری تعالیٰ شانہ کی ذات میں منحصر ہے خواہ امور دینی میں جو خواہ امور دنیوی میں۔ اور اگر استعانت کے یہ معنی نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنی اس امر کے کہ مستعان مبنیٰ کو مظہر عون جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ جل شانہ کے کارخانہ حکمت و اسباب میں ہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور ہیں ان اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے (مثلاً پانی پیاس بجھانے کے لیے، روٹی بھوک کے دفع کرنے کے لیے۔ آگ روٹی پکانے کے لیے، زمین بھیتی باڑی کے لیے، آدویہ کو دفع امراض کا سبب بنایا ہے۔ طیب اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کا صریح ارشاد ہے) پس کارخانہ اسباب و حکمت پر نظر کرنا اسی کا متقاضی ہے۔ لہذا یہ طلب مدد مخلوق سے ممنوع نہیں اور نہ یہ اِيَّاكَ تَسْتَعِيْنُ کے معنی اور مدلول کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تَعَاوُذُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں منحصر ہے صحیح نہیں۔

خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں اِيَّاكَ تَسْتَعِيْنُ پر مقدم کرنا صبر کا فائدہ بخشا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع امور دنیا و دین میں۔ اگر خاص ہے

تو را اس میں یہ ہے کہ اگرچہ عبادت انسان کا اپنا کسب اور اپنا اختیار فی فعل ہے مگر بندہ کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں پس عبادت میں استعانت ثابت ہو گئی اور اگر عام ہے تو اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کی امداد اور اعانت کرتا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کے دل میں اُس دوسرے کی امداد کرنے کے واسطی ڈالے جاتے ہیں اور یہ اسباب اعانت کسی کے دل میں ڈالنا فعل باری تعالیٰ ہے پس گویا بندہ کہتا ہے کہ آپ کا کوئی غیر میری مدد نہیں کر سکتا۔ اور اس سے اعانت کا امکان بھی نہیں لیکن اگر آپ اُس کے دل میں میری امداد و اعانت کا داعیہ ڈالیں اور اُس کی امداد فرمائیں کہ وہ میری اعانت کے اسباب جمع کرے تب یہ ممکن ہے پس میں ان تمام وسائل سے قطع نظر کرتا ہوں اور آپ کی اعانت پر ہی نظر رکھتا ہوں۔

۲۔ آیت دوم میں لَا تَدْعُوا أَوْلِيَاءَ دَعْوَاكُمْ أَوْ دَعْوَاكُمْ سے مراد پکارنے اور بلانے اور ندا کرنے کے معانی میں نہیں لے حضرت کا یہ ارشاد بالکل قطعی اور یقینی ہے۔ اس واسطے کہ مشہد آن شریف میں دونوں قسم کی آیات وارد ہیں۔ اِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُكُمْ - نَعَاذُكُمَا عَلٰی الْبُرْدِ وَالتَّقْوٰی - وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ - حضرت ذوالقنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد اَعِيْنُوْنِي (الایہ) حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کا ارشاد اَذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ -

آیت اِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُكُمْ خاص تجھ سے مدد چاہتے ہیں میں حصر ہے اور نَعَاذُكُمَا عَلٰی الْبُرْدِ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو میں تعاون کا حکم ہے۔ ایسے ہی صبر و صلوٰۃ سے استعانت اور حضرت ذوالقنین کے مدد طلب کرنے سے غیر اللہ سے مدد لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے جو مجازی سہی۔

۳۔ آج کل بعض تشدد پسند حضرات ان آیات میں لفظ دُعَا کے لفظی معنی پکارنا لے کر تحریف کرتے ہیں حالانکہ ان آیات میں لغوی معنی مراد نہیں جیسے اِن مجید میں لفظ صلوٰۃ محمولاً بمعنی لغوی نہیں ہے۔ یہاں بھی دُعَا بمعنی شرعی اور اصطلاحی مراد ہے۔ یعنی کسی ذات کو نافع و ضار سے قتل یا شفیع غالب و قاضی الحاجات علی الاطلاق سمجھ کر اُس کی طرف متوجہ ہونا اور استعانت طلب کرنا جو بلاشبہ عبادت ہے۔ اگر دُعَا بمعنی لغوی ہر جگہ مراد ہو تو پھر جس وقت مشرکین بغیر پکارنے کے فقط دل سے غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ ان آیات کے دائرہ سے نکل جاتیں گے جو ہرگز مقصود نہیں۔ لہذا واضح ہو گیا کہ آیت دَعْنِيْ اَصْلُهَا مَعْنٰی يَدْعُوْنَ دُعَا اللّٰہ کے معنی یہ ہیں کہ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو غیر اللہ سے دُعَا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر اللہ سے اس اصطلاحی معنی میں دُعَا کرنا شرک فی العبادت ہے جس سے اہل سنت کا دامن پاک ہے کیونکہ وہ اہل اللہ سے دُعَا نہیں کرتے بلکہ دُعَا اللہ سے ہی کرتے ہیں اور اہل اللہ کو وسیلہ لاتے ہیں یا اُن سے سوال اور عرض کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ سے دُعَا کریں جو بلاشبہ جائز ہے البتہ جہاں دُعَا بمعنی لغوی ممکن ہو وہاں لغوی معنی ہی مراد ہو گا جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیَ اِلَیَّ (اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو پکارا اور بلایا)۔

غالباً کسی مقبول ہستی سے توسل کرنے کا محتاط طریقہ بھی یہی ہے کہ دُعَا اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور اہل اللہ کے ساتھ محبت و تعلق کو وسیلہ بنایا جائے جو ایک عمدہ اور نیک عمل ہے اور سلف میں مروج ہے لیکن اگر کسی نے اس عقیدے سے غائبانہ ندا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُن مقبولین کو میری طرف متوجہ فرمائے تو اس کے شرعاً حرام ہونے پر کوئی نص نہیں جیسا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی نشر الطیب میں حدیث عثمان بن حنیف میں مَحْمَدٌ اِنِّیْ اَتُوْشِلُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ کی توجہ میں خود تصریح کر دی ہے اور حدیث اَعِيْنُوْنِيْ یَا عِبَادَ اللّٰہ مندرجہ حصص میں اس پر شاہد ہے۔ (مترجم معنی مند)

بلکہ عبادت مُراد ہے بیضادی۔ مدارک۔ معاملہ وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی معنی مذکور ہیں پس عبادت غیر اللہ حرام اور شرک ہوتی نہ کہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی یَذْعُونَ سے مُراد دعوت بطریق عبادت ہے اور انات سے مُراد اعننام ہیں۔

۴۔ اور چوتھی آیت میں بھی یَذْعُونَ کے معنی یَعْبُدُ کے ہیں اور مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ سے مُراد بت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ آیت پنجم میں بھی لَا تَدْعُ سے مُراد لَا تَعْبُدُ ہے معاملہ وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔ علامہ سیوطی القسطنطنیہ فرماتے ہیں لفظ دُعَا کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک معنی عبادت کے بھی ہیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ۔

احادیث

۱۔ اَنْ تَدْعُوا لِلّٰهِ نِدَاً سے مُراد ہے اَنْ تَجْعَلَ لَهُ نِدَاً اریہ کہ تو اُس کے لیے کسی کو شریک بنائے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بنائے تو پروردگار کا کوئی شریک اور مُسادِ حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ علامہ علی قاریؒ نے برقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے اَنْ تَدْعُوا اَنْی تَجْعَلَ لِلّٰهِ قِطْلَانِیْ نَدَاً یَذْعُونَ کی شرح میں لکھا ہے اَنْی لَا یَعْبُدُ دُونَ۔

۲۔ اس حدیث میں اَنْ تَدْعُوا بِاللّٰهِ عَلَیْكَ کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود ذاتِ جلّ جلالہ کو آپ کی خدمت میں سفارشی لاتے ہیں اور یہ جملہ بایں معنی مذکور مستلزم ہے اس امر کو کہ جناب باری تعالیٰ جو یہاں شفیع بنائے گئے ہیں جناب سالمتاب سے ہوشع بنائے گئے ہیں کم مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فُشِّنَ اللّٰهُ اَعْظَمُ مِنْ ذَٰلِکَ فرمایا ہے اور جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وہ تفسیر فرمائی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ معنی یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ شیدائے اللہ کے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو حضرت شیخ کی جناب میں شفیع بنا رہے ہیں اور حضرت شیخ کو مشفع۔ اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے نام مُبارک کی حرمت سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی مانعت نہیں بلکہ یہ چیز قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت ہے۔ وَ اَتَقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسْأَلُوْنَ بِہِ وَالْاَحْکَامِ رُوْا سَ اللّٰہ تعالیٰ سے جس کے نام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے سوال کرتے ہو تفصیر کبیر۔ عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مَنْ اِسْتَعَاذَ بِاللّٰہِ فَاَعِيْذُ ذُوْہُ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰہِ فَاَعْطُوْہُ۔ رواہ نسائی وغیرہ (جو اللہ تعالیٰ کے نام کے واسطہ سے پناہ مانگے اُسے پناہ دو اور جو اُس کے واسطہ سے سوال کرے اُسے عطا کرو) اس مضمون پر احادیث کثیرہ موجود ہیں مگر بخیال طوالت نقل نہیں کی جاتیں۔

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصود بیان توکل ہے جو بہت بلند مقام ہے اور خواص کے لیے مخصوص ہے پس خواص کے لیے اسباب کی طرف توجہ اور انہماک موجب تنزیل ہے چنانچہ وارد ہوا ہے کہ حسنات الابوار سیئات المعقوبین اور اس سے مقصود نہیں کہ بنی نوع سے مدد مانگنا اور انبیاء و اولیاء کی ارواح طیبہ سے استمداد اور اسباب کے ساتھ توکل مطلقاً ممنوع اور حرام ہو۔ نہایت یہی ہے۔ ہَذَا اِمِنْ

صَفَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْمُعْرِضِينَ عَنْ أَسْبَابِ الدُّنْيَا وَعَوَائِفِهَا الَّذِينَ لَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنْ
عَلَا بُعْدًا وَبَلَدًا دَرَجَةُ الْخَوَاصِّ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ وَأَقَا الْعَوَامِّ فَرِيحُ لَهْمٍ فِي الشَّدَاوِي
وَالْمُعَالَجَاتِ (یہ اولیاء اللہ کی صفات ہیں جو اسباب دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور دنیوی علالت کی طرف التفات
نہیں کرتے۔ یہ خواص کا درجہ ہے دوسروں کا وہاں گزر نہیں۔ عوام کے لیے دوا و معالجہ اور اسباب ذرائع
اختیار کرنے کی اجازت ہے)

حضور سرور کائنات کے بعض خاص ارشادات حسب المراتب ہوتے تھے

بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض ارشادات مخاطب کی استعداد اور حیثیت کے مطابق فرمایا کرتے تھے اور وہ
عام نہیں ہوتے تھے۔ دیکھئے جب صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال خیرات کر دیا تو آپؐ نے انکار نہیں
فرمایا۔ اس واسطے کہ ان کے یقین اور صبر اور توکل پر نظر تھی اور جب دوسرے ایک صحابی نے سب مال خیرات کیا تو آپؐ نے
منع فرما دیا۔ اسی طرح جب یوسف صدیق علی بنینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر اللہ سے یہ کہہ کر مدد مانگی کہ اَذْكُرْنِي عِنْدَ
رَبِّكَ (اپنے بادشاہ سے میری سفارش کرنا) تو چونکہ یہ مقام نبوت کے مناسب نہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسفؑ پر رحم فرمائے۔ اِذَا ذُكِرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ نہ کہتے تو سات سال جیل خانہ میں نہ رہتے حالانکہ یہ
چیز شرعاً ممنوع نہ تھی کہ ایک بے گناہ مظلوم جیل خانہ میں پڑا ہو اور بادشاہ کے پاس اپنی حالت بیان کر دائے۔

حضرت سلطان الزاہدین گنج شکر کے سہارے اور توکل کا ایک واقعہ

نقل ہے کہ حضرت سلطان الزاہدین فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب ایک مرض سے تندرست ہوئے تو بوجہ ضعف
چند قدم عصا پر تکیہ کر کے چلے اور پھر فوراً عصا کو پھینک دیا اور چہرہ مبارک سے ناخوشی کے آثار نمودار ہوئے بعد میں مناسب موقع پر
ایک شخص نے سبب دریافت کیا تو فرمایا جب میں چند قدم اس عصا پر سہارا لے کر چلا تو ہاتھ سے آواز آئی کہ اے فرید اب تک
تو ہم ہی تیرا تکیہ اور سہارا تھے اب خلاف عادت ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔ اس وجہ سے میں نے عصا کو پھینک دیا تھا۔

ہر شخص کی مبداء فیاض سے ایک خاص خصوصیت

(تنبیہ) جاننا چاہیے کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کو مبداء فیاض سے ایک خصوصیت اور خاص شان ملی ہے جو دوسری
مخلوق کی شان سے الگ اور ممتاز ہے اور وہ شان معنی اور منشا ہے ترتیب احکام ممتازہ اور ظہور آثار مختصہ کا۔ اور لازم نہیں کہ
بنی نوع پر فضیلت مطلقہ کا سبب بنے پس حضرت گنج شکر رضی اللہ عنہ کے اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ
اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر ان کی فضیلت ثابت ہو جائے۔ عَلَيْنَاكَ يَا سَوَادِ الْأَعْظَمِ (تمہارے لیے سواد اعظم
امت اسلامیہ کے ساتھ تمنا لازم ہے) اور حدیث دیگر لَنْ تَجْمَعَهُ أُمَّتِي عَلَى الصَّلَاةِ (میری امت گمراہی پر جمع
نہیں ہوگی) اور قولہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَارَأَهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ (جس چیز کو مسلمان
اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے) کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے تاکہ اپنی تصور فہمی سے آیات اور احادیث کے

درمیان تعارض اور تناقض نظر نہ آئے اور یہ حدیث صادق نہ آجائے۔ اِذَا سَمِعْتَ الرَّجُلَ يَقُولُ هَذَا النَّاسُ قَهْوُ
 اَهْلِكَ قُمْ (جب تجھے کوئی شخص یہ کہتا ہو اُنسانی دے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ اُن میں سب سے زیادہ ہلاکت میں پڑنے
 والا ہے) اس حدیث کی شرح میں حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث کا ایک دوسرا معنی
 ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص جمہورِ مسلمین اور اکثرِ حاکمینِ علم کی مخالفت کرے اور ان کے قول کے خلاف ایک قول گھڑ لے
 اور پھر ان لوگوں پر طعن اور انکار کرے۔

اَب اللہ تعالیٰ کے قولِ مبارک اِيَّاكَ كَسَفْتَعَيْنُ کو ہی دیکھئے اگر اس کے متعلق یہ زعم اور خیال ہو کہ یہ مُطلق استعانت
 پر حصر ہے تو مناقض ہو جائے گا آیہ شریف تَعَاذُوا عَلٰی الْبِدَةِ الثَّقَوٰی کے اس واسطے کہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ
 نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا کا جب یہ معنی
 خیال میں رکھا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں اور کسی کام میں بھی کسی دوسرے کی
 ضرورت نہیں تو یہ آیت شریف مناقض ہو جائے گی۔ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا
 اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدَ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کی جہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر گنہگار آپ کی خدمت
 میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور آپ بھی اُن کے حق میں استغفار کریں تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو تواب اور رحیم
 پائیں گے۔

چونکہ اِنَّ الْقُرْآنَ يَفِيْسُ بَعْضُهُ بَعْضًا (قرآن مجید کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تفسیر کر دیتی ہیں) وارد ہوا ہے
 اور یہ ساری قرآن مجید ہی کی آیات ہیں لہذا تمام آیات کی رعایت اور ہر ایک کے اپنے موقعہ اور مرتبہ کی نگہداشت ملحوظ رہنی
 چاہیے۔ اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جناب الہی کا اپنے بندوں کے لیے کافی ہونا اور ہر شے کے لیے کافی ہونا اس چیز کے منافی نہیں کہ
 محبوبانِ حق میں سے کسی محبوب کی طرف التجا لے جاتی جائے یا اُن سے اپنی حاجات میں توسل اختیار کیا جائے۔ اس واسطے کہ
 اللہ جل شانہ نے باوجود اپنے کافی ہونے اور ہر شے کے لیے کافی ہونے کے گنہگاروں کی مغفرت کو بارگاہِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ
 والسلام میں حاضر ہو کر حضورؐ سے مغفرت طلبی پر موقوف اور وابستہ فرمایا۔

”بدرگاہِ شریعت میں خواہی تمنا کن“

ربیع بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ایک رات میں حضورؐ کے
 لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لایا تو حضورؐ نے فرمایا جو چاہے مجھ سے مانگ لے میں نے سوال کیا کہ بہشت میں آپ کی
 رفاقت مانگتا ہوں حضورؐ نے فرمایا اس کے سوائے کچھ مانگ میں نے عرض کیا صرف یہی چیز مانگتا ہوں۔ فرمایا پھر کثرتِ جود سے
 میری اعانت کر (مسلم) اس حدیث میں کلمہ سَل (سوال کر) اور اِذْ غِيْرَ ذَٰلِكَ (اس کے سوا کوئی اور سوال کر) کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔
 اس لیے کہ سَل کا مفعول اور اِذْ غِيْرَ ذَٰلِكَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مَسْئَل اور مَطْلُوْب میں کمالِ وسعت اور
 اطلاق ہے حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ سَل کو مطلق فرمایا ہے۔ اور مَسْئَل کو معین نہیں فرمایا اور مَطْلُوْب
 کو خاص نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کام آپ کے دستِ ہمت و کرامت سے وابستہ ہیں کہ جو کچھ چاہیں اور جس کو
 چاہیں باذنِ پروردگار تقدس و تعالیٰ عطا فرمائیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَّتْهَا وَمِنْ عُلُوِّكَ عَلَّمَ اللُّوحَ وَالْقَلَمَ

اگر خیریت دُنیا و عقیقی آرزو داری

بدرگاہش بیاد ہر چہ خواہی متنا کن

(دُنیا و آخرت آپ کے جود و سخا کے اجزاء ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔

اگر دُنیا و عقیقی کی خیریت کی آرزو ہے تو حضورؐ کی درگاہ میں حاضر ہو اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔)

اسی موضوع پر علامہ علی قاری لکھتے ہیں سئل "کامعنی ہے مجھ سے اپنی حاجت طلب کر لے۔ اور ابن حجرؒ اس کا مطلب فرماتے

ہیں تو نے جو میری خدمت کی ہے میں اس کے مقابلہ میں تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پورا کر دوں گا۔ اس واسطے کہ ارباب کرم کا

ہی طریقہ ہے۔ اور آپ سے زیادہ کوئی کریم نہیں۔ آپ کے امر سوال کو مطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے خزانہ میں تصرف کا حق آپ کو عطا فرمایا ہے۔ اور جو چیز کسی کو عطا فرمانا چاہیں اُس کا آپ کو اختیار ہے رکھا ہے۔

ابن سبغہؒ نے خصائص میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو بطور جاگیر عطا فرمادی ہے جسے چاہیں مٹی

عطا فرمادیں۔ (احقاق الحق)

عقیدہ شفاعت

سوال مُشرکین بھی اپنے بُتوں کو زمین و آسمان کا خالق نہیں جانتے تھے بلکہ وہ بُتوں کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ

اس آیت شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ۔ پس

مومنین جو انبیاء اور اولیاء کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مُشرکین جو اصنام (بُت) کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ

رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ اس واسطے کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام سب ماسوی اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے

تو بیان کر دو۔

جواب۔ فرق واضح ہے مُشرکین اپنے اصنام (بُتوں) کو معبود اور مستحق عبادت جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے

بطور حکایت فرمایا ہے مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان

کا رد کیا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُشرکین کہتے تھے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خادموں کو خاص خدمت کے بدلے میں کوئی

ملک یا شہر دے دیتے ہیں اور اس ملک یا شہر کی تدبیر اُسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وہ خادم اس ملک یا شہر کا مستقل

بادشاہ اور متصرف ہوتا ہے اور اُس ملک یا شہر کے لوگ اُس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ اصنام ہیں حکیم الامت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ البالغہؒ میں فرماتے ہیں کہ مُشرکین بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کے بارہ میں مومنین کے موافق ہیں کہ یہ

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر باقی امور میں اور چھوٹے چھوٹے کاموں

میں مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وہ (مُشرکین) کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے صالحین گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی

لے اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور جواب دیں گے اللہ نے۔

یہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے تاکہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔

عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں الوہیت دی اور وہ تمام مخلوق کے لیے مستحق عبادت ٹھہرے۔ جیسے کوئی شہنشاہ کہ اس کا غلام اس کی خدمت کرتا ہے اور اچھی خدمت کرتا ہے پس بادشاہ اسے بادشاہی کی خلعت عطا کرتا ہے اور اس کی طرف کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے پس اس شہر کے باشندے اس کے احکام کو سن کر اطاعت کرتے ہیں اور وہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز مشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی صورت میں مقبول ہوتی ہے جب کہ اس کی عبادت کے ساتھ ان صالحین کی عبادت بھی مل جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبول نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نہایت ملو اور بلندی میں ہے پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے تقرب کے لیے بالکل مفید نہیں بلکہ ان صالحین کی عبادت ضروری ہے اور یہ صالحین اب بھی سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں۔ پھر ان صالحین کے ناموں سے پتھروں کو کھڑا کر دیا اور صالحین کی طرف توجہ کرتے وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اس کے بعد ان کی اولاد ہوئی جنہوں نے ان بتوں اور ان صالحین کے درمیان جن کے نام پر یہ بت بنائے گئے تھے کوئی فرق نہ کیا اور انہیں بتوں کو بعینہ معبود یقین کر لیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مختلف طور پر رو فرمایا کبھی فرمایا کہ حکم اور ملک خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کبھی فرمایا کہ یہ بت بے دست و پا ہیں نہ ان کے پاؤں ہیں نہ چل سکیں، نہ ہاتھ ہیں نہ کپڑا سکیں، نہ آنکھیں ہیں نہ دیکھ سکیں، نہ کان ہیں نہ سن سکیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو منصب شفاعت باذن الہی ثابت ہے۔ اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ الرَّبِّ ذِي الْجَلَالِ الْإِیْمَانِ (کون ہے جو اس کی اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ (حضور فرماتے ہیں) (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے شفاعت کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةُ الْاَنْبِیَاءِ شُرَکَ الْعُلَمَاءِ شُرَکَ الشُّهَدَاءِ (رواہ ابن ماجہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تین نبیسم کے اشخاص شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

سماع موتی

سوال۔ مردوں کا کچھ نہ سنا قرآن مجید سے ثابت ہے: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور اسی آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمِعَ کی تاویل کی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے پس مردوں سے مدد مانگنا بے فائدہ ہے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں جس سماعت کی نفی کی گئی ہے اُسی کو ان تَسْمِعُ الْاَمْنِ یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا رَآپ نہیں سناتے مگر ان لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور اثبات بطریقِ حصر کیا گیا ہے۔

(مترجم۔ یعنی قرآن شریف میں یہ آیات اس طرح مذکور ہیں: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ اور اِنْ تَسْمِعُ الْاَمْنِ یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا۔ ان آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسماع کی نفی کی گئی ہے، مَوْتٰی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے اور اثبات کیا گیا ہے بلکہ حصر کیا گیا ہے مَنْ

پانچویں فصل

الفتوحات الصمدیہ

۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء

وجہ تالیف

حضرت کی تصنیف غیر مقلدین کے اُن دس سوالات کے جوابات سے متعلق ہے جو انہوں نے مدرسہ دارالعلوم نعیمیہ لاہور کے ایک طالب علم قائم علی حسینی کے ساتھ تحریری بحث کے دوران کیے تھے۔ اس کا ذکر باب ارشاد میں بھی آچکا ہے۔ اگرچہ اُن کا دوسرا سخن اُس طالب علم کی طرف تھا مگر چونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس بحث کے درپردہ اُس طالب علم کے راہنما حضرت تھے اس لیے اپنی تحریر میں انہوں نے حضرت کو بھی مخاطب بنایا۔ اُن کے سوالات کے جوابات مدرسہ نعیمیہ کے اساتذہ تیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر حضرت کے ایک نیازمند نے ایک عزیز کے ذریعے استاد عالی کہ چونکہ مخالفین نے آپ کا نام نامی بھی اس بحث میں شامل کیا ہے اس لیے بہت مناسب ہوگا کہ جواب آپ ہی تحریر فرمائیں جس وقت یہ خط حضرت کی خدمت میں پہنچا آپ پشاور تشریف لے جا رہے تھے۔ دوران سفر ہی آپ نے ان سوالات کے جواب بغیر کسی کتاب سے استفادہ کیے بلکہ خود اپنے۔ یہ سوالات مختصر اپنے تحریر کیے جاتے گئے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مخالفین نے اُن کی تیاری میں بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا تھا نہایت ادق ہونے کے علاوہ یہ نہ صرف اُن موضوعات سے متعلق تھے جو آج سے صدیوں قبل مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، جہمیہ وغیرہ کے درمیان متنازعہ فیہ رہ چکے تھے مثلاً الہیات، کلام باری تعالیٰ وغیرہ بلکہ ایسے موضوعات بھی شامل کیے گئے تھے جیسے علم سمیّت، فلسفہ اقلیدس اور بعض مشہور الفاظ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضرت کی محبت علمی کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا کہ ایک ہی شخص اتنے مختلف النوع مضامین میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ ان سب سوالات کا جواب دے سکے مگر جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے حضرت کو قدرت نے علم لدنی سے نوازا تھا چنانچہ آپ نے تمام سوالات کے نہایت مفصل جوابات دیئے مخالفین نے اپنے سوالات کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان کا جواب دینے والوں کو ہم پر بھی سوال کرنے کا حق ہوگا۔ اس لیے جوابات لکھوانے کے ساتھ ہی حضرت نے اپنی طرف سے ۱۲ سوالات انہی اور دیگر مضامین کے متعلق مخالفین پر کیے جن کا جواب آج اتنی مدت گزر جانے پر بھی اُن سے نہیں بن آیا۔

غیر مقلدین کے سوالات

مخالفین کے سوالات مختصر ایسے تھے :-

۱۔ علم لغت :- صاحب قاموس شیخ محمد الدین فیروز آبادی کے اشکالات جو انہوں نے ابو نصر اسماعیل بن حماد جوہری صنف

صباح پر وارد کیے، اُن کی تشریح مانگی گئی۔

- ۲۔ علم التصریف والادب :- مولیٰ ابن الکمال کے اقوال متعلقہ اعلال لائحہ عمل پر اشکال اور اُس کا جواب مانگا گیا۔
- ۳۔ علم الحروف والہیئۃ :- علامہ رشید الدین الفاروقی کی منظوم لغز (پہیلی) درج کر کے اُس کا حل دریافت کیا۔
- ۴۔ علم فقہ :- صاحب وقایہ کی عبارت مندرجہ کتاب البیوع پر علامہ فاری کے اشکال کا حل طلب کیا۔
- ۵۔ علم الکلام :- کلام الہی کے بارے میں سوالات جن کی تفصیل نیچے علیحدہ دی جائے گی۔
- ۶۔ علم فلسفہ :- دریافت کیا کہ تسلسل اور دور کے کتنے اقسام ہیں۔ کون سا مُنتفع، کون سا جائز اور کون سا مختلف فیہ۔
- ۷۔ علم تفسیر :- تاویل کے معنی اور تاویل صحیح جائز اور تاویل فلسفہ غیر صحیح کے مابین فرق دریافت کیا ہے۔
- ۸۔ علم فلسفہ :- امکان وحدوث ذاتی و مکانی کی حد اور تعریف اور اس تقسیم کا موجد کون تھا؟ نیز تقسیم صحیح ہے یا باطل؟
- ۹۔ علم اقلیدس :- نظام جو طفرہ کا قائل ہے اُس کے متعلق سوال اور جواب اباجیومیٹری کی شکل بنا کر توضیح مانگی ہے۔
- ۱۰۔ علم منطق :- اصطلاح کلی ذاتی اور کلی عرضی کے درمیان فرق دریافت کیا ہے نیز یہ کہ باوجود متضادی الاقدام ہونے کے بحسب اللزوم ایک ذاتی اور دوسری عرضی کیوں قرار دی گئی۔

حضرت نے جوابات کے شروع میں ذات حق کی تنزیہ و تقدیس کے متعلق ایک خطبہ عربی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ ذات پاک مخلوق کے فہم و دہم و ادراک سے بالاتر ہے اور معرفت الہی میں حضرات صوفیائے کرام کا مسدک ہی اکمل ہے کیونکہ وہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں اُس کی اساس محض عقل اور علوم ظاہرہ پر نہیں بلکہ کشف صحیح اور علوم لدنیہ پر ہوتی ہے۔ اور وہ حسب ارشاد نبویؐ خدا کے ساتھ دیکھتے، سُنتے، بولتے اور پکڑتے ہیں۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو ساری عمر علوم ظاہر میں ہی محدود رہے اور کشف و عیان کے میدان وسیع میں قدم نہ رکھا۔ اگر یہ حضرات بھی انبیاء علیہم السلام اور اُن کے وارثین کامل اولیائے کرام کے ساتھ حُسن ظن رکھتے تو یقیناً اُن کی ارواح طیبہ کی توجہ اور برکت سے انہیں بھی اُن کے حسب استعداد علوم لدنیہ سے بہرہ وری ہوتی۔ اولیائے کرام کے محشوفات اور مسئلہ توحید و جود پر شیخ ابن تیمیہ اور اُن کے تبعین کے اعتراضات پر حضرت نے سخت افسوس ظاہر فرمایا کیونکہ انہوں نے ان دقیق مسائل کو محض اس لیے اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا کہ وہ اُن کے ادراک و فہم سے بالاتر تھے۔ حالانکہ جب تک کوئی چیز نص شرعی کے خلاف نہ ہو، ایسا کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمام ایسے علوم غیبیہ کے متعلق ہمیں حکم ہے کہ اُن پر ایمان لائیں اور حقیقت خدا کی طرف تفویض کریں۔

غیر متقلدین کا سوالِ خپم

سوال نمبر پانچ بہت طویل تھا اور اُس کی کئی شقیں تھیں اس لیے حضرت نے سب سے پہلے اسی کا جواب لکھوایا۔

سوال کی اجمالاً تفصیل یوں ہے :-

”کلام الہی قدرت اور مشیت کے نیچے داخل ہے یا نہیں؟ اور خدا نے عز و جل کی ذات کے ساتھ قائم ہے یا قائم نہیں بلکہ خارج و منفصل ہے؟ اگر کلام نفسی ہے تو حروف و اصوات کس کے ساتھ قائم ہوئے اور اولاً کس سے ظاہر صادر ہوئے؟ یہ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ قدیم ہیں یا حادث؟ اور حکایت ہیں یا عبارت؟ حادث و مخلوق کے درمیان نسبت الیہ میں سے کون سی نسبت ہے؟ اگر قدیم ہیں تو کس طرح؟ تسلسل آثار آپ کے نزدیک ماضی مستقبل دونوں میں جائز ممکن ہے یا

دفن میں متنع و محال ہے؛ محبت امتناع کیا ہے؟ تمام افعال باری تعالیٰ کیا لازمی طور متساوی الامتداد میں ہیں؟ ... آخر میں کہا ہے کہ اپنا مذہب و مشرب کلام باری تعالیٰ کے بارہ میں بیان کر کے اُس پر بُرہان قائم کریں اور جو اعتراض اُس پر وارد ہوتا ہے اُس کا جواب دیں۔

سوال پنجم کے جواب کا خلاصہ

جیسا کہ ظاہر ہے اس طویل سوال کا جواب بھی ویسا ہی طویل ہو گا اور اُس کا پورے طور پر نقل کرنا یہاں ممکن نہیں حضرت اپنے جواب میں اس موضوع پر مختلف مرکاتب خیال کا مسلک تفصیلاً بیان فرمایا ہے اور اُن کے مابین وجہ اختلاف اور اعتراضات اشکال کو بڑی وضاحت سے سامنے رکھا ہے جس سے صرف اہل علم حضرات ہی کتاب سے مطالعہ کر کے محظوظ ہو سکتے ہیں اپنے مشرب کے متعلق جو بیان فرمایا وہ مختصر ایوں ہے :-

”میں چونکہ اہل حق صوفیائے کرام خصوصاً سیدی و سندی و شیخی و شیخ الکَلِّ فی زمانہ حضرت خواجہ محمد شمس الدین صاحبِ چشتی نظامی فخری سلیمانی (سیالوی) قدس سرہم کا اور حضرت جدی و شیخی فی القادر یہ پیر فضل الدین صاحب الحسنى الکیلانی کا دامن گرفتہ ہوں میرا مذہب آپ اہل حق کے کلمات ذیل سے معلوم کر سکتے ہیں :-
۱۔ حضرت شیخ علی خواص فرماتے ہیں :-

ایاک ان تؤول اخبار الصفات فان فی ذلک دسیسة من الشیطان لیفوت المؤمن الایمان بعین ما انزل اللہ۔ قال تعالیٰ ”أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ“ وَهَذَا الْمُؤُولُ مَا أَمِنَ حَقِيقَةَ الْأَبْأَدِ بِعَقْلِهِ ففاته الایمان بعین ما انزل اللہ تعالیٰ فلیتأمل انتہی۔
خبردار، آیات و اخبار صفات (الہیہ) میں تاویل نہ کرنا کیونکہ اس میں شیطان کا تحفہ فریب ہے۔ تاکہ عین ما انزل اللہ کے ساتھ مومن کا ایمان فوت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- ”رَسُولٌ أَوْرِئَامَانَ لَانِ وَلِیَ اِیْمَانِ لَانِ“ اُس کے ساتھ جو رسول کی طرف اُس کے رب سے نازل کیا گیا، لہذا تاویل کرنے والا حقیقت میں اپنی عقلی تاویل پر ایمان رکھتا ہے نہ بعینہ اُس چیز پر جو خدا نے نازل فرمائی۔

۲۔ استاد ابوالاسحاق اسفرائینی فرماتے ہیں :- توحید کے بارہ میں مکالمیں کا سب ذخیرہ اہل حق نے صرف کلمات میں جمع کر دیا ہے۔ الاولی اعتقاد ان کلمات صور فی الادھام فاللہ بخلافہ رہا یہ اعتقاد کہ جو کچھ اوہام و تصورات میں آئے اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف ہے (الثانیہ اعتقاد ان ذاته تعالیٰ لیست مُشَبَّهةً بِذَاتٍ وَلَا مَعْطَلَةٌ عَنِ الصِّفَاتِ وَقَدْ اكد ذالک تعالیٰ بقولہ ”وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ“ اور دوسرا یہ اعتقاد کہ خدا کی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معرا ہے۔ ارشاد الہی ”وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ“ اس کی تاکید کر رہا ہے۔ یعنی کوئی چیز اُس کے برابر نہیں (کُفُوًا)۔
۳۔ اس کے بعد حضرت شیخ اکبر کے چند اقوال ارزاہ بُرہان بیان فرماتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :-

قال الشیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدار صحة العقائد علی حصول الجزم بہا حثی ان من اخذ ایمانہ تقلیداً اجزماً للشارع کان اعصم و
صحت عقائد کا مدار حصول جزم (یقین) پر ہے۔ لہذا جس شخص نے شارع علیہ السلام سے تقلیدی طور پر ایمان حاصل کر کے یقین کر لیا وہ اس سے زیادہ مضبوط ہے جو

او ثق من ياخذ ايمانه عن الادلة وذالك لما يتطرق اليها اذا كان حاذقاً فطناً من الحيرة والدخيل في ادلته وايراد الشبه عليها فلا يثبت له قدم ولا ساق يعتمد عليها فيضاد عليه الهلاك۔

واللّٰل سے ایمان حاصل کرتا ہے کیونکہ اُس کے لال میں شکوک و شبہات راہ پکڑ سکتے ہیں جن کی وجہ سے اُس کے رسوخ و استحکام کے زوال اور ہلاکت کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

ان اقوال کے آخر میں حضرت فرماتے ہیں:-

”پس ہمارے لیے کیسے کی مثلہ شئیؕ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ الشَّورَى: (۱۱) وَلَكِنْ كُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (الاحلاص: ۴) وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء: ۱۶۴) و امثال ذالک کلام الہی سے بس ہیں جس سے یقیناً معلوم ہو سکتا ہے کہ القرآن کلام الہی اور تعالٰیٰ صحابہ کرام کے بموجب القرآن کلام الہی غیر مخلوق۔“

غیر مقلدین پر حضرت کے بارہ سوالات

مخالفین سے جو سوالات حضرت نے استفسار فرمائے وہ مختصر اُیوں تھے:-

۱۔ علم الحروف:- سیدنا محمد بن علی کا قول متعلقہ حروف تہجی بیان فرما کر اُس کا مطلب نیز حروف تہجی کی ترتیب کذائی کی وجہ دریافت فرمائی ہے۔

۲۔ علم ہدیت:- عویصہ ابن الکمال کا قول بیان فرما کر اُس کی توجہ دریافت فرمائی ہے۔

۳۔ علم ریاضی:- صاحب بی مدین رضی اللہ عنہما کی لغز (پہلی) کا مطلب دریافت فرمایا ہے۔ مخالفین کی لغز کے برعکس یہ نہایت ہی مختصر لغز ہے اور مندرج ذیل ہے:-

”ما الاسم الذی مرکب عن عشرين وثلثین بینہما حسا ومعنی وقد یتروک حسا ومعنی من ثمانیۃ وثمانین ومائتین دستۃ عدد اذا جمعتہما علی وجہ مخصوص من غیر اسقاط الستۃ کان اسما مرکبا وان اسقطت الستۃ کان اسما غیر مرکب۔“

۴۔ علم فقہ:- یہ سوال بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یوں ہے:-

”فتہا کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عبارت ذیل (بلوغ ظل کل شیء مثلیہ سوی فی الزوال) میں استثناء کا ماخذ اور لمیت بیان فرمادیں۔“

۵۔ علم الکلام:- کلام الہی اور حروف و اصوات کے متعلق اشعری، ابن کلاب، ہشام بن الحكم، ابن سینا وغیرہ کے اقوال بیان فرما کر ان میں سے کسی ایک قول کی صحت و حقیقت کو محققانہ طور پر ثابت کرنے کو کہا ہے۔ نیز یہ استفسار فرمایا ہے کہ آپ صفات باری تعالیٰ عز اسمہ کو عین ذات مانتے ہیں یا لا عین اور بر وقت دیر ثانی مسئلہ کی کئی مختلف شقوں میں سے کسی ایک شق کو لے کر مطلق صفت کا ثبوت مدلل طور پر دیں۔“

۶۔ علم اقلیدس:- یہ بھی مختصر سوال ہے اور ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔ اقلیدس میں کون سی شکل ہے جس سے توحید ثابت ہوتی ہے اور وہ کون سی جس سے قائل بالثلیث برعم خود متمسک ہوتا ہے۔ اور پھر اقلیدس ہی کی رو سے اُس کی تردید بھی کی جاسکتی ہے۔ اور نیز آپ تین دائرے بنائیں جن کے نصف قطر تین دیے

نومے غلوں کے برابر ہوں اور ان تین سے ایک اندر کی طرف اور دوسرے کی طرف من کریں۔ بتائیے کہ نصف قمر میں کیا نسبت ہونی چاہیے کہ مل ممکن ہو۔

۷۔ علم فلسفہ۔ اشاعرہ کی دلیل حدوث عالم پر بیان فرما کر اسے غیر صحیح قرار دیا ہے اور استفسار فرمایا ہے کہ اگر صحیح ہے تو کس طرح؟

۸۔ علم الحدیث۔ حدیث بخاری پر ایک اشکال۔ یہ سوال بھی ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔

بخاری کی حدیث (تحول فی الصور) بظاہر کیسے کیسے شکی کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ فان المتصور بصورۃ مشابہہ اذا کان فی صورۃ اخری معہ صحت الحمل بینہ و بین المتحول۔ ان میں تطبیق چاہیے۔ بتائیں کہ اس حدیث میں اصل انکار کتنے ہیں اور کیوں، کیا قبل از تبدل اندوینا میں بھی ان کو کسی صورت میں مشابہہ ہوا تھا یا نہ؟ اگر ہوا ہے تو کوئی صورت میں۔ اگر نہیں تو پھر انکار اور تسلیم کے کیا معنی۔ آیت اور حدیث سے ثبوت چاہیے اور نیز حدیث معراج میں بالخصوص مومن علیہ السلام ہی کو فنا کے بارہ میں فحاشی کی کیا وجہ تھی؟ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک معلوم اولین و آخرین تھے۔ نیز ہر ایک نبی کی فلک مخصوص سے وجہ خصوصیت کیا ہے؟

۹۔ علم الکلام۔ قرآن کریم میں خضر علیہ السلام کا کلام "فَارْذُتْ اَنْ اَعْلَبَیْہَا" اور "فَارْذُتْ اَنْ یُبْدِلَ لَہُمَا رَیْبُہُمَا" میں افراد اور جمعیت ضمیر کی وجہ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۰۔ علم التفسیر۔ آیت "وَلَوْ کَانَ شَیْءٌ اَخْصٰیۡنَہُ فِیْ رَاقِمٰۤیۡمَیۡنَ" میں حضرت شیخ اکبر کی تفسیر کی شرح اور اس کے متعلقہ امور دریافت فرمائے ہیں۔

۱۱۔ علم الافلاک۔ چند آیات قرآنیہ جن کا تعلق اجرام فلکیہ سے ہے ان کی تشریح اور منازل قمر کے اٹھائیس برسوں کی وجہ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۲۔ علم ریاضی۔ علم الافلاک و ریاضی کے متعلق چند متناقضہ عبارات کی تطبیق دریافت فرمائی ہے۔

حضرت کی یہ کتاب علوم اسلامیہ کے چہرہ نہایت شکل امور سے تعلق رکھتی ہے جس سے حضرت کے تجسس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح لطف صرف اہل علم حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں۔

چھٹی فصل

تصفیہ مابین سنی و شیعہ

یہ حضرت کی آخری تصنیف ہے جو آپؐ کچھ عرصہ خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کو لکھواتے رہے مگر یہ سلسلہ بوجہ اولاً آپؐ کی علالت کے اور بعدہ حالت استغراق کے منقطع ہو گیا۔ بیماری کے دوران ایک مرتبہ اس کی اشاعت کے متعلق آپؐ سے اجازت طلب کی گئی مگر فرمایا: فی الحال رہنے دو۔ یہ مسودہ جو ۹۲ فہرستہ صفحات پر مشتمل ہے اب چھپ چکا ہے۔ اور کتب خانہ دربار عالیہ میں موجود ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد اسے طبع کروا کر ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اُمیدِ واقع ہے کہ شیعہ سنی مباحث کے اہم موضوع پر داعیِ اعتدال و انصاف ثابت ہو گا جس سے سلیم الطبع حضرات پر راہِ صداقت حقیقت واضح ہو جائے گی۔

تقریب تالیف

اس تصنیف لطیف کی وجہ تالیف حضرت نے بعد تو صیغہ و درود مختصر اُلوں بیان فرمائی ہے :-
 "تخالف مذہبی مابین سنی و شیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے علماء سے التجا کریں۔ اس سے قبل سلفِ صالحین علیہم الرضوان حسب تدبیر الہیہ و تقاضا اہل بیتِ کرام سے محبت رکھنے کے جوہر اور خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہارِ خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔ البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا ہے اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہل سنت و الجماعت ہونے کے لیے فیضری ہے کہ انسان اہل بیتِ کرام کے خلاف بغض اور بنی اُمیہ کے ساتھ محبت رکھے۔ حالانکہ اہل سنت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے۔ اور ان کے عقائد میں رسولِ پاکؐ کے خاندان سے دوستی و مودت مدارِ ایمان اور فرضِ مانی گئی ہے اس نئے رجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے بمقابلہ اہل تشیع اپنے مواعظ و نصائح کی مجال میں صرف دفعِ ملامت و مطاعن کی طرف ہی رخ کیا اور اہل بیتِ علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی۔ لہذا مخلصی مفتی غلام مرتضیٰ ساکن میانی اور سید صدیق شاہ صاحب اور عزیز بی بی پر غلام عباس صاحب حسنی کھڈی حفظہم اللہ تعالیٰ نے شدید تعاضا کیا کہ اس نہایت ضروری امر کی طرف توجہ کی جائے۔ لہذا ارشاد کی تعمیل میں اور فرصت اور لیاقت نہ ہونے کے باوجود یہ چند اوراق جو سلفِ صالحین علیہم الرضوان کی کتبِ تاباں سے ماخوذات اور ذاتی عنذیات پر مشتمل ہیں اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ حضرات ناظرین مخطوط ہو کر اس سیاہ جلدیہ عالم کو دعائے خیر سے یاد فرما کر ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت کی عزت و جلالت کے صدقے جب اُس نے استوار علی العرش فرما کر دنیا اور دنیا والوں پر اپنی رحمت کا اجر بصورتِ آلِ رحمۃ اللعالمین فرمایا۔ اُمّتِ محمدیہ کے ساتھ ستاری و غفاری سے معاملہ فرماتے ہوئے ہم سب کی بخشش فرمائے۔"

جن امور پر ارشاداتِ عالیہ قلمبند ہوئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :-

- (۱) ثباتِ خلافتِ راشدہ برائیتِ اختلاف و دیگر آیاتِ قرآنی (۲) مسئلہ قرطاس (۳) حدیثِ نعم غدیر (۴) باغِ فدک (۵) آیتِ مباہلہ (۶) آیتِ تطہیر (۷) آیتِ مودت (۸) حدیثِ ثقلین (۹) فضائلِ سیدنا علیؑ اور بحثِ حدیث "أَخَا صِدِّيقُ الْعَالَمِ" اور اُس کے متعلق ابنِ تیمیہ اور ابنِ جوزی کے اعتراضات کے جوابات ۔
ان فیوضاتِ عالیہ کا مختصر خلاصہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے :-

اثباتِ خلافتِ راشدہ برائیتِ قرآنیہ

خلافتِ راشدہ کی حیثیتِ کذائی کی حقیقت اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت حضرت نے آیتِ اختلاف سے دیا ہے۔ اور اُس کی تائید میں جو بیس دیگر آیاتِ قرآنی اور متعدد احادیث و مسئلہ واقعات مندرجہ کتب سیر کو پیش فرمایا ہے۔ اور منکرینِ خلافت کے اعتراضات اور دلائل کو سوال و جواب کی صورت میں قائم فرما کر پورے ستر صفحات پر ایسی مدلل بحث فرمائی ہے کہ فکرِ سلیم کے لیے اس عنوان پر کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ آیتِ اختلاف کے بعد حضرت نے وہ آیات بیان فرمائی ہیں جن میں حضراتِ خلفائے اربعہ کی فضیلت بیان ہے جس سے اُن کا استحقاقِ برائے منصبِ خلافت ثابت ہوتا ہے۔ حضرت کی بحث کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

آیتِ اختلاف :-

"وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" (نور: ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو با ایمان اور عملِ صالح کے مرتکب ہیں کہ البتہ وہ اُن کو زمین پر خلیفہ کرے گا جس طرح اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور البتہ اُن کے لیے اُن کا دین جو انہیں پسندیدہ ہے محکم کرے گا۔ اور البتہ اُن کے حق میں خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ مانیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا پس وہ لوگ فاسق ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اختلاف یعنی خلیفہ بنانے کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اختلاف کے معنی ولی امر اور خلیفہ بنانے کے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ" (آسے) (ادودہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا) آیتِ اختلاف کے مخاطب اور حقدار وہی لوگ ہیں جو نزولِ آیت کے وقت با ایمان اور صالح تھے یعنی مہاجرین و انصار۔ پھر اس آیت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک قول کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یا بیان یہ حدیث ہے "أَخْلَافُهُ مَن بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيرُ مَذْكَأَ عَصُو ضَا" یعنی خلافتِ راشدہ میرے بعد تیس سال رہے گی اور بعد ازاں ہو جائے گی ملکیتِ دانتوں سے کاٹنے والی عربی زبان میں خلافتِ جاہلیہ کو کہتے ہیں یعنی ایک شخص دوسرے کی جگہ بیٹھے اور اُس کا نائب ہو کر کام کرے

شرع میں خلیفہ وہ حاکم ہے جو بہ نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دین محمدیہ کو قائم رکھے۔ پس جو شخص کہ حاکم نہ ہو اور حکم اُس کا عام نافذ نہ ہو وہ خلیفہ نہ ہوگا۔ ایسا ہی وہ مسلمان حاکم جو مالیہ وغیرہ وصول کرے مگر دین کی اقامت مثل جہاد و اقامت حد و فیصلہ جات شرعیہ نہ کرے وہ بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ معنی خلافت مطلقہ کا ہے اور خلافت خاصہ راشدہ میں علاوہ حکمرانی و اقامت دین محمدی کے مہاجرینِ اولین سے ہونا اور سوا بق اسلامیت سے متصف ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ خلفائے اربعہ با معنی خلافت راشدہ سے متصف تھے اور مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قول و فعل میں واجب الطاعت تھے۔ اور وعدہ الہیہ مندرجہ آیت کا تحقق بھی چاروں خلفائے کرام کی خلافت پر ہے نہ صرف کسی ایک شخص کی خلافت پر، کیونکہ اس آیت میں جتنے ضمائر موعودہ لم کے لیے ہیں وہ سب بصیغہ جمع ہیں۔ نیز جن امور کا تحقق اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی استخلاف، اقامت دین، تبدیلی خوف بالامن اور عبادتِ خالصہ، یہ بھی چاروں خلفائے کرام کے وقت میں موجود تھے نہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں، اور وعدہ الہیہ کا تحقق براعہاد اوصاف موعودہ لم ضروری اور واجب ہے جو خلافت خلفاء اربعہ علیہم الرضوان کے وقت میں ہوا اور روز روشن کی طرح ہوا اور کسی کو گنجائش انکار نہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خلافت راشدہ کے لیے کوئی نص قرآنی موجود تھی تو گروہ انصار اور سیدنا علی علیہم الرضوان نے بیعت ابوبکر سے انکار کیوں کیا تھا اور اپنے لیے مدعی خلافت کیسے ہوئے؟ فرماتے ہیں کہ ایک نص کیا بلکہ بکثرت نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ نہ صرف خلافتِ شیخ بلکہ خلافتِ اربعہ علیہم الرضوان پر شاہد ہیں مگر چونکہ نصوص قرآنیہ میں شخصی طور پر کسی کے نام کی تخصیص نہیں تھی صرف کلی طور پر اوصافِ جمیلہ کا ذکر تھا، لہذا ابوجہ نامعلومی شخصیت، وفات شریف نبوی کے موقع پر باہمی تحالف پیدا ہوا لیکن رفتہ رفتہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان نصوص اور اوصاف مندرجہ فیما سے مراد اور ان کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ نصوص کی مراد اور مصداق پر سب سے پہلے نظر بھی خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پہنچی۔ ”نہج البلاغہ“ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ عراق میں بنفس نفیس شریک ہونے کے لیے مشورہ لیا تو سیدنا علی نے فرمایا: ”جہاد فی سبیل اللہ کی جیت یا ہار لشکر اسلام کے تھوڑا یا بہت ہونے پر موقوف نہیں، دین اسلام خدائی دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب ادیان پر غالب فرمایا ہے اور لشکر اسلام خدائی لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمایا اور اُس کی امداد فرمائی۔ اور جس حد تک اُسے پہنچا اور ظاہر ہوتا تھا وہ پہنچا اور ظاہر ہوا اور ہم (مہاجرینِ اولین) منجانب اللہ وعدہ نصرت دیتے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کو امداد دینے والا ہے۔ والی امر (خلیفہ) بمنزلہ پشتہ جو اہر ہوتا ہے۔ ان (جو اہر) کو باہم جمع رکھنے والا اور بلانے والا ہوتا ہے۔ اگر پشتہ ٹوٹ جائے تو جو اہر جدا جدا ہو جاتے ہیں اور نظام جاتا رہتا ہے اور پھر کبھی اپنے اطراف کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ آج کے دن عرب اگرچہ قلیل ہیں مگر بوجہ اسلام کشمیر ہیں اور اتفاق کی وجہ سے عزیز اور غالب ہیں۔ پس اُسے عمر تو چکی کے قطب کی طرح اپنے مرکز پر قائم رہ اور ہمیں پیٹھ کر چکی کو پھرا اور اعداء کو جنگ کی آگ سے جلا دے۔“

آخر میں بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ کشف نبوت، وعدہ استخلاف میں ایسا اطمینان تھا کہ مرض وفات کے آخری ایام میں خیال شریف میں آیا کہ اس امر کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے اور فرمایا کہ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں لکھ دوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ مگر پھر وعدہ الہی کے بھروسہ اور اطمینان پر تحریر کو ضروری نہ سمجھا اس لیے کہ ”لَکِیْسَتْ خُلُفَتُهُمْ“ اور

۳۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرْتَعَّبَهُم رُكْعَاتُ سُجْدٍ يُبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا نَسِيحًا هُمْ فِي وَجْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ هُمْ فِي الْإِنْجِيلِ تَشْكِرُ كَرْزُجٍ أَخْرَجَ شَطْرًا فَازْرَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (فتح: ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں اور آپس میں محبت کرنے والے ہیں۔ تو اُن کو دیکھتا ہے رکوع اور سجود کرتے ہوئے، وہ خدا کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں اُن کے چہروں پر سجدوں کے نشان موجود ہیں۔ تورات اور انجیل میں اُن کی داستان ایسے ہے جیسے کھیتی (پہلے) اپنے سبز گھاس کو نکالے، پھر اُسے قومی کرے، پس وہ موٹی ہو جائے اور اپنی جڑوں پر کھڑی ہو جائے۔ (اُسے دیکھ کر) کھیتی والے خوش ہوتے ہیں اور کفار غصہ سے بل کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے بخشش اور ثواب بزرگ کا وعدہ دیا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ان آیات میں بیان کردہ اوصافِ جمیلہ سب کی سب خلفائے اربعہ پر صادق آتی ہیں بلکہ اُن کی مثالیں پہلے آئی ہوئی آسمانی کتابوں میں بھی ہیں۔

۴۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَلَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ (توبہ: ۲۰-۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ خدا اُن کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے اور بہشتوں کی جن میں وہ ابدی عیش حاصل کریں گے۔

۵۔ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنَّا بِهِمْ فَتْحَاتٍ لِّبَاءٍ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُ وَنَهَاهُ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (فتح: ۱۸-۱۹)

یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ کیا کوئی خلفاءِ اربعہ علیہم السلام کی مالی اور جانی خدمات سے انکار کر سکتا ہے؟ البتہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ اُن مومنین سے راضی ہو چکا جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے اُن کے دلوں کا حال جان لیا اور اُن پر رحمت اُماری اور اُن کو فتح قریب عطا فرمائی اور بہت سا مالِ غنیمت جو وہ حاصل کریں گے اور خدا غالب حکمت والا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعتِ الرضوان والوں کو جن میں شیخین و سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما شامل تھے، اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔

۶۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الحج: ۵)

اور یقیناً ہم نے تورات کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین مومنوں کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔

یہ پیشین گوئی بہ شہادت توراۃ و زبور فاروق اعظم کے حق میں ہے جن کے ہاتھ سے ارض مقدسہ (شام) فتح ہوئی۔ آپ بحسب اس آیت کے عبادی المسلمون سے ٹھہرے۔

۷۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ رَحِيبُكُمْ وَيُجِيبُونَكَ أَذِلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِكِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (مائتہ: ۵۴)

اُسے مسلمانوں کوئی تم سے اپنے دین سے پھر گیا تو جلدی خدائے تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اُسے دوست رکھیں گے۔ یہ قوم مسلمانوں پر مہربان کافروں پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خدائے تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ خدا کی عنایت ہے جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے

یہ پیشین گوئی حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں پوری ہوئی جنہوں نے باوجود مخالفت کے مرتدین امت سے جہاد کیا۔ ان آیات کے علاوہ جو آیات حضرت نے خلفائے راشدین کی فضیلت کے متعلق نشان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں :-

انفال ۳۴، ۶۲ تا ۶۴ و ۷۴۔ غل ۴۱۔ توبہ ۳۳، ۶۱، ۸۸، ۸۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴۔ حج ۴۰، ۴۱، ۴۸۔

فتح ۱۶۔ آل عمران ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴۔ حشر ۲۔

بعض مطاعن اور ان کا جواب — مسئلہ قرطاس

اب مختصر مخالفین کے بعض مطاعن اور ان کے جواب جو حضرت نے بیان فرمائے ہدیہ ناظرین کیسے جلتے ہیں :-

مسئلہ قرطاس :- حدیث قرطاس کا ذکر صحیح بخاری میں دو جگہ آیا ہے۔ حضرت نے دونوں روایات کو قلم بند فرمایا ہے پہلی حدیث صحیح بخاری کتاب الطلہ میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے اور دوسری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے ہے۔ ان روایات کا لب لباب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا اور دولت خانہ شریف میں لوگ جمع تھے جن میں عمر بن الخطابؓ بھی تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سامان کتابت میرے پاس لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حاضرین میں اس پر اختلاف ہو گیا۔ بعض جن میں عمر بن الخطابؓ بھی تھے، کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد غالب ہے آپ کو تکلیف نہ دو اور ہمارے پاس کتاب ہے اور کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور دوسرے کہتے تھے کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے۔ آپ کی زبان مبارک سے کبھی پریشان کلام نہیں نکلا دوبارہ دریافت کر لو جب شور و اختلاف زیادہ ہوا تو آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور مجھے میرے حال (مشابہہ حق) پر چھوڑ دو۔

حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو محل طعن بنانے والوں نے وہ غلطیاں کی ہیں ایک تو ان کے کلام کا مطلب ایسے ہر لیے نگ میں لایا گیا ہے جو کوئی منافق بھی اُس وقت کے منافقین میں سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ دوسرا "أَهْجَرَ إِسْتَفْهِمُوهُ" یعنی کیا حضور پریشان کلام کر سکتے ہیں، دوبارہ دریافت کر لو، کا جملہ بھی مخالفین نے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا ہے جو خلاف واقعہ ہے۔ بالضرر اسے صحیح مان لیا جائے تو بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ جملہ استفہام انکاری ہے اور در صورت ہدیان دے بے ہوشی یہ جملہ دریافت کر لو، کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ کی حالت ہدیان کی نہیں کیونکہ یہ نشان نبوت سے بعید

ہے۔ دوبارہ دریافت کر لو۔

پھر فرماتے ہیں: یہ تو ظاہر ہے کہ جس بات کو آپ لکھنا چاہتے تھے اگر اُس پر اُمت کی اہم سلی یاد دہانی ہدایت کا دار و مدار ہوتا تو آپ ہرگز ہرگز اُسے ترک نہ فرماتے۔ یہ آپ کی شان ہادی، مبلغ، بشیر، نذیر، حَرِّیصٌ عَلَیْکُمْ وَغَیْبٌ اَوْصَافِ مَنْصُوصہ کے سراسر خلاف ہے کہ آپ ایک ایسے امر کو پورے تین دن مجبہ، شنبہ، یک شنبہ معہ بقیہ روزین شنبہ کی مہلت میں ترک فرمادیں۔ پھر خطاب اور ارشاد نبویؐ سب حاضرین کے لیے تھا جن میں سیدنا علیؑ اور سیدنا عباسؓ بھی تھے نہ صرف حضرت عمرؓ کے لیے ہی خطاب تھا۔ اگر مطعون ٹھہریں گے تو سب نہ صرف ایکلے حضرت عمرؓ بلکہ سب سے زیادہ سیدنا علیؑ پر مطاعن اور نتائج فاسدہ کا اثر پڑتا ہے کیونکہ دولت خاندان نبویؐ پر حضرت علیؑ ہی کتابت وحی کا کام کرتے تھے۔ وہ خطاباتِ اسد اللہ الغالب، خیر شکن اور لَافِظِیِ الْاَعْلٰی وغیرہ سے ملقب تھے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی سے ڈر کر یا کسی کے رعب میں اگر ارشاد نبویؐ سے گریز کیا ہو۔ اگر بغرض محال ایسا تھا بھی، پھر بھی کامل تین دن میں حضرت عمرؓ سے علیحدگی کے وقت انہیں تعمیل کا موقع مل سکتا تھا۔ حاضرین میں سے کسی کا بھی تعمیل نہ کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ کتابت زیر بحث ضروری نہ تھی ورنہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حوالا اتفاق معصوم ہیں کسی کے رد کرنے سے کب رُک سکتے تھے۔“

حدیث ششم غدیر

حضرت نے حدیث ششم غدیر کی تفصیل بیان فرما کر لکھا ہے کہ اُس کی تقریب یہ ہوئی تھی کہ بریدہ اسلمی نے یمن میں حضرت علیؑ کے کسی عمل پر اعتراض کیا تھا اور حضورؐ سے اس کی شکایت کی تھی جس پر حضورؐ نے ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَا فَعَلِيَ مَوْلَا“ اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَاَلَا وَعَادِ مَنْ عَادَا“ کا ارشاد فرما کر حضرت علیؑ کی محبت واجب فرمادی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ بریدہ اسلمی کے بیان اور واقعات و بشارات و نصوص قرآنیہ مُبَیِّنَہٗ فِی مَوَاضِعِہَا سے واضح ہو جاتا ہے کہ ششم غدیر والی حدیث کو خلافت بلا فضل سیدنا علیؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ بہ ایام مرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارشاد مکرر اور اصرار مؤکد حضرت صدیق اکبرؑ کو تین روز کی نمازوں کے لیے امام نہ بناتے۔ اس پر حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا (قَدْ مَلَكَ رَسُولُ اللَّهِ فَمَنْ ذَا الَّذِي يُؤَخِّرُكَ) تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش امام فرمایا ہے پھر کون ہے جو تمہیں پیچھے کرے۔

قصیدہ باغ فدک

اس مضمون پر سوال و جواب کی صورت میں حضرت نے ۸ صفحات قلم بند فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر حضرت کا مسلک باب سوم میں ”اہل تشیع کے ساتھ ایک مناظرہ“ کے زیر عنوان دیا جا چکا ہے۔ تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب دینے کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ فدک کے علاوہ اور جائیدادیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھیں مثلاً بنو نضیر کے سات باغات، القریٰ کی وادی، طخ اور سلام خیر کے دو قلعے اور خیر کا پانچواں حصہ، مگر حیرت ہے کہ فدک میں باصرار ہمہ یاد صیت کا ذکر تیرہ سو سال سے جاری ہے مگر بقیہ جائیدادیں محل بحث ہی نہیں۔ نہ اُن کا دعویٰ جناب خاتونِ جنتؑ نے کیا نہ شیر خداؑ نے انہیں یاد دلایا اور نہ ہی اپنے عہد خلافت میں انہیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یا ہبہ یا وصیت قرار دیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ سیدۃ النساء کی نسبت یہ بیاہیت کا دعویٰ بھی محض اُن پر افترا اور بہتان ہے۔ اگر مطالبہ بطور ارث تھا تو یہ نہیں ہو سکتا اور نہ بالعکس۔ ایسا ہی دعویٰ میراث اور دعویٰ وصیت میں تناقض ہے۔

آیت مباہلہ کی تشریح اور تفسیر

حضرت فرماتے ہیں: پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو تحریری دعوتِ اسلام دی اُن کے چودہ منتخب آدمی بقیادتِ عبدالمسیح عرف عاقب مدنیہ پاک پہنچے اور بڑے مکلف اور ریشی لباس پہن کر مسجد نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توجہ نہ فرمائی۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ لوگ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے اُس سے فارغ ہو کر دوبارہ حضور میں آئے مگر پھر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی طرف توجہ نہ ہوئے۔ وہ لوگ مسجد سے باہر چلے گئے۔ اور حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف اور علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے خیال میں آپ لوگوں کی مشکرتانہ اور بجاہ و جلال والی روش سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت مُبارک مکدر ہو گئی ہے اگر آپ سادہ کپڑے پہن کر جائیں تو اُمید ہے ضرور توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب یہ لوگ سادہ کپڑے پہن کر حاضر ہوئے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: قسم ہے خدا کی جس نے مجھے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ کل جس وقت یہ لوگ آئے تھے ان کے دل غرور سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں دعوتِ اسلام فرمائی مگر انہوں نے معذرت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظارِ وحی کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی:-

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ مَرَّ بِخَلْقِهِ مِنْ تَرَابٍ لَّهُ قَالَ لِمَنِ هَٰذَا الْإِنْسَانُ ۖ الْأَخِلَّاءُ مِنْ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۚ فَمَنْ حَالَ جَكَ فِيهِ مِنْ أَبَدٍ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَ كُهُودٍ وِّنِسَاءَ كُهُودٍ أَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ (آل عمران: ۵۹ تا ۶۱)

آیت کا مطلب:- اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کا حال مثل آدم کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو "اور وہ ہو گیا۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں سے مت ہو۔ اگر کوئی اس علم اور دانست کے بعد تم سے اس بات پر جھگڑے تو اُس کو کہہ دو کہ فریقین معہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے مل کر جھوٹوں پر عجز و انکسار سے لعنت کریں (یعنی مُبَاہلہ کریں)"

یہ کلام الہی سن کر بھی وہ لوگ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں مانتے ہو تو آؤ ہم مباہلہ کر لیں اور مشورہ کے لیے انہیں وقت دیا۔ اپنی فردگاہ میں پہنچ کر اُن کے قائد نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ دل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبیِ برحق مانتے ہیں۔ اور اُن کا بیان دربارہٴ مسیح علیہ السلام بھی مدلل اور محقول ہے لہٰذا مباہلہ کو نامیرے نزدیک بھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ سچے نبی سے مباہلہ کرنے والی قوم یقیناً ہلاک ہو جاتی ہے بہتر ہے صلح کر لیں۔ سب نے یہ رائے پسند کی اور دوسرے روز جب حضور نبویؐ میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنابِ حسین علیہ السلام کو گود میں اٹھاتے اور حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ جناب سیدۃ النساء آپ کے پیچھے اور سیدنا

علیؑ اُن کے پیچھے تشریف لارہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرماتے ہیں کہ اگر نصاریٰ مباہلہ کو آگئے تو میں دُعا مانگوں گا اور تم سب مل کر آئیں گے۔ جب نصاریٰ نے یہ نقشہ دیکھا تو کانپ گئے اور عاقب نے اُن سے کہا کہ اے کروہ نصاریٰ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ پانچ مُنہ خدائے تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُٹھاڑنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے پورا کرے گا۔ پس مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ”حب راسے نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ اور اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہمارا تعرض نہ فرمائیں اور ہم دو ہزار عِلّہ (پوشاک) سالانہ حضور میں بطور جزئیہ پہنچایا کریں گے۔ آخر الامر اسی پر صلح ٹھہری۔

حضرتؑ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آلِ عباس یعنی علیؑ و حسن و حسین و سیدۃ النساء علیہم السلام کا ایک جُداگانہ قُرب بحضورِ نبویؐ تھا۔ پختن پاک کا کیفیت مذکورہ جلوہ گر ہونا بے نظیر اور عجیب نظارہ ہوگا اور دیکھنے والے عجز و حیرت ہوں گے۔ الٰہی بھرمّتِ آں و تنیکہ پختن پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام براسے مباہلہ تشریف فرما شہداء ایں سیاہ جریہ تردانے راجع آثارِ دوستان و سائر برادرانِ اسلام و اخوانِ طریقت و تہلّی اُمتِ مرقومہ یہ بخشاکہ بغیر از فضل و کرم تو در دست نداریم۔ خَلَقْنَا مُحَمَّدًا وَرَزَقْنَاهُ حَنَانًا فَاعْفِرْ لَنَا حَنَانًا فَإِنَّكَ قَدِیْمُ الْإِحْسَانِ وَاسْمُ الْمُعْفِرَةِ وَ لَطِیْفٌ قَبْلَ كُلِّ لَطِیْفٍ وَ لَطِیْفٌ بَعْدَ كُلِّ لَطِیْفٍ، فَالطُّفِ بِنَا كَمَا لَطَفْتَ فِي ظُلُمَاتِ الْأَحْشَاءِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ بِحُرْمَتِ حَبِیْبِكَ رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَادْعُ عَلَیْهِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِينَ ۝

حضرتؑ فرماتے ہیں کہ آیت مباہلہ میں کلمہ اَبْنَاءُ ذٰلِہِیْنِ حَسَنِیْنِ پاک کو فرزندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کا شرف ثابت ہے اور اس کی تائید مزید میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت کا ذکر فرمایا ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حَسَنِیْنِ پاک کے متعلق ارشاد فرمایا ”هٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَتِیْ“ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ کلمہ ”نِسَاءُ ذٰلِہِیْنِ“ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگرچہ بصیغہ جمع ارشاد ہوا ہے مگر طرزِ عملِ نبویؐ سے واضح ہو گیا کہ مُراد سیدۃ النساءِ حجۃ پارسہ رسولؐ ہیں۔

کلمہ ”اَنْفُسَنَا“ اور اُس کی تائید میں حضرتؑ نے متعدد احادیث سے کمالِ اتحاد اور قرابت مابین نفسِ نبویؐ اور نفسِ مرقومہؑ ثابت فرمائی ہے۔ اور حضرت شیخ اکبر کا یہ کشفی بیان مندرجہ فتوحاتِ مکّیہ ”بیان فرمایا کہ حقیقتِ کَلْبِیہ بعد و ردّ و تجلّی نوری سے سب سے پہلے قبولِ فیض و انعکاس حقیقۃً تھری صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور پھر اُس حقیقت سے سب سے قریب تحقیقِ امامِ اولیا حضرت علیؑ کی تھی۔ پھر حضرتؑ نے حدیثِ فدک کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے (جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے) کہ جس طرح مومن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھنا ضروری ہے اُسی طرح حضرت علیؑ کو بھی محبوب جاننا لازمی ہے۔ یہاں حضرتؑ نے دلائل اور عداوت کے مفہوم پر حصر کرتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ اس حدیثِ شریف میں ”مولا“ کے معنی محبوب کے ہیں۔ اس کی مختصر تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

آیتِ تطہیر

اس موضوع پر حضرتؑ کا مسلک بابِ اول میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پر حضرتؑ نے اسے متعدد دوسری آیات اور

احادیث سے تفصیلاً ثابت فرمایا ہے۔

آیت مودّت

كُلٌّ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ
 کہہ دیجئے میں تم سے اس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن
 دوستی اہل قرابت کی۔

حضرت نے مدلل طور پر بیان فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا مصداق آلِ عباس علیہ السلام ہیں۔ اس سوال کے جواب میں
 کہ یہ آیت مکی ہے جب حسین علیہ السلام کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی حضرت فرماتے ہیں یہ ضروری امر نہیں کہ بروقت نزول
 آیت مکتوم علیہ کے کل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اُس وقت کے موجودہ افراد میں ہی وہ محکم حضور ہو۔ اپنے اس نظریہ کے
 ثبوت میں حضرت نے کئی مثالیں آیات قرآنی کی بیان فرمائی ہیں اور نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکہ میں ہی ہوا
 ہو مگر چونکہ قرنی اور قرابت بالحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی آلِ عباس علیہ السلام ہیں۔ اس لیے اُن حضرات علیہم السلام کا مکرر
 ہونا اس آیت میں بطریق اولیٰ ہو گا۔

حدیث ثقلین

یہ حدیث مبارک اس طرح ہے: "إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا أَنْ تَمَسَّكَتُمُ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي
 كِتَابَ اللَّهِ وَعِثْرَتِي" (میں تمہارے پاس دو ایسی عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر اُن کو پکڑے (کھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے)
 ایک کتاب اللہ اور دوسرا میری عترت) حضرت فرماتے ہیں کہ طاعینین کا یہ دعوئے کہ اہل سنت نے کبھی اس حدیث مبارک پر عمل نہ
 نہیں کیا صحیح نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے عکس ہے کیونکہ اہل سنت نے تو اُسی قرآن کو جو اُن کے پاس ہے اور غیر محرف اور کامل کلام
 الہی ہے شرفاً غرّاد مشوراً العمل بنایا ہوا ہے جس کے حق میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے بھی فرمایا ہے وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ
 بَعْدَ الْقُرْآنِ حُجَّةٌ (جان لو کہ قرآن کے بعد کسی پر کوئی حجت نہیں) اور تاریخ شاہد ہے کہ ثقل اکبر (قرآن کریم) پر تیس سالہ
 مدت خلافت راشدہ میں باتفاق رائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ عمل ہوتا رہا جس سے ثقل اصغر یعنی منک بالہجرت کی بھی تعمیل ہوتی رہی۔ برخلاف
 اس کے طاعینین کا عقیدہ ہے کہ ثقل اکبر یعنی قرآن کریم کو حضرت امیر علیہ السلام نے غائب کر دیا تھا اور تیسری صدی ہجری سے امام
 غائب علیہ السلام کے پاس غارِ سمرقن رکائے میں بتایا جاتا ہے پس ان حضرات کو تو آج تک منک بالقرآن نصیب نہ ہوا۔ رہا
 منک ثقل اصغر تو قرآن کریم کے فقدان اور گم ہوجانے کی صورت میں ہو مگر یہی صورت کے لیے بھی مورد تحقیق اور وقوع نہ رہا۔ لہذا ان
 حضرات کا دعوئے منک بالثقلین سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

حدیث اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

ترمذی کی حدیث شریف اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں) پر شیخ ابن تیمیہ
 نے منہاج السنۃ میں اعتراض کیا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع کھسپے اور واقعات کی دوسے بھی نفسِ مضمون
 صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم نبوت کا صرف ایک دروازہ حضرت علیؑ ہوں جن سے صرف کوفیوں نے قلیل
 مدت کے لیے علم حاصل کیا اور باقی بلادِ اسلامیہ میں علم اوروں سے پہنچا۔

حضرت فرماتے ہیں یہاں علم سے مراد علم خاص یعنی علم اسرار مراد ہے۔ اس حدیث پاک کی تصحیح اور ابن تیمیہ کی تردید میں آپ کے دلائل اترتیس صفحات پر قلم بند ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں خلفائے ثلاثہ اور کبار صحابہ کا رجوع اور مدار ہمیشہ حضرت علیؓ کے فتاویٰ پر تھا۔ چنانچہ خلیفہ ثانیؓ کے اقوال "لولا علی لہلک عمر" (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ملامت میں پڑتا) اور "لا لقیلت لیس لہا ابو الحسن" (خدا مجھے اس مشکل سے دوچار نہ کرے جس کے حل کے لیے ابو الحسن موجود نہ ہوں) اور "لا یقتیک احد فی المسجد وعلی حاضر" (مسجد میں علیؓ موجود ہوں تو کوئی اور شخص فتوے نہ دے) اس امر پر شاہد ہیں۔ حضرات سلمان و ابوذر و مقداد و عمار و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سب حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں اور شیخ ابن تیمیہ خود بحوالہ اتقان للعلماء سیوطی لکھتے ہیں کہ علم تفسیر میں اہل مکہ اعلم الناس ہیں کیونکہ وہ عبداللہ بن عباس کے اصحاب ہیں۔ ملک شام میں علم بقول تذکرۃ الحفاظ (علامہ ذہبی) ابوذر دار سے شائع ہوا جو عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ ابوذر کا قول ہے کہ عالم تین ہیں۔ ایک شام میں یعنی یمن خود۔ دوسرا کوفہ میں یعنی عبداللہ بن مسعود اور تیسرا مدینہ میں یعنی حضرت علیؓ شامی عند الحاجت کوئی سے پوچھتا ہے اور کوئی مدنی سے اور مدنی (یعنی حضرت علیؓ) کسی سے نہیں پوچھتا۔

پھر حضرات ائمہ اہل بیت حسنین و سجاد و باقر و جعفر و کاظم (علیہم السلام) کے ذریعے حضرت علیؓ کے علوم نے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جسے مسر نہ فرمایا ہو۔ اگر صرف حضرات امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ بن انس مدنی کے حلقہ تدریس کو شمار میں لایا جائے تو اہل سنت کے کسی مجتہد، محدث، مفسر اور مبلغ کا نام نہیں ہوگا جو اس صف میں شامل نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت امام جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا سلسلہ حضرت حمادؒ کے ذریعے حضرت عبداللہ بن مسعودؒ تک پہنچتا ہے جو براہ راست حضرت علیؓ کے تلمیذ تھے۔ اہل سنت کے علاوہ امامیہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ سے کون ہے جو علوم علیؓ سے مستفید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

اس حدیث پاک کی صحت پر بہت سے حوالہ جات کا شمار فرماتے ہوئے حضرت لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت تیجے بن معینؒ نے کی ہے جنہیں شیخ ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب منہاج السنۃ میں اعظم محققین اصحاب رجال اور روایات کی جرح و تعدیل میں از روئے صداقت و دیانت و امانت و مہارت اعظم الناس میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے شہر علم کے ایک دروازے پر خبر واحد کی غیر یقینی حیثیت کا جو اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ باتفاق مسلمان یہ ضروری اور واجب سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کا تبلیغ علم میں ذریعہ ہونا صحیح نہیں اور چاہیے کہ یہ دروازہ مسدود اور بند ہے اس کے جواب میں حضرت نے خبر واحد کے معتبر ہونے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ ابن تیمیہ کی یہی دلیل معاذ اللہ انکار نبوت پر بھی قائم ہو سکتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم کے علم کو ہر زمانہ میں صرف ایک شخص اس طریق پر نہیں پہنچا سکتا کہ لوگوں کو علم یقینی حاصل ہو۔ لہذا ہر زمانہ میں انبیاء کا متعدد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ چاہیے کہ دین الہی مسدود اور بند رہے۔ لہذا معاذ اللہ ایکے نبی کی نبوت باطل ہے۔

لفظ مولیٰ کی تشریح

کیست مولائے علیؓ مولائے کل

لھذا قد قالہ خیر الرسل

یہ حدیث من کنت مولاً فعلی مولاً اللھم دال من والاہ وعاد من عاداہ جس کا میں مولی ہوں، علیؓ

بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ الٰہی جو اس سے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھے۔
 کار ترجمہ ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں ایک بار حضرت نے فرمایا تھا کہ اس کا آخری جملہ لفظ مولیٰ کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ
 مولیٰ مشترک ہے اور کئی معنی رکھتا ہے۔ مشترک کے مختلف معانی کے تعین کے لیے قرینہ کا لحاظ ضروری ہے۔ اس لیے اَللّٰهُمَّ
 وَالْاَکْوَاعَ وَمَنْ عَادَاکَ کے قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولیٰ کے معنی خلاف معادی (عدو) کے ہیں یعنی محبوب ہیں معلوم
 ہوا کہ مولائے علیؑ محبوب کُل ہیں جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے لَا یُحِبُّہُ اِلَّا الْمُؤْمِنُ وَلَا یُبْغِضُہُ اِلَّا مُنَافِقٌ (حضرت علیؑ سے
 محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق) لیکن ہمارے برادرانِ طریقت مولیٰ کے معنی وہ لیتے ہیں جو پنجابی زبان
 میں منہوم ہیں یعنی سردار۔ گویا حضرت علیؑ تمام اصحاب و مُلُفَّا کے سردار ہیں۔ یہی معنی محض خوش فہمی پر مبنی ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت
 قبلہ عالم قدس سرہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بے حد محبت تھی جو محبت اور درجہ انہماک تک پہنچی ہوئی تھی۔ مگر آپ کا کمال یہ تھا
 کہ غلبہ عشق و محبت کے باوجود شرع شریف کے لحاظ و اتباعِ کامل کو ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا۔

برکھے جامِ شریعت برکھے سندانِ عشق ہر ہونسا کے نداءں جام و سندانِ باطن

ایک ضروری تنبیہ

کتاب کے آخر میں حضرت تنبیہ ضروری کے عنوان سے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یَا اَہْلَ الْکِتَابِ
 لَا تَتَّبِعُوا فِی دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا اَہْلَہُ اَوْ اَقْوَامَہُمْ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوا کَثِیْرًا وَ ضَلُّوا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ اے اہل کتاب
 اپنے دین میں نہ حق غلو نہ کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے
 راستے سے بھٹک گئے (اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میاندروی ہر کام میں پسند ہے اور یہی ہے صراطِ مستقیم جس کی درخواست
 کے لیے ہم مانور ہیں۔ اور غلو اور تجاویز چاہے دین میں ہی ہو، موجبِ ضلالت اور غضبِ الٰہی ہے۔ بسا اموں ایسے ہیں کہ فی اتم
 صحیح بلکہ کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں لیکن ایک بدطینت اور فاسد الرائے انسان انہی امورِ صحیحہ سے بوجہ غلو اور حد
 بڑھ جانے کے نتائجِ فاسدہ اخذ کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ ایسے نتائج کو شیاطینِ معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مثلاً حُبِ
 اہل بیتِ شہادتِ قرآن و حدیث اور قرارِ داو اہل اللہ موجبِ کمال ایمان سمجھا گیا ہے۔ مگر اس صحیح میں غلو کرنے والے دد فرقتے
 ہوئے۔ ایک فریق نے تو بغض اور سبِ صحابہ کرام کا راستہ لے لیا اس وجہ سے کہ خیال اُن کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بعد اُن کے اہل بیت کا منصب اور حقِ منصب کر لیا۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسول اور جبریلؑ تک کے خلاف گستاخ
 ہوئے بدیں خیال کہ رتبہ اہل بیت اور تقدیم علی الصحابہ پر نفسِ صحیح کیوں وارد نہیں ہوئی۔ یہ سب نتائجِ فاسدہ اُسی صحیح امرِ حُبِ
 اہل بیت میں غلو کے ہیں۔ ایسا ہی حُبِ عباد اللہ الصالحین اللہ تعالیٰ کے قُرب حاصل کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ لیکن اگر
 اُس میں بھی تجاویز کیا جائے جیسے اُن صلحاء کو معبود بنا لیا جائے یا اُن کو متصرفِ متغیر سمجھا جائے یا شریک فی التصرف اس طرح
 سے کہ اللہ تعالیٰ بغیر اُن کی شرکت کے انتظامِ عالم نہیں کر سکتا تو یہی حُبِ موجبِ شرک ہو جائے گی اور وہی حُبِ مُشرک ناقابلِ
 معصرت ہو جائے گا۔ لہذا انسان کو کبھی اعتدال کا صحیح راستہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حُبِ اہل بیت و حُبِ عباد اللہ الصالحین صاحبِ
 اعتدال کے لیے نہایت مفید اور موجبِ کمال ہیں۔ مگر ان میں افراط و تفریط اور غلو کرنے والے گمراہی اور ضلالت کا راستہ اختیار
 کر لیتے ہیں۔

ساتویں فصل

فتاویٰ مہرہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے بوجہ اپنی مصروفیات جو ارشاد و تلقین سلوک اور تدریس کتب تصوف وغیرہ پر مشتمل تھیں، فتویٰ نویسی کا کام آستانہ عالیہ پر مقیم متبحر علمائے کرام کے سپرد کیا ہوا تھا جو خود بعد تکمیل ملاحظہ فرمایا کرتے تھے مگر بعض زیادہ قابل تحقیق یا ہنگامی فتاویٰ خود بھی اپنے قلم مبارک سے تحریر فرماتے تھے جن کو راقم الحروف نے ایک مجموعہ کی شکل میں ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۰ء) میں شائع کر دیا ہے۔ ذیل میں صرف چار فتاویٰ بدیعہ ناظرین کیے جاتے ہیں، جو طلاق ثلاثہ، گاؤں میں نماز جمعہ کے درست ہونے یا نہ ہونے، بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ اور رد و مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کے جواب سے متعلق ہیں ان سے حضرت کی فتویٰ نویسی میں مہارت تائید کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے پہلے فتویٰ کا مختصر مطلب دیں بھی دیا گیا ہے۔

طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت کا ایک فتوے

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلاق ثلاثہ کا وقوع بکلمہ واحد یا بکلمات مختلفہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ و اجماع صحابہ واقعہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا و تو جروا۔

الجواب هو الصواب

طلاق ثلاثہ خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعدد ہو۔ دونوں صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے۔ غایتہ ما فی الباب سنت کا خلاف لازم آتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوتا ہے چنانچہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں بطور اختصار بقدر ضرورت اس مقام میں نقل کیے جاتے ہیں۔ روی الدارقطنی فی سننہ من حدیث معلی بن منصور عن عبد اللہ بن عمر انہ طلق امرأة تطليقة وهي حائض ثواراد ان يتبعها تطليقتين اخريين عند القرئين فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ابن عمر ما هكذا امرك الله فتد اخطأت السنة والسنة ان يستقبل الطهر فيطلق لكل قرء فامرني فراجعتها فقال اذا هي طهرت فطلق عن ذلك واما مسبك فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ارايت لو طلقته ثلاثا ان كان يحل لي ان اراجعها فقال لا كانت تبين منك فكانت معصيته وفي موطا مالك بلغه ان رجلا قال لابن عباس اني طلق لامرأتي مائة تطليقة فماذا تدري فقال ابن عباس طلق منك ثلاثا وسبع وتسعون اتخذت

بہا آیات اللہ ہزوا واسند عبد الرزاق عن علقمة قال جاء رجل الى ابن مسعود فقال انی طلقت امراتی تسعا وتسعين فقال له ابن مسعود ثلث تنجیها وسائرهن عدوان۔

وفی سنن ابن داؤد وموطا مالک عن محمد بن ایاس عن البکیر قال طلق رجل امراته ثلثا قبل ان یدخل بها ثوبد الة ان ینکحها فجاء یمستفتی فذہبت۔ معہ فسأل ابن عباس وابا ہریرة عن ذالک فقالا لا ندری ان تنکحها حتی تنکح زوجا غیرک قال فانما طلاق ایاها واحدة فقال ابن عباس انک ارسلت بین یدیک ما کان لک من فضل وروی وکیع عن الاعمش عن جیب بن ثابت قال جاء رجل الى علی بن طالب فقال انی طلقت امراتی الفأ قال بانث منک بثلث واقسم سائرهن بین نسائک۔ واسند عبد الرزاق عن عیادة بن الصامت ان اباہ طلق امراته الف تطیقة فانطلق عبادة فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانث بثلث فی معصیة اللہ وبقی تسع مائة وسبع وسبعون عدوان وظل ان شأذبه وان شأغفره۔ وفی الطحاوی حد ثابٹوس اقال اخبارنا سفیان عن الزہری عن ابی سلمة عن ابی ہریرة وابن عباس انهما قالای الرجل یطلق البکر ثلثا لا یخل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ اور امام ہمام ابی جعفر طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح معانی الآثار میں اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔ وفی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مالوا لکفیبنا بہ کانت حجة قاطعة وذلک انه قال فلما کان زمان عمر رضی اللہ عنہ قال ایہا الناس قد کانت لکم فی الطلاق اناة وانه من تعجل اناة اللہ فی الطلاق الزمناه ایاہ وفی الحدیث الثانی فخطب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذالک الناس جمیعاً وفیہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہم الذین قد علموا ما تقدم من ذالک فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکحہ علیہ منکر ولم یرید افعہ دافع فکان ذالک کبیرا الحجۃ فی نسخ ما تقدم من ذالک لانہ لما کان فعل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماعاً فعلیا یجب بہ الحجۃ کان کذلک ایضاً اجماعہم علی القول اجماعاً یجب بہ الحجۃ وکما کان اجماعہم علی النقل بریئاً من الوهم والنزل کان کذلک اجماعہم علی الرای بریئاً من الوهم والنزل۔

احادیث وآثار منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ تین طلاق کا وقوع خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعددہ اجماعی امر ہے کیونکہ نقل اجماعی میں نقل عن العوام کو اعتبار نہیں بلکہ نقل عن المجتہدین کو اور اصحاب کرام میں سے اہل فقہت واجتہاد خلفاء اربعہ وعبادہ وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابی ہریرہ وغیرہم میں رضی اللہ عنہم۔ جن سے حکم بوقوع الثلث در صورت لفظ واحد متعدد منقول ہے۔ باقی عوام کا رجوع عند الواقعہ انہی فقہاء کی طرف ہوتا ہے اور انہی سے دریافت کرنے پر تعمیل کرتے ہیں اجماعی ہونے کی وجہ سے محقق ابن ہمام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر حاکم نے در صورت ثلث بلفظ واحد ایک طلاق کا حکم دیا تو بوجہ مخالفت اجماع نافذ نہ ہوگا۔ رہا جواب طلب یہ امر کہ عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بوقوع الثلث اور سب اصحاب کا سکوت وعدم انکار باوجود علم ان سب کے کہ انہا کا نہت واحدة فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر کیسے متصور ہو سکتا ہے لان النسخ لا یتصور بعد وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانقطاع الوحی جواب الفقہاء میں ارادہ معنی بنا بر عرف ہوا کرتا ہے۔ قول الرجل انت طالق انت طالق یعنی اگر قصد اس کے ہر ایک جملہ سے ایقاع ہے تو تین طلاق

واقع ہوں گی اور اگر قصد اس کے مجملہ ثانیہ و ثالثہ سے صرف تاکید ہے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور پہلے زمانہ میں بھی قائل کو ارادہ معنی اول میں سچا مانا جاتا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت میں قرآن سے ارادہ معنی ثانی کو محقق سمجھا یعنی موجودہ زمانہ کے لوگوں کا عرف معنی کو ثابت کر رہا ہے تو حکم بوقوع الثلث فرمایا۔ پس قول الرجل انت طالق ثلثاً چونکہ اختصار ہے انت طالق انت طالق کا لہذا اس میں پہلے زمانہ کے لوگ ارادہ معنی اول میں سچے مانے جاتے تھے یہی وجہ ہے ماروسی عن ابن عباس کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دابی بکرو سنتین من خلافة عمر طلاق الثلث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس استعجلوا فی امرکانت لہم اذاعة فلو استعجلوا امضیناہ علیہم۔ لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہ باوجود قول بروایت ہذہ کے قائل بالثلث بلفظ واحد کو فرماتے ہیں۔ لا ادری تنکحہا حتی تنکح زوجا غیرک۔ کما نقل قبیل ہذا۔ الحاصل در صورت ارادہ ایقاع الثلث ہر زمانہ میں تین طلاق واقع ہوئیں مگر پہلے زمانہ میں قائل ثلثاً کو ارادہ معنی اول میں سچا مانا جاتا تھا۔ بخلاف پچھلے زمانہ کے کہ نظریہ تغیر عرف و لحاظ قرآن معنی ثانی متعین ہو گیا۔ فتح القدر اور یقویٰ اور ازالۃ النہام مقصد دوم ملاحظہ ہو۔

آج کل کے اہل ظواہر در صورت انت طالق ثلثاً ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبرؓ کی معاذ اللہ شرع اور ٹھہری اور عمر وغیرہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی اور ہرگز ایسا نہیں۔ وہی ایک شریعت اور صراط مستقیم ہے۔ الا تغیر عرف کی رو سے احکام متغیر ہو سکتے ہیں۔ بایں معنی کہ اگر ایک حکم شرعی کامنت طوا موجب بدلتا تو دوسرا حکم شرعی وہاں پر عائد ہوگا۔ نہ یہ کہ خلاف ما قال اللہ و قال الرسول اور شرع جدید نازل ہو جائے گی۔ ہذا ما اتیسر لی الآن بعد ملاحظۃ فتح القدر۔ والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاد آخراد الصلوۃ والسلام علی من ارسلنا الی الناس کافۃ وآلہ و عترتہ وصحبہ۔

العبد الملتجئ الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

اردو میں فتوے کا مختصر مطلب

”واضح ہو کہ بعض اہل ظواہر علماء کا خیال ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو ایک شمار ہوگی۔ اس سلسلہ میں ان کی سب سے بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں طلاق ایک تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تین قرار دی گئیں۔ حضرت نے امام ابی جعفر طحاوی اور امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیقات کے پیش نظر اس دلیل کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ اس وقت تک ہم ایسے شخص کو سچا مانتے رہے جو بیان کرنا کہ میں نے باوجود متعدد بار طلاق کہنے کے ایک کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اب لوگ طلاق کے معاملہ میں جلدی کرتے ہیں، اور بجائے تدریجاً طلاق دینے کے بیک وقت تین طلاق کی نیت کر لیتے ہیں۔ لہذا تغیر عرف کی بنا پر آئندہ تین طلاق کو تین ہی شمار کیا جائے گا۔ اس پر حضرت نے سات روایات سے استدلال فرمایا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانہ میں جو شخص ایک سے زائد طلاق دیتا اور اس کا مقصد بھی متعدد طلاقیں دینا ہوتا تو متعدد طلاقیں ہی شمار کی جاتی تھیں یہ ہرگز نہیں کہ متعدد کی نیت ہونے کے باوجود بھی ایک طلاق شمار ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جدت سرمانی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ اکثر ایک ہی طلاق دیا کرتے تھے

گو اس کا تلفظ بار بار بھی کرتے مگر آب لوگ نیت ہی متعدد کی کرتے ہیں لہذا متعدد شمار ہوں گی۔ بنابرین جو لوگ باوجود تین طلاق دینے کے ضرورت میں ایک ہی طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں اُن کا فیصلہ صحابہ کرام کے اجماع اور روایات مذکورہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے نافذ نہ ہوگا۔

فتوے متعلقہ نماز جمعہ

استفتاء

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ بتیو اور توجروا۔

الجواب هو الصواب

گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ و خلفاء عظام و صحابہ کرام کے وقت میں شہر و فناء شہر و قصبات کے سوا جمعہ قائم نہیں ہوا ہے۔ فلہذا استدلال ابو صفیہ مبارواہ عبد الرزاق عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال لأجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع و کذا رواہ ابن شیبہ من طریق حجاج الخ وروی الضاہل بسند صحیح حد ثنا جری عن منصور الخ اور جو لوگ قیام جمعہ بخواتی سے گاؤں میں جمعہ درست ہونے کی سند لاتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ پہلے ہی امر قابل تسلیم نہیں کہ خواتی قریہ ہے۔ کیونکہ محققین نے مدینہ یعنی شہر بیان کیا ہے اور بشرط تسلیم اس کا ثبوت کہاں سے ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام بخواتی کی خبر ہوئی اور آپ نے اس کو قائم رکھا۔ اس لیے کہ حدیث اس سے ساکت ہے و نیز باوجود تعظیم آیتہ کریمہ فاسعوا الی ذکر اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بعض اماکن میں قیام جمعہ کا اختصاص فرمانا مروی حدیث کی دلیل ہے۔ کیونکہ خلاف قیاس قول صحابی کا وقوع ممکن نہیں مگر بوقت سماع حدیث سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ علاوہ ازیں یہ آیت کریمہ اپنے عموم پر تو بالاتفاق باقی نہیں ہے اس واسطے کہ کوئی شخص اقامت جمعہ فی البراری و الصحرا کا قائل نہیں ہے پس جب آیت کریمہ اپنے اطلاق پر باقی نہ رہی تو ضرور خصوصیت مکان اقامت جمعہ کے لیے ضروری ہوئی۔ و ہوا المراد۔

→
البعث الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ اللہ

بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ کے متعلق حضرت کا ایک تحریری فتوے
حضرت قبلہ عالم کے اس فتوے کی اصل تحریر سید حسین شاہ صاحب مکنہ کوٹ فتح خان ضلع کیمبل پور سے دستیاب ہوئی۔ فتوے فارسی اور عربی میں تحریر ہے۔ اس کا مختصر مطلب بزبان اردو یہاں دیا جاتا ہے :-

۱۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جمعہ تکبیرات تشریف بمصر جامع کے بغیر نہیں۔

”حضرت نے بحوالہ تفسیر روح البیان زیر آیت ”وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ حُصْسَهُ“ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ“ (انفال - ۴۱) معانی الآثار امام طحاوی سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابی حنیفہؒ کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے ہر قسم کے صدقات فرضیہ ہوں یا نافلہ جائز ہیں۔ اُن کی حرمت بنی ہاشم کے لیے فقط زمانہ نبی علیہ السلام میں تھی کیونکہ اُس وقت انہیں مالِ خمس سے حصہ ملتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حصہ اُن کے لیے ساقط ہو گیا تو صدقات اُن کے لیے حلال ہو گئے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اُن احادیث کا علم نہ ہوا ہو جن سے صدقات فرضیہ کی حرمت بنی ہاشم کے لیے ثابت ہے۔ تو اُس کا جواب حضرت قبلہ عالمؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ اُن احادیث کو جانتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمت اور منع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ منحصر تھی۔ لہذا ایک محقق مجتہد کے اجتہاد سے یہ ثابت ہوا کہ احادیث نہی اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی اور حرمت کی علت خمس کا حصہ ملنا قرار دیا۔ لہذا جب یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ختم ہوا نہی اور حرمت بھی ختم ہوئی۔ نیز ایک الزامی جواب کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جب عجی لوگوں کے انساب فقہائے کرام کے نزدیک ضائع ہو چکے ہیں یعنی اُن کا اعتبار نہیں رہا تو محض شک سے حرمت کیسے ہوگی۔

دُرودِ مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب

سیدی و سندی دامت برکاتہم العالیہ

تسلیم و نیاز میں نے سنا ہے کہ حضور انور اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن میں اپنی اُمت کا حال بلا واسطہ دیکھ رہے ہیں۔ اور قائل کا مقولہ بلا واسطہ خود سُنتے ہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح میں صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی غائباً اُبلغتہ رواہ احمد کے خلاف ہے نیز دُرودِ مستغاث شریف پڑھنے پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بھی حدیث مذکور کے خلاف ہے کیونکہ اس میں صیغہ خطاب موجود ہے۔ اُمید ہے حضور ازراہ کرم اس اشکال کو حل فرما کر مطلع فرمائیں گے۔

آپ کا نیازمند محمد شفیق از علاقہ بڈہ رانجھ ضلع شاہ پور

الجواب

مخلصی فی اللہ مولوی محمد شفیق صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس مسئلہ کے متعلق میری نسبت جو کچھ آپ نے سنا ہے۔ وہ راوی نے حسب فہم خود بیان کیا ہے میں اپنی رائے کے اظہار کو مخاطب کے خواص اہل مشاہدہ و تجربہ سے اور صاحب ارتباط بہ عالم برزخ ہونے پر موقوف سمجھتا ہوں بغیر اس کے تحریر فضول ہے بجواب غیر مقلدین اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ دُرودِ مستغاث پڑھنے کے وقت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ملائکہ مولا بلاغ دُرود شریف حیثیتاً یقرء بصیغہ خطاب حضور پہنچا دیں گے۔ پس حدیث مذکور میں جملہ (اُبلغتہ) کے مطابق ٹھہرا۔ دُرودِ مستغاث کا جواز عقیدہ خواص کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس بارے میں مزید تفصیل میری کتاب اُعلیٰ کلام اللہ کے آخر میں ملاحظہ کریں۔ بوجہ اُردو عام خلق بقریب عرس شریف زیادہ فرصت نہیں۔ والسلام دُعاگو۔ مہر علی شاہ از گولڑا

لے جو شخص مجھ پر میری قبر کے نزدیک دُرود پڑھتا ہے میں خود سُنتا ہوں اور جو نابالغ پڑھے اُس کا دُرود پہنچایا جاتا ہے۔

باب یازدهم

کرامات

کرامت کی تعریف

قبل اس کے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کرامات بیان کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت کے متعلق چند ضروری امور کی وضاحت کر دی جائے۔ اہل سنت کے علمِ عصمت ائمہ و کلام کی مشہور کتاب شرح عقائد میں کرامت کی تعریف اور اُس کے ثبوت میں بہت کچھ تحریر ہے۔ اس موضوع پر محققین علمائے کرام نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ شہاب الدین احمد بن احمد نے اپنے رسالہ اثبات کرامات اولیائے میں کرامت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے :-

”کرامات جمع ہے کرامت کی، اور وہ ایسے غرقِ عادت امر کا نام ہے جو نہ نبوت سے تعلق رکھے اور نہ قبل از زمانہ نبوت ہو اور وہ ایسے شخص سے ظاہر ہو جس کا ظاہر صلاح پر مبنی ہو، وہ کسی نبی کا متبع ہو اور اُس کی شریعت کا پابند ہو۔ اُس کا اعتقاد صحیح ہو اور اُس کے اعمال صالح ہوں۔

”محاسن الابرائیم میں کرامت کے ضمن میں اس طرح تحریر ہے :-

”سچی کرامت وہ ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ کرامت کی غایت یہ ہے کہ انسان استقامت اور اُس کے کمال کو حاصل کرے۔ جو کرامت انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے حصول اور تقویٰ و استقامت کی توفیق دے اُس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں۔“

کرامتِ حسیہ

محققین کرام کی تحریروں کے مطابق کرامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کرامتِ حسیہ عناصرِ رابعہ اور عالمِ حسی میں تصرف و خلعت عادتِ امور کا اظہار کرامتِ حسیہ میں جو اولیائے کرام کے حالات میں بکثرت مذکور ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس قسم کے واقعات کا غیر نبی سے بطور کرامت صادر ہونا ثابت ہے۔ البتہ بعض اوقات اس قسم کے خارجی عادتِ امور کسی غیر نبی اور غیر ولی سے بھی بوجہ ریاضت یا علومِ لطیفہ یا سائنسی ایجادات صادر ہو کر عوام کے لیے موجبِ استبہاء ہو سکتے ہیں۔

کرامتِ معنویہ

دوسری قسم کرامتِ معنویہ کی ہے کسی انسان کی جادۂ شریعت پر استقامت، اللہ اور اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، علوم اور معارفِ حق پر عبور، اخلاقِ فاضلہ کا حصول، اُس کی علوِ حسب اور شرفِ نسب، تبلیغِ حق اور اصلاحِ خلق میں اُس کا کوشاں رہنا یہ کراماتِ معنویہ ہیں۔

شریعت کا غیر متزلزل ضابطہ

مومن یا حقیقی مجذوب انسان جو عالمِ استغراق میں رہتے ہیں۔ وہ بوجہ جو اس ظاہرہ اور شعور و عقل ظاہری میں کسی حد تک فورا جانے کے احکام ظاہرہ کے مکلف نہیں رہتے مگر اُن کی تعبیر و بہت قلیل ہے۔ انہیں چھوڑ کر باقی تمام امور انسانی

کے لیے شریعت کا ایک غیر متزلزل ضابطہ ہے۔ لہذا اسلامی ہوش و حواس اگر کوئی شخص خلاف شرع امور کا مرتکب ہونے کے باوجود مدعی ولایت ہے تو وہ جھوٹا ہے، اگرچہ اس سے جی طور پر بعض خوارق اور خلاف عادت امور ظاہر بھی ہوں۔ ارباب حقیقت کا مسئلہ قاعدہ ہے: کل حقیقۃ ردۃ الشریعۃ ذہی زندقۃ (جس حقیقت کو شریعت رد کر دے وہ بے دینی ہے)

بہر حال کرامات معنویہ میں محبت اور عشق الہی سب سے بڑی کرامت ہے جس کے حصول کا ملاحب ارشاد الہی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰهُ (کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری متابعت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا) اتباع محمدی پر ہے۔ اور اسی ارشاد ربانی میں اُس کی جزایہ بیان کی گئی ہے کہ انسان محبوب خدا ہو جاتا ہے۔ اور مقتضائے مَنْ لَّهٗ السُّوْلٰی فَلَهٗ الْکُلُّ پھر سب کائنات اُس کی ہو جاتی ہے۔

کی مُستند سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و مستم تیرے ہیں (اقبال)

قضاوت درکانادر شاہکار مرد حق

بحمدہ تعالیٰ جو شخص حضرت قبلہ عالم قدس برزہ کے پاکیزہ حالات اور سیرت کے مختلف پہلوؤں پر غور کرے گا، اُسے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہے گا کہ آپ کو کرامات معنویہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک حظ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ محبوبیت کے ایک بلند مقام پر فائز تھے جس معنوی اور اخلاق فاضلہ کی نعمت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمال ظاہری کی نعمت سے بھی بدرجہ اتم نوازا تھا۔ اور حسن معنوی اور جمال ظاہری ہر دو قسم کے کمالات کی جامع ایسی ہستیاں دنیا میں بہت ہی کم ظہور پذیر ہوا کرتی ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

زاہد سے راحۂ قد گرد یا حمار سے رارسن	روز ہا باید کہ تا یک مُشتِ شیم از پشتِ میمن
شاہد سے راحۂ گرد یا شہید سے راکفن	ماہ ہا باید کہ تا یک نپسہ دانہ ز آب و خاک
لعل گرد و در بدخشاں یا عتیق اندر مین	سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب
عالمے گرد و نکو یا شاعر شیریں سخن	عمر ہا باید کہ تا یک کود کے از روتے طبع

دور ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود

بازید اندر حُساماں یا اویس اندر قرن

دیکھئے! ان کیف اور حقائق افروز اشعار میں حکیم سنائی نے مرد حق کی تخلیق کو کس طرح قضا و قدر کا نادر شاہکار قرار دیا ہے۔ وہ فرما رہے ہیں کہ کُمٹھی بھر اُون کو کسی درویش کا خرقة یا کسی جانور کی رسی بننے میں کئی روز درکار ہوتے ہیں یُونی کا گالا آب و خاک کی نشوونما سے نکل کر مہینوں میں کسی شاہد و نواز کی عیب یا کسی شہید ناز کا کفن بنتا ہے۔ ایک سنگ جو ہر دار کو سالہا سال کا عرصہ چاہیے کہ غور شید کی ضیا پاشی اُسے لعل بدخشاں یا عتیق مین میں تبدیل کر دے۔ اور ایک طفل روشن طبع ایک عمر بسر کرنے کے بعد کہیں اچھا عالم دین یا شیریں سخن شاعر بنتا ہے لیکن

زمانہ پر گردشِ کئی دور گزر جاتے ہیں تب کہیں ایک ایسا مرد حق پیدا ہوتا ہے جیسے خراسان میں بازید یا قرن میں اویس۔

ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس ترقی قدرت پروردگار کی اسی قبیل کی ایک نادر تخلیق تھے۔ زمین چھو ہمارا شمال جنوب میں میدان علم و عرفان کے کئی شاہسوار منظر شوہر آئے اور خود حضرت کا نامہ ان فلک نشان بھی ایسے آباد ساروں سے کبھی نکالی نہیں رہا مگر جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت کی ذات کو آسمان ارشاد پر مہر منیر بنا کر آفاقی اور عالم گیر نور و آثار سے روشن بنایا اور ایک جہان کی رہنمائی کا باعث بنایا، اُس کی مثال اس دور میں نہیں ملتی۔

جمال ظاہری کی کرامتِ اولین

باطنی حُسن کے پرتو سے اس بطلِ علیل کا ظاہری جمال بھی فطرت اللہ کے اعجاز اور حمد اللہ علی الخلق کا عنوان بن کے رہ گیا تھا جو آپ کی اولین زندہ اور واضح کرامت تھی۔ دیکھنے والے پہلی نظر میں گرویدہ ہو کر دست بوسی اور دامن بوسی کے ایسے جہوم کر کے بڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے اُن کے دلوں میں نور و سرور کا خزانہ بھر گیا ہے۔ گویا سَيِّدُ جَعَلَ لَهَا وَدَّاعِي تَسْخِيرٍ اور فَادُّوْنِي اَذْكُرْ كُفْرُکِی تفسیر ہو رہی ہے۔

اس تسخیر اور تنویر کی دامن کش اور دل ربا گرفت سے حاضرین کا کوئی طبقہ نہ بچتا تھا۔ ارادت مند اور نوازہ ہوا م اور خواص کیل شکار تھے۔ بلکہ غیر مسلم بھی اثر لیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ایک بار مدرسی بندوؤں کا ایک وفد اپنے طور طریقہ پر ہاتھ جوڑ کر پرنام اور سلام کر کے مجلس سے باہر آیا تو اُن کا سربراہ یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ واہ! کیا پر تاب ہے۔

اس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے

اس کرامت جمیل پر جان کی قسم کھانے اور بازی لگانے والے بہت تھے۔ ان کا ایک پورا قافلہ اس دربار میں آباد ہو گیا تھا بعض بچپن میں شکار ہوئے اور یہیں مزار پائے۔ کئی گھر بار چھوڑا اور نسبتیں توڑ کر عمر بھر مجرور رہے اور کچھ ابھی تک اُن کی یاد کو دل میں بسائے جی رہے ہیں۔ ابھی حال میں حضرت کے عرس پر جب حاجی محبوب علی قوال نے آپ ہی کا یہ مصرع اٹھایا:

کالی زلف تے اکھستانی اے

تو روضہ پاک کی پائنتی میں آپ کا ہم عصر ایک معمر شخص ٹپنے لگا۔

اَمِنْ تَذَكَّرُ حِيلًا يَبْدِي سَلَم

(تعبیدہ بُردہ)

مَرَجْتَ دُمْعًا جَدِي مِنْ مُقْلَةٍ بَدَم

۱۔ آج دن یاد پئے اوہ جانی جیڑے وچھڑے ذی سلم دے

(ملاحم نواز خان پنج پھول)

اکھیاں تھیں کیوں جاری ہوئے خوئیں آنسو غم دے

جناب سید امیر الدین صاحب قدوائی لاہور کے ایک مقتدر وکیل اور وسیع النظر پروفیسر تقسیم ملک پر یورپی سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے۔ داتا دربار کے حاضر باش اور سید ہونے کے باوجود پیروں فقیروں کے معاملہ میں کچھ آزاد خیال واقع ہوئے ہیں۔ مجلس میں ہمارے حضرت کا ذکر آگیا تو اچانک ایک مجر جھری لی اور کہنے لگے: سبحان اللہ! کیا پیارا نام پایا ہے۔ مہر۔ علی۔ شاہ۔ دل ٹھاس سے بھر گیا۔ اولیائے قریب میں ہی نام ہے جو مجھ پر وجدانی کیفیت طاری کر

۱۔ ترجمہ اللہ رحمن واقعی ان (اپنے پاک باز بندل) کے لیے محبت اور محبت کے جذبات (لوگوں کے لوگوں میں) پیدا کریں گے۔ ۲۔ تم مجھے یاد کرو میں تمیں یاد کروں گا۔

دیتا ہے میں نے صرف نام ہی سنا ہے جن لوگوں نے زمانہ پایا ہو گا معلوم نہیں تابِ جمال کا حوصلہ کہاں سے لائے ہوں گے۔
حضرت مولیٰ نامہ غازی صاحبِ حرم کعبہ شریف میں بحث کرنے آئے تھے، صورت دیکھتے ہی دل ہار بیٹھے اور
گریہ طاری ہو گیا۔ پھر متقل طور پر ساتھ منہ لاک ہو گئے۔

حضرت فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اٹل) وحدت الوجود کی منزلوں میں برسوں سے سرگردان اور خانہ بدوش تھے۔
حاضر ہوئے تو پہلی نگاہ میں منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔

جناب مولیٰ نامہ غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ سے حضرت کے کمالات پر سوال ہوا تو فرمایا: واللہ! میں تو اُس زُلفِ
گرہ گیر کا اسیر تھا۔ میری نظر تو عمر بھر اُس جمالِ دلآرا سے اٹھ کر کسی اور کمال کی طرف جا ہی نہیں سکی؟
یہ حضرات منازلِ وجود و تنزیہ کے سائیں میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کو تشبیہ و تنزیہ کی ساری کیفیتیں اسی جمالِ شبیہ و
تعلیق میں ہم عنان و ہم نفس نظر آئیں کہ

خدا چہ صورتِ ابروئے دلربائے تو بست

کشاد کارِ من اندر کرشمہ ہائے تو بست

ان کرشمہ ہائے دلربا و کار کشا کے متعلق تحدیثِ نعمت کے طور پر حضرت خود فرماتے ہیں۔

از لطفِ خلاقِ زماں، دارِ ہم ممتاز از جہاں

وضعِ دگر، طرزِ دگر، ذوقِ دگر، شوقِ دگر

حضرت ایک آئینہ دیکھ رہے تھے۔ ملک سلطان محمود صاحبِ کمرہ میں چلے گئے۔ تو مسکرا کر فرمایا: میں اُس صورت کو دیکھ
رہا تھا جس کے صانع نے اپنی حسنِ صنعت پر چار چیزوں: التَّيْنُ وَالزَّيْتُونُ وَطُورُ سَيِّدَيْنِ وَهَذَا الْبَلَدُ الْاَمِينُ
کی تم کھائی ہے۔

اصل میں یہ جمالیاتِ صورتِ اُس جلوہ حقیقت کا پر تو ہیں جسے لباسِ بشریت میں مستور کر دیا گیا ہے اور جسے تابِ نظارہ
کی دُستیں اپنے اپنے طرف کے مطابق زیادہ سے زیادہ بے حجاب دیکھ پاتی ہیں۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی
پراسِ شعر کے معنی اور مفہوم اُس رات کھٹے تھے جب حضرت کا تاؤت شریف باہر نکالا گیا تھا اور اس کے ایک تنگاف نے
دعوتِ نظارہ دی تھی تو وہ کیفیت سامنے آئی کہ بجلی میں وہ چمکتی، نہ سورج میں وہ نور ہے
بمخدا کہ رشکِ آید بد و چشمِ روشن خود
کہ نظر دروغ باشد بہ چنیں لطیفِ رُوسے

یہاں سے اُس جلوہ حُسن کی کچھ خبر ملتی ہے جس کے نظارہ نے حضرت سلطان العارفين بايزيد رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر محو
کر رکھا تھا کہ کسی اور طرف دیکھنے کو فرصت یک نظر بھی نہ تھی۔ آپ کے شیخ حضرت سید جعفر بن ابام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک بار طاقچہ سے کتاب مانگی تو جواباً دریافت کیا: کون سا طاقچہ؟ اس پر جب شیخ نے فرمایا:
در مجاہدہ زکات لہا مینگی ایں طاق بر سر چہ از بینی؟

تو عرض کیا:
زاں دم کہ بمخدا مست حضورم از کثرتِ جلوہ غرق نورم

من فرصت یک نظر نیام
کز حسن شما نظر بستام
بر نقطہ نگاہ من بسویت
چشم من و آفتاب رؤیت
از غیسہ وجود تو خبر نیست
جز تاب رخت بکس نظر نیست
مجبور ز جذب حسن یارم
دارم نظر و نقطہ نہ دارم

علوم لدنیہ کی کرامت عظیمہ

حضرت کی دوسری عظیم الشان کرامت آپ کے علم بسیرا کی وہ خدا و دولت تعالیٰ جو ہر وقت جلو میں دست بستہ حاضر رہتی کہ جس طرح چاہتے تصرف میں لے آتے جس کے دُرائے آبار تصنیفات اور مخطوطات میں بکثرت بکھرے نظر آتے ہیں حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب کی انوی مہاجر کی تصدیق عرب و عجم نے جن کے حضور میں عیسائی دنیا کے مشہور مناظرِ فخر کو اگر وہیں لا جواب ہو کر تحریری شکست نامہ پیش کرنا پڑا تھا حضور کے اس غرینہ کو علم لدنی قرار دیا۔ پشاور کے قاضی قدرت اللہ (اور افغانوں کے قاضی قدر) صاحب کو جو ہر سال ملک افغان و خراسان کو وعظ کئے جاتے تھے منظرہ سماع کے بعد اس علم کے سامنے دست بیعت و راز کرنا پڑا۔ اور ہندوستان کے نامور مناظر مولانا ذریعہ احمد صاحب انیسویں کو کلیہ شریفین اس علم کے حصول کے لیے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی استدعا کرنا پڑی۔

شرف نسب کی سرمدی کرامت

جمال صورت اور فضل علم کے علاوہ عنایتِ ازلی نے حضرت کو شرف نسب کی سرمدی کرامت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ اللہ ماجد کی طرف سے حسنی جیلانی اور والدہ ماجدہ کے انصاف کی جانب سے حسینی بخاری سید ہیں جن پر اللہ کے فضل کی یہ انتہا ہے کہ تہجد کے دو نوافل پڑھ کر ہی سو رہیں تو شب بھر اُمت کا درود و صلوة ان کے فرداتِ حساب میں رُج ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عالم اسلام کا یہ ہر وقت سلام ان حضرات کو بسترِ راحت پر چین ہی کب لینے دیتا ہے عنایتِ ازلی اور جذبہِ سجود و سخا کی وراثت ان کے ذوق و شوق اور مناجات کو ہر دم نئی تازگی اور وسعت عطا کرتی ہے اور استطاعتِ خدمتِ دین اور انتفاعِ اُمتِ مومنین کے لیے اُن کی تربیت فرماتی ہے مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور نے لکھا ہے کہ حضرت نے تیس برس عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی عشاء کی نماز پڑھ کر مراقبہ فرماتے تو ذکرِ غنی میں عضو بدن تو کجا ہر کو کو بھی حرکت نہ ہوتی تھی۔

صلہ اُمت کی بشارت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور مجید و العت ثانی قدس سرہ العزیز کے متعلق خیال ظاہر فرمایا ہے کہ آپ نے وحدت الشہود اور وحدت الوجود میں یہ فرما کر اتصال پیدا کیا ہے کہ حق تو شاہراہ شہود ہے مگر وحدت الوجود والوں کو غلبہ حال میں اپنا مسلک حق نظر آتا ہے جس میں وہ معذور ہوتے ہیں۔ اور اس طرح حضرت مجید علیہ الرحمۃ پر حدیثِ صلہ کی پیش گوئی صادق آتی ہے لیکن اگر اس حدیثِ پاک میں صلہ سے مراد واقعی ان دو مسالک کے درمیان اتصال پیدا کرنا ہے تو حضرت

مجدد کے فرمان سے ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کا یہ ارشاد لفظ صلہ کے مفہوم سے زیادہ قرین معلوم ہوتا ہے کہ "وحدت الشہود" نفس ایمان ہے اور وحدت الوجود کمال ایمان حضرت نے اپنی کتاب "تحقیق الحق" میں بدلائل طبعیہ اس امر کو ثابت فرمایا ہے۔

قادیانیت کا مُقتابلہ

قادیانیت جیسی جسور تحریکیں اور اس قبیل کے مدعیان نبوت روز بروز پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی ایسی تحسہ کیوں کو ترقی کے لیے ایک غیر اسلامی حکومت کی مرتبہ یا کم از کم روادارانہ فضا اور عصر جدید کے وسیع ذرائع نشر و اشاعت اور رابطہ عوام و تنظیم کے ایسے آسان اور ملک گیر وسائل اس سے قبل کبھی میسر آئے تھے جو اس تحریک کو نصیب ہوئے۔ اس کے باوجود اگر برطانوی ہند میں جو دنیا بھر میں قادیانیت کے لیے نشوونما کا واحد سازگار میدان تھا کسی مروجہ شماری میں اس کے پیروؤں کی تعداد نصف لاکھ یعنی یہاں کے مسلمانوں کی تعداد کے اعشاریہ پانچ فی صد تک بھی نہیں پہنچ سکی تو یہ امر ہمارے حضرت کی فتح عظیم کا واضح ثبوت ہے جن کو اگست ۱۹ء کے معرکہ لاہور میں تمام اسلامی فرقوں کے زعماء نے قادیانی مخالف اپنا پیشوا تسلیم کیا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ اس فتنہ کی ابتدا سے آج تک بہت سے فضلاء عصر نے اس محاذ پر دوا و جہاد دی ہے لیکن اتنا بڑا معرکہ اور میدان اور خود بانی تحریک کی زندگی میں اس کے خلاف سوادِ عظیم کی طرف سے ایسا متفقہ قائدانہ اور نایاب مقام کسی اور صاحب کو حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ہماری نظر سے کسی اور بزرگ کا ایسا دعویٰ گذرا ہے جیسا کہ حضرت نے اپنی تصانیف اور ملفوظات میں بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے آپ کو اس کا ردین پر مامور فرمایا گیا تھا۔ پس آپ کی یہ کرامت عظیمہ اسی نسبت سے ہی بے نظیر اور لا جواب تصور ہوگی۔

گاندھی ازم کا سدِ باب

قادیانیت کے بعد گاندھی ازم کے غیر اسلامی طوفان کے سدِ باب کے لیے حضرت کا اقدام مسلمانانِ برصغیر کے حق میں کچھ کم مفید ثابت نہیں ہوا۔ تحریکِ خلافت کے بعض پُر جوش رہنماؤں نے گاندھی کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر شمال مغربی ہند کے موجودہ پاکستانی ممالک سے ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کے انخلا کی ابتدا کر دی تھی۔ اخبارات اور مسلمان کانگریسی لیڈروں کی تقاریر نے ملک میں ہرجان برپا کر دیا تھا۔ سندھ، پنجاب اور سرحد سے ہزاروں مسلمان اپنی اموال و املاک بیچ کر افغانستان کو سدھار چلے گئے۔ کانگریس نواز جمعیت العلماء ہند کے فتاوے کے پیش نظر مسلمانوں کو اپنے وطن میں رہنا گناہِ عظیم نظر آنے لگا تھا۔ اگر حضرت اس ہجرت کو غیر شرعی اور مضر قرار نہ دیتے تو مہاجرین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی۔ اخباروں سیاسی لیڈروں اور خلافتی علماء نے آپ کے اس موقف کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ بعض کم سواد مریدوں کا اعتقاد بھی متزلزل ہونے لگا۔ ایک نے منہ منگری سے اخبارات کو بیان دیا کہ تحریکِ خلافت پر حضرت کے مخالفانہ مسلک کی وجہ سے اس نے ابوالکلام سے بیعت کر لی ہے۔ ایک اور نے ہزارہ سے لکھا کہ ہم تو دین کے لیے ہجرت کر رہے ہیں آپ کو وطن نصیب رہے۔ مگر مخالفت کے اس طوفان میں حضرت قبلہ عالم قدس برترہ کو وہ وقار کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے اور پوری عزیمت اور استقامت کے ساتھ تحریکِ ہجرت اور ہندو مسلم ہم قومیت کے کانگریسی خلافتی نظریے کی تردید فرماتے رہے۔ آپ کو یقین تھا کہ انشاء اللہ یہ تحریکیں

ناکام رہیں گی۔ چنانچہ جمعۃ العلماء اور خلافت اور علم پرپس اور پیٹ فارم کے تمام سرکردہ اراکین بالآخر ایک ایک کر کے حضرت کے مسلک پر واپس آ گئے۔

استقرار پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کا حصہ

بلاشبہ ہمارے حضرت کے اس غیر متزلزل موقف کا اعتراف کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں اور ان کا آپس میں تعاون ممکن نہیں پاکستان کو وجود میں لانے کا باعث ہوا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ ملت کے احساس عمومی کی یہ رہنمائی آپ کے ہی خداداد روحانی تصرف کا ثمرہ ہو، اور یہ خداداد استقرارِ سلطنت اسلامیہ اسی قطبِ دوران کی کرامتِ استقامت اور اسی غوثِ زمان کے انعامِ قدسیہ کی برکات کا انعام ہو۔

پاکستان کے لیے دعا

مولوی ظفر علی خان صاحب حضرت کے ساتھ اپنی تاریخی ملاقات میں جب خلافت اور ہجرت کی بحث میں کامیاب ہوئے تو ذہن سرا نے انہیں ایک کام کی بات سبجائی عرض کیا: ”میں تو اس دربار میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سلطنت مانگے آیا ہوں“ فرمایا: ”میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ دعائیں شریک ہوں“ اور خاص توجہ سے دعا فرمائی۔ اس ملاقات کی تفصیل باب پنجم میں آپ کی ہے۔

پاکستان کی پیش گوئی

میاں محمد سعید صاحب قریشی افسرِ تہلِ خاتجات بیان کرتے ہیں کہ عالمِ استغراق کے دوران ایک روز حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ نے جناب میاں محبوب عالم صاحب اور میرے روبرو فرمایا تھا کہ عنقریب اس ملک میں سب مسلمان ہوں گے اور مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ اُس طرف کے مسلمانوں کو جیبت پیش آئے گی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ہندوستان پر ایسا ہی وقوع میں آیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگِ ہندوستان کے متعلق خواب میں قبلِ ان وقت فتحِ پاکستان کی بشارت

سید طاہر حسین صاحب عبد اللہ پوری (ضلع شیخوپورہ) جو حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے مرید اور خاندانِ نقشبندیہ کے ایک مقبول درویش ہونے کے علاوہ حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کی ذات سے غائبانہ ارادت رکھتے ہیں، ماہِ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (اگست ۱۹۶۵ء) میں عرسِ شریف حضرت غوث الاعظم کے موقع پر گورنر شریف حاضر ہوئے۔ اور خواب میں حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کی زیارت سے شرف ہونے کا واقعہ بدیں تفصیل بیان کیا کہ میں دیکھتا ہوں حضرت قبلہ عالمِ گورنری قدس سترہ ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور عطا فرما رہے ہیں۔ آپ کے برابر شیخ پر پانچ اور حضرات کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ سامنے میدان میں بے شمار مسلمان حاضر ہیں اور وعظ سن رہے ہیں میں بھی ان میں شامل ہوں حضرت آیت سبحان اللہ فی اسری بعبدہ کیلئے ان کی تفسیر بیان کر کے خاتمہ سخن پر فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ العزیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائے گا۔ اُس وقت ایک شخص

پاس سے مجھے اُن پانچ کرسی نشین حضرات کی نشان دہی کر کے بتاتا ہے کہ وہ صدر نشین حضور غوث الاعظم ہیں اور اُن کے ارد گرد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ قطب الدین بخت یار کاکلی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی رحمہم اللہ علیہم تشریف فرما ہیں۔

اس خواب کے چند روز بعد یکم ستمبر کو افواج پاکستان کے ساتھ کشمیر کے محاذ پر ہندوستانیوں کی جنگ چھڑ گئی اور ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر پھر پور حملہ کر دیا۔ ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے پاکستانی افواج کو حیرت انگیز فتوحات عطا فرمائیں۔ حالانکہ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ہندوستانیوں کو کم از کم پانچ گنا اکثریت حاصل تھی۔ غیر ملکی مبصرین کی نظر میں بھی ہندوستان کو دس گنا زیادہ جانی، مالی اور ملکی نقصان اٹھانا پڑا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت کے کرامت کی کار سازی فرماتے ہیں

حضرت شیخ اکبر کا فرمان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت کے کرامت کی کار سازی فرماتے ہیں۔ چنانچہ تشکیل پاکستان کی تاریخ میں اس رؤف کی حجامہ کار سازی کے نشانات قدم قدم پر ملتے ہیں۔ چودھری رحمت علی صاحب کے دماغ میں اس مملکت خدا داد کے نام کا تعین، علامہ اقبال کے دل میں سترہ برس پہلے اس کے مقصد کا تصور، قائد اعظم محمد علی جناح کا سیاسی انقلاب، اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا سرفروشانہ اشار، نواب صاحب بھوپال کے سامنے گاندھی جی کی ایک جذباتی تحریں تقسیم ہند کے لیے تحریری رضامندی اور پھر پشیمانی، بینک چپک کی پیش کش پر سکتوں کی شمولیت پاکستان پر آمادگی اور پھر انکار اور اس میں پاکستان کی سالمیت کا تحفظ اور اسی طرح کے کئی دیگر خطرناک مراحل اور مسائل کی عقدہ کشائی اور رہنمائی، ان تمام امور اور اسباب کی تہ میں وہی کریمانہ شفقت اور حفاظت ہی تو کار فرما تھی اور گویا متعلقہ صاحب خدمت سے کام لے رہی تھی۔

مہر عالم کے جلووں کا عکس

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اس برصغیر میں ولایت کبریٰ کے جس عالی مقام پر متمکن تھے اُس کی باطنی ہمت اور وسعت کے لیے ایسی ہی ہمت اور عظیم امور کی عملی تکمیل شایان شان تھی کچھ بعید نہیں کہ علامہ اقبال پر جب یہ شعر وارد ہوا تھا تو روح تحت الشعور میں اسی مہر عالم کے جلووں کا عکس لے رہی ہو۔

ذرا مہر سیر آن من است صد سحر اندر گریبان من است

اب پاکستان کے دار الخلافہ کا منتقل ہو کر اسلام آباد کے نام سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے براہ راست مقام ولایت کے سایہ میں آباد ہو جانا انشاء اللہ مزید برکات کا پیش خمیہ ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ عاطفت اس مملکت اور اس کے اہالیان اور ارباب حکومت پر دائم و قائم رکھے اور اسے صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بنادے۔ آمین اہل پاکستان کو اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اسلام کی سر بلندی کے لیے کمر بستہ ہو جانا چاہیے ورنہ ناشکری کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

اس ولایت کبریٰ کی وسعت

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ولایت کبریٰ کی وسعت اور ہمہ گیری پر یہ چند صدقہ واقعات ملاحظہ ہوں جن میں سے بعض

کا اعادہ یہاں قسب کرتا ثابت ہو گا اور واضح ہو گا کہ کس طرح اس کا خدا داد دست تصرف مہربی اور کابل اور روس اور
یاںگ کانگ، عرب و عجم اور بحر و بریں کیساں کار فرما نظر آتا ہے۔

حضرت سیدعلی شاہ صاحب کے مکاشفات

باب چہارم زمانہ جذبہ سیاحت میں پہلے درج ہو چکا ہے کہ حضرت سیدعلی شاہ صاحب (وندہ شاہ بلاول) نے بھی
اُسی سال حج کیا تھا جس سال حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ادا فرمایا تھا۔ ان سید صاحب سے جناب مولانا محمد غازی صاحب اور
حضرت سید چائن شاہ صاحب (جانب) نے روایت بیان کی ہے کہ میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس سال رئیس الحاج
ہونے کا شرف کس ولی اللہ کو نصیب ہوا ہے۔ حرم کعبہ میں مراقبہ کیا تو دیکھا کہ بیت اللہ شریف جناب پیر صاحب گولڑہ شریف
کی طرف متوجہ ہے اسی طرح میدان عرفات میں نگاہ کی قلاب ہی لوگوں کے حج بارگاہ رب العزت میں پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ میں سمجھ گیا کہ
اس سال آپ ہی اس منصب عالی پر فائز ہوئے ہیں۔

حضرت سید عباس علی شاہ صاحب بخاری (ساندہ خورد) کا خواب

حضرت پیر سید عباس علی شاہ صاحب بخاری جن کا روضہ مبارک ساندہ خورد (مضافات لاہور) میں زیارت گاہ عوام و
خواص ہے ایک بڑے شیخ طریقت اور مقبول بزرگ تھے۔ اوائل عمر میں ہی تلاش حق میں اپنے وطن بخارا سے نکل پڑے تھے۔
مذہبوں گناہم رہ کر جنوبی ہند کے شہروں میں مجاہدہ اور ریاضت میں عمر بسر فرمائی۔ آنجناب نے ۱۲۰۱ھ مارچ ۱۹۴۲ء کو لاہور میں ہمارے
حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے عالم گیر تصرفات کا یہ خود آزمودہ واقعہ ملک محمد غدا بخش ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ مہربی میں برسات کی ایک
سخت سرد رات میرے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو ایک شکستہ حال مجذوب پانی میں تریتر کھڑا کانپ رہا تھا۔ کہنے لگا
چائے پلاؤ کوئی دو بجے کا وقت تھا۔ اسنو پرچائے بنا کر پیش کی جو وہ پی کر چلا گیا۔ جیسے ہی پھر میری آنکھ لگی ایک بزرگ نے خواب
میں فرمایا: آپ نے تکلیف اٹھا کر میرے فقیر کو چائے پلائی ہے جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں جاگ کر پھر سویا تو پھر دُوبی خواب دیکھا
کہ وہ بزرگ فرما رہے ہیں۔ میرے فقیر کو چائے پلائی ہے شکریہ۔ میری آنکھ پھر کھل گئی اور ان بزرگ کی صورت دماغ پر نقش ہو گئی۔
پھر سویا تو سہ بارہ دُوبی خواب آیا۔ میں بیدار ہو کر اپنے شغل میں مصروف ہوا مگر دل اُن کی زیارت کے لیے بے قرار تھا حالت دُوبی تھی
جیسے پہلی نظر میں عشق کہتے ہیں۔ اُس مجذوب فقیر کی تلاش کی گزشتہ نہ ملا۔ چند روز صبر کیا، پھر تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ دکن، بنگال، بہار،
پوہی، اجمیر اور آخر میں پنجاب، جہاں بھی کسی بزرگ کا نام سُن پایا وہیں پہنچا مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ گو تصور میں ہر وقت وہ جمال
صورت موجود تھا۔ بالآخر ماٹوس ہو کر لاہور سے واپس جا رہا تھا اور مہربی کا ٹکٹ بنوایا تھا کہ اُتار کاٹھ فارم پر ایک صاحب
سے ملاقات ہو گئی۔ میرا حال سُن کر پوچھا۔ گولڑے گئے ہوئے ہیں نے گولڑہ کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ کہنے لگے۔ راولپنڈی سے اگلا
اسٹیشن ہے۔ چنانچہ مہربی کا ٹکٹ واپس کر کے گولڑہ کا ٹکٹ بنوایا۔ صبح وہاں پہنچا تو ابھی آپ مسجد میں مصروفِ ظالفت تھے۔
میں نے صحن میں قدم رکھا ہی تھا کہ مسجد کے اندر سے آواز آئی۔ مولانا صاحب آجائے۔ آگے چلا تو پھر آواز آئی۔ شاہ صاحب
تشریف لائے۔ اور جب حاضر ہوا تو اُبھ کر معاف فرمایا اور کہا۔ سید صاحب! علیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔ دُوبی مقصود نظر
صورت سامنے تھی اور میں تعجب کر رہا تھا کہ میرے بخارا اچھوڑنے کے بعد کسی فرد بشر کو معلوم نہ تھا کہ میں سید ہوں۔ آج پہلی مرتبہ

مجھے سید کہہ کر پکارا جا رہا ہے حضرت سید عباس علی شاہ صاحب نے کچھ روز قیام فرمایا اور اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔

انقلاب افغانستان میں شہر کابل کی نگہداشت

حافظ غلام صدیقی صاحب مرحوم جو حاجی سیٹھ کریم بخش صاحب (پشاور) کے مائول زاد بھائی تھے اور خواب میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے اشارہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مرید ہوئے تھے بیان کرتے تھے کہ والد صاحب نے جنوبی افغانستان میں حکومت سے جنگ کی لکڑی کا ٹھیکہ لیا تو میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا چاہی۔ آپ نے فرمایا: کیا ابھی وہاں امن ہے؟ کچھ عرصہ بعد پھر حاضر ہوا تو آپ نے وہی سوال دُہرایا۔ اُس وقت تک بظاہر افغانستان میں امن و امان تھا۔ لیکن چند ہی دنوں بعد پچھ سقہ نے حملہ کیا اور امیر امان اللہ خان شہر کو گھیر لیا جس کے متعلق والد صاحب کا خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اللہ پاک تمہارے عزیزوں کو جو کابل میں ہیں محفوظ رکھے اور شہر ٹوٹ مار سے بچا رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں میں کابل میں ایک روز دوستوں کے ساتھ ایک مشہور مجذوب کی زیارت کو گیا۔ مجذوب کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ سنگ باری کرتا تھا۔ مجھے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا: ”بخیر آمدید جوڑہ مستید بر امان خدا“ کابلی طعنہ زنی کرنے لگے کہ ہمیں تو پتھر مارتا ہے اور پشاور کی کے ساتھ یہ سلوک! کہنے لگا: ”پتھر خرا! اس کس دست بدست کسے دادہ است کہ ایک وقت شہر مارا نگاہ کر دے۔ ورنہ پورے شدید وزن ہائے شمار اسقوی سے بُرند“ یعنی اس شخص نے اُس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہوا ہے جس نے ایک وقت تمہارے شہر کابل کی نگہداشت فرمائی۔ ورنہ تم لوگ تباہ و برباد ہو جاتے اور تمہاری عورتوں کو بچہ سقہ کے لشکر اٹھا لے جاتے۔

ملا صاحب ہڈہ کی غز میں نظر آنا

حاجی محمد رفیع صحاف (پشاور) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے ایک افغانی آیا اور پشتو میں باتیں کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنا ایک شیم وید ماجرا بیان کیا۔ میں نے اس کی پشت تو کا ترجمہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کہتا ہے کہ انگریزوں کے ساتھ ملا صاحب ہڈہ کی غز میں آپ کو میں نے ٹشکی گھوڑی پر سوار دیکھا ہے۔ آگے آگے آپ تھے آپ کے پیچھے ملا صاحب تھے اور اُن کے پیچھے غازی تھے حضرت صاحب نے فرمایا منشی صاحب یہ دیوانہ (لٹو) ہے۔ اس کو چپ کر او۔ مگر وہ خدا کی قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں نے آپ کو وہاں دیکھا ہے اور یہاں بھی آپ موجود ہیں۔

حل مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار

حضرت سیدنا احمد عطاء مدنی دام فیض نے جن کے بعض مبارک حالات کسی پچھلے باب میں درج ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ مدینہ شریف سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نام پر اجنٹ ٹیلیگرام بھجواتی تھی۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ جب حضرت بابوخی مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی تو بیان فرمایا کہ ایک سخت مہم درپیش تھی جو تار کی روانگی کے بعد بفضاہ تعالیٰ حل ہو گئی۔ اور فرمایا کہ عرصہ ہوا ایک عرب سلطنت کا وزیر بادشاہ کے عتاب میں آگیا تھا جس نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے نام پاک پر مدینہ شریف تار بھجوا یا تھا اور اپنے درجہ پر بحال ہو گیا تھا۔ ہیں وہی مثال یاد تھی جس پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نام نامی پر تار بھجوانے کا خیال پیدا ہوا۔

ایران میں اُونگھتے مُرد کو اشارہ کر کے لاری کے حادثہ سے بچا لیا

عاجی محمد ایوب صاحب ٹیٹی (پشاور) رات کے وقت ایران میں سفر کر رہے تھے نیند کے غلبہ میں اُونگھ رہے تھے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرما رہے ہیں: "لاری کو روکو آگے گڑھا ہے" انہوں نے فوراً لاری کو روکوا یا اور اُتر کر دیکھا تو حیرت چند گز کے فاصلہ پر سامنے ایک بہت بڑا گڑھا موجود تھا۔

مُرد کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے بندرگاہ پر اُتروا لیا

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا دامن حفاظت آشنائوں اور مُردوں پر آسمان کی طرح ہرزین اور ہر مہتمم پر سایہ فگن رہتا ہے۔ خان صاحب غلام رسول خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مرکزی تحقیق پولیس برطانوی ہند کو بحری جہاز کے سفر میں خواب میں نہ مایا کہ اگلے کو لنگ سٹیشن پر جہاز سے اُتر جانا۔ چنانچہ جب جہاز اگلی بندرگاہ پر پہنچ کر کوئلہ لینے لگا تو یہ اپنا سامان لے کر اُتر گئے جہاز کی روانگی کے دو گھنٹے بعد ایس او ایس (SOS) موصول ہوئی کہ جہاز ڈوب رہا ہے۔

خواب میں اشارہ فرما کر قتل ہونے سے بچا لیا

اس سے کچھ عرصہ پہلے یہ خان صاحب سیالکوٹ میں کچھ سیکھ ڈاکوؤں کو بطور شائبہ بٹھا کر تعقیب کر رہے تھے ایک آ خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے ہیں: "اپنی حفاظت کرو یہ سیکھ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں" یہ اُٹھ کر صحن مکان میں ایک گھنے درخت پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ برہمیوں اور گھماڑیوں سے مسلح ہو کر ان کے بستر پر آئے اور اسے خالی پا کر کمروں اور غسل خانوں میں تلاش کرتے رہے۔ اور پھر مایوس ہو کر چلے گئے۔

خواب میں اشارہ کر کے چوری برآمد کروادی

انہی خان صاحب نے ایک مرتبہ دوس میں خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں: "ہانگ کانگ میں تمہارے مکان پر چوری ہو گئی ہے" اُسی روز سفارت خانہ کی معرفت وائرلیس پر دریافت کرنے سے اس کی تصدیق ہوئی اور چوری بھی مل گئی۔ محکمہ سفارت کے افسر دونوں جگہ حیرت کا اظہار کرتے تھے۔

سفر سے روک کر ریل کے حادثہ سے بچا لیا

حضرت کے چھوٹے بھائی جناب پروالیت شاہ صاحب ایک شادی میں شامل ہونے کے لیے بذریعہ ریل گاڑی سفر پر تیار تھے حضرت نے بلوا کر فرمایا کہ اس گاڑی سے نہ جانا انہوں نے عرض کیا کہ نکاح اور شادی کی تقریب ہے اور یہ آخری گاڑی ہے۔ اگر میں نہ

پہنچا تو ان لوگوں کو سخت مایوسی ہو گئی۔ مگر آپ نے تاکید مانع فرمادیا اور یہ رک گئے۔ وہ گاڑی لالہ موسیٰ کے قریب ایک انگرہاڑی سے ٹکرائی جس سے بہت جانی نقصان ہوا۔
ایسے واقعات میں تصرف تو دراصل اسی کارساز حقیقی کا ہی ہوتا ہے مگر بوجہ اس کائنات کے عالم اسباب ہونے کے، اس کا ظہور وہ اپنے مقبولوں کے ذریعہ کرتا ہے۔

اجابت دعا اور توسلین کی دستگیری

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اجابت دعا اور مہمات میں اجباب کی دستگیری کے واقعات ضرب المثل ہیں اور وصال کے بعد بھی بدستور ظہور پذیر ہو رہے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پن شریف کی سجادہ نشینی اور حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسوی کے استقرار حق کے مقدمات پر یوی کونسل تک جا کر آپ کی دعا سے ان کے حق میں فیصلہ ہوئے۔ گولڑہ سردار محمد عظیم خان کی جائیداد کا مقدمہ چیف کورٹ تک گیا۔ اس گاؤں کے ایک فقیر صاحب نے پیغام بھجوایا کہ آپ عظیم خان کے حق میں دعا نہ کریں، کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ میں نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے کہ یہ جائیداد میرے مریدوں سے باہر نہیں جاسکتی۔ حضرت نے جواباً فرمایا فقیر صاحب کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ مجھے لوح محفوظ تو نظر نہیں آتی مگر میں اُس وقت تک اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہیں مل جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر میں چیف کورٹ سے یہ ساری جائیداد عظیم خان کو مل گئی۔

امیر افغانستان، نواب صاحب بہاولپور اور والی ریاست انب در بند کی گدنی نشینی میں حضرت کی توجہ اور اعانت کے واقعات بھی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ میرا بادیہ کے محمد حسین کو عین پھانسی کے تختے پر موت سے رہائی کا حکم ملا تھا۔ اس کی والدہ نے صرف ایک روز پہلے آکر فریاد کی تھی جب کہ رحم کی اپیل مسترد ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق اپنے ایک مکتوب گرامی میں استاد اولیاء اللہ کے ضمن میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس نازک وقت میں حضور سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استغاثہ کیا تھا۔

ابتلا کے دور ہونے کی بشارت

ملک شیر محمد صاحب ٹوانہ ولد ملک بخش خان صاحب ایک مقدمہ میں چھ سال قید ہو گئے تھے۔ اور تمام اپیلیں مسترد ہو گئی تھیں۔ حضرت نے فقیر عبد اللہ صاحب کو ملک صاحب کے خاندان کی تسلی کے لیے روانہ فرما کر بعد میں ایک نوازش نامہ بھی تحریر فرمایا جو مکتوبات طلیبات میں شائع ہو چکا ہے کہ انہیں کہہ دو انشاء اللہ تھوڑے دنوں کے اندر یہ مصیبت ابتلا دور ہو جائے گی۔

اچانک ملک و کٹوریہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے کی تخت نشینی کی خوشی میں عام قواعد کے خلاف ملک صاحب کو رہائی مل گئی اور کچھ عرصہ بعد پہلے سے بھی بڑی ملازمت پر چلے گئے۔

نابینا کو بصارت مل گئی

ایک روز حضرت عشا کے بعد سواری سے اتر کر مہمان خانہ کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک آنکھوں سے معذور

مرض موجب تھا۔ آپ نے فرمایا میں کل پاک تین شریف کے سفر پر چار ہاتھوں تم آب واپس وطن کو چلے جاؤ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اُس شخص نے جو نہی آپ کی آواز پہچانی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ آپ عبد القادر ہیں خدا کے لیے مجھے بینائی عطا فرماؤ۔ فرمایا۔ ایسا مت کہو۔ کار ساز اور بینائی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اپنے خاص بندوں کا دل اُس طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہ فرما کر آپ چلے گئے۔ اگلے روز جب یہ شخص واپس ہوا تو ریلوے اسٹیشن کے راستے میں اس کی بینائی درست ہو گئی۔ بیٹے سے کہنے لگا میری لاشی چھوڑ دو۔ مجھے راستہ دکھانی دینے لگا ہے میں امید بخش صاحبِ شہستی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ میرے سامنے ہوا تھا اور میں نے خود اس شخص کو ریلوے اسٹیشن تک خود بخود چلتے ہوئے دیکھا۔

ایک یرینہ اپانج کی فوری شفا یابی

مضافات خوشاب کے ایک شاہ صاحب دونوں پاؤں سے اپانج و غلوں جو کر گولڑہ شریف آئے اور کچھ عرصہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے دعا اور دم کرتے رہے۔ وہ مسجد کے سامنے پڑے رہتے تھے اور آپ نماز کو جاتے ہوئے اکثر دم فرما دیا کرتے مگر کوئی افادہ نہ ہوا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ ابھی وقت نہیں آیا تم فی الحال گھر چلے جاؤ، وہ تعمیل ارشاد میں چلے گئے۔ بہت عرصہ بعد سیال شریف کے سفر میں خوشاب کے ریلوے اسٹیشن پر آپ نے انہیں گھٹنوں کے بل ریگتے ہوئے دیکھ کر پہچانا اور فرمایا۔ آؤ شاہ صاحب وقت آگیا ہے میں دعا کرتا ہوں۔ جب ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی تو شاہ صاحب اُسی وقت سب لوگوں کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے جلو میں اپنے پاؤں سے چل کر شہر گئے۔ آپ نے اپنے ایک ملفوظ میں قبولیت دعا کے اوقات اور سالاک کی توجہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ایسا ہی ایک اپانج گھوڑ (مضافات ملتان) میں بھی پیش ہوا تھا حضرت نے خدام سے فرمایا کہ تہجد کی نماز کے بعد مجھے یاد دلانا کہ اس کے حق میں دعا کی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی صحت دی۔

دعائے مغفرت کا اثر

موضع جھگیاں تھا نہ خوشاب کا مستری فضل الہی جو آج کل دربار کی آٹا مشین پر کام کرتا ہے اُس کے بل باپ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ چچا کے مظالم سے تنگ آ کر گولڑہ شریف چلا آیا اور یہاں بس گریں کام کرنے لگا چچا نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی نسبت توڑ کر ایک اور شخص سے کر دی مگر کچھ عرصہ بعد اُسے بھی جواب دے دیا۔ اُس شخص نے ازراہ انتقام لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا اور باپ نے لڑکی کے بیان نزاع میں اس حملہ کا الزام فضل الہی پر لگوا دیا کہ وہ پھانسی پا جائے اور یہ مرحوم بھائی کی جائداد پر بے کھٹکے قابض ہو جائے۔

حملہ سے کچھ دیر بعد لڑکی مر گئی اور اُسی روز دوپہر کے وقت گولڑہ شریف میں فضل الہی کو خواب میں نظر آئی اور کہنے لگی۔ مجھے میرا غلام منگیتہ قتل کر گیا ہے اور میں نے باپ کے کہنے پر اس قتل کا الزام تم پر لگایا ہے جس کی وجہ سے میں عذاب میں گرفتار ہوں تم مجھے معاف کر دو۔ فضل الہی نے بیدار ہو کر اُسی وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں اپنا یہ خواب بیان کیا اور اُس لڑکی کے لیے دعائے مغفرت کروائی۔ مرحوم نے دوبارہ اُسی رات خواب میں آکر فضل الہی سے کہا کہ تمہارے پیر صاحب نے جس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت مجھ سے عذاب اٹھالیا تھا۔

اگلے روز خوشاب کی پولیس فضل الہی کی گرفتاری کے لیے گولڑہ شریف پہنچ گئی مگر سب انسپکٹر پولیس نے فضل الہی کی متواتر یہاں موجودگی اور اس خواب کے واقعہ کے متعلق شہادت قلمبند کر کے اسے گرفتار نہ کیا اور واپس جا کر قاتل کو گرفتار کر کے چالان کر دیا۔

دردِ دندان کا عجیب دم

جناب سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) جو ایک جید عالم باعمل اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے خصوصی متوسلین سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے دردِ دندان کی سخت تکلیف ہوئی۔ علاج سے مایوس ہو کر گولڑہ شریف چلا آیا اور حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے دم فرمایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ دوبارہ شدت درد کی حالت میں حاضر ہوا اور رد بھرے لہجے میں کہا حضور ڈاڑھی پٹیراے۔ یعنی سخت درد ہے حضور نے شفقتاً نظر فرما کر زبان مبارک سے یہی مذکورہ جملہ ڈاڑھی پٹیراے۔ تین بار فرما کر دم کیا۔ مجھے اُسی وقت آرام آگیا۔ میں نے اس عجیب دم کی اجازت لے لی۔ اور اب یہ جملہ میرے معمولات سے ہے کہ جس کو نیرنگایت ہو دم کرتے ہی درد رفع ہو جاتا ہے۔

ایک ارادت مند کی تین گذارشات

میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے سہم بزرگوار اور میاں محبوب علی صاحب گورمانی کے والد میاں شیخ احمد صاحب جو پنجاب کے مشہور اُمراء میں شمار ہوتے تھے بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو گذارش کی کہ حضرت میری تین آرزوئیں ہیں (ایک) میں بلوچ ہوں، میرا اعتقاد پختہ ہو جائے۔ (دوسری) فریاد اولاد نہیں، خدا تعالیٰ فرزند عطا فرمائے اور (تیسری) میری موت آپ سے پہلے ہو کر آپ کی وفات کا صدمہ نہ دیکھوں۔ حضرت نے فرمایا کیا بلوچ ہو کر بھی تمہارا اعتقاد پختہ نہیں؟ میاں صاحب کہتے تھے کہ یہ ارشاد آپ نے کچھ اس انداز میں فرمایا کہ اُسی وقت میرے دل میں جو خطرات اور وساوس تھے رفع ہو گئے اور عقیدت کا دریا موجزن ہو گیا اور ساتھ ہی دل کو تسلی ہو گئی کہ دوسری دونوں گذارشات بھی آپ کی توجہ سے پوری ہوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فریاد اولاد بھی عطا فرمائی اور میاں صاحب کا انتقال بھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے بہت پہلے ہوا۔

نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ

مصور فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب اپنے اخبار منادی میں ایک سفر نامہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب میں نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) کی دعوت پر ان کے یہاں پہنچا تو وہاں اقامت کے دوران میں نے مشاہدہ کیا کہ رات گئے تک مصروفیات کے باوجود نواب صاحب موصوف سے نماز تہجد قضا نہ ہوئی خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ حضرت قبلہ پر صاحب گولڑہ قدس سترہ کی تین کرامت ہے کہ اس قسم کے مشاغل دنیاوی میں مصروف آدمی پابندی صلوات خمسہ کے ساتھ تہجد تک بھی قضا نہیں کرتا۔ یہ نواب صاحب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مخلص مرید تھے۔ انہوں نے بیعت کے وقت عرض کیا تھا کہ دعا فرمائیے میری دنیا میرے دین پر غالب نہ آئے۔

راقم الحروف کے والد کی دستگیری

راقم الحروف کے والد جناب حافظ غلام محمد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ایک بار میں علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان سے واپس گھر آ رہا تھا اور دیہاتی طریقہ کے مطابق دریائے سندھ کو مشک پر عبور کر رہا تھا کہ سامنے ایک بہت بڑا سانپ نظر آیا دوسری جانب رُخ کیا تو ایک بڑا تنگ آبئی نمودار ہو کر حملہ آور ہوا۔ اس انہائیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا تصور آنکھوں میں پھر گیا۔ اچانک دیکھا کہ مجھے کسی نے اٹھا کر دریا کے کنارے پر کھڑا کر دیا ہے۔

نرینہ اولاد کے زندہ رہنے کی دعا

والد مرحوم مجھے فرماتے تھے کہ ابتدائیں تیرے دو تین بھائی پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے تھے میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے دعا کے لیے عرض کیا۔ عام طور پر آپ اس سلسلہ میں اجوائن دم فرمایا کرتے تھے لیکن اس وقت صرف دعا فرمائی جس کے کچھ عرصہ بعد تیری ولادت ہوئی اور خود راقم الحروف کے بھی ابتدائیں نرینہ اولاد نہ تھی۔ والد مرحوم ایک بار گیارہویں شریف کی مجلس میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے واپس گھر جا کر فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی بارگاہ میں خدا سے فیض احمد کے لیے لڑکا مانگ آیا ہوں۔ والد صاحب تو اسی سال شوال ۱۳۶۶ء میں فوت ہو گئے مگر دعا سے پورے ایک سال بعد دوسری گیارہویں شریف کے ایام میں راقم الحروف کا عزیز مشاق احسنین پیدا ہوا۔ فالحمد للہ۔

ایک ارادت مند کی نرینہ اولاد کی پیشگوئی

ملک غلام فرید صاحب ٹوانہ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کے والد ملک محمد خان صاحب مرحوم ۱۹۵۵ء میں ساہی وال (منٹگری) میں ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پتن شریف جاتے ہوئے ان کے یہاں فروکش ہوئے۔ ان کی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اور چند ہفتے پہلے ایک نوموؤد فرزند فوت ہو گیا تھا۔ مستورات کی گزارش پر دعا فرمائی۔ اور ملک غلام فرید صاحب کی والدہ کو مخاطب کر کے فرمایا: انشاء اللہ اس کے بعد جب تم میرے سامنے آؤ گی تو تمہاری گود میں ایک سمر دراز بیٹا ہوگا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ ملک محمد خان صاحب کی اپنی بیعت حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی کے ساتھ تھی ان کے فرزند حضرت کے مرید ہیں۔

ایک بے اولاد ارادت مند کے فرزند کا پیشگی نام بھی رکھوا دیا

ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب مہروی (شہیدان والی مضافات منڈی بہاؤ الدین) بیان کرتے ہیں کہ میرے والدین بے اولاد ہونے کی وجہ سے غمگین رہتے تھے حضرت کے پُرانے مرید تھے۔ ایک بار حاضر ہوئے تو بیوسے ایشی سڑ باتک دونوں میں بحث چلتی رہی کہ اولاد کے لیے کون عرض کرے؟ دونوں شرمارہے تھے جب حاضر ہوئے تو حضور قبلہ عالم قدس سترہ نے مسکرا کر اتود دریتا فرمایا کہ تم دونوں آپس میں کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟ اور پھر فرمایا: انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں اللہ تعالیٰ فرزند عطا فرمائے گا، غلام غوث نام رکھنا۔ میری پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے والد صاحب نے حضور قبلہ عالم قدس سترہ کو اور اپنے والد کو جو حضرت پیر

فضل الدین صاحب کے مُرد تھے، خواب میں دیکھا اور ایک بچہ اُن سے لیا جس کا ایک کان قدرے ٹیڑھا تھا اور اُس کے پیٹ پر خارِ مغیلاں کی طرح ایک مسہ تھا۔ صبح اُٹھ کر والد صاحب نے اس خواب کا اعلان کر دیا جب میں پیدا ہوا تو لوگ اکر یہ دونوں نشانات میرے جسم پر دیکھتے اور حضرت قبلہ عالم قدس تبرہ کی کرامت کا چرچا کرتے تھے۔ یہ دونوں نشان اب بھی موجود ہیں۔

ایک سادہ دل پٹھان کے اخلاص کی برومندی

ایک پٹھان اور اُس کی بیوی آپ کی بیماری کے ایام میں حاضر ہوئے اور دروازہ کی دہلیز میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد بیوی نے خاوند سے کہا: پیر سے کہہ ناں دُعا کرے خدا ہم کو اولاد دے۔ پٹھان نے جھٹک کر کہا: چپ رہ ادب کتنی تکلیف میں ہے اور تو کہتی ہے اولاد کے لیے کہہ: اُس وقت کمرہ میں مولوی محبوب عالم صاحب اور سائیں نجت جمال صاحب قوال موجود تھے۔ حضورؐ نے اپنی نجیفت آوازیں فرمایا: محبوب! اس سنگی (رفیق) کو اندر بلا لوی میری اس لمبی بیماری میں شخص اپنے لیے ہی دُعا کرو تا رہا ہے۔ آج میری تکلیف کا صرف اس شخص کو رنج پہنچا ہے۔ پھر اجوان دم کر کے دی اور دُعا فرمائی۔ اگلے برس یہ میاں بیوی اپنے نوزائیدہ فرزند کو لے کر حاضر ہوئے تو سائیں نجت جمال کہتے ہیں کہ اُس وقت بھی اتفاق سے میں اور جناب مولوی محبوب عالم صاحب ہی حضرت کے کمرہ میں حاضر تھے۔

ملک پنڈیا خان کی بے تکلفی

بے اولادوں کے حق میں حضرت کی اس اجوائن کے اکر سیر ہونے کی اس قدر شہرت تھی کہ ایک مرتبہ آپ قیلو کہ فرما رہے تھے اور ملک پنڈیا خان صاحب زمیندار حسن ابدال پاس فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ کمرہ کے باہر بچوں نے شور مچا رکھا تھا جنہیں ملک صاحب بار بار جاکر منع کرتے تھے۔ ایک بار حضرت نے بے چین ہو کر فرمایا کہ ملک! یہ کیسا شور ہے؟ تو پنڈیا خان نے جنہیں بچپن کی دوستی اور انتہائی اخلاص نے بے تکلف بنا رکھا تھا کہا: "جوان ایہہ تینڈی جو اتن پی چکیدی اے" یعنی یہ آپ کی اجوائن نے شور مچا رکھا۔

ایک مخلص کی ترقی درجات کے لیے خاص تصرف

چودھری اورنگ زیب خان صاحب پنشنر ڈپٹی کمشنر (چکوال) نائب تحصیلداری کی حالت میں حاضر ہوئے یا رگلائی پہاڑیوں سے کالی گٹھا آرہی تھی اور سنگر کا بھوسہ باہر پڑا تھا چودھری صاحب نے منہ پر صافہ لپیٹ کر حُدام دربار کے ساتھ بھوسہ کی گٹھڑیاں اٹھا اٹھا کر کوٹھڑی میں ڈالنا شروع کیں اور بارشش سے پہلے انہیں محفوظ کر لیا۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے اس واقعہ کا ذکر حضرت قبلہ عالم قدس تبرہ کی خدمت میں کچھ اس انداز سے فرمایا کہ حضورؐ کے دست مبارک دُعا کے لیے اُٹھ گئے چپت روز بعد صوبائی گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ جو نائب تحصیلدار گریجوٹ ہیں اُن کے نام براہ راست اکثر اسسٹنٹ کمشنری کے لیے بھیج دیئے جائیں۔ چودھری صاحب اس اسکیم میں براہ راست اسی۔ اے۔ سی۔ اے۔ لیے گئے۔ اور پھر اگلے ہی سال یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ گویا یہ تصرف محض انہیں کے لیے بُرے کار آیا تھا۔

چودھری صاحب نے دورانِ ملازمت جس فرض شناسی اور دیانت سے کام کیا وہ ضرب المثل ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اس دیانت و صداقت کی وجہ سے کئی بار سنت آزمائشوں سے گُذنا پڑا مگر مشکل میں حضرت قبلہ عالم قدس تبرہ نے ثواب یا بیداری میں میری حوصلہ افزائی فرما کر حق پر ثابت قدم رہنے میں مدد فرمائی۔ (فیض)

ایک نیازمند کو ترقی درجات کی بشارت

ملک محمد خدا بخش ٹوانہ کو جو ان دنوں سب انسپکٹر پولیس تھے ایک روز فرمایا: قریب آؤ اب تم کیا ہو؟ عرض کیا: انسپکٹر پولیس ہوں۔ فرمایا: وہ کیا ہوتا ہے؟ تھانیدار؟ اور مسکرا کر فرمایا: اس سے اوپر کیا ہوتا ہے؟ عرض کیا: انسپکٹر۔ اس سے اوپر کیا ہوتا ہے؟ اور پھر مسکرائے۔ عرض کیا: ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ۔ فرمایا: اُس سے اوپر؟ عرض کیا: سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ پولیس سے باہر اگر ملک صاحب نے اعلان کر دیا کہ آج مجھے اپنے پیر صاحب کے دربار سے یہ سارے درجات عطا کر دیئے گئے ہیں چھٹا نیچے سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کر رہنا کرہوئے۔

حل مشکلات اور دفع بلیات

یہی نیازمند (یعنی ملک صاحب) ۱۹۳۷ء میں تھانہ گوجران میں افسر نچارج تھے بستی مہلیاں کی ایک دھوک پر سپاہیوں کی حراست سے ایک موزم فرار ہو گیا چونکہ یہ خود بھی اُس رات اُسی بستی میں مقیم تھے لہذا قواعد پولیس کی رُود سے موزم کی عدم گرفتاری کی صورت میں انہیں فوراً معطل ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دُعا مانگی اور حضرت کے دو غور د سال پوتوں کا واسطہ دیا۔

دُعا کے خاتمہ پر یوں محسوس ہوا گویا براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے دل میں تسلی اور طمانیت ڈال دی گئی ہے۔ اور میری اپنی زبان پر بے ساختہ یہ العن ظہاری کر دیئے گئے کہ "انشاء اللہ پکڑا جائے گا۔" اتنے میں مقرر موزم اس علاقہ کی ناداقیت کی وجہ سے کئی میلوں کا چکر کاٹ کر خود بخود وہیں واپس آگیا اور گرفتار کر لیا گیا۔

ایک مہم مرید کو خواب میں فرمایا کہ فوراً گولڑے چلے آؤ

لالہ عبدالکریم صاحب سوداگر (پشاور) کو زہر دیا گیا خواب میں فرمایا فوراً گولڑے چلے آؤ۔ وہ اُسی وقت اٹھ کر ریل گاڑی سے گولڑہ روانہ ہوئے حضرت نے وہ خادم سواری دے کر اسٹیشن پر روانہ فرمائے جو انہیں تیار کر لے آئے۔ دم کیا اور وہ عافرمائی اور فرمایا: جس نوکر نے زہر دیا ہے اُس کی تجہیز و تکفین تمہارے ہاتھوں سے ہوگی۔ چنانچہ لالہ صاحب نے اُسے ملازمت سے علیحدہ کر لیا اور بہت عرصہ بعد جب وہ مرا تو اُس کی اچھی طرح تجہیز و تکفین کی۔

ریل گاڑی کے سامنے سے اٹھا کر بچا لیا

جامع مسجد راولپنڈی کے مشہور خطیب اور سیاسی اور مذہبی لیڈر مولانا مولا بخش صاحب قصوری بیان کرتے تھے کہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر جب میں گھر آیا تو اپنے شہر کے رئیس نواب زادہ فتح باز خان صاحب قصوری کے ہمراہ گولڑہ شہریت حاضر ہو کر بیعت کی۔ واپسی پر ریلوے اسٹیشن گولڑہ سے باہر مسجد میں ظہر کی نماز کے لیے وضو کر کے نواب زادہ صاحب کے لیے افتابہ بھر کر لے جا رہا تھا۔ سامنے ایک تھوگڈہ نے والی مال گاڑی آرہی تھی میں اُسے دیکھ کر لائن پار کرنے لگا تو سگنل کی تاروں سے الجھ کر عین لائن کے درمیان گر پڑا۔ انجن اس قدر قریب آگیا تھا کہ نیر اٹھ کر بیچ نکھٹنا ناممکن تھا۔ پلیٹ فارم پر ہمراہیوں اور دیگر

مسافر کی ہائے ہائے کی آوازیں گونج اٹھیں۔ اچانک ایک ہاتھ میری گردن کے پیچھے اور ایک ٹانگوں کے نیچے پڑا اور کسی نے مجھے اٹھا کر لائن سے باہر پھینک دیا اور ایک آواز آئی جو بالکل حضرت کی طرح تھی کہ ہا۔ ایسی غلطی۔ چنانچہ ہم لوگ سفر متوی کر کے واپس گئے اور قد مبوس ہوئے۔

صاحبزادی صاحبہ کے کنوئیں میں گرنے کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت کی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ حرم سرائے کے اندر والے کنوئیں میں گر پڑیں۔ کنواں کافی گہرا تھا۔ اور اس میں پانی بھی تدر آدم سے بہت زیادہ تھا۔ بی بیان، ہمان عورتیں اور خادما میں الہی خیر، الہی خیر کا غل مچاتی ہوئی کنا سے پر جمع ہو گئیں۔ بالوجہ صاحب گھر پر نہیں تھے حضرت کے بھانجے سید چن پر شاہ صاحب کو پیغام بھجوایا گیا۔ کسی کو اُمید نہ تھی کہ صاحبزادی اتنی بلندی سے گھرے پانی میں گر کر زندہ بھی رہ جائیں گی اتنے میں کسی بی بی کی نظر مکان کی طرف گئی تو دیکھا کہ صاحبزادی پانی میں شرابور بھاگ کر جا رہی ہیں۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ حضرت صاحب نے ہاتھ سے پکڑ کر تمام لیا تھا اور نکال کر باہر کھڑا کر دیا اس وقت ڈیوڑھی پر فقیر عبد اللہ صاحب پہنچ گئے اور کہا کہ حضرت نے خیریت دریافت فرمائی ہے۔

آپ اس روز نماز عصر کے بعد حسب معمول سواری کے لیے کمرہ سے باہر تشریف لائے تھے مگر سوار ہونے کی بجائے واپس سنبھل چلے گئے۔ اور فقیر عبد اللہ صاحب سے فرمایا کہ پار جاؤ اور خیریت پوچھ آؤ۔ (دربار اور حرم سر کے درمیان ایک پہاڑی ندی پڑتی ہے اس لیے پار فرمایا) اس دربار کے متعلق ایسے کئی عجیب العقول واقعات کا بچہ بچہ گواہ ہے لیکن ان کی تاریخ مرتب کرنے اور محفوظ رکھنے کا یہاں دستور نہیں بلکہ اسے پسند ہی نہیں کیا جاتا۔

شفاعت کے مسئلہ کا حل

ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر غلام رسول خان صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے مخلص مرید تھے وہ اُن دنوں (غالباً ۲۷-۱۹۲۶ء میں) ضلع جھنگ میں تعینات تھے، اُن ایام میں حضرت کی سیال شریف سے واپسی پر سرگودھا حاضر ہوئے اور جھنگ تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے بعض مصروفیات کی وجہ سے انکار فرمایا اور جب ان کے بار بار اصرار پر بھی راضی نہ ہوئے تو خان بہادر صاحب نے جوش میں آکر اپنی بولی میں کہا: "اوہ مردا! میں دیکھساں تُوں کنوئیں نہ جاسیں میں تیری گڈی اگے سر رکھ کے مرجاساں"۔ سچے اور مخلص لوگوں کا کلام تیرے دل سے نکلتا ہے۔ چنانچہ آپ نے جھنگ جانے کا ارادہ فرمایا۔ گاڑی میں اتفاقاً آپ ایک مسئلہ تصوف کی تشریح فرما رہے تھے اور سرگودھا کے کئی مخلصین ملک عمر حیات خان صاحب ٹوانہ وغیرہ آپ کے ڈبے میں بیٹھے تھے۔ گاڑی چل پڑی اور کسی کو اُترنے کا خیال نہ رہا۔ اور یہ تمام لوگ بغیر ٹکٹ آپ کی تقریر سننے ہوئے ساتھ ہی چلے گئے تقریر جاری رہی اور گاڑی چلتی رہی جتنی کہ جھنگ کا اسٹیشن آگیا۔ اُس وقت یہ حضرات سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس منصب کے لوگوں کے لیے بلا ٹکٹ پکڑے جانے کی ندامت قابل برداشت نہ تھی۔ اتنے میں پلیٹ فارم پر لوگوں کا اشد دھام دیکھ کر اسٹیشن ماسٹر نے بلند آوازیں کہہ دیا کہ گیٹ کھول دو جس کے پاس ٹکٹ ہے وہ دے جائے۔ مزید کسی سے پڑاں نہ کی جائے۔ یہ سن کر اسٹیشن سے باہر لوگوں کا منتظر ہجوم بھی اندر داخل ہو گیا اور اس ہجوم کے اندر ان بلا ٹکٹ معتبرین کی پردہ پوشی ہو گئی۔ اسٹیشن سے باہر نکلنے پر ملک عمر حیات صاحب کے مصاحب میاں مردان علی صاحب قریشی ایڈووکیٹ نے بلند آوازیں کہا: "لوگو! آج شفاعت کا

مسئلہ حل ہو گیا۔ دیکھو ہم لوگ سرگودھا سے حضرت کی تقریر سننے میں ایسے محو ہوئے کہ بلاکٹ بھنگا پہنچ گئے۔ اور یہاں سخت پریشان تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت کی طفیل میں شرمندگی سے بچا لیا۔

مخلصین کو حضرت غوث پاک کی زیارت کروادی

یہی خان بہادر غلام رسول خان ایک بار گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں بغداد شریف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں آپ نے فرمایا بغداد والوں کی مہربانی ہو تو یہاں بھی زیارت ہو سکتی ہے۔ یہاں صاحب یہ سن کر رو پڑے۔ اور اسی وقت عیناً حضور سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے شرف ہوئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شیخ الجامعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ ایک بار میں گولڑہ شریف حاضر ہوا حضرت مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اشراق کا وقت تھا۔ میں نے قدمبوس ہو کر عرض کیا کہ حضور! میں گیا رخصت شریف دیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ سے توفیق نہیں ہوتی۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خیر ہوگی۔ اتنے میں ایک آہٹ ہوئی۔ اور ایک نورانی صورت بزرگ وہاں تشریف فرما نظر آئے۔ مجھ پر ایک بے حسی سی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر یہ عالم رہا اور پھر وہ بزرگ آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرت کی کرم گستری تھی جس کی بدولت حضور غوث الاعظم کی زیارت نصیب ہو گئی اور آئندہ گیا رخصت شریف بھی جاری ہو گئی۔

لالہ عبدالکریم سیٹھی صاحب کو آپ کی خدمت میں جنات نظر آئے

حضرت بعض اوقات شام کے بعد باہر تشریف لے جاتے اور کچھ دیر شغل اور ذکر میں مصروف رہتے۔ لنگر کا ایک خادم بھی وضو کے لیے پانی کا آقا بے کر ساتھ رہتا۔ ایک دفعہ پشاور کے لالہ عبدالکریم سیٹھی صاحب باصرہ خادم سے گولڑہ لے کر ساتھ ہو لیے۔ حضرت نے سیٹھ صاحب کو ایک جگہ بٹھا دیا اور خود کچھ فاصلے پر حسب معمول اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دیر بعد سیٹھ صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کے ارد گرد ایک عجیب الخلقت مخلوقات کا اژدھام ہے۔ یہ جو اس باختم ہو کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئے۔ جب حضرت نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو حاضرین کو جو کہ جنات تھے رخصت فرما دیا اور پھر سیٹھ صاحب کو بلایا۔ مگر ڈر کے مارے ان کی زبان بند ہو گئی تھی حضرت نے منہس کر فرمایا کہ لالہ! اب تو وہ چلے گئے ہیں۔ اب تو آنکھیں کھولو۔ تب وہ اٹھے اور پھر کبھی ساتھ جانے کی جرأت نہ کی۔

کڑوا کنواں میٹھا ہو گیا

جناب سید صدیق شاہ صاحب (ماگدوال تحصیل خوشاب) نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ گاؤں میں بہت سا پھیر چکر کے کنواں کھدایا گیا جس کا پانی سخت کڑوا نکلا ہے۔ پانی کی بڑی تکلیف ہے۔ بہت دور ایک پہاڑی چشمہ سے پانی لاتے ہیں حضرت نے کچھ پانی دم کر کے دیا جس کے ڈالنے سے کنواں میٹھا ہو گیا اور آج تک استعمال ہو رہا ہے۔

خود لنگر کے کنوئیں میں پانی ختم ہو گیا تھا۔ کھدائی پر پتھر ہی پتھر نکلتے تھے۔ جب مستری نے مایوسی کا اظہار کیا تو دعا فرمائی۔ اگلی صبح مزید کھدائی کے بغیر پانی بھر آیا اور آج تک خشک نہیں ہوا۔

ایک مُرد کو اٹھارہ بیس سال پہلے زمین ملنے کی بشارت

میاں محمد سعید صاحب قریشی دارونہ جیل (تھیل خوشاب) حاضر ہوئے۔ حضرت کے عالم استغراق کا زمانہ تھا زائرین کچھ دیر خاموش بیٹھ کر اٹھ جاتے تھے۔ حضورؐ نے اچانک مولوی محبوب عالم صاحب سے پوچھا کہ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے۔ تعارف کرانے پر فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ اسے کچھ زمین ملی ہے جس سے پانی نکل رہا ہے۔ قریشی صاحب کہتے ہیں میں نے خیال کیا کہ میری تھیل کی چند کنال زمین سے پانی نکلنے کا کیا سوال ہے۔ اس پر حضرت نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں تمہیں بہت سی زمین ملی ہے جس کے اندر سے پانی اُپر کو نکل رہا ہے۔ اس فرمان کے اٹھارہ بیس سال بعد پاکستان میں ریٹائر ہونے پر مجھے ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ٹیوب ویل سیم میں سات مرتبوں کے قریب اراضی حاصل ہوئی جو اب میری ملکیت ہے اور اس کے اندر سے واقعی پانی نکل رہا ہے۔

ایک زبان بند لڑکے کی فوری گویائی

پشاور میں حضرت کے سامنے ایک عرصہ سالہ لڑکا پیش ہوا جس کے والد نے عرض کیا کہ آج چھ مہینے ہوئے یہ ایک آدمی میں بکریاں چرانے گیا تھا۔ واپس آیا تو زبان بند تھی، آج تک بات نہیں کر سکا۔ حضرت نے لڑکے سے فرمایا: لڑکے کیا تمہارا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ اُس نے فوراً جواب دیا کہ جی ہاں میرا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ فرمایا: اب بات کیا کرنا؟ اس کے بعد اُس کی حالت دُرست ہو گئی۔

تالیفِ قلوب کا وظیفہ

جناب پیر ولایت شاہ صاحب نوشہروی نے اپنے قصبہ (نوشہرہ تحصیل خوشاب) کے حاجی محمد اولیازگر کو شاہ پور کے مقام پر پیش کر کے عرض کیا کہ اسے اپنے چند دشمن رشتہ داروں سے قتل کا سخت اندیشہ ہے۔ فرمایا سورۃ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ گیارہ مرتبہ، اول آخر بائیس مرتبہ درود شریف بائیس روز پڑھے۔ اس عمل کے چودھویں روز دشمن فریق وفد لے کر صلح کرنے آئے۔ اور حاجی صاحب کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا رشتہ کر دیا۔

لوٹے ہوئے رشتے جوڑ دینا

سید احمد شاہ صاحب (پنڈ پراچہ داخلی جھنگلی سیدان) بیان کرتے ہیں کہ میرے خسر نے اپنی لڑکی کی نسبت مجھ سے توڑ کر ایک فوجی صوبیدار کے ساتھ کر دی تھی۔ اس پر ہمارے گاؤں کے امام مسجد جو حضرت قبلہ عالم گوڑہ شریف قدس سرہ کے مُرد تھے انھوں نے ظاہر کرنے کے لیے آئے اور والد صاحب سے کہنے لگے: "احمد شاہ کو میرے ساتھ گوڑہ شریف بھیجو۔ اگر حضرت متوجہ ہو گئے تو سمجھو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔" ہمارا خاندان شیعہ عقائد اختیار کر چکا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت کے ساتھ کوئی راہ و رسم نہ تھی مگر والد صاحب نے مجھے مولوی صاحب کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مولوی صاحب سے واقعات سن کر خاموش رہے اور ہم دونوں نے خیال کیا کہ آپ متوجہ نہیں ہوئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی اور سب لوگ باہر جانے لگے تو حضرت نے مجھے روک لیا، اپنے دست مبارک سے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا: اسے پہن لو ہم عصر کے قریب گاؤں میں

واپس آئے بشام کے وقت معلوم ہوا کہ میرے شہر اور مہو بیدار کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک عرب نے آکر کہا کہ جلدی کرو تنگنی کے واپس کیے ہوئے زیور اور کپڑے لے چلو مہو بیدار کو جواب مل گیا ہے۔ چنانچہ عشا کے قریب دوبارہ بلغنی کی گئی اور چند روز بعد شادی ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد اعلیٰ بی بی شمع میں اومیرہ والدہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور اس طرح بزرگوں کے صحیح مسلک کا ٹوٹا ہوا رشتہ بھی ختم ہو گیا۔

ایک ترک کی حکما واپسی کی حکمت

حافظ غلام حسین صاحب (علاقہ روات) بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ چوہ پندرہ میل کا سفر پیدل کر کے شام کے بعد گورنمنٹ ہینچ کر قہمبوس ہوا تو حضرت نے دعا فرما کر ارشاد کیا کہ حافظ صاحب آپ کو اجازت ہے ابھی واپس چلے جائیے۔ میں حیران ہو کر اسی طرح پیدل واپس چل پڑا آدھی رات کے وقت راستے میں گھر سے ایک آدمی آتا ہوا ملا جو میرے لیے یہ پیغام لا رہا تھا کہ والدہ قریب الملک ہیں۔ چنانچہ میرے گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی کے ایک ارادت مند محمد اقبال صاحب سکندر آبادیہ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ آپ کے ساتھ کراچی گئے تھے جہاں اگلے ہی روز حضرت بابو جی صاحب نے اصرار کر کے واپس بھیج دیا ان کے واپس پہنچتے ہی اُن کے والد نے وفات پائی۔

اپنا بچا ہوا پانی پلا کر نمازی بنا دیا

ملک خدابخش صاحب ثوانہ کا بیان ہے کہ انگریزی تعلیم اور انگریزوں کی ملازمت کا مجھ پر یہ اثر ہو گیا تھا کہ نماز کی پابندی بالکل جاتی رہی۔ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے پینے کے لیے پانی منگوایا۔ دو گھنٹہ خود نوش فرما کر باقی مجھے پلا دیا۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ پھر نماز کبھی نہیں چھوٹی۔

الغرض بے نماز، بے عمل اور بے ریش فیشن زدگان کے حق میں آپ نوش کردہ اور پس خوردہ، تریاق اور دام افست کا کام دیتے تھے، نظر مبارک و عطا کنتی تھی اور محبت اپنا کر راہِ راست پر لے آتی کبھی شادی زبان مبارک سے یہ فرمانے کی ضرورت پیش آئی کہ ایسا کیوں کرتے ہو اور ایسا کیوں نہیں کرتے جو شخص قریب آیا اور کچھ وقت قریب رہا۔ جس نے بیعت کی اور پھر گاہے گاہے خدمت میں حاضر ہوتا رہا وہ اسی رنگ میں رنگا گیا۔ اخلاص، محبت، استقامت اور دل کی تو نگری میں وہ اثر تھا کہ جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا مٹا کر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، بخدا آپ کی مجلس میں پہنچ کر خدا یاد آتا تھا اور دنیا بھول جاتی تھی۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیر کامل کے نشان گنوا کر فرماتے ہیں، اے مرید اگر تجھے ان نشانات کی شناخت میں وقت واقع ہو تو مومن لے کہ جس شخص کے حضور میں پہنچ کر تجھے دنیا کا خیال بھول جائے اور خدا یاد آنے لگے وہی کامل ہے۔ حضرت شیخ کے اس ارشاد کا ماخذ وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو قبولانِ خدا کی شان میں فرمایا کہ اذا رُدِّدَ ذِکْرُ اللہ (جب ان پر نظر پڑتی ہے خدا یاد آتا ہے) حضرت کی مجلس میں پہنچ کر مشنوی شریف کے اس شعر کا مفہوم دل پر نقش ہو جاتا تھا۔

ایک زمانہ صبحتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

نجیب الطرفین سیادت کا امتحان

کہرڈ پکا ضلع ملتان کے فقیر دوست ذیلدار ملک پرنس خان صاحب کا بنجو اُچ شریف کے آستانہ سے متعلق تھے بیان کرتے تھے کہ ہم اُچ شریف کے سادات کے مُریدوں میں مدت سے دوسرے مشائخ کے دعویٰ سیادت کی تحقیق کا ضبط چلا آ رہا تھا۔ جب حضرت قبلہ عالم پیر صاحب گولڑہ شریف قدس سرہ کی شہرت ہمارے وطن میں پہنچی تو ایک بار حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت موسیٰ پاک شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملتان شریف نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ جناب پیر صاحب گولڑوی رزاقی گیلانی سید ہیں۔ پھر میرے اپنے شیخ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ایک مرتبہ گولڑہ شریف گئے اور واپسی پر حضرت پیر صاحب کے کمالات کا تذکرہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ کی سیادت کے بارے میں تسلی ہونے کے بعد مجھے اپنے بزرگوں کی اس کہادت کو آپ پر آزمانے کا خیال پیدا ہوا کہ صحیح النسب اور نجیب الطرفین سید کی پشت پر درود شریف پڑھ کر پھونک دیا جائے تو وہ مُنہ پھیرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک بار اطلاع ملی کہ پیر صاحب پاک پن شریف کے عرس پر آئے ہوئے ہیں۔ میں کہرڈ سے ریل پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گیا اور گورکھ کشش کر کے ظہر کی نماز کے وقت آپ سے کھلی صف میں جگہ لے لی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر چلے تو اس تم غفیر میں آہستہ سے درود شریف پڑھ کر آپ کی پشت مبارک پر پھونک دیا۔ جس کے ساتھ ہی آپ مُڑ کر کھڑے ہو گئے اور غور سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے شرمندہ اور خوفزدہ ہو کر گردن جھکا دی اور سلام کے لیے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیے اور اُس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک آپ پھپھل نہ پڑے۔ اسی شرم اور رعب کی وجہ سے میں حاضر نہ ہوا اور پہلی گاڑی سے واپس آ گیا۔

مائیوس اور جاں بلب مرضیوں کا احیاء

ملوک کے تمام تذکرے اولیائے کاملین سے احیائے موتی کے تصرف کو روارکتے ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء اللہ علیہم السلام کے معجزات میں تو ایسے لوگ زندہ ہوتے رہے ہیں جن کی موت پر ایک زمانہ گزر چکا ہوتا تھا۔ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی کرامات سے تازہ مرنے والے یا عالم نزع کے مرضی باذن اللہ ہی اُٹھتے رہے ہیں۔ اس صنف میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات کو مستثنیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت کی برکت سے مائیوس مرضیوں کے شفا یاب ہونے کے تو بے شمار واقعات رونما ہوئے ہیں لیکن نزع کے عالم میں جب کہ موت کے فرشتے بھی نظر آنے لگ گئے تھے زندگی پالینے کے بعض مصدقہ واقعات کی بھی خبر ملتی ہے۔ جن میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کا واقعہ

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری کی موت اور سوال و جواب کے بعد زندہ ہو جانے کا واقعہ جو باب جذب سیاحت میں مذکور ہوا ہے، اگرچہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی سلاک میں آتا ہے لیکن بوجہ اُن کے حضرت کے ایک مقبول مُرید اور دیرینہ خادم ہونے کے یہ استخفاف کی دُعا اور توجہ ہی کا ثمرہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کے تمام تصرفات اور کرامات کا مدار اور مرکز وہی ذات کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تو ہے جس کے (صلی اللہ علیہ وسلم) معجزات خود اللہ تعالیٰ

کے افعال شمار کیے جاتے ہیں۔

حافظ نور محمد صاحب قوال کو نئی زندگی ملنے کا واقعہ

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ حضرت کے قبول قوال حافظ نور محمد کی نئی زندگی پانے کا ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے وصال کے دو برس بعد حافظ صاحب اپنے گاؤں لاوا ضلع میانوالی میں ذیل نوینیہ میں مبتلا ہوئے اور ڈاکٹر نے مائوسی کا اظہار کر دیا۔ ان کا بیٹا خادم حسین باپ کا سرگود میں لیے بیٹھا تھا کہ کچلی رات سخت بے چینی اور کرب کی حالت میں مریض پر غنودگی طاری ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اچانک یہ شعر گنگنا نے لگے۔

آتش شوقِ بستانِ در دلِ جانم باقی ست

اے اجلِ بخش کہ بایارِ بیانم باقی ست

(یعنی مجازی محبت کی آگ ابھی میرے دل و جان میں موجود ہے۔ اے اجلِ رک جا کر مجھے اپنے دوست سے کچھ کہنا ہے)

بیٹے نے متعجب ہو کر سب دریافت کیا تو کہا۔ ابھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تھے۔ فرمایا۔ حافظ! آنا چاہتے ہو یا ابھی رہنے کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا۔ خادم اور عبدالرحمن کا بیاہ کر چکا ہوں مگر منہ دیک کے بیاہنے کی حسرت باقی ہے۔ فرمایا یہ شعر پڑھو۔ اور جب میں نے پڑھا تو آنکھ کھل گئی۔

جب صبح ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو دونوں بھیچرے صاف تھے۔ حافظ سات برس اور زندہ رہا۔ اور اپنے تیسرے بیٹے غلام منہ دیک کے دوشے دیکھ کر فوت ہوا۔

پشاور میں مریضہ کو گولڑہ شریف سے دم شفا

میاں فضل الہی صاحب میٹھی (پشاور) کی اہلیہ بیمار ہو کر لا علاج قرار دی گئیں۔ ہزار ہارو پے صرف ہوئے۔ ڈاکٹروں کا بورڈ بٹایا گیا۔ اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ زندگی کی کوئی امید نہیں۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو خط لکھا کہ مریضہ کو گولڑہ شریف لارہا ہوں تاکہ اُسے اسی خاکِ پاک کی قبر نصیب ہو۔ حضرت نے خط سُن کر فرمایا۔ فضل الہی کو تار دے کر منع کرو۔ پھر فرمایا۔ شاید تار دیر سے پہنچے۔ فقیر عبداللہ صاحب کو روانہ فرما کر ہدایت کی کہ مریضہ کی چار پائی اپنے ماموں کریم بخش صاحب میٹھی مرحوم کے گھر اُس کمرہ میں جہاں حضرت پشاور جانے پر قیام فرمایا کرتے تھے نو سے ساڑھے نو بجے صبح اور نو سے ساڑھے نو بجے شام رکھ دیا کریں آپ یہیں سے دم کر دیا کریں گے چند روز ایسا ہی کیا گیا اور مریضہ کُل طور پر شفا یاب ہو گئی۔ میاں فضل الہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز گھڑی پر ساڑھے نو بجے، تو میں نے مریضہ کو جو غنودگی کے عالم میں تھی ہاتھ سے چھو کر کہا کہ وقت ہو گیا ہے اب چلیں۔ تو اُس نے کہا کہ اس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ میرے پاس بیٹھے ہوئے دم فرما رہے تھے آپ نے ناحق مجھے جگا دیا۔

جاں بلب مریض کا شفا پانا

ملکِ مہم صدانی صاحب ٹوانہ ایک ٹھیک مریض میں مبتلا ہوئے جس میں خلق اور ناک سے بے تحاشا خون جاری ہو گیا اپنے گاؤں سے یوہسپتال لاہور پہنچائے گئے جہاں میسٹریکل افسر نے لا علاج قرار دیا۔ ان کے عزیز کپستان ملک

محمد صادق صاحب ان امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر کو وہاں لے گئے۔ اُس نے کہا حالت خطرناک ہے مریض کو میرے کلینک میں لے چلو۔ خون کثرت سے بہہ رہا تھا اور انتہائی ضُعت کی حالت تھی۔ لیکن اچانک مریض نے آنکھیں کھول دیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، کمرہ کے دروازہ کی طرف دونوں ہاتھ پشیمانی پر رکھ کر سلام کیا۔ پھر ایک جھرجھری لے کر اُٹھ بیٹھے۔ خون اُسی لمحے بند ہو گیا۔ اور ضُعت اس حد تک جاتا رہا کہ باتیں کرنے لگے۔ کہا۔ میرا معالج پہنچ گیا ہے۔ اب کسی اور علاج کی ضرورت نہیں۔ اور بیان کیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تھے۔ دروازہ میں کھڑے ہو کر دریافت فرمایا۔ اوسے! تمہاں کے ہو گیا؟ (تمہیں کیا ہو گیا ہے؟) میں نے سلام کیا تو ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ گویا کہہ رہے ہیں کہ یہاں سے چلے چلو۔ اور پھر میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرت کے وصال سے تیس برس بعد ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے۔

نزع کے عالم میں اچھا کا ایک کتابی واقعہ

ملک غلام صدیقی کے عم زاد بھائی ملک محمد خدابخش صاحب ٹوانہ نے رسالہ نور اسلام شرق پور شریف میں حضرت کی اس طرح کی کرامت کا ایک برغود آزمودہ واقعہ اس طرح فرستم کیا ہے:-

۱۹۴۳ء میں میری اہلیہ ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو کر لیڈی اردن ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں داخل ہوئی اور ایک ہفتہ کے اندر مایوسانہ حالت کو پہنچ گئی۔ سردی کا موسم تھا۔ اُس کی والدہ چار بجے رات گھر آئیں اور کہا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ آخری وقت ہے بچوں کو لے چلو۔ انہیں دیکھنے کی حسرت دل میں نہ لے جائے۔ جب میں پہنچا تو اُس پر نزع کی سی کیفیت تھی۔ تین چھوٹے بچے مجھ سے پہلے پہنچ کر بستر سے لگے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے میرا منہ گولڑہ شریف کی طرف تھا۔ حضرت کا تصور آیا اور میں نے کہا: اللہ! ہم تیرے ولی کے دامن گرفتہ ہیں، اُس کا صدقہ رحم فرما! کوئی دمنٹ بعد مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے پہچانا اور اشارہ سے قریب بلا کر نحیف آوازیں کہاں۔ مجھے ابھی اپنے پیر کی زیارت ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تم اس مرض سے نہیں مرو گی، زیادہ بات نہیں کر سکتی پھر بتاؤں گی۔ بعد میں بتایا کہ دو شخص آئے اور مجھے اپنی گرفت میں لے لیا جس سے بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اتنے میں دیکھا کہ حضرت صاحب سانسے کھڑے ہیں۔ میں نے اُن دونوں سے کہا کہ اگر مجھ سے کوئی نیکی اپنی عمر میں ہوئی ہے تو اُس کے بدلے اپنے پیر سے بات کر لینے دو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا میں نے حضرت کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کی مرید ہوں، میری مدد فرمائیے۔ حضرت صاحب اُس وقت منہ موم معلوم ہوتے تھے اور خاموش رہے۔ مگر اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ دیکھو تمہارے مرشد کو تم لوگوں کی وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جاؤ اور ہوش کرو تم اس بیماری میں نہیں مرو گی۔

حضرت کے وصال کو اُس وقت پانچ برس ہو چکے تھے۔ مجھے آپ کے اس منہ و سخن کی بات سے اُس شفقت بے پایاں کے پے درپے واقعات یاد آنے لگے جو آپ اپنے بیٹے والوں کے حال پر فرماتے تھے۔ کسی ایک شخص کی مصیبت پر مطلع ہوتے تو بار بار آہ سرد منہ سے نکل جاتی۔ وہ شفقت اور رحمت جو آپ کو عزیز علیہ ما عینہم خیر لیس علیکم بالموہنین رُفِّ رَحِیم کے موصوف صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثے میں ملی تھی جن کی شان ہے کہ

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری بہ ہر نو ہزاراں سیہ کار داری
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ
 بِقُدْرَةِ رَحْمَتِهِمْ وَشَفَقَتِهِمْ عَلٰی خَلْقِكَ

اس کتابی واقعہ کے مطالعہ سے درگزر کے ایک مریض کی فوری شفا یابی

ملک محمد صادق خان صاحب توانہ بیان کرتے ہیں کہ میں درگزر کی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو بعض اوقات بڑی تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں ایک روز ملک خدا بخش صاحب کا وہ مقالہ پڑھا تھا جس میں اُن کی اہلیہ کی معجزانہ شفا یابی کا ذکر ہے۔ میں نے کہا یا الہی میں بھی آپ کے اُسی دلی اللہ کا دامن گرفتہ ہوں۔ مجھے بھی اُن کا صدقہ اس دردناک مرض سے شفا عطا فرمائیے۔ اور یہ کہ کہ مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ چند منٹ بعد مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی جس میں ایک بڑی سی پتھری نمودار ہوئی۔ کئی تکلیف کے باہر نکل گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں کبھی شفا یاب ہو گیا۔

اولیاء اللہ کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے

واضح ہو کہ علمائے تحقیق کے نزدیک اولیائے کرام کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بعد وصال اُنہیں روحانی تصرف اور زیادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین احمد کار سالہ نفعات القرب والافتصال باثبات التصرف لاولیاء اللہ تعالیٰ والکرامۃ بعد الانتقال قابل دید ہے۔

موت کے وقت مریدوں کی دستگیری

ملک سلطان محمود خان صاحب توانہ فرمایا کرتے تھے کہ اس قسم کے مسیوین خط حضور کی ڈاک میں موصول ہوا کرتے تھے جن میں آپ کے مرحوم مریدوں کے دُرائے لکھا کہ موت کے وقت مرعوبین نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور اپنے حسب استطاعت عزیزوں سے چارپائی یا کرسی لانے کو کہا کہ میرے حضرت تشریف لائے ہیں۔ ان واقعات سے علم سلوک کے اُس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ نزع کے وقت مرید صادق کو پیر کامل کی مدد پہنچتی ہے۔ خود راقم المحرور نے اپنے والد صاحب مرحوم کو بوقت وفات بار بار کہتے سنا کہ دیکھو حضرت صاحب تشریف فرما ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی علالت اور شفا یابی

خود حضرت بابو جی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی علالت کا واقعہ مشہور ہے کہ بیماری شدت پکڑ رہی تھی اور قبلہ عالم قدس سرہ کی طبع مبارک پر تشویش کے مطلق کوئی آثار نہ تھے۔ درس و تدریس اور ارشاد و اشغال میں وہی انہماک تھا۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اپنے اکلوتے صاحبزادے اور اس دربار غوثیہ اور خاندان عالیہ کے اکیلے چشم و چراغ و ارث کی اس خطرناک حالت کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں۔ خدا مروت و روبرو کر عرض کرتے تو فرمادیتے تھے کہ علاج کرو۔ کسی اور بڑے طبیب کو بلو۔ آخر ایک مزدانوں نے کہہ دیا کہ اب دو کی نہیں دوا کی ضرورت ہے۔ پھر سے غدرات عالیہ اگر روبرو کروا کر گئیں۔ بابو جی صاحب قدیم مہمان سرائے

میں باغ کے سامنے والے کمرے میں صاحب فراش تھے اچانک ہوش میں آکر پین م بھجوا یا کہ تشریف لا کر مجھے آخری وقت بیعت فرما جائیے تشریف لائے اور بیعت فرمایا۔ اُسی وقت ان پر نزع کے سے آثار طاری ہو گئے اور حاضرین میں کُرام مچ گیا۔ حضرت اس حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور اکیلے اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ کہتے ہیں کہ ادھر آپ حجرہ شریف میں پہنچے ادھر بابو جی صاحب قبلہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حجرہ شریف میں حاضر ہوئے اور قدمبوسی کی۔

اطلاع بر غیب اور اس قبیل کے بعض واقعات

کراماتِ حسیہ کی یوں تو کئی اقسام ہیں لیکن ان میں امورِ غیب پر بَرِ اذنِ الہی مطلع ہو جانا ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اور پھر کسی کے دل میں پوشیدہ بات کو معلوم کر لینا اور بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ جس چیز کا عالم شہادت میں ابھی تک ظہور نہیں ہوا اُس پر مطلع ہونا نسبتاً زیادہ مشکل ہے۔ گو یہ چیزیں بعض علومِ لطیفہ کے ذریعے بھی حاصل ہو جاتی ہیں مگر اولیائے کرام کے الہامی اور کشفی علوم اور علومِ لطیفہ کے ذریعے حاصل کردہ امور میں کافی فرق ہے۔ کیونکہ دلی کامل کی صفات کاملہ علم، سمع، بصر، حسبِ حدیثِ قدسی فی یَسْمَعُ وَیَبْصُرُ ایک خصوصی شان کی حامل ہوتی ہیں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شہادت دے رہا ہے اَتَقُوْا اَمْرَ اَسَۃِ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ۔ (مومن کامل کی فراست سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) اس سلسلہ میں حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کے متوسلین سے کئی واقعات منقول ہیں جن میں سے چند ایک ایسے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو راقم الحروف نے قبلہ بابو جی مدظلہ العالی اور اپنے والد مرحوم سے بارہا سُنے۔

مقبولانِ خدا کے آثار کی تعظیم مگر اولاد سے تغافل

قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ہندوستانی شخص حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت فقر و ولایت سے متاثر ہو کر اس خیال سے پاک پتن شریف حاضر ہوا کہ آپ کے سجادہ نشین سے بیعت کروں گا لیکن وہاں پہنچ کر دل میں صاحبِ سجادہ حضرت دیوان صاحب پر معترض ہو کر حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس شخص کو دیکھ کر مجلس میں ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے بعض لوگ حضراتِ مقبولانِ خدا کی محبت اور تعظیم میں اُن کے مشاہد و مقابرا اور آثار و تبرکات کا تو احترام کرتے ہیں مگر اُن کی اولاد کا احترام نہیں کرتے جن کے رگ و ریشہ میں ان حضرات کا خون جاری و ساری ہے۔ حالانکہ ایک مجازی محبتِ مجنوں، لیل کے نام کی نسبت سے لیل یعنی رات اور ہر سیاہ چیز سے محبت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

أَحَبُّ لِحُبِّهَا السُّودَاتُ حَتَّى

أَحَبُّ لِحُبِّهَا السُّودُ الْكَلَابُ

یعنی میں لیل کی محبت کی وجہ سے ہر سیاہ چیز کو دوست رکھتا ہوں یہاں تک کہ اس کی محبت میں مجھے کالے گتے بھی پیار سے لگتے ہیں۔

یہ سن کر وہ شخص نام نہاد اور اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا۔ اس سلسلہ کا ایک اور واقعہ جس میں دیوان صاحب پاک پتن شریف کے مافی الضمیر پر مطلع ہو کر حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ نے آپ کے شبہ کا ازالہ فرمایا تفصیلاً بابِ پنجم میں گذر چکا ہے۔

ارادتمند کے ضمیر پر مطلع ہو کر اُس کی پسند کے سلسلہ طریقت میں بیعت فرمایا

والد مرحوم فرماتے تھے کہ ہمارے اسلاف جو شمالی سندھ کے بلوچ قبائل سے تھے، گھوٹکی ضلع سکھر کے ایک گیلانی بزرگ حضرت مخدوم موسیٰ شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمند تھے جو حضرت سلطان العارفين بابو رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس لیے مجھے ابتداء ہی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کا شوق تھا متعدد خانقاہوں پر حاضری دی مگر کہیں اطمینان نہ ہوا ایک دفعہ ایک خلوت نشین صد سالہ عمر بزرگ بابا نور صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوا جو ڈیرہ اسماعیل خان سے شمال کی طرف ایک قصبہ خسور میں رہتے تھے اور بڑے صاحب کشف مشہور تھے۔ انہوں نے فرمایا ابھی کچھ وقت باقی ہے خاطر جمع رکھو ہمیں ایک گیلانی بزرگ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کا شرف حاصل ہو گا جو اپنے وقت کا غوث ہو گا۔ بابا صاحب کی اس پیش گوئی نے میرے شوق کو اور بھی تیز کر دیا کچھ عرصہ بعد جب میرے چھوٹے بھائی حافظ اللہ بخش صاحب قصبہ گھوٹا ضلع ملتان میں بغرض تعلیم مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی کے درس میں داخل ہوئے تو میری آمد و رفت بھی اُدھر زیادہ ہونے لگی اس اثنا میں حضرت قبلہ عالم قدس برتر کا ذکر خیر کثرت سننے میں آتا۔ اور آپ کی طرف دل کھینچنے لگا چنانچہ ایک مرتبہ میں اُس علاقہ میں تھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس خان گرٹھ شریف لائے اور مجھے پہلی بار شرف زیارت حاصل ہوا۔ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا جو حق و درجہ بیعت ہو رہے تھے میں نے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی تو فرمایا: بٹھرو کل ملنا۔ مجھے آپ کے اس ارشاد کے بعد سخت پریشانی ہوئی خصوصاً جب یہ معلوم ہوا کہ آپ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں تو اور بھی زیادہ فکر و انگیز ہوئی کہ شاید میری منزل حسب پیش گوئی مذکورہ بالا ابھی دُور ہے۔ دوسرے دن حاضر ہوا تو خود ہی فرمانے لگے، تمہارے اسلاف سلسلہ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے مشائخ کرام سے سلسلہ چشتیہ اور قادریہ ہر دو میں بیعت کرنے کی اجازت ہے تمہیں سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا جائے گا۔ پھر نہایت شفقت سے بیعت فرما کر اوراد و وظائف بتدقیق فرمائے جب گھر واپس آیا تو اپنے والد حافظ غلام اسحق صاحب سے ذکر کیا۔ چونکہ انہیں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات سے نہایت محبت تھی، یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا خدا کرے کبھی مجھے بھی حضرت کی زیارت نصیب ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ جب پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت بھکڑے گڈرے تو والد صاحب اسٹیشن پر آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کے بعد بار بار فرمایا کرتے تھے کہ حافظ تمہارے پر صاحب کے متعلق جس طرح سنا اُس سے بد رہا زیادہ پایا۔ اولیاء اللہ میں ایسے متعدد حضرات بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ سب معنوں میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین ہیں۔ راقم کے خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت میں محمود قادری اور دیگر اسلاف کا ذکر کتاب مناقب سلطان میں بھی آچکا ہے۔

قطب الوقت کے اوصاف کا بیان اور اُس کا مشاہدہ

والد مرحوم فرماتے تھے "ایک سال پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت قبلہ عالم قدس برتر کو در (علی عین) ضلع مظفر گڑھ میں خان غلام رسول خان صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے۔ مجھے بھی حاضری نصیب ہوئی۔ مجلس میں قطب الوقت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے دل بہ اذن الہی قطب الوقت کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ چاہے اپنی طرف متوجہ کرے چاہے بنادے میرے دل میں خیال آیا کہ آنجناب سے بڑھ کر اس وقت کون اس صفت پر فائز ہو سکتا ہے کیا سی اچھا ہوا کہ آپ کی بیان کردہ علامات کا مشاہدہ ہو جا تا رہا جب روانگی کا وقت آیا تو آپ کی جیب ڈاک بنگلہ سے ریلوے اسٹیشن

کو روانہ ہوئی۔ اُس وقت میرے ایک دوست اور پیر بھائی سید غلام محیٰ شاہ صاحب جو ایک ذاکر و شافعِل بزرگ تھے صوبہ سرحد کے علاقہ سے دریائے سندھ عبور کر کے اہل خانہ سمیت زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے مجھے کہا کہ میں بڑی تکلیف اٹھا کر اہل خانہ کو زیارت کے لیے لایا ہوں حضرت سے عرض کریں میں نے کہا۔ اب تو گاڑی کا وقت قریب ہے اور لوگوں کا ازدحام اس قدر ہے کہ جیب کو چلنے نہیں دیتے۔ لیکن شاہ صاحب کے زیادہ اصرار پر بڑی مشکل سے آپ کے پاس پہنچ کر عرض کیا۔ پہلے تو آپ نے فرمایا کہ اب موقع نہیں لیکن چونکہ آپ سادات کرام کا خصوصی خیال فرماتے تھے آپ نے تھوڑا سا تامل فرما کر جیب کو ادنیٰ جونی آپ اترے لوگ اُمنڈ آئے اور آپ کا چلنا دُشوار ہو گیا۔ شاہ صاحب کے اہل خانہ کافی فاصلہ پر تھے۔ ہم نے لوگوں کو شدت سے ہٹانا شروع کیا تو آپ نے فرمایا۔ کچھ نہ کوٹھہر جاؤ۔ بس آپ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ جہاں بھی کوئی آدمی تھا طلسم بن کر رہ گیا۔ اور کسی کو آپ کے پاس پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ نے باطنیان شاہ صاحب کے اہل خانہ کو بیعت فرمایا اور پھر واپس آکر جیب میں سوار ہوئے۔ اس اثنا میں گاڑی اسٹیشن پر پہنچ چکی تھی لیکن قدرتی طور پر کسی وجہ سے اُسے بھی رُکنا پڑا یہاں تک کہ آپ سوار ہوئے اور کافی دیر بعد گاڑی روانہ ہوئی۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت نے میرے خیال پر مطلع ہو کر مشاہدہ کرا دیا۔

راقم الحروف کی بیعت اور اُس کے متعلق ایک مجذوب کی اطلاع برغیب

نیازمند مؤلف جب صفر ۱۳۵۶ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے وصال سے چند روز پہلے بمقام پندرہ سالہ پسی بار گولڑہ شریف حاضر ہو کر آپ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوا تو اُن دنوں والد صاحب صوبہ سرحد کی طرف گئے ہوئے تھے۔ میرے گولڑہ شریف سے واپس ہونے کے بعد جب گھر تشریف لائے اور میرے متعلق گولڑہ شریف جانے کا ذکر سنا تو فرمانے لگے۔ میں نے تو مجنونانہ کلام سمجھ کر چنداں خیال نہ کیا تھا مگر بات سچی نکلی۔ پھر سارا واقعہ بیان فرمایا کہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک مجذوب صورت شخص نے مجھے کہا تمہیں اپنے پیر صاحب یاد کر رہے ہیں میں نے اس کی بات پر چنداں توجہ نہ دی اور چلا گیا۔ دوسرے روز پھر وہاں سے گذرنا وہ کہنے لگا۔ تم نے میری بات نہ سنی، تمہارا لڑکا تو پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے پھر بھی یہ بات قرین قیاس معلوم نہ ہوئی کیونکہ تمہارے متعلق مجھے یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ پہلی بار اُسے دور دراز سفر پر اکیسے چلے جاؤ گے۔ اور نہ کوئی اور ساتھ جانے والا آدمی خیال میں تھا۔ پھر مجھ سے سفر کی کیفیت اور گولڑہ شریف کے حالات پوچھے میں نے عرض کیا کہ ۲۳ صفر بروز آخری چہار شنبہ قبل دوپہر اچانک کسی کو اطلاع کیے بغیر گھر سے روانہ ہو گیا۔ قریب زوال اسٹیشن ہل سے ریل پر سوار ہو کر ۲۴ صفر بروز جمعرات صبح گولڑہ شریف حاضر ہوا جب لوگ حضرت کی مجلس میں جانے لگے تو میں بھی مجلس خانہ میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپ چار پانی پر ایک بڑے تکیہ سے پشت مبارک لگا کر آرام فرماہیں۔ اور ایک شخص قرآن شریف تلاوت کر رہا ہے۔ باقی سب مجلس خاموش ہے۔ بعد ازاں دعا ہوئی اور لوگ آپ کی زیارت کرنے لگے میں نے حاضر ہو کر آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک سفید ریش شخص کو کہا میں بیعت ہوتا ہوں۔ اُس نے میرا ہاتھ حضرت کے سینہ مبارک پر رکھا اور آپ کا مبارک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا۔ اُس وقت آپ نے قدرے چشم مبارک کھول کر نظر فرمائی۔ پھر اُس شخص نے کہا اپنا ہاتھ منہ پر پھیر لو۔ پانچ وقت نماز پڑھتے رہنا۔ اور دُعا باریک شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ اور دُعا باریک شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ صبح کی نماز کے بعد پڑھا کرنا۔

یہ سننے ہی والد صاحب پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا سبحان اللہ میرے حضرت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت عطا فرمائی ہے۔ مجھے کئی بار تیس گولہ شریف لے جانے کا خیال ہوا مگر پورا نہ ہو سکا۔ الحمد للہ کہ آپ نے میری اس دلی تمنا کو پورا فرما دیا؟ پھر فرماتے تھے کہ میرا خیال تھا کہ آج کل بعض آدمی نقلی مجذوب بن کر دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں مگر ذریعہ اسمعیل والا شخص واقعی صاحب کشف مجذوب تھا جس دن اُس کی میرے ساتھ بات ہوئی، تمہارے بیان کے مطابق اُسی دن تمہارا گولہ شریف جانا ہوا۔ پھر فرمایا کہ حضرت کی مجلس میں قرآن خوانی غالباً آپ کے پیر و مرشد حضرت اعلیٰ سیالوی کے یوم وصال کے سلسلے میں ہوئی جو ۲۴ صفر کو ہوتا ہے اور وہ سفید ریش شخص آپ کے مصاحب خاص مولوی محبوب عالم صاحب ہوں گے۔ اس کے چند روز بعد آل جناب ۲۹ صفر کو دار فانی سے انتقال فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ آنجناب کی نظر کرم کا نتیجہ تھا کہ رقم نے جامعہ فقیہ احمدیہ لاہور میں ولانا حافظ محمد صاحب سے درس نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۱ء سے جامعہ غوثیہ گولڑا شریف میں خطابت، تدریس اور افتاء کے فرائض سنبھالے ہیں۔

حضرت جس قدر غریب نواز تھے اُسی قدر غیور بھی تھے

والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ ہمارے حضرت جس قدر مہربان اور غریب نواز تھے اُسی قدر غیور بھی تھے چنانچہ میرے ایک پیر بھائی نے جو مراد آباد ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے بیان کیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی مجھ پر بڑی مہربانی تھی۔ اور میں ذوق و شوق اور سیر و سلوک میں کافی ترقی پر تھا۔ کچھ خانگی مجبوریوں اور دُوری کی وجہ سے گولہ شریف کی بجائے حضرت سلطان العارفين ہاں سورجۃ اللہ علیہ کے مزار پر کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک دن بحالت مراقبہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلطان صاحب مجھے اپنی بغل میں لے کر پرواز فرما رہے ہیں۔ جب چوتھے آسمان سے آگے نکلے تو سامنے سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بڑے جلال میں نمودار ہوئے اور جوش میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں دیکھوں گا تجھے سلطان صاحب کہاں اُڑا لے جاتے ہیں۔ یہ سننے ہی میں سلطان صاحب کی بغل سے جدا ہو کر ایک گندے پانی کے گڑھے میں جا گرا اور وہ سب کیفیات گوعانی سلب ہو گئیں۔ کافی آہ و زاری کی مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی وہ عنایت نہ رہی۔ اس کے بعد والد صاحب نے فرمایا کہ اپنے شیخ کے ساتھ عقیدت میں ہرگز فرق نہیں آنے دینا چاہیے۔ اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے حضرت کے وصال سے کچھ عرصہ بعد سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور شیخ کی مجلس وعظ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ ہمارے خاندان کو جانتے تھے۔ وعظ کے بعد مصافحہ کیا تو بڑے جوش سے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ حافظ جی! ولایت صغریٰ کی ضرورت ہے تو ابھی اس مقام پر پہنچائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کی مہربانی، مجھے اپنے حضرت کی نظری کافی ہے۔ اس واقعہ کے بعد خواب میں میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی وہ عنایت اور مہربانی مشاہدہ کی جو بیان سے باہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شیخ سے بات کرتے وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ یہ سب کچھ مشاہدہ فرما رہے تھے۔

دستِ پیر از غائبان کو تازہ نیست

دستِ اوجہ قبضۃ اللہ نیست

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ یہ بابرک تصنیف میری بہ مہربانی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بحیرہ غوثی انعام کو پہنچی۔

مولف ناچیز و نیازمند بارگاہِ مہربانہ

فیض احمد فیض عفی عنہ آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑا شریف، ضلع اسلام آباد

تمت

اگرچہ حسن تو از بہر غیر مستغنی است
من آل نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

حضرت شیخ اکبر سیدنا محی الدین ابن العربیؒ خصوصاً محکمؒ میں فرماتے ہیں کہ دلی درحقیقت وہ ہے جو فنا فی اللہ ہو جائے کیونکہ ولایت حق تعالیٰ میں بندہ کے فنا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بشریت کی جہت کو رُبُوبیت کی جہت میں بالکل نیست و نابود کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ولایت کی ابتدا سفرِ اول کی انتہا سے ہوتی ہے۔ اور سفرِ اول یہ ہے کہ خلق سے حق کی جانب، مظاہر اور انبیاء سے تعین کو زائل کر کے سیر کرے، تقیدات اور حجابات سے بچے اور منازل و مقامات کو طے کرتے ہوئے مراتب و درجات حاصل کرے۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی تجلی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی تجلی اُس پر ہوتی ہے جس سے اُس کے اپنے نشانات مٹ گئے ہوں اور اُس سے اُس کا اپنا اسم زائل ہو گیا ہو۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل سلوک نے جملہ مقامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے: ”علم الیقین“، ”عین الیقین“ اور ”حق الیقین“۔ ”علم الیقین“ یہ ہے کہ انسان شے کو اُس کی اصلی حالت سے تصور کرے۔ ”عین الیقین“ یہ ہے کہ شے کو اُس کی اصلی حالت سے مشاہدہ کرے۔ اور ”حق الیقین“ یہ ہے کہ انسان حق میں فنا ہو جائے۔ اور علم، مشاہدہ اور حال ہر تین میں حق تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل کرے۔

حضرت سیدنا مہر علی شاہ صاحبؒ اُن اولیائے عظام میں سے تھے جنہوں نے اپنے مجاہدہ، مشاہدہ، علم اور فضلِ الہی سے حق الیقین میں ایک نہایت ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جمالِ ظاہری کے ساتھ ساتھ کمالِ روحانی بھی بدرجہ اتم عطا فرمایا۔ آپؒ اپنے جدِ امجد، سرچشمہ کا ملاں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالہت اور جیلانی اور سلسلہ سچست اہل بہشت کے گوہر صدانوار حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کے صحیح جانشین اور مظہر تھے۔ علم لدنی کا گنج بے کراں آپؒ کو عنایت ہوا تھا۔ آپؒ کا وجود اقدس بیسویں صدی کے مسموم زمانہ میں بنی نوع انسان کی ایک کثیر تعداد کو گمراہی سے بچانے کا موجب ہوا اور لاکھوں افراد آپؒ کے فیضانِ روحانی سے مستفید ہوئے۔ آپؒ کے اوصاف و کمالات کو صحیح طور پر بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ آپؒ متصف باوصاف اللہ تھے۔ تاہم مولانا فیض احمد صاحبؒ کی یہ کوشش اس لحاظ سے قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے اس مردِ کامل کی زندگی کے حالات بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے پیرِ قلم کیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر بخشیں اور پڑھنے والوں کے لیے اس کتاب کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے اس کی برکت سے انہیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

فیضانِ الہی کا جو چشمہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی ذاتِ بابرکات سے جاری ہوا تھا وہ ان کے وصال کے بعد بھی بدستور رواں ہے اور خلقِ خدا روز افزوں تعداد میں آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر فیضِ یاب ہو رہی ہے۔ حضرت کے

سراپا اخلاق و محبت اور منکر المزاج فرزند حضرت بابو جی قدس سرہ اپنی زندگی میں اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی اولادِ مہتمم ہر وقت اور ہر طرح سے زائرینِ آستانہ اور مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے اس گلشن کو مدا سر بہز رکھیں اور آلِ اطہر کا یہ گہرانہ ہمیشہ آباد رہے۔

ایں دُعا اَز من دَاذ جملہ جہاں آمین باد
آخر میں قصیدہ مہرنا کے چند چیدہ اشعار کے ساتھ اس مختصر گزارش کو ختم کیا جاتا ہے۔

محمد حیات خان

محمد فاضل خان

قصیدہ مہرنا

شہسوارِ وسعتِ میدانِ ہو پاکِ طینتِ سیدِ پاکیزہ خو
گوشِ دارے بر صدائے فانیچند فدا شرحِ ساز آیہ لا تَقْنَطُوا

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آئندہ آمد گشتِ فخرِ اولیں

خاصہ حقِ آلِ ختمِ المرسلین نورِ البصارِ امیرِ المؤمنین
جانِ جانِ پیرِ کاملِ نذرِ دیں جلوہ گاہِ نورِ شمسِ العارفین

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آئندہ آمد گشتِ فخرِ اولیں

کامل و اکمل حصولِ مدعا مالکِ دلِ معرِ کسارِ ہدا
کوہِ حلم و مصدِرِ رحم و عطا مہرِ عالمِ مہرِ دلِ مہرِ سما

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آئندہ آمد گشتِ فخرِ اولیں

گوہرِ نایابِ بحرِ چشتیا خوش نوائے طوطیِ باغِ رضا
قلعہ دیں کعبہ صدق و صفا خواجہ مہرِ علی شاہ مقدا

معدنِ انوارِ مہرِ عالمیں
آئندہ آمد گشتِ فخرِ اولیں

یہ قصیدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں منشی رجب علی صاحب جوہر مرحوم و مغفور نے لکھا تھا۔

سَيِّدِنِي مَهْرٍ عَلَى صَاحِبِ عَطَا أَنْتَ هَادِي أَنْتَ مَوْلَى حَقِّ نُمَا
أَنْتَ مَاوِي أَنْتَ مُلْجَا فِي الرَّجَا عَالِمِ سِحْرِ الْبَيَانِ نَشْرُ الْهُدَا

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

مسکب او جہادہ تحقیق گشت مثل حاتم وادریق گشت
از عمل عسکرم الہ تصدیق گشت بر کمال فضل او تطبیق گشت

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

الْغِيَاثُ أَسَ مِنْهُ نُورٌ قَدِيمٌ الْغِيَاثُ أَسَ كَاشِفٌ بِرِّ عَزِيمٍ
الْغِيَاثُ أَسَ مِنْهُ دَوَا كَرِيمٌ كُنْ حُصْنًا رَاحَةً لِقَلْبٍ سَقِيمٍ

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

بندہ مہر علی جوہر گدا بر در آمد آسے شہ عفتہ گشا
کُنْ دَوَا بِدَلِّ بَهِرِ حُصْنَا تَا شُوْدَ حَاصِلِ مَرَاكَلِ شَفَا

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

بِنْدَةُ عَاجِزٍ غَلَامٍ مُخَيِّ دِيْنِ مِلَّتِجِي ہے تجھ سے رب العالمین
سُنْ دُعَا يَہ بِہَرِ حَسَنِمِ الْمُرْسَلِيْنِ تَا اَبَدِ حَضْرَتِ رَہِیْنِ مَسْنَدِ نَشِيْنِ

معدن انوار مہر عالمیں

آخند آمد گشت فخر اولیں

کوائفِصال حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ عالم پیر سید مر علی شاہ صاحب قدس سترہ العزیز کے اکلوتے فرزند جلیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف بابو جی کے مختصر حالات زندگی اس کتاب کے چھٹے باب کی آٹھویں فصل میں تحریر کیے جا چکے ہیں۔ ۳۷ برس تک گولڑہ شریف کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما رہنے کے بعد ۲۲ جون ۱۹۷۷ء (۲ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ) کو حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وصال فرمایا۔ چنانچہ مہر منیر کے اس تازہ ترین ایڈیشن میں نہایت اجمالی طور پر آپ کے کچھ باقی ماندہ حالات اور آپ کے وصال کے کوائف ایک علیحدہ فصل کی صورت میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ حضرت بابو جی کی حیات مبارکہ کے کما حقہ تفصیلی حالات بیان کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دُعا ہے کہ وہ ایسی کتاب کی تحریر، تدوین و اشاعت کے اسباب جلد از جلد پیدا فرمائے۔

جب قبلہ عالم حضرت اعلیٰ نے خلق خدا کو ایک طویل مدت تک اپنے بے نظیر علمی اور روحانی کمالات سے تنفیض کرنے کے بعد بالآخر ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء (۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ) کو رفیق اعلیٰ کی جانب سفر فرمایا تو آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے معاملات کی دیکھ بھال اور حضرت کے سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری رکھنے کی ذمہ داری کلیدیہ حضرت بابو جی کے (بقول اُن کے "ضعیف") کندھوں پر آن پڑی۔ جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۳۶۸ پر لکھا جا چکا ہے۔ حضرت بابو جی نے حضرت اعلیٰ کی اجازت کے باوجود اُن کی زندگی میں بیعت و ارشاد کی ذمہ داری اٹھانے میں عرصہ تک تامل فرمایا تھا اور اُس وقت تک اس پر آمادہ نہ ہوتے تھے جب تک کہ حضرت نے آپ کی پیہم درخواست پر یہ وعدہ نہ فرمایا کہ اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کا ذمہ دار میں ہوں۔ تاہم حضرت کے وصال کے بعد خلق خدا نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اپنے عالی مرتبت والد سے تربیت یافتہ اس مرد عظیم نے اپنے گراں بار فرائض کس عزم، حوصلہ اور خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور اپنے حضرت کے شروع کردہ سلسلہ فیضان کو کس خوبی سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت بابو جی کی ذات گرامی کے گرد بالکل اُسی طرح گھومنے لگا جیسے کہ خود حضرت اعلیٰ کے گرد آپ کے دور مبارک میں گھوما کرتا تھا۔

اسلامی اقدار کی ترویج

اپنے والد بزرگوار کی طرح اسلامی اقدار اور اخلاق کی ترویج و ترقی کو حضرت بابو جی نے ہمیشہ اپنا اولین مقصد حیات سمجھا۔ جہاں تک دنیوی معاملات کا تعلق ہے قیام پاکستان سے پہلے آپ نے صحیح اسلامی روایات اور سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق راستہ اختیار فرمایا یعنی نہ ہی اُس وقت کی انگریز حکومت کا آلہ کار بننا گوارہ کیا اور نہ ہی ہندو کانگریس کے اختراع کردہ واحد ہندوستانی قومیت کے نعرہ کو تسلیم کیا بلکہ برصغیر میں ایک علیحدہ آزاد مسلمان مملکت کے حصول و قیام کے لیے جس کا مقصد اولیٰ ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل تھا، آل انڈیا مسلم لیگ کے منشور کی پر زور حمایت فرمائی۔ یہاں تک کہ اپنے بعض اکابر متعلقین کے نظریات کی پرواہ بھی نہ کی جو اُس کے برعکس تھے اور اپنے تمام بیٹے والوں کو یہی مشورہ دیا کہ اس وقت مسلمانان

برصغیر کی بہتری اسی میں ہے کہ مسلم لیگ کی مکمل اور متفقہ حمایت کی جائے۔ تاہم جماعتی سطح پر اپنے اس نظریہ کے باوجود پاکستان بن جانے کے فوراً بعد ہندوستانی باشندوں کی طرف سے پہل کے نتیجے میں جب ہر طرف فرقہ وارانہ قتل و غارت کا بازار گرم ہوا تو آپ نے عظیم اسلامی روایات پر عمل کرتے ہوئے گولڑہ شریف کے غیر مسلم باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کا نہ صرف پورا پورا انتظام فرمایا بلکہ وقت آنے پر انہیں اپنی ذاتی نگرانی میں ہندوستان رخصت فرمایا۔

تحریک ختم نبوت

حضرت بابو جی کے متذکرہ بالا اقدامات خالصتہ جذبہ اخوت اسلامی کی بنا پر تھے۔ ورنہ ملکی سیاست میں آپ نے براہ راست عملی حصہ کبھی نہ لیا اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے۔ البتہ جب کبھی اسلامی اقدار کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی آپ نے اپنی تمام تر کوششیں اس مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور اُس وقت کی مسلم لیگی حکومت کے اس رویہ سے سخت شاکی رہے جو اُس نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے اختیار کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو ملک محض حضور خاتم النبیین کی نظر کرم کے صدقے میں معرض وجود میں آیا۔ اُس کے عمائدین حضور کی ختم نبوت کے شیدائیوں سے کیسا بے دردانہ سلوک کر رہے ہیں۔ لہذا ختم نبوت کانفرنس میں بھی آپ نے تمام مکتیب فکر کے راہنماؤں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جلسے جلوس میں اصولاً استرازا کے باوجود اس کانفرنس کے کئی اجلاس میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں اُس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد، وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور دوسرے زعمائے حکومت سے اس مسئلہ کے مناسب اور مستقل حل کے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۴۷ء کے شروع میں جب ختم نبوت کی تحریک نے پھر زور پکڑا اُس وقت حضرت بابو جی اپنی علالت کے باوجود اُس میں بہت دلچسپی لیتے رہے ہسپتال میں بھی جو شخص عیادت کے لیے آتا اُس سے تحریک کے متعلق باتیں پوچھتے۔ الحمد للہ کہ جمہور اہل اسلام کا متفقہ مطالبہ جس کی ابتدا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنے زمانے میں موجودہ عیسوی صدی کی ابتدا میں رکھی تھی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے بالآخر ان مقبولانِ خدا کی کوششوں سے ۱۹۴۷ء میں تسلیم کر لیا گیا۔

جنگ بھارت و پاکستان

۱۹۶۵ء کی جنگ بھارت و پاکستان کے دوران بھی جب ملک کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق تھا حضرت بابو جی نے ملک و ملت کی بھرپور اعانت فرمائی اور علاوہ اور باتوں کے آپ نے خلافِ عادت ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے تمام اہل پاکستان کو بالعموم اور اپنے متعلقین کو بالخصوص ان الفاظ میں خطاب فرما کر اس جہاد میں حصہ لینے کی ہدایت فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عِزَّتِہٖ

الظَّاهِرِیْنَ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اما بعد براہِ ران تبت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اب تک اگرچہ سیاسیات اور دنیاوی جمہیلیوں سے دور رہا ہوں مگر آج جب کہ ملک و ملت کو نہایت ہی پرخطر اور

مشکل حالات کا سامنا کسی طرح بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ ملک و ملت کی خدمت اور اعانت مسلمان کا فرض اولین ہے۔
ارشاد و اعلان خداوندی ہے لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ فی الحقیقت ازلی و ہمیشہ سزاوار
اور لافانی حکومت اور ستائش صرف اُسی ذات کی ہے اور وہ پوری طرح ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی عالمِ مطلق و برحق کا
ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنْ لَّہُمْ الْجَنَّةَ۔

بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے اُن کی جانوں اور مالوں کا جنت کے بدلے سودا کر لیا ہے۔ اسی بنا پر فرزندِ ان
اسلام کے ہر فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک و ملت کی سالمیت کے لیے تن میں دھن پیش کر دے اور اس سونے میں
پورا اُترے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر ہم سب پر ضروری ہو گیا ہے کہ اس جہاد میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں اور اپنی ساری
صلابتوں کو بروئے کار لائیں۔ میں اپنے متعلقین اور مخلصین کی اُن خدمات پر جو وہ اللہ دامت برکاتہ و تعالیٰ علیہم اجمعین کی بھری
ہوائی حفاظتی اور معاشرتی شعبہ جات میں نہایت اخلاق، بلند حوصلگی، پُر دلی اور پامردی سے سرانجام دے رہے ہیں نہایت
ہی مسرت اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اس ملی و قومی جدوجہد اور شدید آزمائش کے وقت
حکومت کے ساتھ ہر تعاون کے لیے تیار اور ہر طرح سے شریک حال ہوں۔ پوری قوم خصوصاً میرے مخلصین کی جانفشانی اور بے ثلوث
خدمات کی ہر آواز میرے کانوں تک پہنچ کر میری خوشیوں اور مسرتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے اور دل سے اَللّٰھُمَّ
رِزْقِ فِرْذَکَ کَافِرَہً نکلتا ہے۔ ہماری کامیابیاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں۔ ہم کو جبہ و وقت اُس رب اکبر کا شکر ادا کرتے رہنا
چاہیے۔ حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے عہد کریں کہ اُس کے اوامر کا احترام اور نواہی سے اجتناب کریں گے۔

میں دستِ بدعاہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام اُمتِ مسلمہ کا عموماً اور مسلمانانِ پاکستان کا خصوصاً حامی و ناصر ہو اور اپنے حبیب
پاک کے صدقے میں اور اپنے مقبولین کے طفیل ہمیں فتح و کامیابی ارزانی فرمائے۔ آمین۔ اِس دُعا ازمن و ازجملہ جہاں آمین باد۔
ویسے بھی حضرت بابو جی پاکستان کی سلامتی اور بہبود کے لیے دل سے خواہش مند اور دُعا گو رہتے تھے اور اسی وجہ سے
آزادی کے بعد کے مختلف پُر آشوب اُدار میں نامساعد حالات، سیاسی تعطل و بحران، اسلامی نظام اور اقدار کے نفاذ میں
مسلل التواء، کنبہ پروری اور اقربا نوازی میں اضافہ، ذاتی مفاد پر قومی بہبود کی قربانی اور اس طرح کے دیگر مایوس کن کوائف
کی بنا پر اکثر اظہارِ تاسف فرماتے اور قوم اور عوام کی اصلاح کے لیے درد مندانه دُعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت بابو جی نے اصولاً کبھی عمائدینِ حکومت سے راہ و رسم نہ بڑھائی اور اپنے اجداد و کرام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے
کبھی سربراہانِ مملکت کی ملاقات کو نہ گئے۔ یہ بات عمائدینِ حکومت کو پسند نہ آئی اور سنہ ۱۹۶۱ء میں باوجود اس کے کہ دربارِ عالیہ
گولڑہ شریف حسن نظم و نسق کے اعتبار سے ملک بھر میں ایک مسلمہ مثالی حیثیت رکھتا تھا اور کسی طرح سے بھی اوقاتِ ایکٹ کی
زدیں نہ آتا تھا۔ حکومتِ وقت نے اُسے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد بھی آپ نے مرکزی یا صوبائی
حکومت کے سربراہان سے اس سلسلہ میں جا کر ملنا گوارا نہ فرمایا بلکہ قانونی چارہ جوئی کا معروف راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی چنانچہ
ایک مردِ مجاہد شیخ جج سید محسن ترمذی کے عدالتی فیصلہ کے تحت ہی دربارِ گولڑہ شریف کو محکمہ اوقاف سے واکذا کر کیا گیا۔

سیاسیات کے متعلق آپ کا نظریہ

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے آپ نے کبھی عملی طور پر ملکی سیاسیات میں حصہ نہ لیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام بذاتِ ایک

مکمل نظریہ حیات ہے۔ عدل و انصاف کے جو اصول اسلام نے پیش کیے ہیں اُن کے سامنے دُنیا کے تمام دیگر نظام ہیج ہیں۔ کیونکہ اسلام خود اُس خالق کائنات جل جلالہ کا تجویز کردہ ہے جو علام الغیوب ہے اور انسان کی فطرت اور روایات سے خوب واقف ہے مخلوق کے بنائے ہوئے نظام بھلا اُس کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اسلامی نظام کی ترویج کے لیے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے حتی الوسع کوشش فرمائی اور اس سلسلہ میں متعدد مقامات پر پریس کانفرنسوں اور جلسوں میں بھی شرکت فرمائی۔

روزمرہ کے معمولات

حضرت بابو جی کا قیام آستانہ عالیہ سے قریباً سو گز پر اپنے رہائشی گھر کے قریب بیٹھک پر رہتا تھا جس کا تفصیلی ذکر اسی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر آچکا ہے۔ بیٹھک پر آپ کی ذاتی ضروریات کی دیکھ بھال، پہلے مخلص محمد حیات عرف جرنیل کیا کرتے تھے جرنیل صاحب عرس شریف اور دیگر تمام اہم تقاریب پر مجالس کا انتظام بھی کراتے تھے۔ وہ موتیابند کی وجہ سے بینائی سے معذور ہوئے تو مخلص غلام مصطفیٰ چشتی نے یہ ڈیوٹی سنبھالی۔ بیٹھک کے دروازے ماسوائے رات کے چند گھنٹوں کے ہمیشہ ہر کہ و بہ پر کھلے رہتے تھے۔ شام کے وقت آنے والے مہمانوں سے سب سے پہلے آپ یہ پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے۔ اگر نہ کھایا ہو تا تو فوراً اُن کے کھانے کا انتظام فرماتے۔ اگر انہوں نے رات رہنا ہو تا تو منکر شریف پر رہائش کے لیے ہدایات جاری فرماتے۔ بیرون ملک سفروں کے دوران بھی آپ کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ایسے سفروں پر اکثر ملتان کے خواجہ منظور حسین صاحب کے صاحبزادے خواجہ خدا بخش جنہیں آپ کے ساتھ ایک خاص نسبت تھی آپ کے ہمراہ رہ کر آپ کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھتے۔ سفر کے دوران بھی ملاقات کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔

پابندی معمولات کا حد درجہ اہتمام اور التزام تھا۔ ۳۷ برس کے طویل عرصہ ارشاد میں کسی دن معمولات میں تبدیلی آتے کسی نے نہ دیکھی۔ تہجد سے لے کر تقریباً صبح ۹، ۱۰ بجے تک نماز اور ورد و وظائف اور تلاوت کلام پاک میں مصروف رہتے۔ گولڑہ شریف میں موجودگی کے دوران مجلس سماع کا روزانہ اہتمام فرماتے جو روزانہ ۱۰ بجے سے لے کر ۱۲ بجے دوپہر تک جاری رہتی اپنے خصوصی قوال حاجی محبوب علی صاحب کی تربیت آپ نے اُن کی ادا اہل عمر ہی سے ذاتی طور پر نہایت محنت اور اہتمام سے فرمائی اور انہیں اس پائے تک پہنچا دیا کہ اُن کی مجلس قوالی تصوف کے اہم مسائل بالخصوص وحدت وجود میں ایک درس اور وعظ کا مقام حاصل کر گئی۔ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کے زمانہ ہی سے وحدت وجود کی تعلیم و اشاعت گوارہ بن چکا تھا۔ سیدنا شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا درس حضرت کی محفل کا ایک خاصہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اُس زمانہ میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے حضرت کی ذات مبارک اپنی مثال آپ تھی۔ اس بات کا اعتراف علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے بھی اپنے اس خط میں کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت کی خدمت میں حضرت شیخ اکبر کے نظریہ زمان و مکان پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ میں استدعا کی تھی۔ اس خط کا متن اس کتاب کے صفحہ ۳۶ پر درج کیا جا چکا ہے۔ وحدت وجود کا مسئلہ اسلامی فلسفہ روحانیت کا ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے جسے صحیح طور پر سمجھنے کے لیے نہ صرف ظاہری علم بلکہ وجدان کا ہونا بھی از حد ضروری ہے اور وجدان ایک ایسی شے ہے جو اہل اللہ کے قرب و توجہ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت بابو جی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اعلیٰ کے زمانہ میں اس مسئلہ کے متعلق طالب علموں کے شوق کی بھی یہ حالت تھی۔

اور حضرت کی صحبت اور تامل میں نے انہیں اس حد تک گمراہ کیا تھا کہ امام پنہانی بابیہ کے شعروں سے بھی دعوت و تہذیب کے اعمال نکال کر تھے حضرت کے وصال کے بعد اس تصور کی اشاعت ہوئی کہ جو اسی نے قوال کے دربار و اہل ایک روٹاں مسک پر وہاں گشتگوئیوں اور شہ فرمایا کہ یہ ہے حضرت کا شعر ہے۔

قَدْ كَانَ وَمَا مَعَهُ مَا كَانَ مِنَ الْاَكْوَانِ اَلَا اَنْ كُنَّا كَانِ مُشْتَرِكًا وَلِاِيَادِنَا

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کثرت کو الحقیقۃً والاحتمالاً ان اطراف میں ایک قطعی طور پر
پھر میں نے پایا کہ میں پہچان ہاں تب وحدت سے کثرت کو غور جو کہ اپنے نفس ذات حق سے اس قدر غور کے بعد
میں وہ ذات اسی طرح ہے جیسے اپنے حق میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور ایک جہاں میں ہے کہ اس میں سے یہ سب کچھ
غور میں آتا ہے اور آتا ہے گا لیکن اس میں کمی نہیں آئے گی۔ پھر فرماتے گئے کہ محبوب قوال کو جب میں نے شروع
شروع میں یہ غور میں نہ کیا اور مجھے تو چھنے لگا کہ وعدت و نذر کیا چیز ہے۔ میں نے کہا کہ کائنات
آپ پر تھیں معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے روز صبح اس سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگا کہ ذات میں سے غائب رکھتا ہے کہ
میں حضرت اعلیٰ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہوں۔ قبر شق ہو جاتی ہے اور آپ کی اصل مبارک خاک ہر جہاں سے اس میں سے
اسی قسم کی لاتعداد شعلیں نکلتی ہیں اور فنا ہوتی ہیں اور یہ مسئلہ جاری ہے اور اصل فعل ایسے کی ویسی رہتی ہے۔ میں نے
اسے کہا کہ یہی وحدت الوجود ہے۔ اس غائب کے بعد محبوب کو تقدس نے اس غور کے بیان کرنے میں ایسا ملکہ عطا
فرمایا جس کا اندازہ اس کی قوالی سننے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت بابو جی یہ جی فرمایا کرتے تھے کہ محبوب کی قوال کو سمجھنا
ہر ایک کا کام نہیں۔ اسے صرف صاحب علم و نسبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور علم میں یہ ظاہری علم نہیں بلکہ باطنی علم۔ مشنوی
مولانا روم، مولانا جامی کے نعتیہ کلام اور فارسی زبان کے دیگر اکابر شعرا۔ بالخصوص حضرت شیخ سعدی، خواجہ حافظ شیرازی
اور حضرت امیر خسرو کے صوفیانہ اور عارفانہ کلام کو حضرت بابو جی کی مجلس سماع میں ایک خاص خاص تمام حاصل تھا۔ پھر انہی زبان
میں حضرت بقیعہ شاہ صاحب، خواجہ غلام فرید صاحب اور حضرت علی حیدر صاحب کے کلام کو بھی بڑے اشتیاق سے سنتے
نعت رسول، عشق و محبت، درد و سوز اور وحدت الوجود کے مضامین کو آپ بالخصوص پسند فرماتے۔ محبوب قوال کو سفر و
حضر میں اپنے ہمراہ رکھتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اعلیٰ کے تشریف لے جانے کے بعد محبوب ہی کی دہشت و وقت
کچھ اچھا کٹ گیا ہے۔

سماع کے متعلق آپ کا نظریہ

سماع کے متعلق قبلہ بابو بھی کا وہی نظریہ تھا جو آپ کے والد ماجد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا تھا جس کا ذکر اسی کتاب کے صفحات نمبر ۱۵۵ تا ۱۶۲ پر تفصیلاً آچکا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بعد از شریفیت میں وہاں کے قندار خانے کرام سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو سیدنا غوث اعظم قدس سرہ فرمادی کہ خانقاہ شریفیت کی جامع مسجد کے خطیب زادہ قاسم نقشبندی نے فقہ حنفی کے مشہور محقق علامہ ابن عابدین شامی کے اُستاد علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ایضاح التلکلات کا ایک نسخہ مجھے دیا اور فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اس موضوع پر لکھنا مشکل ہے۔ چنانچہ وہ رسالہ مولانا آپ کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ علامہ موضوع کی تحقیق کا نصاب یہ ہے کہ سماع فی ذاتہ ممنوع اور حرام نہیں البتہ اس کے ساتھ بعض غیر شرعی اور منہک

عوارض شامل ہونے کی وجہ سے اُسے ممنوع قرار دیا گیا ہے مثلاً غیر محرم عورتوں سے سُنانا۔ فحش اور غیر شرعی کلام سُنانا۔ شراب وغیرہ کی مجالس میں راگ رنگ کا ہونا وغیرہ۔ اگر ان عوارض سے مجلس سماع پاک ہو اور توحیدِ خداوندی، اسلام کی عظمت، بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبولانِ خدا کی مدح و ثنا ہو تو اس کے ممنوع ہونے پر کوئی قطعی نص دلالت نہیں کرتی۔

یادِ الہی

حضرت بابو جیؒ نے اپنے والد بزرگوار کے فیضِ روحانی کو بھی بالکل اُسی طرح جاری رکھا جیسا کہ اُن کے اپنے وقت میں تھا۔ جہاں تک عبادت اور یادِ الہی کا تعلق ہے آپ کی حیاتِ اقدس ایک مستقل مجاہدہ تھی۔ آپ کے شب و روز کا تقریباً تین چوتھائی حصہ بیداری، نماز، ورد و وظائف اور ذکرِ الہی میں گزرتا۔ ہر وقت با وضو رہتے۔ تمام نمازیں باجماعت اول وقت میں ادا فرماتے۔ اُٹھتے بیٹھتے پلٹتے پھرتے ذکر و تسبیح کا ظاہری شغل جاری رہتا۔ ذکرِ قلب و باطن کی صحیح کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم اس پر آپ کا یہ اپنا جملہ دال ہے کہ یادِ الہی سے ایک لمحہ بھی غافل رہنے سے بہتر ہے کہ انسان کو موت آجائے۔ غرض ہر لحاظ سے مثنوی مولانا رومؒ کے ان اشعار کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

غفلت از دے یک زماں صدمگ دال زندگی یاد است نزدِ عارفان

ترجمہ۔ اُس ذاتِ پاک کی یاد سے ایک لمحہ کی بھی غفلت کو نادموتوں کے برابر سمجھ کیونکہ عارفوں کے نزدیک اُس کی یاد ہی زندگی ہے۔

ایں جہان و آل جہاں فانی بُود غیر یادش جُملہ نادانی بُود

ترجمہ۔ یہ جہاں اور وہ جہاں دونوں فانی ہیں۔ بس اُس کی یاد کے علاوہ سب نادانی ہی نادانی ہے۔

یادِ او سرمایہٴ امیاں بُود ہر گدا از یادِ او مُسُطال بُود

ترجمہ۔ اُس کی یاد ہی ایمان کا سرمایہ ہے اور ہر گدا اُس کی یاد ہی سے سلطان بن جاتا ہے۔

یادِ او گر مونسِ جانت بُود ہر دو عالم زیرِ فرمانت بُود

ترجمہ۔ اگر اُس کی یاد تیری جان کی مونس بن جائے تو دونوں جہان تیرے تابع فرمان ہو جائیں۔

رسولِ مقبولؐ سے والہانہ محبت

حضرت بابو جیؒ کا ایک امتیازی وصف آپ کا مسلکِ ادب تھا۔ حسب مرتبہ و مقام اس ادب کے موردِ اعلیٰ سرکارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات والاصفات سے لے کر اہل بیتِ کرام اور تمام اکابرینِ داوولیلئے اُمتِ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے حضور رسالتِ پناہ سے توحضور بابو جیؒ کو حقیقی اور والہانہ عشق تھا جو فنا بیتِ آمہ تک پہنچا ہوا تھا اور جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں حضور کا نام اظہر سُننے ہی فرطِ ادب سے آپ کا سر جھک جاتا اور اکثر برقت طاری ہو جاتی۔ قوالی کی مجالس میں حضور کی تعریف و توصیف اور عرضِ سلام و نیاز روزانہ کا مستقل معمول تھا۔ حضرت مولانا جامیؒ کے نعتیہ کلام کو بالخصوص پسند فرماتے اور بسا اوقات اُن کی کسی منتخب نعت کی کسی کئی روز تک مجلس میں تکرار رہتی۔ حج کا زمانہ نزدیک آتا تو محبوبِ آپ کے ذوق کے پیش نظر حضرت جامیؒ کی اس نظم کو اکثر دہراتا۔

اِحْنِ شَوْقاً الادیارِ لِقیت فیہا جمال سلما

ترجمہ میں اُس ديار کے شوق میں گریاں ہوں جہاں مجھے سلامتی اپنے محبوب کا وصال حاصل ہوا تھا۔

حضرت بابو جیؒ اسے سُنتے جاتے اور آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتا۔ اسی شوق میں ساہا سال تک تقریباً ہرج کے موہر پر دیار حبیب کی حاضری دیتے رہے۔ ایک دفعہ جب سفر ارض مقدس میں کچھ سرکاری موانع درپیش آئے تو حسرت بھر سے بچے میں فرمایا کہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ مدینہ شریف کے راستے پر آنے جانے ہی میں غمگن نہ رہا جائے لیکن اربابِ اقدار کو ہماری اتنی سی خواہش کا پورا ہونا بھی گوارا نہیں۔ مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حاضری کے دوران آپ پر ایک عجیب کیفیتِ نیاز طاری رہتی۔ وہاں کے جانوروں تک کا ادب اور مدارات فرماتے۔ بارگاہ رسالت سے رخصت ہوتے وقت بہت روتے۔ مدینہ شریف سے تقریباً دس میل باہر جدہ کی شہر پر ایک ایسی جگہ آتی ہے جہاں سے روضہ اقدس کے مینار آخری مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اس رُوح پر درنظارہ کی جگہ پر موٹروں کو روک کر محبوبِ قوال سے پنجابی کا ایک فراقیہ ماہیا پڑھواتے جس کے آخری بول یہ ہیں۔

بازار دکندا کُلف۔ خوش دس ماہی دیا مُکا۔ تے اسیں پردیسی جی دے ڈھولا

ڈھول جانی ساڈی گلی آویں تینڈی مسہ جانی

ترجمہ۔ بازار یکے ہے کُلفا۔ خوش بس سخن کے مُکا۔ ہم ہیں پردیسی، جیو جانی

دیس ہمارے آنا، مہربانی

اُس کے بعد وہاں کی زمین چومتے اور اشکبار واپس روانہ ہو جاتے۔

۱۹۴۹ء سے میلاد النبیؐ کے موقع پر ولادتِ مبارکہ کی شب کو آپ نے ایک ایسی مجلس کا اہتمام فرمایا شروع کیا جس کی کیفیت کا اندازہ صرف اُس میں شریک ہونے والے ہی لگا سکتے ہیں۔ گولڑا شریف میں بجلی آجانے کے بعد حضرت بابو جیؒ کے ایک پُرلے سگی کے فرزند سید صفت علی شاہ نہایت اخلاص و محنت کے ساتھ اسے اس خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ درود و صلوٰۃ اور مدح و ثنائے رسولؐ پر مشتمل مجلس سعیدرات بھر جاری رہتی اور حضورؐ کی ولادت کے معروف وقت، صبح صادق پر ایک سو ایک گولوں سے حضورؐ کی بارگاہ اقدس میں سلامی پر ختم ہوتی۔ الحمد للہ کہ یہ مجلس مبارک حضرت بابو جیؒ کے وصال کے بعد بھی اُن کے فرزند ان ارجمند کے زیرِ اہتمام اُسی احتشام و احترام سے منعقد کی جا رہی ہے۔

سرکارِ بغداد، خواجہ غریب نواز اور مولانا رومؒ سے نسبت و تعلق

حضور رسالتؐ کے بعد سرکارِ بغداد حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور حضرت داتا گنج بخش مخدوم سید علی ہجویریؒ سے آپ کو خصوصی عقیدت اور نیاز تھا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ سے آنجناب کے مسئلہ طور پر سلطان الادلیا ہونے کے علاوہ خود جیلانی النسب ہونے کی بنا پر حضرت بابو جیؒ کو اپنے حضرت اعلیٰ کی طرح ایک خاص اناص نسبت اور تعلق تھا۔ چنانچہ گولڑہ شریف کا لنگر ہمیشہ لنگرِ خوشیہ کہلاتا رہا اور اب بھی کہلاتا ہے۔ اور جس شان و اہتمام سے حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ کا عرس مبارک نوآگیارہ ربیع الثانی کو یہاں منایا جاتا ہے شاید ہی کسی اور جگہ

منایا جاتا ہوگا حضرت بابو جی نے بغداد شریف کئی دفعہ حاضری دی ۱۹۷۲ء میں آخری حج مبارک کے بعد بھی بغداد شریف حاضر ہو کر واپس تشریف لائے۔ وہاں آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں آپ کا اور آپ کے رفقاء کا قیام ہوتا۔ صبح کی نماز کے بعد مزار مبارک کے باہر والے کمرہ میں بالکل جالی مبارک کے سامنے حضرت بابو جی بیٹھ کر حسب معمول اپنے وظائف میں مشغول رہتے۔ پھر قریباً آٹھ بجے محبوب قوال سیدنا غوث الاعظمؒ کی خدمت اقدس میں سلام اور منقبت اور دیگر نعتیہ کلام پیش کرتا اور پھر دعا کے بعد یہ مجلس ختم ہوتی۔ وہاں قیام کے دوران بغداد شریف کے مختلف دینی مدارس کے اساتذہ کرام سے ملاقات رہتی۔ اکثر ان کی دعوت کا بھی انتظام فرماتے۔ کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، کاظمین شریفین، حضرت امام اعظمؒ حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سرسری سقنیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت بہلول دانا، حضرت ابراہیم خواص رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت نبی یوشع علیہ السلام اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مزارات مبارک پر حاضری دیتے۔ بصرے میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے مزارات مبارک کی زیارت کے لیے کئی بار حاضر ہوتے۔ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں بھی مزارات مبارک کے سامنے محبوب قوال سلام پیش کرتا۔ حضرت یوسف صاحب گیلانی جو آستانہ عالیہ کے متولی ہیں اکثر حضرت بابو جی کے پاس تشریف لاتے اور مجلس فرماتے۔

قونیہ شریف ترکی میں حضرت مولانا نے رومیؒ کے مزار پاک پر بھی آپ نے چار مرتبہ حاضری دی۔ حضرت مولانا کو آپ "قافلہ سالار عشق" کے لقب سے یاد فرماتے اور ان کے مزار مبارک پر لکھے ہوئے اس شعر کو اکثر دہراتے تھے۔

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام ہر کہ ناقص آید ایں جا شد متام

ترجمہ۔ یہ مقام عاشقوں کا کعبہ ہے۔ یہاں جو ناقص بھی آیا وہ کامل ہوا

حضرت مولانا کے مزار مبارک کو اب بطور ایک عجائب گھر کے رکھا جاتا ہے۔ جب آپ پہلی دفعہ وہاں حاضر ہوئے تو وہاں کے مدیر اور گورنر کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں۔ وہ لوگ آپ کے اخلاق حسنہ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ آپ کو عجائب گھر کے اوقات کے بعد اندر حاضر ہو کر قوالی کرانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی شامل ہوئے اور باوجود اس بات کے کہ فارسی نہیں سمجھتے تھے، بے اختیار روتے رہے۔ محبوب نے اسی اوپر لکھے ہوئے شعر سے اپنی قوالی کی ابتدا اس طرح سے کی۔

بہیں تفاوت راہ از گجاست تا کج کج گولڑا کج قونیہ

نہ من ہیودہ گرد کوچہ و بازار سے گردم

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام ہر کہ ناقص آید ایں جا شد متام

یعنی دیکھئے کہاں گولڑا، کہاں قونیہ۔ کتنا طویل فاصلہ ہے مگر میں راتنا سفر بے مقصد طے کر کے نہیں آیا اور نہ بے ہودہ کوچہ و بازار میں گرداں ہوں میں تو اس لیے آیا ہوں کہ یہ مقام عشاق کا کعبہ ہے اور یہاں جو ناقص بھی آیا، کامل ہو کر گیا۔

حضرت احمد مختار عطاس المدنی بھی اس سفر کے دوران حضرت بابو جی کے ہمراہ تھے۔ انہیں خواب میں حضرت مولانا نے حضرت بابو جی کی دعوت کرنے کا اشارہ فرمایا۔ مدیر صاحب نے یہ خواب سنا تو وہ اصرار کرنے لگے کہ یہ دعوت میں کروں گا۔ حضرت بابو جی نے فرمایا کہ اچھا آپ دعوت کریں مگر اس شرط پر کہ دعوت کا خرچ ہم دیں گے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ بھی تو حضرت مولانا ہی کا ہے۔ مدیر صاحب مشکل اس شرط پر راضی ہوئے اور جو دعوت ہوئی اس کی کیفیت بھی عجیب تھی حضرت بابو جی فرماتے تھے کہ کھانے سے بالکل طبیعت پر کوئی گرانی یا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی تھی

اور یہی جی چاہتا تھا کہ انسان کھاتا چلا جائے۔ اس سفر کے دوران آپ استنبول بھی گئے۔ وہاں حضرت ابو بٹ الصاری کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کے ہاتھ چومتے تھے اور دُعا کے لیے استدعا کرتے۔ پورا ڈیڑھ گھنٹہ آپ وہاں اس طرح رُکے رہے۔ یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ مشنوی شریف کا درس آپ کی مجلس سماع کا ایک لازمی جزو تھا۔

تقسیم ملک سے پہلے حضرت بابو جی ہر سال اجیر شریف کے عرس مبارک پر حاضری دیتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی آپ کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔ حضرت بادا صاحب فرید الدین سعود گنج شکر کے مزار مبارک پر پاک پتن شریف بھی ہر سال حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا جامی کے مزار شریف پر بھی اکتوبر ۱۹۷۹ء میں وصال سے قریباً تین سال قبل ایک مرتبہ حاضر ہوئے اور وہاں چار پارچے روز قیام فرمایا۔ یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت جامی کا نعتیہ کلام آپ کو بہت مرغوب تھا اس کے علاوہ اپنے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے تمام بزرگان کا انتہائی ادب فرماتے یہاں تک کہ اُن کے خاندانوں کے کم سن بچوں کی آمد پر بھی احترام اٹھڑے ہو جاتے اور یوں اپنے متعلقین کو درس ادب دیتے۔

لنگر شریف کا انتظام

اپنی تمام مذکورہ مصروفیات ذکر و شغل کے باوجود حضرت بابو جی لنگر شریف کے انتظام و انصرام میں جہاں روزانہ سینکڑوں اور حضرت سیدنا غوث الاعظم اور حضرت اعلیٰ کے اعراس مبارک کے موقع پر ہزاروں مہمانوں کو قیام و طعام مہیا کیا جاتا ہے گہری اور ذاتی دلچسپی لیتے۔ یہاں تک کہ عرس کے دوران بسا اوقات تمام دن کچھ کھائے بغیر گزر جاتا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم کے مہمانوں کے آرام و آسائش کو اپنے آرام پر مقدم سمجھتے اور اس بات سے خائف رہتے کہ خدا نخواستہ اُس ذات عالیہ کے مہمانوں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ یہ اسی ذاتی دلچسپی اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ دربار گولڑہ شریف ہمیشہ حسن انتظام کا ایک قابل تقلید نمونہ رہا اور آج تک ہے۔

آستانہ عالیہ پرتوئین کی تعداد میں مسلسل اضافہ کے پیش نظر حضرت بابو جی نے دو نئے مہمان خانے بنوائے۔ ایک بڑا مجلس خانہ تعمیر کروایا۔ مسجد کی از سر نو دو منزلہ تعمیر و توسیع فرمائی۔ مدرسہ اور طلباء کی رہائش و تعلیم کے انتظام کو نئی صورت دی۔ تمام آستانہ عالیہ پر بکلی فراہم کروائی۔ حکومت نے آستانہ عالیہ ہی کی وجہ سے راولپنڈی سے دربار شریف تک پختہ سڑک کی تعمیر کا انتظام کروایا اور اوستی میں سروس بھی جاری کروائی تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں سہولت ہو۔

عجز و انکسار

جیسا کہ سابقہ فصل میں لکھا جا چکا ہے حضرت بابو جی کا مٹا زترین وصف آپ کا عجز و انکسار اور انھیں حال تھا۔ اسی وصف کے تحت آپ نہ تو خود کبھی تعیذانہ کلمات فرماتے تھے اور نہ کسی اور کی زبان یا قلم سے اپنی تعریف کسی صورت سُنا پسند فرماتے۔ انسان کی صفت عجز کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بارگاہ الہی میں سب سے زیادہ مقبول ہے اس لیے کہ اُس ذات بزرگ و برتر میں سب منصورہ صفات کاملہ موجود ہیں۔ صرف عجز ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُس کے یہاں نہیں ہے اور نہ ہی اُسے اُس کے ساتھ منسوب کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جیسے انسان کی دنیاوی زندگی میں بالعموم اُسی تحفے کی قدر زیادہ کی جاتی ہے جو تحفہ لینے والے کے پاس پہلے سے موجود نہ ہو۔ اسی طرح بارگاہ ایزدی میں بھی عجز و انکسار کا تحفہ

بدرجہ اولے قابلِ قدر و قبولیت ہے۔

حُسنِ اخلاق

اسی عجز و انکسار کا ایک اور مظاہرہ حضرت بابو جی کا عظیم المثال حُسنِ اخلاق تھا۔ آپ کے نزدیک کسی بھی انسان کی قدر و منزلت اس کے دنیاوی جاہ و مرتبہ کی بنا پر نہیں بلکہ اُس کے اخلاص و محبت اور شرافت و نجابت کی بنا پر ہوتا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کی مجلس میں غریب و امیر سب شامل ہوا کرتے تھے اور آپ سے یکساں توجہ پاتے تھے بلکہ غربا کے ساتھ آپ کی طبیعت زیادہ لگتی تھی اور آپ اکثر اُن سے خوش طبعی بھی فرماتے۔ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ ملنے والے کو بھی سُنْگِ (یعنی ساتھی) یا "آشنا" کہہ کر پکارتے۔ آپ کے بچپن کے کئی غریب ساتھی تادمِ آخر آپ کی خصوصی محبت کا مرکز بنے رہے اور بالآخر موت نے جب انہیں آپ سے جدا کر دیا تو آپ ایسے ہی متاثر اور متاسف ہوئے جیسے اپنے عزیز افراد کی جدائی سے ہوتے تھے۔ نتیجہً آپ سے وابستہ ہر شخص یہ خیال کرتا تھا کہ آپ اُسی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ حالانکہ آپ کے متعلقین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی اکثر اپنے مخلصین کی عیادت، تعزیت یا شرکتِ جنازہ کے لیے طویل سفر اختیار فرماتے متوفی متعلقین کے پسماندگان کی مسلسل خبر گیری فرماتے۔ اگر کوئی فریبی تعلق والا کسی وجہ سے کچھ دُوری بھی اختیار کر لیتا تو آپ کی طرف سے تعلق اور توجہ میں مطلقاً کمی نہ آنے پاتی جس کی وجہ سے بسا اوقات وہ خود ہی پشیمان ہو کر دوبارہ نزدیک آ جاتا۔ ایسے مواقع پر آپ اکثر یہ بھی فرماتے کہ غالباً دیر تک میرے ساتھ رہنے سے یہ صاحبِ میرے عیوب سے پوری طرح واقف ہو گئے ہیں اس لیے اب ملنا پسند نہیں کرتے۔ مخالفین کی معاندت کا جواب ہمیشہ حُسنِ خلق سے دیتے اور وقت پڑنے پر اُن کی بھی اُسی طرح دلجوئی اور امداد فرماتے جیسے اپنے مخلصین کی۔ چنانچہ مخالفین باوجود اپنی مخالفت کے آپ کی وسعتِ اخلاق کے ہمیشہ معترف رہے۔ حضرت بابو جی کا حُسنِ اخلاق غیر مُسلموں کے لیے بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لیے ۱۹۲۷ء کے فسادات کے دوران گولڑہ شریف کے غیر مُسلموں سے آپ نے جو مشفقانہ سلوک فرمایا اُس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مُسلم صاحبانِ آپ کی مجالسِ سماع میں بھی شریک ہوتے اور اُن سے لُطفِ اندوز ہوتے تھے اور بحالتِ کیف "اللہ اللہ" اور "محمد محمد" کے اسمائے پاک کی تکرار بھی کیا کرتے۔ کچھ ہندو اور سکھ صاحبان اپنی قیام گاہوں پر بھی محبوبِ قوال کی مجلسِ قوالی منعقد کرواتے۔ الغرض حضرت بابو جی کا وجودِ مبارک سلفِ الصالحین کے اس ارشاد کی زندہ تصویر تھا کہ تصوف سارے کا سارا حُسنِ اخلاق ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس موضوع پر حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تصوف کے ان معانی اور معارف کا انکار کرے تو جنابِ رسولِ پاکؐ کی پوری شریعت اور آنجناب کے اخلاقِ حسنہ کا مُنکر ہے۔

رحمِ دلی و غریب نوازی

حضرت بابو جی کی ذاتِ مبارک میں قدرت نے رحمِ دلی اور بے سہارا لوگوں کے لیے جذبہ ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ محبت اور آشنا پرورنی آپ کا خاصہ تھا۔ ملنے والوں اور لنگر شریف کے مہمانوں کے آرام و سہولت کو آپ ہمیشہ اپنے ذاتی آرام پر فوقیت دیتے رہے۔ ملاقات کے دروازے ہر ایک پر ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ صبح کے وقت وظائف اور اُوراد

کے دوران بھی ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔ ہر کہ وہ کہی ڈودا بڑی توجہ سے سنتے اور بیان کرنے والے کی تکلیف کو تحقیق طور پر محسوس فرماتے انسان تو انسان حیوانوں کی تکلیف سے بھی آپ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ ایک مرتبہ وہ میر کی سخت سردرات میں بارش ہو رہی تھی۔ راولپنڈی سے واپسی پر آپ نے ایک عمر رسیدہ گدھے کو سڑک کے کنارے کھڑے دیکھا۔ فرمایا کہ جب تک بے چارہ کام کرنے کے قابل تھا اس کی نگہبانی ہوتی رہی۔ اب جب اس قابل نہیں رہا تو اس کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ اسی وقت آدمی بیچ کر اسے ایک محفوظ سایہ دار جگہ پہنچایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ س

طریقت بجز خدمت خلق نیست بتسبیح و سجادہ و دہق نیست

یہ حقیقت ہے کہ بابو جی کے پاس بیٹھ کر اور آپ کی صورت مبارک دیکھنے سے ایسا سکون حاصل ہوتا تھا کہ انسان اپنی تمام تکلیف اور پریشانیاں بھول جاتا تھا۔ ایک روز جنگ کے علاقہ کا ایک سادہ لوح دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا: خیر اسے؟ یعنی خیریت ہے؟ اُس نے جو جواب دیا وہ آپ کے تمام ملنے والوں کے جذبات کی صریح عکاسی کرتا ہے۔ اپنی بولی میں اُس نے عرض کیا: "تساڈے ڈٹھیاں خیر اسے" یعنی آپ کو دیکھ لیا بس خیر ہی خیر ہے۔

جود و سخا

خلق خدا کے ساتھ ہمدردی اور رحم دلی کا ایک اور مظاہرہ آپ کی صفت جود و سخا تھا۔ سینکڑوں بیواؤں اور یتیموں کو نہایت خاموشی سے مالی امداد پہنچاتے۔ غریب سادات خاندان اور دوسرے ایسے اچھے خاندان جو انقلابات زمانہ کی وجہ سے عسرت کا شکار ہو گئے تھے، خاص طور پر آپ کی توجہ سے مستفید ہوتے۔ ۱۹۴۳ء میں جب آپ دوسری جنگ عظیم کے بعد رج پر تشریف لے گئے اُن دنوں عرب میں ابھی تیل کی دریافت نہیں ہوئی تھی اور کئی سال جنگ کے باعث باہر سے حجاج نہ آنے کی وجہ سے وہاں پر لوگوں کی مالی حالت سخت تشویش ناک ہو گئی تھی۔ اُس موقع پر آپ نے وہاں کے لوگوں کی اتنے وسیع پیمانے پر مالی امداد فرمائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ غرضیکہ جو بھی سائل دروازہ پر آیا خالی ہاتھ نہ گیا۔

بیماری کی ابتداء اور اسباب

حضرت بابو جی کی صحت بفضلہ اُن کی عمر کے بیشتر حصہ میں قابل رشک رہی۔ میاں قدر سفید لباس، گندمی رنگ، کالی پٹیچ زلفیں اور سر منگھیں بد بھری آنکھیں ایک ایسا نقشہ پیش کرتی تھیں کہ جی چاہتا تھا انسان دیکھتا ہی رہے۔ اپنے چہرے بستر سے آپ اپنی اصل عمر سے بہت کم عمر کے نظر آتے تھے۔ سادہ غذا آپ کو بہت مرغوب تھی۔ کھانے اور پینے کے لیے مٹی کے برتن پسند فرماتے۔ دوران سفر جب اپنے کسی ملنے والے کے ہاں قیام ہوتا تو وہاں کھانوں کی بہتات دیکھ کر آپ ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ بسا اوقات کسی ملنے والے کے اصرار پر اُس کے ہاں کھانے کی دعوت اس شرط پر قبول فرماتے کہ دال یا صرف ایک سامن پکا یا جائے گا۔ ایسا اتفاق بھی ہوتا کہ آپ کسی کے ہاں کھانے کے وقت بلا اعلان پہنچ جاتے اور جو کچھ اُس وقت گھر میں پکا ہوتا آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ اُس وقت آپ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اپنے لیے تو کیسا اچھا کم مergen کھانا پکاتے ہو اور ہمیں بیمار کرنے کے لیے کھاتے ہیں اتنا سارا گھی ڈال دیتے ہو۔ پہل پسندی سے آپ ہمیشہ دُور رہے جسم کو مشقت کا ایسا

عادی بنایا تھا اور پیدل اتنا تیز چلتے تھے کہ اپنے سے بہت کم عمر والوں کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ گھوڑے کی سواری کو بھی آپ پسند فرماتے اور بسا اوقات صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ساتھ کے گاؤں میرا باد یہ تشریف لے جاتے۔ شام کے وقت آپ عموماً راولپنڈی تشریف لے جاتے۔ وہاں شروع میں آپ حاجی محمد شفیع صاحب کی دوکان واقع پُرانا قلعہ پر قیام فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ پُرانے قلعہ سے آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ایک اور مخلص منشی رحیم بخش صاحب کے گھر لال کڑتی بھی تشریف لے جاتے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب پٹرول کاراشن تھا تو آپ پنڈی کا یہ روزانہ سفر مانگے پر فرماتے کچی سڑک پر یہ ۲۰ میل کا سفر خاصا کمشن ہوتا تھا۔ لنگر تشریف سے گولڑہ تشریف کے ریلوے سٹیشن تک آپ ڈومیل پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں سے مانگے پر سوار ہوتے۔ حاجی محمد شفیع صاحب سے آپ کا پُرانا تعلق تھا۔ دوسرے باثروت لوگوں نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حاجی شفیع صاحب کے ہاں جلنے کی بجائے اُن کے ہاں جایا کریں۔ مگر پُرانے تعلق کو چھوڑنا آپ کے مسلک میں نہ تھا۔ جب حاجی شفیع صاحب بوجہ بیماری اپنی دوکان پر آنے سے معذور ہو گئے تو پھر آپ نے شام کے وقت منشی رحیم بخش صاحب لال کڑتی والوں کے پٹرول پمپ موسومہ چاولہ گیراج مال روڈ پر تشریف لے جانا شروع کیا۔ لال کڑتی کا یہ خاندان لنگر تشریف سے بڑی عقیدت رکھتا ہے منشی رحیم بخش صاحب کے بھتیجے حاجی غلام قادر صاحب تو اپنی جوانی ہی سے حضرت بابو جی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے۔ شام کی ان مجالس میں راولپنڈی شہر اور باہر سے آئے ہوئے بڑے بڑے صاحب علم و ذوق حضرات شامل ہوتے اور علمی اور روحانی مسائل زیر بحث آتے۔ حضرت بابو جی کی ذات مبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا وقار، تمکنت اور جلال عطا فرمایا تھا کہ آپ کی تمام مجالس نہایت سنجیدہ اور پُر وقار ہوتیں۔

اللہ والوں کے پاس بالعموم زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو زمانہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے درد کا درماں اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ اپنی نفوس قدسیہ کے ہاں مل سکتا ہے۔ بقول امیر مینائی

علا ہے مہرباں فریاد رس مسد یاد کرتے ہیں

پاکستان کے وجود کے ابتدائی سالوں میں حاکمان وقت کی غلط روی، اقربا پروری، ذاتی مفاد کی خاطر بھاگ دوڑ اور غریب عوام کے مسائل کی طرف انتظامیہ کی بے توجہی وغیرہ نے خلق خدا کو مختلف النوع تکالیف میں مبتلا کر دیا۔ جو بھی آنا ایک نئے ستم کی سرگزشت مانتا۔ حضرت بابو جی کی حد درجہ حساس طبع مبارک پر ان داستان ہائے غم کا شدید اثر ہوتا۔ ۱۹۷۱ء کے مشرقی پاکستان کے المیہ اور پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کو آپ نے اس شدت سے محسوس کیا کہ بیان سے باہر ہے جنگی قیدیوں کے اقربا جب دُعا کے لیے حاضر ہوتے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ ان سب باتوں کا اثر آپ کے قلب پر ہونا لازمی تھ۔ ۱۹۷۱ء حج کے دوران آپ نے حج سے واپسی پر حضرت جامیؒ کے مزار مبارک پر حاضری دینے کا پروگرام بنایا اور ستمبر ۱۹۷۱ء کے آخر میں موٹروں پر یہ سفر فرمایا۔ موٹروں کے اس قافلہ میں آپ سب سے آخر میں مخلص عزیز الحق قریشی جو نوابزادہ محمد سعید قریشی کے فرزند اور نوابزادہ محمد ذاکر قریشی صاحب کے بھتیجے ہیں، کی موٹر میں سفر فرماتے رہے۔ سرگودھا کا یہ قریشی خاندان صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتا ہے۔ اور ان کے جد امجد محمد حیات صاحب قریشی کا حضرت اعلیٰ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اُن کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۲۹۸ پر آچکا ہے۔ عزیز الحق قریشی صاحب حضرت بابو جی کو فی الواقعہ بہت عزیز تھے جاتے ہوئے قندھار میں قیام کے دوران آپ نے سخت کمزوری اور دل کے مقام پر بے چینی محسوس فرمائی۔ ٹھنڈے پسینے بھی آئے مگر آپ نے رُفقاہ کو پریشان نہ کرنے کے خیال سے اس کو زیادہ اہمیت نہ دی اور سفر جاری رکھا۔ راستہ میں پھر اُسی تکلیف

کا اعادہ ہوا اور ہرات پہنچنے پر ڈھآر کے اصرار پر ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ اُس نے فوری طور پر مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی اور دوا سیاں بھی دیں مگر آپ جس مقصد کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے اُس کی تکمیل کے بغیر آرام ناممکن تھا۔ آپ روزانہ تین چار گھنٹے حضرت جامی کے مزار مبارک پر حاضری دیتے۔ ہرات میں ۵ روز قیام کے بعد آپ کابل اور مزار شریف سے ہوتے ہوئے ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو واپس تشریف لائے مگر واپس آتے ہی آپ کو مٹھ ٹوانہ ضلع سرگودھا ایک شادی کے سلسلہ میں جانا پڑا۔ وہاں سے راستہ ستیانہ و ممکھیانہ ضلع جھنگ ملتان تشریف لے گئے ممکھیانہ میں بٹنے والوں کے اصرار پر آپ کو متعدد جگہوں پر پیدل چلنا پڑا اور ایک جگہ ایک نالے کو چھلانگ لگا کر عبور کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ممکھیانہ سے آگے راستے ہی میں کبیر والہ کے مقام پر آپ نے دوبارہ دل کے قریب تکلیف محسوس فرمائی۔ اور وہ دوائی دوسری موٹر سے منگوا کر منہ میں رکھی جو ڈاکٹر کرنل شفیع صاحب نے ایسے موقع پر استعمال کے لیے دی تھی۔ ملتان پہنچنے پر آپ پر نفاہت کا ایک زبردست حملہ ہوا۔ ملتان میں آپ خواجہ مظفر محمود صاحب کے صاحبزادے خواجہ محمد مسعود کی کوٹھی پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ انہیں آپ بوجہ ان کی مٹی ہوئی طبیعت کے فقیر صاحب کے لقب سے خطاب فرماتے تھے۔ ملتان کے خلیفین نے وہاں کے تمام اچھے ڈاکٹر بلا لیے اور انہوں نے آپ کو وہاں دو تین روز زبردستی آرام فرمانے کے لیے رکھا اور گولڈ تشریف واپسی کے لیے موٹر کے سفر سے منع کیا۔ لہذا آپ کو لاہور سے آگے ہوائی جہاز میں راولپنڈی لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنے روزمرہ کے مشاغل میں سرگرمی فرمانا گوارہ نہ فرمایا۔ صاحبزادگان مدظلہما العالی کے اصرار پر صرف اتنا کیا کہ مجلس سے واپس مکان کو جاتے ہوئے راستے میں چڑھائی ہونے کی وجہ سے آپ پیدل جانے کی بجائے موٹر پر تشریف لے جانے لگے۔ فرماتے تھے کہ تم لوگ آرام آرام کہہ کر مجھے بالکل معذور بنا دو گے۔ دل کی تکلیف سے ذرا افادہ ہوا تو مسلسل سچکی کی تکلیف شروع ہو گئی جس نے جسم مبارک کو اور بھی کمزور کر دیا۔ اس دوران حج کا زمانہ آگیا۔ ڈاکٹروں کی شدید مخالفت کے باوجود آپ نے حج پر جانے کا پروگرام بنالیا اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں آپ اپنے تمام اہل خاندان اور متعدد دوسرے متعلقین کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر بغداد شریف، کربلائے معلیٰ نجف اشرف اور کاظمین شریفین بھی حاضری دی۔ ایسے سفرؤں کے دوران آپ ہمیشہ اپنے سب فقار کو سوار کر کے پھر سوار ہوتے اور منزل پر پہنچ کر ہر ایک کے لیے قیام کا انتظام فرما کر پھر اپنے لیے جگہ ڈھونڈتے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سب فقار اپنے ڈیروں پر ٹپکتے ہیں اور آپ باہر میدان میں تشریف فرما ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے سفرؤں میں چونکہ طبیعت کا رجحان کیٹوئی سے منزل مقصود کی جانب ہوتا ہے اس لیے دوران سفر کسی تکلیف یا کمزوری کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔

حج سے واپسی اور استغراق

مندرجہ بالا سفر آپ کا آخری سفر حجاز و عراق تھا۔ اس سفر کے بعد حضرت بابو جی کی طبع مبارک میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ آپ اب اکثر و بیشتر خاموش رہنے لگے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا جسم تو یہاں ہے مگر قلب و روح کسی نہایت ہی ارفع مقام پر ہیں۔ بعض مرتبہ استغراق کا یہ عالم بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ نے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ان دنوں آپ اکثر محبوب قوال کو مثنوی شریف مولانا روم کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔

چند بارشی عاشق صورت بگو طالب معنی شو و معنی بگو

ترجمہ — تو کب تک صورت کا عاشق رہے گا۔ معنی کی طلب اور تلاش کر

صورت ظاہر نہ اگرد بدال عالم معنی بساند جادواں

ترجمہ — یہ جان لے کہ ظاہری صورت تو فنا ہو جائے گی لیکن معنی کی دنیا ہمیشہ رہنے والی ہے
گفت المعنی هو اللہ شیخ دیں بھر معنی ہاست رب العالمیں

ترجمہ — شیخ دیں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معنی ہی معنی ہے اس کی ذات پاک معانی کا ایک سند ہے

ایسے لگتا تھا کہ آپ کو اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کا علم ہو گیا ہے اور ان اشعار کے اعادہ سے آپ اپنے ملنے والوں کو اپنی جدائی کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ اپنے ملنے والوں کے لیے حضرت بابو جی کی ذات مبارک ایک ایسا محبوب و معبود و مودا تھی جس کا بیان ممکن نہیں۔ اُن کی تو کائنات ہی آپ کے دم قدم سے آباد تھی اور اُن کی زندگی کی رونق آپ کے وجود ہی سے تھی۔ ایک دنیا آپ کی گردیدہ تھی۔ اور خود آپ سے بھی یہ بات مخفی نہ تھی۔ اپنی تمام زندگی رہ گزر عشق میں گزارنے کی بنا پر آپ یہ جانتے تھے کہ جدائی کیسی تکلیف دہ چیز ہوتی ہے بقول عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ

از سدا بق تلخ می رانی سخن ہر چہ خواہی کن و یکن ایں کن

ترجمہ — تم تلخ جدائی کا ذکر کر رہے ہو (حضور!) سب کچھ کرنا مگر یہ نہ کرنا

چنانچہ آپ خوب سمجھتے تھے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والوں پر کیا گزرے گی۔ آپ کے ایک دیرینہ نیازمند مہر احمد نواز خان نے جو اکثر اپنی پر مزاح باتوں سے آپ کی طبیعت ہلایا کرتے تھے، مندرجہ بالا اشعار سن کر آپ کی خدمت میں ایک روز عرض کیا کہ آپ ہیں معنی کی باتیں سناؤں کہ دوسرے راستہ پر نہ لگائیں ہم جانتے ہیں کہ معنی بہت اچھی چیز ہے تاہم ہمیں تو صورت ہی بڑی پیاری ہے آپ اسی کو ہمارے پاس رہنے دیں؟ ۵۔ نومبر ۱۹۷۳ء کو آپ اپنے دیرینہ نیازمند ریاست امب کے نواب صاحب کے انتقال پر ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے شیر گڑھ تشریف لے گئے اور ۶۔ نومبر کو واپسی پر ریحانہ ضلع ہزارہ میں بھی سردار بہادر خان کی والدہ کی تعزیت کے سلسلہ میں رکتے ہوئے اُسی رات واپس گولڑہ تشریف تشریف لے آئے۔ ۸۔ نومبر ۱۹۷۳ء صبح کے وقت ناشتہ کے بعد آپ نے حسب معمول محبوب قوال سے کلفت لگوائی اس کے لگاتے ساتھ ہی آپ نے زبان کی روانی میں رُکاوٹ محسوس فرمائی۔ محبوب قوال جب بیٹھک سے نیچے اُتر تو اُس نے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت بابو جی کی زبان کی روانی میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت بابو جی بھی نیچے تشریف لائے اور آپ نے بھی لالہ جی سے یہی ذکر فرمایا۔ لالہ جی مدظلہ العالی نے بھی گفتگو کے دوران زبان کی روانی میں فرق کو محسوس کیا اور اُسی وقت آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر کرنل محمد شفیع صاحب کو ٹیلیفون پر اطلاع دی۔ وہ فوراً آئے اور دیکھ کر بتایا کہ زبان پر فالج کا اثر ہے اور مکمل آرام کے لیے عرض کیا۔ مگر آپ نے اپنے معمولات میں مزید صرف اتنی تبدیلی فرمائی کہ موٹر کا استعمال مجلس سے گھر تشریف لے جانے کے علاوہ گھر سے مجلس کے لیے بھی ہونے لگا۔ ایلوپیتھک دایوں کے ساتھ ساتھ ہومیو پیتھک اور یونانی ادویہ بھی استعمال کی گئیں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی افادہ ہو گیا تاہم زبان کی روانی کلیتہً بحال نہ ہوئی۔

حضرت مدنی صاحب کی آمد

اُدھر حج کا زمانہ پھر آن پہنچا اور آپ اپنی کمزوری اور تکلیف کے باوجود دیارِ پاک کی حاضری کے لیے تیار ہونے لگے۔

ڈاکٹر صاحبان نے شدت سے منع فرمایا۔ بلاخر یہ ارادہ فرمایا کہ حج کے بعد عمرہ کے لیے جائیں گے۔ جب وہاں بحیرہ ذرا کم ہوئی۔ اور حضرت مدنی صاحب کو بھی اُن کی آنکھ کے آپریشن کے لیے اپنے ساتھ پاکستان لے آئیں گے۔ ابھی یہ پروگرام بن ہی رہا تھا کہ ۵۔ مارچ ۱۹۷۳ء کو اچانک اطلاع ملی کہ حضرت مدنی صاحب کراچی پہنچ چکے ہیں۔ یہ اطلاع ملنے پر حضور بابو جیؒ بعد ڈاکٹر کرنل محمد شفیع، مشتاق قوال، خواجہ فدا بخش و خواجہ محمد اعظم ملتانی کے ۶۔ مارچ کو بذریعہ ہوائی جہاز حضرت مدنی صاحب کے استقبال اور انہیں ساتھ لانے کے لیے کراچی پہنچ گئے۔ حضرت مدنی صاحب کا تعارفی ذکر اس کتاب کے صفحہ ۳۳۹ پر حاشیہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت بابو جیؒ سے انہیں بے حد نیاز اور حقیقی معنوں میں عشق تھا۔ آپ جو خط بھی حضرت بابو جیؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے انہیں ان الفاظ سے شروع کرتے۔۔

من مسقط رأس المدينة المنورة الى مسقط قلبی گولڈا شریف

ترجمہ۔۔ یہ خط جاربہ اُس دیار پاک سے جہاں میرا سرگرا ہے۔ طرف اُس دیار گولڈا شریف کے جہاں میرا دل گرا ہے۔ افسوس کہ حضرت بابو جیؒ کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مدنی صاحب بھی یکم رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو اس جہان فانی سے دار بقا کی طرف تشریف لے جا کر حضرت بابو جیؒ سے جا ملے۔

کراچی میں حضرت بابو جیؒ شروع میں صادق ٹریڈرز کے دفتر میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کے ایک اور ملنے والے مخلص احمد داؤد نے جب اپنا مکان بنوایا تو بڑے اصرار سے التجار کے آپ کو وہاں قیام کرنے پر راضی کیا۔ احمد داؤد صاحب کا حضرت بابو جیؒ سے پاکستان بننے سے پہلے ممبئی میں تعارف ہوا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کراچی آ گئے۔ حضرت بابو جیؒ سے بے حد محبت کرتے تھے اور کراچی اور بیرون ملک سفروں کا تمام انتظام اُن کے سپرد ہوتا تھا۔ دل کے مریض تھے مگر لنگر شریف کے کاموں کے لیے پیدل دوڑتے پھرتے تھے۔ حضرت بابو جیؒ بعد مدنی صاحب ۹۔ مارچ کو کراچی سے واپس تشریف لے آئے۔ آپ کی واپسی کے دوسرے ہی روز اطلاع ملی کہ احمد داؤد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے آپ کو نہایت دلی صدمہ ہوا اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی کو جنازہ میں شمولیت کے لیے کراچی بھیجا۔

مکرموری اور علامت کے باوجود حضرت بابو جیؒ کی مصروفیات اور معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ کی بیماری کی خبریں سن کر ملنے والوں کا جھوم بڑھ گیا۔ ۲۲۔ مارچ ۱۹۷۳ء کو بغداد شریف سے درگاہ حضرت غوث الاعظمؒ کے متولی سید یوسف انگیلانی تشریف لائے۔ اُن کی خاطر مدارات میں بھی حضرت بابو جیؒ ذاتی طور پر شمولیت فرماتے رہے۔ ۳۰۔ مارچ ۱۹۷۳ء کو مانی سارا صاحبہ ترکی سے حضرت بابو جیؒ کی بیماری پُرسی کے لیے تشریف لے آئیں۔ یہ ترکی کے مشہور جرنیل النور پاشا کی اولاد سے ہیں اور حضرت مولانا نے روم سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں۔ حضرت بابو جیؒ سے ان کی ملاقات قونیہ شریف حضرت مولانا کے مزار مبارک کے باہر ہوئی اور چونکہ یہ کچھ عرصہ پہلے انگریزی سمجھتی ہیں اس لیے وہاں پر یہ حضرت بابو جیؒ اور مدیر صاحب و دیگر ترکی انتظامیہ کے ملازمین کے درمیان بطور مترجم کام کرتی رہیں۔ حضرت بابو جیؒ کے اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہیں اپنا بھائی کہنے لگیں اور اس سے قبل بھی ایک دفعہ آپ کو ملنے کے لیے پاکستان آئی تھیں۔ ۱۶۔ اپریل ۱۹۷۳ء کو یوم عید میلاد النبیؐ تھا۔ اس موقع پر آستانہ عالیہ پر جو خاص تقریب ہوتی ہے اُس کا ذکر اسی فصل کے شروع میں آچکا ہے۔ حضرت بابو جیؒ پہلی بار اس مجلس میں بذاتہ شامل نہ ہو سکے کیونکہ رات تقریباً گیارہ بجے آپ کو سردی کے ساتھ شدت کا بخار آ گیا۔ آپ کے تشریف نہ لانے کا اثر ساری مجلس پر تھا۔ حضرت بابو جیؒ کی جگہ آپ کے صاحبزادگان نے مجلس کی تقاریب کو سرانجام پہنچایا

مگر وہ خود بھی اپنے والد بزرگوار کی غیر شمولیت پر غمزدہ نظر آتے تھے۔

حضرت مدنی صاحب کی تشریف آوری سے حضرت بابو جی کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ مدنی صاحب کو موتیا بند کی تکلیف تھی اور پہلے بھی آپ کی ایک آنکھ کا اپریشن پاکستان ہی میں ہو چکا تھا۔ اب دوسری آنکھ میں تکلیف تھی۔ اور حضرت بابو جی کا خیال تھا کہ اُس کا اپریشن بھی یہیں ہو جائے کیونکہ یہاں تسلی بخش اپریشن کے علاوہ آپ کی دیکھ بھال کا خاطر خواہ انتظام ہو سکتا تھا۔ غرضیکہ مدنی صاحب کی دوسری آنکھ کا اپریشن بھی کامیابی سے ہو گیا۔ آپ ابھی زیر علاج تھے کہ سیدنا غوث الاعظم کا عرس مبارک ۲۰، ۲۱، ۲۲ مئی ۱۹۷۴ء کو آن پہنچا۔ اس موقع پر گولڑہ شریف میں خلق خدا کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور اُن سے ملاقات کا تو اترا تن وقت طلب اور اس قدر تھکا دینے والا ہوتا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ نے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ اس کے علاوہ حضرت بابو جی عرس کی سہ روزہ باقاعدہ مجالس میں عموماً دو زانو بیٹھا کرتے تھے اور بہت کم پہلو بدلتے۔ انہی تقریبات کے دوران جمعہ کے روز ختم تشریف کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد آپ نے محسوس فرمایا کہ آپ کی ایک ٹانگ بالکل بے حس ہو گئی ہے۔ مجلس کے خاتمہ پر آپ بڑی مشکل سے سہارے کر قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ اس تکلیف کے باوجود آپ نے جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر باجماعت ادا فرمائی۔

ہسپتال میں داخلہ اور حضرت مدنی صاحب کی واپسی

عرس مبارک کے تھوڑے ہی دنوں بعد ۱۱ مئی بروز ہفتہ آپ کو غدو و مٹانہ بڑھ جانے کی وجہ سے پیشاب میں رکاوٹ کی تکلیف ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے غدود کے اپریشن کا مشورہ دیا جس کے لیے آپ کو کلبائندہ ملٹری ہسپتال میں جمعرات ۱۶ مئی ۱۹۷۴ء کو کمرہ نمبر ۴ میں داخل کرا دیا گیا۔ حضرت مدنی صاحب نے جب حضرت بابو جی کی اس تکلیف کو دیکھا تو آپ اس وطن جانے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ غالباً وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کی موجودگی کی وجہ سے حضرت بابو جی کے علاج کی طرف توجہ میں کمی واقع ہو۔ حضرت بابو جی کو جب مدنی صاحب کے اصرار کا علم ہوا تو آپ نے بار بار اُن کی خدمت میں یہی کہلوایا کہ ابھی تشریف نہ لے جائیں مگر مدنی صاحب بدستور مصر رہے۔ آخر اُن کی خواہش کے سامنے سب کو جھکنا پڑا۔ اور وہ ۲۶ مئی ۱۹۷۴ء بروز اتوار رات ساڑھے آٹھ بجے تشریف لے گئے۔ اُن کی روانگی سے ایک روز قبل حضرت بابو جی ڈاکٹر صاحبان سے اجازت لے کر انہیں خیر باد کہنے کے لیے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ دوسرے روز آپ کا پروگرام انہیں ہوائی اڈہ پر جا کر رخصت کرنے کا بھی تھا۔ مدنی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے گزارش کی کہ آپ ہوائی اڈہ پر تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تو آپ کو مدینہ شریف تک چھوڑ کر آنے کا تھا آپ مجھے ہوائی اڈہ تک جانے سے بھی منع فرما رہے ہیں۔ جب مدنی صاحب نے دوبارہ وہی گزارش کی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ کیا آپ نے یہاں مزید قیام فرمانے کے متعلق میرا کہا مانا ہے کہ میں آپ کا کہا مانوں؟ غرض آپ ہوائی اڈہ پر تشریف لے گئے۔ واپسی پر حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ مدنی صاحب میرا جنازہ پڑھا کر جاتے مگر افسوس کہ یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ مدنی صاحب کے اپنی واپسی پر غیر معمولی اصرار کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بھی حضرت بابو جی کے عنقریب اس دُنیا سے تشریف لے جانے کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ جانکاہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

علالت کے دوران ملنے والوں کی بے چینی

حضرت بابو جی کی علالت نے آپ کے تمام ملنے والوں کو بے چین کیا ہوا تھا جس کی کو بھر ہوا اُس نے حتی الوسع کوشش کی کہ بیمار پُرسی اور زیارت کے لیے ہسپتال میں عارضی دسے۔ دُور دراز سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ نتیجتاً ہسپتال میں پوچھنے والوں کا آنا بندھا رہتا تھا۔ ملاقات کے اوقات کے دوران وہاں باہر باجماعت نمازیں ادا کی جاتیں۔ اور کھانے کے وقت ایک لمبا ستر خوان بچھا ہوتا۔ آپ کی علالت کے اس دور میں آغا شورش کا شمیری نے چٹان پور خدہ ۲۰ مئی ۱۹۷۷ء میں ایک نظم لکھی جو آپ کے ملنے والوں کے احساسات کی ترجمان ہے۔ آغا شورش بقول خود کسی اور میدان یعنی میدان سیاست کے شاہسوار تھے۔ تحریک ختم نبوت میں انہیں حضرت بابو جی کے قریب آنے اور دیکھنے کا موقع ملا اور آپ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی اکثر مجالس میں اس کا ذکر کرتے۔ حضرت بابو جی انہیں منع فرماتے کہ آپ جن الفاظ میں میرا ذکر کرتے ہیں میں اُن کے بالکل قابل نہیں ہوں۔ آپ ایسا نہ کیا کریں مگر وہ بھلا کہاں رُکنے والے تھے۔ ہمدردی و ذلیل نظم بھی جب آپ کو ہسپتال میں سُنانی گئی تو آپ نے پھر شورش صاحب کی طرف پیغام بھیجوا یا کہ ایسا نہ کیا کریں۔

گولڑہ کے معتقد اس درد سے لاپار ہیں	اُن کے مُرشد اک مہینہ ہو گیا بیمار ہیں
تندرستی دے انہیں اُسے مالک ہر دو جہاں	ہم فقیروں کے لیے وہ اجر گوہر بار ہیں
قرنِ اول کے صحابہ کی عزیمت اُن سے ہے	بالیقین حلقہ بگوش سیدالابرار ہیں
اُن کے دل میں حضرت صدیق اکبر کی لگن	حضرت فاروق کی شمشیر جو ہر دار ہیں
منظر عثمان ذوالنورین از راہِ حسن	حیرتِ کراتار کی نیمبرسکن تنوار ہیں
میں نے دیکھا ہے انہیں مسیحِ یومِ الست	خواجہ بطحٰی کی دعوت کے علمبردار ہیں
میکد سے میں تیشہ کاموں کے لیے ساغر بدست	بتکہ میں غیرتِ اسلام کی لٹکار ہیں
فردِ استغنا کا پسِ کراہِ پاکستان میں	ایشیا میں لشکرِ اسلام کے سالار ہیں

اس غریب الحال پر اُن کی عنایت بے حساب

لڑہ بر اندام شورش سے وسیع کار ہیں

احسنی ایام

حضرت بابو جی مسلسل ۹ روزہ ہسپتال میں ڈاکٹر بریگیڈ زیر آتی۔ ڈی جی اور ڈاکٹر کرنل اکرم کے زیرِ علاج رہے۔ دونوں ڈاکٹر صاحبان نے خصوصاً ڈاکٹر کرنل اکرم نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ مگر آپ کی انتہائی کمزوری کے باعث اپریشن کرنے سے بچکچپاتے رہے۔ اس دوران عیادت کرنے والوں کا آنا لگا رہتا تھا۔ ہسپتال کا عملہ انہیں ملاقات سے منع کرتا تھا۔ اس سے حضرت بابو جی کی طبعِ مبارک پر بوجھ پڑتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ بے چارے دُور دراز کا سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور یہاں انہیں ملنے میں اتنی دُشواری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ باصرار ۳ جون ۱۹۷۷ء کو گولڑہ شریف واپس تشریف لے آئے۔ سب گھر والوں سے اور تمام غویس و اقارب سے ملاقات فرمائی۔ اپنے دو نوصاحبزادگان کو اور اپنے سارے پوتوں کو بلا کر

نصیحت فرمائی کہ دیکھنا آپس میں اتفاق رکھنا۔ اپنے آپ کو صاحبزادہ نہ بنانا بلکہ لوگوں کا خادم بنے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کمروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور ملنے والے باہر تکلیف میں کھڑے رہیں۔ آرام طلب نہ بننا۔ مشقت اور تکلیف سہنے کی عادت ڈالنا۔ مالک کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہونا اُس کے حقوق ادا ہوں گے تبھی منزل مقصود کو پہنچو گے۔ ایک روز اپنے بڑے صاحبزادہ حضرت لالہ جی کو مشنوی مولانا نے روم کے یہ شعر کھولائے۔

صورت ظاہر چہ جوئی اے جوان زو معانی را طلب اے پہلواں

ترجمہ۔ اے جوان ظاہری صورت کو کیوں تلاش کرتا ہے۔ جا اور معنی کی جستجو کر۔

صورت و ہیأت بد چوں قشر و پوست معنی اندر دے چوں مغز اے یار دوست

ترجمہ۔ ظاہر صورت مشکل پھلکے کے ہے۔ معنی اس کے اندر مثل معنہ موجود ہے

در گزر از نام و بسنگ در صفات تا صفات راہ نماید سوائے ذات

ترجمہ۔ نام کو چھوڑ اور صفات کو دیکھ تاکہ صفات تمہیں ذات کی طرف رہنمائی کریں

گم شوی در ذات و آسانی ز خود چشم تو یک رنگ بسند نیک و بد

ترجمہ۔ اپنے آپ کو چھوڑ اور اُس کی ذات میں گم ہو تاکہ تیری آنکھ، نیک و بد کو ایک رنگ سے دیکھے

کار او با بستگان بد چمن ادا کرم منما بود بر عاصیاں

ترجمہ۔ وہ اپنے گناہگار بندوں سے اس طرح سلوک کرتا ہے کہ اُن پر اپنا کرم منماتا ہے

گر نہ عاصی آمدے اندر جہاں رحمت ایزد کج بودے عیساں

ترجمہ۔ اگر دنیا میں گناہ گار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے ظاہر ہوتی

گولڑا شریف آنے کے بعد آپ نے پھر اُن تمام لوگوں سے ملنا شروع فرما دیا جو بیمار پُرسی کے لیے آتے تھے۔

اس سے طبیعت کی کمزوری میں اضافہ ہوا اور مشانہ کی تکلیف زیادہ ہو گئی۔ ساتھ ہی ۹ جون ۱۹۴۴ء کو آپ کو شدید بخار آ

گیا۔ اس پر حضرت صاحبزادگان نے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو دوبارہ ہسپتال پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ جب

آپ سے اس بارہ میں عرض کیا گیا تو فرمانے لگے۔ تمہاری مرضی ہے تو لے چلو مگر وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ۱۱ جون

۱۹۴۴ء کو آپ کو دوبارہ دن کے تین بجے ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے پہلے فوری طور پر اپریشن کرنا چاہا لیکن پھر آپ کی

کمزوری کے پیش نظر رک گئے۔ اس کے بعد کے چند ایام آپ نے نہایت تکلیف میں گزارے۔ دفع نقابت کی غرض سے گلو کو

لگانے کے لیے خون کی رگ تلاش کرنے میں کئی کئی بار آپ کے جسم مبارک میں سوئیاں چھوئی پڑیں مگر زبان پر شکر خداوندی کے

علاوہ کبھی کوئی جملہ نہ آیا۔ ڈاکٹر صاحبان جب دیکھنے کے لیے آتے اور حال دریافت کرتے تو آپ ہمیشہ فرماتے الحمد للہ اللہ کا بڑا شکر

ہے۔ آپ کی اس بے پناہ قوت برداشت پر ہسپتال کا سارا عملہ حیران تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں ایسا راضی برضا مریض

پہلی بار دیکھا تھا۔ ان دنوں مخلصین عبدالرزاق مٹھیا لوی، راجہ غلام سرور، محمد نثار صدیقی اور ملک غلام ربانی آپ کی مسلسل دیکھ

بجال کرتے رہے۔ دونوں صاحبزادہ صاحبان بھی ہر وقت موجود رہتے اور مہمانوں اور عیادت کرنے والوں سے ملتے رہتے۔

چونکہ اتنے آدمیوں کا کمرہ کئے اندر جانا محال تھا اس لیے جب کبھی آپ تکیہ لگا کر چار پائی پر بیٹھتے تو سامنے والی کھڑکی کھول دی

جاتی تاکہ آنے والے دورہی سے کھڑے ہو کر اپنے پیارے بابو جی کی زیارت کر لیں۔

نے غسل دیا۔ اُس کے بعد جدِ مبارک کو حرمِ سرا میں لے جایا گیا تاکہ اہل خانہ زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ رات ہی کو بذریعہ ٹیلیفون آپ کے وصال کی اطلاع ہر طرف بھیج دی گئی تھی۔ قُرب و جوار کے لوگ تو رات ہی سے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ریڈیو پر آپ کے وصال کی خبر صبح کی خبروں میں نشر کی گئی۔ صبح ۹ بجے حضرت بابو جی کے دونوں فرزند ارجند شاہ غلام معین الدین اور شاہ عبدالحق مدظلہما العالی مجلسِ خانہ میں تشریف لائے۔ باوجود ضبط کے تمام اہل مجلس اشکبار تھے۔ مولانا فیض احمد صاحب نے حضرت بابو جی کی پاکیزہ زندگی کا مختصر خاکہ اور بزرگانِ خدا کے وصال کے خواص بیان کیے۔ محبوبِ قبال نے مولانا فیض احمد صاحب کا اُسی روز کا کہا ہوا مندرجہ ذیل فارسی مرثیہ پڑھا جسے سن کر ساری مجلس زاد و قطار رو رہی تھی۔

مرثیہ

وا حسرتا کہ خواجہ حق آشنا برفت	مقتبول بارگاہِ شہِ دوسرا برفت
سبطِ جناب حمید رو و بلند غوثِ پاک	فد زندہ شاہ مہر علی حق منشا برفت
آن مخزنِ محبت و آلِ معدنِ سخا	خواجہ غلام محی دین سپید بھٹی برفت
شد آسماں بگریہ و نالہ زہیں بسوز	آں خیر خواہ و مؤنس خلق خدا برفت
اے دردِ عشق خاک بسر ریز و اشکبار	اے حسنِ گریہ کن کہ بہارِ شما برفت
تاریک گشتِ عالم و جد و سماع و ذوق	آں مردِ پاکباز سرِ اصفیا برفت

سن وصال فیض شنیدم نہ ہا تھے
آن کمالِ پیکرِ مہر و وفا برفت

۱۳۹۴ھ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہجوم میں اضافہ ہوتا گیا۔ اگرچہ موسم گرما کا شباب تھا۔ تاہم تمام دن بادل چھائے رہے اور کبھی کبھی نہایت ہلکی بوند باندی بھی ہوتی رہی گویا آسمان بھی اہل دنیا کے ساتھ اس جانکاہ واقعہ پر اشکبار تھا۔ نمازِ ظہر کے بعد قریباً ۲ بجے جنازہ حرمِ سرا سے باہر لایا گیا۔ ہجوم اس قدر تھا اور شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لیے اس قدر بے قرار تھا کہ جنازہ کو بڑی مشکل سے گیراج تک پہنچایا گیا۔ اُس وقت جنازہ کے اوپر بابایلوں اور چڑیوں کے جھنڈ فضا میں پروا کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ جنازہ مہمان خانہ نمبر ۱ کے صحن میں ایک تخت پوش پر رکھ دیا گیا تاکہ عوام الناس زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ نمازِ عصر کے بعد جنازہ کو دربارِ شریف کے جنوب مغرب میں ایک کھلے میدان میں بذریعہ وگن پہنچایا گیا کیونکہ لوگوں کے فرط شوق زیارت اور ہجوم کے باعث چارپائی پر لے جانا ناممکن تھا۔ اس وقت حاضری کی تعداد اخباری اطلاعات کے مطابق اڑھائی تین لاکھ تھی۔ پشاور سے کراچی تک کے لوگ جنازہ پر پہنچ چکے تھے جن میں کثیر تعداد علمائے کرام، مشائخِ عظام، سجادہ نشین صاحبان اور مقتدر حضرات کی تھی۔ ۶ بجے شام حضرت سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سابق سفیر حکومتِ عراق کی امامت میں جو بارگاہِ غوثیہ بغداد شریف کے موجودہ متولی کے بھائی اور حضرت سیدنا غوث الاعظم کی اولاد و امجاد میں سے تھے سچے سچے شام نماز جنازہ پڑھائی گئی اور پھر بذریعہ وگن ہی جنازہ واپس لا کر آپ کو اپنے والد بزرگوار قبلہ عالم سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے مزارِ اقدس کے اندر اُن کے مشرقی پہلو میں نمازِ مغرب کے قریب دفن کیا گیا۔ وہ چاند جس نے عرصہ سے ایک

عالم کو اپنے نور سے منور کر رکھا تھا مخلوق کی نگاہوں سے زیر زمین روپوش ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

وصال کے بعد کے حالات

۲۳۔ جون ۱۹۷۴ء اور اُس کے بعد کئی روز تک ملک کے تمام اخبارات میں حضرت بابو جی کے متعلق مضامین نہیں اور مرثیہ جات شائع ہوتے رہے۔ ریڈیو پاکستان سے آپ کی زندگی کے مختصر حالات اور مختصر رخصتات کے تاثرات نشر کیے گئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے بھی آپ کے متعلق ایک خاص مینشن نشر کیا، اُوبارہ اور شعراء نے آہِ سخن ہائے وصال اور مرثیہ لکھے۔ ہر مکتب فکر کے علماء اور ہر سلسلہٴ روحانیہ کے مشائخ اور سجادہ نشین تعزیت کے لیے تشریف لاتے رہے۔ ہریچان "لاہور" نے اپنی اشاعت نمبر ۳۰ جولائی میں ملک کے مختلف مکتب فکر کے رہنماؤں کے اُن بیانات کو یکجا کیا جو انہوں نے حضرت بابو جی کے وصال پر دیئے۔ ہم یہ بیانات ناظرین کے مطالعہ کے لیے نقل کیے دیتے ہیں۔

ارادت کے موتی حضرت سید غلام محی الدین شاہ علیہ الرحمۃ کی یاد میں

میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی پاکستان

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو

"اُن کے روتیں روتیں میں اسلام ہی اسلام تھا"

"بلاشبہ آپ کا وجود ایک روحانی عظمت تھا"

چودھری غلام جیلانی امیر جماعت اسلامی پنجاب

ملک غلام مصطفیٰ کھرایم۔ این۔ اے

"اُن کا وجود صداقت اسلام کی دلیل تھا"

"قرنِ اول کی دینی حیثیت کا مجسمہ تھے"

علامہ عبدالعزیز خالد

ایر مارشل اصغر خاں

"انہیں دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمتِ پمیر کی"

"اسلاف کی آخری تصویر تھے"

ملک خضر حیات خاں ٹوانہ

نواب زادہ نصر اللہ خاں

"وہ قطب الاقطاب تھے"

"فقر و استغنا کا نمونہ کامل تھے"

پیر دیول شریف

چودھری ظہور الہی ایم۔ این۔ اے

"شیخ العصر تھے"

"اہل اللہ کی معجزہ نمایوں کا مجسمہ تھے"

علامہ محمود رضوی (جذبہٴ خوف)

حضرت مفتی محمود ایم۔ این۔ اے

"آپ تربیت یافتگان رسالت مآب کا مجسمہ تھے"

"فی الواقعہ تحریک ختم نبوت کے موروثی راہنما تھے"

مولانا ابوالبرکات

خان عبدالولی خان ایم۔ این۔ اے

"تھا اُن میں رنگِ علیؑ اور اُن میں بُوئے رسولؐ"

"علم و تقویٰ کا نادرہ روزگار وجود تھے"

مولانا تاج محمود صاحب لائل پور

پروفیسر غفور احمد ایم۔ این۔ اے

"قامت اُن کی غیرتِ اسلام کی تصویر تھی"

"اُن کا وجود آئینہٴ رحمت تھا"

مولانا غلام اللہ خاں راولپنڈی

حضرت شاہ احمد نورانی ایم۔ این۔ اے

"وہ خانوادہٴ طریقت کا بعلِ شب چرخ تھے"

"اساطیرِ اولیٰ کی تصویر تھے"

مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت لاہور

”اس خدا کی سرزمین پر نور کا پیکر تھے وہ“

اقبال زمیری ایڈیٹر ”شرق“ لاہور

”فقر اسلام کی دلیل محکم تھے“

ہارون سعد ایڈیٹر ”امروز“ لاہور

”انہیں دیکھتے ہی مادیت کا طلسم خانہ پاش پاش ہو جاتا تھا“

شاعر اسلام حضرت احسان دانش

”وہ آدمی تھا مگر دیکھنے کی تاب نہ تھی“

حضرت شفیق کوٹی

”اس وطن کے بتکدے میں نعرہ بکیر تھے“

خواجہ عبد الرحیم بار ایٹ لار

”وہ سچے دلوں کے فاتح تھے“

ملک عباس حسین النجری سعودی عربیہ

”سخاوت کا آبشار تھے“

عزیز انصاری گوجرانوالہ

”فی الواقعہ اُن کا وجود عطیہ ربانی تھا“

بیگم شورشش کاشمیری

”ہادی کامل، مرشدِ دُور، وجودِ سخا کا چشمہ صافی“

سر ارشدِ حیات خاں ایم این۔ اے

”اُنھ گئے تو ایک عانیِ خلا پیدا ہوا“

نواب کریم قریشی ایم این۔ اے

”اُن کے اوصافِ حسنہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے“

مولانا غلام علی اوکاڑوی

”قدرتِ حق آدمی کے رُوپ میں“

سید مظفر علی شمس

”ایک انساں امر بالمعروف کی آواز تھا“

سید خلیل احمد قادری خلیفۃ الرشید مولانا ابوالحسنات مرحوم

”منظرِ حق و صداقتِ حجتِ دین ہدی“

حضرت بابو جی کے وصال کے بعد کئی ہفتہ تک ہر جمعرات کے روز ایصالِ ثواب کے بعد ہزار ہا لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا رہا۔ ۱۱۔ رجب ۱۳۷۴ھ کو پہلے شریف ہوا اور اُس روز بھی بیشتر اخبارات نے آپ کے حالاتِ زندگی اور بعض نے خاص نمبر شائع کیے۔ اس موقع پر بالعموم سب سے بڑے بیٹے کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ مگر چونکہ حضرت قبلۃ عالم کے وصال کے بعد حضرت بابو جی نے یہ رسم ادا نہیں فرمائی تھی اس لیے آپ کے صاحبزادہ صاحبان نے بھی اپنے والد بزرگوار کی اتباع میں اس رسم کی اجازت نہ دی۔ حضرت سید عبدالقادر گیلانی سابق سفیرِ حکومتِ عراق اس تقریب پر بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت بابو جی کو اُن کے ساتھ اُن کے آستانہ عالیہ بغداد شریف کے تعلق کی بنا پر بہت نیاز تھا اور انہیں اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی سفیرِ صاحب کے لقب سے ہی یاد فرماتے تھے۔ سفیرِ صاحب دونوں صاحبزادگان کو لے کر مزارِ شریف پر حاضر ہوئے اور ایک سفید رنگ کا جُبہ نکال کر حضرت لالہ جی کے کندھوں پر ڈالنا چاہا۔ حضرت لالہ جی نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالحق صاحب کو بھی جُبہ کے نیچے لینا چاہا تو سفیرِ صاحب نے فرمایا کہ میں اُن کے لیے بھی الگ جُبہ لایا ہوں۔ دونوں بھائیوں نے روتے ہوئے دونوں جُبے تبرکاً قبول فرمائے۔

حضرت بابو جی نے اپنے دونوں صاحبزادگان کو مذہبی تعلیم جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں مشہور عالم دین مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ کے زیرِ نگرانی دلائی تھی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ انہیں ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے بڑھاپے کی تعلیم و تربیت کے علاوہ لنگرِ شریف کی تمام ذمہ داریوں سے بھی انہیں اچھی طرح رُوشناس کر دیا تھا خلوت و جلوت میں بار بار خصوصی نصائح اور وصیتوں سے اُن کی تربیت فرمائی۔ خدمتِ خلق، مہمانوں کی رعایت، خاطر اور دیکھ بھال اور اتباعِ شریعت و طریقت کی خصوصی تعلیم دی اور خود نمائی سے یکسر دُور رہنے کی ہمیشہ پُر زور تاکید فرمائی۔ دونوں کو بیعت و ارشاد کی اجازت اپنے

وصال سے کافی عرصہ پہلے عطا فرمادی تھی۔ اگرچہ آپ کی زندگی میں ان دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی کسی کو بیعت کرنے کی جرات نہ فرمائی۔ دونوں بھائی اب اپنے والد بزرگوار کی سنت کو اُسی خوش اسلوبی سے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس طرح خود حضرت بابو جی نے حضرت قبلہ عالم کے وصال کے بعد فرمائی تھی۔ لنگر شریف پر مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کی آسائش میں اضافے کے لیے ہر دم کوشاں ہیں۔ خلق خدا کی گذارشات بڑی توجہ سے سُننے اور ان کی دلجوئی فرماتے ہیں۔ دنیا داری اور سیاست سے اُسی طرح الگ تھلگ ہیں جیسے اُن کے اجداد کرام تھے۔ اللہ کریم انہیں بہت و توفیق بخشے کہ اس پر آشوب زمانہ میں استاد عالیہ کے فیض کو اپنے آبا کی طرح جاری رکھ سکیں اور بے سہارا اور بے آسرا لوگوں کا یہ ملجا و مادے تا ابد قائم و سلامت رہے۔ آمین۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت بابو جی کی ذات مبارک کے اوصاف و کمالات بیان کرنا آسان نہیں اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس کے باوجود بھی شاید بیان تشنہ تکمیل ہی رہے۔ یہاں ہم آغا شورش کا تعمیری مرحوم کے مضامین سے چند اقتباسات اس اُمید پر نقل کیے دیتے ہیں کہ شاید قارئین کرام کو حضرت بابو جی کی ذات مبارک کی رفعت، علو مقام اور محبت اوصاف کا کچھ تھوڑا سا اندازہ ہو جائے۔

حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ

یاد اُن کی صرف جاں ہے آج تک

حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ (گولڑہ شریف) سیدنا مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ کے تخت جگر تھے اور معرفت الہی کے وہ تمام اوصاف آپ کی ذات ستودہ صفات میں جمع تھے جن کی بدولت آپ کے مایہ ناز والد کا وجود گرامی عقیدت عوام کا مرجع تھا۔ احقر نے آپ کو پہلی دفعہ ۱۹۵۸ء کے اواخر میں دیکھا۔ سب سے بڑی چیز جو دل پر نقش ہوئی وہ یہ تھی کہ اللہ والے کیا ہوتے ہیں۔ راقم کو اپنے مزاج کی اُفتاد کے باعث رزم و بزم سے تعلق رہا اور ہمیشہ اُن لوگوں کی رفاقت حاصل کی جن کی زندگی کے شب و روز سیاحی معرکہ آرائیوں میں گزرتے رہے۔ راقم کے لیے مشائخ کی صحبتیں اور اہل اللہ کی محفلیں بالکل اجنبی رہیں بلکہ احقر نے اپنی نگاہ کی نارسائی کے باعث ان حلقوں کے شب و روز کو گریز و فرار کا نام دیا لیکن سیدنا غلام محی الدین شاہ (بابو جی) کے فیض نے راقم کے تصورات کی اڑائیں ہی بدل دیں اور وہ خانقاہی سلسلے جو فہم سے ماورائی تھے کچھ اس طرح دل پر نقش ہو گئے کہ پُرانی تصویریں مدھم ہو گئیں اور نئی تصویریں پیدا ہوئیں۔ راقم اپنے رب کے اس کریم بے پایاں کا عمر بھر شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس کو بارگاہ ایزدی سے قلم و زبان کی نزہتیں عطا ہوئیں اور کسی چیز کو تقریر و تحریر میں بیان کرنا دشوار نہیں رہا لیکن جو تاثر، کیف، وجد اور سرور بابو جی کی صحبت میں حاصل ہوا اور اُن کی نگاہ کو جس طرح مہربان پایا حقیقت یہ ہے کہ نہ تو قلم میں بیان کی طاقت ہے اور نہ زبان اظہار پر قادر ہے جس انسان پر آپ نگاہ کرتے اُس کی کایا پلٹ جاتی۔ آپ کے رُوبرو ہونے سے یہ نعمت حاصل ہوتی کہ عظیم انسانوں سے قربت کے فاصلے کیونکر طے کیے جاتے ہیں۔ اور عام انسان اہل اللہ کی صحبت میں کیونکر تاثر حاصل کر تا پھر اس تاثر سے اُن کا دروازہ کس طرح کھلتا۔ اس سے پہلے رغبت کیسے پیدا ہوتی جب اُنس اپنے نشو و نما پہنچتی ہے تو محبت کے عنوان کیا ہوتے ہیں اور محبت کی معراج کا نام عشق ہے۔ پھر عشق میں خود سپردگی جو ن پیدا کرتی ہے۔ بابو جی اپنے اللہ کے تھے۔ حضور سرور کائنات کی ذات اقدس سے آپ کا عشق اس معراج کو پہنچ چکا تھا کہ حضور کی صحبت میں ہوتے تو ہر لمحہ اس تلاش میں رہتے

کہ ان کے گرد پیش رہ کر جان کیونکر دی جاسکتی ہے۔ بابو جی کو حضورؐ سے ایک ایسا لگاؤ تھا کہ ان کے ذکر سے بے خود ہو کر ان کے تصور میں تحلیل ہو جاتے۔ یہ عالم کیا ہوتا، راقم اس کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے لیکن آنکھیں اس منظر کو دیکھ چکی ہیں۔

کئی الفاظ ذہن میں اپنے مطالب کے ساتھ نقش ہو جاتے ہیں لیکن الفاظ ان کی شرح و تفسیر نہیں کر سکتے مثلاً فقر و استغناء، جود و سخا، مہر و وفا، غیرت و حمیت، عفت و حیا، قناعت و شرافت، ایمان و عرفان، ایقان و احسان اور خودی و بے خودی۔

ان الفاظ کی تصویریں انسانی وجود کے تجربے ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ بابو جی ان الفاظ ہی کی معنوی خصوصیتوں اور روحانی کیفیتوں کا مجسمہ تھے۔ احقر نے زندگی میں جید علماء، نامور فضلاء، معروف فقراء اور بڑے بڑے صفت آراء انسانوں کی ہم نشینی اور خوشہ چینی کا فیض چل کیا حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے محاسن کا نادارہ روزگار مجموعہ تھے لیکن بابو جی قدس سرہ کا عالم ہی دوسرا تھا۔ ان کی زبان میں کسی کے لیے آزار نہ تھا۔ وہ عیب بینی، عیب چینی اور عیب گوئی سے خلقی طور پر نا آشنا تھے۔ سب سے بڑی بات کہ ان میں کسی عنوان سے کوئی تردد نہ تھا۔ وہ ایک بہت بڑے باپ کے نور نظر اور خود بہت بڑے انسان تھے لیکن دارا و سکندر سے اولیٰ تھے۔ ان کی فقیری میں بونے اسد اللہی تھی۔ ان میں صدیق کا عشق، فاروق کی سطوت اور عثمان کی سخاوت تھی۔ ان کی نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جان پر سوز تھی۔ وہ قرن اول کے مجازی تھے لیکن فی زمانہ پاکستان میں ولایت عشق کے سرخیل تھے حضور سرور کائنات کی سخاوت سے متعلق جتنی حدیثیں ہیں ان کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کی دعا کا انداز یہ تھا کہ اللہ کریم اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نواز، تیرے در کے سوا اور کوئی دروازہ سالکوں کے لیے نہیں ہے۔ ان کی مڑاوی پوری کر جو تیری بارگاہ میں دعا کے ہاتھ اٹھا کر حاضر ہیں۔ تیرے سوا کوئی دوسرا ستار و غفار نہیں۔

بابو جی علیہ الرحمۃ کی تصویر کھینچنا اپنے قلم کی تمام وسعتوں کے باوجود ناممکن ہے۔ وہ پاکستان کی طویل تر سیاہ رات میں قرن اول کا اجالا تھے۔ وہ ایک عظیم روحانی چراغ تھے جو گرد و پیش دور دور تک اپنی روشنی سے صبح خداں کو شہ مات دیتا تھا۔ وہ عظیم انسان ہونے کے باوجود دنیاوی معاملات کی مبادیات سے بھی نا آشنا تھے۔ انہیں سیاسی مسئلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی فرماتے: مسلمان سیرت محمدیؐ کا اتباع کر لیں تو ان کی تمام مشکلیں آن واحد میں حل ہو سکتی ہیں۔ وہ دوسرے بزرگان کرام کی طرح مسند طریقت پر بیٹھ کر خدائی نہ کرتے تھے۔ وہ فنا فی الرسول اہل اللہ تھے۔ ان کا مسلک محبت تھا۔ عشق کی جوت جلاتے اور شریعت کی چمن بندی پر زور دیتے۔ ان کے رومیوں میں محمدؐ عربی کا عشق بھرا ہوا تھا۔ وہ سرور کائنات کے سوا ہر چیز سے بے نیاز تھے فرماتے: "ایسے اللہ سے لو لگاؤ اور یہ تو محمدؐ سے نسبت پیدا کیے بغیر ناممکن ہے۔"

ہم لوگ جب کبھی دعاؤں کے لیے عرض کرتے تو فرماتے:-

"میں بھی ہاتھ اٹھاتا ہوں، تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ اللہ دیتا ہے اور ہم لیتے ہیں جس خلوص سے مانگو گے، اسی نسبت پاؤ گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا میں کھوئے ہوئے انسان تھے، انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا اور قرن اول کے اسلام کی تصویر کھنچ جاتی۔ وہ عطیۃ الہی اور محبت ربانی تھے۔ ان کی رحلت پر ہندوستان، آکاش وانی کے ایک شیش سے آپ کے سوانح پر جو نقشہ پیش کیا گیا اُس میں ایک بول تھا کہ حضرت سید غلام محی الدین شاہ فی الواقعہ ایک ایسے بزرگ تھے جن سے ہندوستان میں شمع اسلام روشن ہوئی، بُت کدوں میں اذانیں گونجیں اور تعصبات فنا ہو کر انسانیت کا طغریٰ ہو گئے۔ اگر بزرگ عظیم ان جیسے سبوت پیدا کرتا تو انسان کبھی تقسیم نہ ہوتے اور اسلام اس مُسرعت سے پھیلتا کہ نصف آبادی دو تین دہائیوں ہی میں حلقہ گروش اسلام ہو جاتی۔

آخر میں ہم حضرت بابو جی کے ذرا ق میں کھتے ہوئے دوسرے تحریر کیے دیتے ہیں۔ پہلا مرثیہ آلا شورش کا شمعیری مرحوم نے
 کہا تھا اور دوسرا حضرت بابو جی کے جواں سال پوتے سید غلام نصیر الدین شاہ صاحب کا فرمودہ ہے۔ جو اپنی کم عمری کے باوجود
 شاعری میں ایک مفرد مقام حاصل کر چکے ہیں اور نہایت ہی پختہ اور دفع کلام کہتے ہیں۔

فخر حیات خان
 محمد فاضل خان

قرن اول کا اُجالا

حضرت قبلہ سید غلام محی الدین شاہ گولڑا شریف کی فاحشہ آیات

(آز شورش کاشمیری)

اس مملکت کا مردِ مسلمان چلا گیا	رو تا بوں میں کہ سپکبرایاں چلا گیا
بے دست و پا تھے سب بازار لٹ گئے	ناموسِ مُصطفیٰ کا بنگھبساں چلا گیا
اے مرگ ناگہاں ترا شکوئے کریں تو کیا	جائیں کہاں کہ درد کا درماں چلا گیا
رویا کروں گا اُن کی جُدائی میں روزِ شب	میرے لیے تو منبعِ عرفاں چلا گیا
اُن کا وجود آئے رب و دودِ نقا	میرے اُمم کے عشق کا عنوان چلا گیا
یہ سوچتا ہوں اُن سے ملاقات کہاں	رحمتِ سفرِ لپیٹ کے سلطان چلا گیا
دینِ ہدائی کی جوت جگائی تمام عمر	طاقت گزارِ خواجہ گہستاں چلا گیا
اُس کی نظیر کڑوا رہی ہے اب کہاں	اُبھرا، اُبھر کے نیستہ بناں چلا گیا

دیکھے ہیں میں نے اُس کی سحر پر ملائے
 حُسدِ بریں میں یوسفِ کنعاں چلا گیا

مرثیہ از شاہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب

میں نے کون قصہ درِ دل میں اُنگھساں چلا گیا	جسے آشناؤں کا پاس تھا وہ وفا شعار چلا گیا
وہ سخن شناس وہ دُور ہیں وہ گداوار وہ مرجیں	وہ حسیں وہ بحرِ علوم دیں مرا تاجدار چلا گیا
جسے نورِ مہر علی کہیں وہ کہ جس کا نام ہے محی الدین	مجھے کیا خبر کہاں لوٹ کر وہ میری بہار چلا گیا
وہی بزم ہے وہی دُحوم ہے وہی عاشقوں کا ہجوم ہے	بے کمی تو بس اُسی چاند کی جو تہِ مزار چلا گیا
کہاں اب سخن میں وہ گرمیاں کہ نہیں باکوئی قدواں	کہاں اب وہ شوق کی مستیاں کہ وہ پُر وقار چلا گیا
میں جسے سنا تھا درِ دل وہ جو پوچھتا تھا غمِ دروں	وہ گداوار چلا گیا وہ وفا شعار چلا گیا

بہیں کیوں نصیرِ نازک غمِ گدوں کیوں نالہ زاریاں
 مجھے بے دست و پا چھوڑ کر سرِ ہنگام چلا گیا

حضرت بابو جی کی ولادت، عمر اور وصال کی تواریخ

(از شاہ غلام نصیر الدین شاہ صناع)

تولدِ شہ والا حضور بابو جیؒ طلوع بدرِ ہدایت ز بُرجِ مہر علیؒ

۸۰۳۱ھ

غروبِ نجم و فآہِ ارتحالش داں حیاتِ او بجلالِ ودود گشت جلی

۸۶ سال

۱۳۹۴ھ

حضرت قبلہ عالم سیدنا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ

تصنیفات

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق { یہ کتاب کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو حضرت نے

فرمائی۔ شاہ صاحب لکھنوی نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمہ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمت محمدیہ کو اس نشانی مسئلہ کے ساتھ مکلف فرما دیا تھا۔ حضرت پیر صاحب نے اپنی خداداد علمی و عرفانی قابلیت سے نہ صرف شاہ صاحب کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی بلکہ صوفیائے کرام کے مسلك کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی مدلل تشریح فرمائی جو ارباب علم و ذوق کے لیے خضر راہ ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقہ سلوک کو توجہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سکر دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سیرت طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ۲۱۱ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن جس میں عربی اور فارسی کی عبارات کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ شمس الہدایہ { یہ کتاب حضرت سید ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب اس زمین پر نزول فرماتے کے موضوع پر قرآن شہادت کی مدلل تردید تحریر ہے۔ ۶۶ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن

۳۔ سیفِ چشتیائی { ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ یقین فیصلہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت کے موضوع پر اس بے حد مقبول ہے۔ ۲۴۰ صفحات پانچواں ایڈیشن

۴۔ اعلاء کلمۃ اللہ { یہ کتاب دوما اہل بد لغویہ اللہ کی تفسیر ہے جس میں حضرت نے مسائلِ نذر و نیاز، سماعِ موتے، استہلاکِ اولیائے کرام کو نہایت شستہ انداز میں بیان فرمایا ہے اور ان مسائل میں اہل اسلام میں جو اختلافات مدت سے چلے آئے ہیں انہیں اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ۱۴۶ صفحات، پانچواں ایڈیشن

۵۔ مکتوباتِ طیبہ { یہ کتاب پنجاب کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے احباب اور متعلقین کی طرف تحریر فرمائے ان میں بہت سے مسائلِ شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔

۶۔ الفتوحاتِ الصمدیہ { اس کتاب میں مخالفین کی طرف سے حضرت پر کئے گئے ان دس مشکل سوالات کے جوابات دیئے گئے جن پر مخالفین کو بہت ناز تھا۔ کتاب کے آخر میں حضرت کی طرف سے پوچھے گئے بارہ سوالات بھی درج ہیں جن کے جوابات مخالفین آج تک نہ دے سکے۔

۷۔ تصفیۃ بین سنی و شیعہ { اپنی اس تصنیف لطیف میں حضرت نے خلافتِ راشدہ کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کرام کے فضائل کو ازیں سے کتابِ سنت انتہائی متوازن انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ یہ کتاب توازن و استدلالِ مسلک کا شاہکار ہے۔

۸۔ ہدیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم { فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب حضرت قبلہ عالم کی طرف سے مزارِ ایت کی مکمل تردید پر مشتمل ہے۔ اس کے مندرجات کی تفصیل پہلے شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی کے عنوان سے شائع شدہ کتابوں کی صورتِ اردو زبان میں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اب اصل کتاب فارسی بھی فارسی دان حضرات کیلئے شائع ہو چکی ہے اور دستیاب ہے۔

۹۔ مہرِ مہر کی شہرہ آفاق سوانح عمری، آپ کے مصدقہ حالات زندگی، علمی و روحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ، تصنیف کا مختصر خلاصہ۔ قادیانیت کے خلاف آپ کے معرکہ کی داستان نیز آپ کے صاحبزادہ و جانشین حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات وصال ساتواں ایڈیشن ۶۳ صفحات، بہترین کاغذ، آفسٹ طباعت، خوبصورت جلد

۱۔ ملفوظاتِ طیبہ { آپ کے علمی ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ، بارچہارم، آفسٹ طباعت، مجلد نیا ایڈیشن
۱۱۔ مرآۃ العرفان { آپ کا عارفانہ اور روحانی کیفیات سے بھرپور منظوم کلام برقع ایڈیشن۔ دو رنگوں میں آفسٹ طباعت

صلنے کا پتہ: آستانہ عالیہ غوثیہ۔ گولڑا شریف، ضلع اسلام آباد

